یک زمانے صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا



تذکرہ و سوانح

حضرت مولانا

محمد اشرف سلیمانی رح

تصنیف و تالیف

پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم

پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن

پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی

تذکرہ و سوانح

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمتہ اللہ علیہ

پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم

پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن

پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی

جملہ حقوق بحقِ مصنّفین محفوظ ہیں

نام کتاب:	تذکرہ وسوانح حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمتہ اللہ علیہ
ترتیب وتدوین:	پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم
	پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن
	پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی
اشاعتِ اول:	اکتوبر 2018ء بمطابق محرم الحرام 1440ھ
پبلشرز:	الاحمد انٹر پرائزز، پشاور پاکستان
	عبدالمجید :0345-9292470
کمپوزر:	یونس خان خلیل آف پلوسی پیران
قیمت:	
ملنے کا پتہ:	34 پروفیسر کالونی نزد زرعی یونیورسٹی پشاور
	فون:091-5845501، موبائل:0313-2953606
ای میل:	asimmuh@aup.edu.pk
	asimmuh@yahoo.com

قلم نے سر کو جھکا کر لکھا کہ بسم اللہ
ورق نے کھول کے دل رکھ دیا کہ بسم اللہ
(عبدالعزیزشرقی مدنی)

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اِک نظر
جس نے دُنیا ہی بدل دی عشق کی میری لئے

دیدۂ دِل سے خون بہہ نکلا
ٹوٹے دیکھے جو چند پیمانے
علم حاضر نے ہوش یوں کھویا
آج اُجڑے پڑے ہیں میخانے
(مولانا محمد اشرف سلیمانی)

فہرست ابواب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	مقدمہ	1
2	تقریظ	10
3	**باب 1: بچپن وخاندان**	13
4	پیدائش وطفولیت	13
5	سکول وکالج میں تعلیم	14
6	شادی	16
7	خدمت وخدام	17
8	بود وباش	18
9	بیماری ومعذوری	19
10	خطوط وجوابات	21
11	ملازمت	22
12	**باب 2: علمی ومطالعاتی زندگی (حدیث ناگفتنی)**	24
13	ابتدائی زندگی	25
14	پہلا تاثر	26
15	بچپن اور مطالعہ	28
16	عربی کتب کا مطالعہ	31
17	شروح کتب حدیث	34
18	صحیح بخاری	35
19	کتب صحاح اور اُن کی شروح	36

20	اہمیت احادیث نبوی	37
21	اردو تراجم قرآن و تفاسیر	39
22	عربی تفاسیر	41
23	اعجاز قرآن	44
24	عربی ادب	45
25	اُردو ادب	47
26	شبلی	50
27	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	51
28	دارالمصنّفین اعظم گڑھ	55
29	سیر الصحابہ	55
30	کتب تاریخ	58
31	حضرت سید سلیمان ندویؒ	59
32	حضرت مولانا تھانویؒ	65
33	کتب تصوّف	68
34	مولانا عبد الباری ندویؒ	69
35	مولانا عبد الماجد دریابادیؒ	70
36	مولانا ابوالحسن علی ندویؒ	72
37	حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ	81
38	ڈاکٹر اقبال	83
39	کتب فارسی	87
40	**باب 3: سیاسی زندگی**	90

41	ملک کے حالات	90
42	سیاست کے دہلیز پر قدم	91
43	مسلم لیگ پشاور کا جنرل سیکرٹری اور پراونشل کونسل کا ممبر	92
44	نفاذِ شریعت کا مطالبہ	93
45	مولانا صاحبؒ اور انتخابات	94
46	مسلم لیگ کے لئے گراں قدر خدمات	96
47	ذاتی فوائد اُٹھانے سے اجتناب	97
48	سیاست سے چھٹکارا	99
49	دین کے بارے میں جرأت وبے باکی	101
50	**باب 4: تبلیغی سرگرمیاں**	103
51	ابتدأ	103
52	سید صاحبؒ کی مولانا محمد الیاسؒ سے پہلی ملاقات	104
53	شاہ صاحبؒ اور دعوۃ و تبلیغ	106
54	تبلیغ میں ابتدائی شرکت	108
55	رائے ونڈ مرکز میں معمولات	110
56	تبلیغی چلّوں میں تشکیل	111
57	دوسری تشکیل	113
58	تبلیغی دوروں میں معمول	115
59	یونیورسٹی میں تبلیغ	116
60	تبلیغ کی ابتدأ و مشکلات	116
61	تبلیغ کے پہلے شہسوار	118

62	یونیورسٹی کے ماحول پر تبلیغی اثرات	119
63	طرزِ تبلیغ	120
64	اوقات لگانے والوں کے لئے ہدایات	122
65	**باب 5: اسفار**	125
66	سفر ہند سال 1955ء	127
67	**بیرونی تبلیغی سفر سال 1957ء**	128
68	سیاحت نامہ - سیاحۃ اُمتی الجہاد	128
69	تاثرات وکوائف	128
70	ختم نبوت اور دعوت و تبلیغ	133
71	آغاز سفر	135
72	کراچی سے روانگی	136
73	گوادر کی بندرگاہ	139
74	مسقط کی بندرگاہ	141
75	دبئی کی بندرگاہ	144
76	بحرین کی بندرگاہ	148
77	بوشہر کی بندرگاہ	152
78	کویت کی بندرگاہ	154
79	خیالات کی تلاطم	156
80	دریائے دجلہ وعاشورہ محرم	159
81	ایران وعراق کی سنگھم	166
82	رومی وجامی	167

83	آبادان	169
84	خرم شہر	171
85	بصرہ کی بندر گاہ	172
86	بصرہ میں	173
87	حضرت طلحہؓ کا مزار	175
88	حضرت زبیرؓ کا مزار	176
89	حضرت حسن بصریؒ کا مزار	177
90	محمد ابن سیرین کا مزار	178
91	حضرت زبیر ابن عوامؓ کا مزار	180
92	حضرت انس بن مالکؓ کا مزار	183
93	روانگی بغداد بذریعہ ریل	186
94	بغداد آمد	186
95	ماضی کی تلاش	188
96	المعقل ریلوے سٹیشن	190
97	معروف کرخی کا مزار	191
98	جمعیت پاکستان ہوٹل	191
99	شیخ عبد القادر جیلانی کا مزار	196
100	موصل میں آمد	200
101	شام کی سرحد پر	201
102	نصیبین شہر (ترکی سرحد)	202
103	شہر حلب	205
104	امیر رشید امریکی سے ملاقات	206

105	حسین یوسف لطیف البانوی سے ملاقات	211
106	انقرہ	216
107	استنبول	217
108	قدیم استنبول	219
109	یورپی استنبول	220
110	استنبول میں	224
111	حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر حاضری	225
112	جامعہ والدہ	231
113	جامع آیاصوفیہ	239
114	جامع سلطان احمد	243
115	شہر میونخ جرمنی	247
116	شہر بون میں	248
117	استنبول آمد	249
118	استنبول سے روانگی	250
119	واپسی کا سفر	250
120	**سفر ہند سال 1980ء صد سالہ جشن دارالعلوم دیوبند**	254
121	دارالعلوم دیوبند	255
122	نومسلم جان محمد طالب العلم	256
123	قاسمی قبرستان	257
124	تھانہ بھون کا سفر	257
125	مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور	260
126	سفر ندوۃ العلماء لکھنؤ	261

127	رائے بریلی کا سفر	264
128	دارالمصنّفین اعظم گڑھ میں	265
129	اجمیر شریف میں	267
130	دفتر جمعیت العلماء ہند اور تبلیغی مرکز بستی نظام الدین میں	270
131	**سفر ہند اورنگ آباد سال1986ء**	271
132	دارالمصنّفین اعظم گڑھ میں	274
133	رابطہ ادب عالم اسلامی کانفرنس اورنگ آباد میں	275
134	بمبئی کا سفر	278
135	**اسفار حج**	280
136	پہلا حج سال 1963ء	280
137	دوسرا حج سال 1971ء	282
138	مکہ مکرمہ میں	283
139	مدینہ منورہ میں	285
140	تیسرا حج سال 1973ء	287
141	حج کی منظوری	287
142	عجیب اتفاق	290
143	مکہ مکرمہ میں	291
144	مدینہ منورہ میں	292
145	مولانا صاحبؒ کے حج کا معمول	293
146	چوتھا حج سال 1975ء	295
147	حج کی منظوری	296
148	مکہ مکرمہ میں	296

149	مدینہ منورہ میں	298
150	عمرہ سال 1976ء	299
151	مکہ مکرمہ میں	300
152	مدینہ منورہ میں	301
153	پانچواں حج سال 1978ء	302
154	مکہ مکرمہ میں	303
155	مدینہ منورہ میں	303
156	چھٹا حج سال 1981ء	304
157	حج کی منظوری	304
158	مکہ مکرمہ میں	305
159	مدینہ منورہ میں	307
160	ساتواں حج سال 1984ء	308
161	مکہ مکرمہ میں	308
162	عجیب واقعہ	309
163	آٹھواں حج سال 1987ء	312
164	مکہ مکرمہ میں	313
165	عبدالمنان کے گھر میں	313
166	حج کے لئے اجازت نامہ	314
167	مدینہ منورہ میں	315
168	نواں حج سال 1995ء	316
169	**باب6: بیعت وسلوک**	318

170	پہلا خط	318
171	سید صاحبؒ سے پہلی ملاقات	320
172	دوسرے شیخ کی تلاش	321
173	شاہ عبد العزیز دعاجوؒ سے تعلق	322
174	خلافت سے نوازا	324
175	حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ سے تعلق	325
176	حضرت مولانا صاحبؒ اور طرز تربیت	327
177	**باب7: اخلاق ومعاملات**	330
178	تواضع	331
179	جود وسخا	332
180	دیانت	334
181	صبر، برداشت ومروت	335
182	عزم واستقامت	338
183	شجاعت	341
184	دُعا	343
185	دُعائے خضری	346
186	اسم اعظم	347
187	عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم وواردات حرمین	347
188	عام مجلس	356
189	طنز ومزاح	359
190	جنات سے واسطہ	363

191	ابتلائیں اور دینی تصلب (ناخوشگوار وناپسندیدہ واقعات)	366
192	**باب 8: دینی معرکے**	370
193	یونیورسٹی میں قادیانی سازشیں	371
194	سازشوں کی ابتداء	371
195	شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی سزا	373
196	منکرین حدیث	375
197	فری میسن لاج جامع مسجد بن گئی	377
198	حکومتی رکاوٹیں	378
199	مسجد کی تعمیر	380
200	مدرسہ امداد العلوم	381
201	رجم ایک شرعی حد ہے	382
202	شرعی عدالت کی کارروائی فضل حق کی زبانی	382
203	**باب 9: منامات**	388
204	بایزید بسطامی کی زیارت منامی	389
205	خدا کا ہاتھ محسوس کیا	390
206	حضرت تھانویؒ کی زیارت منامی	391
207	انکشاف، اسرار وواردات	391
208	استخارہ	392
209	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی	393
210	عبد القادر جیلانی کی زیارت منامی	394
211	سید سلیمان ندویؒ کی زیارت منامی	395

212	حضرت تھانویؒ کی زیارت منامی	396
213	عبد الماجد دریابادی و مولانا منظور احمد نعمانی کی زیارت منامی	397
214	مولانا روم کی زیارت منامی	398
215	مدینہ منورہ میں خواب	398
216	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی	399
217	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بلاواسطہ	400
218	تلاش شیخ کے لئے استخارہ	400
219	شیخ الحدیث مولانا زکریا کے بارے میں	401
220	متعلقین کے خواب	402
221	غازی مرجان کا خواب	402
222	غازی مرجان کا مکاشفہ	403
223	محمد افتخار کا خواب	404
224	جواب خط و تعبیر خواب	405
225	ڈاکٹر عبد الودود کا خواب	406
226	جواب و تعبیر خواب	408
227	قاضی فضل واحد صاحب کا خواب	412
228	**باب10: خدمت خلق بذریعہ اعمالِ قرآنی**	413
229	قرآن کا اصل فائدہ ہدایت یابی	413
230	حوادث کا قرآنی حل	414
231	مولانا محمد الیاسؒ و بیماری	416
232	مولوی عثمان کی زبان	416

233	منٰی میں الہام	418
234	مختلف عوارض کے لئے دَم	418
235	مختلف امراض وامور کے لئے تعویزات	422
236	پروفیسر محمد سراج سواتی کو بتائے گئے خصوصی اوراد واعمال	425
237	**باب 11: شعر وشاعری**	430
238	شعری ذوق وشوق	430
239	فارسی ادب وشعر وشاعری سے مناسبت	431
240	عربی شعری مطالعہ	432
241	حضرۃ الشیخ سے شعری مناسبت	432
242	مولانا صاحب بحیثیت شاعر	433
243	سلام بھیجا ہے ہر دَم سلام کہتا ہوں	434
244	حبیب خدا کا سلام اللہ اللہ	435
245	تڑپ کے نالے جو سدرہٰ کے پار ہونے لگے	435
246	ہم نے دیکھے ہیں ایسے مستانے	436
247	ہدیہ تبریک بتقریب عروسی حاجی محمد اسلم	437
248	**کلام پروفیسر محمد سراج سواتی**	438
249	**کلام پروفیسر غلام ناصر حزین**	444
250	**کلام پروفیسر بشیر احمد کاکاخیل**	446
251	خکلی سپیځلی مانړی	446
252	سلیمان اکیډیمی	448
253	دَ حضرت مولانا صاحب حج ته دَ تلو په موقع	452

254	په خوږ آقا ﷺ سلام اووایه	455
255	دَ مولانا صاحب په واده سِهره	460
256	حاسدان	464
257	کلام امان الله آمان	465
258	دَ خیبر لمَن په ښواکښې یو عَجَبَـه مے خانه دَه	465
259	دُعا	466
260	پیر او فقیر واړه ستا حسن ته حیران دی	467
261	شمالی وزیرستان نه واپسی کښ	468
262	کتاب سلوك سلیمانی	469
263	بُهتان	470
264	اضافه برشجره طیبه منظومه از اختیارالملك	471
265	باب12: اکابر، شیوخ، صلحاء و علماء سے تعلق	474
266	حضرت سید سلیمان ندوی	474
267	سید صاحب سے عقیدت	476
268	سید صاحب سے کسب فیض	478
269	حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ	480
270	تلاش شیخ	480
271	تبلیغی معیت	481
272	خلافت و نیابت	482
273	شاہ صاحب کے خادم عبد الستار	483
274	ملفوظات و لطائف	484

275	**حضرت مولانا فقیر محمدؒ**	485
276	پہلی ملاقات	485
277	حج کی منظوری	486
278	واردات حرمین	487
279	تعلق و آمد ورفت	489
280	جہاد کشمیر میں شرکت	491
281	احسان کا بدلہ	492
282	مسجد درویش کے لئے دُعا	493
283	**حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا قدس سرہٗ**	493
284	خواب کی تعبیر	496
285	کتابوں کا تُحفہ	498
286	شیخ الحدیث سے ملاقاتیں	499
287	شیخ الحدیث کی قیام گاہ و مدرسہ مظاہر العلوم	500
288	**حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ**	501
289	تنگدستی کے حالات	502
290	مدرسے کے لئے سعی و کڑھن	502
291	امارتِ تحریک ختم نبوت	503
292	دعائے سحری	505
293	شاہ انور شاہ کشمیری کے جانشین	506
294	سند حدیث اور حدیث مسلسل بالمحبت کی اجازت	506
295	بیماری ورحلت	507
296	**حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی**	507

297	ندوۃ العلماء لکھنؤ ورائے بریلی	508
298	مولانا علی میاں سے ملاقاتیں	509
299	شاہراہ معرفت پر پیش لفظ	511
300	**حضرت علامہ عبد الباری ندوی**	512
301	**حضرت علامہ عبد الماجد دریابادی**	514
302	سلوک سلیمانی پر تبصرہ	514
303	**حضرت علامہ محمد منظور نعمانی**	415
304	الفرقان حضرت جی نمبر	516
305	**مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ**	518
306	البلاغ کے مفتی اعظم نمبر میں حکیم الامت کے علمی جانشین کے عنوان سے مضمون	519
307	**حضرت مولانا عزیز گل کاکاخیل**	520
308	گوشہ نشینی و تواضع	520
309	شیخ الہند سے نسبت تامہ	521
310	**حضرت مولانا سعید خان صاحب مہاجر مدنی**	522
311	مہمان نوازی و خدمت	523
312	**جناب عبد الرشید ارشد صاحب**	524
313	**جناب مولوی غلام محمد صاحب**	525
314	**حضرت مولانا خیال محمد صاحب**	525
315	**باب 13: خلفاء وخلفاء کے تأثرات**	527
316	**حضرت مولانا احمد جان غزنی خیل خلیفہ مجازِ بیعت**	527

317	خاندان	528
318	علم دین کے حصول کا فطری جذبہ	528
319	تلامذہ	529
320	تبلیغی خدمات	529
321	شاہ عبد الرحیم شاہ سے تعلق و بے تکلفی	531
322	حضرت جی سے بیعت	533
323	طنز و مزاح	534
324	تبلیغی اسفار	539
325	وصیت نامہ	540
326	**سید عبد الرحیم شاہ آبا خیل خلیفہ مجازِ بیعت**	540
327	حضرت مولاناؒ سے پہلا تعارف	542
328	حضرتؒ کی مجلس	543
329	نفس کو قابو کرنا	543
330	بچے کی تربیت	544
331	حضرتؒ کے تربیت کا طریقہ	544
332	اللہ پاک سے ملاقات کا شوق	545
333	قادیانیوں سے مناظرہ	547
334	دین کے بڑوں کی عظمت و محبت	548
335	تصوف کا مقصد	549
336	تکبر کا علاج	551
337	حضرت مولانا صاحبؒ کی جامعیت	552
338	اہل اللہ کی مجلس کی اہمیت	553

339	اہل اللہ پر اعتراض	555
340	قرآن سے فائدہ لینے کا طریقہ	557
341	طریق میں خط وکتابت	559
342	تعطیلات موسم گرما میں حضرتؒ کا معمول	561
343	اللہ کے راستہ میں دُعا	561
344	دعوت وتبلیغ کیا ہے؟	562
345	تبلیغ فرض عین ہے یا فرض کفایہ	564
346	دعوت کے تقاضے	565
347	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا ہے؟	567
348	تبلیغ کا طریقہ کار	567
349	حضرت مولانا صاحبؒ کے اخلاق	570
350	تلاش گم شدہ	572
351	حضرتؒ کا حج پر جانے کا عجیب طریقہ	573
352	حضرتؒ کی حضرت شیخ سے ملاقات	574
353	حضرتؒ کا بندہ پر آخری احسان	576
354	**انجینئر عبد القدوس داوڑ خلیفہ مجازِ بیعت**	577
355	**خلیل احمد صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	586
356	ابتدائی تعلیم	586
357	بیعت	587
358	شخصیت واخلاق	590
359	بزرگوں سے تعلق	591
360	دعوت وتبلیغ	592

361	**اختیار الملک صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	593
362	تعارف	593
363	ابتدائی تعلیم	594
364	حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ سے ملاقات وبیعت	594
365	حُبِّ شیخ، اتباعِ شیخ وادبِ شیخ	595
366	خلافت اور اجازت	596
367	دینی خدمات	597
368	علالت	599
369	**پروفیسر میر حاتم صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	599
370	بچپن وخاندان	599
371	ابتدائی تعلیم	600
372	اعلیٰ تعلیم	600
373	ملازمت	601
374	مولانا صاحب سے ابتدائی تعلق	602
375	پہلی ملازمت وحالات	602
376	یونیورسٹی میں واپسی اور مولانا صاحب سے قربت	604
377	دوست احباب	605
378	بیرونِ ملک	607
379	کینیڈا آمد وقیام	608
380	کینیڈا سے واپسی	610
381	واپسی مولانا صاحب کے ہاں	611
382	خدمات	612

383	مہمانوں کی خدمت	613
384	اسفار میں شرکت	614
385	خطوط کے جوابات	614
386	مولانا صاحب کی خدمت	615
387	خلافت	618
388	مریدین وخلفاء	619
389	**سید حسن خان صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	620
390	تعارف	620
391	حضرت سے تعلق	620
392	خدمت کی سعادت	621
393	انداز تربیت	621
394	تأثرات	623
395	اجازت بیعت وخلافت	624
396	**مولوی حسین الرحمٰن خلیفہ مجازِ بیعت**	624
397	تعارف	624
398	ابتدائی تعلیم	624
399	ملازمت	625
400	تبلیغی اسفار	625
401	حضرت مولانا صاحبؒ سے تعارف وبیعت	626
402	**مولوی مبارک شاہ صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	627
403	تعارف	627
404	**مولوی محمد یوسف البرجوی خلیفہ مجازِ بیعت**	628

405	تعارف	628
406	ابتدائی تعلیم	628
407	ابتدائی تعلق وبیعت	629
408	دَم درود	630
409	خوش مزاجی	630
410	**پروفیسر ڈاکٹر میاں بشیر احمد کاکا صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	631
411	پیدائش وابتدائی تعلیم	631
412	**پروفیسر محمد نعمان صاحب خلیفہ مجازِ بیعت**	635
413	پیدائش	635
414	ابتدائی تعلیم	636
415	ترجمہ قرآن	638
416	بیعت	641
417	خدمت میں لگنا	642
418	اسفار	643
419	مولانا صاحبؒ کے اخلاق	648
420	برداشت وتحمل	648
421	حق گوئی	648
422	**محمد حکیم (فرشتہ) خلیفہ مجازِ بیعت**	663
423	تصنیفات	674
424	تبلیغی نصاب کا فارسی ترجمہ	675
425	**پروفیسر ڈاکٹر فدا محمد خلیفہ مجازِ بیعت**	687
426	حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تعلق	688

427	**پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن خلیفہ مجازِ بیعت**	693
428	تعارف	693
429	ابتدائی تعلیم	694
430	خاندانی حالات	696
431	حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تعلق	697
432	سلوک و حالات	701
433	تربیت و سلوک	705
434	مریدین اور خلفاء	706
435	موجودہ ترتیب زندگی	707
436	**پروفیسر محمد یوسف ہزاروی خلیفہ مجازِ بیعت**	707
437	تعارف	707
438	تعلیم و ملازمت	708
439	حضرت مولانا صاحب سے تعارف و تعلق	709
440	حج کا سفر	711
441	خط و کتابت	714
442	خلافت و اجازت بیعت	715
443	**ڈاکٹر محمد اجمل خلیفہ مجازِ بیعت**	715
444	تعارف	715
445	**حاجی عبدالودود خلیفہ مجازِ بیعت**	716
446	تعارف	716
447	**محمد قاسم (پیر حقانی) خلیفہ مجازِ بیعت**	717
448	تعارف	717

449	**عبدالرحمٰن فقیر خلیفہ مجازِ بیعت**	718
450	تعارف	718
451	**پروفیسر محمد سراج سواتی خلیفہ مجازِ بیعت**	720
452	تعارف	720
453	خاندانی زندگی	726
454	نسب وسکونت	728
455	ولادت اور ابتدائی تعلیم	729
456	حضرت مولانا صاحبؒ سے تعارف اور تبلیغ	730
457	تبلیغ میں پہلا چلّہ	734
458	ٹل کا اجتماع	740
459	چلّہ کے بعد کا حال	742
460	مولانا صاحبؒ سے بیعت	742
461	شوق مطالعہ	744
462	تربیتی خطوط اور مولانا صاحبؒ کا برتاؤ	745
463	بیانات کا لکھنا	747
464	مولانا صاحبؒ کے بہنوئی کا حادثہ اور خاندانی زندگی	747
465	تبلیغ میں مولانا صاحب کے مجاہدات	748
466	مولانا صاحبؒ کی فہمائش اور حاجی غضنفر علی	751
467	کوہاٹ کا سہ روزہ	753
468	سوشل ورک سرٹیفیکیٹ	754
469	مولانا صاحبؒ کی بیماری اور ارشد صاحب	755
470	مولانا صاحبؒ کا پہلا حج اور غزل الغزلات	757

471	مولانا صاحبؒ اور کشف حال	758
472	مولانا عبد الغفور عباسیؒ کی زیارت اور اسباب غیب	760
473	مولانا صاحبؒ کے شیوخ	760
474	شیر حسن صاحب کی رفاقت، تعلق اور داڑھی رکھنے کا مسئلہ	761
475	مولانا عبد الرزاق صاحبؒ کے پاس آنا جانا	763
476	ڈاکٹر شمس الاسلام	764
477	میر حاتم اور قرآن مجید کا درس	766
478	نوکری کی تگ ودو اور ایم ایس سی کا حصول	767
479	مولانا صاحبؒ کے کوارٹرز میں سکونت و مختلف واقعات	768
480	مولانا صاحبؒ اور قوت برداشت	770
481	پی ایچ ڈی میں داخلہ	772
482	حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ	773
483	سماع اور حضرت مولانا صاحبؒ	775
484	مفتی زین العابدینؒ اور مولانا یوسف بنوریؒ سے محبت	777
485	مولانا یوسف بنوریؒ کے مجالس	778
486	شاہ عبد العزیز دُعاجو دہلویؒ اور دوسرے بزرگوں کی زیارت	780
487	مہربان پر مہربانی اور محفل سماع	781
488	مولانا صاحبؒ اور مسجد درویش	782
489	مولانا صاحبؒ ایک امتحان میں	784
490	تقویٰ اور احتیاط	786
491	مولانا صاحبؒ اور بزرگان دین احیاء وموتی کے متعلق برملا اظہار	788
492	مولانا صاحبؒ اکابرین کی نظر میں اور اُن کا اپنا حال	789

493	عطائے خلافت	799
494	بندہ کی دینی تعلیم کا حال	801
495	مولانا صاحبؒ کا اپنے متعلقین کے ہاں غمی وشادی میں شرکت اور دیگر مصروفیات	807
496	خلیل احمد مروت کی شادی پر مولانا صاحبؒ کی معیت میں لکی جانا	810
497	مولانا صاحبؒ کی طرف سے کمترین کی عزت افزائی اور کئی بار غریب خانہ پر تشریف آوری	812
498	مولانا صاحبؒ کے پاس علماء اور بزرگانِ دین کی آمد	817
499	اپنے متعلقین کی حوصلہ افزائی اور کام کرنے کی صلاحیت کو بڑھانا	823
500	مولانا خیال محمد صاحبؒ	827
501	سید صاحبؒ کا کسی کو خلافت نہ دینا اور حضرت الشیخؒ	828
502	حضرت شاہ عبد العزیز دُعاجو دہلویؒ	830
503	مولانا صاحبؒ کے بیان میں خطبہ والی آیت	835
504	فنافی الشیخ	838
505	دعوت تبلیغ اور حضرت مولانا قدس سرّہٗ	847
506	تبلیغ	850
507	کشف والہام، مبشرات اور مقامات اولیاء اللہ	861
508	کشف والہام اور اچھے خواب	863
509	سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت	866
510	مولانا صاحبؒ اور مولانا عزیر گل کاکاخیلؒ کے پاس آنا جانا	868
511	میاں صاحبؒ اور بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیوں کی غیر رسمی طریقہ	873
512	شیخ الہندؒ کے ساتھ طریقۂ بیعت	873

513	**سید مسرت حسین شاہ خلیفہ مجازِ بیعت**	881
514	تعارف	881
515	تعلیم	882
516	ملازمت	882
517	بیعت وسلوک	882
518	مجلس ذکر وتربیت مریدین	885
519	بیماری ورحلت	885
520	خلفاء	886
521	**انجینئر عبد المنان خلیفہ مجازِ بیعت**	887
522	تعارف	887
523	تعلیم	887
524	ملازمت	887
525	مولانا صاحبؒ سے تعلق	888
526	خلافت	890
527	**انجینئر غازی مرجان خلیفہ مجازِ بیعت**	890
528	تعارف	890
529	مولانا صاحبؒ سے تعلق	891
530	تبلیغ میں شرکت وسرگرمی	892
531	مدینہ منورہ کو ہجرت واقامت	893
532	**انجینئر حاجی غضنفر علی سہروردی خلیفہ مجازِ بیعت**	895
533	بچپن وخاندان	895
534	اعلیٰ تعلیم	895

535	ملازمت	895
536	حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ سے تعلق	896
537	سلوک کے منازل	897
538	حج سال 1963ء	900
539	خلافت	904
540	خلفاء ومریدین	905
541	خطوط کا سلسلہ	906
542	حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ مختلف اسفار	906
543	**باب14: متعلقین ومتوسلین کے تاثرات**	908
544	سسرالی حضرات کے تاثرات	910
545	پیرانی صاحبہ کے تاثرات	912
546	احمد خان چیئرمین (ر) ہائیر ایجوکیشن ریگولیٹری اتھارٹی، کے پی کے	914
547	اسلامیہ کالج میں داخلہ اور حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحبؒ سے تعلق کی ابتداء	915
548	حضرت مولانا صاحبؒ سے رسمی تعلق کی ابتداء	916
549	حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ اندرون ملک پہلا سفر	918
550	شاہ ناصر جیولاجیکل سروے آف پاکستان	920
551	قاضی فضل واحد رورل اکیڈیمی آف پاکستان	925
552	محمد طارق اعوان ٹھیکیدار	930
553	پروفیسر عالمگیر انجینئرنگ یونیورسٹی، پشاور	933
554	ڈاکٹر جمیل احمد خلافتی	936

555	جہانزیب لیبارٹری ٹیکنیشن	937
556	محمد جلیل جیولاجیکل سروے آف پاکستان	940
557	فیض الرحمان میدانی	943
558	ڈاکٹر جاوید آفریدی	944
559	ڈاکٹر شاہ ولی خان انجینئر مقیم امریکہ	948
560	مولانا محمد اشرفؒ سے تعلق	948
561	مولانا صاحبؒ کے اخلاق	949
562	تبلیغ کا کام	950
563	اخلاق و معاملات	951
564	تہجد اور نوافل کا اہتمام	952
565	مقبولیت عند اللہ	952
566	مولانا صاحبؒ کے کرامات	953
567	مولانا صاحبؒ سے جُدائی	954
568	مولانا صاحبؒ اور رمضان کا مہینہ	955
569	مولانا صاحبؒ کی یاد اور امریکہ سے پاکستان واپسی	956
570	2008ء اور مولانا صاحبؒ کی یاد	957
571	**باب 15: آخری بیماری اور رحلت**	958
572	بیماری کی ابتدا	958
573	ہسپتال میں داخلہ	959
574	پمز ہسپتال اسلام آباد میں داخلہ	959
575	وفات	960

576	جنازہ تجہیز و تدفین	960
577	آخری آرام گاہ	962
578	قبرستان میں بھی مجلس کا سماں	963
579	حالات بعد از وفات	965
580	**باب16: نالۂ غم**	968
581	درد بھرے منتخب اشعار	968
582	حافظ الپوری کے چند منتخب پُر درد و پر سوز اشعار	976
583	پروفیسر محمد سراج کے والد مولانا شیر علی خان کا مرثیہ	977
584	**باب17: تصنیف و تالیف**	982
585	کتابیں	984
586	سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر	984
587	سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت	986
588	فضائل اعمال کا فارسی ترجمہ	989
589	اکابرین علماء و اولیاء پر شاہکار مضامین	989
590	ماہنامہ البیان	992
591	**باب18: تصانیف و مقالات**	994
592	کتب	994
593	کتابچے	995
594	غیر مطبوعہ مواد	965
595	شائع شدہ مقالات	995

مقدمہ

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کو قدرت نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا۔ خاندانی شرافت اور والدین کی دینی زندگی اور معاشی خوشحالی سے آپ کی ابتدا ہوئی۔ والد صاحب کے کاروباری وسعت کی وجہ سے شملہ جیسی سیاسی گڑھ میں آپ کا عہد طفولیت گذرا اور اُس وقت کے اہم اشخاص کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ کی جرأت رندانہ نے آپ کو سیاست کی سیر کرائی اور عہد جوانی میں اہم سیاسی عہدوں پر فائز ہوئے۔ شوق مطالعہ، قوتِ حافظہ اور علمی تجسس نے آپ کو کسی دینی درسگاہ سے باقاعدہ سند لئے بغیر ایک اعلیٰ علمی مقام بخشا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ سے دینی وابستگی نے آپ پر طریقت کی راہ کھولی اور اِس راہ کا شناور بنایا جس کی باقاعدہ تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ کے ساتھ تعلق سے ہوئی اور دعوت و تبلیغ میں بھی خصوصی مقام پاکر کئی سالوں تک پشاور کے تبلیغی امیر رہے اور باوجود معذوری کے بیرونی سفر کئے اور ساتھ ساتھ وہاں کے حالات بھی لکھتے رہے جو کہ آپ کا ایک آدبی اور علمی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی تقریر میں قدرت نے بے پناہ تأثیر رکھی تھی، اور آپ کے تحریری سرمایہ پر زمانہ کے مشہور اہل قلم نے مہر تصدیق ثبت کی۔ آپ کے بے پناہ جہد و مشقت نے نہ صرف پشاور یونیورسٹی کو تبلیغ اور روحانیت سے روشناس کیا، بلکہ دینی اقدار کو مغربی تہذیب پر غالب کرنے کی پوری سعی اور کوشش کی اور کافی حد تک نہ صرف یہاں کے ماحول کو بدلنے میں کامیاب ہوئے، بلکہ شہر اور آس پاس کے علاقوں سے نکل کر دور دور تک مذہبی فضا کو سازگار بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا اور یونیورسٹی کو دینی فکر کے لحاظ سے ایک مثالی حیثیت بخشی۔ آپ کی عالی ہمتی اور جرأت نے بڑے بڑے

معرکوں کو سَر کیا اور باطل قوتوں کو شکست فاش سے دوچار کر کے حق کے علم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ زیر نظر کتاب میں آپ کی انقلابی زندگی کے کچھ خدوخال کو نمایاں کرنے کی ناتمام کوشش کی گئی ہے، کہ آپ کی زندگی کی پوری تصویر اُجاگر کرنا ہم جیسوں کے لئے ناممکنات کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول شاعر

ستا د ښائست ګلونه ډیر دی
جولئ مې تنګه زه به کوم کوم ټولومه

ترجمہ: تمہارے حُسن کے پھول اتنے سارے ہیں کہ ہماری تنگ دامانی اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

فارسی کا شعر ہو بہو اس کا مماثل ہے۔

دامان نگاہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار
گلچین بہار تو ز دامان گلہ دارد

حضرت مولانا صاحبؒ کے حیات میں آپ کے ہاں شب وروز جشن کا سماں ہوا کرتا تھا۔ خواص و عوام کا ایک جمگٹا لگا رہتا تھا۔ کوئی اپنا راز سنانے کے لئے کوئی اپنے دِل کی پھپولے جل اُٹھنے کے لئے کوئی دَم کے لئے اور کوئی اپنی اصلاح اور مشورے کے لئے حاضر ہوتا۔ عصر کی مجلس میں تو جیسے پروانے شمع پر آ کر گرتے ہیں۔ ایسی حالت ہوتی۔ متعلقین و متوسلین کو عصر کی مجلس کے بغیر قرار نہیں آتا تھا۔ ہر ایک کی یہ خواہش رہتی کہ اپنی مصروفیات سے جلدی فارغ ہو کر مجلس میں پہنچ جاؤں گو یا بظاہر ہر ایک اس شعر کا مصداق تھا۔

اجازت ہو تو آ کر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سُنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

بہت ساروں نے اور خاص کر خلفاء حضرات میں اکثر نے اِس بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مولانا صاحبؒ سے اُن کی پہلی ملاقات اور تعارف کیسے ہوئی۔ جیسے فرماتے ہیں۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے جاپہنچے اُس کے گھر تلک
دِل گم گشتہ میرے حق میں تو رہبر نکلا

اور پھر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

ہے آمد و رفت اپنی اِس بزم میں روزانہ
اِک در درِ توبہ ہے اک در درِ مے خانہ
کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

رمضان شریف میں تو یہ رونق اور بڑھ جاتی اور آخری عشرہ میں تو دور دراز سے متعلقین و متوسلین آکر ڈیرہ ڈال لیتے اور شب و روز کا فرق ختم ہو جاتا۔ رات کو تراویح میں ختم پہ ختم اور دِن کو تلاوت وذکر سے فضا گونج اُٹھتی۔

رونق، ذوق و شوق تو حضرت مولانا صاحبؒ کے رحلت کے ساتھ چلی گئی۔ جس مسند سے رشد و ہدایت کے چشمے جاری تھے۔ وہ بند ہو گئے۔ مضطر سائلین اور غم واندوہ میں ڈوبے ہوؤں کے سوالات کا جواب اور تشفی کا سامان نہ رہا۔ ہر طرف ویرانی ہی ویرانی اور ہر ایک پر سکتہ چھایا رہا۔

موت حق ہے ایک دن دنیا یہ سب چل جائیگی
تیری رحلت نے بنایا گل کو خاروں کی طرح
وائے ناکامی چمن اُجڑا ہے مالی چل دیا
دوست کب بیٹھیں گے یا اللہ یاروں کی طرح

حافظ الپوری صاحب نے اس منظر کو کِس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔
تھوڑی ترمیم کے ساتھ

حضرت شاخونه میوه دارو و چنړیده په طوطیان
دَشنو طوطیانو په چنړشاخ شنړیده ولےنه شي

ترجمہ: حضرت یعنی حضرت مولانا صاحبؒ ایک میوہ دار شاخ کی طرح تھے۔ جس پر سبز طوطے سارے جمع ہو کر چہچہاتے تھے۔ اب نہ وہ شاخ رہا اور نہ طوطوں کا چہچہانا۔

لوگوں کی آمد بتدریج کم ہوتی گئی۔ سوائے چند خلفاء و متعلقین کے جو ڈٹے رہے اور عصر سے عشاء تک کے محفل کو قائم رکھا۔ روزانہ مغرب کے نماز کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کے غیر مطبوعہ بیانات میں سے کوئی بیان سُنا کر دُعا پر ختم کر دیتے۔ اس طرح جمعہ کی قرآن شریف کی ختم میں بھی کمی آتی گئی کہ پھر ختم بھی پورا نہ ہو سکتا تھا، بلکہ جتنا پڑھ سکتے تھے۔ پڑھ لیتے تھے۔ البتہ رمضان شریف میں تراویح میں حضرت مولانا صاحبؒ کا قائم کردہ نظم ابھی تک قائم ہے۔ اگرچہ پرانے ساتھیوں کی تعداد میں خاطر خواہ کمی آئی ہوئی ہے۔ لیکن اِس کمی کو نئے ساتھیوں نے پورا کر دیا ہے۔ اور بحمد اللہ کہ کچھ پرانے ساتھی بھی جم کر شامل ہوتے ہیں۔ خاص کر بنوں اور لکی مروت والے احباب۔ ان سب کے باوجود وہ محفل وہ سماں اور وہ منظر اب کہاں۔ اس لئے ہر بندہ اُس کمی کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی سوانح لکھنے کی ایک وجہ اُس محفل و مناظر کے یاد کو پھر سے تازہ کرنا اور موجودہ متعلقین کے حوصلوں کو بڑھانا ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے خلیفہ مجازِ بیعت جناب ڈاکٹر فدا محمد صاحب نے جولائی، 2002ء میں مردِ درویش کے نام سے حضرت مولانا صاحبؒ کی سوانح شائع

کر دی۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ جو بہت سارے شوریدہ سر محبین و متعلقین کے لئے طمانیت کا باعث بنا اور ہے۔ لیکن اغلب خیال یہی ہے کہ جو بھی مواد ہاتھ لگا۔ اُس کو شائع کر دیا۔ مزید مواد کے جمع کرنے کے لئے مزید تحقیق و جستجو کی کوشش نہیں کی گئی۔ یا وقت کی کمی کی باعث وہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا صاحبؒ کے پرانے رفقاء و متعلقین کچھ نہ کچھ تشنگی محسوس کرتے رہے۔ زیر نظر ''سوانح و تذکرہ مولانا محمد اشرف سلیمانی'' میں اِس تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو رحلت فرمائے ہوئے کوئی بیس سال کا عرصہ گذر گیا۔ اِس عرصہ میں حضرت مولانا صاحبؒ کے بہت سارے متعلقین و مریدین اور ساتھی جو سابقون الاولوں میں شمار ہوتے تھے۔ اِس جہاں فانی سے پردہ فرما گئے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

چراغ بجھتے چلے جارہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

اور جو رفقاء بقید حیات ہیں۔ وہ بھی سارے چراغ سحری ہیں۔ نہ کل کا پتہ نہ پل کا پتہ۔

تاب و تواں و ہوش خرد داغ جاچکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا
شوکت ہمارے ساتھ بڑا حادثہ ہوا
ہم رہ گئے ہمارا زمانہ چلا گیا

جو رفقاء حضرت مولانا صاحبؒ کے حضر و سفر کے ساتھی رہے۔ اور رات دِن کے حاضر باش رہے۔ اُن کے پاس حضرت مولانا صاحبؒ کے متعلق معلومات کا ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ خدانخواستہ اگر کل وہ بھی نہ رہے۔ تو ان کے ساتھ معلومات کا وہ خزانہ بھی دَفن ہو جائے گا اور اگر لکھا ہوا نہ ہو تو بعض ضروری واقعات کی تصدیق بھی مشکل ہو جائے گی، اس لئے یہی فیصلہ ہوا کہ اُن حضرات سے معلومات و مواد کو اکٹھا کر کے تحریر میں لایا جائے۔

یہ ہیں وہ وجوہات جو حضرت مولانا صاحبؒ کی سوانح لکھنے کی باعث بنی۔ فوری وجہ حضرت مولانا صاحبؒ کے خلیفہ جناب حسن خان صاحب آباخیل کا بے حد اصرار اور شدت داعیہ بنی، کہ جب بھی ملاقات ہوتی، تو حضرت مولانا صاحبؒ کے حالات کم از کم آپ کے اسفار کو تحریر میں لانے کی شدت سے تقاضا فرماتے۔ بہر حال جب ہم نے لکھنے کا ارادہ کیا، تو فیصلہ کیا کہ پوری سوانح لکھنی چاہیئے۔ بلکہ ایسی سوانح ہو جو حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہو۔ جس میں اُن کے زندگی کے ہر پہلو پر معلومات حاصل ہوں۔ ہم اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ اس کا فیصلہ قارئین کو کرنا ہے۔ گو ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی۔

ہم نے تو کچھ کمی نہ کی جو ہم سے ہو سکا

سوانح کے کل 18 ابواب ہیں، جو اُن کے بچپن و خاندان سے لیکر اُن کے تصنیفات و مقالات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں دو ابواب ہیں۔ جو خود حضرت مولانا صاحبؒ کے تحریر کردہ ہیں۔ اس لئے اُن میں نہ ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ اور نہ کمی زیادتی کی بحث۔ ایک ہے ''میری علمی و مطالعاتی زندگی یاحدیث ناگفتنی'' جو ماہنامہ

الحق اور دوسرے رسالوں میں بھی چھپ چکی ہے۔ اور دوسری ''بیرونی ممالک میں تبلیغی سفر نامہ سال 1957ء'' جو ایک روزنامچے کے شکل میں حضرت مولانا صاحبؒ نے خود تحریر کیا ہے۔ اگر سچ کہا جائے تو یہی دو ابواب سارے سوانح کا دِل ہے۔

اس کے علاوہ ایک باب اکابرین صلحاء و علماء سے تعلق و روابط پر ہے۔ جس میں اِس چیز کا تذکرہ ہے کہ اکابرین صلحاء و علماء کا حضرت مولانا صاحبؒ کے نزدیک کیا قدر و قیمت تھی۔ اور حضرت مولانا صاحبؒ اُن کا کتنا خیال رکھا کرتے تھے۔ اور وہ حضرات مولانا صاحبؒ کو کیا سمجھتے تھے یا اُن کے ہاں حضرت مولانا صاحبؒ کی کیا وقعت تھی۔ یہ بات نایاب معلومات سے بھرپور ہے۔ خلفاء و خلفاء کے تاثرات والے باب میں ہر خلیفہ کا اپنا عبرت آموز فسانہ ہے۔ جو حضرت مولانا صاحبؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتی ہے۔ اور ہر ایک بہ زبان حال کہتا ہے۔

اے دِل آغاز کُن افسانہ ایام وصال
تابہ مشغولئ اں قصہ شب غم گذرد
لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اس باب کا فائدہ یہ بھی ہے کہ آئندہ کبھی خلافت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کے لئے راستہ بند ہو گیا اور نئی نسل کے لئے سند مل گئی۔ کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے اصل خلفاء کون ہیں اور کن کے ساتھ تعلق جوڑنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اُن متعلقین و متوسلین کا ذکر ہے۔ جن کو خلافت تو نہیں ملی۔ لیکن حضرت مولانا صاحبؒ کے مجلس کے مستقل ہم نشینوں میں سے تھے۔ اُن کے تاثرات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

سوانح کے لئے مواد جمع کرنے، لکھنے، ٹائپ کرنے اور چھپائی میں بہت سارے

دوستوں نے مدد و تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائیں۔ حاجی حسن خان صاحب اور حاجی خلیل احمد صاحب نے دور اور قریب کے سفر کر کے خلفاء اور دوسرے حضرات سے مواد جمع کیا۔ کتاب کے لکھنے ترتیب وغیرہ میں بھی برابر کے شریک رہ کر اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ ٹائپ کرنے والوں کی تلاش اُن کے ساتھ تفصیلات و معاملات کا طے کرنا سب عزیزم سمیع اللہ صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہء فارمیسی نے سنبھالے تھے۔ اللہ تعالیٰ خوش رکھے۔ پروف ریڈنگ اور اغلاط کی تصحیح کا کام جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام ناصر مروت صاحب، سابق رئیس بخش شعبہء فارسی و ڈین فیکلٹی علوم اسلامیہ والسنہ شرقیہ، جامعہ پشاور اور پروفیسر عالمگیر صاحب، شعبہء ایگریکلچر انجینئرنگ نے بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ جناب مسعود سلطان صاحب نے تمام مسودے کے لغت کے تصحیح کا کام سعادت سمجھ کر عرق ریزی اور شوق سے انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اِس محنت کا صلہ دُنیا و آخرت میں عطا فرمایں۔ فوٹوسٹیٹ وترسیل مواد کا کام زیادہ تر عاصم محمد، اسسٹنٹ پروفیسر، ایگرانومی کے مرہون منت رہا۔ معلومات کے اکٹھا کرنے میں ہم جناب محمد جمیل خان مروت کے خدمات کے معترف ہیں۔ جناب احمد خان صاحب سابق چیئرمین ہائیر ایجوکیشن ریگولیٹری اتھارٹی صوبہ کے پی کے پشاور اور اُن کے صاحبزادے جناب عبد المجید صاحب نے کمپوزنگ، چھپائی اور جلد بندی کا کام انتہائی خلوص و جانفشانی سے انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دُنیا و آخرت میں کامیابیاں عطا فرمائیں۔

کتاب میں اکثر ایسے استعارات استعمال ہوئے ہیں۔ جو شاید قارئین کے لئے تشریح طلب ہوں۔ کتاب میں جہاں بھی بغیر نام کے مولانا صاحبؒ یا مولانا آیا ہو۔ اُس سے مطلب مولانا محمد اشرف سلیمانی ہے۔ اسی طرح سید صاحب سے مطلب سید سلیمان

ندویؒ اور شاہ صاحب سے شاہ عبد العزیز دُعاجو دہلویؒ مُراد ہیں۔ حضرت جی سے مراد تبلیغ کے امیر مولانا محمد یوسفؒ یا مولانا انعام الحسن صاحبؒ ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث تو صرف مولانا محمد ذکریا صاحبؒ کے ساتھ مختص ہے۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بھی کبھی کبھار "علی میاں" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کتاب کی اشاعت میں کسی قسم کی غلطی وسقم کی نشان دہی پر آپ کے مشکور ہونگے۔

11 ذیقعد 1439ھ بمطابق 25 جولائی 2018ء

پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم

پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن

پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی

تقریظ

حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتھم العالیہ خلیفہ مجاز برکۃ العصر محدث کبیر شیخ وقت حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد زکریاؒ کاندھلوی مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ

حضرت مولانا محمد اشرف نوراللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق حسنہ اور ایمانی صفات کی دولت سے نوازا تھا۔ اس کی ایک جھلک اس کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بندہ جب کسی کام کے لئے پشاور جاتے تو کوشش یہ ہوتی تھی کہ حضرتؒ کی ملاقات کی شرف حاصل کروں۔ الحمدللہ بار بار ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ ان کی اخلاق عالیہ، تواضع اور مروت تھی کہ وہ ہمارے جیسوں کے ساتھ بھی طویل ملاقات کیا کرتے تھے۔

اپنی اصلاح وتزکیہ کی تڑپ اور اللہ تعالیٰ سے شدید محبت

حضرت پیر سید مسرت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سُنا کہ رائے ونڈ کے اجتماع میں حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے ملاقات کی اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ملاقات میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک یہ بات بھی بڑی پُرسوز انداز میں کی کہ حضرت اصلاح نہیں ہوئی ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا۔ اصلاح تو عمر بھر کا کام ہے۔ یہ دراصل حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کی ایمانی قوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت تھی۔ کیونکہ جو شخص جس قدر ایمانی لذت اور محبتِ الٰہی سے آشنا ہوتا ہے۔ وہ اس قدر اس کی ترقی کا

طالب اور اس کے لئے کوشاں رہتا ہے اور وہ اس قدر اپنی اصلاح کے لئے فکر مند اور تڑپتا رہتا ہے۔

جذبہ ٔجہاد اور جامعیت

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت نصیب فرمائی تھی۔ ایک دِن تنہائی میں ملاقات کرنا چاہا اور خدام کو مجلس سے ذرا دُور بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد کچھ اہم باتیں فرمائیں۔ ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی کتاب فضائل اعمال کئی حصّوں پر مشتمل ہے۔ اس کا تکملہ فضائل جہاد کے رسالے سے ہونی چاہیئے۔ اگر آپ یہ کام کریں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ شاید حضرتؒ کی نظر میں یہ بات تھی کہ کہیں مسلمان جہاد جیسے عظیم فریضہ سے غافل نہ ہو جائیں اور تبلیغی جماعت کے کارکنوں میں جذبہ ءجہاد ختم یا سرد نہ پڑ جائے۔

حضرتؒ کی جرأت حق گوئی اور بلاخوف وخطر حق کی تائید کرنا

بندہ مختار الدین نے جب مسلک اعتدال لکھی۔ اس میں ایسے مضامین تھے جو بعض جماعتوں اور تنظیموں کے انتہاء پسند کارکنوں کے خلاف پڑتے تھے۔ اور اس وقت اس طرح کی کتاب پر تقریظ لکھنا اور اس کی تائید کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ اور اس وقت جو شخص اس قسم کی کتاب لکھتا اور جو اس کی تائید کرتا تو اس کے خلاف بڑے طوفان برپا ہونے کا خطرہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس عدل وانصاف کے پیکر مردِ میدان نے اس کتاب کو پوری پڑھ کر اس پر اِن الفاظ میں تقریظ لکھی۔

کتاب پڑھا، پسند آیا۔ کتاب میں اُمت کے افتراق کی دو وجہیں تشخیص فرمائی

گئی ہیں۔

۱۔ دین کے صرف ایک پہلو کو لینا اسی میں سارے دین کو منحصر سمجھنا، اور باقی تمام پہلوؤں سے غفلت برتنا اور ان پر کام کرنے والوں کو بُرا سمجھنا، اور ان سے نفرت کرنا۔

۲۔ اس ایک رُخ میں بھی اعتدال کو ملحوظ نہ رکھنا بلکہ افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر بے دینی کا شکار ہو جانا۔

معاصر اہل مسالک کو ان خامیوں سے خیر خواہانہ طور پر متنبہ فرمایا گیا ہے۔ یہ جامع کتاب اہل نصاب کی ہدایت و اصلاح کے واسطے کافی ہے۔

دِل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور قبولیتِ عامہ سے نوازے اور حضرت مفتی صاحب کو دارین میں اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین

بندہ مختار الدین کرجوغہ شریف

یکم شوال 1439ھ بمطابق 16 جون 2018ء

باب۔1

بچپن و خاندان

حضرت مولانا صاحب کے والد بزرگوار محمد اکبر خان ابن سکندر علی ابن سعادت خان ابن نور خان صاحب کا پٹھان قبیلہ مومند سے تعلق تھا۔ پشاور کے قریب شیخ محمدی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ موصوف صوم وصلوٰۃ کے پابند، متشرع، اسلامی شعائر و اقدار کے دلدادہ، مہمان نواز، فقیر منش اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ قالینوں کا تجارتی کاروبار دہلی، کلکتہ، دارجیلنگ اور شملہ تک پھیلا ہوا تھا۔ وطن پشاور تھا لیکن 1901ء سے شملہ آنا جانا رہتا تھا۔ آخر میں وہیں مقیم ہوئے۔ اور 21 اکتوبر 1941ء بمطابق 29 رمضان 1360ھ کو وفات پاکر وہیں سپرد خاک ہوئے۔ والدہ صاحبہ کا وطن بھی تپہ خلیل مومند شیخ محمدی پشاور تھا۔ اُن کے رشتہ دار شیخ محمدی میں اب بھی موجود ہیں۔ موصوفہ اچھی خاصی دینی معلومات کی حامل، نیک پاکباز، ذکر و اشغال و تلاوت کی پابند سخی و غریب پرور اور انتہائی مہمان نواز خاتون تھیں۔ مولانا صاحب حجاز مقدس میں تھے کہ والدہ صاحبہ بروز اتوار 15 نومبر 1981ء بمطابق 21 محرم 1402ھ کو وفات پاکر پشاور یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن ہوئی۔

پیدائش و طفولیت

مولانا صاحب 6 مئی 1925ء بمطابق 13 شوال 1342ھ محلہ مقرب خان پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ والدین کے علاوہ خاندان تین بھائیوں اور تین بہنوں پر مشتمل

تھا۔ مولانا صاحب بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور بہنوں میں ایک سے بڑے تھے۔ بڑے بھائی محمد اکرم ایئر فورس میں سکوارڈن لیڈر رہ کر پھر فارن سروسز میں ٹریڈ کمشنر کے عہدے پر مختلف ممالک میں تعینات رہے۔ دوسرے بھائی محمد اسلم کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کے بعد فوج میں رہ کر ایئر وائس مارشل ریٹائرڈ ہوئے۔ اس کے علاوہ صوبہ خیبر پختونخوا میں بطور ہیلتھ ڈائریکٹر و سکرٹری بھی رہے۔ بھائی الگ تھے۔ مولانا صاحب کے ساتھ اُن کی والدہ اور ایک بیوہ ہمشیرہ مع چھوٹی بچی کے رہائش پذیر تھیں۔ گھر کا انتظام ہمشیرہ صاحبہ نے سنبھالا تھا۔ بڑے خلوص اور محنت سے والدہ، مولانا صاحب اور تمام مہمانوں کی خوب خدمت کرتی تھی۔ پانچ دَس مہمان تو ہر وقت ہوتے تھے۔ بعض مہمان ڈھائی تین بجے تشریف لاتے۔ اُن کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتی۔ اس کے علاوہ مولانا صاحب دَس گیارہ بجے رات شب جمعہ کو تبلیغی مرکز سے معہ ساتھیوں کے تشریف لاتے تو کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتی۔ کبھی گلہ شکوہ نہیں کیا۔ بعض اوقات جب مہمان آتے اور گھر میں اُن کو پیش کرنے کے قابل کوئی چیز نہ ہوتی تو والدہ صاحبہ اپنے الماری میں سے کوئی چیز نکال کر دے دیتی جو ایسے مواقع کے لئے رکھا ہوتا تھا۔ ہمشیرہ صاحبہ 11 نومبر 1983ء بمطابق 6 صفر 1404ھ کو وفات پائی اور والدہ صاحبہ کے پہلو میں دَفن ہوئی۔

سکول وکالج میں تعلیم

مولانا صاحب کا ابتدائی مکتب اپنی ماں کا گود اور گھریلو ماحول تھا۔ والد صاحب کو فارسی اور اردو کی دینی کتابوں کا اچھا مطالعہ تھا اور فارسی ادب کا ذوق تھا۔ والدہ محترمہ نے ترجمہ قرآنی اور اُردو فارسی میں اکثر متداول تفاسیر اور احادیث وفقہ وسیر کی متعدد

کتابیں اپنے خالہ زاد بھائی سے گھر میں پڑھی تھیں۔ مولانا صاحب نے بھی قرآن کریم اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا۔ اور ابتدائی فارسی والد مرحوم سے پڑھی۔ لکھنا بھی والد صاحب نے سکھایا۔ بقول مولانا صاحب کہ والد صاحب نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر قلم چلانا سکھایا۔

آپ نے ابتدائی سکول کی تعلیم انجمن اسلامیہ شملہ کے بنا کردہ اسلامیہ ہائی سکول میں حاصل کی۔ جیسے خود فرماتے تھے کہ میں نے مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کی سیرت خاتم الانبیاء سب سے پہلے "اوجز السیر" کے نام سے اپنے لڑکپن میں نویں جماعت میں اِس سکول کے نصاب میں پڑھی تھی۔ آپ اسلامیہ ہائی سکول شملہ میں نومبر 1939ء تک پڑھتے رہے۔ مارچ 1940ء میں والد صاحب کے ساتھ پشاور آگئے۔ مولانا صاحب نے 1940ء میں میٹرک کا امتحان اسلامیہ ہائی سکول نمبر 3 پشاور سے فسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور پورے سکول میں اوّل رہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے 1941ء میں ادیب فاضل کا امتحان بطور پرائیویٹ امیدوار پاس کیا۔ اسی طرح 1942ء میں ایف اے اور 1945ء میں بی اے کا امتحان بھی اسی یونیورسٹی سے پاس کیا۔ مولانا صاحب نے اپنے عریضہ مؤرخہ 26 اکتوبر 1952ء میں حضرت سید صاحب سے پشاور یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں ایم اے عربی میں داخلے کے بارے میں استفسار کیا اور اپنا عندیہ ظاہر کیا کہ میرا خیال ہے کہ تعلیمی لائن بہتر ہے اور فراغت کے بعد ممکن ہے۔ کہیں پروفیسری وغیرہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو مل جائے۔ اس پر سید صاحب نے فرمایا کہ یہ خیال مناسب ہے اور تعلیمی لائن مُبارک ہے۔ مولانا صاحب نے جب لکھا کہ بعض احباب کا ایل ایل بی پاس کرنے کا بھی مشورہ ہے۔ لیکن طبیعت وکالت کو پسند نہیں کرتی تو حضرت شیخ نے

صاف جواب دیا کہ ایل ایل بی کا خیال درست نہیں۔ اسی طرح مولانا صاحب نے 1952ء میں ایم اے عربی میں داخلہ لے کر 1954ء میں پشاور یونیورسٹی سے فسٹ ڈویژن میں ڈگری لے لی۔ اس کے بعد 1956ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ اُمیدوار کے طور پر ایم اے پرشین (فارسی) کی ڈگری حاصل کرلی۔

دینی تعلیم اپنے استاد محترم سید نور الاعظم باجوڑی سے حاصل کی۔ جو محلہ مقرب خان کے مسجد میں پیش امام تھے۔ اس کی تفصیل اور اپنی مطالعاتی زندگی کے بارے میں خود نوشت بعنوان حدیث ناگفتنی کتاب کے باب مطالعاتی زندگی میں موجود ہے۔

شادی

میاں فقیر اللہ شاہ صاحب آف مازارہ شبقدر مولانا صاحب کے دیرینہ دوست تھے۔ 1963ء کے حج میں بھی اکٹھے رہے۔ مولانا صاحب کی کوششوں سے رورل اکیڈیمی پشاور میں علماء پوسٹ پر تعینات ہوئے۔ مولانا صاحب آفسران کے ریفریشر کورس میں ہفتہ وار بیان کے لئے اکیڈیمی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مولانا صاحب نے سید میاں فقیر اللہ شاہ صاحب کی ترغیب پر شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس خدمت کو سرانجام دینے کے لئے میاں فقیر اللہ شاہ صاحب نے خود اپنی دختر نیک خصال سے نکاح کی پیشکش کی۔ جس کو بزرگوں نے اور مولانا صاحب کے متعلقین نے بہت سراہا اور میاں صاحب کے لئے بہت دعائیں کیں۔

یہ شادی 3 مئی بروز اتوار 1975ء بمطابق 20 ربیع الثانی 1395ھ کو ہوئی۔ شادی میں بزرگوں کے علاوہ عمائدین شہر اور اساتذہ کے علاوہ مریدین و متعلقین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ ایک انوکھا موقع تھا کہ مریدین اپنے شیخ کی شادی میں شریک

تھے۔ اہلیہ صاحبہ نے مولانا صاحب کے علاوہ اُن کے مہمانوں اور متعلقین کا خوب حق ادا کیا۔ بلکہ مولانا صاحب کے وفات کے بعد ابھی تک رمضان میں افطاری وسحری کے انتظامات اور معتکفین کا خود خیال کرتی ہیں۔ مولانا صاحب کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ مکان کا مردانہ حصہ ہمیشہ مہمانوں اور دوسرے آنے والوں کے لئے کھلا رہتا تھا۔ عصر تا عشاء عام مجلس ہوا کرتی تھی۔ جمعہ کے روز عصر تا مغرب قرآن کریم کا ختم مبارک اجتماعی دُعا پر اختتام پذیر ہوا کرتا تھا۔

خدمت وخدام

مولانا صاحب کی خدمت کرنا آسان کام نہیں تھا۔ جب تک آپ سیکھ نہ چکے ہوں۔ ورنہ وہ خدمت بجائے راحت کے زحمت بن جاتی تھی۔ مولانا صاحب اپنے خدمت کرنے والوں کو مزاحاً اُٹھاؤ بٹھاؤ کہا کرتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ ہر وقت حضر وسفر میں ساتھ ہوتے تھے۔ اور گھر کے اندر اور باہر بطور رابطہ کے کام کرتے تھے۔ اس لئے اُن کی مثال گھر کے افراد جیسی تھی۔ مولانا صاحب کی پسند و ناپسند، خوراک، لباس، رشتہ دار، تعلقات و معمولات وغیرہ کا ان کو پتہ ہوتا تھا۔ اور خدمت کرتے کرتے وقت کے ساتھ مزاج شناس بن گئے تھے۔ مولانا صاحب کے ساتھ اُن کی معیت ایسی تھی۔ جیسے بارش وہوا کا۔ اس لئے ان کو جہاں دیکھا جاتا۔ تو لوگ سمجھ جاتے کہ مولانا صاحب بھی تشریف فرما ہوں گے۔ کئی سال مستقل خدمت کرنے والوں میں الاوّل فلاوّل کے لحاظ سے یہ حضرات تھے۔ محمد اسرار پروفیسر مردان کالج، قربان انجینئر لاہور، محمد سراج، میر حاتم و شیر حسن زرعی یونیورسٹی، خلیل احمد گومل یونیورسٹی، حسن خان انسپکٹر پولیس، احمد خان سول سیکرٹریٹ پشاور، محمد نعمان

انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ۔ اس کے علاوہ چند دوسرے حضرات نے بھی موقع بموقع یہ خدمت سرانجام دی۔

بود وباش

مولانا صاحب عام لباس شلوار قمیص اور قراقلی ٹوپی و شیروانی استعمال کرتے تھے۔ گرمی سردی کے لحاظ سے سفید ٹوپی، چترالی گرم ٹوپی، واسکٹ اور چادر کا بھی استعمال کرتے تھے۔ جمعہ کے روز عموماً کپڑے بنیان مع جراب وغیرہ بدل لیتے اور خوشبو کا استعمال کرتے۔ پٹھوں کی بیماری کی وجہ سے سردی زیادہ لگتی۔ اور اتنا کچھ پہن لیتے کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا۔ غسل وضو کے وقت دھوتی کا استعمال کرتے۔

مولانا صاحب کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ مغرب کے وقت سفید اُبلے ہوئے چاولوں کا استعمال معمول تھا۔ کھانا اور چائے گرم پسند کرتے تھے۔ کھانے کے بعد سبز چائے زیادہ پسند تھی۔ پائے اور حلیم کا بھی کبھی کبھی شوق فرمایا کرتے تھے۔ مولانا صاحب کبھی ایک بجے سے پہلے نہیں سوئے۔ لیکن تہجد کے لئے ضرور اُٹھا کرتے تھے۔ فجر نماز کے بعد نیند کا اتنا سخت غلبہ ہوتا تھا کہ خطوط کا جواب لکھنا مشکل ہو جاتا۔ کئی بار بیچ میں سو جاتے تھے۔ لیکن اشراق پڑھنے سے پہلے کبھی نہیں سوئے۔ اشراق کے بعد ایک دو گھنٹے سونے کا ایسا معمول تھا کہ اگر جہاز یا ریل چلے جانے کا بھی خطرہ ہوتا پھر بھی پانچ دَس منٹ کے لئے ضرور سو جاتے تھے۔ لیکن کمال یہ تھا کہ بالین پر سر رکھتے ہی سو جاتے تھے۔ قیلولہ کا بھی معمول تھا۔ اکثر اُٹھ کر وضو وغیرہ میں اتنی دیر لگتی کہ نماز عصر قضاء ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ چونکہ اونچا سنتے تھے۔ اس لئے نیند میں شور شرابہ سے کبھی پریشان نہ ہوتے تھے۔ البتہ روشنی کرنے سے فوراً اُٹھ جاتے۔

طہارت کے بارے میں مولانا صاحب بہت زیادہ حساس تھے۔ خوب تسلی کراتے کہ کوئی عضو بغیر دھوئے اور پانی بہائے نہ رہ گیا ہو۔ چلنے پھرنے سے معذوری کے اول دنوں میں خادم پیٹھ پر اُٹھا کر غسل خانے میں انگلش کموڈ پر بٹھا دیتے تھے۔ استنجے سے فارغ ہو کر خود نیچے چوکی پر آکر وضو فرماتے۔ ہم جب دروازہ کھولتے تو وہ چوکی پر بیٹھے وضو کر چکے ہوتے۔ پاؤں ہم دُھلاتے اور اُٹھا کر اندر کمرے میں لے آتے۔ معذوری بڑھ جانے کے بعد استنجے کے لئے خاص بنائی گئی چوکی کے نیچے برتن استعمال کرنے لگے۔ استنجے سے خود فارغ ہو کر خادم وضو کرواتا۔ گھر سے نکلتے ہوئے یا سفر پر جاتے وقت چوکی ساتھ لے جانا سب سے اہم کام تھا۔ حج یا دوسرے موقعوں پر مکان کی تلاش میں سب سے اہم اس کا غسل خانہ ہوتا تھا کہ کم از کم اتنا کھلا ہو کہ مولانا صاحب کو پیٹھ پر اُٹھا کر اندر داخل ہو کر آپ مڑ سکتے ہوں۔

بیماری و معذوری

مولانا صاحب کو دوسری بیماریوں کے علاوہ دو بیماریاں شروع سے لاحق تھیں۔ ایک پٹھوں کی بیماری جو روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اس کا زیادہ اثر ٹانگوں اور بازوؤں پر تھا۔ پہلے لاٹھی کی مدد سے خود چلتے تھے۔ پھر ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دیکر چلتے تھے اور آخیر میں چلنے سے بالکل معذور ہو کر پیٹھ پر اُٹھانا پڑتا تھا۔ نماز میں جب سجدہ کرنے سے بھی قاصر ہوئے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتے۔ اس کے باوجود تراویح میں دس دِن کی، چھ دِن کی، تین دِن کی اور ایک رات کے ختم مبارک میں شریک ہوتے تھے۔ دوسری بیماری السر کی تھی جو کبھی کبھی بہت بڑھ جاتی۔ معدہ کی تیزابیت ایک مستقل مسئلہ تھا۔ جس کے لئے تمام عمر دوائی لیتے رہے۔ اس کے علاوہ

مولانا صاحب دَمہ کے مریض تھے۔ اگر بتی جلانے سے ایک دَم دَمے کا حملہ ہو جاتا تھا اور سانس اکڑ جاتی۔ پھر ذیابیطس کی بیماری بھی ہو گئی۔ ہائی بلڈ پریشر اور دِل کا بھی مسئلہ تھا۔ مولانا صاحب اونچا سنتے تھے۔ اس لئے گل سن استعمال کرتے تھے۔ دوائی کی خوراک ایک وقت میں آٹھ دَس گولیوں سے کم نہ ہوتی۔ لیکن آخیر تک مولانا صاحب کو نہ گولیوں کے نام یاد تھے اور نہ اُن کے کھانے کے اوقات بیماری خواہ کتنی بھی سخت اختیار کرتی۔ مولانا صاحب کے چہرے پر کبھی بیماری اور تکلیف کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ ہمیشہ صحت مند اور ہشاش بشاش لگتے۔ دوائیوں میں سلفر سے سخت الرجی تھی۔ اگر کبھی غلطی سے بھی کھالیتے تو حالت غیر ہو جاتی تھی۔

مولانا صاحب کو پٹھوں اور ٹانگوں کی بیماری کی ابتداء ایسی ہوئی کہ 1952ء میں حضرت کو ٹائیفائیڈ کا حملہ ہوا۔ افاقہ کے بعد حضرت کی ٹانگوں پر اس بیماری کی وجہ سے بہت اثر ہوا۔ شنوائی بھی کم ہو گئی۔ ٹانگوں کی بیماری کی تشخیص سے معلوم ہوا کہ یہ "Progressive Muscular Dystrophy" ہے یعنی پٹھوں کی توڑ پھوڑ کی ترقی پذیر بیماری ہے۔ جو لاعلاج مرض ہے۔ پاکستان میں بہت زیادہ ڈاکٹری علاج کیا۔ جہاں بھی کوئی ماہر ڈاکٹر کا معلوم ہوا۔ اس کو دکھایا گیا لیکن افاقہ کی بجائے مرض وقت گذرنے کے ساتھ بڑھتا رہا۔ حکیمی علاج بھی کرایا۔ ہومیو پیتھ علاج بھی کرایا۔ کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ 1957ء میں حضرت مولانا صاحب تبلیغی کام کے سلسلہ میں جرمنی گئے۔ وہاں بھی علاج کروایا۔ لیکن چونکہ یہ لاعلاج مرض تھا۔ افاقہ نہیں ہوا۔ شروع میں اس بیماری کا اثر صرف ٹانگوں تک محدود تھا۔ آخیر عمر میں پھر ہاتھوں پر بھی اثر ہوا تھا۔ اور ہاتھ بھی بہت کمزور ہو گئے تھے۔ وضو کرتے ہوئے ہاتھ چہرہ مبارک تک خود نہیں پہنچ سکتے تھے۔ کسی خادم کی

مدد سے بمشکل ہاتھ چہرہ تک پہنچ جاتے تھے۔ بیماری کے شروع دِنوں میں یعنی 1964ء تا 1970ء لاٹھی کی مدد سے لنگڑاتے ہوئے خود چلتے تھے اور کُرسی یا چارپائی کی مدد سے خود اُٹھ بیٹھ لیتے تھے۔ جیسے جیسے بیماری بڑھتی رہی، چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ دوسرے آدمی کی مدد سے اٹھ بیٹھ لیتے تھے اور چند قدم چل لیتے تھے۔ بعد میں پھر یہ بھی موقوف ہو گیا۔ زمین ہی سے پیٹھ پر اٹھانا پڑتا تھا۔ بیماری کے ابتدائی ایّام میں کھڑے ہو کر نماز پڑتے تھے۔ پھر بیٹھ کر پڑھنے لگے اور آخیر میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ اکثر جب سجدہ میں چلے جاتے تو پھر سجدہ سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ ساتھ جو ساتھی کھڑا ہوتا تھا۔ وہ اپنی نماز توڑ کر سجدہ سے اٹھا لیتے تھے۔ آخیر میں پھر رکوع اور سجدہ بھی اشارہ سے کرنے لگے۔

خطوط وجوابات

جب تک صحت مند تھے۔ خطوط کا جواب خود لکھا کرتے تھے۔ بعد میں کسی خادم سے املا کرواتے تھے۔ یہ خدمت شروع میں شیر حسن کے سُپرد تھی۔ 1980ء میں اس کے امریکہ جانے کے بعد میر حاتم نے سنبھال لی۔ فجر نماز کے بعد شروع کر کے اشراق کے وقت تک یا کچھ زیادہ یہ سلسلہ چلتا۔ عام خطوط پر تو خادم محمد اشرف بقلم میر حاتم لکھ دیا جاتا تھا۔ لیکن خواتین کے خطوط اور راز داری والے خطوط کا یا تو مولانا صاحب خود جواب دیتے اور اُن خطوط پر بقلم میر حاتم نہیں لکھا جاتا تھا۔ مولانا صاحب خط کا جواب ضرور دیتے تھے۔ خواہ ایک سال بعد ہو۔ البتہ ایمرجنسی والے خط کا جواب فوراً دیتے۔ جس خط میں دُعا کے لئے کہا ہوتا تھا تو پڑھ کر اُسی وقت دُعا کر لیتے تھے۔ اگر جوابی لفافے پر پتہ لکھا ہوا ہوتا تو مولانا صاحب خود اپنے ہاتھ سے نام سے پہلے بخدمت جناب اور نام کے بعد صاحب لکھ دیا کرتے تھے۔ بعض خطوط ایسے ہوتے تھے۔ جس

میں سفر یعنی آنے اور واپس جانے کی کارگذاری ہوا کرتی تھی یا اِدھر اُدھر کی لایعنی اوٹ پٹانگ تذکرے اور اشعار ہوتے تھے۔ لیکن مولانا صاحب ہر خط بڑے غور سے شروع سے آخر تک پڑھتے اور ہر جُز کا جواب بھی دیتے۔

ملازمت

حضرت مولانا صاحب 20 اکتوبر 1954ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے شعبہ عربی میں بطور جونیئر لیکچرر 250 روپے ماہوار پر تعینات ہوئے۔ فروری 1962ء میں سینئر لیکچرر کے پوسٹ پر ترقی کے لئے درخواست دے دی اور بالآخر 28 فروری 1963ء سے سنڈیکیٹ نے اپنے میٹنگ میں فیصلہ کرکے سینئر لیکچرر کے پوسٹ پر ترقی دینے کا فیصلہ کیا۔ تدریسی سلسلہ چلتا رہا۔ اِس دوران کچھ ساتھی ترقی پاکر اسلامیہ کالج سے یونیورسٹی میں چلے گئے اور مولانا صاحب تن تنہا سارے ڈیپارٹمنٹ کو چلاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اِن دِنوں میں مولانا صاحب خود سٹاف ممبر بھی تھے اور چیئرمین بھی تھے۔

مولانا صاحب نے ستمبر 1967ء کو ریڈر اِن عربیک کے پوسٹ کے لئے درخواست دے دی اور یکم جولائی 1969ء سے ریڈر پوسٹ پر تعینات ہوئے۔ بعد میں اِس کو ایسوسی ایٹ پروفیسر کا نام دیا گیا۔ مارچ 1976ء کو مولانا صاحب نے پشاور یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پروفیسر پوسٹ کے لئے درخواست دے دی اور آخرکار 23 ستمبر 1976ء کے سنڈیکیٹ میٹنگ میں بطور پروفیسر تعینات کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا صاحب نے یکم اپریل 1978ء کو پروفیسر فضل معبود صاحب سے عربی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین شب کا چارج لیا اور 5 مئی 1985ء سے لیکر اپنی ریٹائرمنٹ تک اپنے ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد 8

دسمبر 1985ء سے مولانا صاحب کو ایک ایگریمنٹ کے ذریعے ایک سال کے لئے دوبارہ تعینات کیا گیا۔ سال گذرنے کے بعد 9 دسمبر 1986ء سے دوسرے سال کے لئے ایگریمنٹ کی تجدید کی گئی۔ اپنے سروس کے دوران مولانا صاحب اسلامیہ کالج کے مکان نمبر 10 میں کچھ عرصہ رہائش پذیر رہے۔ اس کے بعد دوسرے مکان نمبر 14 میں رہائش اختیار کی اور آخر میں بڑے مکان A-17 میں چلے گئے اور ریٹائرمنٹ تک اُس میں رہ کر اپنے مکان اشرف منزل شاہ کالونی متصل اسلامیہ کالج پشاور منتقل ہوئے۔

حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ تزکیہ، باطنی امراض کے علاج کا نام، طب قلبی، تصوف، سلوک یا پیری مریدی ہے۔ بیعت شیخ و مرید کے مابین معاہدہ، تعلق، محبت، اعتقاد و اعتماد و اتباع کا نشان ہے۔ بیعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ شیوخ کی بیعت سنت ہے۔

باب۔2

علمی ومطالعاتی زندگی (حدیث ناگفتنی)

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ، حسب وعدہ (گو بہت تاخیر سے) مطلوبہ مضمون میری مطالعاتی زندگی "حدیث ناگفتنی" کے عنوان سے بھیج رہاہوں ۔کہ جو بات سراپا اخفا وسر اپنے تک محدود ہونی چاہیئے تھی، اس کے اظہارواعلان سے اپنی کم سوادی کو رسوائے عام کررہاہوں۔ بہت سی باتوں سے شاید آپ کا اتفاق نہ ہو، لیکن: **وللناس فیما یعشقون مذاھب**

اللہ تعالی معاف فرمائے اور اس ریاونمائش سے درگذر فرمائے اور اس سیاہ کار کی اس سخن طرازی وہرزہ سرائی کو معاف فرمائے آمین کہ حقیقتاً ہر لحاظ سے صفر ہوں اور دعا کا محتاج ہوں۔(محمد اشرف 17.03.1993)۔

اللہ تبارک وتعالی کے فقیر پر جو بے شمار احسانات ہیں ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ علم وعمل کی جملہ کوتاہیوں کے باوجود اس کے بہت سے نیک بندے اس بے مایہ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔اس نیک گمانی کا کرشمہ ہے کہ اس شکستہ قلم ابجد ناشناس سے جواں سال وبزرگ خصال صاحب الحق (مولانا سمیع الحق صاحب سلمہ) مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک نے وہ چند سوال کرڈالے جن کا مخاطب یہ نااہل کسی صورت میں نہیں۔اپنی مطالعاتی زندگی کی داستان سرائی پر صرف اس وجہ سے قلم اٹھارہاہوں کہ شاید اس تباہ حال کی یہ درازنفسی وپریشان حالی کسی کے لئے سبب عبرت وسرمہ بصیرت بن جائے کہ اپنی بے ربط وبے انضباط زندگی اس لحاظ سے ایک المیہ ہے کہ استفادہ و

افادہ کی جن راہوں کو کھولا جاسکتا تھا۔ وہ ناکشودہ رہ گئیں۔

ے ناکامی حیات نہ بودے دو روز بیش
آن ہم کلیم با توچہ گویم چساں گذشت

ے تا ہم میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ابتدائی زندگی

انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ماں کی گود، گھر، مکتب و معاشرہ انسان کو بناتا یا بگاڑ دیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت کبریٰ ہے جس کی طرف اشارہ حقائق کے سب سے بڑے نقاب کشا نبی الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ما من مولود الایولد علي الفطرة فأبواه یهودانه او ینصرانه او یمجسانه (بخاري تفسیر سورة روم)

ترجمہ: کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت (دین توحید) پر پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔

فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ ہوش کی آنکھیں ایک دیندار گھرانے میں کھولیں۔ والد مرحوم[1] باوجود ایک بڑے تجارتی کاروبار کے صوم وصلوٰۃ کے پابند، متشرع اور اسلامی شعار واقدار کے گرویدہ تھے گو عالم نہ تھے لیکن علمائے اہل حق سے قریبی روابط تھے۔

---

1 محمد اکبر خان ابن سکندر علی ابن سعادت خان ابن نور خان المتوفی 21 اکتوبر 1941ء مطابق 29 رمضان 1360ھ نسلاً پٹھان تھے، پشاور وطن تھا۔ تجارتی کاروبار کافی وسیع تھا۔ شملہ، دہلی، کلکتہ، دارجیلنگ وغیرہ میں دکانیں تھیں۔ اس سلسلہ میں اکثر وقت دہلی وشملہ میں گذرتا تھا۔ 1901ء سے شملہ جانے کا دستور تھا، وہیں جائیداد بنائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

فارسی اور اردو کی دینی کتابوں کا اچھا مطالعہ اور فارسی ادب کا ذوق تھا۔ کیمیائے سعادت ہمیشہ مطالعہ میں رہتی تھی، فقیر منش اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ والدہ محترمہ دام ظلہا اچھی خاصی دینی معلومات کی حامل، نیکی وپارسائی کا نمونہ، ذکر و اشغال و تلاوت کی پابند اور سخی و غریب پرور ہیں۔ والدہ محترمہ نے ترجمہ قرآنی اور اردو و فارسی میں اکثر متداول تفاسیر اور احادیث وفقہ وسیر کی متعدد کتابیں ہمارے تایا اور اپنے خالہ زاد بھائی مولوی حکیم غلام سرور صاحب سے پڑھی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں وہ ہمیں کہانیوں کی بجائے انبیاء علیہم السلام کے قصے اور واقعات ہر رات سناتی تھیں۔ بندہ نے قرآن کریم اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا ہے اور ابتدائی فارسی والد مرحوم سے۔

والدہ محترمہ کے علمی و ادبی ذوق پر آج حیرت ہوتی ہے۔ ان کے کتب خانہ میں اردو فارسی دینی کتب کے علاوہ مخزن لاہور، الہلال کلکتہ، تہذیب نسواں لاہور، پیشوا دہلی، مولوی دہلی، عصمت دہلی، ساقی دہلی، ہزار داستان لاہور، نیرنگ خیال، ہمایوں اور دیگر بیشتر ادبی اور دینی رسائل کے پرانے فائل کچھ عرصہ پیشتر تک موجود تھے، جن کا کثیر حصہ (شملہ میں) تقسیم کی نذر ہو گیا۔ اور کچھ ہماری نقل مکانی وغیرہ سے ضائع ہو گئے۔ بہر حال اس دراز نفسی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ نے گھر میں علمی و دینی و ادبی فضا پائی۔ جس کی وجہ سے آٹھ نو سال کی عمر تک توبۃ النصوح، مراۃ العروس، بناۃ النعش، مسدس حالی جیسی کتابیں پڑھ چکا تھا اور اردو کا مطالعہ اچھا خاصا ہو گیا تھا۔ خیر یہ تو ضمنی بات تھی، جس کا اظہار اپنے بچپن کے ماحول کے اظہار کے لئے ضروری تھا۔

بندہ کی کم نصیبی ہے کہ کسی دینی مدرسہ یا دارالعلوم میں ابجد خوانی کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ جو شُد بُد نصیب ہوئی وہ اصلاً والدین کی برکت، مسجد کا فیض اور ثانوی و ادنیٰ درجہ میں سکول و یونیورسٹی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

پہلا تاثر

بندہ کو سب سے پہلے جس کتاب نے متاثر کیا۔ وہ پہلی جماعت کی کتاب ''اسلام کی پہلی کتاب[2] '' (شائع کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور) تھی۔ جس کے ابتدائی الفاظ مُدّتیں گذر جانے کے بعد بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں۔

''اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ اس نے سب کو پیدا کیا، وہ سب کا پالنے والا ہے''[3]۔

توحید کا جو نقش ان سیدھے سادے الفاظ میں دل پر مرتسم ہوا۔ بحمد للہ تعالیٰ اعمال کی بے شمار کوتاہیوں کے باوجود شرک و بدعات سے نفرت کا سبب بن گیا اور پھر چند سال بعد جب مسدس حالی پڑھی تو اس کے یہ الفاظ رگ وریشہ میں سرایت کر گئے۔

یہ راعی نے للکار کر جب پکارا ۔۔۔ یہ سنتے ہی تھرّا گیا گلہ سارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق ۔۔۔ زبان اور دل کی شہادت کے لائق

---

2 انجمن حمایت اسلام لاہور کی دینی خدمات میں اس کی اسلام کی پہلی کتاب سے چودھویں کتاب تک کا قدیم سلسلہ جو مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولانا عبد الرحیم صاحب کا تیار کردہ تھا۔ بہت کارآمد و مفید تھا۔ اس سلسلہ کا خاص امتیاز اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید معلومات، تاریخ اسلام اور دینی علوم کا تعارف تھا۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مسنون دعائیں ترغیب وترہیب منذری کا آسان زبان میں خلاصہ پانچویں سے نویں کتاب تک آگیا تھا۔ احادیث ترغیب وترہیب کا اثر اخلاق سازی میں بین و ظاہر ہے دسویں جلد تاریخ پر تھی وقس علیٰ ھذا۔ بحمد للہ بندہ نے چوتھی جماعت تک یہ پورا سلسلہ پڑھ ڈالا تھا۔

3 1930ء سے 1940ء تک ایسی کتابیں کہیں کہیں مدارس میں رائج تھیں، ہماری تعلیمی تاریخ کا یہ بھی المیہ ہے کہ پھر جو کتابیں آئیں ان کے ابتدائی فقرے توحید باری کی بجائے یہ تھے۔ ''ابّا بیٹھا حقّہ پی رہا ہے''۔ ''اماں چرخہ کات رہی ہے''۔ پھر مزید ترقی ہوئی تو یہ الفاظ آئے ''بلی آئی چوہا دوڑا'' اب MUMMY SINGS, FATHER DANCES یعنی ماں گاتی ہے، باپ ناچتا ہے۔ انّاللہ

اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق   اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ   جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

بچپن اور مطالعہ

گھر کے ماحول کی وجہ سے بچپن میں شوق مطالعہ اس قدر جوان تھا کہ سکول کی لائبریری کے علاوہ جو کتاب و رسالہ یا اخبار مل جاتا تھا۔ پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس سلسلے میں دس بارہ سال کی عمر تک رطب ویابس کے ڈھیر پڑھ ڈالے۔ چوتھی جماعت میں ایک ہندو استاد نے "تسہیل الاملا" نامی ایک کتاب کا پتہ دیا۔ یہ "تسہیل" عربی، فارسی اور اردو کے مشکل و ثقیل الفاظ کا اچھا خاصا مجموعہ تھا۔ بندہ نے نہ صرف اس سے "املا" کے لئے استفادہ کیا بلکہ ان کے الفاظ و معانی کو یاد کر لیا جس کا آئندہ اردو کتابوں کے پڑھنے میں بہت فائدہ ہوا۔

اسلامی تاریخ کا شوق والدہ محترمہ مدظلہا کے بیان کردہ تاریخی قصّوں سے پیدا ہو چکا تھا۔ ان دنوں گرمی ہم شملہ میں گذارا کرتے تھے۔ وہاں ہمارے مکان کے قریب ایک لائبریری تھی جہاں کتابیں کرایہ پر پڑھنے کے لئے ملتی تھیں۔ تیسری جماعت میں تھا، سکول سے آتے ہوئے ایک تاریخی ناول "فتح یرموک" مصنفہ صادق صدیقی سردھنوی کرایہ پر لیا اور چونکہ والد محترم ناول پڑھنے سے منع کرتے تھے۔ اس لئے بستہ میں چھپا کر لایا اور گھر والوں کی نظر بچا کر بستر میں کتاب پڑھنا شروع کی۔ میری ہیّت کذائی نے غمّازی کی اور بڑے بھائی محمد اکرم صاحب نے بھانپ لیا، کمبل ہٹایا، دیکھا تو ناول تھا۔ جس کے پہلے باب کا عنوان تھا: "تیرِ نظر" کتاب چھین لی گئی۔ سرزنش ہوئی۔ والد سے شکایت ہوئی کتاب واپس کی گئی، لیکن چسکا

لگ چکا تھا۔ بندش نے شوق کو مہمیز کیا۔ چپکے چپکے پہلے صادق صدیقی اور پھر مولانا عبدالحلیم شرر کے تقریباً سب تاریخی ناول پڑھ ڈالے۔ صدیقی کی فتح انطاکیہ اور شرر کے ماہ و فلک عبدالعزیز ورجینا، اور فلورا فلورنڈا وغیرہ سے طبیعت نے اثر لیا۔ اسی پانچ سات سال کے عرصہ میں پرانی طرز کے قصوں کی کتابیں گل بکاولی، قصّہ چہار درویش، قصّہ ممتاز، حاتم طائی، طلسم ہوشربا افسانہ آزاد وغیرہ نظر سے گذریں۔ (آہ! زندگی کے قیمتی لمحات کہاں صرف ہوئے)۔

مطالعہ کا ایک پوشیدہ رخ یہ تھا۔ دوسری طرف گھر میں اردو میں جو دینی ذخیرہ کتب موجود تھا۔ اس کا کثیر حصّہ بھی مطالعہ کی زد سے باہر نہ رہا۔ تفسیر حقانی، احسن التفاسیر، موضح القرآن، ترجمہ حضرت تھانوی ترجمہ تجوید بخاری، بہشتی زیور وغیرہ اسی زمانہ میں نظر سے گذریں۔ ابن تیمیہ کی کچھ کتابوں کے تراجم اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت، درۃ الناصحین، کچھ تاریخی کتب بھی اسی دور میں پڑھیں۔ مزید برآں نئے اور پرانے رسائل و اخبارات کا مطالعہ بھی جاری رہا۔ آج تک الہلال کے وہ فائل آنکھوں کے سامنے ہیں جو بڑی تقطیع اور چکنے کاغذ پر ٹائپ میں چھپے ہوئے تھے اور جن میں ابوالکلام مرحوم کی پہلے دور کی الہلالی اردو جو اپنی برنائی وروانی شان و شوکت اور تحدّیانہ اسلوب میں اپنی خاتم آپ تھی اپنی پورہ جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ مخزن کے پرانے فائل، الہلال جدید ہزار داستان، نیرنگِ خیال، ہمایوں، زمانہ، تہذیب نسواں، رومان وغیرہ کونسے رسالے تھے جو مطالعہ میں نہ آئے ہوں۔ راتیں بیت جاتی تھیں۔

لیکن شوق ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں مولانا ظفر علی خان کے زمیندار کے اداریوں کا تذکرہ بھی بیجانہ ہوگا۔ جو مسلمانوں کی شریفانہ اور غیر تمندانہ صحافت کا نقیب اور ادب کی ایک خاص صنف کا نمونہ تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رطب ویابس کا مطالعہ ہر صورت مفید نہیں ہو سکتا اور اپنی ادبیت کے باوجود عمر عیار[4] کی عیاریاں خوجی کی قرولی[5] کوہ ندا[6] کی صدائیں سب افسانہ وفسوں اور بے فکر و آزاد اذہان کی پیداوار اور مسلمانوں کے دور زوال کی یادگار ہیں۔

سکول کے زمانہ میں جن شعراء نے زیادہ متاثر کیا وہ حالیؔ، اقبال اور حفیظ جالندھری تھے۔ مسدس حالی، بانگِ درا اور شاہنامہ اسلام کے صفحات اَزبر تھے۔ اور ان سے ایک گونہ ایمانی قوت و ملّی حمیّت پاتا تھا۔ بارہا اقبال کی بعض نظموں نے اشکبار کیا۔ مسدس حالی کی نعت میں اشعار سہل ممتنع اور اپنا جواب آپ ہیں۔ آج بھی ان کی تازگی و حلاوت میں فرق نہیں آیا۔ حفیظ کا سلام، صحرا کی دعاء، بدر، واُحد کے معرکے اردو نظم میں خاصہ کی چیزیں ہیں۔ سکول کے زمانہ تعلیم میں دینی کتب میں سے سب سے زیادہ اثر اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت کے ترجمے کا رہا۔

کیمیائے سعادت امام غزالیؒ کی آخر عمر کی تصانیف میں سے ہے۔ ان کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اور احیاء العلوم کے مبہم مباحث کا خلاصہ ہے۔ ترجمہ کیمیائے سعادت

---

4 طلسم ہوشربا۔

5 فسانہ آزاد

6 حاتم طائی کے قصّوں کی طرف اشارہ ہے

سے احیائے علوم کے ترجمہ مذاق العارفین کا شوق پیدا ہوا۔ احیاء کی وہ تاثیر آج بھی یاد ہے کہ چند سطریں پڑھ کر دل بیٹھتا معلوم ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے کئی مرتبہ کتاب کا مطالعہ رک جاتا تھا۔ غزالیؒ نے جس حال و کیفیت میں احیاء کو لکھا ہے۔ وہ کیف ایک ایک سطر سے جھلکتا ہے اور ان کے دل کی دھڑکن ہر لفظ سے سنی جاسکتی ہے۔

عربی کتب کا مطالعہ

میری علمی زندگی میں 1940ء و 1941ء خاص اہمیت کے سال ہیں۔ 1940ء میں بندہ نے اپنی عمر کے پندرھویں سال میں میٹرک پاس کیا۔ امتحان کے بعد حضرت الاستاذ[7] مولانا نور الاعظم ابن منصور علی باجوڑی رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت و توجہ سے

---

[7] حضرت الاستاذ مولانا قاضی نور الاعظم صدیقی باجوڑی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے قدیم مساجد کے طرز تعلیم کی ایک عمدہ یادگار تھے۔ حدیث شریف میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ فقہ حنفی پر گہری اور وسیع نظر تھی۔ فقہی مسائل کا خصوصاً فقہ حنفیہ کا استحضار خوب تھا۔ تاہم فقہی مسلک میں وسیع المشرب تھے۔ متداول علوم عربیہ میں مہارت تھی۔ آپ کا سلسلہ حدیث دو واسطوں (1۔حضرت مولانا عبد الروف صاحب در بھنگوی مدظلہ ء 2۔مولانا شاہ رسول صاحب بالا گڑھوی سرحدی) سے قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد الرشید صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ سے منسلک تھا۔ بیعت طریقت مجاہد کبیر حضرت حاجی فضل احمد صاحب ترنگزئی نوراللہ مرقدہ (المتوفی 14 دسمبر 1937ء) سے تھی۔ (حاجی صاحب ترنگزئی قادریہ سلسلہ میں حضرت نجم الدین اخوندزادہ معروف بہ بڈے ملا صاحب سے بیعت تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی تمام عمر انگریزوں سے جہاد میں گذری)۔

استاذ مرحوم کا نسب سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے مشہد آئے پھر افغانستان منتقل ہوئے۔ ان بزرگوں کا مشغلہ دینی تعلیم و تعلم تھا۔ اس لئے مدتوں افغانستان میں قضا کا عہدہ ان کے خاندان میں رہا۔ آخر ش بعض نامساعد حالات کے پیش نظر کُنہار ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ کے مورث اعلیٰ آزاد قبائل کے علاقہ باجوڑ میں متوطن ہوگئے۔ اس علاقہ میں بھی

قضا کا عہدہ انہیں کے خاندان میں رہا۔ استاذ مرحوم کے پر دادا عثمان علی بڑے جید عالم تھے اور علاقہ میں ان کا بڑا اثر تھا۔ عثمان علی کے بیٹے حضرت علی بھی عالم تھے۔ ان کے بیٹے استاذ مرحوم کے والد منصور علی گو عالم نہ تھے۔ تاہم علم طب میں مہارت تھی، طبابت کا کام کرتے تھے۔ علاقہ انبار میں کچھ مدّت فروکش رہے اور وہاں بمقام خوگہ 1900ء میں استاد مرحوم کی پیدائش ہوئی۔ استاذ مرحوم کا بچپن انبار میں گذرا۔ پھر والد اپنے علاقہ باجوڑ (سلارزئی) چلے گئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے علاقے کے علماء سے پڑھیں۔ پھر صریح مروزئی (تحصیل چارسدہ) میں تحصیل علم کے لئے مقیم ہوئے اور صریح کے صاحب الحق صاحب سے فلسفہ اور منطق کا درس لیا۔ 1927ء میں پشاور آئے اور یہاں مختلف علماء سے فقہ اور دیگر متداول علوم حاصل کئے۔ پھر اہل حدیث پشاور کے مدرسہ میں داخل ہو کر حدیث وغیرہ سے باقاعدہ فراغت حاصل کی۔ اور پھر درس و تدریس میں آخر وقت تک مصروف رہے۔

حضرت الاستاذ زہد وورع اور تقویٰ کا نمونہ تھے۔ تقویٰ کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بندہ فجر کے بعد اور پھر مغرب کے بعد حضرت سے حدیث کا درس پڑھتا تھا۔ کمرہ میں روشنی کی ضرورت پڑتی تھی بجلی موجود تھی لیکن فرماتے تھے کہ واقف کی نیت کے مطابق نماز کے دوران میں بجلی کے استعمال کی اجازت ہے۔ اس لئے ہم اپنے لئے نہیں جلا سکتے تھے۔ چنانچہ بندہ کو چراغ کی روشنی میں اکثر کتابیں پڑھائیں۔ طلبہ کو لوجہ اللہ پڑھاتے تھے۔ بندہ تقریباً بارہ سال ان سے پڑھتا رہا۔ لیکن بندہ سے کبھی ایک حبہ تک قبول نہیں فرمایا۔ طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل اور نام ونمود و شہرت سے نفور تھی۔ صلہ رحمی اور اقرباپروری کا جذبہ غالب تھا۔ شفقت و الفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تلامذہ کے ساتھ پدرانہ محبت سے پیش آتے تھے۔ عمر بھر تجرد کی زندگی گذار دی۔ آپ کے مختلف کتابوں کے اسباق مختلف طلبہ کے ساتھ فجر کی آذان سے شروع ہوتے اور عشاء کے بعد تک جاری رہتے تھے۔ درمیان میں وقفہ صرف حوائج بشریہ اور عصر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مشی کی غرض سے ہوتا تھا۔ معاشی ضرورتوں کے لئے طِب کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ جو مریض آجاتا اسے نسخہ لکھ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفادی تھی۔ چاہتے تو بہت کچھ کمالیتے لیکن اس میں بھی رزق کفاف پر قناعت تھی۔ تقریباً باسٹھ سال کی عمر میں حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ کی واپسی پر اچانک طبیعت بگڑی اور ۱۱ ذی الحجہ 1380ھ کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ برحمۃ واسعۃ وجزاہ اللہ تعالیٰ عنّی جزاءً وافیاً کاملاً۔

(عربی میں) حدیث شریف کے باقاعدہ[8] مطالعہ کی ابتداء ہوئی۔ اور اس ہیچمدان کی عربی ابجد خوانی کی داغ بیل پڑ گئی۔

برصغیر پاک وہند میں مدارس کے اجراء وشیوع سے پیشتر مساجِد میں علماء کے اپنے "درس" ہوتے تھے۔ استاذ مختلف طلبہ کو فرداً فرداً اسباق پڑھاتا تھا۔ اور جب ان کی ایک کتاب ختم ہو جاتی تو دوسری کتاب شروع کرادیتا تھا۔ اس قدیم[9] طرز پر ہمارے آبائی محلہ (محلہ مقرب خان پشاور) کی مسجد میں حضرۃ الاستاذ مرحوم کے "درسوں" کا سلسلہ قائم تھا۔ مختلف طلبہ کے اسباق ترجمۃ القرآن[10] سے لیکر جلالین وبیضاوی تک، منیتہ

---

8 احادیث کی امہات الکتب کا نرا ترجمہ محض اردو میں پڑھ لینا متعدد قباحتوں کا مورث وسبب بن سکتا ہے۔ فقیر کے نزدیک چکڑالویت وپرویزیت کے برگ وبار نرا اردو میں احادیث کے پڑھنے سے پیدا ہو جاتے ہیں، خصوصاً جبکہ استاد کی رہنمائی یا کسی اچھے محشی وشارح کے حواشی بھی نہ ہوں۔ علوم عربیہ فنون تفسیر وحدیث وفقہ سے ناواقفیت حدیث کے منشاء اور صحیح مطلب کے سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے اور آخرش انکار حدیث کی راہ کھل جاتی ہے۔ تاہم جو کتب محقق علماء نے عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

9 اس طرز تعلیم کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالب علم فرداً فرداً استاذ کی پوری توجہ سے مستفید ہو سکتا تھا۔ اور استاذ شاگرد کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر اس کی استعداد کے بقدر اسے اپنے علوم سے بہرہ مند کرتا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالب علم استاذ کی نگرانی میں پوری کتاب پڑھتا تھا اور چونکہ روزانہ استاذ سے بالمشافہ درس لینا اور سبق سنانا پڑتا تھا۔ اس لئے ہر طالب علم تیار ہو کر جاتا تھا۔ اور سبق کے دوران میں پورے تیقظ و دھیان سے استاذ کی تقریر سنتا، سمجھتا اور اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اچھے اساتذہ اپنے تلامذہ کی جانچ وامتحان کے ساتھ ان کی صلاحیتوں کو اجاگر اور بارآور کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اس درس میں استاذ کا تعلق محض تعلیم وتدریس کا نہیں ہوتا تھا بلکہ استاذ ایک شفیق مربی واتالیق بھی ہوتا تھا۔

10 حضرت الاستاذ کے ہاں فقہ میں (اصول فقہ کے کتابوں کے علاوہ) ترتیب یہ تھی۔ منیتہ المصلی، قدوری، کنز، مستخلص، شرح وقایہ، ہدایہ—ہدایہ کے اسباق کی تیاری میں استاذ مرحوم کے اپنے مطالعہ میں

المصلی سے ہدایہ تک، مشکوٰۃ سے لیکر صحیح بخاری تک بشرط گنجائش وقت جاری رہتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہمیچدان نے حرفاً حرفاً مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داود، جامع ترمذی و نسائی پڑھی۔ اور ابن ماجہ اور دیگر کتب کا ان کی نگرانی میں خود مطالعہ کیا۔ صحیح بخاری کا حاشیہ سہارنپوری (حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری) بھی استاذ مرحوم نے سبقاً پڑھایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شروح حدیث سے ایک گونہ مناسبت ہو گئی۔

شروح کتب حدیث

اہل نظر جانتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ صحیح بخاری کی مختصر شروح میں خاصہ کی چیز ہے۔ فقیر کی محسن کتابوں میں اس حاشیہ کو ایک اونچا مقام حاصل ہے۔ محدّث سہارنپوری نے مطول شروح کا عطر کھینچ لیا ہے۔ ایک مبتدی طالب علم کو مختصر و موجز شروح و حواشی بخاری میں اس سے بہتر رہنما کم ہی ملے گا۔ صحیح بخاری کی مطول شروح میں جیسے فتح الباری وسعت، دقیقہ سنجی اور علوم کی فراوانی میں اور عمدۃ القاری عمق اور حنفی نقطہ ء نظر کی ترجمانی میں بے مثل ہیں۔ اس طرح یہ مختصر حاشیہ ایجاز احتوا میں اپنی نظیر آپ ہے۔ متوسط شروح میں قسطلانی (ارشاد الساری) خوب ہے۔ جدید شروح بخاری میں فیض الباری علامہ ّ حافظ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے علوم عمیقہ، طرز انیقہ، معارف متبکرہ کا خزینہ اور ان کی وسعتِ فکر و نظر کی ترجمان اور گوناگوں خصائص و مزایا کی

مولانا عبدالحیؒ فرنگی محل کے حواشی کے علاوہ فتح القدیر و کفایہ وغیرہ رہتی تھی۔ سبق میں حنفی مسلک کو احادیث سے خوب مدلل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ترتیب یہ تھی۔ مشکوٰۃ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داود، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد۔ ان کے اپنے مطالعہ میں حواشی کے علاوہ بعض متداول شروح ہوتی تھیں۔ فارسی کا نصاب یہ تھا۔ پنج گنج، بوستان، گلستان، انوار سہیلی، یوسف زلیخا، سکندر نامہ (بعض اوقات دیوان حافظ بھی پڑھا دیتے تھے)۔

حامل ہے۔(کاش معارفِ انوریہ کا یہ خزینہ کلک [11] یوسفی سے مزید گرانبار ہو پاتا)۔

شیخ الحدیث مسند الوقت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہ کی جدید تصنیف لامع الدّراری علی جامع البخاری خصوصاً اس کا مقدمہ حضرت شیخ کے تبحر و تدقیق مہارت فن و تحقیق کا شاہکار ہے۔ ویسے تو تمام مباحث ہی قابل دید اور حرزِ جاں بنانے کے لائق ہیں۔ لیکن اصول تراجم بخاری کو جس شرح و بسط سے کھولا ہے۔ تراجم بخاری پر جس دقیقہ رس اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے۔ اور تراجم کے مغلق ابواب کی جو ستر مفاتیح مہیا فرما دی ہیں وہ حضرت شیخ ہی کا حصہ ہے [12]۔

صحیح بخاری

حضرت الاستاذؒ کا فیض و برکت امام بخاری کا اخلاص، الجامع الصحیح کی نورانیت

---

11 حضرت علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہٗ

12 علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے۔(کہ اس وقفہ وقت تک علماء امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایان شان شرح نہیں لکھی تھی)۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی نے الضوءالامع میں لکھا ہے کہ یہ "قرض"علامہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ یوسف البنوری نے نفحۃ العنبر صفحہ 104 میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمودالحسن صاحب کا قول مجھ تک پہنچا ہے کہ حافظ ابن حجر سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہوسکا۔ حضرت علامہ بنوری فرماتے ہیں۔ کہ "شیخ الہند" نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی شروع فرمائی تھی، مکمل ہوجاتی تو انشاء اللہ التراجم کا حق بھی ادا ہو جاتا۔ لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے تاہم جو حصہ انہوں نے تالیف فرمایااور شائع ہوا وہ مستفیدین کے لئے چراغ ومعیار ہے۔ ہیچمدان راقم اپنی کم مائیگی کا مقر ہے۔ تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے مقدمہ لامع الدّراری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا (واللہ اعلم)۔

ندرت و البیلا پن تھا کہ بحمد للہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ دل و دماغ پر چھا گئی اور ایک عرصہ تک اس کی تلاوت قرآن کریم کی طرح روزانہ کرتا رہا۔ کتب حدیث میں سب سے زیادہ تاثر اس عظیم کتاب کا رہا۔ بخاری شریف صرف صحیح روایات حدیث کا ہی گنجینہ نہیں بلکہ بخاری کے وفور علمی، ذہانت و فقاہت نے اسے خزینہ علوم بنادیا ہے اگر کسی طالب علم پر بخاری شریف اپنے مالہ وماعلیہ کے ساتھ کھل جائے تو یقیناً علوم حدیث کا دروازہ اس پر واہو جاتا ہے۔ ایسے بھی "صحاح" میں اصل محنت ایک کتاب پر ہی ہوتی ہے۔ وہی "متن" بن کر باقی کتب کو اپنا حاشیہ و شرح بنا لیتی ہے۔ احاطہ احادیث، اثر پذیری اور دیگر فوائد مہمہ کے لئے کتب صحاح و دوسری کتب احادیث و اسفار فن کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ تاہم اگر طالب علم ایک کتاب پر پوری محنت کرے تو دیگر کتب احادیث سے استفادہ آسان و ممکن ہو جاتا ہے اور دیگر علوم میں بھی اُمہات الکتب کا یہی حال ہے کہ ایک میں مہارت دوسری کتابوں کی اکثر گرہ کشا ہو جاتی ہے۔ حضرۃ الاستاذؒ فرماتے تھے کہ "اس کتاب (بخاری شریف) کی ایسی برکت ہے کہ اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا تو انشاء اللہ کہیں رکاوٹ نہیں ہو گی"۔ اصلاح باطن کے لئے صحیح بخاری کی کتاب الرقاق اور جامع ترمذی کے ابواب الزہد والرقاق کا بار بار مطالعہ بہت مفید رہا۔

کتب صحاح اور اُن کی شروح

صحیح مسلم کی شروح میں امام نووی کی شرح عام و متداول ہے اور سہولت و اِختصار کے لحاظ سے طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔ فتح الملہم گو مکمل نہ ہو سکی[13]۔ تاہم شیخ

---

13 فتح الملہم کی تکمیل کی سعادت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مد ظلۂ کے حصّے میں آئی جنہوں نے 6 جلدوں میں "تکملہ فتح الملہم" لکھ کر امت کا قرض چکا دیا۔ فجزاہ اللّٰہ خیرا الجزا۔

الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ ابوداود کے قاری کے لئے بذل المجہود سے مفر نہیں۔

جامع ترمذی کی شروح میں مخدومی الاستاد علامہ سید محمد یوسف[14] صاحب البنوری کی مبسوط شرح معارف السنن اِسم با مُسمّٰی۔ مصنف کے وفور علمی وسعت و دِقّتِ نظر حذاقت و مہارت فن پر شاہد اور عمق و تحقیق کا نمونہ ہے۔ مباحث فاضلہ، دقائقِ فائقہ، حقائقِ رائقہ معلومات واسعہ۔ معارف عالیہ و رموز عجیبہ پر مشتمل ہے۔ علامہ موصوف نے اس کتاب میں نہ صرف اپنے یگانہ روزگار استاد علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم و تحقیقات کو یکجا کر دیا ہے۔ بلکہ فحول محدثین اور ائمہ اعلام کے نوادرات علمی کا مفید و جامع ملخص پیش کر دیا ہے۔ مسلکِ حنفیہ کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں جس عدل و فراخدلی اور وضاحت و خوبی سے منقح و مبرھن فرمایا ہے۔ قابل داد اور حیرت انگیز[15] ہے.

اہمیت احادیثِ نبوی

کتب حدیث کے بحر زخّار کی شناوری مجھ جیسے بے مایہ کی بساط نہیں۔ علوم و

---

14 یوسف اقلیم فضل و کمال مخدومی الاستاذ العلامہ السید محمد یوسف صاحب البنوری البشاوری مد ظلہٗ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے جانشین و عاشق ان کے علوم کے راوی اپنی ذات میں اسلامی علوم کا چلتا پھرتا جامعہ حدیث و فقہ و تفسیر کے متبحر و ناقد عالم عظیم ادیب اور بحر العلوم ہیں۔ حسن اخلاق جود و سخا۔ تقویٰ و ورع۔ خشیت و رقیق القلبی، شیریں کلامی و حسن بیان میں نمونہ، دِقّتِ نظر، وسعت معلومات، کثرتِ مطالعہ میں اپنی نظیر آپ اور حافظہ اور استحضار علوم کے بادشاہ ہیں۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

فقیر کو بھی حضرۃ علامہ مد ظلہٗ سے حدیث شریف کی سند و اجازت سے سعادت حاصل ہے۔

15 اس وقیع کتاب کی چھ جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ انشاءاللہ دس جلدوں میں (مع مقدمہ کے) مکمل ہو گی۔

ملفوظات نبویہ کا یہ خزینہ، سید الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد ﷺ کے انوارات کا حامل ہدایت ربّانی کا سرچشمہ ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' کا کرشمہ، انی اوتیت جوامع الکلم کی تفسیر منشاء رسالت کا محافظ اور قرآن کا علمی و حقیقی بیان وترجمان ہے۔ کتب حدیث کا دائمی مطالعہ و ممارست صحبت نبوت کے انوارات وفیوض وبرکات سے ایک گونہ بہرہ مند کر دیتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے اهل الحديث هم اهل النبي وان لم يصحبوا نفسه صحبوا، اثر پذیری کے لئے حدیث شریف کے مختلف مجموعے مطالعہ میں رکھے جاسکتے ہیں۔ جمع الفوائد، کنزالعمال[16]، مجمع الزوائد، فیض القدیر، مشکوٰۃ وغیرہ ''تجویدی'' مطالعہ کے لئے مفید ہیں۔ حسن عمل اور اعمال میں ''ایمانی واحتسابی'' کیفیت پیدا کرنے کے لئے ترغیب وترہیب وفضائل اعمال کی احادیث کا مطالعہ ناگزیر[17] ہے۔ فن علومِ حدیث نوع در نوع علوم کا مجموعہ ہے۔ مہارتِ فن و مناسبت ان علوم کی پیہم تحصیل ہی سے ممکن ہے ورنہ ہر گام پر لغزشِ پا کا اندیشہ ہے۔

بات لمبی ہوگئی۔ عرض یہ کررہا تھا کہ حضرت الاستاذ مولانا نورالاعظم الباجوڑی کی شفقت نے حدیث مبارکہ کے کوچہ تک پہنچادیا۔ ان کا یہ احسان اتنا عظیم ہے کہ اس سے سبکدوشی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ گو اپنی نااہلی سے استاذ مرحوم یا اس

---

16 اپنی تشنہ تکمیل کتاب نظام ہدایت کے سلسلہ میں کنزالعمال کے بالاستیعاب مطالعہ سے بہت فائدہ پہنچا۔

17 اس سلسلہ میں عربی میں ترغیب و ترہیب منذری ریاض الصالحین وکتاب الاذکار نووی اور اردو میں معارف الحدیث مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کا مجموعہ فضائل اور چھوٹے بچوں کے لئے جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا (مولانا احمد سعید دہلوی) مفید ہیں۔

فن شریف کا حق تو ادا نہ کر سکا تاہم "نفساتِ نبوت" کی نسیم جانفزا کا ایک جھونکا بھی مایہ سعادت ہے ورنہ:

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں   نقش و نگار پردۂ در دیکھتے رہے

اردو تراجم قرآن وتفاسیر

اردو کے تفسیری لٹریچر میں حضرت اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے بیان القرآن، علامہ شبیر احمد عثمانی کے حواشی، تفسیر ماجدی اور احسن التفاسیر سے فقیر نے بھرپور استفادہ کیا۔ بیان القرآن (تھانوی) اردو کی احسن التفاسیر ہے۔ مصنف کے محتاط قلم نے اس تفسیر میں اپنے خداداد علوم معارف کے ساتھ تفاسیر ماقبل کا خلاصہ۔ روح المعانی کا عطر اور اقوال مفسرین میں راجح قول کو کمال حسن کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ تفسیری باریکیاں علمی نکات کا بیان اور ذہنی اشکالات کا حل اس انمول تفسیر کا خاصہ ہے۔ عربی بلاغت و معانی ولغت کی مشکلات۔ "حل اللغات" کے مستقل عنوان سے واضح فرمائی ہیں[18]۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآنی باوجود ایجاز و اختصار کے مولانا کا تفسیری اعجاز اور علوم نادرہ کا خزینہ ہیں۔ موثر و دلنشین بلیغ اردو میں خود بخود تفسیری گھتیاں سلجھتی جاتی ہیں۔ اور جدید اشکالات کے جوابات ملتے جاتے ہیں۔ تفسیر ماجدی (اردو) بیک وقت قدیم وجدید عالم وعامی کی تسلی کا سامان ہے۔ تفاسیر ماقبل سے "مغز سخن" کا موجز انتخاب "قلم ماجدی" کا کمال ہے۔ عربی کے منتخب مختصر جملوں میں طویل و مبسوط تفاسیر سے مقصد کی بات اور روح کلام کا چھانٹ لینا ہنر مند

---

18 افسوس ہے کہ تاج کمپنی (لاہور۔ کراچی) کے تاجداروں نے اپنی تجارتی مفاد کی بنا پر اس اہم اور مفید حصّہ کو جو تفسیر کا حجم میں ایک چوتھائی حصّہ ہے۔ اپنے مطبوعہ ایڈیشن میں شائع نہیں کیا۔ اناللہ

کلک ماجدی کا وہ کارنامہ ہے۔ جس سے بڑی بڑی تفاسیر خالی ہیں۔ ان ”جان مطالب“ جملوں کا مفہوم اردو میں دلکش انشائے ماجدی میں پیش کر دیا گیا ہے۔ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں، ابلہ فریبیوں کے جوابات مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور عصری سوالات و اشکالات کا حل بھی آگیا ہے۔ تفسیر حقانی گو سرسید کی اغلاط تفسیری اور نیچریت کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ تاہم مفید معلومات کا مجموعہ ہے اور ملاحدہ و دیگر مذاہب کے جوابات اور متشکک اذہان کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہٗ کی جدید تفسیر معارف القرآن شگفتہ اور آسان زبان میں قرآنی معارف و مسائل کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر جدید و قدیم شخص کے مطالعہ کے لائق ہے۔ انگریزی تفاسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر و ترجمہ مولانا کے قلم کا شاہکار ہے۔ دیگر خوبیوں کے علاوہ مولانا نے جس تعمق و استیعاب کے ساتھ بائبل و کتب ماقبل سے قرآنی آیات کے شواہد جمع فرمائے ہیں۔ اس سے قرآن کا پہلی کتابوں پر مہیمن ہونا اظہر من الشمس ہو گیا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے کے لئے اس سے بہتر تفسیر انگریزی میں شاید ہی مل سکے۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن و تفسیری حواشی بھی مفید ہیں اور پکتھال کا ترجمہ انگریزی بھی اچھا ہے۔

قرآن کریم کے اردو تراجم میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کا بامحاورہ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے تراجم خوب و مستند ہیں۔ اردو خوان طبقہ کو انہیں پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ اردو میں لغت قرآن پر جو کام کیا گیا

ہے۔ اس میں مولانا عبد الرشید نعمانی اور مولانا دائم جلالی کی لغات [19] القرآن اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اردو دان طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ پچھلی دو جلدوں میں گو نسبتاً اختصار ہے تاہم غنیمت ہیں۔

عربی تفاسیر

مختلف متداول عربی تفاسیر زیر نظر رہیں۔ لغات کی تحقیق میں مفردات راغب اصفہانی سے فائدہ اٹھایا۔ جاراللہ زمخشری کی تفسیر کشاف ادب وبلاغت قرآنی کی کاشف اور لغت نحو کے مباحث میں بلند مقام رکھتی ہے۔ قرآن کریم کا کوئی طالب علم اس کی تحقیقات سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ زمخشری معتزلی ہے۔ اس لئے دوران مطالعہ میں اس کے "اعتزالی نظریات" سے احتیاط ضروری ہے۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں زمخشری سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور تفسیر اسرار التنزیل میں بعض سورتوں کے ذیل میں زمخشری کی عبارات لفظ بلفظ نقل کر دی ہیں۔

منقولی تفاسیر میں تفسیر ابن جریر طبری امام التفاسیر ہے جس میں لغت، نحو، بلاغت احادیث و آثار اور اقوال سلف کو اکٹھا کر دیا ہے۔ گو بعض ضعیف روایات بھی نقل کر دی گئی ہیں۔ تاہم ان سے تفسیر کی عمومی ثقاہت پر اثر نہیں پڑتا۔ فوائد غریبہ اور علوم نافعہ کا خزانہ ہے۔ جس سے بعد کے آنے والے ہر مفسر نے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں صحیح روایات کے اہتمام کے ساتھ ابن جریر

---

19 منکر حدیث غلام احمد پرویز صاحب نے لغات القرآن کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے وہ تحریف و تاویل فاسد کا پلندہ لغت نویسی سے مذاق اور تلمیع ودجل کا مرقع اور پرویزی حیلہ گری کا نمونہ ہے جو ان کے ذہن کی عکاسی ہے۔ اگر لغت نویسی یہی ہے تو لغت پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔

کی بیشتر خوبیوں کو اپنے میں سمو لیا ہے۔ اور اسے علوم قرآنی کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ گو تفسیر ابن کثیر ایک متوسط تفسیر ہے تاہم اپنے افادات کثیرہ حسن ترتیب اور فنی کمالات کی بناء پر ہر دور میں ہر دلعزیز و مقبول رہی ہے۔ امام فراء البغوی کی معالم التنزیل اور اس کا ملخص تفسیر خازن منقولی تفاسیر میں اچھی ہیں۔

الجامع الاحکام القرآن یا تفسیر قرطبی اور بحر المحیط (مرتبہ اثیر الدین ابوحیان الغرناطی) اندلس مرحوم کے علمی سمندر کے دو انمول موتی ہیں، جن کا شمار اوّل درجہ کی تفاسیر میں ہے۔ دیگر کمالات کے علاوہ محقق اقوال کی نقل میں قرطبی اور نحوی گرہ کشائیوں میں بحر المحیط خوب ہے۔

بندہ احکام القرآن جصاص رازی سے بہت زیادہ مستفید و متاثر ہوا، حنفیہ کی قدیم تفاسیر میں یہ کتاب خاصہ کی چیز ہے۔ اور باوجود اختصار کے بعض مطول تفاسیر پر سبقت لے گئی ہے۔

امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر حکمت قرآنی اور استدلال عقل کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ رازی قرآن کے اندر ڈوب کر اپنی عمیق اور خداداد ذہانت سے پوشیدہ جواہر قرآنی کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے جاتے ہیں۔ ان کی نکتہ سنجیاں کشاد فکر کا سبب ہیں۔

علامّہ آلوسی بغدادی کی روح المعانی اسم بامُسمّٰی اور متاخرین کے لئے سرمایہ نازش ہے۔ ادب و بلاغت کی گرہ کشائیاں تفاسیر ماقبل کا ماحصل حنفی نکتہ نظر سے فقہی استدلال اپنی محققانہ رائے کے ساتھ مستقلاً سلوک و معرفت کے نکات۔

ے زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

تفسیر ابی السعود گو مختصر ہے مگر مفید اور حنفی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔

علامّہ سیوّطی کی دُرِّ منثور تفسیری احادیث کا قابلِ قدر مجموعہ ہے۔ اور اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ کہ قرآن احادیث کا منبع بھی ہے اور اعمال واقوال محمدیہ ﷺ کا موئید بھی۔ احادیث نبویہ ﷺ قرآن پاک کی تشریح وبیان بھی ہیں۔ نزول قرآنی کے مواقع وماحول، منظر وپس منظر، عموم وخصوص وغیرہ کی بتلانے والی بھی۔ قرآن وحدیث دونوں باہم لازم وملزوم، متن وشرح، اجمال وتفصیل دعویٰ ودلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پر تو اور ایک ہی نور مبین کی شعاعین ہیں۔ احادیث کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور احادیث کی حقیقت قرآنی روشنی ہی میں کھلتی ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کی تفسیر فتح العزیز خاندان ولی اللّٰہی کے علوم قرآنی کی خازن، امین اور حقائق نگاری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس رنگ میں فقیر کی نگاہ سے کوئی تفسیر نہیں گذری کاش مکمل ہو جاتی۔ تو تفسیری خزانہ عامرہ کا بے بہا موتی ہوتی۔ تاہم حضرت شاہ صاحب کے علمی وعرفانی مقام کا اندازہ اس نامکمل تفسیر سے ہی ہو جاتا ہے[20]۔

جلالین اس قدر مختصر ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے اس کے الفاظ کچھ ہی زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود سلیم الطبع عربی دان کے لئے ایک حد تک مطالب قرآنی کا حل ہے۔

---

20 حضرت علامہ بنوری مد ظلہٗ حضرت علامہ کشمیری نوراللہ مرقدہٗ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ کہ "قرآن کی تفسیر کا حق ادا کرنے سے مخلوق قاصر ہے۔ تاہم اگر تفسیر فتح العزیز مکمل ہو جاتی تو شاید بشری حد تک تفسیر قرآن کا ایک گونہ حق ادا ہو جاتا۔ (بندہ نے جو مفہوم خیال میں ہے لکھا ہے۔ الفاظ میں فرق ہو سکتا ہے)"۔

اعجاز قرآن

قرآن کریم حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جس کی وجوہ اعجاز بیشمار ہیں۔ اوراس کا کلی ادراک ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا اعجاز حرف و صوت، نشست الفاظ، انتخاب کلمات و تقاطیع اصوات، ترتیب و ترکیب کلام، سلاست و روانی ترتیل و سہولت ادائیگی، فصاحت و بلاغت و اسلوب بیان میں نمایاں۔ اس کے مطالب و معانی۔ پیام و احکام مقاصد و حقائق اخبار غیب و قصص غرض جزو کل میں جاری و ساری اور ظاہر و باہر ہے[21]۔

اعجاز قرآنی پر ہر ہر دور میں علمائے امت نے کام کیا۔ اور ہر ایک نے اپنی بساط کے بقدر اس عمیق فن کے مختلف پہلوؤں کو کھولنے کی کوشش کی۔ جاحظ و زمخشری سے لیکر اس وقت تک علمائے محققین اپنی کاوشوں کے ثمرات کو امت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ تاہم احقر کے نزدیک اعجاز قرآنی پر مفید اور مہم کتابیں دلائل الاعجاز (امام عبدالقاہر جرجانی) اعجاز القرآن (علامہ الباقلانی) اعجاز القرآن الرافعیؒ المثل السائر (ابوالفتح ضیاء الدین المعروف ابن الاثیر الموصلی) یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن (علامہ محمد یوسف البنوری[22]) ہیں۔ جن سے فقیر نے اپنی بساط کے بقدر فائدہ اٹھایا ہے۔ فقیر نے دلائل الاعجاز للجرجانی اور اعجاز القرآن الباقلانی اپنے مصری استاذ حسین الکاتب سے پڑھیں۔

رمضان المبارک 1382ھ میں حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب

---

21 اردو میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رسالہ اعجاز القرآن اور حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ کا اعجاز القرآن پر مضمون سیرت النبی (جلد ثالث) خوب ہیں۔

22 وجوہ اعجاز کی ان جملہ صورتوں میں ہر صورت و وجہ مستقل تشریح و مضمون کی طالب ہے۔ جس کا متحمل ہمارا یہ عجالہ نہیں ہو سکتا۔

البنوری مد ظلہٗ نے اپنے مدرسہ میں اعجاز القرآن پر خصوصی درس دیئے تھے۔ بندہ کو ان میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح کی اعجاز کے بارے میں توضیحات اور علامہ کشمیری[23] کے نظریہ اعجاز القرآن[24] کی تفصیلات سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ علامہ بنوری مد ظلہٗ نے دیگر وجوہ اعجاز کے علاوہ اس بات کو خوب واضح و مدلل فرمایا کہ "قرآن کریم نہ صرف اسلوب بیان وترکیب کلام میں معجزہ ہے (جیسا کہ امام جرجانی وغیرہ کا قول ہے) بلکہ قرآن باعتبار مفردّات و مرکبّات کے بھی معجز ہے۔ وجوہ اعجاز پر تفصیلی کلام کا یہ موقع نہیں۔ استر داداً چند باتیں زبانِ قلم پر آگئیں۔ مدعا یہ ہے کہ قرآن کے صوری و معنوی جمال و کمال کے سمجھنے کے لئے اعجاز القرآن کے فن سے شُدبُد ضروری ہے۔

عربی ادب

ادب عربی کے کوچہ سے ادنی شناسائی اپنے استاذ الدکتور محسن الحسینی الاسکندری المصری (سابق صدر شعبہ عربی، پشاور یونیورسٹی) کے شرف تلمذ کا صدقہ ہے۔ خاکسار نے ان سے عربی نحو وبلاغت میں بعض کتب۔ نقد النثر۔ نقد الشعر الوساطہ بین المتنبی و خصومانہ الموازنہ بین ابی تمام والبحتری کاملاً اور الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ

---

23 علامہ انور شاہ کشمیری دیگر علوم کے علاوہ بلاغت وجوہ اعجاز کی معرفت میں بھی مجتہد وامام تھے۔ چنانچہ مشہور قول "لم یدر اعجاز القرآن الاّ الاعرجان"۔ نقل کرنے کے بعد فرماتے تھے۔ احدھما من زمخشر والآخر من جرجان "وانا ثالثھا" علامہ بنوری مد ظلہٗ علامہ موصوف کا ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ بلاغت پر میرا بیان و تقریر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو مطّول جیسی کتاب لکھ سکتا ہو اور جسے شعراء جاہلیۃ کے دس بارہ ہزار اشعار یاد ہوں۔

24 اعجاز القرآن عمیق و گہرا فن ہے اس کے ماہر ہر دور میں محدود و شاذ ہوتے ہیں۔ حضرت بنوری کا ارشاد ہے "علوم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو پکے تھے پک گئے کچھ علوم ایسے ہیں کہ پک کر جل گئے اور کچھ علوم ایسے ہیں جو کچے کے کچے رہ گئے اور ابھی تک نہیں پکے اور یہ علوم ہیں قرآن کریم کے وجوہ اعجاز اور علم بلاغت"۔

کتاب البخلاء للجاحظ اور دیوان متنبّی کا کچھ حصّہ اور جدید ادب کی بعض کتابیں پڑھیں۔ استاذی الحسینی صاحب کا ادب کا ذوق بہت پختہ تھا۔ "نقد" کی کتابیں خوب شوق سے پڑھاتے تھے۔ ان کی شاگردی کی برکت تھی کہ جامعہ پشاور میں نقد کی کتابیں کئی سال تک پڑھاتا رہا۔ استاذ مرحوم زیر درس کتابوں کے علاوہ اس فن کی دیگر کتابوں کی نشان دہی اور ان کا مطالعہ بھی طلبہ سے کراتے رہتے تھے۔ جاحظ کی کتابوں میں البخلا کے علاوہ کتاب البیان والتبیین (جو بقول شبلی نثر کا حماسہ ہے) سے استفادہ کیا۔ ابن الاثیر کی المثل السائر ابن رشیق کی کتاب العمدہ۔ ابن مقفع کی الکلیہ والدمنہ: الجرجانی کی اسرار البلاغتہ مختارات اوّل و دوم (ابوالحسن علی الندوی) فقیر کی محسن کتابوں میں سے ہیں۔ الاغانی کے کچھ حصّے۔ النّثر الفنی۔ الشعر الفنی۔ الادب الفنی فی القرن الرّابع مقامات الحریری ومقامات بدیع الزمان ہمدانی اور دیگر کئی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ طٰہٰ حسین کے ذہن میں گو الحاد ہے۔ تاہم اپنے اسلوب میں سلاست و اطناب کا بادشاہ ہے۔ اس کی کئی کتابیں پڑھیں۔ امیر شکیب ارسلان، مخدومی ابوالحسن علی الندوی۔ الطنطاوی وغیرہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ تاریخ ادب میں جرجی زیدان کی الاداب اللغۃ العربیہ (چار جلدیں) اسکندرانی کی الوسیط حسن الزیات کی تاریخ ادب العربی اور حنا الفاخوری وغیرہ کی کتابیں مطالعہ سے گذریں۔ ادبی تاریخ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ہر دور کے ادیبوں اور شاعروں سے ایک گونہ واقفیت ان کے زمانہ کے رنگ و مزاج اور ادبی تغیّرات کا پتہ چل جاتا ہے۔ عیسائی اور مستشرق ادب میں بھی اپنے زیغ اور مقصودہ مفادات کی رعایت سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ جرجی زیدان اور حناالفاخوری نکلسن وغیرہ کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ دینی لٹریچر کے بارے میں عموماً ان کی آراء جانبدارانہ اور مسموم ہوتی ہیں۔ اس لئے ان پر دینی ادب اور علوم کے بارے میں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پختہ اذہان کے لئے ان کا محتاط مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

نظم میں مختلف شعراء کے دواوین کے علاوہ الجمھرۃ الاشعار العرب، المعلقات السبع ، الحماسہ لابی تمام، دیوان المتنبی وغیرہ میرے شعری مطالعہ کا اثاثہ رہا۔ دیوان المتنبی پر گو العکبری کی شرح مستند عمیق اور عمدہ ہے۔ تاہم البرقوقی کی جدید شرح بعض طلبہ کے لئے زیادہ مفید و سہل ہے۔ دیوان ابی تمام میں بعض مقامات پر گو تعقید و غموض ہے لیکن غریب لغات و مشکل و ثقیل الفاظ کی معرفت اس سے اچھی ہو جاتی ہے۔

اردوادب

گذر چکا ہے کہ 1941ء میری علمی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی سال اردو ادب کے اساطین کی کتابوں کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اردو کی ''کتب قیمّہ'' کا ایک اچھا ذخیرہ نگاہوں سے گذر گیا۔ مکتوبات غالب کی ''عودہندی[25]'' میں بسی ہوئی ''اردوئے معلّی[26]'' کی شیریں وپاکیزہ روزمرّہ میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی ہے۔

حالی کی کتابیں سنجیدہ ومعیاری، شریفانہ ادب اور پُراثر سادہ انشاء کا نمونہ ہیں۔ حیاتِ سعدی، یادگار غالب اور مقدمہ شعر وشاعری وحیات جاوید لفظ لفظ پڑھیں۔ حالی کی ادبی تنقید۔ سوانح نگاری اور اپنے ہیرو سے ''وفاداری'' کا نقش ذہن نے قبول کیا۔

سرسید مرحوم کی آثارالصنادید۔ مضامین اور تفسیر القرآن کے بعض اجزاء نظر سے گذرے۔ آثار الصنادید مفید کتاب ہے۔ سرسید کے مذہبی نظریات بحمد اللہ متاثر نہ کرسکے۔ نیچریت وحقیقت سے بعید تر تاویلات (جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے

---

25 غالب کے مکتوبات ان دو ناموں سے بھی شائع ہوئے ہیں۔

26 ایضاً

ہیں)۔اور مغرب کی ذہنی مرعوبیت سے طبیعت نفور رہی[27]۔

سحر بیان محمد حسین آزاد کے دربار اکبری کی افسوں نگاری نیرنگِ خیال کی نیرنگیاں۔ قصص الہند کی افسانہ گوئی اور سخن دان فارس کی سخن طرازیاں دیدہ و گوش کو مسحور کرتی رہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر آبِ حیات کی ساحرانہ تراوش نے ان کے طرز نگارش کا قائل کر دیا۔ آبِ حیات نثر میں شعر اور الفاظ میں سحر ہے۔ اور اردو ادب عالیہ میں لافانی مقام رکھتی ہے۔کاش اس کی تاریخیت مخدوش نہ ہوتی۔ اردو شعراء کے تذکروں و تاریخ میں گل رعناء(حکیم مولانا عبدالحیٔ)[28]کا ایک خاص مقام ہے۔ زبان کی شیرینی و

---

27 سرسید مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے)۔ مسلمانوں کی محبت و قومی درد و خلوص کے باوجود امت کے صحیح مرض وعلاج کی تشخیص و تجویز نہ کرسکے اور ان کی مساعی کی وجہ سے اسلامیان ہندوپاک نے ایک ایسے نظام تعلیم کو قبول کرلیا جس سے کسی حد تک گو وقتی معاشی مفادات وابستہ تھے۔ لیکن حقیقتاً وہ مزاج امت کے منافی تھا۔ اور اس میں امراض امت کا مداوانہ تھا۔ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کیاہے۔

رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے ... لیکن نگاہ نکتہ بین دیکھے زبوں بختی مری
رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر ... یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

کیا قیامت ہے کہ ایک چوتھائی صدی گذر جانے پر بھی پاکستان اس فرسودہ نظامِ تعلیم اور تقویم پارینہ سے اپنادامن نہ چھڑاسکا۔ اور اس قدیم صدچاک ”قبا“ پر پیوند پر پیوند لگارہاہے۔

28 مولانا حکیم عبدالحیٔ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بقول حضرت سید سلیمان ندوی ہندوستان کے ابن خلکان وابن ندیم تھے۔ ان کی آٹھ مجلدات میں ضخیم تصنیف نزہتہ الخواطر ہندوپاک کے اعیان وفضلا کا بے مثل ونادر (عربی میں) تذکرہ ہے۔ یہ کتاب اور ثقافتہ الہند، الہند فی عہد الاسلامی یاد ایام اور دیگر تصنیفات ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں۔ ان کا مبسوط تذکرہ ”تذکرہ عبدالحیٔ“ کے نام سے ان کے مایہ ناز فرزند رشید مخدومی مولانا ابوالحسن علی الندوی مدظلہٗ نے لکھا ہے۔ ان کا خاندان ”ایں خانہ ہمہ آفتاب است“ کامصداق ہے۔

سلاست سنجیدگی اور ثقاہت کے ساتھ تاریخی استناد و معتدل انتقاد اور منصفانہ تقریظات نے کتاب کو ادب اردو میں ایک اونچی جگہ بخش دی ہے۔ گلِ رعناء کے مطالعہ سے آبِ حیات کی تاریخی حیثیت گو مجروح ہوگئی تاہم اس کی ادبی قدر و منزلت سالم و باقی رہی۔

اردو شعر و ادب کی تاریخ میں شعر الہند (عبدالاسلام ندوی) اردو اصناف شاعری اور اس کے مختلف ادوار پر قابلِ قدر محققانہ تبصرہ و تقریظ[29] ہے۔ تاریخ ادب اردو (عسکری) غالباً اردو نثر و شعر کی واحد مبسوط معیاری تاریخ ہے۔ مترجم (مرزا محمد عسکری) کا کمال ہے کہ کتاب طبع زاد معلوم ہوتی ہے اور ترجمہ[30] کا گمان تک نہیں ہوتا۔ تاریخ ادب میں جدید اردو شاعری وغیرہ کئی دوسری کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

صاحب طرز انشا پرداز مہدی الافادی کی افادات مہدی کے مضامیں اردو ادب عالیہ میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ مہدی کا طرز تحریر شبلی و محمد حسین آزاد کے اسالیب کا آمیزہ، دلکش اور پُر اثر ہے۔ بندہ اس کے اسلوب سے بہت متاثر ہوا۔ نذیر احمد کی بناۃ النعش۔ مرآۃ العروس اور توبۃ النصوح بچپن میں پڑھ چکا تھا۔ ابن الوقت رویائے صادقہ اور ترجمہ[31] قرآنی بعد میں نظر سے گذرا۔

---

29 آج زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ ہماری قدیم "تنقید و تحقیق" کے معیار آج فرسودہ گردانے جارہے ہیں اور "مشرقی ادب" کو "مغربی پیمانوں" سے جانچا جارہا ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ زبان و معاشرت و ثقافت کے تمام اختلافات کو نظر انداز کرکے جو مغرب میں ہے اسے مشرق میں دکھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور جو "ان کے" نزدیک ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسے "ہدف ملامت" بنادیا جاتا ہے۔ گو وہ خود ہی کہتے ہیں۔ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ نہ وہ کبھی ملے ہیں نہ ملیں گے۔ لیکن واحسرتا ذہنی شکست کہاں پہنچادیتی ہے۔ الاللہ۔

30 اصل کتاب انگریزی میں رام بابو سکسینہ کی تالیف ہے۔

31 ترجمہ نذیر احمد کی اغلاط حضرت تھانویؒ نے اصلاح ترجمہ دہلویہ کے نام سے شائع فرمائی ہیں۔

شبلی

شبلی کی سیرت النبی اور الفاروق والدہ محترمہ کے کتب خانہ میں تھی۔ الفاروق پڑھی۔ شبلی کی تحقیق و تاریخ نگاری نے مسخر کر لیا۔ الفاروق شبلی کا بڑا کارنامہ ہے۔ جس نے بہت سے مغرب زدہ اذہان کو اسلامی عدل و نظریہ سیاست کی فوقیت کا قائل کر دیا۔ کاش وقتی تقاضوں کے مداوا کے ساتھ مولانا مرحوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دینی و روحانی مزایا و کمالات کو بھی پورا اجاگر کر دیتے۔ تو کتاب کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔ تاہم جو ہے تاریخی لٹریچر کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

الفاروق کے مطالعہ نے شبلی کی عظمت و محبت پیدا کر دی۔ اور شبلی کی ایک ایک کتاب و مقالہ مزہ لے لے کر پڑھتا رہا۔ المامون، الغزالی، الکلام الجزیہ، موازنہ انیس و دبیر شعر العجم مقالات (آٹھ جلدیں) نظر سے گذریں تاریخ و ادبیت و علم کا ایک عظیم مجسمہ شبلی۔ دل و دماغ پر چھا گیا۔ اور ان کی علمی و تحقیقی فتوحات نے اس وقت تک کے دیگر تمام نقوش ماند کر دیئے۔ اس وقت شعر العجم جو ان کی ادبی کتابوں میں شاہکار ہے۔ میرے ادبی ذوق کو جلا بخشتی رہی اور ان کی دیگر کتابوں سے اپنی علمی پیاس بجھاتا رہا۔

سیرت النبی (اوّل و دوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا تھا۔ مجھ پر شبلی کا سب سے بڑا احسان ہے کہ ان کی سیرت النبی نے سیرت سے شغف بخشا اور اسی مطالعہ سیرت کے سلسلہ میں جب سیرۃ النبی (جلد چہارم) کی "صفاتِ الٰہیہ" کی بحث پر پہنچا تو قلب و دماغ شدّت تاثیر سے دگرگوں تھے اور اسی کا اثر تھا کہ آخر ش سیرت نگار نبوی جانشین شبلی اپنے شیخ قیم و مربّی اوّل حضرت سیّد الملّت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کو غائبانہ اپنا دل دے بیٹھا۔

اتانی ھواھا حین لم اعرف الھوی
فصادف قلباً خالیاً فتمکنا
میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اِک نظر
جس نے دنیا ہی بدل دی عشق کی میرے لئے

گویا شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک رسائی کا سبب اوّل بنے۔ ان کی سیرت نہ ہوتی تو فقیر کوچہ سلیمانی کی گرد کو سرمۂ چشم نہ بنا سکتا۔ فجزا ھما اللہ تعالٰی احسن الجزاء

حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے در سے کیا ملا۔ یہ الگ داستان ہے جس کا یہ عجالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ گو جی چاہتا ہے۔

باز گو از نجد و از یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

سیرت النبی ﷺ

علامہ شبلی و حضرت سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی[32] میرے آقا سید دوعالم بنی الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی سوانح و تعلیمات کا دائرۃ المعارف ہے اور سیرت پر اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہے جس کی نظیر پورے اسلامی کتب خانہ میں نہیں ملتی۔ شبلی و حضرت سلیمان ندوی پر اللہ تعالیٰ کا احسان خاص تھا کہ ان سے یہ کام لے لیا گیا[33]۔

---

32 بشری لغزشوں سے کون بری ہے۔ چند مقامات سے دیانتاً اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے کتاب کی مجموعی ثقاہت و استناد پر اثر نہیں پڑتا۔

33 یہ لطیفہ سن کر شاید تعجب کیا جائے کہ فقیر کا اصلاح کا تعلق 1943ء سے حضرت سید سلیمان ندویؒ سے خط و کتابت کے ذریعہ قائم ہو گیا تھا۔ جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مجاز بیعت و خلیفہ تھے لیکن 1950ء

سیرت نبویہ کے اس خزانہ سے اپنی استعداد و ظرف کے بقدر استفادہ کی کوشش کرتا رہا۔ اور یہ بات برملا کہہ سکتا ہوں کہ فقیر کی زندگی میں یہ کتاب مستطاب جس قدر دخیل رہی شاید ہی کوئی کتاب اتنی موثر رہی ہو۔

سلسلہ سیرت میں حضرت سید سلیمان ندویؒ کی مختصر کتاب ''خطبات مدراس''۔ سیرت کے دفاتر اور بعض ضخیم مجلدات سیرت پر بھاری ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل، نبوت محمدی پر شاہد عدل، ہر جدید و قدیم پڑھے لکھے کے مطالعہ کے لائق، اپنے طرز استدلال و پیشکش میں اچھوتی اور دلکش ہے۔ سیرت پر مختصر کتابوں میں خطباتِ مدراس اور النبی الخاتم (سید مناظر احسن گیلانی) نشر الطیب (حضرت تھانوی) سے زیادہ (اپنے اپنے رنگ میں) موثر عظیم، جامع دلکش اور البیلی کتابیں فقیر کی نظر سے نہیں گذریں۔ رحمت عالم (حضرۃ سلیمان ندوی) اور اوجز السیر بھی اپنی خاص تاثیر رکھتی ہیں اور عام طلبہ کے لئے مفید اور دلچسپ ہیں۔ مولانا سلیمان منصور پوری کی رحمتہ اللعالمین سیرت کے ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ اور بعض تحقیقات و مباحث میں منفرد ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب کی خاتم الانبیاء اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی سیرت قرآنی بھی خوب ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ[34] صاحب کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی اپنے طرز میں خوب ہے۔

میں جب حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت کے استفسار پر کہ حضرت تھانوی کے مواعظ وملفوظات و دیگر سلوک کی کتابیں پڑھی ہیں۔ تو عرض کیا بندہ اسی بارہ میں بھی ''سیرت'' کی جلد اول سے استفادہ کرتا رہا ہے۔ متواضع شیخ نے فرمایا ''حضرت تھانوی کی کتابیں پڑھئے وہاں ہر چیز اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے''۔ غرض سلوک کی راہ اور حضرت تھانویؒ سے عقیدت بھی سیرت ہی کا فیض ہے۔

34 ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی ثم فرنساوی (مقیم پیرس) شہرۂ آفاق محقق اور متعدد زبانوں میں بلند پایہ محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی اردو، عربی، انگریزی کتابوں سے خوب استفادہ کیا۔ صحیفہ ابن

عربی ذخیرہ سیرت میں علامہ ابن کثیر کی البدایہ و النہایہ کی پہلی چھ جلدیں (نصف اوّل کو چھوڑ کر) سیرت النبی پر مشتمل ہیں۔ بحمد اللہ مدتوں مطالعہ میں رہی اور بھرپور استفادہ بقدر ظرف کرتا رہا۔ حافظ نے سیرت طیّبہ کے دفاتر کو کھنگال لیا ہے۔ اور حیاۃ نبویہ کا مبسوط تذکرہ امت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ جس کا مطالعہ عربی دان طبقہ کے لئے مفید ہے۔ چھٹی جلد روایات معجزات پر ہے۔ اور قابل دید ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر ایک عظیم مورّخ، بصیر محدث، دقیقہ رس محقق وناقد کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ حافظ موصوف کی صرف یہی کتاب ان کی جلالت شان اور وفور علمی پر دلالت کے لئے کافی ہے۔ سیرت ابن ھشام (عربی) موجود کتب سیر میں مقدم اور ام الکتب[35] ہے۔ جس سے کوئی شائق سیرت بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ کتاب عصر رسالت کی عکاس ہے۔ ابن ھشام کی حقیقت نگاری وخلوص دل پر اثر کرتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں سیرت نبوی کا قد آدم آئینہ امت کے لئے مرتب کر دیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف سیرت ووقائع محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ)

ہمام الدشائق السیاسیۃ النبویہ Introduction to Islam: Muslim conduct of State Islamic Jurisprudence نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے میدان جنگ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، مؤقر جرائد ہیں۔ ان کے مقالات خاصہ کی چیزیں ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے فرانسیسی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (دو جلدوں) میں لکھی ہے۔ باوجود ایک عظیم محقق وعلمی شخصیت ہونے کے انتہائی متواضع، ملنسار اور صورت ولباس میں مشرقی ودینی طرز کے پابند ہیں۔ فقیر نے انہیں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی ایک مجلس میں دیکھا۔ جب وہ تعلیمات اسلامی بورڈ سے استعفٰی دے کر فرانس جانے والے تھے۔

35 بعض کتب سیر اس سے پہلے بھی لکھی گئیں لیکن متداول اور موجودہ کتب میں اوّلیت کا شرف اس کو حاصل ہے۔ گویا خود ابن اسحٰق کی سیرت کی تکمیلی اور خوبصورت شکل ہے۔

کی امین و رہنما ہے بلکہ سیرت آموز و سیرت ساز بھی ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ میں اسوۂ نبوت کو نمایاں اور اجاگر کر دیا ہے کہ جادۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے راہی ہر قدم پر نقش رسالت کی گرد کو سرمۂ چشم بنا سکیں۔ اور مشعل ہدایت کی ضوفشانیاں ان کے ظاہر و باطن کو روشن کرتی رہیں۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" ایک قرآنی حقیقت ہے جس پر عمل سیرت مبارکہ کے تفصیلی مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ الحمدللہ علماء امت (ابن اسحٰق، زرقانی و سہیلی قسطلانی و قاضی عیاض سے لے کر اس وقت تک کے محقق و محتاط سیرت نگاروں نے اس فریضہ کو کمال خوبی سے ادا کیا ہے اور ہر زبان میں سیرت پر بڑی چھوٹی اور منجھولی کتابیں مہیا فرما کر حضور انور نبی الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء سے عالم کو روشنی بخشی ہے۔ سعادت مند و خوش نصیب ہیں۔ وہ حضرات جو اس قدسی الصفات ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو سے اپنے کاشانۂ زندگی کو منور کر سکے۔

سیرت النبی (شبلی و سلیمان ندوی) کے ضمن میں سیرت پر یہ چند باتیں زبانِ قلم پر آگئیں۔ بات اردو کے مصنّفین اور کتابوں پر چل رہی تھی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اردو اساطین ادب کی کتب قیمہ ایک ایک کر کے پڑھیں اور اردو کلاسیکی لٹریچر کا خوب مطالعہ کیا۔ دل و دماغ بقدر ظرف مستفید ہوتا رہا۔

جادو بیان محمد حسین آزاد اور سحر طراز ابوالکلام[36] آزاد دونوں اپنے خاص طرز انشاء کے بادشاہ، موجد و خاتم ہیں۔ دونوں کا طرز نگارش دل کو لبھاتا رہا۔ تاہم اقلیم

[36] ابوالکلام آزاد مرحوم کے الہلالی مضامین تذکرہ، ترجمان القرآن و باقیات آزاد (مولانا غلام رسول مہر) سے لے کر انشاء کے آخری و جدید نمونوں غبار خاطر و کاروانِ خیال تک مسلسل مطالعہ میں رہے۔ کیا زبان پائی تھی۔ "اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا ○" کا نمونہ و ثبوت۔

دل پر شبلی کے قلم کا سکّہ جم چکا تھا۔ اور ''شبلوی انشاء'' نے دیگر نقشوں کو ماند کر دیا تھا۔ چنانچہ شبلی اور ان کے تلامذہ اور منتسبین کی کتابیں اوڑھنا بچھونا بن گئیں۔

دارالمصنّفین اعظم گڑھ

دارالمصنّفین اعظم گڑھ (جسے جانشین شبلی سید الطائفہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے برصغیر میں اسلامی علم و دانش کا حقیقی اعظم گڑھ بنا دیا تھا) کی کونسی کتاب ہے جو نظر سے نہ گذری ہو۔ اردو کے سید المصنّفین سلیمان اعظم (علامہ ندوی) کی کتابیں تو خیر علم و ادب کا معیار اور تحقیق و دانش کا نمونہ ہیں ہی۔ میرے لئے شبلی اکاڈمی کی ہر کتاب حسن صوری و معنوی کا مجموعہ اور علم و حکمت کا خزینہ تھی۔

سیر الصحابہ

دارالمصنفین کی کتابوں میں سیرت النبی کے بعد سیر الصحابہ کی ضخیم مجلدات کا میری ذہنی ساخت پر گہرا اثر رہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک ہستیاں انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کا خلاصہ رشد و ہدایت کا مینار اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کی حامل و امین و داعی اور ان کی زندگی کی شاہد و گواہ ہیں۔ صحابہ کرام کی ذواتِ عالیہ حقیقتاً اسلام کی برتری و حقانیت کا ثبوت ہیں۔ جن کی فضیلت پر نصوصِ قرآنیہ و ارشادات نبویہ کافی ہیں۔ امت ہر دور میں ان کے اسوہ اور نمونہ کی محتاج[37] ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے اسوۂ صحابہؓ کی اہمیت و ضرورت کے

---

37 حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری مد ظلہ نے عقبات کے مقدمہ میں خوب کہا ہے:

''اذا قلنا الرجل انہ صحابي اوانہ صحب رسول اللہ صلي اللہ علیہ وسلم فنا ھیك بہ مزیۃ و فضیلۃ في قوۃ ایمانہ و شدۃ یقینہ و کمال اخلاصہ و عمق علمہ و حسن عملہ و جھاد في سبیلہ و ایثار لما عند اللہ و زھد في الدنیا فکا ننا اثبتنا کل

كمال و جمال وكل فضل و نبل فاذن ذلك ابلغ تعبير و اوجزه لاثبات فضل و كمال ـ قال سيدنا عبدالله ابن مسعود رضي الله عنه ذلك الصحابي الجليل الذي قال فيه سيدنا الفاروق رضي الله عنه كنيف ملئي علماً و فقهاً في اصحاب سيدنا الرسول صلي الله عليه وسلم اولئك اصحاب محمد صلي الله عليه وسلم كانوا افضل هذه الامة ابرها قلباً و اعمقها علما و اقلها تكلفا (الي ان قال فاعرفوا لهم فضلهم الخ. عقبات) اختارهم الله لصحبة نبيه صلي الله عليه وسلم ولاقامة دينه فاعرفولهم فضلهم واتبعوهم علي اثرهم و تمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا علي الهدی المستقيم''.

(یہ الفاظ حضرت مولانا بنوری مدظلہٗ نے نقل نہیں کئے۔ اشارہ کر دیا ہے جسے بندہ نے جمع الفوائد ص: 28، ج: 1 سے نقل کیا ہے)۔ (جمع الفوائد ص28، جلد 1)

جب ہم کسی شخص کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہے یا اس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے تو صحابہ کی قوت ایمان۔ شدّت یقین۔ کمال اخلاص علمی گہراؤ۔ حسن عمل، جہاد اور اللہ تعالٰی کی مرغوبہ چیزوں کی ترجیح اور دنیا سے بے رغبتی میں فضیلت و کمال سمجھنے کے لئے یہ لفظ (صحابی) تیرے لئے کافی ہے۔ گویا (جب ہم کسی شخص کو صحابی یا اس کے لئے صحبت رسول ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں۔) تو اس شخص کے لئے ہم ہر کمال وحسن، فضیلت و شرافت کو ثابت کر دیتے ہیں (کہ لفظ صحابی میں یہ سب کچھ موجود ہے) اس طرح صحابی کے لفظ کا استعمال فضل و کمال کے ثابت کرنے کے لئے بلیغ ترین اور موجز ترین تعبیر ہے۔ صحابی جلیل سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (جن کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم و فقہ سے بھرپور تھیلی ہیں)۔ ان کا ارشاد ہے۔ وہ اصحاب محمد ﷺ اس امت میں سب سے افضل تھے، جن کے دل سب سے پاکیزہ جن کا علم سب سے گہرا جو سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالٰی نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے چنا تھا۔ تاکہ وہ ان کے دین کو قائم کریں۔ پس ان کی فضیلت کو پہچانو۔ ان کے نقش قدم پر چلو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرت کو مضبوطی سے پکڑو کہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

سامنے اپنے رُفقاء سے لکھوا کر پیش کر دیا۔ جو سلجھی ہوئی زبان میں تاریخ وسوانح نگاری کی جدید خوبیوں کے ساتھ علم و عمل کی ایک اچھی دعوت ہے۔ سیر الصحابہ کے سلسلے کے بعد سیرت ساز کتابوں میں تابعین و تبع تابعین کے مجموعے بھی خوب ہیں۔ جو دارالمصنفین کی حسنات میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ سیر الصحابہ کی تدوین میں دارالمصنّفین کو اردو زبان میں سبقت الی الخیر کا شرف حاصل ہے۔ اردو میں حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا صاحب مد ظلہٗ کی مقبول ترین تالیف "حکایاتِ صحابہ[38]" جو "بہشتی زیور" کی طرح گھر گھر پھیل چکی ہے اپنی تاثیر وسہولت میں لاجواب ہے۔

امت نے صحابہ کی زندگی وسیرت کے جاننے کے لئے ہر زمانہ میں اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ عربی میں طبقات ورجال وسیر کے دفاتر صحابہ کے احوال سے پر ہیں۔ متعدد کتابیں خاص صحابہ کے حالات میں لکھی گئیں۔ جن میں زیادہ متداول اور مقبول اصابہ، اسد الغابہ اور استیعاب ابن عبد البر وغیرہ ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں وفیات کے ضمن میں التزاماً صحابہ کے حالات جمع کئے ہیں۔ مخدومنا حضرت علامہ محمد یوسف الکاندھلویؒ کی حیاۃ الصحابہ (تین ضخیم جلدوں میں) صحابہ کی زندگی کا اچھوتا ومستند وعمدہ مجموعہ ہے۔ جو داعیانہ ذہن کا عکاس اور محدثانہ طرز کی پیشکش ہے۔ اور قوتِ تاثیر و افادیت میں اپنی مثال[39] آپ ہے۔ عربی جاننے والوں کے لئے صحابہ کی زندگی سے آگہی اور اثیر پذیری کے لئے محولہ بالا کتب کا مطالعہ مفید بلکہ ناگزیر ہے۔

---

38 حکایاتِ صحابہ کا ترجمہ انگریزی، جاپانی اور فارسی میں ہو چکا ہے۔

39 مقام شکر ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی حیاۃ الصحابہ کا مکمل اردو ترجمہ شائع ومقبول ہو چکا ہے۔

کتب تاریخ

دارالمصنفین اعظم گڑھ کی تاریخی کتب تاریخ اسلام۔ تاریخ دولتِ عثمانیہ۔ تاریخِ اُندلس۔ تاریخ صقلیہ وغیرہ ایک ایک نظر سے گزریں۔ شبلی مرحوم کا ایک قول حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے حیات شبلی میں نقل کیا ہے۔ کہ "تاریخ تو شبلی کے دستر خوان کی چٹنی تھی" یہ چٹنی زبان کا چٹخارہ بن گئی اور اپنے تاریخی ذوق کی آبیاری عربی، اردو اور انگریزی کی کتابوں سے کرتا رہا۔ عربی میں طبری، ابن خلدون، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن قتیبہ، بلاذری وغیرہ کی کتابیں دیکھیں۔ انگریزی میں فلپ ہٹی کی ہسٹری آف عربس اور ہسٹری آف سیریا۔ گبن کی Decline and Fall of Roman Empire میور کی The Caliphate اور دیگر متعدد کتب اور انسیکلوپیڈیا بریٹانیکا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام وغیرہ کے متعلقہ حصّے پڑھے اور ان کا تریاق اپنے بوریا نشین مورخین ہی کی کتابوں میں دکھائی دیا۔ مستشرقین کا طبقہ بڑا پرکار ہے۔ ان کے شہد نما سم قاتل سے بچنے کے لئے گہری نگاہ اور ہوش مند دل کی ضرورت ہے۔

دارالمصنفین نے استشراق کے فتنہ کا جس بے جگری سے مقابلہ کیا۔ اس کی مثال معاصر عہد میں کم ہی ملتی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہاں دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ندوۃ المصنفین، دائرۃ المعارف حیدرآباد، تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ جیسے متعدد ادارے موجود ہیں۔ جن کی اکثر کتابیں دنیا کی کسی بھی مجلس علمی کے لئے فخر و مباہات کا سبب بن سکتی ہیں۔

دارالمصنفین نے سوانح پر جو کتابیں شائع کی ہیں وہ تحقیق و استناد کی بلندی کے ساتھ اردو ادب کا اعلیٰ سرمایہ ہے۔ غرض ہیچمداں دارالمصنفین کی کتابوں کا ہمیشہ زلہ رُبا

رہا اور اپنی جہالت کی پردہ پوشی ان کتابوں کی ورق گردانی سے کرتا رہا۔ دارالمصنفین کے ساتھ تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی علمی و ادبی تصنیفات سے خوشہ چینی کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی فقیر جدید طبقہ اور عام مسلمانوں کی ذہنی الجھنوں کا مداوا بڑی حد تک ان اداروں کی مطبوعات میں پاتا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ

عرض کرچکا کہ شبلی کی سیرت نے سیدی و مطاعی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک پہنچادیا۔ حضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہ میرے صرف دینی اور روحانی پیشواہی نہ تھے بلکہ 1943ء سے 1953ء تک کا دس سالہ زمانہ ایسا گزرا کہ جہاں بھی رہا۔ دل ان کے پاس تھا۔ اور ان کی ہر تحریر و ہر سطر فقیر کے لئے سرمہ بینش، مایہ تسکین، مہمیز عمل اور روشنی کا مینار تھی۔ سیرۃ النبی کے بعد "سلیمانیات" کا جو حرف و شوشہ ملا، حرزِ جان تھا۔ میرے لئے علم و عمل کی بلندیوں کا دائرہ حضرت والا رحمتہ اللہ تعالیٰ کی ذات بن گئی تھی۔ گو ان کی نگاہ پاک اور پر پرواز کا جو تقاضا تھا اس کی پرکاہ کو بھی نہ پاسکا کہ۔۔۔۔۔۔

فیض ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار دل حریف مئے بسیار کہاں سے لاؤں

تاہم اپنی کوتاہیوں کے باوجود فکر و نظر کی رہنمائی ہمیشہ حضرت والاؒ کی تحریروں اور ارشادات سے پائی اور بحمداللہ تعالیٰ یہی فقیر کا سرمایہ زندگی ہے۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

حضرت والا قدس سرہٗ کو دین و مذہب کے علاوہ تاریخی[40]، ادبی، علمی، تحقیقی، غرض ہر راہ میں اپنا امام سمجھا اور بحمد اللہ آج بھی حال یہ ہے کہ

خدا جانے مجھے کیا کہہ کے ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جا چکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

حضرت والا قدس اللہ روحہ کی تحریریں میری زندگی پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی تھیں۔ اس کا اندازہ صرف دو واقعات سے فرمالیجئے۔

1. حضرت تھانویؒ کی کتابیں بہشتی زیور، التکشف وغیرہ والدہ صاحبہ مدظلہا کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔ لیکن ان دونوں کتابوں میں "پیر و مرید" کے باہمی آداب و ضوابط پڑھ کر "راہِ سلوک" مجھ جیسے کوتاہ ہمّت کو پہاڑ معلوم ہوتی تھی۔ اور اس گھاٹی کے قریب جانا بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اس بارے میں ذہنی کشمکش و حیص و بیص میں مبتلا تھا کہ 22 جولائی 1943ء (15 رجب 1373ھ) کو شیخ الکل حکیم الامتہ حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ کا وصال ہو گیا۔ اخبار "ڈان" دہلی میں سانحہ ارتحال کی خبر پڑھی اور اس میں حضرت قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت سید صاحبؒ کا

---

40 حضرت سید صاحبؒ کا تاریخ میں مقام مسلّمہ ہے۔ آپ کی نظر تاریخ کے جملہ شعبوں پر انتہائی عمیق تھی۔ آپ کی تحریروں میں اتنا ہنما مواد مل جاتا ہے۔ جس کی بنیاد پر تحقیق کی نئی اور عظیم راہیں کھل سکتی ہیں۔ فقیر نے اپنے انگریزی مقالہ The early Indo-Arab Relations میں حضرت ہی کی کتابوں کو بنیاد بنا کر اپنے خاکہ میں رنگ بھرا ہے۔ گو دیگر مصادر بھی کافی ہیں لیکن بنیاد اور خیال انگیز حضرت ہی کا سرمایہ ہے۔ اس مقالہ میں چار ہزار قبل مسیح سے لے کر عربوں کی فتح سندھ تک عرب و ہند کے تعلقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ میرا ایم اے عربی کا مقالہ تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت کی اپنی معرکتہ الآرا کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" کے نام سے موجود ہے۔

نام پڑھا۔ خوش بختی نے کہا:

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

اس تقریب کو حضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں رسائی کا بہانہ بنایا۔ خط لکھا۔ چوتھے دن خط کا جواب اعظم گڑھ سے پشاور پہنچا۔ مقصد پر آیا اور سلوک کی مہیب راہ حکمت سلیمان سے گلکدہ جنت معلوم ہونے لگی۔ سچ ہے

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

پھر کیا تھا۔ در مکاتبت وا تھا۔ دل بے اختیار پکار رہا تھا۔

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (النمل:44)

اے میرے پروردگار میں نے اب تک اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اور میں اب سلیمان کے ساتھ اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے پر ایمان لایا۔ اور زبانِ حال کہہ رہی تھی:

اب درِ پیر مغاں چھوٹے نہیں   اس کی مٹی میں بھی فیضِ جام ہے

حضرت حکیم الامت قدس روحہ کے وصال پر جو مضمون معارف [41] اعظم گڑھ میں آیا اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور کوچہ سلیمانی کی گرد ہمیشہ کے لئے سرمۂ [42] چشم بن گئی اور طریق اشرفی کی بادہ پیمائی سرمایہ سعادت ٹھہری۔

---

41 پہلے خط کے بعد اگست 1943ء کا معارف آیا۔ حضرت سید صاحب نے ارتحال شیخ قدس سرہٗ پر "موت العالم موت العالم" کے عنوان سے کاغذ پر اپنے سوختہ اور خون شدہ دل کے ٹکڑے بکھیر دیئے تھے۔ اس منثور مرثیہ کی ہر بات نشتر بن کر دل میں پیوست ہو گئی اور عظمت اشرفیہ کا انمٹ نقش قلب پر مرتسم ہو گیا۔

42 حضرت والا نوراللہ مرقدہ کے سلوک پر بندہ کی ایک کتاب "سلوک سلیمانی" شائع ہو چکی ہے۔ اور دوسری ضخیم کتاب شاہراہ معرفت جس پر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی۔ حضرت مولانا ابوالحسن

حیاتِ نو مجھے ان کی نگاہِ ناز نے بخشی بھرا ہے آبِ حیوان کاسۂ زہر ہلاہل میں

2. معارف ستمبر 1943ء میں حضرت مولانا الیاس اور ان کے سفر لکھنؤ و کانپور وغیرہ کے حالات کلک سلیمانی نے اس تاثیر میں ڈوب کر لکھے تھے کہ ہر بات اپنا اثر دکھاتی گئی۔

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعویٰ باطل میں

اور نتیجتہً زندگی ان کی تحریک[43] کی گردبن کر رہ گئی۔

علامہ شبلی مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں حضرت سید سلیمان ندوی جیسا ہونہار وباوفا شاگرد مل گیا۔ جس نے استاذ مرحوم کے کاموں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ چالیس سال تک اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے نکھارتے اور آگے بڑھاتے رہے، حضرت سلیمان ندوی استاذ مرحوم سے علم و تقویٰ میں گو کہ سبقت لے گئے تھے۔ لیکن وفاشعاری کا کمال تھا، کہ اپنی تمام رفعتوں کو استاذ کے آستانہ پر قربان کرتے رہے۔ اور جب تک حضرت

علی ندوی کے مقدمات اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ جیسے اکابر کی تقریظ ہے بھی شائع ہو چکی ہے اور سلیمان اکاڈمی (اشرف منزل) نزد اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی سے دستیاب ہے۔

43 تبلیغی کام اعلاکلمۃ اللہ اور احیاء دین کے لئے ایک علمی جدوجہد اور کوشش ہے جس کا خاکہ و عملی ڈھانچہ نصوص قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کام نظری سے زیادہ عملی ہے۔ اس لئے اصلاً اس کے مالہ وماعلیہ کے سمجھنے کے لئے اس کام کے ذمہ دار حضرات کے ساتھ معتدبہ وقت گذارنا ناگزیر وضروری ہے۔ تاہم دیگر تحریری کوششوں کے علاوہ فقیر کی بعض قلمی کاوشیں ایک گونہ اس کام کے وضوح میں ممد ثابت ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: (1) الفرقان لکھنؤ میں چھ نمبروں پر متعدد مضامین (2) کتاب پیام رساں امت (3) الفرقان لکھنؤ کے حضرت مولانا یوسف نمبر میں بندہ کا مقالہ ”صدیق وقت یوسف اقلیم دیں ودعوت“ کاش فقیر کی تشنہ تکمیل کتاب ”نظام ہدایت“ مکمل ہو جاتی تو اس سلسلہ میں کافی مواد منظرِ عام پر آجاتا۔

سلیمان ندوی زندہ رہے۔ شبلی کی مسند علم خالی نہ ہو سکی۔ کاش حضرت سید صاحبؒ کو اپنے جیسا کوئی امام الاوفیاء اور فدائی مل جاتا جو ان کے محاسن وفضائل مزایا و کمالات اور کارناموں کو نہ صرف اجاگر کرتا بلکہ انہیں مزید جلا بخشتا۔

فمن يسع او يركب جناحى نعامة ليدرك ما قدمت بالامس يسبق

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیاتِ شبلی لکھ کر نہ صرف استاذ مرحوم کے کارناموں کو نکھارا بلکہ مسلمانانِ ہندوپاک کی پچاس سالہ علمی و ثقافتی، ادبی و سیاسی تاریخ بھی قلمبند فرما گئے۔ اس مبسوط سوانح کا بڑا کمال یہ ہے کہ استاذ کی بے مثل محبت تاریخیت و حقیقت کو مجروح نہ کر سکی۔ حضرت سید سلیمان ندوی کی قلمی دیانت و تاریخی غیر جانبداری کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ شبلی کی بے پایاں عقیدت کے باوجود یہ بلیغ فقرہ حیات شبلی میں رقم فرما دیتے ہیں۔

"بہر حال شبلی شبلی تھے جنید و شبلی نہ تھے"۔

حیات شبلی کا دیباچہ و مقدمہ مستقل اہمیت کی وقیع علمی دستاویزیں ہیں۔ غرض اپنی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب اردو کی مبسوط سوانح عمریوں میں سب پر گوئے سبقت لے گئی ہے اور اردو کلاسیکی ادب میں ایک عظیم اضافہ ہے۔ حضرت سید صاحبؒ کی کتابوں میں خیام اپنی نظیر آپ ہے علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سید صاحب کو اس کتاب کے بارے میں خوب لکھا تھا۔ "عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے۔ اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا"۔ یہ کتاب خیام پر مباحث کے علاوہ دیگر کئی مسائل پر عجیب و نادر تحقیقات کا انمول مجموعہ ہے۔ مثلاً فارسی رباعی کی تاریخ اور فلسفیانہ تصوف وغیرہ کی بحثیں قابل دید ہیں۔

یہ کتاب اردو ادب کے تحقیقی سرمایہ کا فخر ہے۔

تاریخ ارض القرآن جوانی کی ابتدائی تصنیف ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر پہلی اور سب سے زیادہ کامیاب کتاب ہے۔ گو حضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہ خود فرماتے تھے کہ یہ کتاب اب نیا پر پرواز چاہتی ہے۔ لیکن اس کی تالیف پر ساٹھ سال گذر جانے پر بھی اس موضوع پر معتدبہ اضافہ نہ کیا جاسکا۔ اور یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی رہی۔

سیرت عائشہ حضرت ام المومنین کی بے مثل سوانح ہے یا یوں کہئے "سیرت نبوی" کا صنفِ نازک کی نسبت سے تتمہّ (End) ہے۔ جو حضرت صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کمالات علمی و عملی کا نادر مرقّع و آئینہ ہے۔ جسے دیکھ کر ہر زمانے کی عورتیں اپنی زندگی سنوار سکتی ہیں۔ حیات مالک امام دارالھجرت کی بہترین سوانح ہے۔

"عربوں کی جہاز رانی" اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ "عرب وہند کے تعلقاتِ" حضرت سید صاحب کی تاریخی بالغ نظری وسعتِ مطالعہ پر شاہد ہے۔

سید القلم تقریباً نصف صدی تک رواں دواں رہا۔ تصنیفی عمر کے ان پچاس سالوں میں حضرت سید صاحبؒ نے متعدد وضخیم کتابوں کے علاوہ بے شمار علمی و ادبی مقالات اور کتابوں پر مقدمات لکھے۔ صدارتی علمی خطبات پڑھے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر علم و دانش، تحقیق وادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ مزید بر آں ہزار علمی و تحقیقی مسائل کے جواب لکھے۔ بے شمار مکتوبات تحریر فرمائے۔ جن کی افادیت مسلّمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دارالمصنفین کے اس زاویہ نشین درویش بے گلیم نے علم و تحقیق کی کتنی محفلیں سجائیں اور دین و مذہب کی کتنی گھتیاں سلجھائیں۔ اور عہد حاضر کے استشراق اور علمی فتنوں کا کس بے جگری و کامیابی سے مقابلہ کیا۔ مجھ جیسا کم ظرف

(جو سراپا ان کی نگاہ کرم کا پروردہ[44] ہے) ان کے کمالات کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

تاہم فقیر کی جستجو و کوشش یہی رہی کہ دانش و عرفان سلیمانی کا کوئی گوشہ نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔

گو بر نتابد کوہ را ایک برگ کاہ

حضرت مولانا تھانویؒ

حضرت سید صاحبؒ کی کفش برداری نے شیخ الکُل حکیم الامت مجدد الملت حضرت اشرف علی تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کی بارگاہ قدس تک پہنچا دیا۔ 13 اکتوبر 1950ء میں جب کراچی میں خدمت عالیہ میں پہلی حاضری ہوئی۔ استفسار فرمایا۔ "آپ نے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ (حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ) کے مواعظ و ملفوظات پڑھے ہیں۔ فقیر نے نفی میں جواب دیا۔ ارشاد فرمایا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات و مواعظ پڑھئے۔ وہاں ہر بات اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے"۔ پھر کیا تھا، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات رسائل و کتابیں فقیر کی روز و شب کا مشغلہ بن گئیں۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ آج پوری بصیرت و دیانت کے ساتھ یہ بات کہنے میں باک نہیں کہ حضرت تھانوی کی کتابیں امت کے ہر مرض کا مداوا اور ہر بیماری کے لئے تریاق ہیں ایک دور افتادہ قصبہ میں بیٹھ کر یہ مرد درویش علم و دین کی جتنی علمی و عملی، ذہنی و روحانی خدمت کر گیا۔ پوری اکاڈمیاں اور مدارس و خانقاہیں بمشکل کر پاتی ہیں۔ نو سو کے قریب

---

44 اقبال کا شعر ہے:

مرا درس حکیماں درد سر داد — کہ من پروردۂ فیض نگاہم

کتابیں چار سو مواعظ (جو عام تقطیع کے تقریباً چوبیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ ملفوظات کے ہزاروں صفحات اپنے ورثہ علمی میں امت کی رہنمائی کے لئے چھوڑ گئے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات جدید وقدیم عامی وعالم ہر طبقہ کے امراض روحانی کے لئے قرابادین شفاہیں۔ تربیت السالک، انفاس عیسی وغیرہ میں نفسانی وباطنی امراض کے جو تیر بہدف علاج بتائے ہیں اور جس دقّت نظری اور ایمانی بصیرت سے امراض کی تشخیص کی ہے۔ پورے اسلامی کتب خانہ میں اس کی نظیر شاذ ہی ملے گی۔ حضرت مجدد الملتہ نور اللہ مرقدہ کی ہر کتاب علم ومعرفت کا گنجینہ اور برکات ظاہری و باطنی کا خزینہ ہے۔ مبتدی طالب علم کے لئے ابتدا میں حضرت والا قدس سرہٗ کے پچاس سے سوتک مواعظ اور ملفوظات (حسن العزیز وغیرہ) کا مطالعہ مفید رہتا ہے۔ پھر تعلیم الدین، قصد السبیل، اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، حیاۃ المسلمین اور بہشتی زیور کا بغرض استفادہ وعمل مطالعہ بفضلہ تعالیٰ کفایت کر دیتا ہے۔ گو طالب صادق آخر دم تک طالب علم اور سالک آخر وقت تک سعی وکوشش میں مصروف رہتا ہے۔

اندریں راہ می تراش ومی خراش — تادمِ آخر دمے فارغ مباش

قصد السبیل گو 64 صفحات کا رسالہ ہے لیکن حکمتِ اشرفیہ نے سلوک کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ بہشتی زیور گو عورتوں کے لئے لکھا گیا ہے، لیکن حقیقتاً حنفی نکتہ نظر سے مسائل کا ایک قیمتی ومحتاط ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ واستحضار ایک وسطانی عالم کی فقہی معلومات کے بقدر ہے۔ بیان القرآن اور نشر الطیب کے بارے میں فقیر کی معروضات گذر چکی ہیں، سلوک میں حضرت کی کتاب التکشف عن مہمات التصوف خصوصاً اس کا پانچواں حصّہ خاصہ کی چیز ہے اور فقیر کی ذہنی ساخت میں اس کا عظیم حصّہ

ہے۔ التشرف احادیث سلوک کا اچھوتا مجموعہ ہے اور مسائل السلوک میں قرآنی نصوص سے فنی اعتبارات و حقائق کو ثابت کیا گیا ہے، کلید مثنوی رومی کے حقائق و رموز کی شاہ کلید ہے اور فنی نکتہ نظر سے مثنوی کی اردو میں اشرف الشروح ہے۔ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی اور بحر العلوم کی غامض شرح بھی اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ شیخ الکُل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سلف صالحین کے طریقے کے مطابق سلوک کو ہر غل و غش سے پاک کر کے کتاب و سنت کی روشنی میں نکھار کر اُمت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آپ کی صوفیانہ تصنیفات انشاءاللہ رہتی دنیا تک اُمت کے لئے قندیل ہدایت بنی رہیں گی، تجدید تصوف سلوک کا یہ کارنامہ مجددیت اشرفیہ کے تاج کا تابندہ گوہر ہے۔

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور مے خانہ

یہ رسالہ اس دور کے اعظم المصنّفین کے علوم و کمالات کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ یہاں اِستقصاء مقصود ہے تاہم یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ علوم اشرفیہ کا بحر نا پیدا کنار بقدر طلب و ظرف ہر طالب کی پیاس بُجھانے کے لئے کافی ہے۔

حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے مکاتیب کا تعلق 1943ء میں قائم ہوا۔ سلوک کی طرف توجہ ہوئی۔ گھر میں مکتوبات امام ربّانی (مجدّد الف ثانی) کا ترجمہ موجود تھا۔ ابتدا اس سے ہوئی۔ حضرت مجدّد کے مکتوبات نے شرعی تصوّف، شریعت و طریقت کی عینیت و یکجائی، ذات باری کی تنزیہ، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور دیگر مسائل سلوک کی حقیقت واضح فرمادی۔ اور اس راہ میں اپنا مسلک یہ بن گیا ہے۔

"ماراَنص درکاراست نہ فص مارافتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی[45] ساختہ است"۔

حضرت تھانوی اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں حقیقتہ الطریقہ من السنۃ الانیقہ (التکشف جلد پنجم) اور مسائل السلوک سے بھی یہ بات دل میں پیوست ہو گئی کہ شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت دیگر ہیچ اس کے سوا جس نے کچھ کہا وہ یا شریعت کو نہیں جانتا یا طریقت سے ناواقفیت ہے۔

کتب تصوّف

سلوک کی کتابوں میں سراج طوسی کی کتاب اللمع، محاسبی کے رسائل خصوصاً رسالتہ المسترشدین عبد اللہ انصاری بردی کی منازل السائرین، طالب مکی کی قوت القلوب، امام قشیری کا رسالتہ القشیریۃ، علی ہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی کی احیاء العلوم (مع تخریج عراقی) و کیمیائے سعادت، شیخ سہروردی کی عوارف المعارف، حضرت شیخ جیلانی کی غنیتہ الطالبین، فتوح الغیب، یحیٰ منیری کے مکتوبات سہ صدی، نظام الدین اولیاء کے فوائد الفواد۔ ابن عربی کی فصوص الحکم و فتوحات مکیہ، مولوی رومی کی مثنوی معنوی، ابن قیّم کی مدارج السالکین الوابل الصیب وغیرہ امام شعرانی کی کتابیں مجدد سرہندی کی مکتوبات، شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابیں خصوصاً قول الجمیل، تفہیمات الہیہ کے بعض مقامات، حجتہ اللہ البالغتہ مباحث احسان وغیرہ شاہ اسمٰعیل شہید کی صراط مستقیم و عقبات، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی جملہ تصنیفات اور ان کے سلسلتہ الذہب سے منسلک مشاہیر اکابر متقدمین و متاخرین کی صوفیانہ کتابیں اور دیگر آئمہ سلوک کی مہم کتب و

---

[45] مکتوب ص۔

اسلامی سلوک کا بیش بہا سرمایا ہے۔

گو سلوک سراپا عمل ہے تاہم علمی اعتبار سے ان اساطین صوفیہ کی کتابیں اسلامی سلوک کی حقیقت اور عہد بعہد کی فکری تاریخ سے ایک گونہ آگاہ کر سکتی ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں علمی معلومات کا انبار کفایت نہیں کرتا بلکہ کسی شیخ کامل کی تربیت اور علمی محنت و کوشش منزل تک پہنچاتی ہے اس لئے کہا گیا ہے۔

صد کتاب وصد ورق درنار کن قلب خود را جانب دلدار کن

حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ کی برکات کا اثر ہے کہ ان کے انتساب کی وجہ سے یہ "بدنام کنندہ نکونامے چند" ہوکر کوچک کی بعض عظیم دینی وعلمی شخصیتوں کی نظر کرم الطاف وتوجہات کے قابل ٹھہرا (الحمد للہ علی ذالك)۔

مولانا عبدالباری ندویؒ

ان میں پہلے بزرگ حضرت والا رحمتہ اللہ تعالیٰ کے رفیق قدیم حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ و مجاز بیعت قدیم و جدید فلسفہ کے ماہر ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا عبدالباری ندوی مد ظلہٗ ہیں جن کی کتابوں کا تجدیدی سلسلہ تجدید تصوف و سلوک، تجدید دین کامل، تجدید تعلیم و تبلیغ، تجدید معاشیات، علوم اشرفیہ کی ترجمانی و وضاحت میں اور اپنی افادیت میں بے مثل ہے اور جدید طبقہ کے لئے حضرت حکیم الامتہ تھانوی قدس سرہٗ کے علوم کی کلید ہے۔ حضرت موصوف کی ان چاروں کتابوں سے بندہ فیض یاب ہوا۔ ''سورہ العصر کی تفسیر'' اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔ فریضہ تبلیغ و دعوت پر خاصہ کی چیز اور ہر مسلمان کے پڑھنے کے قابل ہے۔

"مذہب اور سائنس" تو مولانا کا شاہکار، ان کی قدیم و جدید علوم سے واقفیت کی شاہد اور سائنسی علوم سے مرعوب اشخاص کے لئے نادر تحفہ ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ

دوسری شخصیت حضرت سیدی قدس سرہٗ کے صدیق حمیم اردو کے صاحب طرز و فخر ادیب، صدق کے مدیر شہیر مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادی مد ظلہٗ کی ہے۔ مذاہب عالم اور عصری علوم پر ان کی نگاہ بہت گہری و ہمہ گیر ہے۔ مشرقی و مغربی علوم سے یکساں بہرہ ور ہیں۔ جس پر ان کی تفسیر (انگریزی[46]) اور اردو— اور صدق کی نگارشات شاہد ہیں۔

یوں تو صدق اور صاحبِ صدق کی تحریر[47] مدتوں سے قلب و نظر کی بالیدگی اور ادبی ذوق کی پاکیزگی کا سبب بنتی ہے اور ان کی اکثر دینی و ادبی کتابوں سے استفادہ کیا۔ لیکن مولانا کی جس تصنیف نے ابتدا میں متاثر کیا وہ سفر نامہ حجاز ہے جو والہانہ عقیدت و محبت، قلبی واردات، عالمانہ حزم و احتیاط، دینی حقائق، فقہی مسائل، صوفیانہ نکات، سفری معلومات، قیمتی مشوروں، سنجیدہ و درمندانہ تبصروں کا عجیب و حسین امتزاج ہے۔

---

46 تفسیر ماجدی (انگریزی) دینی لٹریچر کا ایک گرانمایہ سرمایہ۔ قابل قدر علمی کوشش۔ قرآن کے "مہیمن" مصدقاً لما معھم ہونے پر دلیل ناطق اور برہان قاطع ہے۔ تفسیر میں دیگر ادیان کے مختصر کتب سے قرآنی آیات کے شواہد اور ہم معنی آیتیں اس قدر کثرت سے نقل کر دی گئی ہیں کہ استقصاء پر حیرت ہوتی ہے۔ تقابل ادیان اور اہل کتاب کے صحف سے موازنہ اور ان کی شہادتوں سے قرآن کی سچائی کا ثبوت خاصہ کی چیز ہے۔ غالباً تفسیری ادب اس قسم کی نظیر سے خالی ہے۔

47 سوائے ان کے ایک معلوم تفرّد کے۔

طرز بیان دلکش وروان انشائے ماجدی کا اعلیٰ نمونہ، ہر ذوق کے قاری کے لئے وافر مواد مہیا ہے۔ شروع کیجئے تو تمت بغیر چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ مولانا کی باقیات صالحات میں یہ سفر نامہ انشاء اللہ اونچا مقام پائے گا۔ کتاب کا مقدمہ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ کا لکھا ہوا ہے اور سلیمانی جامعیت وادبیت کا مرقّع۔

دوسری کتاب "حکیم الامت" ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کئی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ لیکن قلمِ ماجدی نے حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ کی زندگی کے جو حکیمانہ نقوش ووالہانہ خاکہ ہوشمندانہ سراپا کھینچا ہے۔ اسلوبِ بیان، طرز اور پیشکش میں اچھوتا مقام رکھتا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی دلبرانہ زندگی قلندرانہ ادائیں، علمی ذوق، ادبی مذاق، تربیتی دقیقہ رسی وپاس داری حقوق، رعایت جلیس، نرمی ومحبت، ضبط اوقات ونظم معمولات — "بسیار شیوہ ہاست بتان راکہ نام نیست" کی جو تصویر "حکیم الامت" میں دکھائی دیتی ہے دلکش وزیبائی کی بہترین تمثال ہے۔

تیسری کتاب "محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق" ہے۔ زندگی میں جن چند کتابوں نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ یہ کتاب ان میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ کلک ماجدی کو محمد علی کا نام ہی گویا وجد میں لاتا ہے۔ مولانا کا شدت تاثر ہر نقطہ سے چھلکتا ہے۔ کاغذ پر الفاظ کی بجائے درد دل اور خون جگر عجب بے تابانہ انداز میں بکھرا دکھائی دیتا ہے۔ شاید کوئی منظوم مرثیہ اتنا دردناک اور کرب انگیز ہو۔ جتنے محمد علی (جوہر) کی زندگی کے یہ سادہ ومنثور واقعات محمد علی کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ دِل میں اتر جانے والی نصیحت، درسِ بصیرت مرقع عبرت[48] ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم کو زندگی میں

---

[48] باب 50، 51، 52، 88 اور اس کے ضمیمے تو قیامت ہیں۔

جن محرومیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی کامیاب موت کے بعد سیرت جوہر کی یہ معجز نما نقاب کشائی اس کی مابعد الموت کامرانیوں کا ایک حصّہ ہے اور شاید اس کے شعر

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

کی جیتی جاگتی تعبیر ہے۔

صاحب صدق کے یہ جواہر پارے جوہر کے حق میں "لسان صدق في الآخرین'' وجعلها کلمة باقية فی عقبه لعلهم یرجعون کے مصداق ہوں گے۔

ناسپاسی ہو گی اگر مولانا دریابادی کے مرتب کردہ مکتوبات سلیمانی[49] کا یہاں تذکرہ نہ کیا جائے محشی مکتوبات کے اس مجموعہ میں برصغیر کے مسلمانوں کی چالیس سالہ علمی و ادبی دینی وسیاسی تاریخ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ مولانا کی علمی و ادبی خدمت وابستگان دامنِ سلیمانی پر ایک عظیم احسان ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

اس سلسلہ میں تیسری شخصیت مخدوم و محترم حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی کی ہے جو اپنی جلالت شان، علمی و نظری خدمات دینی اور دعوتی سرگرمیوں کی بنا

---

49 فقیر کا دونوں جلدوں پر تبصرہ صدق جدید لکھنؤ کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔
حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی کے مولانا دریابادی کے نام مکتوبات کا یہ مجموعہ مولانا موصوف نے فقیر اور دیگر دوستوں کے اصرار پر اپنے مفصل حواشی کے ساتھ مرتب فرمایا۔ ادبی تاریخ میں دو نادرہٴ روزگار ادیبوں اور فاضلوں کو باہمی مکاتیب کا اتنا طویل زمانہ شاہد ہی ملا ہو۔ مکتوبات کا یہ مرقع دو عظیم و شریف دوستوں کی چالیس سالہ رفاقت و مروت کی حسین روداد ہے۔ جو بیش بہا علمی، ادبی تاریخی فوائد پر مشتمل ہے۔

پر عرب و عجم میں یکساں مقبول اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی کتابیں، متعدد مشرقی و مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہیں۔ اردو عربی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت و عبور[50] ہے۔ عربی میں ایک خاص و متبکر اسلوب نگارش کے موجد ہیں۔ یہ طرز تحریر عربی ادب عالیہ کی ایسی صنف ہے جس میں دینی علوم و کمال فصاحت و بلاغت و عمدہ زبان میں جدید و قدیم طبقہ کے سامنے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ علی میاں کی زبان میں عذوبت و حلاوت درد و سوز، بلندی فکر، داعیانہ ولولہ، عاشقانہ جذب مورخانہ تحقیق، عالمانہ احتیاط حکیمانہ دانش، ادیبانہ رعنائی، ساحرانہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ وہ خود سراپا سوز و درد ہیں۔ ان کا خمیر محبت و نری محبت سے عبارت ہے علم و تقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے اور جامعیت علوم کی سند ان سے مزیّن ہے۔ مشرق و مغرب کے دینی و عصری تقاضوں اور جدید طبقے کے نبض آشنا ہیں۔ ان کی تحریر دلوں کے اندر اتر جاتی ہے اور بیک وقت دل اور دماغ دونوں کی تسلی کا سامان مہیا کر دیتی ہے۔

---

50 علی الطنطاوی نے خوب کہا ہے:

''ولقد کنت احب حسین اقرأ لابی الحسن فأجد لرجل من الهند هذا الاسلوب البليغ وهذه الاصالة وهذا الطبع ثم زال العجب واظهر السبب وعلمت ان ابا الحسن عربی صريح صحيح النسب كالا سبهائی مؤلف الاغانی والابيوردی الشاعر وهما قريشان امويان والفيروز آبادی صاحب المقاموس وان خبر عربية متواتر مستفيض فی الهند فمن هناجاء هذا البيان الذي قل نظيره في هذه الايام۔

وقل يشغل غيرالعربي بعلوم العربية حتي يكون اماما فيها في اللغة والنحو والصرف والاشتقاق وفی سعة الرواية بل ان اكثر علماء العربية كانو فی الواقع من غير العرب ولكن من النادران يكون فيهم من له مثل هذا (الذوق) الذی تعرفه لابی الحسن فلو لم تثبت عربيه بصحة النسب تثبت باصالة الادب (المسلمون فی الهند ص 2)''

مولانا موصوف کی جس کتاب نے سب سے پہلے گھائل کیا وہ سوانح[51] مولانا الیاس ہے جو بار بار پڑھی اور ہر مرتبہ قلب وروح نے لطف تازہ پایا۔ ایک مرد حق آگاہ جس کی زندگی۔

مسلمانی غم دل در خریدن — چو سیماب از تپ یاراں تپیدن

حضور ملت از خود در گذشتن — دگر بانگ انا الملّت کشیدن

کا عملی نمونہ تھی۔ اس کا سراپا وسوانح ایک دل فگار قلم نے آب دیدہ وخون جگر سے لکھا ہے کمال یہ ہے کہ جذبات کا تلاطم اور جوشِ محبت کتاب کی سنجیدگی ثقاہت و ہوش پر غالب نہیں آیا۔ سچ ہے۔

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق — ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

دوسری کتاب تاریخ دعوت وعزیمت ہے جو امت مسلمہ کے لافانی کمالات، جاودانی اثرات، دائمی ثمرات بارآور مزاج، ثمر فطرت اور زرخیزی زمین کا بین ثبوت ہے۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

حضرت علی میاں مد ظلہٗ نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک ایک ضرورت کو پورا کر دیا ہے[52]۔ اسلامی دعوت وعزیمت کے اعاظم الرجال اپنے ماحول میں جن

---

51 کتاب کا مقدمہ سیدی الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے ایجاز رقم کا اعجاز ہے۔

52 اسلامی دینی علمی و معاشرتی تاریخ سے ناواقفیت (شاہی خانوادوں کی تاریخ کی سرسری شُدبُد رکھنے والے) اپنی بے بصری سے "عصر سعادت" کے بعد اسلام کے زوال کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں۔ گویا (خاکم بدھن) اسلام کے ان نادان دوستوں کے نزدیک خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اپنا پیام و نظام چلن دعوت ختم ہی ہو کر رہ گئی حالانکہ خلافت راشدہ کا خاتمہ اسلام کے "معیاری اور نمونہ" کے دور کا اختتام

فتن و آزمائشوں سے دوچار ہوئے اور انہوں نے اپنی خداداد بصیرت و ذہانت علم و معرفت للّٰھیت و تقویٰ، جیداری و عزم، قربانی و فتوہ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں امت کی شکستہ صفوں کو ثبات بخشا، ان کی رہنمائی کی اور اسے ساحل مراد تک پہنچایا۔ وہ امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص، امت کی فضیلت اور حضرۃ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ ہے۔ اس اعجاز و کمال کا ایک زندہ و پر شور، جاندار و پرسوز محرک عمل و مفید علم مرقع و مجموعہ ایک سیّد و سعید قلم کے ہاتھوں مرتب ہو گیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے امت کی بقاو ترقی کے بارے میں یاس و قنوطیت کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور مستقبل میں بھی رحمت الٰہیہ سے ایسے نفوس قدسیہ کے پیدا ہونے کی اُمید پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ امت لافانی یہ دین ابدی ہے۔

''یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ''[53]

تیسری کتاب سوانح مولانا عبد القادر رائپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ہے جس کی ہر سطر کسی سوختہ سامان ربودہ قلب اور سینہ بریاں کی پکار ہے۔ علی میاں نے اپنے شیخ کو محض ذاکر شاغل بزرگ اور زاہد مرتاض کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ نہ ہی ان کی کرامات حسی کا تذکرہ کیا۔ بلکہ اپنے شیخ عالی مقام کی بصیرت فن، اعتدال مسلک وسعت قلب و جامعیت، حقائق بینی و مہارت سلوک اور تربیت کے غوامض و دقیقہ رسی کا بیان اس انداز

تھا۔ ملوکیت سے اسلام نہیں مٹا۔ صرف اسلامی آئین کی ایک دفعہ اپنی جگہ سے ہٹی، جسے مسلمانوں نے آسانی سے برداشت نہیں کیا۔ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، نفس ذکیہ کا خروج وغیرہ اس احتجاج کا رنگین ثبوت ہیں۔ امت کا عمومی مزاج باقی رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔

53 اس کتاب کے تین حصّہ شائع ہو چکے ہیں۔ کاش چوتھا حصہ جو مجدّد سرہندی اور ہندوستان کے متاخرین ارباب دعوت عزیمت پر مشتمل ہو تا شائع ہو جاتا۔

سے فرمایا ہے کہ دل و دماغ، نفس و روح، سیر اب و شاداب ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ ہمارے بوریا نشین گلیمِ فقر میں کس طرح مختلف طبقات کے دلوں پر شاہی کرتے تھے اور معاشرہ پر اثرانداز ہوتے تھے۔ سچ ہے۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سِپہ کی تیغ بازی یہ نِگہ کی تیغ بازی

چوتھی کتاب ”سیرت سید احمد شہید ہے“ امیر المؤمنین فی الہند مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) ہماری بزم دوشین کے گوہر شب چراغ قافلہ پسین کے سالار، جہاد و حریت کے علم بردار، ناموسِ شریعت کے پاسبان تھے۔ امیر شہید اور امام شہید (سید اسمعیل شہید) کے کارناموں میں صحابہ کی جیداری و فدائیت، اخلاص و تقویٰ اور اتباع شریعت کی جھلک پائی جاتی تھی۔ آہ!

در میان کارزار کفر و دین ترکش ما را خدنگ آخرین

انگریز نے اپنے استعماری مفادات کے پیش نظر ان کی مخالفت کا ایسا صور پھونکا کہ ہماشما یگانے و بیگانے اس کی آواز میں گم ہو گئے اور مظلوم امیر شہید کو (سوائے ایک مخصوص حلقے کے) غیر تو کیا اپنوں نے بھی ہدف ملامت بنایا۔ خدا کا شکر ہے کہ انہیں کے خاندان کے ایک فرد فرید کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے امیر شہید اور ان کے رفقاء پر سے گرد و غبار کے توبر تو پردوں کو ہٹایا اور ان کی عظمت جس کے سامنے بالاکوٹ کی بلندیاں پست ہیں۔ دنیا کے سامنے ظاہر ہو گئی۔ فقیر کے علم میں سید احمد شہید پر حضرت علی میاں اور مولانا غلام رسول مہر کی کتابوں سے بہتر کتابیں نہیں لکھی گئیں۔

یوں تو مولانا موصوف کی ہر کتاب قابل قدر و مفید اور وقتی تقاضوں کے مطابق ہے۔ سب کتابوں پر گفتگو اس مختصر مقالے میں نہیں ہو سکتی۔ تاہم اسلامی ممالک میں اسلام و مغربیت کی کشمکش کی افادیت کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ موجودہ دور میں فتنہ افرنگ نے اپنی ہوش ربائی، مکر و کید، ظاہری چمک دمک، مادی ترقیات سے جس طرح اسلامی ممالک کو مسحور کیا ہے اور انہیں اپنی راہ پر لگا دیا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے عظیم المیہ ہے۔ اس کتاب میں مختلف رُخوں سے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کتاب قابلِ دید و لائق[54] داد ہے اس طرح۔

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين کا اردو ترجمہ "مسلمانوں کے عروج وزوال کا دنیا پر اثر" اپنی نوع کی منفرد کتاب اور مصنف کی دیدہ وری، تاریخ دانی، بصیرت اور فکر دینی کا ثبوت اور ان کی زندگی کا روشن کارنامہ ہے[55]۔

ردة ولا ابا بكر لها کا ترجمہ "موجودہ طوفان اور اس کا مقابلہ" ایک نہایت اہم رفیع اور پُر اثر مقالہ ہے۔ جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے[56]۔ اقبالؒ نے اپنی غزل کے بارے میں کہا ہے۔

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

---

54 برکوچک ہند و پاک کے ضمن میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مساعی کا تذکرہ کا فقدان طبیعت پر گراں ہے۔ جس کا تذکرہ فقیر نے مصنف کے نام سے کر دیا ہے۔

55 کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی فقیر کی نظر سے گذرا ہے، خوب ہے اور ہر جدید تعلیم یافتہ کے پڑھنے کے لائق ہے۔

56 اس مقالہ پر فقیر کے تاثرات صدق جدید لکھنؤ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔

خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

یہی بات علی میاں کی نثر پر صادق آتی ہے کہ ان کی تحریر میں ان کے درد مند دل کے ٹکڑے اور سوختہ جگر کا لہو شامل ہوتا ہے۔ ان کی ہر کتاب علم و ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ دین اور دانش کا خزینہ، عشق و عقل کا آمیزہ اور قدیم و جدید کا سنگم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے یہ جواہر سب سے زیادہ ان کی جدید اور قابل فخر بلکہ شاہکار کتاب ''الارکان الاربعہ'' میں چمکے کھلے اور نکھرے ہیں۔ یہ کتاب ادب[57] و انشاء کا بہترین نمونہ حرف و معنی کا اعجاز، واردات قلبی اور دلائل عقلی کا حسین امتزاج اور بیک وقت دل و دماغ کی طمانیت و تسلی کا سامان ہے۔ دیگر مذاہب سے عبادات اسلامی کا موازنہ اور اسلامی عبادات کی خوبی و فوقیت پر استدلال —— جدید و قدیم دونوں طبقات کے لئے برہان ساطع و دلیل قاطع۔ امید ہے کہ علی میاں مد ظلہٗ کی یہ کاوش احیاء العلوم الدین و (غزالیؒ) اور حجتہ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ) کے پہلو بہ پہلو حیات جاوید پائے گی اور حقانیت دینی کا روشن مینار بنی رہے گی۔

ابوالحسن علی الندوی مد ظلہٗ کی عربی کتابوں میں ''الارکان الاربعہ'' اور ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے علاوہ الطریق[58] الی المدینۃ، ربانیتہ لا رہبانیتہ،

---

57 تاریخ ادب کا یہ المیہ ہے کہ بہت سے عظیم ادیب جن کے ادبی شاہپارے زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ''بزم ادب'' اور ''ادیبوں کی محفل'' میں اس لئے جگہ نہ پاسکے کہ وہ علم و تقویٰ کی مجالس کے بھی رکن رکین تھے اور ''روایتی ادیبوں'' کا جامہ پہن کر نہیں آئے تھے۔

58 لطیفہ: 1382ھ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس سفر میں بحمد اللہ حج سے قبل مدینہ طیبہ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت علی میاں کی صحبتوں سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب الطریق الی المدینہ مرتب فرما رہے تھے۔ حج کے بعد جب جدہ پہنچا

روائع اقبال، حدیث مع الغرب، الصراع بین الایمان والمادیتہ مذاکرات سائح فی الشرق القربی، المسلمون فی الہند، نزہتہ الخطواطر (ہشتم) وغیرہ اور دیگر کئی چھوٹے کتابچے نظر سے گزرے۔ ہر کتاب ان کی تحریر کے خصوصی امتیازات کی حامل۔ ان کی بے چین روح اور پُرسوز دل کی پکار ہے جس کا بنیادی مقصد احیاء دینی اور ملّت کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور امت کو ان سے استفادہ کی توفیق بخشے۔

بندہ شملہ میں والد مرحوم کے ساتھ مقیم تھا۔ جون 1941ء کی کوئی تاریخ تھی کہ میرے بڑے بھائی محمد اکرم صاحب اپنے دفتر کی لائبریری سے رسالہ معارف اعظم گڑھ لے کر آئے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اردو کے سب سے وقیع رسالہ پر نگاہ پڑی۔ کاغذ وطباعت کی نفاست سے نگاہوں نے لذت پائی۔ رسالہ بار بار پڑھا اتنا متاثر ہوا کہ تقریباً پورا رسالہ بیاض میں نقل کرلیا۔ رسالہ معارف پر تو بعد میں گفتگو ہوگی۔ یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس رسالہ میں پہلی مرتبہ متکلم وقت مناظرِ اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مضمون ''تدوین حدیث'' کی ایک قسط نظر سے گذری۔ مولانا کی ہر بات دل میں گھر کرتی چلی گئی جو مصنف کے اخلاص وصداقت کی دلیل تھی۔

اِدھر کہتا گیا وہ اور اُدھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعویٰ باطل میں

تو دل نے کہا — لیوپلڈ اسر نے الطریق الی مکہ (Road to Mecca) لکھی۔ علی میاں نے الطریق الی المدینہ مرتب فرمائی۔ تم الطریق الی الجہنم یعنی الطریق الی الغرب لکھ ڈالو کہ حقیقتاً ''تہذیب الغرب'' الطریق الی الجہنم ہے کہ اس کی بناء نشوونما ''شہوات'' پر کلیتہً مبنی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے۔ حفۃ النار بالشہوات جہنم شہوات سے ڈھکی ہوئی ہے یعنی جہنم میں دخول شہوات کی بنا پر ہے، اس خیال کا آنا تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن اپنے تمام بے خدا و بے حیاء مناظر کے ساتھ نگاہوں میں آگیا۔

بے کاری وعریانی و مے خواری وافلاس کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

وہ پہلا دن تھا کہ مولانا گیلانی کی تحریر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پھر ان کی ہر تحریر جہاں بھی میسر آئی شوق وذوق سے پڑھتا رہا۔ مولانا کا میلان علم وذوق افادہ اپنی تحریر میں رسمی حدود وقیود تصنیف کا پابند نہ تھا۔

بقول اقبالؒ

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

ان کی افتاد طبع قاری کے سامنے بیک وقت مختلف النوع علوم ومسائل، رموز و دقائق، نکات وحقائق کو پیش کرتی چلی جاتی ہیں۔ گویا ایک مخلص وشفیق معلّم کی طرح اپنے علم کے بحر ذخاّر سے قاری کی تشنگی کو ایک ہی بار بُجھا دینا چاہتے ہیں اور اسے وہ سب کچھ دکھانا چاہتے ہیں جو ان کی بصیر نگاہ کے سامنے ہے اور اسے ہر وہ بات بتا دینا چاہتے ہیں جسے وہ جانتے ہیں۔ اس بارے میں ان کے ہاں صبر وامساک وبخل تاخیر دہش بھی گناہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی تحریر کی سلوٹوں میں بھی ایسے علمی نکات مل جاتے ہیں جن تک عام رسائی مشکل ہے۔ ان کی ہر بات ان کی وسعتِ مطالعہ، عمق علم، دقیقہ رسی حقائق بینی، بصیرت دینی ژرف نگاہی پر دلالت کرتی ہے۔ اسلوب بیان میں اطناب کے بادشاہ ہیں۔ افادہ کا دریا ہر وقت متلاطم رہتا ہے اور سیل معانی اپنی روانی میں موتی بکھیرتا جاتا ہے۔

بقول اقبال

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

مولانا گیلانی کی کتابوں میں النبی الخاتم، تدوین حدیث، اسلامی معاشیات مقالات احسانی ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی سوانح قاسمی خاصہ کی کتابیں ہیں۔ مولانا گیلانی کے جو مقالات مختلف رسائل میں چھپتے رہے اگر وہ یک جا مرتب ہو جاتے تو ایک مفید علمی خدمت ہوتی۔ مولانا گیلانی طرز قدیم کے پروردہ اور جدید تقاضوں سے آشنا تھے۔ اس لئے ان کی تحریر قدیم و جدید دونوں طبقات کے لئے مفید ہے۔ بہر حال مولانا گیلانی نے جو ورثۂ تصانیف چھوڑا ہے وہ ملت کا قیمتی سرمایہ ہے جس سے کوئی شخص مستغنی نہیں رہ سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ

حجۃ اللہ فی الارض افضل المحققین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی کتابوں میں حجۃ اللہ البالغۃ، البدور البازغۃ، ازالۃ الخفا، تفہیمات الٰہیہ، الفوز الکبیر، الخیر الکثیر، فیوض الحرمین، القول الجمیل وغیرہ ذہن و قلب کی بالیدگی کا سبب بنتی رہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے قرآن و حدیث، فقہ و کلام، تصوف و فلسفہ کے آمیزہ سے اپنی منفرد راہ نکالی ہے جس میں یہ سب علوم باہم رچے بسے ہیں۔ شاہ صاحب کے علوم سراپا موہبت و عطا و القاء ہیں جس میں کسب کا دخل کم اور واردات الٰہیہ اور توفیق ربانی کی رہنمائی زیادہ ہے۔ اس کا فیضان ان کی ہر تحریر سے امنڈتا دکھائی دیتا ہے۔ شاہ صاحب علوم ظاہریہ و باطینہ اور عقلیہ سب کے شاہسوار اور امام ہیں۔ اس لئے آپ نے علوم نبویہ کی توفیق ربانی سے جو تشریح فرمائی ہے اور جن رموز و حقائق کو کھولا اور جن اسرار و حقائق کو فاش فرمایا ہے۔ وہ بیک وقت دل و دماغ عقل و روح کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی کتابیں "جلوتیان مدرسہ" اور "خلوتیان میکدہ" دونوں کے لئے

مفید اور سامان تسلی ہیں اور اقبالؒ کے اس شعر کی مصداق ہیں۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

علم اسرار دین ایک غامض اور ادّق فن ہے جو "دانش برہانی" سے زیادہ حکمت ایمانی اور "نور عرفانی" کا محتاج ہے۔ امت میں اس فن کے ماہرین کی جو گنی چنی محدود ہستیاں گذری ہیں۔ ان کے ائمہ میں حضرت شاہ صاحب کا نام بے تکلف لیا جا سکتا ہے۔ حکمت ولی اللّٰھی نے شریعت کے جن غوامض کو کھولا ہے اور جیسی تشریح فرمائی ہے اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب و شاذ ضرور ہے۔

حجتہ اللہ البالغہ ولی اللّٰھی حکمت و عرفان کا شاہکار، ان کی مجدّدیت کا امتیاز اور اسلام کے عظیم کتب خانہ کا کوہ نور ہے۔ اپنی طرز کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ شریعت کے اصول و فروع کے اسرار و حقیقت پر ایسی جامع حکیمانہ اور پُر مغز کتاب کی نظیر شاید ہی مل سکے۔

ازالتہ الخفاء کا موضوع گو خلفائے ثلاثہ کی حمایت ہے۔ لیکن حقیقتاً خلافتِ اسلامیہ اور اسلامی سیاست و طرز حکومت کی حقیقت اور اس کے رموز و دقائق پر اس سے گہری کتاب فقیر کے محدود علم میں نہیں۔ کتاب میں بے شمار علمی حقائق و نکات ضمناً آ گئے ہیں۔

الفوز الکبیر اصول تفسیر پر ولی اللّٰھی ذوق و بصیرت کا عمدہ نمونہ ہے۔ خیال ہے کہ شاہ صاحب نے اس کتاب میں الاتقان (سیوطی) اور برہان (الذرکشی) سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔

القول الجمیل تفہیمات الٰہیہ فیوض الحرمین اور دیگر کتابوں میں بھی حکمت ولی اللّٰھی کے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت کی تصوّف پر کتابیں مہمات سطعات وغیرہ عام اذہان کی سطح سے بلند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب اصلاً ایک عظیم محدّث، قرآن کے مترجم اور صوفی ہیں۔ اس لئے اپنی کتابوں میں انہوں نے جن خاص اصطلاحات کو استعمال کیا ہے وہ سب کتاب و سنت سے مستنبط ہیں۔ شاہ صاحب کی خدمت حدیث کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اجمالاً کہا جاسکتا ہے کہ تحریری خدمات حدیث کے علاوہ اس شجر طوبیٰ کا سایہ درساً اور سنداً عالم پر محیط ہے۔

ڈاکٹر اقبالؒ

سن شعور کی ابتدا تھی۔ فضا حکیم شاعر ڈاکٹر اقبالؒ کے نغموں سے پُرشور تھی۔ مسلمانانِ ہند ان کی شعلہ نوازی سے نئی زندگی پا رہے تھے۔ اور اسلامیان برکوچک کے درماندہ قافلہ کے لئے ان کا پر درد کلام بانگِ درا اور ان کی ہر صدا آوازِ رحیل [59] تھی۔ بچہ بچہ کی زبان پر ان کے اشعار رواں تھے، طبیعت نے اثر لیا۔ بانگِ درا کی متعدد نظمیں حافظہ میں مرتسم ہوگئیں۔ اور اقبالؒ شعر و سخن کی عبقری شخصیت اور اسلامی اقدار کے داعی کی حیثیت سے دل و دماغ پر چھا گیا۔ جب ہوش و آگہی نے پر و بال نکالے تو بالِ جبریل اپنی پسندیدہ کتاب تھی۔ متعدد بار پڑھی، ہر بار دل و دماغ نے اثر لیا۔ متعدد غزلیں، ساقی نامہ، مسجد قرطبہ، طارق کی دعا، ذوق و شوق وغیرہ ازبر ہوگئیں۔ اس زمانہ میں ضرب کلیم

---

59 تقسیم ہند سے پیشتر مسلمانوں کے تشخص اور ملّی ذہن کی ساخت میں اقبالؒ کا بڑا حصّہ ہے۔

پڑھی[60]۔ سن کی پختگی نے اقبالؒ کے فارسی کلام کی طرف متوجہ کیا۔ اسرار و رموز، زبورِ عجم، جاوید نامہ، پیام مشرق، ارمغانِ حجاز، مسافر، اور پس چہ باید کرد، متواتر نظر سے گذرتی رہیں۔ آج بھی اقبالؒ اپنی تازگی اور اثر انگیزی میں جو ان اور دل و دماغ کی تسکین کا سامان ہے۔

اقبالؒ اوّل و آخر اسلامی شاعر ہے۔ وہ حضور انور ﷺ کا شیدائی، دین حق کا داعی، اسلام کی عظمتِ رفتہ کا متلاشی ہے۔ اس کا قلب مضطر، اس کی فکر بلند، اس کی آرزوئیں اور تمنّائیں اس کی خلوت و انجمن کا گداز اور اس کے دیدۂ تر کی بے خوابیاں دنیا میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور قرونِ اولیٰ کے نقشہ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔

اقبالؒ کا کلام اسلام کی محبت حضرت محمد ﷺ کے عشق امت کے درد و فکر مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے احساس اور تجدید ملّت کے جذبہ کے آمیزہ سے تیار ہوا ہے۔ جسے ان کی مشرقی و مغربی علوم پر دسترس، حکمتِ ایمانی، دانش برہانی اور حب و شوق کی فراوانی نے جلا بخشی ہے۔ فقیر کے نزدیک اقبال کا شاعرانہ خاصہ اسلام کے بارے میں اتنا حساس اور جذباتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہر چُبھتی چیز و کھٹک ان کا شاعرانہ تجربہ و کیفیت بن کر ان کی زبان کو گوہر بار کر دیتی ہے۔

اقبالؒ مشرق و مغرب کے علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ حکمت مغرب کے وہ آشنا اور ماہر نقاد ہیں۔

فریب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ اسی آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

---

60 مکتوباتِ اقبال" اقبال نامہ" بھی اسی وقت نظر سے گذرا جو اقبالؒ کے سمجھنے کے لئے مد ثابت ہوا۔

ان کی زندگی کا کارنامہ مسلمانوں اور خصوصاً نژادِ نو کو تہذیب[61] حاضر کے مضر اثرات سے آگاہ اور اس کا تریاق اسلام میں بتانا ہے۔ انہوں نے مغرب کو ایک بصیر نگاہ سے جانچا اور پرکھا اور پھر پکار اٹھے۔

مے از مے خانۂ مغرب چشیدم
بجان من کہ درد سر خریدم
نشستم بانکویانِ فرنگی
ازاں بے سوزتر روزے ندیدم

اقبال دانش مغرب کے محرم ہیں لیکن اس سے مسحور و متاثر نہیں۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

ان کا پیام اسلام کی دعوت اور پاکان امت کے افکار کا چربہ ہے۔

شنیدم آں چہ از پاکانِ امت
ترابا شوخی رندانہ گفتم

اقبالؒ کے خیالات کی وسعت و گہرائی اسلام کے "بے حدود و بے ثغور" عالمگیر و ہمہ گیر ادبی سرمایہ کا فیض ہے۔ جسے اقبالؒ کی بلند و حکیمانہ نگاہ نے عصر حاضر کے لئے اپنے رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ یوں تو اقبالؒ کے ماخذ بیشمار ہیں۔ لیکن رومی کا اثر اور چھاپ ان کے کلام پر بہت نمایاں ہے۔ جس کا اظہار وہ بار بار کرتے ہیں۔ ایک جگہ

---

61 طلسم علم حاضر را شکستم ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانند براہیمؑ بہ نارِ او چہ بے پروا نشستم

فرماتے ہیں۔

چوں رومی در حرم دادم اذان من
ازو آموختم اسرار جاں من
بہ دور فتنۂ عصر کہن او
بہ دور فتنۂ عصر رواں من

اقبالؒ کے سمجھنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے دینی وادبی سرمایہ کی معتدبہ واقفیت ضروری ہے۔ اس کی اپنی اصطلاحات ہیں جو اکثر اسلامی ادبی و دینی پس منظر رکھتی ہیں۔ جدید تعلیم جو ملی اور دینی تقاضوں کے پورا کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔ اقبالؒ سے استفادہ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ آج اقبالؒ اپنے ملک میں ناآشنا ہے کہ "یاران محرم" سے محروم[62] ہے۔ بلکہ یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ آج اقبالؒ مظلوم وغریب ہے کہ ہر بر خود غلط ملحدانہ نظریہ کا حامل اپنی دون فطرتی اور کم نگہی اور دینِ باختی کو اقبالؒ سے منسوب کررہا ہے۔ خصوصاً سوشلزم کے نام نہاد دعویدار اپنی صفوں میں شمار کروانے کی سعی نامسعود میں مشغول ہیں۔ کاش پاکستان میں اقبالؒ کے پیام کی صحیح ترجمانی واشاعت ہو جاتی۔

اقبالیات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اقبال کامل (مولانا عبدالسلام ندوی) روائع اقبال (عربی ابوالحسن علی الندوی) فیضانِ اقبال (شورش کاشمیری) خوب

---

62 من اندر مشرق ومغرب غریبم — کہ از یاران محرم بے نصیبم
غم خود را بگویم بادل خویش — چہ معصومانہ غربت رافریبم
چہ پرسی از مقامات نوایم — ندیمان کم شناسند از کجایم
کشادم رخت خود را اندریں دشت — کہ اندر خلوتش تنہا سرایم

ہیں۔ اس مختصر سر گذشت میں اقبالؒ پر پوری گفتگو ممکن نہیں۔ چند باتیں زبان پر آگئیں جو عرض کر دیں۔

کتب فارسی

بندہ کی فارسی ابجد خوانی کی ابتدا والد مرحوم نے ''کریما'' سے کروائی۔ پھر بوستان و گلستان کی بو دو باش مشام روح کی عطر بیزی کا سبب بنی —— کریما گلستان بوستان تو ہمارے قدیم (آہ مرحوم) دبستان اخلاق کی بہار تھی۔ فارسی شرفا کے گھرانوں سے کیا اٹھی۔ ہماری قدیم قدروں اور روایات کا خاتمہ ہو گیا۔ فارسی عربی کے بعد ہمارے قدیم ثقافتی ورثہ کی امین تھی۔ تصوف میں فارسی شاعری کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر سے لے کر خاتم الشعر اجامی تک فارسی اشعار میں جو کچھ کہا گیا ہے دیگر زبانوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ ہمارے اپنے اقبال سے استفادہ بغیر فارسی کے ناممکن ہے۔

فارسی نظم میں مرشد رومی کی مثنوی معنوی دل و روح پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی۔

مرشد رومی حکیم پاک زاد سر مرگ وزندگی برما کشاد

مثنوی کے ضخیم دفاتر صدیوں سے معارف و حقائق کے امین ہیں۔ رومی نے اپنی پُر سوزنے سے حکمت ایمانیاں کا جو صور پھونکا ہے۔ وہ رہتی دنیا تک قلب و روح کو حیات نو بخشتا رہے گا۔ مثنوی دبستان تصوّف کا نرا صحیفہ نہیں بلکہ حقائق دینی، حکمت و فرزانگی، رموز زندگی کی نقاب کشا کتاب ہے۔ رومی و مثنوی پر فارسی و اردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بحر العلوم کی دقیق و بسیط اور مفید شرح سے لے کر ''الہام منظوم'' تک رومیات پر اچھا خاصہ کام ہو چکا ہے۔ تاہم عصر حاضر کو رومی سے روشناس کرانے کی

ضرورت[63] ہے۔

عصر حاضر کے سب سے بڑے حکیم شاعر اقبالؒ نے خوب کہا ہے۔

پیر رومی را رفیق راہ ساز تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

زانکہ رومی مغز را داند ز پوست پائے او محکم فتد در کوئے دوست

رومیات پر مثنوی معنوی کانپور ایڈیشن جسے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نوراللہ مرقدہٗ نے بڑے اہتمام سے شائع کروایا تھا۔ خاصہ کی چیز ہے۔ حسین طباعت کے ساتھ حواشی کی معنویت وخوبی "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کی مصداق ہے۔ شیخ اُلکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی کلید مثنوی فن کے لحاظ سے اردو میں شاہکار ہے۔ مفتاح العلوم بھی خوب ہے۔ تلمذ حسین کی مراۃ المثنوی مضامین مثنوی کا لاجواب آئینہ اور مصنف کی کاوش کا کامیاب نشان ہے۔ تلمذ حسین صاحب کی کتاب "صاحب المثنوی" "رومیات" میں اچھا اضافہ اور محققانہ کتاب ہے۔ شبلی کی سوانح مولانا روم کی افادیت ہنوز مسلمہ ہے۔ رومی کے علاوہ حافظ و سعدی، خسرو، عراقی وغیرہ کی غزلیات سنائی و عطار کا کلام حسن دہلوی و جامی وغیرہ کی نعتیں۔ ابوسعید ابوالخیر وخیام کی رباعیات اس کور ذوق کی تشنگی شوق کو مہمیز کرتی رہیں۔ شاہنامہ فردوسی، سکندرنامہ نظامی، گلشن راز شبستاری، قصائد خاقانی و قاآنی، قند فارسی کام ودہن کی شرینی کا سامان رہی۔

گہے شعر عراقی را بخوانم گہے جامی زند آتش بجانم

---

63 "فقیر کی ایک تقریر "رومی کا پیام عہدِ حاضر کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ جدید بے مقصد تعلیم میں عربی وفارسی کے غیاب کے بعد کاش! ہم نجی طور پر اپنے اس ملی ترانے سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

آج نیا زمانہ ہے نئے افکار ہیں۔ نئی اقدار ہیں۔ ہماری محفل دوشین کے چراغوں کے پروانے آج کہاں میّسر آتے ہیں نہ وہ دِل رہے نہ وہ دماغ نہ وہ طبعیتیں رہیں نہ وہ مزاج۔ آج کسے کہا جائے دِل کی بہار قلب کا سوز و گداز انہیں کی نواؤں سے تھا۔ نژادِ نو کو کون بتائے کہ عربی و فارسی کو کھو کر اور مغرب کو اپنا کر ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس ژولیدہ بیان کی ہرزہ سرائی بہت طویل ہو گئی۔ بہت کچھ کہا اور بہت کچھ کہنے سے رہ گیا۔ ''ناگفتنی'' گفتنی بن کر بھی ناگفتنی رہی۔ تاہم اختتام سے پیشتر شیخین ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہا اللہ تعالیٰ اور ابن جوزی کی کتابوں سے استفادہ کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہو گی۔ اپنی بے حاصل زندگی میں جو کچھ پڑھا لکھا یا سنا اس کا استقصاء مقصود نہیں۔ مدّعا یہ تھا کہ شاید یہ تحریر کسی خوش بخت کے لئے مفید علم و محرّک عمل بن جائے اور فقیر کے لئے دلالت علی الخیر کی بشارت نجات کا سبب بن سکے۔ ورنہ یہ تباہ تو عمر بھر کی ورق گردانی کے باوجود علمی اعتبار سے۔

''چوپایہ برو کتابے چند'' درحقیقت اسی کے رخ سے

ہمہ عمر باتو قدّح زدیم و نرفت رنج خمارما
چہ قیامتی کہ نمی رسی زکنار ما بکنار ما

کا مصداق ہے۔

باب۔3

سیاسی زندگی

ملک کے حالات

ہندوستان میں تحریک آزادی سیاسی طور پر شروع ہوچکی تھی۔ تمام ہندوستان میں اور خاص کر مسلمانانِ ہند میں آزادی کا جذبہ موجزن تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے مضامین کی الہلالی اُردو جو اپنی برنائی وروانی شان و شوکت اور تحدّیانہ اسلوب میں اپنی خاتم آپ تھی۔ اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ مولانا ظفر علی خان کے زمیندار کے اداریئے مسلمانوں کی شریفانہ اور غیر تمندانہ صحافت کے نقیب اور ادب کی ایک خاص صنف کے نمونے کے علاوہ مسلمانوں کے جذبہ حریت کو گرمانے والے تھے۔ وطن کی فضا حکیم شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کے نغموں سے پر شور تھی۔ مسلمانانِ ہند اُن کی شعلہ نوائیوں سے نئی زندگی پارہے تھے۔ بچے بچے کی زبان پر اُن کے اشعار روان تھے۔ خلافت تحریک نے پہلے سے ماحول کو گرما دیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر کے تحریرات دردناک و کرب انگیز مرثیوں سے زیادہ پُراثر اور وجد آفرین تھے۔ اُن کا ہر حرف اور نقطہ دِل میں اتر جانے والی نصیحت، درس عبرت اور جذبہ جنوں کو انگیخت کرنے والا تھا۔ محمد علی جوہر کے بارے میں یہ شعر ہر چھوٹے بڑے، بچے اور جوان کے زبان زدِ عام تھا۔

بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دینا

یہ حالات تھے جن میں مولانا صاحب نے شعور کی آنکھیں کھولیں۔ مولانا

صاحب فرماتے تھے کہ حالات سے طبیعت نے خوب اثر لیا۔ اِس قسم کی بانگِ درا کی متعدد نظمیں حافظہ میں مرتسم ہو گئیں اور کئی بار اشکبار کیا۔

مولانا صاحب نے 1940ء میں پچیس سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اکتوبر 1941ء میں والد صاحب وفات پا گئے۔ بقول مولانا صاحب والد صاحب کا خیال مجھے انجینئر بنانے کا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔

سیاست کے دہلیز پر قدم

1941ء سے لیکر 1947ء تک ایسا زمانہ ہے۔ جس میں مولانا صاحب نے کئی شروعات کی۔ اِس زمانہ میں اپنے محلے کے پیش امام و اُستاذ محترم سے دینی علوم کے حصول کے لئے درس کا سلسلہ شروع کیا جو تقریباً 12 سال کے عرصہ تک وقفہ وقفہ سے جاری رہا۔

اکتوبر 1943ء میں حضرت سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ کے ساتھ مکاتبت شروع ہوئی۔ جو بیعت اور راہ سلوک پر پڑنے کا سبب بنی۔ انہی دِنوں میں حضرت سید صاحب کے معارف کے مضامین و اداریوں سے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے واقفیت اور شناسائی ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ ان ہی دِنوں میں قوم کی خدمت کی بناء پر سیاست سے بھی لگاؤ پیدا ہوا۔ جیسے کہ حافظ قاری فیوض الرحمان صاحب کو 1972ء کے ایک انٹرویو میں خود فرمایا کہ 1941ء میں والد صاحب کی وفات کے بعد سیاست کے دہلیز پر قدم رکھا۔ اِس کا ذکر قاری صاحب نے ماہنامہ رشاد کے دسمبر 1972ء کے شمارہ میں مشاہیر علمائے سرحد کے تحتِ محمد اشرف خان صاحب ایم۔اے کے نام سے کیا ہے۔ اپنے ایک مکتوب مورخہ 19 فروری 1947ء میں اپنے شیخ حضرت

سید صاحب سے مخاطب ہو کر ارقام فرماتے ہیں۔

"اپنے میں ایک اور بُرائی پاتا ہوں۔ اگرچہ میرا مکار نفس مجھے وہ بھی بعض اوقات خوبی بنا کر دکھاتا ہے۔ تاہم حق یہ ہے کہ وہ برائی ہی ہے۔ مجھے اکثر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں لیڈر اور بڑا آدمی بنوں۔ اگرچہ یہ خواہش اپنے ساتھ یہ خیال لئے رکھتی ہے کہ لیڈر بن کر قوم کی دینی اصلاح کر سکوں۔ لیکن حضور ﷺ کی وعید سے خوف کھاتا ہوں کہ جس نے امیر بننے کی خواہش کی اس کا کام اسی کو سونپ دیا جائے گا۔ اس لئے اِس امارت اور لیڈر شپ کی خواہش کی میرے دِل سے نکل جانے کی دُعا کیجئے۔ اور لوجہ اللہ قوم کی خدمت کر سکنے اور امارت کے خیالات دِل سے نکالنے کا علاج بتایئے"۔ اِس پر حضرت شیخ نے فرمایا: "اِس خیال کو دِل سے دور کیجئے"۔

مسلم لیگ پشاور کا جنرل سیکرٹری اور پراونشل کونسل کا ممبر

مولانا صاحب اگرچہ سیاست میں تھے اور سیاست کر رہے تھے۔ لیکن اُن کی سیاست دوسرے سیاستدانوں کی طرح صرف کرسی یا اقتدار کے لئے نہ تھی۔ جیسا کہ لیڈر بننے کی خواہش کو دِل سے نکالنے کے لئے اپنے شیخ سے دُعا کے لئے اور تدبیر کے لئے فرما رہے ہیں۔ اِسی طرح 12 اکتوبر 1950ء کے ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔ "گذشتہ دو سال سے مروجہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی۔ پچھلے جمعہ کو بغیر اپنی خواہش و کوشش مسلم لیگ پشاور کا جنرل سیکرٹری اور پراونشل کونسل کا ممبر بنا دیا گیا ہوں۔ ابھی تک اس سلسلہ میں کوئی عملی قدم نہیں اُٹھایا۔ آئندہ کے لئے حیرانی اور کشمکش کی کیفیت ہے۔ فوائد و منافع کے دونوں پہلو سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فیصلہ پر پہنچادیں جن میں ان کی رضا اور دارین کی بہبودی منظور ہو"۔

اِس خط سے پتہ چلتا ہے کہ پچھلے دو سال 1948ء اور 1949ء کے تھے جن میں مولانا صاحب سیاست سے کنارہ کش رہے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ مسلم لیگ والوں نے باوجود کنارہ کشی کے اتنے اہم عہدوں پر اُن کو فائز کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اِن دو سالوں سے پہلے کے مولانا صاحب کی خدمات، فعالیت اور وابستگی اِس درجہ کی تھی جس کی بناء پر ان کو ایسے عہدوں پر لگایا گیا مگر پھر بھی مولانا صاحب اِس سے زیادہ شاداں و فرحان نہیں بلکہ اُن کو قبول کرنے میں تردد میں ہیں۔ اِس سے مولانا صاحب کی شہرت اور نام ونمود سے بیزاری کا پتہ لگتا ہے۔ ورنہ حضرت الشیخ نے بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قوت آپ کو عطا کریں۔ جب واقعہ ہوچکا تو مشورہ دینے کا موقع نہیں"۔ بہرحال مولانا صاحب نے ان عہدوں کو قبول کیا۔ جیسا کہ ایک سال بعد کے خط مورخہ 4 اکتوبر 1951ء سے ظاہر ہے۔

نفاذِ شریعت کا مطالبہ

اِس دوران مولانا صاحب مسلم لیگ کے جلسوں اور جلوسوں میں اپنے ساتھیوں اور عوام کو دین کی اہمیت اور ضرورت پر اُبھارتے رہے۔ ایک دفعہ مسلم لیگ کے ایک اہم اجلاس میں جو خواجہ ناظم الدین کے زیر صدارت اُن کے گھر میں ہورہا تھا۔ مولانا صاحب نے ان کو مخاطب ہوکر فرمایا کہ "پاکستان جس لاالٰہ الا اللّٰہ کی بنیاد پر بنا ہے۔ اُس کے مطابق قوم کے ذہنوں کو بنانا اور چلانا ہوگا۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کے مسلمانوں میں سوائے دین کے دوسرا کوئی رشتہ مشترک نہیں۔ جتنا یہ رشتہ مضبوط ہوگا۔ قوم ترقی کرے گی۔ ورنہ پھر دونوں حصوں کا اکٹھا رکھنا مشکل ہوجائیگا"۔ اس طرح کے ایک اجلاس میں جب مولانا صاحب نے شریعت کے

نفاذ کا مُطالبہ کیا تو اجلاس میں سے ایک ساتھی نے کہا کہ ریاست قلات کی حکومت آپ کو دے دیتے ہیں۔ آپ وہاں شریعت نافذ کر کے دکھلا دیں۔ اس طرح کے تمام اجلاس میں مولانا صاحب نمازوں کے اوقات و ادائیگی کا خود بھی اہتمام فرماتے اور دوسرے تمام ساتھیوں سے بھی کرواتے۔

مولانا صاحبؒ اور انتخابات

مولانا صاحب نے کبھی الیکشن نہیں لڑا۔ بلکہ ہمیشہ حب جاہ سے گریزاں رہے۔ بہر حال ایک دفعہ جب ساتھیوں، احباب و اعزا نے انتخاب لڑنے کے لئے بہت اصرار کیا تو مولانا صاحب نے آخری مشورہ کے لئے اپنے شیخ حضرت سید صاحب کو خط لکھا۔ دیکھتے ہیں کہ 4 اکتوبر 1951ء کے اس خط میں انہوں نے کیا لکھا۔ ”بندہ قاصر یہاں کی مسلم لیگ کا سیکرٹری ہے اور ہمارے صوبے میں اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں۔ حضرت والا کی خدمت میں عرض ہے کہ جب گذشتہ اسمبلی توڑی گئی۔ اُس وقت سے مسلم لیگ والے، رشتہ دار اور متعدد احباب اس چیز پر مصر تھے کہ میں پشاور کے ایک حلقہ سے انتخاب میں رکنیت کے لئے کھڑا ہو جاؤں۔ ان کا اغلب خیال ہے کہ ممکن ہے کہ میں بغیر مقابلہ کامیاب ہو جاؤں۔ میرے سامنے نفع و ضرر کے دونوں پہلو تھے۔ اور اِسے ایک بڑی آزمائش سمجھتے ہوئے میں ٹالتا رہا اور آخر کوئی چودہ دِن ہوئے کہ مقامی مسلم لیگی حلقوں سے میں نے صاف انکار کر دیا۔ پھر بھی وہ مصر رہے۔ لیکن گذشتہ چند دن سے میرے چند مخلص احباب جن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے اِس چیز پر دینی و دنیاوی منافع کی بناء پر از حد مجبور کر رہے تھے۔ میں نے دو دفعہ پہلے استخارہ کیا لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ دفعۃً کل ایک میرے مخلص بزرگ بغیر میرے

سوال کئے اِس کے لئے مجھے ابھارتے رہے۔ میں نے ہنوز اثبات میں جواب نہیں دیا اور نامزدگی کے لئے صرف اٹھ دس دِن رہ گئے۔ رات استخارہ میں حضرت والا کو فرماتے ہوئے دیکھا کہ "میں بھی مسلم لیگ میں اس لئے داخل ہو رہا ہوں کہ یہ حکومت مجھے مخالف نہ سمجھے۔ اگر میں اس میں شامل نہ ہوتا تو حکومت مجھ سے آئین وغیرہ کے متعلق کیوں پوچھتی۔ یہ سب حالات آپ کی خدمت میں آخری مشورہ کے لئے بھیج رہا ہوں۔ حضرۃ الشیخ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اپنی قوت وضعف کا ہے۔ اگر جاہ ومال کی طلب سے خالی ہو کر کرنے کی طاقت پائیں تو کھڑے ہوں۔ جلد ہی دوسرے خط مورخہ 31 نومبر 1951ء میں اِس چیز پر شکر کا اظہار کیا کہ ہماری سیاست والوں نے میرے بجائے ہمارے صدر صاحب کو ٹکٹ دے دیا۔ اور اللہ رب العزت کی دور رَس حکمت نے نہ معلوم کس آنے والی ابتلا سے اِس بندہ کو محفوظ کر دیا۔

جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سیاست اور مسلم لیگ میں مولانا صاحب کی شمولیت خاص دین کی سر فرازی کے لئے تھی۔ اِس کی مثال 26 اکتوبر 1952ء کے ایک خط سے صاف ظاہر ہے۔ مولانا صاحب اپنے شیخ و مربی حضرت سید صاحب کو رقم طراز ہیں: "پچھلے دِنوں ڈھاکہ مسلم لیگ کے اجلاس میں جانے کا اتفاق ہوا۔ قادیانی مسئلہ اِس دفعہ پیش نہیں ہوا۔ آئندہ اجلاس میں اغلباً ہوگا۔ لیکن قادیانی پوری طرح اپنے دفاع کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اپنی مدافعت کے لئے کتابچے اور دلائل تمام کونسلروں تک پہنچا چکے ہیں۔ ہمارے حضرات کی طرف سے کوئی مستند اور مدلل چیز ہمارے موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ تک نہیں پہنچی۔ میرے لکھنے کا مدعا یہ ہے کہ اگر مناسب ہو تو علماء کی طرف سے اِس کا مدلل جواب اور کفر و ایمان کی حد فاصل کیا ہے۔ مع مرزا قادیانی کی جملہ خرافات

کے نمونے اگلی میٹنگ سے پیشتر ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ جائیں"۔

مسلم لیگ کے لئے گراں قدر خدمات

شملہ میں مولانا صاحب کے والد کا مکان اور دُکان مال روڈ پر تھے۔ جہاں مولانا صاحب اپنے والد صاحب کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیاں گذارا کرتے تھے۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ تقسیم ہند سے پہلے اکثر سیاسی حضرات کا قیام ہمارے مکان پر ہوا کرتا تھا۔ ان میں خان عبدالغفار خان کا نام بطور خاص لیا کرتے تھے۔ جو کہ اپنائیگی کے لحاظ سے خاص کھانوں کے پکانے کا بھی فرمائش کیا کرتے تھے۔ یہی سے مولانا صاحب نے بعض سیاسی اکابرین مثلاً ابوالکلام آزاد اور بعض دوسرے حضرات کو خطوط لکھے۔ مولانا صاحب کے اپنے مسلم لیگی حضرات مثلاً خواجہ ناظم الدین، عبدالرب نشتر اور عبدالقیوم خان سے اچھے تعلقات تھے۔ پشاور مسلم لیگ کے تو وہ خود سیکرٹری رہے اور قائداعظم محمد علی جناح کے پشاور آمد کے موقع پر سپاسنامہ مولانا صاحب ہی نے پیش کیا تھا۔ الیکشن میں جب سردار عبدالرب نشتر مسلم لیگ کی طرف سے نامزد ممبر تھے اور عبدالقیوم خان بھی کھڑے ہوگئے۔ تو فرماتے ہیں کہ ہم نے قائداعظم سے عرض کیا تو فرمایا کہ دونوں ہماری دو آنکھیں ہیں۔ خان عبدالقیوم خان سے جب ارادہ ملتوی کرنے کا کہا تو کہنے لگے یہ تو میدان میں دو گھوڑے رَیس میں ہیں جو آگے نکل جائیگا وہ جیت جائیگا۔ اس الیکشن میں سردار عبدالرب نشتر نہ جیت سکے تو قائداعظم نے اُن کو مغربی پاکستان کا گورنر لگادیا۔ مولانا صاحب ایک لطیفہ بھی سناتے تھے کہ ایک دفعہ مسلم لیگ کی میٹنگ میں ایک مسلم لیگی لیڈر آئے اور فرمایا کہ مولانا! تمام رات قوم کی غم کی وجہ سے نہ سو سکا۔ میں نے کہا کہ پھر کیا کرنا چاہیئے تو کہنے لگے کہ الیکشن کے لئے کھڑا ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ مولانا صاحب مسلم لیگ کی خفیہ تنظیم میں بھی رہے۔ جس میں اور وارداتوں کے علاوہ اپنے مکان سے ایک خفیہ ریڈیو سٹیشن بھی چلاتے رہے۔ اور جب چھاپہ پڑا تو ایک بڑے ٹوکرے میں رکھ کر اوپر سبزیاں ڈالیں اور ہمشیرہ نے سر پر رکھ کر باہر نکال لیا۔ عرض یہ کہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ بانی پاکستان محمد علی جناح اور جناب لیاقت علی خان کے پشاور آمد کے موقع پر سپاسنامہ پیش کرنے کے علاوہ بانی پاکستان کو ہار بھی پہنائے اور ان دونوں بزرگ ہستیوں کے ساتھ مولانا صاحب کے فوٹو بھی اخبارات میں آئے۔ 1952ء میں خواجہ ناظم الدین کی طرف سے بی۔پی۔ سی رپورٹ پیش کرتے وقت آئین ساز ممبروں کے علاوہ ضلعی صدور اور سیکرٹریوں میں مولانا صاحب بھی موجود تھے۔ جس میں آئین میں دینی دفعات کے بارے میں سوالات مولانا صاحب نے ہی کئے تھے۔ جن کے جوابات جناب سردار عبدالرب نشتر صاحب نے خواجہ صاحب کی طرف سے دیئے تھے۔ اِسی رپورٹ پر پاکستان کے ممتاز 22 علمائے کرام نے مشترکہ طور پر اپنی سفارشات پیش کی تھیں۔

ذاتی فوائد اُٹھانے سے اجتناب

پاکستان بننے کے بعد مولانا صاحب کو مسلم لیگ کی طرف سے متروکہ املاک کا کسٹوڈین بنایا گیا یعنی ہندوؤں اور سکھوں کے چھوڑے ہوئے جائیدادوں کے تمام اختیارات اور کلیموں کی تصدیق اور قیمت وغیرہ کے جملہ حقوق اُن کے پاس تھے۔ لیکن چند دِنوں کے بعد چھوڑ گئے کہ ناجائز کام کرنے پڑتے ہیں۔ حالانکہ بعد میں اپنے حق کا متروکہ جائیداد میں سے اپنا حصہ وصول کرنے کے لئے بڑے جتن کرنے پڑے۔ اپنے پرائیوں کی ایذائیں اُٹھائیں۔ مقدموں اور عدالتوں میں رُلنا پڑا اور جب قانونی طور پر مِل

بھی گئیں تو پھر قابضین چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ کہیں تیس سال بعد قبضہ چھڑوایا۔ اس کے علاوہ بھی بہت نقصان اٹھائے اور بہت دھوکے دیئے گئے۔ پشاور صدر کے مین روڈ پر جو حصہ ملا وہ پارٹنر نے اگلا حصہ جو کمرشل تھا خود لیا اور پچھلا حصہ مولانا صاحب کے حوالہ کیا۔ مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہتا تو کسٹوڈین رہ کر آدھا صدر اپنے نام کر سکتا تھا۔ لیکن دیانت اور خدا خوفی کی بناء پر عہدہ ہی چھوڑ دیا۔

صدق جدید لکھنؤ کے 6 جون 1958ء کے شمارہ میں اپنے متروکہ جائیداد کے حصول کے بارے میں مولانا صاحب نے اپنی مشکلات و تکلیفات کا رونا رویا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اپنی متروکہ جائیداد کے کلیم کی تاریخ کے سلسلہ میں لاہور گیا ہوا تھا۔ عید بھی وہیں گذاری۔ کوئی سولہ دِن بعد واپسی ہوئی۔ عدلیہ کا نام تو بہت سنتا رہا۔ لیکن اپنا تو کلیم کے بارے میں انتہائی تلخ تجربہ ہوا۔ صرف اِس جرم پر کہ احتیاط و دیانت کی بناء پر انتہائی کلیم داخل کیا تھا (جو حکومت کے موجودہ فارمولے سے بھی کم آتا ہے)۔ تقریباً نصف کے قریب رقم سے محروم کر دیئے گئے۔ عام حالات میں جنہوں نے دگنے اور چوگنے کلیم داخل کئے وہ العیاذ باللہ ظاہری فائدے میں رہے۔ گو فیصلہ طبیعت کے خلاف ہوا۔ جس کا طبعی رنج بھی پہنچا۔ تاہم بحمد اللہ قلب مطمئن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ و مبالغہ سے حفاظت فرمائی۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔ رشوت و ناجائز ذرائع سے بچ نکلنا مشکل ہو گیا ہے۔ نہ معلوم آزادی کے عوض ان دَس سالوں میں معاشرہ اخلاقی گراوٹ کی کتنی خطرناک منازل طے کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اسلامی اخلاق و کردار تو رخصت ہو رہا تھا۔ اب تو ہم اپنے ورثہ قومی سے بھی محروم ہوتے جاتے ہیں۔ معمولی دیانت و ایمانداری کے اِس فقدان کا رونا پاکستان میں بھی ہے اور ہندوستان

میں بھی۔ پاکستان میں اسلامی قدروں کی یہ موت اور زیادہ ماتم انگیز ہے کہ بہر حال یہ ملک ایک اسلامی حکومت ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔

سیاست سے چھٹکارا

حضرت سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ کا تعلق اور تبلیغی انہماک نے اپنا اثر دکھایا اور رفتہ رفتہ مولانا صاحب کا دِل سیاست سے اُچاٹ ہونے لگا۔ فرماتے تھے کہ سیاسی مشغولیت کی بناء پر اکثر سید صاحب کی مجلس میں بھی سیاسی باتیں شروع کر دیتا تھا۔ اسی پر اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے 30 جولائی 1953ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''حضرتِ والا کی مجلس و صحبت کے اداب کی بھی رعایت نہیں ہوسکتی۔ گستاخیوں کی معافی چاہتا ہوں۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ خاموش و مؤدب بیٹھوں۔ لیکن شرارت نفس سے مجبور ہو کر ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتا ہوں۔ جس کا بعد میں احساس بھی ہوتا ہے۔ عفو و درگذر کا طالب ہوں''۔ سیاست کے مضمرات اور سیاست کے بارے میں حضرت سید صاحب کے ارشادات کا مولانا صاحب نے اپنے مقالہ سیاست و تعمیر ملت مطبوعہ بنیات کراچی ذی الحجہ 1392ھ میں بہت دلچسپ انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ بندہ کی ایک سیاسی ناکامی پر ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا'' اور ایک دوسرے موقع پر ایک صاحب سے میری اس ناکامی کا تذکرہ کر کے فرمایا۔ ''سیاست کا کچھ تجربہ اُنہیں ہوا ہے۔ اب سمجھتے ہیں کہ یہ کونین کی کڑوی گولی ہے''۔ اور اُس کے متعلق مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا۔ ''الخیر فی ماوقع۔ بہر حال آپ کو سیاست کا تھوڑا سا تجربہ ہو گیا''۔ اپنے زمانے کے سیاسی انہماک کی وجہ سے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو سیاسی باتیں اکثر چھیڑ دیتا ایک مرتبہ

ندامت کے طور پر عرض کیا۔ حضرت آپ کی مجلس کے آداب بجا نہیں لاتا، اور سیاسی بکواس شروع کر دیتا ہوں۔ فرمایا: ''کیا حرج ہے۔ انسان وہی اگلتا ہے جو اندر ہوتا ہے۔ اچھا ہے قے ہو جائیگی''۔ خدا کی شان حضرت کے اس ارشاد کے بعد روز بروز سیاسی جھمیلوں سے بیزاری اور عملی سیاست سے کنارہ کشی کا میلان بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ تعلیمی خدمت میں مشغول ہو کر رہ گیا۔ جب حضرت والا کو اس کی اطلاع دی گئی تو ارشاد فرمایا''جماعتی کاموں میں اتنی کثیف گندگی ہے کہ اس کا ازالہ ہم ضعفا سے ممکن نہیں، تاہم حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر دَم تک سیاست چھوڑنے کا حکم نہیں دیا بلکہ میری آخری حاضری کے دنوں میں ایک مرتبہ جب سیاسی خرابیوں کا تذکرہ چھڑا اور ایک دوسرے صاحب نے بندہ سے کہا۔ آپ اس گندی سیاست کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ تو حضرت والا نے اس موقع پر فرمایا۔ ''یہ معاملہ ہر ایک کی اپنی قوت وضعف اور نیت کا ہے''۔ ایک مرتبہ بندہ نے تحریر کیا کہ ''موجودہ سیاست کے ساتھ چلنا اور اُنہیں صحیح بنیادوں پر اٹھانا نہایت ہی دشوار ہے۔ قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماویں''۔ اِس کے جواب میں فرمایا۔ ''تو پاک باش از کسی باک ندار''۔ سیاست میں مولانا صاحب کا مسلک وہی تھا۔ جو حضرت سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کا تھا۔ انہوں نے سیاست کو یکسر ''شجر ممنوعہ'' قرار نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا کہ یہ سیاست میں شرکت یا عدم شرکت ہر ایک کی اپنی قوت وضعف اور نیت پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مواقع خیر میں اعانت، احقاق حق اور ابطال باطل اور خدمت دین وملت کی قوت وہمت پاتا ہو تو گنجائش ہے اور اگر یہ ہمت وعزیمت نہ ہو تو عملی سیاست سے کنارہ کشی ہی قرین صواب ہے۔ اپنے دائرہ میں خدمتِ دین اور تعمیر ملت کے کاموں میں کمی نہ کرے۔

دین کے بارے میں جرأت وبے باکی

پاکستان بننے کے بعد جب بھی حکومتی سطح پر لفظاً یا عملاً دین کے خلاف کچھ دیکھتے تو انتہائی رنجیدہ ہو جاتے اور تدارک کے لئے سعی فرماتے۔ صدق جدید لکھنؤ کے 12 مئی 1960ء کے شمارہ میں گورنر مغربی پاکستان جناب اختر حسین صاحب اور گورنر مشرقی پاکستان جناب ذاکر حسین صاحب کی تقاریر کو "الحذر از جعفر ان ایں زماں" کے عنوان سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ جب گورنر مغربی پاکستان نے اپنے فروری 1960ء کی تقریر میں فرمایا کہ مسلمانوں نے اپنی پوری تاریخ میں ثقافت اور اس کے مختلف مظاہر کی جس میں فنون لطیفہ، تعمیرات مصوری اور موسیقی شامل ہیں۔ پوری پوری سرپرستی کی ہے۔ حکومت پاکستان کو مسلمانوں کے اس تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کی قدر وقیمت کا اچھی طرح احساس ہے۔ اور ان سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے لئے مختلف اداروں کو 18 لاکھ روپے کی مالی امداد دی ہے۔ اسی طرح گورنر مشرقی پاکستان نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ پاک وہند کے مسلمان موسیقی میں عظیم الشان روایات کے حامل ہیں۔ خصوصاً مغل بادشاہوں نے کلاسیکی موسیقی کی سرپرستی کرکے اس کی ترقی اور ترویج واشاعت میں جو عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ موسیقی کا ذوق لوگوں میں پھر سے بیدار ہو رہا ہے"۔

اِس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ ہزارہا مسلمان فرمان رواؤں، رئیسوں، نوابوں میں عیاشی وعشرت نواز تو بے شک ایک سے بڑھ کر ایک پیدا ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ ہمت ان کی نہ پڑی تھی کہ سر دربار، رنڈیوں، بھڑوؤں کی تعظیم و تکریم کرتے اور اُن کے پیشوں کو اسلامی علوم وفنون کہہ کر پیش کرتے۔ اور 8 جولائی

1960ء کے صدق جدید کے شمارہ میں مزید کس درد وافسوس سے کہتے ہیں۔ "ہائے کسے معلوم تھا کہ جس سرزمین نے لیاقت علی خان مرحوم کے الفاظ میں اسلامی زندگی کے اقدار واعمال کی دورِ جدید میں عملی تجربہ گاہ بننا تھا۔ اُس جنت کو عملاً فواحش ومنکرات کا اڈہ بنانے کی کوشش کی جائیگی۔ ایک سیلاب ہے جو رکتا دکھائی نہیں دیتا۔ بندہ سمجھتا ہے کہ معاشرہ کو تعیشات وطاؤس ورباب کا جان بوجھ کر اِس لئے دلدادہ کیا جارہا ہے۔ کہ فسق کی بدمستیاں دین کے نفاذ کے زبانی مطالبہ سے بھی دستبردار کردیں اور اس طرح دین کی حدود کی پابندی سے اباحتی طبیعتیں بزعم خود ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائیں۔ یہی وہ سمت ہے جس کی طرف تمام متجددین یا جعفران زمانہ کی کوششوں کا رُخ تھوڑے تھوڑے فروعی تفاوت کے ساتھ مرکوز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فتنہ سامانیوں سے ملت کی حفاظت فرمائے"۔

حضرت مولانا محمد اشرفؒ نے فرمایا کہ پیری مریدی صحبت نبوت کا سلسلہ ہے۔ انتقال نسبت ایمان کی وہ کرن ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی۔ اور ہوتے ہوتے ہمارے دور تک پہنچی۔ جس طرح قرآن وحدیث ہم تک پہنچی۔ اسی طرح تزکیہ کا فریضہ بھی پہنچا۔ تزکیہ کے حصول کے لئے بیعت کا سلسلہ ہے۔

باب۔4

تبلیغی سرگرمیاں

ابتداً

مولانا صاحب 1940ء میں میٹرک کے امتحان کے بعد ہمہ تن دینی تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے اور فقہ تفسیر احادیث و دوسرے کتب اپنے استاد مولانا نورالاعظم باجوڑی سے لفظاً وسبقاً پڑھنے شروع کر دیئے۔ کئی سالوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ سال 1945ء میں پرائیویٹ طور پر بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا۔ اس لئے اردو و فارسی ادب، فلسفہ تاریخ، فقہ، تفاسیر اور سیرت کی کتابون کے ڈھیر کے ڈھیر پڑھ چکے تھے۔ شبلی کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور الفاروق والدہ محترمہ کے کتب خانہ میں پڑھی۔ حدیث ناگفتنی میں مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اول و دوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا تھا۔ شبلی کی سیرت النبی نے سیرت سے شغف بخشا اور جب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جلد چہارم) کی صفات الٰہیہ کی بحث پر پہنچا تو قلب و دماغ شدت تاثیر سے دگر گوں تھے۔ اور اس کا اثر تھا کہ آخر ش سیرت نگار نبوی جانشین شبلی اپنے شیخ قیم و مربی اول حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندویؒ کو غائبانہ اپنا دل دے بیٹھا۔ فرماتے ہیں کہ 1943ء سے 1953ء تک فقیر جہاں بھی رہا۔ دِل سید صاحب کے پاس تھا اُن کی ہر تحریر و ہر سطر فقیر کے لئے سرمہ بینش، مایہ تسکین، مہمیز عمل اور روشنی کا مینار تھا۔

علم و عمل کی بلندیوں کا دائرہ سید صاحب کی ذات بن گئی۔ اگست 1943ء کے

معارف میں حضرت اشرف علی تھانویؒ کے ارتحال پر سید صاحب کے مضمون نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اُس کے بعد معارف کے ستمبر 1943ء کے شمارے میں حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے سفر لکھنؤ وکان پور کے حالات کلک سلیمان نے اس کی تاثیر میں ڈوب کر لکھے تھے کہ ہر بات اپنا اثر دکھاتی گئی اور مولانا صاحب نے اس سے پورا پورا اثر لے لیا۔ جیسے خود فرماتے ہیں۔ نتیجتاً زندگی اُن کی تحریک کی گرد بن کر رہ گئی۔

ادھر کہتا گیا وہ اور اِدھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کسی دعویٰ باطل میں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ و شغف نے حضرت مولانا شبلی سے متعارف کر دیا اور شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندوی کی بارگاہ تک رسائی کا سبب بنے۔ اور سید سلیمان ندویؒ کی پر تاثیر شخصیت و تحریر ہی تبلیغ کے ساتھ اُنسیت اور آخر کار عملی طور پر مشغولیت کی سبب بنی۔

سید صاحبؒ کی مولانا محمد الیاسؒ سے پہلی ملاقات

مولانا صاحب پر دعوۃ و تبلیغ کے اثرات بہت گہرے تھے۔ اس کی وجہ مولانا صاحب کے اپنے فطری جذب کے علاوہ اُن کے دونوں شیوخ حضرت سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبد العزیز دعاجوؒ تھے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاسؒ کی زندگی ہی میں تبلیغی کام سے منسلک ہو کر بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ وہ مولانا الیاسؒ سے اپنی پہلی ملاقات و تاثر کا قصہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

”مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت مولانا الیاسؒ اور اُن کے ساتھیوں

کو لکھنؤ اور ندوہ میں قیام کرنے کی دعوت دی۔ خاکسار تھانہ بھون میں تھا کہ مولانا کی آمد کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ واپس دہلی کے لئے سٹیشن روانہ ہوگئے۔ مجھے بھی دہلی جانا تھا اور اس گاڑی سے مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ سٹیشن آیا۔ دیکھا کہ ایک دبلے پتلے نحیف سے میانہ قد، بڑی داڑھی کچھ کچی اور کچھ پکی، ہاتھ میں چھڑی، سر پر عمامہ، مگر وہ کبھی سر سے اترا اور کبھی سر پر رکھا ہوا، اسی جسم پر لمبے کُرتے کے اوپر ایک عباسا، مگر وہ بھی کبھی دربر (یعنی پہنا ہوا) اور کبھی باہر، ایک کمبل بچھائے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہیں۔ وہ اور مولانا ظفر احمد صاحب تو مدت کے رفیق اور ایک دوسرے کے محب دوست تھے۔ مولانا نے فوراً اپنی تبلیغ کی تقریر شروع کر دی۔ اور ان کو اپنے طریق دعوت کی توضیح بھی بیان فرماتے رہے۔ اور وہ مجھ سے بالکل ناآشنا تھے۔ اور میں اُن کے نام اور کام سے آشنا، مگر اُن کے حقیقت سے ناآشنا تھا۔ میں ان کی باتوں کو چپ کر سنتا رہا۔ آخر میں یہ عرض کی کہ حضرت! ایسے لوگوں کو جو صرف دو چار دِن آپ کی صحبت میں رہے۔ اُن کو تزکیہ اور تصفیہ کے بغیر مبلغ بنا کر بھیجنا کیونکر مفید ہو گا۔ فرمایا مکتوبات مجدد الف ثانی پڑھئے، معلوم ہو جائے گا۔ عرض کی اُن کو پڑھا ہے۔ مگر اُن سے تو اِس مشکل کا حل معلوم نہ ہوا۔ شاید مولانا کو کچھ اچنبھا سا ہوا۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے میرا نام لیا، تو خوشی سے اُچھل پڑے، کھڑے ہو گئے۔ سینہ سے لگایا اور مجبور کیا کہ انہی کے ساتھ انہی کے ڈبہ میں سیکنڈ کلاس میں سفر کروں۔ میرا ٹکٹ بدلوایا اور اُس وقت سے لیکر کاندھلہ تک برابر ڈیڑھ دو گھنٹہ بڑے جوش و خروش سے کلام فرماتے رہے، اُن کے زبان میں لکنت تھی، تقریر پر قادر نہ تھے۔ تقریر بھی الجھی ہوئی ہوتی تھی۔ مگر جوش و خروش کا سمندر اُن

موانع کے سارے خس و خاشاک کو بہالے جاتا تھا۔ حضرت مولانا نے اِس اثنا میں جو کچھ فرمایا۔ میں نے اپنی استعداد کے مطابق اُس کو پوری طرح سمجھ لیا۔ اتنے میں کاندھلہ آیا اور وہ اتر گئے۔ مگر مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ کل رات کو دہلی میں پھاٹک حبش خان میں اُن کا تبلیغی جلسہ ہے۔ اُس میں شرکت کروں چنانچہ شریک بھی ہوا اور تقریر بھی کی اور مولانا نے اِس کی تصدیق و تصویب بھی فرمائی۔ مولانا کا طریق دعوت بالکل سادہ تھا۔ خود سادہ تھے، سراپا اخلاص تھے۔ سراپا درد تھے۔ اُن کی جماعت والے اسی طرح سادہ تکلف سے بری، شب زندہ دار، تہجد گذار، پچھلے پہر سے ذکر و فکر میں مصروف، صبح کی نماز پڑھکر اپنے کام کے لئے مستعد اور تیار رہتے ہیں"۔

دوسرے اجتماعات اور کارروائیوں کے علاوہ سید صاحب نے فیصل آباد اور پشاور کے بڑے اجتماعات میں شرکت کی۔ ان اجتماعات میں مولانا صاحب بطور خادم ساتھ ہوا کرتے تھے۔ مولانا صاحب ان اجتماعات میں سید صاحب کے ساتھ رفاقت کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ سید صاحبؒ فیصل آباد کے اجتماع میں بیمار تھے۔ طبیعت مضمحل تھی۔ مولانا صاحب نے جب عرض کی کہ باہر تھوڑی دیر کے لئے چلیں تو فرمایا۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن در آ

توز غنچہ کم نہ دمیدہ ای درِ دل کشا بہ چمن در آ

اِس طرح 21 اپریل 1951ء پشاور کے تبلیغی اجتماع میں جب مولانا صاحب نے پوچھا کہ حضرت کوئی ضرورت ہے تو فرمایا کہ ہاں نجات کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحبؒ اور دعوۃ و تبلیغ

مولانا صاحب کے دوسرے شیخ و مربی حضرت شاہ عبد العزیز دعاجوؒ کا بھی تبلیغ

سے گہرا تعلق و شغف تھا۔ شاہ صاحب دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں پر پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ موجودہ تبلیغی تحریک کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بستی نظام الدین دہلی سے ہی اُٹھائی۔ شاہ صاحب جوانی ہی سے ایک متبحر عالم ہونے کے ناطے ایک ہر دلعزیز واعظ تھے۔ حضرت شاہ محمد یٰس نگینوی نے مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریاؒ کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب کو تمام سلاسل میں خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب کی ابتدا سے تبلیغ کے ساتھ شناسائی اور تبلیغ کے اکابرین کے ساتھ مراسم تھے۔ خلافت ملنے کے بعد شاہ صاحب عالی ہمتی کے ساتھ اصلاح و ارشاد میں ہمہ تن مشغول ہوئے بیرونی ممالک کے علاوہ آپ نے ہندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں انگنت تبلیغی سفر فرمائے۔ حضرت جی مولانا محمد الیاسؒ حضرت شاہ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ میوات آتے جاتے تھوڑی دیر کے لئے حضرت شاہ صاحب کے مکان پر تشریف لے جاتے اور گھر والوں کی خیریت دریافت فرماتے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی جان و مال سب کچھ تبلیغ دین کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ آپ کے شب و روز اِسی فکر اور جدوجہد میں گذرتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ بندگان خدا کو اس کارِ نبوت (تبلیغ) میں کیسے شریک کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ 1948ء میں پاکستان تشریف لے آئے۔ زیادہ تر قیام کراچی اور ٹنڈوآدم میں رہا۔ حضرت شاہ صاحب اُس وقت رائے ونڈ کے مقیمین میں سے تھے۔ جب یہاں پر کوئی مکان یا آبادی نہ تھی اور شاہ صاحب ایک چھپر والے جھونپڑے میں رہائش پذیر تھے۔ پاکستان میں تبلیغی تحریک میں شاہ صاحب کا کیا عمل دَخل تھا اور کیا اثرات تھے۔ اِس کا اندازہ اُن کے خلفاء سے لگایا جاسکتا ہے۔ تبلیغ کے بہت بڑے بڑے اکابرین حضرت شاہ صاحب کے

خلفاء میں سے تھے مثلاً مولانا سعید احمد خان صاحب جنہوں نے تبلیغ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی اور مدینہ منورہ ہجرت کرکے وہاں کی مصیبتیں جھیلیں اور تبلیغ کی بنیاد رکھی۔ مدینہ منورہ میں مسجد نور اور مکہ مکرمہ میں مسجد الحفائیر اُن کی یادگار ہیں۔ تمام عمر خود تکلیفیں برداشت کرکے زائرین و معتمرین کو سہولت پہنچانا اُن کا مشن رہا۔ اور دُنیا کے تمام ممالک کے وفود سے مل کر تبلیغ کے کام کو روشناس کراتے رہے۔ وفات پاکر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ دوسرے مفتی زین العابدین صاحب خطیب جامع مسجد لائل پور (فیصل آباد) تبلیغ کے مجلس شوریٰ کے اہم رکن، تبلیغی پالیسیوں پر اثرانداز اور بڑے بڑے اجتماعات میں بیان کرنے والے اور تیسرے مولانا ظاہر شاہ صاحب جنہوں نے تبلیغ کے لئے زندگی وقف کردی۔ تمام عمر اندرون و بیرونی سفروں میں مشغول رہے۔ رائے ونڈ میں مستقل قیام تھا۔ اور چوتھے ہمارے مولانا محمد اشرف خان صاحب۔۔ مولانا صاحب نے ابتدائی چلے 1948ء، 1949ء میں شاہ صاحب کے ساتھ بلوچستان میں گذارے۔ اس طرح ٹنڈو آدم کے اجتماع میں مولانا صاحب کی وصولی سے خوش ہوکر خلافت و اجازت عطا فرمائی۔ کراچی کے قیام کے دوران مولانا صاحبؒ ہمیشہ ملتے رہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سارے خلفاء ہیں۔ جن میں مولانا عبدالواحد صاحب گجرانوالہ کے جامع مسجد کے خطیب شاہ صاحبؒ کے خلیفہ، رائے ونڈ کے ابتدائی لوگوں میں سے تھے۔ گجرانوالہ کے تبلیغی کام کے ذمہ دار اور اجتماعات میں بیانات کرنے والے تھے۔

تبلیغ میں ابتدائی شرکت

1945ء میں پشاور میں پہلی تبلیغی جماعت نظام الدین دہلی سے آئی تھی۔ جس

میں مولانا محمد الیاسؒ کے خلیفہ قاری داؤد صاحب اور کئی دوسرے اکابر تھے۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب نے چونکہ ان دنوں B.A کیا تھا اور حکومت انگریز کی نوکری نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے فارغ تھے اور تبلیغی کام میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں تبلیغی کام کا اتنا غلبہ ہوتا تھا کہ کئی کئی دنوں تک گھر آنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ والدہ صاحبہ مجھے کہتی تھی کہ تیری ٹانگوں میں لوہے کے سلاخ ہیں کہ یہ تھکتی نہیں۔

1948ء میں غالباً تبلیغی کام کے سلسلہ میں پہلا چلّہ قلات (بلوچستان) کے علاقہ میں لگا۔ 1949ء میں دوسرا چلّہ لگایا۔ اسی طرح ان دنوں ہزارہ، صوابی، لکی مروت وغیرہ کے کئی تبلیغی دورے کئے۔ قلات کے چلّوں کے دوران حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دعاجو بھی جماعت میں ساتھ ہوتے تھے جو بعد میں حضرت سید سلیمان ندویؒ کی رحلت کے بعد حضرت مولاناؒ کے شیخ ہوئے۔

مولانا صاحب کے پیر بھائی جناب غلام محمد صاحب مولانا صاحب کے اس جذبے وشغف کا تذکرہ یوں کرتے ہیں: ”برادرِ ممدوح کی طبیعت میں جذب کا اثر فطری ہے۔ نسبت سلیمانی کی قوت کو لئے ہوئے تبلیغی کام میں جب داخل ہوئے تو پاؤں کی کمزوری کے باوجود اچھے اچھے تیز رفتاروں کو پیچھے کر گئے۔ پاک وہند سے باہر جرمنی تک تبلیغی وفود میں شامل بلکہ ان کی روح رواں بنے رہے۔ بڑے بڑے تبلیغی چلے کھینچے اور آج وہ اس جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں“۔ باوجود انتہائی معذوری کے باقاعدہ پشاور شہر کے تبلیغی مرکز میں ہر شب جمعہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اپنی ذاتی موٹر وغیرہ نہیں تھی جس کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو ”بے کار“ ہیں۔ اسی طرح معذوری کی

وجہ سے چونکہ خادم اٹھواتے اور بٹھاتے تھے تو اس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ ہم تو قادر بالغیر ہیں۔ شب جمعہ کے لئے جب پشاور جانا ہوتا تھا تو سائیکل کے کیریر پر پیچھے بٹھا کر اسلامیہ کالج کے بس سٹاپ تک پہنچاتے تھے۔ وہاں سے ڈبل ڈیکر بس میں سوار کرا کر لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے سٹاپ پر اتر جاتے تھے۔ اور پھر وہاں سے رکشہ پکڑ کر گور گٹھڑی تحصیل کے متصل تبلیغی مرکز مسجد خواجہ مَعروف چلے جاتے تھے۔ اکثر شب جمعہ کا بیان 2-3 گھنٹے کا آپ کا ہوتا تھا۔ کبھی وہاں پر رات گزار کر صبح بذریعہ رکشہ واپسی ہو جاتی تھی اور کبھی رات کو بیان اور تشکیل کر کے رکشہ یا کسی پشاور شہر کے دوست کی گاڑی سے واپسی ہو جاتی تھی۔ باوجود انتہائی ضعف کے سالوں تک رائے ونڈ ہر ماہ کے مشورہ میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔ جس کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پشاور سے ڈائرکٹ لاہور کی بس میں جو عموماً GTS ہوتی تھی۔ ایک دو ساتھیوں کے ہمراہ شام کو سوار ہو جاتے تھے۔ لاہور کے GTS اڈہ پر لاہور کے بھائی نسیم اختر شیخ XEN اپنی گاڑی میں رائے ونڈ پہنچا لیتے تھے۔ واپسی پر بھی بھائی نسیم صاحب اڈہ تک لے آتے تھے۔ اور پھر بس سے پشاور واپسی ہو جاتی تھی۔ ضیاء الحق مرحوم کے ابتدائی دور حکومت میں ایک دفعہ رائے ونڈ سے واپسی پر نوشہرہ کے قریب فجر کا وقت ہو گیا۔ ڈرائیور نے بس نماز کے لئے کھڑی نہیں کی۔ جس کی شکایت مولانا صاحب نے ضیاء الحق مرحوم سے کی، اور اس کے بعد بس ڈرائیوروں کے لئے نماز کے لئے گاڑی کھڑی کرنا لازمی قرار دی گئی۔

رائے ونڈ مرکز میں معمولات

ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں رائے ونڈ میں تبلیغی چلّہ پر جایا کرتے تھے۔ اس سفر میں ایک چلّہ یا ایک مہینہ رائے ونڈ میں گذارتے تھے اور 10 یا 20 دن کے لئے

ہر سال بغیر ناغہ کے کراچی جانا ہوتا تھا۔ اس سفر میں ہمیشہ مولانا صاحب کے علاوہ تین چار ساتھی مزید ہوتے تھے۔ پشاور سے بذریعہ عوامی ایکسپریس ٹرین کے تھرڈ کلاس میں سفر ہوتا تھا۔ رائے ونڈ میں زیادہ وقت مرکز ہی میں گزرتا تھا۔ قیام ہمیشہ مولانا ظاہر شاہ صاحب مرحوم کے کمرہ میں ہوتا تھا۔ انتہائی گرمی کی وجہ سے اور مکھیوں کے بھرمار کی وجہ سے دن کو ایک منٹ کے لئے بھی سونا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ دوپہر میں گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کے مل جاتے تھے تو چونکہ ان دنوں رائے ونڈ میں پنکھے نہیں تھے تو پسینہ سے شرابور ہوجاتے تھے۔ اور مکھیاں بھی لاجواب تھیں۔ رات کو بھی بہت دیر سے سونا نصیب ہوتا تھا کیونکہ رائے ونڈ کا پروگرام رات گئے تک چلتا تھا اور حضرت مولانا صاحب ہر پروگرام میں شرکت کرتے تھے۔ سونے سے پہلے پیشاب وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے۔ چونکہ ایک غسل خانہ تھا اور ساتھی زیادہ ہوتے تھے۔ جس کے لئے حضرت مولانا کو کافی انتظار کرنا پڑتا تھا۔ بہرحال رات بہت گئے تک سونے کی نوبت آتی۔ لیکن باوجود تھکاوٹ اور معذوری کے بلاناغہ، تہجد کے لئے بیدار ہوجاتے تھے۔

تبلیغی چلّوں میں تشکیل

رائے ونڈ کے چلّہ کے دوران اکثر آپ کو پنجاب میں تبلیغی اجتماعات میں بھیجتے تھے۔ پیر محل، احمد پور شرقیہ، ملتان، چیچہ وطنی للیانی وغیرہ کے اجتماعات یاد ہیں۔ جن میں حضرت مولانا صاحب تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں پر آپ کے بیانات ہوگئے تھے۔ 1968ء کے چلّہ میں باقاعدہ دو دفعہ 15-15 یوم کی باہر کی تشکیل بھی ہوگئی تھی۔ ایک تشکیل نندی پور، ڈسکہ، سمبڑیال اور سیالکوٹ کی ہوئی تھی۔ امیر جماعت آپ ہوا کرتے تھے۔ رائے ونڈ مرکز سے سڑک تک بذریعہ

تانگہ آئے وہاں سے بذریعہ بس گجرانوالہ شام پہنچے۔ رات گجرانوالہ کے تبلیغی مرکز میں گذاری اور دوسرے دن نندی پور جو گجرانوالہ سے غالباً دس میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ وہاں گئے دو تین دن وہاں کام کیا۔ پھر وہاں سے ڈسکہ گئے۔ ڈسکہ میں بھی تین چار دن کام کیا۔ شام کا بیان اکثر حضرت مولانا صاحب کا ہوا کرتا تھا۔ جماعت میں شیر حسن کے علاوہ یونیورسٹی سے حاجی محمد یوسف صاحب جو آج کل مانسہرہ کے گورنمنٹ کالج میں پرنسپل ہیں اور انجینئر ڈاکٹر شاہ ولی خان صاحب مقیم حال امریکہ (اس وقت انجینئرنگ کالج پشاور میں پروفیسر تھے، ہمراہ تھے)۔ ڈسکہ سے سمبڑیال گئے۔ وہاں بھی بحمد اللہ خوب جم کر کام کیا اور وہاں سے پھر سیالکوٹ شہر گئے۔ سیالکوٹ کے مقامی حضرات نے تشکیل بریلوی حضرات کے جامع مسجد میں کی۔ مسجد کے امام صاحب اور وہاں کے دیگر ذمہ داران نے بہت کوشش کی کہ جماعت کو مسجد میں نہ ٹھہرنے دیں۔ لیکن بحمد اللہ جماعت والے ساتھی بھی جم گئے تھے۔ عصر کی نماز باجماعت سے جب فارغ ہوئے تو امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ ایسے مرتد آئے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہماری نماز فاسد ہوگئی۔ خیر جب جماعت والے مسجد سے نہیں نکلے تو شام کی نماز سے پہلے امام صاحب نے بہت سے طلباء اور کچھ بریلوی علماء حضرات کو جمع کیا اور ساتھ مناظرہ کی غرض سے بہت سی کتابیں بھی لائے۔ مولانا صاحبؒ نے مغرب کے بعد بہت پر درد بیان کیا۔ چونکہ دن کے وقت بریلوی حضرات کے سلوک سے بہت پریشان اور تنگ ہو چکے تھے۔ اس لئے خوب زور سے بیان کیا اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی دین کے لئے قربانیوں اور مشقتوں اور تکالیف کو خوب کھولا۔ حضرت مولانا صاحب کا بیان بھی ماشاء اللہ بیان ہوتا تھا اور پھر جب حضور

ﷺ کے مناقب اور حالات کا بیان ہوتا تھا تو اس میں تو کلیجہ کو باہر رکھ دیتے تھے۔ بریلوی حضرات گم سُم اور سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انگشت بدندان تھے کہ کیا کریں۔ بیان میں کوئی ایسی بات نہیں جن پر وہ گرفت کر سکیں۔ اوقات کی وصولی کا جب وقت آیا تو ایک ایک کھسک کر اٹھنے لگے۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس دین کے پھیلانے کے لئے اپنے دانت مبارک شہید کئے۔ اپنا خون مبارک بہایا اور ہر قسم کی جان کی مال کی قربانی دی اور محبت کے دعویدار اور محبت کے نعرے لگانے والے آج اس دین کے لئے اپنا پسینہ بہانے کے لئے تیار نہیں۔ بحمد اللہ اس مسجد میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور ہم پانچ چھ دن سیالکوٹ میں کام کر کے واپس رائے ونڈ چلے گئے۔

دوسری تشکیل

اسی سال رائے ونڈ سے دوسری تشکیل مولانا صاحبؒ کی قلعہ دیدار سنگھ اور حافظ آباد وغیرہ کے علاقوں کے لئے 15 دِن کی ہوئی۔ سخت گرمی اور انتہائی مشقت لیکن بحمد اللہ حضرت مولانا صاحب باوجود انتہائی معذوری کے ہم جوانوں سے زیادہ مجاہدہ برداشت کر رہے تھے۔ بذریعہ تانگہ بس اڈہ تک مولانا صاحبؒ کو لے گئے۔ بارہ تیرہ آدمیوں کی جماعت تھی۔ بس کے ذریعہ مغرب کی نماز سے قبل گجرانوالہ کے تبلیغی مرکز پہنچے۔ وہاں پر مغرب کے بعد گشت کیا اور عشاء کے بعد مختصر بیان ہوا۔ گجرانوالہ والوں نے رات کے پر تکلف کھانے کا بندوبست کیا۔ چونکہ جماعت خوب تھکی ہوئی تھی، سو گئے۔ صبح بھی حلوہ پوری کا ناشتہ ہو گیا اور چونکہ نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ جماعت والے اشراق کے بعد پھر سو گئے۔ جماعت میں ایک پرانے میواتی صاحب امراؤ خان بھی تھے

جو عالم بھی تھے۔ بہت فکر مند تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو سونے والی اور حلوہ کھانے والی جماعت ہے۔ یہ کیا تبلیغ کرے گی۔ اکثر یہ میاں جی صبح کو لاٹھی لے کر نکل جاتے تھے اور سارا دن خصوصی گشتیں کرتے تھے۔ بہت دھڑلے سے اپنی بات پیش کرتے تھے۔ گجرانوالہ سے ہماری جماعت قلعہ دیدار سنگھ گئی۔ ماشاء اللہ وہاں پر خوب کام ہوا۔ وہاں پر حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب جو کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے لوگوں میں سے تھے۔ ان کا کافی اثر تھا۔ ان کا اپنا مدرسہ تھا۔ ان کی مسجد میں قیام ہوا۔ بہت شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ کافی گھل مل گئے اور کافی قدر دانی کی۔ ہمارے قلعہ دیدار سنگھ کے تبلیغی ذمہ داروں سے قدرے ناراض تھے۔ بحمد اللہ ان کے شکوک اور شکوہ شکایات سب رفع ہو گئے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب نے وہاں کے تبلیغی حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا اور ترغیب دی کہ حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب کے ساتھ کافی جوڑ اور میل ملاپ رکھیں اور ان کی قدر و منزلت کریں۔ قلعہ دیدار سنگھ میں بحمد اللہ خوب کام ہوا۔ کافی نصرت ہوئی۔ بہت سے لوگ چلّہ اور تین تین چلّوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل گئے اور بہت سے حضرات ہمارے مولانا صاحب سے بیعت بھی ہوئے اور بیعت کے بعد بھی قلعہ دیدار سنگھ والوں نے باقاعدہ حضرت مولانا کے ساتھ محبت وعقیدت کا تعلق قائم بھی رکھا اور نبھایا بھی اکثر بلاناغہ قلعہ والے حضرات رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت مولانا صاحب کی مجالس میں شرکت کرتے تھے اور سال میں ایک دو دفعہ پشاور میں بھی ملاقات کے لئے دو تین دنوں کے لئے آیا کرتے تھے۔ قلعہ دیدار سنگھ اور حافظ آباد کے درمیان دو تین چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں

بھی کام کیا۔ اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک سفر جماعت کا پیدل ہوا کرتا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو سائیکل کے کیریئر پر بٹھا کر لے جاتے تھے۔ ایک آدھ دفعہ ریڑھے میں بھی لے گئے۔ وہاں پر حضرت مولانا ابو بکر غزنوی صاحبؒ جو کہ غالباً حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب جو اہل حدیث کے بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ وہ بھی ہمارے مولانا صاحبؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ غالباً حضرت مولانا ابو بکر غزنوی صاحب اس زمانہ میں کسی کالج میں پُروفیسر تھے۔ دو تین گھنٹے تک حضرت مولانا صاحب کی مجلس میں مختلف موضوعات پر بات چیت کی۔ کافی متاثر ہو کر چلے گئے۔ اس کے بعد اس سفر کی آخری منزل حافظ آباد تھا۔ بحمد اللہ وہاں بھی چار پانچ دن کام کیا۔ حافظ آباد سے واپس رائے ونڈ چلے گئے۔

تبلیغی دوروں میں معمول

ان تبلیغی دوروں میں حضرت کا معمول یہ تھا کہ تہجد کے وقت اُٹھ جاتے تھے۔ تہجد کے بعد اشراق تک اپنے وظائف اور معمولات میں مشغول ہوتے تھے۔ اشراق کے بعد معمولی سا (جیسے کہ جماعت والوں کا دستور ہے)۔ ناشتہ کرتے تھے جو بذات خود حضرتؒ کے لئے جو ایک نہایت نفیس اور نظیف مزاج کے مالک تھے۔ ایک مجاہدہ تھا لیکن کبھی پیشانی پر بل نہیں آیا تھا۔ ناشتہ کے بعد گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کر لیتے تھے۔ اس کے بعد استنجاء وضو وغیرہ سے فارغ ہو جاتے تھے تو تعلیم شروع کر لیتے تھے۔ اکثر تعلیم خود کر لیتے تھے۔ اگر کہیں ضرورت ہوتی تو سائیکل پر بٹھا کر خصوصی گشت پر بھی کبھی کبھی چلے جاتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد بھی تعلیم میں شرکت کر لیتے تھے۔ کچھ قیلولہ کرتے پھر تیار ہو جاتے تھے۔ عصر کے بعد اکثر تلاوت، حزب الاعظم مناجات

مقبول کا معمول ہوتا تھا اور مغرب کے بعد اکثر آپ ہی بیان کرتے تھے۔

یونیورسٹی میں تبلیغ

مولانا صاحب 1952ء میں ایم۔اے عربی کرنے کے بعد اکتوبر 1954ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے شعبہء عربی میں بطور جونیئر لیکچرر تعینات ہوئے۔ اسلامیہ کالج اور پشاور یونیورسٹی ایک ہی کیمپس ہے۔ یہاں کا ماحول دوسرے انگریزی تعلیمی اداروں کی طرح پورا مغرب زدہ تھا۔ سر پر ٹوپی پہننا اور داڑھی رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ سارے کیمپس میں صرف ایک مسجد تھی۔ فجر و عشاء کی نمازوں کا جماعت سے پڑھنا ناممکن تھا کیونکہ کسی ہاسٹل میں بھی نہ مسجد تھی نہ جماعت کا بندوبست تھا۔ ہاسٹل کے دروازے عشاء سے پہلے بند ہو جاتے اور فجر کی نماز کے بعد کھلتے۔ تبلیغی گشت و تعلیم کا نام ونشان نہیں تھا۔

تبلیغ کی ابتدا و مشکلات

ان حالات میں مولانا صاحب نے اکیلے ہی تبلیغ و دعوت کا کام شروع کیا اور موقع و محل کے مطابق دعوت کے کام کو ذاتی طور پر بڑھاتے رہے۔ جب کالج کے زعماء کو پتہ چلا کہ مولانا صاحب طلباء سے اپنے گھر کے بیٹھک میں دعوۃ کی بات کرتے ہیں تو بلا کر سخت سرزنش کی اور کہا کہ یہ گھر تمہارا ذاتی گھر نہیں۔ مسجد میں اعلان کرنا اور لڑکوں کو جمع کر کے بیان کرنا تو دور کی بات تھی۔ آپ 1957ء میں تبلیغی دورے پر بیرون ممالک جرمنی، یوگوسلاویہ، آسٹریا، ترکی وغیرہ چلے گئے اور چند ماہ وہاں پر دعوۃ و تبلیغ کا کام کر کے واپس آئے۔ جب آپ اس سفر سے پشاور یونیورسٹی واپس ہوئے تو اس سفر کو بنیاد بنا کر

آپ نے یونیورسٹی میں دعوت کا کام آگے بڑھایا۔ اس زمانہ میں اسلامیہ کالج کا پرنسپل صاحب اسلامیات کے ڈین صاحب اور دیگر شعبہء اسلامیات کے اساتذہ کرام آپ کی تبلیغی جدوجہد کے بہت مخالف تھے اور ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کر رہے تھے۔ آپ جرمنی کے حالات سنانے کے بہانے اسلامیہ کالج اور یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں تشریف لے جایا کرتے اور وہاں جرمنی، یوگوسلاویہ وغیرہ کے حالات سنا کر اپنی بات پہنچا لیتے تھے۔ اور لڑکوں سے اوقات وصول کرواتے تھے چونکہ اسلامیہ کالج کی مسجد میں آپ کو بیان وغیرہ کے لئے اس زمانہ میں نہ چھوڑتے تھے۔ اس لئے یونیورسٹی کے باہر ایگریکلچر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ ہے آپ وہاں کی دعوت دیتے اور لڑکوں کو وہاں جمع کر کے اپنی بات اُن تک پہنچاتے۔

رفتہ رفتہ حالات سدھرنے لگے اور طلباء کو تبلیغ سے اور اُس سے زیادہ مولانا صاحب کی پُراثر شخصیت سے مناسبت ہونے لگی۔ مولانا صاحب بلاناغہ ہر منگل کو شام کی نماز کے بعد کسی نہ کسی ہاسٹل میں بیان کے لئے چلے جاتے۔ طلباء سے مسلسل رابطہ کی وجہ سے مولانا صاحب کے مکان پر بھی عصر تا عشاء مجلس میں تعداد بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ اسلامیہ کالج کی جامع مسجد میں بھی مولانا صاحب کے بیانات ہونے لگے۔ لیکن رکاوٹیں اب بھی ختم نہیں تھیں۔ ایک مرتبہ جناب ارشد صاحب چیف انجینئر ٹیلیفون جاپان تبلیغی دورہ سے تشریف لائے تھے۔ مولانا صاحب کی خواہش تھی کہ وہ مغرب کے بعد مسجد میں بیان کرے۔ لیکن ڈین صاحب قاضی نورالحق ندوی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ مجمع بھی کافی تھا۔ نماز کے بعد طالب العلم محمد اسرار جو بعد میں مردان میں پروفیسر رہے ہیں، نے اعلان کیا کہ جناب ارشد صاحب تشریف لائے ہیں۔ دعا کے بعد اُن کا بیان ہوگا۔ ڈین صاحب نے اٹھ کر اُس کو ٹوکا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے بھی جواب

دیا لیکن مجمع جم کے بیٹھ گیا۔ بیان ہو گیا۔ الحمد اللہ کہ آئندہ کے لئے راستہ کھل گیا اور پھر اسلامیہ کالج کی جامع مسجد ہی میں جمعہ کے روز تمام یونیورسٹی کے گشت و تعلیم کے اوقات کا مشورہ ہونے لگا۔ اسلامیہ کالج کے جامع مسجد میں بلاناغہ ہر پیر کو شام کی نماز کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کا تبلیغی بیان ہوا کرتا تھا۔ خوش قسمتی سے ڈین صاحب (نورالحق ندوی) اس زمانہ میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں وائس چانسلر ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے اسلامیہ کالج کی جامع مسجد میں بیان کی رکاوٹ نہیں تھی۔ طلباء اسلامیہ کالج کے ہاسٹلوں میں عصر کے بعد گشت کر کے لڑکوں کو مسجد میں جمع کرتے۔ اور مغرب کے بعد مولانا صاحبؒ ان کو بیان کرتے۔ اسلامیہ کالج کے جامع مسجد میں پیر کے دن کے بیان کا مولانا صاحبؒ کو اتنا اہتمام تھا کہ اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی مہمان ہوتا۔ تو ان کو بھی صاف کہتے کہ میرا اسلامیہ کالج کے جامع مسجد میں مغرب کے بعد بیان ہے۔ اگر آپ کا جی چاہے تو آپ بھی تشریف لے آئیں۔ اسلامیہ کالج کے بیان کے لئے ہمیشہ مولانا صاحبؒ سائیکل کے کیریر پر بیٹھ کر تشریف لے جاتے تھے۔ وہ زمانہ موٹروں کا نہیں تھا۔

تبلیغ کے پہلے شہسوار

وہ طلباء جو سب سے پہلے یونیورسٹی میں تبلیغ میں لگے اور اوقات لگائے یہ ہیں۔
جناب احمد گل صاحب، ایگریکلچر کے طالب العلم جو بعد میں پروفیسر بنے اور رائے ونڈ شوریٰ کے ممبر ہوئے۔ جناب محمد شاہد طالب العلم ایگریکلچر جو پروفیسر اور شوریٰ کے ممبر ہیں۔ ڈاکٹر محمد انور طالب العلم، ایم بی بی ایس پروفیسر اینڈ چیئرمین فارمکالوجی جناب ڈاکٹر ظفر علی مروت آئی سپیشلسٹ ڈی آئی خان، حافظ امان اللہ یونیورسٹی میں

اسلامیات کے پروفیسر ہوئے۔ محمد یوسف آف مانسہرہ، مانسہرہ کالج، مشتاق احمد، محمد یوسف کے بھائی اور فدا محمد صاحب پروفیسر اسلامیات، پشاور یونیورسٹی جو ائیر فورس میں گئے اور پھر شریعت کورٹ کے جج بنے۔

یونیورسٹی کے ماحول پر تبلیغی اثرات

مولانا صاحب کی دعوت و تبلیغ کی محنت کے نتیجہ میں جو ثمرات مرتب ہوئے۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

اسلامیہ کالج جامع مسجد کے علاوہ یونیورسٹی میں کئی مساجد بن گئیں۔ مثلاً مدینہ مسجد، بلال مسجد، مسجد وسطیٰ، جامع مسجد فارسٹ کالج اور مسجد صدیق۔ اس کے علاوہ جو سب سے بڑی تبدیلی آئی۔ وہ یہ کہ اسلامیہ کالج اور پشاور یونیورسٹی کے ہر ہر ہاسٹل میں مسجد کے لئے جگہ مخصوص کی گئی۔ اب ان تمام مساجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت ادا ہوتی ہے۔ ہر مسجد و ہاسٹل میں باقاعدہ تعلیم، اندرونی، بیرونی گشت اور بیانات ہوتے ہیں۔ اور باقاعدہ سہ روزہ کا پروگرام ہوتا ہے۔ شب جمعہ و شب اتوار میں طلباء واساتذہ کرام کی تعداد کسی طرح ایک تہائی سے کم نہیں ہوتی۔ بڑے اجتماعات میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ اب ان مساجد میں تبلیغی جماعت کا آنا ٹھہرنا اور کام کرنا معمول کی کارروائی ہے۔ ڈاڑھیاں توماشاء اللہ بہت ساروں کی ہیں۔ لیکن باقاعدہ عمامہ پہنے ہوئے بہت سارے طلباء یونیورسٹی اور کلاس میں نظر آئیں گے جیسے شادی بیاہ پر ملازمین کو یونیورسٹی کی ٹرانسپورٹ مناسب قیمت پر عاریتاً ملتی ہے۔ اس طرح شب جمعہ اور دوسرے اجتماعات کے لئے گاڑیاں یونیورسٹی سے رعایتاً ملتی ہیں۔ اب ان سب اعمال وسرگرمیوں کا ثواب مولانا صاحب کو ملے گا۔ جس نے تن تنہا یونیورسٹی میں تبلیغی کام کی ابتدا کی۔

طرز تبلیغ

اس میں شک نہیں کہ تبلیغ کا اپنا ایک مزاج اور طریقہ کار ہے۔ مولانا صاحب تبلیغ کے بنیادی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نئے آنے والوں کے ساتھ انتہائی اخلاص غم خواری اور نرمی کا معاملہ فرماتے۔ بعض اوقات اتنی نرمی فرماتے کہ ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا کہ شاید مولانا صاحب دینی اعمال کو زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ لیکن اصل میں مولانا صاحب نئے آنے والے کو ہر حالت میں جوڑے رکھنا چاہتے تھے۔ جڑے رہنے سے اس کی حالت خود بخود بدلنے لگتی۔ ایک دفعہ چند تبلیغی حضرات مولانا صاحب کے ہاں تشریف لائے۔ میڈیکل کا ایک طالب العلم اپنے کالج کا یونیفارم والا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ جس کے بیج پر سانپ کی شکل بنی تھی۔ انہوں نے اُس لڑکے کو دبایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ وہ خفہ ہو کر چلا گیا اور نماز ہی پڑھنی چھوڑ دی۔ خیر مولانا صاحب نے اُن کو بلایا اور کہا سانپ کا سر مٹا دو۔ کوئی بات نہیں اور فرمایا۔ ان حضرات کو پتہ نہیں کہ ہم ان لڑکوں کے کتنے نخرے اُٹھا کر ان کو جُڑے رکھتے ہیں۔ اسی طرح ایک بندہ آیا اور کافی دیر تک مولانا صاحب کے ساتھ بات چیت کرتا رہا۔ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو وہ الگ ہو گئے کہ میرے کپڑے ٹھیک نہیں۔ میرا وضو نہیں تو مولانا صاحب نے فرمایا۔ بیٹا ان کے لئے پیچھے کرسی ڈال دیں کہ یہ بیٹھ جائیں۔ لیکن دیکھا گیا کہ وہی بندہ باقاعدہ باوضو ہو کر ٹھیک ٹھاک خود ہی نماز میں شامل ہو گئے۔ اس طرح کسی کو نہیں کہا کہ داڑھی رکھ لو۔ لیکن جو رکھ کر آ جاتا تو خوش ہوتے مبارک باد دیتے۔ استقامت کی دعا فرماتے اور استقامت کی ترکیبیں بتاتے۔ اپنے ہاں آنے والوں کی قدر کرتے، کھلاتے پلاتے اور مالی مدد بھی فرماتے۔ اگر آپ اپنے کسی مشکل کے حل کے لئے کہتے یا

اپنی کسی مصیبت کا ذکر کرتے تو اس کو مولانا صاحب اپنا غم و مسئلہ بناتے۔ حل کی تجویزیں سوچتے۔ دعا کیا کرتے اور جب بھی ملتے تو آپ سے استفسار فرماتے کہ مشکل کا کیا بنا۔ تبلیغ میں مولانا صاحب کا رویہ ایسا نہیں تھا کہ آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگالو جیسے کہتے ہیں کہ ''چڑھ جا بیٹا سولی۔ اللہ بھلی کرے''۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اور تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر مشورہ دیا کرتے تھے۔ جس سے بادی النظر میں بعض حضرات کو یہ شبہ ہوتا کہ شاید مولانا صاحب تبلیغ یا دینی کام سے روک رہے ہیں۔

پشاور یونیورسٹی میں اردن کے کچھ طلباء تبلیغی کام میں لگے۔ خوب بڑھے اور جب تین چلے لگانے کا وقت آیا تو اس وقت میں اُن کے یونیورسٹی کے امتحانات بھی ہونے والے تھے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ امتحان کو پس پشت ڈال کر چلّہ پر جانا چاہیئے۔ بات تبلیغ کے امیر اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب تک جا پہنچی۔ حضرت جی نے فرمایا کہ مولانا محمد اشرف سے مشورہ کر لیں جیسے وہ فرماتے ہیں۔ اس طرح کر لیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ والدین نے آپ کو یونیورسٹی کے تعلیم کے لئے بھیجا ہے اور آپ کا خرچہ اُٹھا رہے ہیں۔ امتحان سے غیر حاضری کی حالت میں آپ فیل ہو جائیں گے۔ تو بدنامی تبلیغ کی ہوگی۔ آپ امتحان کے بعد اپنے اوقات لگالیں۔ اس طرح دونوں کام خوش اسلوبی سے سرانجام پا جائیں گے۔ اس طرح سال سوم انجینئرنگ کا طالب العلم مہربان مولانا صاحب کے ساتھ چھٹیوں میں دارالعلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کی شخصیت اور مدرسہ کے طلباء و انتظامات سے متاثر ہو کر انجینئرنگ کو چھوڑ کر مدرسہ میں داخلہ لینا چاہا۔ لیکن مولانا صاحب نے اجازت نہیں دی۔ اور فرمایا کہ انجینئرنگ کرنے کے بعد آپ ان کتابوں کو

کسی عالم سے اپنے گھر پر بھی پڑھ سکتے ہیں اور ہمیں بعد میں فرمایا کہ میں نے اس لئے منع کیا کہ یہ طالب العلم ہو کر کسی مدرسہ میں مدرس بن جائیں گے۔ کل اگر اس کے کلاس فیلو ساتھیوں میں سے کوئی بڑا افسر بن کر اس سے مل لیں اوراس کے دل میں ذرا سا شائبہ بھی آجائے کہ یہ بڑا افسر بن کر ٹھاٹ پاٹ کی زندگی گذار رہا ہے اور میں چٹائی پر بیٹھا ہوں۔ یہ میں نے کیا کیا تو خدانخواستہ اس کی تو دنیا و آخرت دونوں خراب ہو جائیں گے۔ اس طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں۔

اوقات لگانے والوں کے لئے ہدایات

اوقات لگانے والوں کی فرمائش پر بھرپور انداز میں ہدایات دیتے اور نصیحتیں فرماتے۔ جس سے اُن کے اوقات انتہائی قیمتی اور منظم ہو جاتیں۔ فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس دو چیزیں تھیں۔ ایک قرآن کریم اور دوسرا قرآن کا عملی نمونہ اور قرآن والے اخلاق۔ جن سے مشرق سے لیکر مغرب تک جہاں بھی گئے وہ غالب ہو گئے۔ دین قول سے کم اور عمل سے زیادہ پھیلتا ہے۔ آدمی سننے سے کم اور دیکھنے سے زیادہ بنتا ہے۔ تمہارے اخلاق اور برتاؤ کا نمونہ دوسروں کی زندگی میں تغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اور تمہاری باتیں اشکالات کو وجود دے سکتی ہیں۔ انسان کا عملی رخ بہت ساری ایسی چیزوں کو جس کا یقین نہیں ہوتا۔ دوسروں کے اندر یقین پیدا کر دیتی ہیں۔ لوگوں میں رہ کر کام کرو۔ یہ نہ کہو کہ ایسے ویسے ہیں کنویں سے تب پانی نکالا جاتا ہے کہ ڈھول بن کر پانی میں جائے۔ یہ ضروری ہے کہ ڈھول ڈھول ہی رہے۔ پانی میں جا کر خود گھل کر پانی نہ بن جائے۔ مبلغ شمع کی طرح خود جل کر اوروں کو فائدہ پہنچائے۔ خود مجاہدہ برداشت کر کے کڑوی کسیلی جھیلے اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائے۔ مبلغ اِس شعر کے مصداق ہو۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جان پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

اگر لوگ تم پر حقارت کی نگاہ ڈالیں تو تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے جذبہ سے محبت کی نگاہ ڈالو۔ لوگوں کو اپنی طرف سے کوئی خیر کی بات پہنچاؤ۔ اور سوسائٹی کی گندگی والی باتوں کو نہ اپناؤ۔ لوگوں میں رہو اور دامن کو بچاتے رہو۔ لیکن مِل جل کر کام کرو۔ اپنے کو بزرگ سمجھ کر کنارہ کش نہ ہو۔ اگر آپ مِل جُل کر نہیں رہتے اور لوگ تمہارے پاس آتے نہیں تو اصلاح کیسی ہوگی۔ جس نے اپنے کو اچھا سمجھا وہ شیطان کا بھائی بن گیا۔ شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ فرمایا کرتے تھے کہ کرتے رہو اپنے کو پاک اور سمجھتے رہو اپنے کو ناپاک۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حلیہ اور اعمال سنت کے مطابق نہ ہوں بلکہ جو اس رخ پر نہیں۔ ان سے توڑ نہ ہو۔ بے طلبوں کے پاس جانا انبیاء کی سنت ہے۔ بدکاروں کا بھی کوئی پوچھنے والا ہو۔ بعضوں کے پاس شکستگی ہے۔ ندامت ہے لیکن نکلنے کی راہ معلوم نہیں۔ یہ یتیموں کا طبقہ تسلی و تشفی کا طالب ہے۔ کوئی حقیقی ہمدرد بن کر ان کے سر پر ہاتھ رکھے۔ حضرت سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ پہلے ان کو اپنی خیر خواہی کا یقین دلاؤ۔ پھر وہ خواہ مخواہ تمہارے پاس آئیں گے۔ ہم نے اصل میں اُن کو یقین ہی نہیں دلایا۔ اگر بات بھی کی تو نصیحانہ اور واعظانہ انداز میں۔ اس لئے اثر نہیں ہوتا۔ ایک ہوتی ہے آہ اور ایک ہوتی ہے کراہ اور ایک ہوتی ہے واہ۔ ہماری باتیں نفس کی واہ واہ کے لئے ہوتی ہیں۔ لیکن دل کی دنیا آہ آہ سے بدلتی ہے اور آہ آہ سے بڑھ کر جب زخمی اور شکستہِ دل سے چیخیں نکلتی ہیں۔ جس کے اندر دِل کے ٹکڑے بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان خونین آہوں کو کراہ کہتے ہیں۔ دلوں کا یہ درد سینہ نبوت کا نور ہے۔ ہر وقت اپنے پر تواضع، فنا و صغرِ سنی کا حال غالب رہے۔ اپنے عیوب و گناہ یقینی اور آنکھوں دیکھے اور

دوسروں کے عیب و گناہ سنی سنائی اور ظنی ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی پر بھی حقارت کی نگاہ نہ ڈالو۔ بلکہ ہمیشہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن اور اپنے نفس سے بد ظن ہونا چاہیئے۔ تحقیر کو مٹا کر گناہ گار پر اور اُس کے اُس گناہ والی حالت پر ترس کھا کر ملو گے۔ تو دل کا اثر دل پر ہو گا۔ غصہ کی آنکھ، پیار کی آنکھ اور برائی کی آنکھ ان سب کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عین دعوت دیتے وقت مخاطب کو دل سے اپنے سے اچھا سمجھو۔ تبلیغ لٹ ماری کا نام نہیں بلکہ تبلیغ دِلبری کا نام ہے۔ لیکن اپنے لئے نہیں صرف اللہ کے لئے۔ فرمایا کہ تبلیغ دلبری کا نام ہے۔ دل بڑھاؤ تا کہ دن بڑھے۔ پہلے دِل لُو۔ پھر دِن لو۔ آپ تبلیغ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ دوسرے کے اعمال کے ذمہ دار نہیں۔ اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کے لئے فکر کرنا، اعتراض حرام، اصلاح واجب، کوشش فرض اور نتیجہ خدا کے ہاتھ میں، یہ ہے۔ وماعلینا الا البلاغ۔ انسان اپنی سی کوشش کرے۔ جتنا جان کھپائے کھپالے۔ یہ نہیں کہ جا بیٹا سولی چڑھ جا۔ اپنی صحت کا بھی خیال رکھو۔ کم سے کم چھ گھنٹے ضرور سویا کرو۔ کھانا بھی کچھ نہ کچھ فروٹ وغیرہ باہر سے کھایا کرو۔ شاہ صاحب کا قول فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغی وہ ہے جو رولو ہو۔ بولو ہو۔ ڈولو ہو۔ یعنی جو رُلانے والا ہو۔ بولنے والا ہو اور پھرنے یعنی گشت کرنے والا ہو۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ والے لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ پوچھنے پر فرمایا کہ وقوف کہتے ہیں ٹھہرنے کو اور تبلیغ والے کہتے ہیں۔ ٹھہرو نہیں۔ نکلو۔

باب۔5

اسفار

حضرت مولانا صاحب کی پوری زندگی ایک مسلسل اور انتھک جدوجہد تھی۔ دین کے فروغ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لئے ملک کے اندر اور باہر بے شمار سفر کئے۔ شروع شروع میں آپ تحریک پاکستان کے ساتھ بہت زیادہ وابستہ تھے اور مسلم لیگ کے پشاور کے سیکرٹری تھے۔ اور مسلم لیگ کے مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے کراچی اور ڈھاکہ کے سفر کئے اور قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور خان عبدالقیوم خان، جناب ناظم الدین جیسے زعماء کے ساتھ مسلم لیگ کے جلسوں میں اور میٹنگ میں شرکت کرتے رہے۔ اس کے لئے آپ نے ہر قسم کی جانی و مالی قربانیاں بھی دیں۔ لیکن جب پاکستان بنا۔ آپ نے کسی قسم کا فائدہ یا مالی منفعت باوجود ہر قسم کے مواقع کے میسر ہونے کے نہیں اُٹھائی بلکہ پاکستان کے بن جانے کے بعد آپ نے سیاست چھوڑ دی اور اپنی پوری زندگی دین کی محنت و احیاء کے لئے صرف کی۔ 1948ء اور 1950ء میں آپ نے قلات، خضدار، کوئٹہ کے تبلیغی کام چلّے کے سلسلے میں سفر کئے۔ جب حضرت سید سلیمان ندویؒ 1950ء میں کراچی منتقل ہوئے۔ تو آپ ان کے پاس سال میں تین چار دفعہ کراچی بھی جایا کرتے تھے۔

1957ء میں آپ نے جرمنی، یوگوسلاویہ اور ترکی کا تبلیغی سفر کیا۔ آپ ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں تبلیغی چلّے پر رائے ونڈ جایا کرتے۔ اور وہاں سے مختلف

علاقوں کے لئے آپ کے ساتھ جماعت بنا کر تشکیل کی جاتی۔ اسی طرح آپ ہر سال کچھ دن (10 دن سے 40 دن تک) کا عرصہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں گذارتے اور حضرت بنوریؒ کے خصوصی مہمان ہوتے۔ مدرسہ کے مہمان خانہ میں مع رفقاء سفر (جن کی تعداد 5 سے لیکر 10 تک ہوتی) قیام ہوتا اور جتنے دن بھی قیام ہوتا۔ حضرت بنوریؒ کی طرف سے پر تکلف کھانے کی دعوتیں ہوتیں۔

ایک موقع پر ہمارے سفر کے ایک ساتھی حاجی بشیر احمد کاکاخیل صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کو چند دن کی مہمانی کے بعد عرض کیا کہ حضرت اب ہم اپنا خرچ کریں گے تو بہت غصہ اور ناراض ہوئے اور کہا کہ اگر ڈیڑھ سال بھی آپ لوگ یہاں پر مقیم رہیں۔ تو اپنا خرچ نہیں کروگے بلکہ میرے مہمان ہوں گے۔ حضرت کا 10 بجے بخاری شریف کے طلباء کا درس ہوتا تھا۔ جس میں ہمارے مولانا صاحب کا بہت بے چینی سے انتظار کرتے اور ہمارے حضرت مولاناؒ بھی بہت اہتمام کے ساتھ اُن کے درس میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحب کو وضو کرنے میں دیر لگی اور وہاں حضرت بنوری صاحبؒ کے درس کا گھنٹہ شروع ہو چکا تھا۔ جب درس میں دیر سے پہنچے تو حضرت بنوریؒ نے غصہ میں کہا کہ ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ کو کس نے کہا ہے کہ حدیث شریف کے استماع کے لئے وضو شرط ہے۔ جتنے دن ہمارا مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں قیام ہوتا۔ حضرت بنوریؒ بغیر ناغہ ناشتہ ہمارے حضرت مولانا صاحب کے ساتھ مہمان خانہ میں کرتے تھے اور تقریباً گھنٹہ یا گھنٹہ سے زیادہ وقت لگاتے تھے اور اپنے ملفوظات اور تعلیمات سے مہمانوں کو نوازتے

رہتے۔ مدرسہ کے ابتدائی دنوں کے تاسیس اور تکالیف کے قصّے اور واقعات سناتے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ اس مدرسہ کے قیام کے لئے میں نے سیروں آنسوؤں بہائے ہیں اور جب پہلی مرتبہ اس مدرسہ میں بیت الخلاء بنا۔ وہ میری زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کا دن تھا۔ فرماتے کہ مدرسہ میں ابتداء میں بیت الخلاء نہیں ہوتا تھا۔ قریب ایک دوست (محب) کا مکان تھا۔ دن کو وہاں قضاء حاجت کے لئے جاتے۔ لیکن رات کو جب مکان کا دروازہ بند ہو جاتا تو بہت تکلیف ہوتی۔ فرماتے کہ ہم مدرسہ کی رقم بہت احتیاط سے خرچ کرتے ہیں۔ ایک مد کی رقم کسی صورت میں دوسری مد میں خرچ نہیں کرتے۔ بہر حال دس بارہ سال متواتر گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک سفر کراچی کا ہوتا۔ کراچی سے واپسی پر یا ابتداء میں 40 دن رائے ونڈ میں بھی گذارتے۔ جہاں زیادہ تر وقت حضرتؒ کا رائے ونڈ ہی میں گذرتا۔ اس کے علاوہ حضرتؒ اکثر ہر مہینہ رائے ونڈ کے شوریٰ کے اجلاس میں بھی تشریف لے جایا کرتے۔ رائے ونڈ میں تمام ملک کے ذمہ داروں کا ہر ماہ 3 دن کا مشورہ ہوتا ہے۔ جس میں حضرت مولانا صاحب بھی شریک ہوا کرتے۔

سفر ہند سال 1955ء

حضرت مولانا صاحبؒ نے ہندوستان کا یہ سفر 1955ء میں کیا تھا جو تبلیغی جماعت کے ہمراہ تھا۔ پشاور کے حاجی تاج صاحب امیر جماعت تھے۔ زیادہ قیام اس سفر میں آپ کا بستی نظام الدین میں بنگلہ والی مسجد تبلیغی مرکز میں تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب حضرت جی، کی صحبت میں وقت گذرا۔ اس سفر میں آپ نے بھوپال کے سالانہ اجتماع میں بھی شرکت کی۔ اکثر تاج المساجد بھوپال کا تذکرہ کرتے کہ عجیب مسجد

ہے۔ اور حضرت مولانا عمران صاحب کی اس مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں قربانیوں اور کوششوں کا تذکرہ کرتے۔ فرماتے کہ اس سفر میں ہم دیوبند بھی گئے۔ حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے ہاں بھی حاضر ہوئے۔ حضرت نے بہت شفقت فرمائی۔ حضرت نے بہت اصرار سے کھانے کے لئے کہا لیکن امیر صاحب (حاجی تاج صاحب) نے عذر کیا فرماتے کہ حضرت مدنیؒ کے کھانانہ کھانے کا بہت افسوس ہے۔ ایسا بابرکت کھانا کہاں ملتا اور ملے گا۔ لیکن جماعت کے اصولوں کی وجہ سے امیر کی اطاعت کی مجبوری تھی۔ ورنہ دل تو بہت چاہتا تھا کہ حضرت مدنی کی دعوت قبول کرتے اور آپ کا کھانا کھاتے۔

بیرونی تبلیغی سفر سال 1957ء

سیاحت نامہ سیاحۃ امتی الجھاد جادۂ حبیب - سبیل اللہ عزوجل

تاثرات و کوائف

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ۔ اللھم صل وسلم علی عبدك و رسولك محمد نبی الامی و آلہ قدر حسنہ و جمالہ امابعد۔ فاعوذ باﷲ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔

ھوالذی بعث فی الامیّن رسولاً منھم یتلو علیھم اٰیٰتِہٖ ویزکّیھم و یعلّمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبین و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم۔

ذالك فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم۔

انما الاعمال بالنیات۔ اللھم و فقّنی لما تحب و ترضٰی من القول والعمل والفعل والنیة والھدیٰ انك علی کل شئی قدیر۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی سید المرسلین

نسبت کیا عجب چیز ہے۔ شاید اِسی کا نام کیمیا ہو۔ ذرہ نسبت ہی سے آفتاب بن جاتا ہے۔ اور خاک زرِ خالص میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

جو نگاہیں کسی سے آشنا ہو جاتی ہیں۔ جو دِل کسی سے سکون پانے لگ جاتے ہیں۔ وہی جانتے ہیں کہ کسی سے منسوب اشیاء اپنے میں کسی کسک و کیف آگیں درد کو لئے ہوتی ہیں۔ ایک دِل گرفتہ کے لئے ہر وہ چیز شوق و محبت کا پیام ہے جو اپنے اندر کس کی نسبت لئے ہوئے ہے۔

سلامٌ علی النجد و من حل بالنجد

بسا ہے کون تیرے دِل میں گل بدن اے درد
کہ بو گلاب کی آئی تیرے پسینے سے

اگر پیر شیر از محبوب سے پائی ہوئی مشت خاک میں مشک و عنبر کی خوشبو پاتا ہے۔ قیس کو نجد کی ہر گھاٹی لیلیٰ کی جلوہ سامانیوں اور عطر بیزیوں سے معمور نظر آتی ہے۔ فرہاد ہر ضرب تیشہ میں وصال دوست کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ عرب کا جاہلی شاعر ''اطلال دارسہ'' پر آنسوؤں کی لڑی پرو دیتا ہے۔ تو یہی اظہار فطرت ہے کہ کسی کا تعلق ہر اُس چیز کو محبوب بنا دیتا ہے جو محبوب سے نسبت رکھنے والی ہے۔ انسان کا امتیاز

بھی تو یہی ہے کہ اس میں حجلہ نشین ازل کی نسبت والی روح پھونک دی گئی۔ ایک ''کالبد خاکی'' اِس نسبت والی روح کے فیضان سے ہی ملائک و خلافت خداوندی کے قابل بن گیا۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
طور در رقص آمد و چالاک شد

روح کی اس الٰہی نسبت پر وجد میں آ کر پکارنے والے پکار اٹھے ہیں۔

در دشتِ جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ
بزیر کنگرۂ کبریائش مردا نند
فرشتہ صید و پیمبر شکار ویزداں گیر

لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔

اِس مقام کی نشان دہی ہے۔ لیکن کمال روح کی اِس الٰہی نسبت کو اس قدر قوی کر دینے میں ہے کہ انصباغ الٰہی سے روح اپنے میں مشغول نہ ہو۔ لیکن ہر آن مطالعہ حق میں مشغول ہو کر رہ جائے۔ کہ الٰہی نسبت ''رجوع الی اللہ'' ''انابت الی اللہ''، سیر فی اللہ ہی سے نکھرتی ترقی پاتی اور مقام قرب و رضا اور معیت حق سے سرفراز ہو جاتی ہے۔ ایمان نام ہی اِس چیز کا ہے کہ سب نسبتیں ٹوٹ کر ایک الٰہی نسبت باقی رہ جائے۔ جس سے پھر جملہ نسبتیں الٰہی رنگ میں رنگین ہو کر اِس طرح پھوٹیں جس طرح ایک بیج سے درخت کی مختلف شاخیں کونپلیں، پھل اور پتے وجود میں آتے ہیں۔ کہنا یہ تھا کہ نسبت ہی سے ہر چیز وقیع ہوتی ہے۔ ایک چوکور مکان جب الٰہی نسبت کے انوارات خاصہ کا محل قرار دیا گیا۔ تو بیت اللہ کے نام سے کعبہ کی چار دیواری کی صورت میں نسبت والی ذات عالی

جل ذکرہ، کی طرف سجدہ کا ظاہری نشان عالم کے وجود کا مرکز و مرجع اور طواف و زیارت کے قابل ٹھہرا دیا گیا۔ نسبتیں اپنے اندر منسوب الیہ کی کیفیتوں کو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

کیا مبارک ہے! وہ راستہ جسے محبوب ازل اپنا راستہ پکارے۔ سبیل اللہ، اپنے اندر کیف و وجد کے کتنے سامان لئے ہوئے ہے۔

بیا جانان تماشا کن کہ درانبوہ جان بازاں
بصد انداز رسوائی سر بازار مے رقصم

اللہ کا راستہ، اُس عظیم و جلیل، جمیل و حمید ذات کا راستہ، ودود و کریم، محبوب و مطلوب ذات کا راستہ، جس کے کانٹے پھول، جس کے پتھر پرنیاں جس کی ہوائیں مشک ریز جس کی فضائیں انوارات و تجلیات سے معمور، ہر قدم منزل اور ہر گام مقصد، اِس راہ کے اگر راہی ہر قدم پر جلیل ذات کی جلوہ سامانیوں کو دیکھ کر پکار اُٹھتے ہیں۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا۔ تو حریم قدس سے نغمہ سرمدی ہر قدم پر سامع نواز ہوتا ہے۔ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔

تیری دزدیدہ نگاہی کے نثار آج ہی آغاز کا انجام ہے
ریگ آں کوئے درشتیہائے او زیر پائے پرنیاں آید ہمے

جادۂ حبیبؐ کی بادیہ پیمائیاں ہی تو تھیں، جو انبیاء و صدیقین و شھداو صالحین کے سلوک، کی گذر گاہ قرار دی گئیں۔ اس گذر گاہ پر گذارنے والے سیدنا نوح علی نبینا وعلیہ السلام سے لیکر سیدنا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک اگر جملہ انبیاء کا گروہ مع اپنے انصار و حوارین کے نظر آتا ہے۔ تو اِن کے تابعین میں بھی واعیان حق اور خاصان خدا کا گروہ بھی ہمیشہ اِس وادی میں اپنا خون و پسینہ بہاتا رہا۔ گویا جہاں یہ راستہ اپنے اندر الٰہی تجلیات و انوارات کی نسبتیں لئے ہوئے ہے۔ اور مواعید ربانی اپنے ملنے کا اس راستے

پر وعدہ فرماتے ہیں۔ وہاں انبیاء علیہم السلام کے فیوض وبرکات اور انوارات بھی ہر راہی کو بقدر استعداد وجہد ملتے ہیں۔ وہ راستہ خود کتنا قیمتی ہو گا۔ جس کی گرد جہنم کی آگ سے بچانے والی، دخان نار سے دور کرنے والی، مشک وعنبر کی خوشبو دینے والی جنت کی مٹی، چہرہ کا نور قرار دے دی جائے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو راہ حبیب میں دارورسن کو زینت دیکر حیات جاودان اور مقام قرب ورضا پا گئے۔ اور خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے کی چلت پھرت، جہد ومشقت کے لئے قبول کی گئیں۔ جن کا جینا مرنا اللہ کے لئے تھا۔ اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اپنا سب کچھ قربان اس لئے کر دیا کہ رضائے دوست مِل جائے۔

از پئے دین رُخت ھمچو صبا فتادہ ام　　خانہ بہ خانہ در بہ در کوچہ بہ کوچہ کو بہ کو

ٹھہرتے نہیں ایک جا عاشق بدنام کہیں　　دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

عشق خانہ خراب کے مارے　　در بدر شہریار پھرتے ہیں

اللہ کے راستے کی نسبت کتنی بلند ہے کہ سید الانبیاء (روحی فداہ) ﷺ اپنی انگلی کے زخمی ہونے پر اپنی واردات قلبی کو ان کیف آگین الفاظ میں بیان فرما گئے۔

هل انت الا اصبع دميتِ　　و في سبيل الله ما لقيتِ

بہر حال مبارک ہیں وہ قدم جو اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے۔ مبارک ہیں وہ جسم جس کے خون وپسینہ کو اس راستے کے لئے قبول کیا گیا۔ جن کی مشقتوں اور مجاہدوں کو دین کی کھیتی کی سیرابی کے لئے ارادہ الٰہی نے آلہ اور وسیلہ کے طور پر پسند فرمایا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

ختم نبوت اور دعوت و تبلیغ

سید الانبیاء فخر الرسل ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی شان کا ایک بڑا مظہر ختم نبوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور انسانیت علاقائی نسلی اور ملکی حدوں کے محدود دائروں سے نکل کر بلوغ کے اس درجہ پر پہنچ گئی کہ ام القری کے اس داعی ﷺ کی دعوت کی قبولیت کے شرف سے الٰہی رحمتوں فیوض وبرکات کے ان سرچشموں کی کلی حامل بن سکے۔ جو جزوی طور پر ہادی اکرم سے پیشتر داعیان حق صلوۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعے سے مختلف قبائل وملل، شہروں اور بستیوں میں تقسیم ہوتی تھیں۔ گویا ختم نبوت نے دنیا کے ہر حصہ کے ہر انسان کو اپنی استعداد اور اولین وآخرین کے جملہ علمی خزائن کا خاتم النبیّن ﷺ کے توسط سے اس کا حامل بنا دیا۔ اور اب ہر گورا اور کالا فرنگی وزنگی، ھندی و چینی، رومی و پارسی، عجمی و عربی علوم و ھدایت الٰہیہ کے کامل خزینہ سے (جتنا حکمت الٰہیہ میں انسان کے لئے مقدر تھا) بہرہ ور ہو جائے۔

وہ مولائے کل ختم الرسل دانائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ
عجب کیا گرمہ وپروین مرے نخچیر ہو جائیں
"کہ برفتراک صاحب دولتے بستم سرخودرا"

اس لئے ختم نبوت کا انکار نہ صرف انسانیت کی سب سے عظیم اور حاصل کائنات کی شخصیت اور اسکے ہر زمانے میں دائر وسائر فیوض وبرکات سے محرومی کا سبب

ہے۔ بلکہ اس حرمان نصیبی کو کیا کہیئے کہ نادانی انسانیت کی ترقی پذیر اور ہر دم ار تقائی رفتار کے رخ کو ماضی کے اس طفولیت کے دور پر پہنچانا چاہتی ہے۔ جب مختلف قومیں اور ذوات اپنے اپنے محدود نسلی و وطنی دائروں میں منقسم تھے، اور "مربی ازل" انکی ہدایت وتربیت کیلیئے انکی محدود ضرورتوں اور استعدادوں کیلیئے ہادی اور رسول بھیج دیا کرتا تھا۔ امّ القریٰ کے ہادی اعظم اور رسول اکرم ﷺ کی همہ گیر وعالم گیر دائمی دعوت وپیام جہاں رحمت الٰہی کے لا محدود خزانے پوری انسانیت کے لئے لٹا گئی وہاں الٰہی انعامات وہدایات کا اایسا جامع ومانع، کامل ومکمل مجموعہ پوری انسانیت کے سپرد کر گئی۔ جسکے بعد ترقی ومعراج کا کوئی نکتہ نہیں اور اوج کمال کا کوئی زینہ نہیں، اب انسانیت کا کمال اس میں ہو کر رہ گیا کہ مکہ کے یتیم، کوہ صفا کے داعی، فاران کی قدوسی جماعت کے رہنما کے ساتھ رابطہ وتعلق قائم کیا جائے، کہ اب ہدایت جہاں بھی بٹے گی اور جسے بھی ملے گی اسکا سوتا غار حرا کے امی بنی (فداہ ابی وامی) ﷺ کے سینہ اقدس سے ہی پھوٹا ہو گا۔

بمصطفیٰ برسان خویش راکہ دین ہمہ اوست
اگر با او نرسیدی تمام بولہبی ست

ختم نبوت اللہ تعالیٰ کا ایک انتہائی عظیم انعام ہے۔ انسانی بلوغ وعالم گیر انسانی برادری کی تشکیل اسی نعمت ورحمت الٰہی کے ذریعہ ممکن تھی۔ ایک غیر فانی اور آئیڈیل دین وحدت انسانیت کا ہی علمبر دار ہو سکتا ہے۔ جسکا نقطہ ارتکاز ایک ایسے نبی کی ذات ہو جو تمام عالم کی طرف مبعوث اور جسکا دائرہ نبوت تمام زمانوں پر محیط ہو، ختم نبوت اور تکمیل دین ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں، اسی لئے ختم نبوت کا انکار ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف اور ہمہ گیر اور عالم گیر دائمی دعوت کی بنیادی روح سے لا علمی کا نتیجہ ہے، ختم نبوت کا انکار انسانیت کے کمال وعروج کا انکار، جاہلی مصیبتوں اور

گمراہیوں کی توثیق اور اسلام کی عظیم وسعتوں سے نکل کر، عصری، وقتی، نسلی ولونی وطنی اور قومی تنگناؤں میں گم ہو جانا ہے انسانی اعلیٰ اور اجتماعی ادوار سے غفلت، علم الٰہی کی لامحدودیت میں شک، نظام تشریعی (ہدایت) کی حقیقت وارتقاء سے ناواقفیت، ختم نبوت کے مقام سے عدم آگہی ایسے عظیم گمراہی کا سبب ہے۔

مبارک ہے وہ امت جو النبی الخاتم کے حصہ میں آئی، خوش نصیب ہے انسانیت کا وہ حصہ جو ختم نبوت کی برکت سے، نیابت نبوت کیلئے چنا گیا، اور کیا خوش بخت ہے وہ آخری امت جو آخری نبی کے فیض وبرکت سے خیر الامم کے مقام رفیع پر فائض کی گئی۔ پوری انسانیت، ساراعالم اور قیامت تک کا زمانہ اسکی ہدایت کی محنت و کوشش کے لئے میدان عمل قرار دیا گیا، سلام ہو اس نبی پر جو ہر زمانے کی ہدایت کے لئے سبب و وسیلہ بنایا گیا، اور درود وسلام اس رسول پر جو توحید کاملہ و تامہ کا پیامبر بن کر آیا اور وحدت آدمیت دین و دنیا کی یکجائی اور زمانی و مکانی حدبندیوں سے ماورا ایک معاشرہ کی وحدت کا سبق دے گیا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، نوازنے والا جسے چاہے نواز دے۔

آغاز سفر

مولانا صاحب بمعہ تین رفقاء جناب ضیاء الاسلام (امیر جماعت) مولانا ظاہر شاہ صاحب اور میاں محمد انور صاحب فیصل آباد کے بیرونی ممالک ایران، عراق، شام، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی میں تبلیغ کیلئے 31 جولائی 1957ء بروز بدھ کراچی سے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے۔ یہ ایک سفر نامہ نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں دینی دعوت کے اصول، طریقہ کار و مشکلات اور غیبی نصرتوں کے علاوہ ان ممالک اور شہروں کے جغرافیہ و تاریخ، سیاسی و معاشرتی زندگی، اسلامی و دینی حالات کا ایک جامع بیش بہا

خزانہ ہے جس کو مولانا صاحب نے اپنے روزنامچے میں روزانہ کے بنیاد پر تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ یہ تفصیل 20 اگست 1957ء تک استانبول کے قیام تک موجود ہے۔ لیکن اسکے بعد دستیاب نہیں یا مولانا صاحب نے لکھی نہ ہو۔ معلوم نہیں۔ بہر حال مولانا صاحب نے اسکے بعد کی تاریخوں میں مختصر اشارات و یاداشتیں لکھی ہیں جن کو جوڑ کر ہم نے اس سفر نامے کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سفر سے واپسی 15 اکتوبر 1957ء کو ہوئی۔ ہم مزید آپ اور مولانا صاحب کے خود نوشتہ سفر نامہ کے درمیان حائل ہونا نہیں چاہتے۔ لیجئے آپ خود پڑھ کر لطف اندوز ہو جایئے۔

کراچی سے روانگی

31 جولائی 1957ء محرم الحرام 1377ھ کی چار تاریخ ہے۔ بدھ کا دن اور دوپہر کے تین بجے کا وقت ہے۔ کہ یہ ناکارہ اپنے تین عزیز رفقاء ضیاء الاسلام صاحب (امیر جماعت) مولانا ظاہر شاہ صاحب اور محمد انور صاحب کے ساتھ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ بحری جہاز پر قدم رکھتا ہے۔ باقی رفقاء حج و تبلیغ کے سلسلے میں پہلے بھی بحری سفر کر چکے ہیں۔ میں ہی نووارد ہوں۔ ضیاء الاسلام صاحب ڈھاکہ میں سپر نٹنڈنٹ انجینئر ایریگیشن ہیں۔ چٹا گانگ سے جدہ کا سفر کر چکے ہیں۔ اسی طرح مولانا ظاہر شاہ صاحب دعوت کے سلسلے میں دو مرتبہ عرب و پاکستان آ جا چکے ہیں۔ محمد انور صاحب (پائنر ر زینت ٹیکسٹائل ملز لائل پور) ایک مرتبہ حج کے سفر پر جا چکے ہیں اور ایک مرتبہ دینی دعوت کے سلسلے میں ملایا اور سنگاپور جا چکے ہیں۔

جہاز کا نام دوارکا ہے اور B.I کمپنی کا کافی کشادہ جہاز ہے۔ سب رفقاء نے عرشے کے ٹکٹ بصرہ تک کے لئے خریدے ہیں۔ 114 روپے فی ٹکٹ صرف ہوا ہے۔

رفقاء کا خیال خوردونوش کا انتظام جہاز میں خود ہی کرنے کا ہے۔ اسلئے اشیاء ضروری خرید لی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جہاز کا عملہ غیر مسلم ہے۔ جس اونچے راستے پر نکلے ہیں۔ اس کا اصل توشہ تقوی ہے۔ احتیاط و تقوی کی راہ اسی میں نظر آتی ہے۔ کہ اکل وشرب میں بھی محتاط رہا جائے۔ کھانے کا بندوبست محمد انور صاحب کے سپرد کیا گیا۔

جہاز پر اکثر مسافر غیر مسلم ہیں۔ پہلا کام جہاز پر سوار ہونے کے بعد جگہ کا انتخاب تھا۔ ہمیں ایسی جگہ چاہئے جہاں نماز باجماعت کا اہتمام، مسافر عورتوں سے بچاؤ، تعلیم کا نظم اور دعوت کا کام ہو سکے۔ بحمد اللہ دو تین جگہ بدلنے کے بعد قابل اطمینان تو نہیں البتہ گزارے کی جگہ مل گئی۔ مشورہ ہوا۔ امیر صاحب اور راقم کو ذکر کے لئے کہا گیا۔ اور باقی دو ساتھی تعارف کے لئے خصوصی گشت پر روانہ ہوئے۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ کہ جہاز میں کن کن حضرات میں کام کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فی الحال اپنے مسلمان بھائیوں کو ہی دین کی اس اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔

اسلئے انہیں کی تلاش، اتا پتا مقدم ہے۔ایک زمانہ تھا کہ ہر مسلمان امت مسلمہ کی بعثت کے مقصد کو سمجھتا اور اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتا تھا۔ لیکن بساط الٹ گئی۔ زندگی کا وہ خاکہ ٹوٹ گیا۔ آج جو امت پوری انسانیت کے لئے داعی کی حیثیت سے مبعوث بنا کر بھیجی گئی تھی خود مدعو بن چکی ہے۔ داعی تھی تو غالب تھی۔ دعوت میں قوت ہے۔ جس قوم کے پاس دعوت ہو گی وہ دوسری قوموں کی افکار و اعمال سے متاثر نہیں ہو گی بلکہ انہیں متاثر کریگی۔ امت کا پہلا طبقہ دعوت الی اللہ کے جذبہ سے سرشار عرب کے ریگستان سے نکلا تھا۔ اپنی جہد و مشقت اور دعوت کے شغف کی برکت سے جہاں پہنچا۔ خداوند قدوس کے دین اور اسی رنگ میں ملکوں اور قوموں کو رنگ کر دیا۔

چین کی دیوار سے اٹلانٹک کے ساحل تک اور سندھ سے لیکر فرانس کے سرحد تک دنیا اسلامی معاشرت، عدل ومساوات، عبدیت وطاعت گزاری کی جنت میں تبدیل ہوگئی۔

کاش امت کا یہ طبقہ بھی اسلاف کے نمونہ کو اپنا سکے اور غیر دینی اور حق سبحانہ وتعالی سے غافل کر دینے والے نظامات کو اپنانے کے بجائے اسلام کی سیاست عادلہ، اقتصاد، عمران معاشرت ومعیشت، اخلاق واعمال، تعلق مع اللہ اور اوامر الٰہی کی پابندی والی زندگی گزارنے والی بن جائے اور دوسروں کی نقال بننے کے بجائے، قوموں کی امانت، خلافت الٰہی اور نیابت نبوت کے عالی مقام پر پھر سے فائز ہوسکے۔

عصر کی نماز سے پیشتر سمندر کو دیکھنے کے لئے اوپر والی منزل پر گئے۔ انسان کا مشاہدہ انتہائی ناقص ہے۔ جس طرح سمندر کو دیکھے بغیر اسکی وسعتوں کا اندازہ اور اسکی موجوں کی اتار چڑھاؤ کو انسان صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح موت کے بعد زندگی کی حقیقتیں ہمارے ناقص ادراک میں نہیں آسکتیں۔ سمندر کا تموج انتہائی شدید تھا۔ مجھے اور بھائی انور صاحب کو متلی اور قے شروع ہوگئی بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ مغرب کے بعد میں تو بالکل نڈھال تھا۔ رات کو کھانا نہ کھا سکے۔ عشاء بیٹھ کر میں نے اور انور صاحب نے پڑھی۔ تاہم بحمد اللہ جماعت کی شرکت نصیب ہوگئی۔

آج یکم اگست 1957ء جمعرات کا دن ہے۔ چکر، متلی انتہائی شدت اختیار کر گئی۔ چائے پی، قے ہوگئی اور حیرت یہ تھی کہ اس کے بعد مجھے خون کی قے ہوئی۔ جس سے ضعف بہت بڑھ گیا۔ خدا کا شکر ہے۔ کسی طرح کوئی قطرہ خون تو اسکے راستے میں گرا۔ رحمت بہانہ چاہتی ہے۔ اخلاص کا خواستگار ہوں۔ ممکن ہے یہی اس نابکار کی نجات کی صورت ہو جائے۔ تمام دن لیٹا رہا کھانا کھایا وہ بھی قے ہوگیا۔ چھاتی میں درد تھا بہر حال جس کے راستے میں نکلے ہیں سب اسی طرف سے پیش آرہا ہے۔ عافیت کا

طلبگار ہوں۔ رات تک میں اور بھائی انور اس طرح نڈھال لیٹے رہے۔ نماز فقط جماعت سے بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔ باقی دونوں رفقاء باوجود اپنی بزرگی کے ہماری خدمت میں انتہائی شفقت سے مشغول تھے۔ امیر صاحب اور مولانا صاحب نے گشت بھی کیا، تعلیم بھی کی، معلوم ہوا کچھ پنجابی مسلمان تاجر ہیں۔ تعلیم میں شامل ہوئے۔ نماز میں شرکت کی۔ اس طرح جہاز میں کام کی ابتدا ہوگئی۔ ہم لیٹے ہوئے اپنے جوان ہمت رفقاء کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ دل و دماغ میں خیالات کا ایک تلاطم تھا۔

گوادر کی بندرگاہ

آج گوادر کی بندرگاہ آئی۔ جہاز نے ساڑھے بارہ بجے لنگر ڈالا اور پانچ بجے تک کھڑا رہا۔ لیکن اٹھ کر دیکھنے کی ہمت کہاں تھی۔ گوادر پاکستانی علاقے میں برطانیہ کے زیر اثر سلطان مسقط کی بلوچستان میں بندرگاہ ہے۔ یہاں اپنا ایک پرانا رفیق سفر (جس سے قلات کے تبلیغی سفر میں شرکت کا شرف حاصل رہا) غربت کی نیند سو رہا ہے۔ پہلی حج کی پیدل جماعت جو حضرت شیخ قدس سرہ کی دعاؤں کے ساتھ کراچی سے رخصت ہوئی تھی۔ اس میں یہ رفیق عبدالغفور سواتی بھی شریک تھا۔ اللہ کے دین کے لئے پیدل سفر کی صعوبتیں جھیلے ہوئے اللہ کے راستے میں اسہال اور ضعف کے عارضہ سے اس نے جان جان آفرین کے سپرد کی تھی۔ اس زمانے میں بھی کچھ لوگ اللہ کی رضا کے لئے عالی مقصد کے لئے جانیں قربان کرنے والے موجود ہیں۔

سر خاک شہیدے برگ ہائے لالہ مے پاشم
کہ خونش بر نہال ملت ما سازگار آید

(میں شہید کے سرہانے گل لالہ کے پتے نچھاور کر رہا ہوں۔ کہ اسکا خون ہمارے

ملت کے شاخوں کی آبیاری کرے)۔

آج 2 اگست 1957ء جمعہ کا دن ہے۔ خلاف توقع طبیعت صبح اٹھتے ہی ہشاش بشاش تھی۔ نہ معلوم یہ فوری توانائی کہاں سے آگئی۔ دوائی تو کھائی نہیں۔ شافی مطلق کی کرشمہ سازی ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ (سورۃ الشعراء۔ آیت 80)

ترجمہ: اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ ہی شفا دیتے ہیں۔

خلیل کی زبان سے ایسے ہی تو ادا نہیں ہو گیا تھا۔ بیماری و شفاء، موت وحیات، حرکت و سکون ہر چیز کا اسکی ذات سے براہ راست تعلق ہے۔ جلاتا ہے جی اٹھتے ہیں۔ مارتا ہے مر جاتے ہیں۔ ہر چیز اسکی ذات سے آ رہی ہے۔

اللھم بک نحٰی وبک نموت۔

ترجمہ: اے اللہ آپ ہی کے حکم سے ہم جیتے اور مرتے ہیں) (ابو داؤد حدیث نمبر 5068)

ہر چیز اپنے وجود، بقاء، نشو نما میں ہر آن اور ہر لحظہ اسکی محتاج ہے۔ اسی سے وجود وبقاء، حیات وصفات اور نمو کو لے رہی ہے۔ ظاہری مشاہدہ غیبی حقیقتوں کے چہرے کا نقاب ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس پردے کو اٹھانے آتے ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاالْغَيْب (اور وہ غیب یعنی ان دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں)۔

کتاب الہٰی میں صحیفہ ربانی سے ہدایت یابی کے لئے پہلی شرط قرار دی گئی ہے۔ انسان جس سے ہوتا ہوا نظر آرہاہے سے نظر ہٹا کر جس سے ہورہاہے پر نظر جمالے یعنی مخلوق کو نہ دیکھے خالق کو دیکھے۔ یقین اس کا نام ہے۔ کہ ذاتی مشاہدہ پر سے یقین ہٹ کر انبیاء علیہم السلام کی بتلائی ہوئی حقیقتوں پر یقین آجائے کہ اللہ سب کچھ کرنے والے

ہیں۔ فاعل حقیقی و موثر حقیقی انہی کی ذات ہے۔ ایقان واذعان کی یہ کیفیت اگر پیدا ہو جائے تو توحید ابراھیمی کی لذت سے انسان سرشار ہو جائے۔

اللھم رزقنا حلاوۃ الایمان (یااللہ ہمیں ایمان کی مٹھاس نصیب فرمادے)۔

مسقط کی بندرگاہ

مسقط کی بندرگاہ ساڑھے آٹھ بجے آگئی۔ سمندر کا تلاطم ختم ہو چکا ہے۔ سکون ہے۔ جہاز ساحل سے کوئی چار فرلانگ دور ہی کھڑا ہو گیا۔ منظر دلکش ہے۔ چھوٹی چھوٹی چٹیلی پہاڑیاں تین طرف پھیلی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ انکے درمیان میں کچھ بستیاں دروں کی صورت میں نمایاں ہیں۔ جہاں پر مکانات وغیرہ بنے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اس جگہ ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دے رہا ہے۔ اس سے دائیں طرف پہاڑ پر ایک چھوٹا قلعہ نما قصر نظر آتا ہے۔ اسکے نیچے Shahzad Ali New Castle 1957 پڑھا جا سکتا ہے۔ مسقط سے چھوٹے چھوٹے بجروں میں حبش اور عرب تاجر (خوانچہ فروش) خورد و نوش اور عام ضروریات کی چیزیں لیکر جہاز پر آئے۔ جہاز سے باہر کچھ عرب سپیاں اور گونگے بیچ رہے ہیں۔ انکے بچے سمندر میں کود کر پیسے وغیرہ جو جہاز کے مسافر پھینکتے ہیں نکال لاتے ہیں۔ کن کی اولاد، کس کے نام لیوا، آج اپنے مقصد سے بے نیاز، اپنے فریضے کو بھلا کر پست مشاغل میں مشغول ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

ان اللّٰہ یحب معالی الامور واشرافھا ویبغض سفسافھا (رواہ الطبرانی 2894)

بیشک اللہ اونچے اور عزت والے کاموں کو پسند فرماتے ہیں اور ادنی اور پست کاموں کو مبغوض رکھتے ہیں۔ (قال الالبانی السلسلة الصحیحة 168/4) کیا ایک مومن کے لئے اس سے بڑھ کر دنائت اور پستی ہو سکتی ہے کہ پیسہ پیسہ کے لئے مسلم و غیر مسلم

کی نگاہوں میں تماشا بن جائے۔

جہاز یہاں مسقط میں چار گھنٹے ٹھہرا یہاں نام کی حکومت سلطان مسقط کی ہے۔ لیکن اصل اقتدار انگریز کا ہے۔ آج جب انگریز کا سورج ڈوب رہا ہے۔ وہ اہم ناکوں سے ہنوز چمٹا ہوا ہے۔ استعماریت کتنی سخت جان ہوتی ہے۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (سورہ توبہ 9 آیت 5) (کل مرصد) سے یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس شاہد علی الناس امت کے لئے انسانیت کی نگہبانی کے لئے دنیا کے تمام اہم ناکے اس کے تصرف میں ہونے چاہئیں۔

آہ: ''گرفتہ چینیاں احرام دمکی خفتہ در بطحا''

(چینیوں نے حج کے لئے احرام باندھا ہے اور مکہ والے بطحا میں میٹھی نیند سو رہے ہیں)۔

آج طبیعت بحال رہی۔ بھائی انور بھی اچھے تھے۔ ظہر کے بعد اوپر جانا ہوا۔ بحمد اللہ تعالی فضائل کی کتابوں کی تعلیم ہوئی۔ ہنوز امت میں کچھ جان باقی ہے۔ بس جان کھپانے کی ضرورت ہے۔ اچھا خاصا مجمع ہو گیا تھا۔ سب نے ذوق وشوق سے احادیث کو سنا یہ بھی اللہ تعالی تبارک تعالی کی عنایت ہے۔ کہ ترغیب وترہیب کے رنگ میں اعمال کی قیمتیں بتا کر اپنی رضا کے مختلف مدارج بتا دیئے۔ جنکے سننے سے معروفات اور نیکیوں کے لئے خود بخود شوق ورغبت اور منہیات اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اگر انسان عمل پر موعود نعمتوں کو عطیہ الٰہی سمجھتے ہوئے ہر عمل کے وقت ان اجور و انعامات کو سوچ لیا کرے تو ایک تو منعم کی محبت پیدا ہو گی دوسرے احتساب کی کیفیت پیدا ہو گی۔ جو ایمانی اعمال کی جان ہے۔ اور جس سے تصدیقی ایمان کی حلاوت محسوس ہو گی۔ اس

لئے اکثر اعمال کرتے ہوئے ایمان واحتساب کی کیفیت کو تازہ اور مستحضر رکھنے کا حکم متعدد احادیث میں ملتا ہے۔ جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ یاد آتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ البالغہ میں انبیاء علیھم السلام کے اصول دعوت میں ترہیب وترغیب کا اسقدر وضوح اور تفصیل سے علم جناب سید عالم محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا خاصہ بیان فرمایا ہے۔ یہ اس امت پر اللہ تعالی کا خاصا فضل ہے۔ کہ ترغیب سے اعمال محبوب ہو کر طبعی تقاضے کی صورت اختیار کر لیں اور ترہیبات سے منکرات سے اتنا متنفر کر دیا جائے کہ ان سے طبعی کراہیت ہونے لگے۔ جیسا کہ مؤمنین صحابہ کی صفت قرآن نے بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (سورۃ الحجرات 49 آیت 7)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے۔

اللهم حبب الينا الايمان وزينه فى قلوبنا وكره الينا الكفر والفسوق والعصيان واجعلنا من الراشدين (رواہ احمد۔ مناجات مقبول اشرف علی تھانوی)

(اے اللہ ایمان کو ہمارے لئے پسندیدہ بنادے اور اس سے ہمارے دلوں کو زینت بخش دے۔ اور کفر، نافرمانی اور گناہوں کو ہمارے لئے ناپسندیدہ بنادے اور ہمیں سیدھے راہ پر چلنے والا بنادے)۔

ترغیب وترہیب (فضائل) کے جملہ احادیث پر وہی ایک رنگ چھایا ہوا ہے۔ جو انسان میں نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت اور آقا کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ابھی مسلمانوں میں جان باقی ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

عصر کی نماز میں کئی نئے ساتھی شریک ہو گئے۔ جماعت بھی اوپر کی منزل میں آسمان کے نیچے ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے بعض لوگوں کو سطح سمندر پر بادشاہوں کی طرح (دین کے لئے) چلتے دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اِن کی برکات سے ہم نااہلوں کو بھی حصہ نصیب فرمائے۔ عصر کے بعد کا وقت ذاتی معمولات واذکار میں گزرا، مغرب پھر اوپر کی منزل میں ادا کی۔ جماعت بحمد اللہ اچھی خاصی تھی۔

دوبئی کی بندر گاہ

آج 3 اگست 1957ء ہفتہ کا دن ہے۔ فجر کے بعد سے طبیعت معمول پر بفضلہ تعالیٰ آچکی ہے۔ ضعف بھی جا چکا ہے۔ مطلع بالکل صاف ہے۔ اسلئے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ تلاوت وناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ بارہ بجے کے قریب دوبئی کی بندر گاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا۔ دور ساحل پر درخت دور دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پانی کی کمی کی بنا پر جہاز قریب نہ جا سکا موٹر لانچوں کے ذریعے بار بردار بجرے اور مسافروں کے لئے کشتیاں جہاز کے قریب آتیں۔ مسقط سے زیادہ مسافر سوار بھی ہوئے اور اترے بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کی خاص بندر گاہ یہی ہے۔ کل سے لمبی عباؤں والے جہاز پر آنے شروع ہو گئے۔ زبان خاص نہیں۔ فارسی کے الفاظ بھی ملے جلے ہیں۔ لیکن اردو کی جہانگیری کا سکہ ہر جگہ چل رہا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے ہیں۔ اور بات سمجھ لیتے ہیں۔ اپنے مولد ونشاء سے اردو کو نکالنے کی ناکام کوشش کرنے والوں کے لئے اس میں عبرت ہے۔ کاش اپنا ملک ہی اسے اسکا جائز مقام دیتا۔

عربی تاجر عموماً ریشمی عباؤں میں ملبوس ہیں۔ میرے توجہ دلانے پر رفیق سفر انور صاحب نے کہا کہ طاؤس ورباب کا دور ہے۔ شمشیر وسنان کا زمانہ گزر گیا یعنی وہ ابتدا

تھی یہ انتہا ہے۔وہ عروج تھا یہ زوال ہے۔ جو قوم پیہم محنت وجہد اور جہاد کے لئے پیدا کی گئی ہو۔وہ تنعم کی زندگی کب گزار سکتی ہے۔

آج 4 اگست 1957ء اتوار کا دن ہے۔ کراچی سے چلے ہوئے۔ آج پانچواں دن ہے۔ قدرت کا نظام بھی کس قدر مرتب اور حیران کن ہے۔ ہر چیز ایک کرشمہ اور اس ذات عالی کی صناعی کا نمونہ ہے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (سورۃ النمل 27، آیت 88)

رات ودن کے نظام اور اس کی کمی بیشی و گردش کو لے لیجئے اگر دل و دماغ سلامت روی کی راہ نہیں بھولے تو اللہ تعالی کی پہچان و معرفت کے لئے یہی ایک نشانی کافی ہے۔ مختلف انداز سے قرآن کریم نے جو رات دن کے اندھیرے اور اجالے، کمی و بیشی کے تذکرے کئے ہیں تو یہ کوئی مضمون آفرینی کے لئے نہ تھے۔ ہم دن کرتے ہیں رات گزارتے ہیں۔ ہماری زندگی اسی لیل ونہار کی گردش سے عبارت ہے۔ لیکن غفلت کا کیا کہئے کہ نہ دن کا اجالا، دن کے پیدا کرنے والے کی روشنی سے ہمیں آشنا کرتا ہے۔ نہ رات کا گھٹاٹوپ اندھیرا ہمارے دل ودماغ کی سیاہی کو دور کرتا ہے۔ سیدھی سادھی بات قرآن نے بتادی تھی۔ کہ رات دن کا الٹ پھیر اور زمین و آسمان کی خلقت صرف انہیں سوجھ بوجھ رکھنے والوں کے لئے ہدایت ورہنمائی کی نشانی بن سکتی ہے۔ جن کے سوچنے کا ڈھنگ نہیں بگڑا، اور وہ مخلوق سے خالق کو مصنوع سے صانع کو پہنچاننے کی کوشش میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں۔ انکا فکر انہیں بتاتا ہے۔ کہ یہ نظام عالم یونہی ایک اتفاقی حادثہ نہیں۔ بلکہ کسی حکیم و علیم، خبیر و قادر صانع کے با اختیار او محکم ارادے سے وجود میں آیا ہے۔ انسان کا ذھن جب پستی کی طرف جاتا ہے۔ تو وہ

اعلی سے اسفل کی طرف عود کر جاتا ہے۔ مخلوق میں کا تفکر مخلوق کے لئے انسان کو ایک ایسے معمہ میں پھنسا دیتا ہے۔ جو عقدہ لانیخل بنا کر اسکی تمام کاوشوں کو مخلوق ہی میں مرکوز کر دیتا ہے۔ وہ مخلوق سے عارضی استفادہ اور مخلوق کی مستعار اور وہبی صفات سے کچھ فائدہ تو حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن یہ فائدہ اسقدر گراں ہوتا ہے۔ کہ خالق کی صفات عالیہ اور صانع کے کمالات سے بالذات استفادہ کی صلاحیتیں اس سے سلب کر لیتا ہے۔ خیر یہ تو بعد کا معاملہ ہے۔اس سے بڑھ کر حسرت ویاس کا مقام کونسا ہو گا۔ کہ مخلوق کا باشعور ترین اور حاصل کائنات فرد انسان اپنی پوری زندگی بہر نوع اپنے سے ادنی درجہ کی مخلوقات کی صفات اور ان سے استفادہ میں اس طرح صرف کر دیتا ہے۔ کہ خالق کی طرف نہ نگاہ اٹھتی ہے۔نہ اپنے جواہر و کمالات کو جو کائنات کا حاصل ہے۔ پہچان سکتا ہے۔

نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰـھُمْ اَنْفُسَھُمْ (سورۃ الحشر 59 آیت 19)

(انہوں نے خدا کو بھلا دیا، تو خود نے انہیں ایسا کر دیا، کہ خود اپنے تئیں بھول گئے)۔

اسی غفلت ونامرادی کا اظہار ہے نہ خالق کو پہچان سکے اور غضب تو یہ کیا کہ اپنے وجود سے بھی تمام عمر ناآشنا رہے۔ کیا قیامت ہے کہ انسان سب کی تلاش کرتا ہے اپنی تلاش نہیں کرتا۔ اگر وہ اپنے میں بھی ڈوب جاتا۔ تو وہ جواہر پالیتا جو اسے مخلوق میں سرگردانی سے نکال کر خالق سے مربوط کر دیتے۔ اسکے اندر تو وہ جوہر قدس پھونکا گیا ہے جسکی ہر وقت نگاہ ملا اعلی کے فیضان کی منتظر اور اپنے پرور دگار کی تلاش میں بے قرار رہتی ہے۔ رومی کی اضافت سے یہ فائدہ ذہن میں آتا ہے۔ کہ روح اپنے منسوب

الیہ ہی کے تعلق سے روح کہے جانے کی مستحق ہے۔ اس کا عروج اسی ذات حق کی طرف ہے۔ یہ حیات ونمو اسی سے پاتی ہے۔ اسکے اوامر سے پلتی اور اسکی چاہت اور رضا سے پنپتی ہے۔ کاش !ہم روح کی قدر کر لیتے ۔ جو ذات الٰہی کی قدردانی کا زینہ بن جاتا۔ خاصان خدا کا قول ہے۔

من عرف نفسه عرفه ربه (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اسے خدا کی پہچان نصیب ہو گی)۔

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی کہہ یہ رہا تھا کہ قدرت کی کرشمہ سازیاں ہر چیز کی طرح وقت کے الٹ پھیر میں بھی موجود ہیں۔ ہم کراچی سے جس وقت چلے تھے۔ وہاں صبح صادق چار بجکر بیس منٹ پر ہوتی تھی۔ اور یہاں ساڑھے پانچ بجے پاکستانی ٹائم کے مطابق صبح صادق ہو رہی ہے۔ یعنی ایک گھنٹہ کا فرق۔ اسی طرح مغرب بھی دیر سے ہو رہی ہے۔ اور جوں جوں مغرب کی طرف جائیگا یہ فرق بڑھتا جائیگا۔ اوقات وتقویم پر کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ عقل و دانش سے بعید یہ جو بعض نام نہاد عقلمندوں نے مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ یہ عالم ایک اتفاقی حادثہ ہے جو خود بخود وجود میں آ گیا۔ کہاں تک ایک مکان وزمان کی مرتب اور منظم تکوین کا سبب بن سکتا ہے۔ زمان ومکان کی بحثیں اپنی جگہ پر، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے، اسی سے ہے۔ اس کا ارادہ ہی ہر چیز کا وجود ہے۔ اس نے چاہا تو زمان کا وجود بھی قائم ہو گیا۔ اور مکان پیدا ہو گیا۔ زمان کی نئی بحثوں میں الجھنے سے پیشتر قرآن کریم کی ان آیات کو نظر میں ضرور رکھنا چاہئے جسمیں لیل ونہار کے متعلق مختلف حقائق کو کھولا ہے۔ قرآن تکونیات کے مسائل کی تفصیلات میں نہیں جاتا۔ لیکن کلام اللہ کے اشارے بھی حکیم وخبیر خالق کے

اشارے ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورۃ الحدید 57، آیت 3)

ترجمہ: وہ سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور اپنی قدرتوں سے سب پر ظاہر اور اپنی ذات سے پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

آج صبح سے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ مشورے کے مطابق جہاز کے ساتھیوں کے لئے صبح کے دس بجے سے گیارہ بجے تک ہی تعلیم کا نظم کیا گیا۔ کچھ اردو جاننے والے ہندوستانی پاکستانی حضرات تھے۔ اور کچھ عرب حضرات مسقط، بحرین، کویت وغیرہ کے تھے۔ بحمد اللہ تعلیم ہوئی۔ تاثر خاص کر عرب حضرات میں اچھا تھا۔ یہ عرب غریب کم لکھے پڑھے ہیں۔ لیکن اسلام کی عظمت اور احادیث نبوی کی محبت کی چنگاری ہنوز قلوب میں موجود ہے۔ کاش اس نور ایمان کے روشن کرنے اور یقین کے بڑھانے کے لئے نبوی طریقہ کے مطابق مسلمانوں میں عمومی طور پر جان کھپانے کا رواج ہو جاتا۔ ابھی وقت ہے کہ اس سرمایہ کو ضیاع سے بچایا جائے اخلاص محنت، دلسوزی اور اصول صحیحہ کے مطابق دعوت کی ضرورت ہے۔

بحرین کی بندر گاہ

جہاز گیارہ بجے کے قریب بحرین پہنچا۔ ساحل سے کوئی ایک آدھ میل کے فاصلہ پر لنگر ڈال دیا گیا۔ جزیرے کے سفید عمارات دور سے مدہم مدہم نظر آرہی ہیں۔ کسی مسجد کا ایک مینار بھی دور سے نظر آرہا ہے۔ جہاز تمام دن کھڑا رہا۔ رات کے سوا دس بجے روانہ ہوا۔ اکثر مسافر اتر گئے ہیں۔ اترنے والوں میں ایک صاحب محمد اسحاق نامی بھی ہے۔ جو تیل کے کمپنی میں ملازم ہیں۔ موضع نوح ضلع گوڑ گاؤں

میوات کا رہنے والا ہے۔ تبلیغی کام سے آشنا ہیں۔ سامان کے اتارنے میں کافی وقت صرف ہوا۔ رات کے وقت میں دور سے جزیرہ کی بجلیاں عجیب دلکش اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے گویا سمندر میں قمقمیں آویزاں کر دیئے گئے ہوں۔

یہ بحرین وہ نہیں۔ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مال غنیمت آیا تھا۔ وہ ساحل عرب ہے۔ اور اسے آجکل الحسا کہتے ہیں۔ تیل کی دریافت نے اسے مغرب کے استحصال اور حرص و آز کی جولانگاہ بنا دیا ہے۔ الخبر کی بندر گاہ آجکل مشہور ہے۔ پہلے زمانے میں "الخط" کی بندر گاہ مشہور تھی۔ جسکی نسبت سے عربی ادب میں **زمام الخط** کا لفظ کثرت سے آتا ہے۔

بہر حال یہ علیحدہ جزیرہ خلیج فارس میں ہے۔ تیل کے چشموں کی بنا پر مشہور برطانوی وامریکن تیل کی کمپنیاں ہیں سمندر سے موتی بھی نکالے جاتے ہیں۔ یہاں کی Pearl Fisheries مشہور ہیں، یونانی مورخ PLINY کا خیال ہے کہ فنیقی Phoenicians شروع میں اس جزیرے کے بسنے والے تھے۔ اس نے یہ قیاس اس بنا پر کیا ہے۔ کہ اسے اس جزیرے میں فنیقی طرز کے مقابر وغیرہ ملے تھے۔ فنیقی وہی قوم ہے۔ جس نے یونان کی ترقی سے پیشتر اپنی صنعت کاریوں کی دھوم مچادی تھی۔ یہ ساحل بحیرہ روم پر فلسطین وغیرہ کے قریب آباد تھے۔ اور بقول ہٹی (Hity) بحیرہ روم رومن جھیل بننے سے صدیوں پہلے فنیقی جھیل بن چکا تھا۔ اور اسی قوم کے ملاحوں نے واسکوڈے گاما سے تین ہزار سال پیشتر افریقہ کے گرد کیپ ٹاؤن ہوتے ہوئے چکر لگایا تھا۔ یہ بھی ہٹی کا قول ہے۔

یورپ کی عادت ہے کہ ان تمام مفاخر کو جو غیر یورپین اقوام سے متعلق

ہوں۔ نظر انداز کر دیتا ہے۔ یا اسقدر ہلکا اور مدہم کر کے بتا دیتا ہے۔ اپنے کارناموں کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ کہ اسکے تمدن و تسلط کی ظاہری روشنی میں سننے والا ہر چیز کو اس کا کمال ویافت سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کراچی سے مسقط تک سمندر کی تلاطم خیزیاں دیکھ کر بار بار قرون ماضیہ کی ان بہادر ملاحوں پر آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے۔ جو بادبانی کشتیوں میں ہزار ہا سال پیشتر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر موجوں کے خطرناک تھپیڑوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ اس سمندر کو لے لیجئے۔ عرب ملاحوں کا ہند و سند کی بندر گاہوں میں آنا جانا تین ہزار قبل مسیح تک قیاس کیا گیا ہے۔ پندرہ سو قبل مسیح میں ہندو عرب کی آمد و رفت تاریخی شہادتوں کی بنا پر ظن غالب کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا کے تحائف کا تذکرہ ہے۔ ان میں کئی یقیناً صرف ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ بعد کے زمانے میں سکندر مقدونی کا سمندر کے راستے واپس ہونا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ تعجب ہے کہ بعض یونانی مورخین نے اس سکندر کے بیڑے کے رہنما Illiterate امی قوم کے افراد بتائے ہیں۔ کیا وہ عرب تھے۔ اس کے عہد میں بلوچستان کے علاقے میں Arabians اور Arabi کے مقامات ملتے ہیں۔ کیا یہ عربوں کی نو آبادیاں تھیں؟ سیلون میں ہون شانگ چن 120 عیسوی میں عرب تاجروں کو پاتا ہے۔ مالابار کے ساحل پر موپلے اور بعض دوسری قومیں عرب ملاحوں کی اولاد ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ شروع زمانے میں ساحل کے ساتھ ساتھ عرب ملاح سندھ کے ساحل پہنچے ہونگے۔ اور ابتداء اتفاقیہ مون سون نے عرب کشتیوں کو ساحل ہند تک پہنچا دیا ہو گا۔ مسالوں اور عطریات کی تلاش تو انہیں قدرتاً تھی۔ مسالوں کی سرزمین اسطرح ہاتھ آگئی۔ تو مون سون کے تغیر کو انہوں نے عطیہ

الہی سمجھ کر اپنی کشتیوں کے ہند سے آمد ورفت کے ایسے اوقات مقرر کر لئے جن کے ذریعے ہوائیں انہیں ایک یا دوسری طرف پہنچا دیتی تھیں۔ ساحل عرب پر واپسی کے بعد یہ اس درآمد کو خشکی کے راستے شام و مصر تک پہنچاتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اسلام کی ابتدا تک اسی طرح جاری تھا۔

رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (سورۃ قریش106 آیت2) اور اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ الحجر15، آیت79) کے اجمال کی تفصیل کے لئے عربوں کی تجارت قبل الاسلام کا حال معلوم کرنا ضروری ہے۔ جاہلی شاعر اعشیٰ نے ابن یمین طرفہ کے جہازوں اور حدوج مالکیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی کی عربوں کی جہازرانی، ارض القرآن وغیرہ میں اسکا کافی تذکرہ مل سکتا ہے۔

کان حدوج المالیکة غدوۃ۔ خلایا سفین با لنواصف من دد (صبح کے وقت خولہ مالکیہ کے کجاوے ایسے دکھائی دیتے تھے کہ گویا وہ مقام دد کی دھاروں میں بڑی کشتیاں ہیں)۔

93ھ سے پیشتر سیلون عرب تاجروں کے ذریعے اسلام پہنچ چکا تھا۔ جن کے حاجیوں پر مکران کے لٹیروں کا حملہ سندھ پر حملے کا سبب بنا۔ اسلام کے بعد تو بحیرہ عرب یا عالمی سمندر عرب سفینوں کے جولانگاہ تھے۔ ابوزید سیرانی، ابودلف، ابن بطوطہ سے لیکر اسد البحر تک پورا عالم انہیں کے جہازوں سے آباد تھا۔

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

فن لینڈ، جزایر برطانیہ، افریقہ کا مغربی ساحل، اٹلانٹک کے جزیروں سے

لیکر بحر ہند کے سمندر اور بحر الکاہل کے جزیرے جاپان و فلپائن تک انکی تاجرانہ و داعیانہ سرگرمیوں سے آباد تھے۔ انڈونیشیا کا پورا ملک، فلپائن کے بعض جزائر انہی مسلمان تاجروں اور ملاحوں کی برکت سے آج اسلام کے آغوش میں ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا یورپ کی عیسائی اقوام میں سے کولمبس کے سر اگر ہو تو ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقی دریافت اسکی بھی ان عرب بہادروں کی مرہون منت ہے۔ جن کے کارناموں کو اتنا دھندلا کر کے بتلایا جارہا ہے۔ جیسے وہ کچھ تھے ہی نہیں۔ بات سے بات پیدا ہوتی ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ سمندروں کو جن نے ایک معمولی دریا کی طرح اپنی داعیانہ سرگرمیوں اور تاجرانہ تگ و دو کا میدان بنا رکھا تھا وہ مسلمان اور عرب ملاح آج کہاں ہیں۔

صد حیف از قبیلہ مجنون کسے نماند

(ہزار افسوس کہ مجنون کے قبیلہ کا کوئی فرد باقی نہیں رہا)۔

بوشہر کی بندر گاہ

آج 5 اگست 1957ء پیر کا دن ہے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد جماعتی رفقاء کی تعلیم آپس میں نو سے گیارہ بجے تک ہوئی۔ اسکے بعد کھانے کے نظم میں لگا ہی چاہتے تھے۔ کہ بوشہر کی بندر گاہ آگئی یہ ایرانی ساحل پر ہے۔ جہاز کوئی چھ گھنٹے ٹھہرا۔ سامان کافی اترا کچھ ایرانی مسافر مع مستورات کے سوار ہوئے۔ بحمد اللہ تعالیٰ مستورات پورے پردے میں تھیں۔ برقع پوش اور چہرے پر نقاب ایران میں گویا اب بھی پردہ بالکل مفقود نہیں ہوا۔ محرم کی آٹھ تاریخ ہے۔ زایرین کربلا کے ارادے سے بھی جارہے ہیں۔ شیعیت خالص مذہبی فرقہ نہیں۔ بلکہ ایرانی سیاسی دماغ و افکار کی پیداوار ہے۔

جسکی جڑیں ساسانی و کیانی خاندانوں سے گزر کر اَخمنشی خاندان تک چلی گئی ہیں۔ اسلام کے لئے یہ تمام تصورات عجمی اور بیگانہ ہیں۔ وہ نئے خاندانی نظام نہیں بنانے آیا تھا۔ وہ تو ایک دعوت تھی۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (سورۃ البقرۃ 2 آیت 135)

”اے پیغمبر! اُن سے کہہ دو (نہیں) بلکہ ہم دین ابراہیم اختیار کئے ہوئے ہیں جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے“۔

اپنی دعوتی سرگرمیاں بحمد اللہ تعالیٰ رفقاء کی ہمت سے کچھ نہ کچھ جاری رہیں میں تو بس شمار ہی کے لئے ان باہمت دوستوں کا رفیق ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکے اخلاص سے حصہ نصیب فرمائے۔ خدمت بھی کرتے ہیں۔ اور تعلیم و دگر مشاغل میں بھی سرگرم ہیں۔ مجھ سا بے کار انکے سہارے کچھ کمالے تو اللہ کی رحمت سے بعید نہیں۔ عصر میں عمومی تعلیم ہوئی۔ جماعت بحمد اللہ تعالیٰ عرب مسافروں کی برکت سے کافی بارونق ہو جاتی ہے۔ نماز اکثر پڑھتے ہیں کاش ارکان کی تعدیل اور خشوع کا اہتمام ہوتا۔ عربی بولتے ہیں۔ کمال ہے، مسلمان جہاں بھی ملتا ہے۔ ایک دوسرے سے اجنبیت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ انس ہی پاتا ہے۔

ایک حبشی النسل کویت کے ایک دمش اسنبل نوجوان سے کافی دیر تک بات چیت ہوئی۔ دینی جذبات اور مسلمانوں کی محبت کی بنا پر مجھے تو اس سے انسیت معلوم ہونے لگی۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ گھڑی قائد اعظم کی تصویر والی باندھ رکھی تھی۔ میں نے کہا یہ کیوں؟ تو کہنے لگا۔ اس شخص کو مسلمانوں سے محبت تھی۔ تصویر کا عدم جواز اپنی جگہ پر مسّلم لیکن اگر ہم اس طرح مسلمانوں کی خوبیاں تلاش کرنے والے اور ان

سے محبت کرنے والے بن جائیں تو آج امت پھر بنیانٌ مرصوص بن سکتی ہے۔

دیارکم تکتب آثارکم (صحیح مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ)

(اپنے اپنے مکانوں پر ٹھرے رہو۔ کیونکہ تمہارے قدموں کے برابر نیکیوں کو لکھا جاتا ہے)۔

رات کے پونے بارہ بجے (پاکستانی ٹائم) ہیں۔ چاندنی سمندر پر اپنی شعاعیں بکھیر رہی ہے۔ قلم پر خمار نیم شبی طاری ہوا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری راتوں کو اپنے خواص کی راتوں کی طرح اور دنوں کو اپنے محبوبین کے ایام کی طرح بنادے۔ جو دن کے مجاہد اور رات کے راہب تھے دین کی تڑپ اور فکر تو سینہ نبوی کا سرمایہ ہے۔ کسی کے ہاتھ آجائے تو اسکے راتوں کا کیا کہنا اور اسکے دنوں کا کیا ٹھکانا۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوزوساز رومی کبھی پیچ وتاب رازی

کویت کی بندرگاہ

آج 6 اگست 1957ء منگل کا دن ہے۔ صبح چار بجے آنکھ کھلی تو جہاز کویت کے بندرگاہ پر لنگرانداز ہو چکا تھا۔ تقریباً ایک میل کی مسافت میں دور تک بجلیاں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ دوسری طرف کوئی نو کے قریب جہاز لنگر انداز تھے۔ رات کے پچھلے حصے میں ساحل اور جہاز کی بجلیاں چاند کی دلفریب روشنی میں عجب سہانا منظر پیش کرتی تھیں۔ بحری سفر مجھ جیسے اجنبی کے لئے یہ ایک انوکھا تجربہ تھا کہ جہاز موجوں کی حرکت اور ہوا کے زور سے باوجود لنگر انداز ہونے کے سمت بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ فجر سے پیشتر ساتھیوں کو نوافل میں تین مرتبہ قبلہ قبلہ نما دیکھ کر بدلنا پڑا۔ اور

اسکا احساس اس طرح ہوتا کہ دور کی آبادی کبھی دائیں کبھی بائیں ہو جاتی تھی۔

فجر کی آذان اوپر کی منزل پر آسمان کے نیچے عرشۂ جہاز پر فقیر نے اس نیت سے پوری آواز سے دی۔ کہ سمندر اور زمین کا یہ قطعہ کل قیامت میں گواہی دے کہ ایک روسیاہ نے تیرا یہاں نام پکارا تھا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ○ (سورۃ الزلزال 99 آیت 4)

ترجمہ: اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔

صبح صادق کے وقت شفق کی سرخی کا عالم سمندر میں بجلیوں کا عکس صانع کی صناعی پر فریفتہ کئے دیتا تھا۔ جمیل مطلق کی صفت جمال کا یوں تو ہر ذرے میں انعکاس متلاشی نگاہوں کو مل جاتا ہے۔ لیکن حجلہ نشین ازل جب اپنے زیبائیوں سے پردہ ہٹا دے۔ تو کون قابو میں رہ سکتا ہے۔

وہ شاہ دلربا جب سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو لیکن پہلو سے نکلا جائے ہے
وہ اپنے حسن کی مستی سے ہے مجبور پیدائی
میری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

کویت پر انگریز کی علمبرداری میں ایک برائے نام شیخ کی حکومت ہے۔ تیل کے ذخائر آج عرب ممالک کے سلاطین و شیوخ کے لئے سونے کے کان ہیں۔ لیکن یہ دولت آزادی کے لئے مستقل خطرہ بلکہ اکثر مقامات پر غلامی کا سبب بن چکی ہے۔ عامتہ الناس مفلوک الحال ہیں۔ شیوخ اپنے حال میں مست! کویت میں بھی تیل کے ذخائر پوری افراط سے موجود ہیں۔ انگریز کمپنیاں اپنی تجارتی وسیاسی تسلط جمائے ہوئے

ہیں۔ جزیرۃ العرب کی وہ سرزمین جسے مشرکین سے پاک رکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آج جگہ جگہ اس ارض مقدس کے سینے کو اغیار ناسور کی طرح چھلنی کر رہے ہیں۔ عدن، مسقط، کویت وغیرہ۔

فالی اللہ المشتکی وبہ المستغاث (پس اللہ ہی سے فریاد کی جاتی ہے اور اس سے امداد مانگی جاتی ہے) اللہ تعالی امت کے انفرادی واجتماعی گناہوں کو معاف فرمائے۔

اے حبیب عفو از ما عفو کن اے طبیب رنج ناسور کہن

(اے عفو کو پسند فرمانے والے ہمیں معاف فرما۔ اے پرانے سرطان (Cancer) کے طبیب ہمیں صحت دے)۔

کویت میں جہاز تقریبا 23 گھنٹے ٹھہرا۔ ہندوستان سے آیا ہوا سامان اتنا زیادہ تھا کہ صبح سات بجے سے رات کے گیارہ بجے تک کرین کے ذریعے چار جگہ سامان اترتا رہا۔ اسلئے جہاز کے چلنے میں بھی اتنا توقف ہوا۔ اکثر مسافر یہیں اتر گئے۔ جہاز میں بہت کم مسافر رہ گئے۔ بالکل خالی اور سونا سونا معلوم ہو رہا ہے۔ جہاز سے کویت کی آبادی، عمارت وغیرہ بہت دھندلے نظر آتے ہیں۔ لیکن میلوں تک آبادی پھیلی نظر آتی ہے۔ جہازوں کی آمدورفت بھی خوب ہے۔ صبح نو جہاز تھے۔ اور ہمارے جہاز کی روانگی کے وقت تک چودہ ہو چکے تھے۔ اکثر تیل لینے کے لئے رکے ہیں۔ یا مال بردار ہیں۔

خیالات کی تلاطم

کویت، مسقط اور دبئی کی طرح عرب کی مشرقی ساحل پر ہے۔ خوش نصیب عرب کی اس سرزمین پر پہلے پہنچتے ہیں۔ جس کا ایک حصہ عرش و کرسی سے بھی زیادہ پاک ومکرم ہے۔

پاکیزہ تر از ارض و سما، جنت و فردوس آرام گہ پاک رسول عربی ہے

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است اے خنک جائے کہ آنجا دلبر است

(مدینہ طیبہ کی مٹی بھی دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔ کیسی مبارک اور آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ وہ جگہ جہاں دلبر کی جائے سکون ہے)۔

بعض حسرت نصیب باوجود شوق کے بھی محروم رہتے ہیں۔ ممکن ہے نیت کا فساد ہو۔ محبت خام ہو یا حکمت الہی میں یہی بہتر ہو۔ اس سال بھی حج کا ارادہ تھا۔ لیکن ارادہ الہی میں مقدر نہ تھا۔ اسلئے ظاہری صورتیں نہ بن سکیں۔

جنبت الکاس عنا ام عمرو وکان الکاس مجراها یمیناً

(اے عمرو کی ماں تونے ہم سے شراب کا پیالہ روک لیا۔ حالانکہ (دستور کے مطابق) پیالے کے دور کی جگہ داہنی طرف تھی (جس طرف ہم موجود تھے)۔

نسیما جانب بطحا گزر کن زا حوالم محمد را خبر کن

(اے نسیم صبح بطحا کی طرف چلی جا اور حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری عرضی سنا)

اتفاق کہئے کہ حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ کو بھی وفد خلافت کے سلسلے میں پہلے عرب کو راستے میں چھوڑتے ہوئے یورپ کا سفر پیش آیا۔ اور اس نابکار ہیچمیرز کو بھی اپنے ملک سے باہر پہلا سفر دعوت جو خلافت ہی کا ایک حصہ ہے۔ کے سلسلے میں ہی ایک وفد و جماعت کی صورت میں یورپ ہی کا پیش نظر ہے۔ اس اتفاق کے تذکرہ کرنے کا منشاء صرف اتنا ہے کہ خدا کے مہربانی نے ایک بے مایہ کو نام ہی کی سہی ایک کام میں تو اپنے شیخ سے ایک درجہ میں مشابہت دے دی۔ اللہ تعالی انکی تعلیمات سے بہرہ مند فرما

ویں۔ اور انکے حقوق کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

احب الصالحین ولست منهم　　لعل الله يرزقنی صلاحاً

(مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے حالانکہ میں ان جیسا نہیں۔ شاید اسی محبت کے وسیلہ سے اللہ نیکوکار بنا دے)۔

ابھی پرسوں زیارت منامی سے مشرف ہوا۔ دیکھتا ہوں کہ دارالمصنفین کا ایک کمرہ ہے۔ عبدالسلام ندوی صاحب بھی تصنیف میں مشغول ہیں۔ مخدومی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی بھی مصروف کار ہیں۔ حضرت والا قدس سرہ اپنی تصنیفات کو دیکھ رہے ہیں راقم کو اپنے بعض اردو و فارسی اشعار بتا رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ یہی وقت ایسا لگا۔ مزید فرمایا کہ ایک مجموعہ مکاتیب کا بھی تو تیار ہو چکا ہے۔ سیرت ہفتم کے متعلق تکمیل کے لئے عرض کرتا ہوں تو فرماتے ہیں۔ (جسکا مفہوم یہ ہے) کہ میرا سفر آخرت قریب ہے۔ اسلئے اسے مکمل نہیں کر سکتا۔ اپنی کتابوں کی عدم اشاعت پر مشوش سے معلوم ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ فلاں۔۔۔ وجہ سے ہے۔ میں دارالمصنفین کو صرف ایک کمرے میں محدود پا کر متعجب ہوتا ہوں۔ تو ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہو سکتا تو آپ لوگوں کے لئے دوسرا کمرہ بنوا دیتا۔ واللہ اعلم بتعبیرہ و علمہ اتم (ہم کیا اور ہمارا خواب کیا)۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چون غلام آفتا بم ہمہ ز آفتاب جویم

(نہ میں رات ہوں نہ اسکا پرستار کہ خوابوں پر یقین رکھوں۔ جب میں اس آفتاب عالمتاب کا غلام ہوں۔ تو سب کچھ اس کے وسیلہ سے تلاش کرتا رہونگا)۔

حضرت شیخ کے نزدیک خواب کی کوئی اہمیت نہ تھی وہ محض بشارت ہیں۔

دریائے دجلہ وعاشورہ محرم

آج 7 اگست 1957ء بدھ کا دن اور محرم کی دسویں تاریخ ہے۔ ہمارا جہاز صبح ہی سے دریائے دجلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ اسے کیا کہیئے کہ قسمت نے عاشورہ کے دن ہی دجلہ میں پہنچانا تھا دل و دماغ میں خیالات کا حشر بپا ہے۔ آہ اقبال

قافلہء حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات

اگر اقبال کا یہ شعر نہ ہوتا تو غالبا دل کی بے چینیاں آج کے دن دجلہ کو دیکھ کر شبیر کی یاد اس طرح بے قرار نہ کر دیتی۔

امام حسین علیہ اسلام کی شہادت کو اقبال نے رموز بے خودی میں بہت خوبصورتی اور حکمت سے پیش کیا ہے۔ شبیری اقبال کے نزدیک ملت کے لئے ایک اسوہ ہے۔ اور امت کی نجات کا عنوان ہے۔

زندہ حق از قوت شبیری است

اسی لئے کہتا ہے

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

رموز بے خودی کے اشعار اکثر رگ وپے میں وجد کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں کس والہانہ انداز میں کہتا ہے۔

زندہ حق از قوت شبیری است باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت حریت را زھر اندر کام ریخت

خاست آن سر جلوۂ خیر الامم	چوں سحاب قبلہ باران در قدم
بر زمین کربلا بارید ورفت	لالہ درویرانھا کارید ورفت
تا قیامت قطع استبداد کرد	موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک وخون غلطیدہ است	بس بنائے لاالہٰ گر دیدہ است
مدعائش سلطنت بودی اگر	خود نکردی باچنین سامان سفر

(اسرار ورموز110)

(حضرت حسین کے قوت بازو سے حق زندہ ہے۔اور باطل داغ حسرت لیکر مرنے والی ہے۔جب خلافت کا رشتہ قرآن سے ٹوٹا تو آزادی کے حلق میں زہر ٹپکا۔وہ سر جو خیر الامم کا جلوہ ہے۔(یعنی امام حسین) تو قبلہ رخ بادلوں کی طرح بارش کو بھی ساتھ لے گیا وہ کربلا کے زمین پر برس پڑی اور اپنی راہ لی۔اپنے پیچھے اس ویرانے میں گل لالہ کی کاشت کر کے گیا۔اس نے تا قیامت جبر واستبداد کا خاتمہ کیا اور اپنے خون سے اسلام کے باغ کی آبیاری کی۔وہ حق کی خاطر خاک وخون میں لتھڑا اور لا الہ کی بنیاد بن گیا۔اگر آپ کا مقصد حصول سلطنت ہوتا تو اس بے سروسامانی کے ساتھ سفر کا ارادہ نہ کرتا)۔[64]

---

[64] (ما ھذا الذی تصومونہ؟ فقالوا ھذا یوم عظیم انجی اللّٰہ فیہ موسیٰ وقومہ، وغرق فرعون وقومہ، فصامہ موسیٰ شکراً فنحن نصومہ، فقال رسول اللّٰہ ﷺ فنحن احق واولی بموسیٰ منکم۔ فصامہ رسول اللّٰہ ﷺ وامر بصیامہ) صحیح البخاری، حدیث نمبر2004،(صحیح مسلم حدیث نمبر2656)

ترجمہ: حضور ﷺ نے یہود سے پوچھا۔کیا وجہ ہے کہ تم اس روز روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک عظیم دن ہے۔جس میں اللہ نے موسیٰؑ اور آپ کی قوم کو نجات دی۔اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا۔تو موسیٰؑ نے شکرانے کا روزہ رکھا، اور ہم بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم تمہاری نسبت سے موسیٰؑ کے زیادہ حقدار اور قریب ہیں تو حضور ﷺ نے خود روزہ رکھا اور اس دن کے روزے کا حکم فرمایا۔

یوم عاشورہ کی حرمت تو ابتدائے آفرینش سے چلی آئی ہے۔ چنانچہ اسکے مختلف فضائل کتابوں میں آئے ہیں۔ یہود میں دسویں محرم کا روزہ فرض تھا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات ملی تھی۔ ابتدائے اسلام میں ہمارے ہاں بھی یہ روزہ فرض تھا لیکن رمضان کی فرضیت کے بعد مستحب رہ گیا۔ جیسا بخاری وغیرہ میں ہے۔ گویا یوم عاشورہ کی حرمت شہادت حسینؓ سے نہیں بلکہ شہادت حسینؓ کے لئے اس مبارک اور محترم دن کو چنا گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ○ (سورۃ الجمعۃ. آیت 4)

(یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، جسکو چاہے دیدے)۔

بہر حال آج امت کا ایک کثیر طبقہ اس دن کی اہمیت کو اس بنا پر سمجھتا ہے کہ ریگ زار کربلا میں جگر گوشہ بتول اور سبط پیمبر نے قربانی، تسلیم ورضا اور تفویض تام کا وہ منظر پیش کیا۔ جو پور ابراہیم کی سنت اور قوموں کی حیات اور مقاصد عالیہ کی بقا کے لئے قیامت تک نمونہ رہیگا۔

سر اسماعیلؑ و ابراہیمؑ بود یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(حضرت حسینؓ کی قربانی میں ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا راز مضمر تھا یعنی اس اجمالی خاکہ کا تفصیلی نمونہ تھا)۔

کربلا کا سانحہ ایک اتفاقی حادثہ نہ تھا۔ بلکہ صدیقیت کے اس اعلیٰ مقام کا عملی نمونہ تھا۔ جس مقام سے صدیق اکبر نے بھی پکارا تھا۔

اینقص الدین وانا حی (کیا دین مٹے گا اور میں زندہ رہونگا)۔

مومن کی حیات اوامر الہیہ کے فروغ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ جب احکام الٰہی میں نقص آنے لگتا ہے۔ تو اسکا جذبہ ایمانی بے قرار ہو جاتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ یا تو نقش حق کو ثبت کر کے رہونگا۔ یا جان اسی راہ میں دے دونگا۔ فدائیت کا یہ مقام جن

خوش نصیبوں کو حاصل ہو جاتا ہے۔ وہی اقوام و ملل کی بقاو حیات کا عادی سبب بن جاتے ہیں اور انکی قربانیوں کو حق جل شانہ آلہ کے طور پر قبول فرماکر اپنی مراد فروغ حق یا اتمام حجت پوری کر دیتا ہے۔

حضرت حسین فدائیت اور تسلیم و رضا کے جس عالی مقام پر فائز تھے اسکا ادراک بھی مجھ جیسے بے بصر کے لئے ناممکن ہے۔ تاہم خیال یہی ہے کہ اس حادثہ عظمے سے پیشتر امام موصوف کو بشارات نبوت اور رویائے صادقہ اور قرائن سے معلوم ہو چکا تھا کہ کربلا میں خلافت نبوت کو ملک عضوض سے ممتاز کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کر کے یہ نمونہ قائم کرنا ہے کہ حق کی بقاء کے لئے اہل عزیمت شہادت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کا مع اپنے گھرانے کے بغیر اسباب و لشکر کے حریف سے اس طرح روبرو ہو جانا تفویض تام وصبر کے اس عالی مقام کا عملی درس تھا۔ جیسا کہ اسماعیلؑ سے پوچھا گیا تھا۔

اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (سورۃ الصافات 37، آیت 102)

ترجمہ: ”میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے، اِنہوں نے کہا ابّا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پایئے گا“۔

یار دمے کہ بر سرت تیغ زند تو دم مزن سر رافدائے یار کن ہیچ نہ خون بہا طلب

(جس وقت کہ تیرا دوست تیرے سر پر تلوار کھینچے تو تو گریز نہ کرنا۔ اپنی جان کو اپنے دوست پر قربان کر کے صلہ میں کچھ بھی نہ مانگ)۔

بجرم عشق توام مے کشندو غوغائے است
تو نیز برسر بام آ عجب تماشائیست

(تمہارے عشق کے الزام میں مجھے قتل کرکے ایک شور مچ رہاہے تو بھی سربام آکر اس عجیب تماشے کا نظارہ کر)۔

تو آن قاتل کہ از بہر تماشاخون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوارمی رقصم

(تو وہ قاتل ہے کہ صرف تماشا کیلئے کسی کا خون بہاتا ہے اور میں وہ مقتول ہوں کہ خون لینے والے تلوار کے زیر سایہ ناچتاہوں موت سے ڈر نہیں لگتا)۔

شہادت حسین تسلیم ورضا، صبر واستقامت، صدیقیت وفدائیت، قربانی و جرأت کا وہ بے مثل نمونہ ہے جسکی مثال بہت کم ملتی ہے۔ حق کو مٹتا دیکھ کر خود نہ مٹنا، اپنی سی کوشش نہ کرنااور اگر ضرورت پڑے تو جان پیش نہ کرنااہل عزیمت کے نزدیک کمال ایمان کے منافی ہے۔ حضرت امامؓ نے اپنی شہادت سے یہ چیز نمایان کرکے پیش کردی کہ اہل حق کے لئے غلبہ باطل کو ابھرتا دیکھ کو قعودوسکوت مناسب نہیں اگر کچھ نہ بن پڑے تو اپنے پاس تو جان ہی ہے۔ وہی محبوب کے راہ میں قربان کرکے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ حق کا فروغ اور بچاؤ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہمارے ذمے تو بس اتنا ہے کہ اپنی قربانی پیش کردیں جتنی عظیم اور اخلاص والی قربانی ہوگی اس قدر اسکے نتائج اللہ تعالیٰ بہتر مرتب فرمائیں گے اپناکام ہے جان لگادینا اسپر نتائج مرتب کرناجسکا کام ہے وہ خود مرتب کرے گا۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ترکت فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی (میں تم میں دو بھاری اور مضبوط چیزیں چھوڑ تا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی اولاد) ذہن میں آتا ہے کہ اس حدیث شریف میں عترتی سے تمسک کا ایک مفہوم انکی دینی قربانیوں کا اتباع بھی ہو سکتا ہے کہ عترت نبوت نے جو دین کے بارے میں قربانیاں دیں اور نقش حق کے باقی رکھنے اور کتاب اللہ کے اوامر کی بقاء اور فروغ کے لئے جسطرح اپنی جانوں کو پیش کیا۔ وہ کتاب عزیمت وفتوت تفویض وتسلیم کا ایک سنہرا باب ہے۔

شہدائے کربلا ہوں یا زید شہید (نفس زکیہ) پچھلی صدی میں مشہد بالا کوٹ کے امیر شہید جس طرح حق کی سربلندی کے لئے ان حضرات نے اپنی جانوں کو پیش کیا وہ امت کے لئے ایک بہترین اسوہ ہو سکتا ہے۔ شہدائے موصوفین کی شہادتوں میں تو مجھے تفویض وتسلیم کی وہ جھلک نظر آتی ہے۔ جو ذبح عظیم۔ اسماعیلی قربانی کا خاصہ ہے۔ امر الٰہی کے لئے جان پیش کر دو۔ اپنی جان دے دو یہ سوال نہیں کہ کیا ہوگا۔ دیکھنا یہ ہے کہ امر الٰہی کی بقا کے لئے حکم خداوندی کے مطابق ہم نے کیا کیا۔ بات یہ ہے کہ اکثر قربانی کی ظاہری کامیابی کو دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلی کامیابی یہ ہے کہ جان اس کے لئے دی جارہی ہو۔ اور اس کی رضا کے لئے اس کے دین کا فروغ مقصود ہو۔ یہ اتنا اونچا مقصد ہے کہ خود صاحب نبوت سید الرسل روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کی تمنا کی۔

ودوتُ ان اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل ثم احی (بخاری)

(اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس بات کو پسند کرتا

ہوں۔ کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں)۔

اسی بارگاہ کے ایک تربیت یافتہ نے اپنے ان پیارے نغموں سے دارورسن کو زینت بخشی تھی۔

لا ابالی حین اقتل مؤمنا   بای جنب کان لِلّٰہ مصرعی

(مجھے پرواہ نہیں کہ جب اللہ کی راہ میں مومن ہو کر قتل کیا جاؤں، جس رخ پر گر جاؤں میرا وہ گرنا اللہ کے رضا کے لئے ہوگا)۔

بہر حال حاصل کلام یہ ہے کہ ہر زمانے میں دین کی بقا کے لئے شبیری اسوہ اور قربانی کی ضرورت پڑتی ہے کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر اللہ کی رضا اور حق کے فروغ کے لئے اپنی جان ومال کو اللہ تعالی کے راستے میں خرچ کرے۔ یہاں تک کہ دعوت حق کے لئے جان وخانماں بھی قربان کرنا پڑ جائے تو اس میں دریغ نہ کرے۔

آنکس کہ ترا شناخت جان راچہ کند   فرزند و مال و خانمان راچہ کند

(وہ آدمی جو آپکو پہچان جائے جان کی کیا پرواکرے گا۔ اولاد، مال اور گھر بار کی کیا پرواکرے گا)۔

یہی شہادت حسین کا درس، یوم عاشورہ کا پیام اور عترتی سے تمسک کا ایک مقصد سمجھ میں آتا ہے۔

کیا عجب ہے۔ کہ ایرانی سیاسی ذہن اور عجمی قنوطی فلسفہ نے صبر و استقامت قربانی وجیداری، حق کے لئے فدائیت کے ایک اعلی ترین۔ اور عملی نمونہ کو ماتم تعطل اور اسلامی خلافت کی اعلی اقدار سے گریز اور روگردانی کا قابل افسوس اور مہمل مجموعہ بنا کر

رکھ دیا ہے۔ اور ایک طبقہ کے اکثر افراد کو ان مشاغل میں مبتلا کر دیا جس کے متعلق صاف وعید نبوی موجود تھی۔

لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ.

(صحیح بخاری حدیث نمبر 1294، 1297، 1298)

(وہ لوگ ہم میں سے نہیں جو مصیبت کے وقت منہ پر تھپڑ ماریں۔ گریبان پھاڑیں اور زمانہ جاہلیت جیسے کلمات کہیں)۔ ممکن ہے فراست نبوی ان کریہہ مناظر کو دیکھ رہی ہو۔ جو جگر گوشۂ نبوی کے نام پر آئندہ عالم میں رواج دیئے جانے والے تھے۔

فالی اللّٰہ المشتکی وھو یھدی الی سواء السبیل۔

(پس اللہ تعالیٰ سے فریاد ہے اور وہ سیدھی راہ بتانے والے ہیں)۔

ایران وعراق کی سنگھم

ہمارا سفر اب دریائے دجلہ میں ہے۔ دریا کا پاٹ کافی چوڑا ہے۔ ایک کنارے پر عراق کی سرزمین ہے۔ دوسری طرف ایران کا ملک گویا اس وقت ہم دو ملکوں کے درمیان چل رہے ہیں۔

بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ۝ (سورۃ الرحمن 55، آیت: 20)

(دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اُس سے تجاوز نہیں کر سکتے)۔

گاہے ایران کی ہوا آجاتی ہے۔ اور ہر رگ جان تار پارسی زمزموں سے چھڑ جاتی ہے۔

گہے شعر عراقی را بخوانم   گہے آتش زند رومی بجانم

(کبھی عراقی کے اشعار پڑھتا ہوں اور کبھی رومی کا کلام جان کو آگ لگا دیتی ہے)۔

رومی وجامی

ایران کی سر زمین اگر ہمیں رومی وجامی، عطار وسنائی، حافظ وسعدی کے نغموں کے سوا کچھ بھی نہ دیتی تو اسکا یہ کم احسان نہ تھا۔ لیکن یہاں تو محدثین، مفسرین، فقہا وصوفیاء، صلحا وعلماء کا ہر طبقہ اپنے علوم وحکمت کی بارش سے امت کا دامن بھر رہا ہے۔ یہاں تک کہ تعصب کی ایک آندھی اٹھتی ہے اور ایران کی مردم خیز زمین عقیم ہو کر رہ جاتی ہے۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران دہی تبریز ہے ساقی

بہر حال شیراز، عشاق کی سرزمین سے گزرتے ہوئے حافظ کے لفظوں میں ان مقدس روحوں کو جو گزر گئیں اپنے کو یہ کہنے پر مجبور پاتا ہوں۔

اے غائب از نظر کہ شدی ھمنشین دل
می بینمت عیاں ودعا می فرستمت

(اے وہ کہ نظروں سے اوجھل ہے لیکن دل کا ھمنشین بن گیا ہے۔ میں تجھ کو بالکل ظاہر دیکھ رہا ہوں اور دعا بھیج رہا ہوں)۔

قفا بنك من ذكری حبيب و منزل
بسقط اللوٰی بين الدخول فحو مل

(اے میرے دونوں دوستو! تم ٹھہرو تا کہ ہم سب ملکر اپنے دوست اور اس کے مکان کو یاد کر کے روئیں جو کبھی تودہ ریگ پر واقع تھا اور وہ جگہ دخول اور حومل کے درمیان تھی)۔

اور عراق تو ہمارے باپ ابراہیم خلیل کا مولد و منشا اور انکی دعوت کا پہلا ٹھکانہ ہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی توحید خالص کا یہی وہ لا ینفک جذبہء قلبی ہے۔ جو گورے کالے سرخ وزرد، عربی، عجمی، ہندی حبشی، چینی امریکی، روسی افریقی مختلف رنگ مختلف نسل، مختلف ملک مختلف طبائع کے لوگوں کو ایک ایسے الٰہی رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ کہ ہر ایک وجد میں آکر پکار اٹھتا ہے۔

ابی الاسلام لا اب سواہ   اذا فتخروا بقیس وتمیم

(میرا باپ تو اسلام ہے اور اسکے سوا کوئی اور باپ نہیں جبکہ لوگ قیس اور تمیم پر فخر کریں تو مجھے اسلام پر فخر ہے)۔

ملت مسلمہ کی تاسیس ان اعلی اور ربانی اقدار پر کی گئی ہے کہ ان حقیقتوں کو ماننے والے ایک رابطہ اخوت میں خود بخود منسلک ہو جاتے ہیں۔ باپ ابراھیم نے جس ملت کا نام مسلمین رکھا تھا۔ اسکے تمام افراد اپنے روحانی باپ کے بیٹے بن کر ایسی مضبوط اخوت کی عروۃ الوثقی میں لازما بندھ جاتے ہیں جو نسلی اخوت سے بھی قوی اور دائمی ہے۔

سلامتی ہو امت حنفی کے مؤسس اول پر اور درود سلام ہو ملت اسلامیہ کے اس داعی کامل پر جو سلسلہ انبیاء و مرسلین کے ختم پر آیا۔ اور اللہ تبارک تعالی کی رحمتوں اور برکات کے لامتناہی خزانے پورے عالم کے لئے ہر زمانے کے واسطے بکھیر گیا۔ جس کی ملت، وطنی، لونی، نسلی، ملکی قبائلی محدود حد بندیوں میں سمانہ سکی اوراس نے پوری انسانیت کو ایک ایسے معاشرے اور عالمگیر برادری کی الٰہی حقائق کے پیمان ویقین سے تشکیل کی دعوت دی جو انسانیت کا سر امتیاز اور آدمیت کا اوج کمال ہے۔

انوکھا سب سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

آبادان

جہاز آبادان کی طرف روانہ ہے۔ دریا کے دونوں کنارے کھجور کے گھنے اور پکی کھجوروں سے لدے ہوئے درخت دور تک پھیلے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ کراچی کے بعد آج خشکی کے اتنا قریب ہوئے ہیں۔ انتہائی شاداب علاقہ ہے۔ اتنے گھنے باغات زرخیز زمین ہی میں لگ سکتے ہیں۔ درختوں کے جھنڈوں کے درمیان کہیں کہیں سبزہ اور گھاس کا خوشنما منظر ہے۔ کچھ کچھ وقفے پر دیہاتی صاف ستھرے کچے یکمنزلہ مکانات نظر آجاتے ہیں۔ صبح ساڑھے دس بجے سے یہی منظر قائم رہا۔ مجھے تو سرینگر یاد آگیا۔ دریائے جہلم کے کنارے مکانات ہارس بوٹ اورڈل کے مناظر ایک ایک کر کے پندرہ سال بعد نگاہوں میں پھر گئے۔ وہ اپنا حسن رکھتا ہے اور اس کا جمال اپنا ہے۔ خالق کائنات خود عین جمال ہے۔ حسن وجمال کو پسند کرتا ہے۔ جہاں مبدئی فیاض کے خزانۂ ازل نے اپنی صنعت کاریوں پر جمال وزیبائش کا چھینٹا زیادہ دے دیا ہے۔ انسان کی جمال پسند طبیعت کی لغزش پا کا سبب بن جاتا ہے۔ ابتلا میں کامیابی یہی ہے۔ کہ جمال کے " ظلال وعکوس" میں الجھ نہ جائے بلکہ اسے دیکھے جو دیکھا نہیں جاسکتا اس میں کیف پائے جو کیف وکمیت سے پاک ہے۔ وراء الوراء کے حسن وجمال میں جو لذت وسکون، طمانیت وکیف ہے۔ اسکا ادراک بھی مجھ جیسے ذہنوں کے لئے مشکل ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔

جی چاہتاہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

قرب بے غیبت نماز عاشقان   فی صلوۃ دائمو نم آرز و ست
قلب را تاباں کن از انوار ماہ   زانکہ از آسیب ذنب شد دل سیاہ

(اپنے دل کو چاند کی روشنی سے منور کر کیونکہ گناہوں کی بیماری سے دل بالکل کالا ہو گیا)۔

کہہ یہ رہا تھا کہ دجلہ حسین ہے۔ دجلہ کے دونوں کنارے حسین ہیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حسن وجمال کھجور کے ہر ہر پتے درختوں کی ایک ایک ٹہنی، مکانوں کی ایک ایک اینٹ غرض ہر چیز سے پھوٹ رہا ہے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (سورۃ الزمر 39، آیت 69)

(اور زمین اپنے پرودگار کے نور سے چمک اٹھے گی)۔

جہاز رواں دواں ہے۔ ہم بھی چل رہے ہیں۔ دل ودماغ بھی اپنے سفر میں مشغول ہے۔ لیجئے آباداں کی شہرۂ آفاق Refinery (تیل صاف کرنے کا کارخانہ) شروع ہو گیا۔ مغربی تاجروں کی شاطرانہ سیاست اور آبادان کے واقعات آبادان کی آبادی دیکھتے ہی انگریز معہ اپنے جملہ فنون کے نگاہوں میں آ گیا۔ کاش مشرق فتنہ مغرب کے داؤ پیچ کو جانتا اور اپنی زندگی اپنے ہاتھ میں لیتا۔

آبادان کی آبادی ہمارے داہنے ہاتھ چل رہی ہے۔ میلوں تک کارخانہ پھیلا ہوا نظر آرہا ہے۔ ابتدا سیمنٹ سے بنے ہوئے پختہ گودام کچی مٹی میں دور تک تیل کے سٹاک کے لئے پھیلے چلے گئے ہیں۔ اسکے بعد کارخانے کی لوہے کی چادروں وغیرہ کے معمل ہیں۔ دور تک چمنیاں نظر آتی ہیں۔ بلا مبالغہ میلوں تک یہ کارخانہ پھیلا ہوا ہے۔ نلوں اور پائپوں کے ذریعے صاف تیل جہازوں کے لئے دریا تک لایا گیا ہے۔ دریا میں جہازوں کے لئے پٹرول پمپ تیار کئے گئے ہیں نو تک کا نمبر تو میں نے دیکھا۔ جہاز اسکے قریب آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیل لیتے ہیں۔ تیل بردار جہازوں کے علاوہ

دوسرے جہاز بھی اپنا تیل یہاں سے لیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے جہاز نے بھی اس قسم کے ایک پٹرول پمپ پر اپنا لنگر ڈال دیا۔ صبح ساڑھے گیارہ بجے لنگر ڈالا گیا۔ اور دوسرے دن صبح سات بجے تک تیل لینے کا کام ختم ہوا۔ اور روانگی ہوئی۔ دریا میں بہت سارے جہاز کھڑے ہیں تیل کی اتنی افراط ہے کہ دریا کے پانی میں بہہ کر چلا جاتا ہے۔ اور دریا پر صاف تیل وپٹرول نظر آتا ہے۔ اور اسکی بو سے لطیف طبیعتوں پر بوجھ پڑتا ہے۔ یہ تیل دو گھنٹے کی مسافت سے اس معمل میں لایا جاتا ہے۔ اور یہاں صاف ہوتا ہے۔ ٹینکر بھی تیل لے جاتے ہیں ریل بھی یہاں تک آئی ہے۔ پٹڑی بچھی ہوئی جہاز سے نظر آتی ہے۔ کارخانے سے آگے تیل کے ڈرم یعنی پیپے ہیں۔ جہاں بڑے بڑے پائپوں کے ذریعے تیل ان میں بند کیا جاتا ہے۔ ہمارا جہاز جہاں کھڑا ہے۔ کارخانہ کی بیرونی حالت و نقشہ ایک حد تک نظر آتا ہے۔ موٹروں کی چلت پھرت لوگوں کی چہل پہل صاف دکھائی دیتی ہے۔ رات کو آبادی بجلی کی روشنی سے بقعہ نور بنی رہی۔ قیاس ہے کام رات دن ہوتا ہے۔ دس محرم کا دن تھا۔ خلاف قیاس ہمارے جہاز کو تیل مل گیا۔ کارخانہ سے آگے چل کر کام کرنے والوں کے لئے پر فضا اور خوبصورت مکانات بنگلے اور کوارٹر نظر آتے ہیں۔ شاید افسروں کے لئے ہونگے۔ کہ کافی عمدہ اور اچھے بنے ہوئے تھے ان بنگلوں میں خلاف دستور کھجور کے علاوہ دوسرے درخت لگے ہوئے نظر آتے ہیں بہر حال دس محرم کا دن اور گیارھویں کی رات گزار کر فجر کی نماز کے بعد ساڑھے چھ بجے ہمارا جہاز تیل کی اس آبادی آبادان سے تیل لیکر روانہ ہوا اگلی منزل خرم شہر کی ہے۔

خرم شہر

آج 8 اگست 1957ء جمعرات کا دن ہے۔ دریائے دجلہ کے دونوں کناروں

کا منظر دیکھتے ہوئے نو بجے کے قریب خرم شہر (ایران) سے کوئی تین میل کے فاصلے پر جہاز نے لنگر ڈالا اور سامان جہاز سے اترنا شروع ہوا۔ بستی نظر نہیں آتی تھی۔ سامان کشتیوں پر جا رہا تھا۔ نہ معلوم یہاں کون بستا ہے۔ کہ شہر کا نام خرم شہر رکھا گیا رومی تو کہتے ہیں۔

خرم آں شہرے کہ آنجا دلبر است

(اس شہر میں دل خوش ہوتا ہے جہاں دلبر کی سکونت ہو)۔

بصرہ کی بندرگاہ

ہم اپنی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ جہاز ساڑھے بارہ بجے روانہ ہو گیا۔ اور ساڑھے چار بجے کے قریب بصرہ کے مضافات میں داخل ہو گیا۔ کنارے پر مسلسل کھجور کے باغات چلے گئے ہیں۔ کہیں باغات میں اچھے نئے طرز کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ کہیں کچے مکانات اور کہیں جھونپڑے۔ بعض تیراکی اور کشتی رانی کے کلب بھی نظر آئے۔ آخر بصرہ کی بندرگاہ آہی گئی۔ اور نو دن کے سفر کے بعد پونے چھ بجے جہاز نے لنگر ڈال دیا۔ معمولی سا بندر ہے زیادہ ڈاکس (Docks) نظر نہیں آئے۔ جہاز پر ہی پاسپورٹ کا اندراج و دخول ہو گیا۔ اور ڈاکٹری معائنہ بھی جہاز میں ہوا۔ آخر ان سے فارغ ہو کر کسٹم میں آئے۔ قلی نے کسٹم تک لانے کے لئے سامان کا ایک روپیہ (پاکستانی) فی نفر لیا۔ کسٹم میں گو بعض لوگوں کی بڑی سختی سے چھان بین ہوئی اور بعض کے پاس سے قابل کسٹم اشیاء بھی نکلیں لیکن بحمد اللہ تعالی ہمارا معاملہ حسابا یسیرا گویا صرف نام کی جانچ پڑتال ہوئی۔

یہاں بھی سرکاری طور پر قلیوں اور بار برداری کے باہر تک پہنچانے کے لئے دو روپے فی نفر ادا کئے۔ مغرب کا وقت تھا۔ نماز سڑک ہی کے کنارے جماعت سے ادا

کی گئی۔ شہر میں داخلے کی دعا پڑھی ایک صاحب جہاز میں حسن نامی عرب ساتھ ہو گئے تھے۔ انہوں نے محمدی ہوٹل تک سامان کی گاڑی کے پانچ روپے پاکستانی طے کئے۔ اور ہم پیدل ہوٹل میں پہنچے پہلے جو امریکہ اور انگلینڈ تبلیغی جماعتیں گئی تھیں وہ بھی یہی ٹھہری تھیں ہوٹل بندر سے چار پانچ منٹ کے راستے پر ہے۔ اچھا صاف ستھرا ہوٹل ہے۔ مسجد بھی قریب ہے۔ چوبیس گھنٹے کے لئے فی کس ایک سو پچاس فلس طے ہوئے۔ بغیر پلنگ کے سو فلس کرایہ تھا۔ کمرے میں گرمی تھی اسلئے چھت پر پلنگ کے لئے ایک سو پچاس فلس منظور کیا گیا۔ انتھک اور مستعد بھائی انور اور مولانا صاحب خور دونوش کے بندوبست کے لئے گئے۔ اور میں اور امیر صاحب لیٹ گئے۔ تھکاوٹ بہت محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان، بزرگوں کی دعا اور رفقاء کی مہربانی ہے کہ مجھ جیسا معذور اس سفر کی سعادتیں حاصل کر رہا ہے۔ ورنہ اپنے ضعف کو دیکھتے ہوئے ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ رب المستضعفین کے قربان جایئے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

جہاز کے چند اور مسافر بھی یہیں پر شریک ہو گئے کھانے کے بعد ہوٹل ہی میں نماز با جماعت ادا کی تھکے تو تھے۔ لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ جہاز کا سفر بعافیت تمام ہوا۔ ابتدائی دنوں میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔ تبلیغی کام بھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ جہاز کا عملہ اور غیر مسلم متاثر نظر آتے تھے۔ چنانچہ آخری دنوں میں بعض نے اسکا اظہار بھی کیا۔

بصرہ میں

آج 9 اگست 1957ء جمعہ کا دن ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ صبح صادق سے پیشتر ہی آنکھ

کھلی معمولات وناشتہ سے فراغت کے بعد جمعہ کی بنا پر غسل سے فارغ ہوئے۔ کپڑے بدلے مشورہ آج ہی بغداد جانے کا ہے گاڑی ساڑھے چھ بجے روانہ ہوتی ہے۔ اسلئے خیال ہوا کہ اس وقت کو غنیمت سمجھا جائے۔ اور جمعہ سے پیشتر اکابر کے مزارات پر حاضری دے دی جائے۔ چنانچہ ایک دینار پر ٹیکسی والے کے ساتھ فیصلہ ہوا اور پہلی مرتبہ یہ ناکارہ صحابہ میں سے تین اکابر صحابہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ابن مالک کے مزارات پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کر سکا۔ کیا مبارک ہے وہ سر زمین جسمیں آسمان ہدایت کے ستارے پردہ پوش ہوں۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض وانوارات کو بے واسطہ قبولنے کی سعادت اور صحبت نبوت کا شرف انہی کی استعدادوں کے لئے مقدر تھا۔ نہ معلوم میری خوش عقیدگی ہے۔ یا حقیقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مزار اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزار کے درمیان انوارات بکھرے ہوئے مشاہد ہوئے تھے۔ میرے لئے تو ہر وہ سرزمین مقدس ہے۔ جسمیں فیض یافتگان نبوت کے داعیانہ قدم پڑے زمانہ کا کلیجہ نہ تھا۔ کہ عرفان ویقین، تقوی وپارسائی کے ان شاہکاروں کو اپنے اندر زیادہ دیر تک سنبھال سکتا۔ آئے چمکے، عالم کو روشن کیا۔ آثار غریبہ چھوڑے اور چل دیئے۔

رضی اللّٰہ عنہم اجمعین ورزقنا اتباعھم واحشر نافی زمرتھم۔

(خدا ان سب سے راضی ہو اور ہمیں انکی پیروی نصیب فرمائے اور انکے ساتھ جمع ہوں)۔

شوفر کار ڈرائیو کرتے ہوئے خاص خاص مقامات کی نشاندہی بھی کرتا جاتا تھا۔ بصرہ میں مکانات اکثر مشرقی طرز کے ہیں بعض میں مشرقی ومغربی طرز کا امتزاج ہے۔

اور بعض بالکل جدید طرز کے ہیں۔ مجھے خوشی اس چیز کی تھی کہ سڑکوں پر جو عورتیں نظر پڑیں۔ انکی غالب اکثریت (90 فیصد) برقع پوش تھی۔ برقع ساتر تھا چہرہ ٹھوڑی سے لیکر نصف پیشانی تک ہی کھلا تھا۔

الا الو جه والکفین (سوائے چہرہ اور ہتیلیوں کے باقی بدن ڈانپنا ہے) کی اجازت تو حنفیہ کے نزدیک بھی ہے۔ گو خلاف احتیاط ہے۔ لیکن جسطرح مغربی تہذیب وتمدن نے اسلامی ممالک پر اپنا سایہ ڈالا ہے۔ ان حالات میں یہ بھی بسا غنیمت ہے۔

تبرج الجاھلیة الاولیٰ (جاہلیت اول کا زیب وزینت) کا منظر کم ہی نظر آیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مزار

بہر حال صحابہ کے تذکرے کرتے کرتے راستے کے مناظر دیکھتے صحابی اولوالعزم سیدنا حضرت طلحہ ابن خویلد رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچ گئے۔ ایک بوسیدہ، شکستہ اور تقریبا منہدم مقبرہ میں جسکا گنبد اور چھت بالکل گر چکی ہے۔ دیواریں کچھ گر چکی ہیں۔ اور اینٹوں کا ڈھیر دروازے کے قریب پرانی عمارت پر نوحہ کر رہا ہے۔ اسلام کا بہادر سپاہی یہاں سو رہا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فدائی جس نے احد کے دن حضور ﷺ پر کے ہر وار کو اپنے پر لیا۔ اور جیتے جی دھان نبوت سے منھم من قضی نحبه کے زمرہ میں شمار کیا گیا۔ جسے عشرہ مبشرہ میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جسے امیر المؤمنین خلیفہ ثانی نے خلافت کے شوری کے چھ افراد میں نامزد کیا۔ جسکی پوری زندگی اسلام میں داخلے سے لیکر شہادت تک دینی خدمت وحمیت، ایثار و قربانی، بہادری کے کارناموں سے پر ہے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہوئے انہی عظمت کے جذبات سے دل و دماغ مملو تھا لیکن صحابی رسول ﷺ کے دربار میں خلاف سنت عمل کیسے

ہوسکتا تھا۔ ایسے بھی طبیعت کسی کے فیض نظر سے بدعات سے متنفر ہے۔ دعائے ماثورہ پڑھی۔ فاتحہ کا ثواب بخشا۔ اللہ تعالی سے صاحب قبر کے فیوض وبرکات وانوارات سے استفادہ کا طالب ہوا۔ نسبت انتہائی الہی عظمت وو قار وسکون کو لئے ہوئے ہے۔ باوجود استغنا کے اسقدر کشش محسوس ہوئی کہ باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن جیسے قدموں میں کسی نے زنجیر ڈال دی ہو۔ آخر کافی دیر کے سکوت وتوجہ کے بعد رفقاء کے پاس آیا۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب نے فرمایا۔ اتنا وقت نہ صرف کیا کرو عرض کیا گیا۔ کہ چھوڑتے نہیں تھے فرمایا یہ تو ہوتا ہے۔

حال جامی راچہ پرسی تیر خوردہ در جگر گاہ خیزاں گاہ افتاں از نگاہ مست تو

(جامی کے حال کو کیا پوچھتے ہو، وہ تو جگر پر تیر کھائے ہوئے ہیں۔ وہ تو تیری مست نگاہوں کی وجہ سے کبھی اٹھتا ہے اور کبھی گرتا ہے یعنی بیقراری کی حالت میں ہے)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مزار

سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مزار سے درود شریف پڑھتے ہوئے بستی زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف ہو لئے بقول شوفر یہ تمام علاقہ پرانا بصرہ ہے۔ نہ معلوم اس خاک کے ذرے ذرے میں کون کون گوہر شب چراغ چھپے ہوئے ہیں کہ فضا بقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگیں کہ پنہاں ہوگئیں

راستے میں ایک مسجد کا ٹوٹا محراب نظر پڑا کہا گیا کہ جامع سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہے۔

فلم تدع الأرواح والماء والبلیٰ من الدار الا ما یشوّق ویشغف۔

(پس نہیں چھوڑا ارواح، پانی اور بوسیدہ ہڈیوں نے گھر میں مگر وہ جو شوق دلاتا ہے اور فریفتہ بناتا ہے)

حضرت حسن بصریؒ کا مزار

باتیں کرتے اور اس دور کے تذکرے کرتے جسکا نمونہ فلک کی آنکھ پھر نہ دیکھ سکی۔ ایک قبرستان پر پہنچے۔ شوفر نے موٹر ایک قبہ کے سامنے کھڑی کی (جو اچھی حالت میں پرانی طرز کا بنا ہوا تھا) بتایا۔ یہاں سر خیل تابعین امام حسن بصری رحمت اللہ علیہ آرام فرما رہے ہیں۔ حسن بصری جنکی مجمع البحرین ذات سے ظاہری و باطنی علوم کا دھارا یکساں بہتا رہا اور عالم کو سیر اب کرتا رہا۔ چاروں سلسلے انہیں کی ذات کے واسطے سے حضرت علی سے منسلک ہیں گو محدثین کے نزدیک حسن بصری کا استماع حضرت علی سے ثابت نہیں لیکن شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے شفاء العلیل میں لکھا ہے۔ کہ صوفیاء کے نزدیک انکا حضرت علی سے فیض پانا مسلمہ اور بدیہی امر ہے۔ جس میں اختلافات کی گنجائش نہیں۔ ہمارے حضرت سید الملہ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے۔ کہ حضرت حسن کا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے یہ استفاضہ اس طور پر ہے کہ دور اول میں جماعت جماعت سے فیض پاتی تھی (اوکما قال) اس بنا پر حضرت علی کا فیض جماعتی حیثیت سے مجتمع ہو کر حضرت حسن بصری کی طرف منتقل ہوا کہ مناسبت و استعداد کا استفاضہ باطنی وافاضہ میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ گویا فیض بھی محل کی تلاش میں ہوتا ہے جو قابل جوہر اس امانت کے قابل تقدیر الہی میں ہوتا ہے۔ وہاں یہ امانت الہی منتقل ہو ہی جاتی ہے۔ بہر حال یہ مسلم امر ہے۔ کہ حضرت حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیوضات باطن

سے حصہ پایا۔ مزار پر حاضری ہوئی۔ مسنون دعا کے بعد کچھ دیر اس پاک ہستی کی طرف متوجہ رہا۔ اپنا سلسلہ بھی تو یہی پہنچتا ہے۔ مناسبت فطری ہے۔ اللہ تعالی ان بزرگوں کے فیوض وبرکات باطنی اور تعلیمات سے بہرہ مند فرمائے۔

فیض ساقی ہے بہ اندازہ ظرف مے خوار دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

دل نے کہا حسن بصری اگر آج ہوتے تو نہ معلوم کیا کہتے کہ ایک قول پر فرمایا تھا۔اعتزل عنا (ہم سے جدا ہو جانا)۔

آج صراحتاً وکنایتہ اعتزال عن الاسلام کس قدر ظاہر و باہر ہے۔ سیاست اقتصاد، فلسفہ، تمدن، تہذیب، سینکڑوں راہوں سے اعتزال کیا الحادوزندقہ تک آرہا ہے۔ اور ہم خطرات وحوادث سے غافل وبے فکر۔ اللہ تعالی امت پر رحم فرمائے۔

اللهم احفظنا من مضلات الفتن ماظهر وما بطن (مسلم ترمذی مناجات مقبول)

(اے اللہ گمراہی کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرما، خواہ وہ ظاہری ہوں یا چھپی ہوئی ہوں)۔

محمد ابن سیرینؒ کا مزار

اسی حجرہ میں (تابعی و محدث شہیر) محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالی ایک طرف آرام فرما ہیں جب ہم زندہ تھے تو ایک ایک شہر اور ایک ایک عہد مین علم و عمل، تقوی وورع کے سینکڑوں نمونے مل جاتے تھے جب زوال کی آندھی چلی تو ایک ایک آدمی کو دیکھنے کو نگاہیں ترستی ہیں ہر چیز مل جاتی ہے۔ آدمی کا ملنا مشکل ہے۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیان چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس زمانہ کی سب سے کمیاب اور نایاب متاع انسان ہے۔ انسانیت کے لئے اس سے بڑا حادثہ فاجعہ کیا ہو گا کہ مٹی اور لوہا بن رہا ہے۔ اور انسان مٹ رہا ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ احساس زیاں نہیں بلکہ آج انسانیت کے جوہر و فضائل کی قدر نہیں۔ بلکہ پورا عالم مادی اضافی قدروں کو پوج رہا ہے۔ زمانہ بدل گیا لیکن لات منات نئی صورتوں میں پوجے جا رہے ہیں۔ کبھی سورج و چاند درختوں اور دریاؤں کی پوجا تھی تو آج بھی اسفل مادہ صنعت کاری کے مختلف اندازوں میں بیچ رہا ہے۔ تہذیب حاضر کے بتان نومالی وسیاسی قدروں پر مبنی ہوں یا صنعتی وافادی بنیادوں پر قائم ہوں سب میں وہی لاتی ومناتی روح کام کر رہی ہے۔ مادہ بیچ رہا ہے۔ انسان ذلیل ہو رہا ہے۔ اور خاک مٹی کی کائنات عزیز و مسجود بنی ہوئی ہے۔ افیا و یلاہ یاحسرتاہ۔ ایمان و عمل صالح نہ رہے۔ تو یہی حال ہوتا ہے۔ خالق سے ٹوٹے گا تو مخلوق کے آگے جھکے گا اعمال صالحہ میں تعلق مع اللہ ہی کے نتائج ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ○ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (سورۃ التین آیت 4-6)

(کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے)۔

حضرت امام حسن بصری نور اللہ مرقدہ اور محمد ابن سیرین کے مزارات کا قبہ ایک بڑے قبرستان کی چار دیواری میں نہ معلوم کون کون سے اہل کمال سو رہے ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ آج ملت کیوں نہیں ایسی لعل جنتی۔ کیا ماحول معاشرے کا اثر ہے۔ تعلیم و تربیت میں کمی ہے۔ یا دعوت و تبلیغ، جہد و جہاد میں کمی آگئی ہے۔ مقاصد کے چھوڑے بغیر ایسا اضمحلال نہیں آیا کرتا۔ شجر امت جب ہرا بھرا ہوتا ہے۔ تو پھول پتیاں شاخیں

اور کونپلیں خود بخود تازہ وشاداب بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ جب درخت جڑوں سے خشک ہونے لگتا ہے۔ تو تمام پھول پتے مرجھا جاتے ہیں۔ پیداوار ختم ہونے لگتی ہے۔ ہریالی ختم ہو جاتی ہے۔ جس طرح درخت کی جڑوں کو پانی نہ ملنے سے درخت کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ جب ملت اپنے بنیاد، عقائد، تقاضوں اور مطالبوں سے اعراض بھرتی ہے تو اس کی زندگی پر بھی خزاں آجاتی ہے۔

حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کا مزار

ان اولیاء حضرات کے مزارات سے نکل کر قریب ہی حواری نبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور ہم زلف صدیق اکبر کے داماد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عشرہ مبشرہ کے ایک رکن رکین سیدنا زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ وہاں پہنچے۔ دل عظمت ومحبت کے جذبات سے لبریز تھا۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ پوری عمر دین کی خدمت وجہاد میں گذاردی۔ شہادت بھی حق ہی کے راستے میں ہوئی۔ مبارک تھے وہ اختلافات جس میں بگڑنا، بننا سب اللہ کے لئے تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کو اجتہاداً حق پر سمجھا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے شریک ہوئے۔ جب انشراح دوسری طرف ہوا۔ واپس جارہے تھے کہ ایک خارجی نے شہید کر دیا۔ اور سر مبارک حضرت علی کی خدمت میں لے گیا۔ جس پر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن صفیہ کے قاتل میں تجھے جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔ آسمان کے نیچے الحب لِلّٰہ والبغض لِلّٰہ (اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض) کا اس سے بڑھ کر کیا نشان ملیگا۔ کاش اکابر پر زبان کھولنے والے اُن کی بے نفسی صداقت اخلاص وجرات پر بھی نگاہ رکھ لیا کریں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ (سورۃ البقرۃ 2 آیت 141)
(یہ ایک امت تھی کہ گذر گئی، اس کے لئے وہ ملے گا جو اُس نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا)۔

شہید راہ وفا جس کی تمام عمر جہاد میں گذری جسکا جان ومال اللہ تعالی کے لئے ہر وقت حاضر و قربان تھا۔ اگر کتاب الہی نے یہ کہا ہے۔ کہ جو اس کے لئے جان دیتے ہیں۔ مرتے نہیں دیکھو بھولے سے بھی انہیں مردہ نہ کہہ دینا۔ زندہ ہیں اور ہم انہیں رزق دیتے ہیں۔ اسی طرح برکات الہی نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ جو مال اللہ تعالی کے راستے اور جہاد و غزیٰ میں بے دریغ صرف کرتا ہے۔ اسے اپنے خزانوں سے مالامال کر دیا جاتا ہے۔

ولا تخش من ذالعرش اقلالا۔ (طبرانی امام احمد والبیہقی)

(اور عرش والے سے کمی کا اندیشہ نہ رکھ) کا عملاً ثبوت پیش کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن زبیرؓ کا واقعہ ہے کہ مدینے میں آئے تو صدیق اکبرؓ کی لخت جگر عائشہ صدیقہ کی ہمشیرہ اور نبی اکرم ﷺ کی سالی ذات النطاقین اسماء جو انکے حبالہ نکاح میں تھیں۔ کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کرتی تھی۔ اور بیچ کر گذارہ ہوتا تھا۔ رزاق مطلق نے بتایا کہ جس طرح ایک جان دینے پر ابدی جان مل جاتی ہے۔

آن کسے راکش چنین شاہے کشد   سوئے تخت و بہترین جائے کشد

(جس آدمی کو اس جیسے بادشاہ قتل کر دے تو یہ سمجھے قتل نہیں کیا بلکہ اسکو تخت شاہی اور بہترین مقام پر لے جایا گیا)۔

اسی طرح کھجور کی گھٹلیاں بیچ کر گزارہ کرنے والا زبیر کا خاندان شہادت زبیر کے بعد جب ترکۂ زبیری کو دیکھتا ہے۔ تو حساب سے کل پانچ کروڑ دو لاکھ روپیہ میراث

میں قرض دے دینے کے بعد بچتا ہے۔ یہ کسی امساک یا بخل کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرنے کا نتیجہ تھا۔ جیسے جتنا کنویں سے پانی نکالو وہ مزید پھوٹتا ہے۔ اسی طرح جتنا اللہ کے لئے صرف کرو۔ اللہ کے غیبی خزانوں سے ملتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے صحیح میں اس بارے میں خاص باب باندھا ہے کہ غازی اور مجاہد کے مال میں کیسے برکت ہوتی ہے۔ اور حضرت زبیر کا واقعہ نقل کیا ہے۔

مزار ایک مسجد کے اندر ہے۔ مزار پر سنگ عشب کا سبز قبہ بنا ہوا ہے۔ جو اچھی حالت میں ہے۔ مسجد کی پہلی صف کی داہنی طرف مزار کے حجرہ کو راستہ ہے۔ مجاور موجود ہے ہمارے لئے تالا کھولا گیا۔ اندر قالین وغیرہ کا فرش ہے۔ مزار کے گرد لکڑی کے عمدہ باریک کام کی جالی ہے۔ حاضری ہوئی۔ مسنون دعا کے بعد السلام علیکم یا حواری رسول اللہ ﷺ بے اختیار زبان سے نکل گیا۔ اپنے بزرگوں کے تلقین کردہ طریق کے مطابق متوجہ ہوا۔ کچھ اتنا قرب محسوس ہوا۔ گویا اپنے پر چھایا پایا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرات صحابہ کی نسبتیں الٰہی عظمت وہیبت انس ومحبت کے اثر سے انتہائی وقار وسکون اور کیفیت ایمانی (عقلی) کو لئے ہوئے ہیں۔ جوش وغیرہ اوامر الٰہی کے عظمت سے پست ہو گیا ہے۔ محض مراد الٰہی ہے۔ رضی اللہ عنھم۔ اس مرادیت پر دال ہے۔ عشق انس و محبت کے اس مقام پر ہے۔ جہاں مرید مراد ہی مقصد کو چاہنے لگتے ہیں۔

وَرَضُوْا عَنْهُ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (سورۃ التوبۃ9 آیت100)

(اور وہ خدا سے خوش ہیں، اور اللہ اُن سے محبت کرتے ہیں اور یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں)۔

اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ قرآن قلوب سے اسقدر مناسبت لئے

ہوئے تھا کہ ہر آیت کی تلاوت ازدیاد ایمان (قوت نسبت) کا سبب تھی گویا ہر قول الٰہی استماع کے ساتھ ہی حال بن جاتا تھا۔ بہر حال اس ہیچمیرز کی ہرزہ سرائی کیا۔ حاضری ہوئی۔ انوارات کی بارش تھی۔ کیوں نہ ہو عاش سعیداً ومات شہیداً(نیک بخت ہو کے جیا اور شہادت کی موت مرا)۔

اللہ تعالیٰ انکے فیض سے متمتع فرمائے۔ اور پوری امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ دین کی غربت کے عالم میں حواریت اور دین کے لئے قربانیاں ہی دین کے احیاء کا عادی سبب بن جاتی ہیں۔ اپنا قیاس یہ ہے۔

لا تزال طائفۃ مِن امتی قائمین علی الحق (مسلم فی کتاب الامارۃ)۔

(میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہیگا)۔ یہ گروہ حوارئین نبوت کا ہی گروہ ہے۔ اور یہ حدیث سورۃ صف کی آخری آیتوں سے مستفاد معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مزار

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزار سے نکل کر خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مزار کی طرف چلے۔ یہ مزار موجودہ آبادی سے کافی مسافت پر ہے۔ غالباً پانچ چھ میل کا راستہ ہے۔ سڑک بھی پختہ نہیں۔ بد قسمتی سے ہمارا شوفر راستہ بھول گیا۔ بد قت تمام ایک گڈریا کے بچے سے پوچھا۔ این انس تو اس نے راستہ بتایا۔ اور کوئی آدھا گھنٹے کی تگ ودو کے بعد مزار پر پہنچے۔

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نہ پر پروانہ سوزد نہ صدائے بلبلے

(ہم غریبوں کے مزار پر نہ تو چراغ موجود ہے اور نہ گل ہیں نہ یہاں پروانہ کے پر جلتے ہیں اور نہ ہی یہاں بلبل چہکتی ہے)۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے کون مسلمان ناواقف ہو گا۔ آہ جس نے دس سال پیہم خدمت نبوت اور فیضان رسالت کی بہار لوٹی ہو۔ اس طرح کسمپرسی کے عالم میں ہو کہ اندیشہ یہ ہونے لگے۔ کہ چند سال تک نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ میں پختہ قبوں کا حامی نہیں۔ پکی قبر کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں۔ لیکن کم از کم ایسی ہستیاں جو عالم کے لئے نمونہ تھیں اور ہیں۔ اگر انکے نشانات قبر موجود ہیں تو انہیں کیوں اس حالت میں چھوڑا جائے۔ کہ کل یہ بھی معلوم نہ ہو۔ کہ وہ کہاں تھے۔ اگرچہ ہمارے حکیم الامت رحمت اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اپنا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اہل کمال جہاں بھی دفن ہوں۔ معلوم ہو جاتا ہے۔ آخر قبور مسلمین کی حرمت بھی تو کچھ ہونی چاہئے۔ اللہ تعالی بدعات سے محفوظ رکھے۔ آج جبکہ اس عراق میں آثار قدیمہ اور حضریات کے ماہرین بابل و نینوا کی ایک ایک اینٹ اور پتھر کو نکال کر سنبھال رہے ہیں اپنے اکابر کے آثار کا اس طرح مٹ جانا اگر بے حسی نہیں تو اور کیا ہے۔ بہر حال حالت کو دیکھ کر دل بھر آیا۔ اور چند حروف نوک زبان سے ٹپک پڑے اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کے اتباع کی توفیق دے ان حضرات کی قربانیاں، زندگی، عمل خود نمونہ ہے۔ اور رہتی دنیا تک روشنی کا مینار رہیگا۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جسکے بھی پیچھے چلوگے ہدایت پاؤگے) ایک لاہوتی اور ان مٹ حقیقت ہے۔

معلوم ہوتا ہے مزار کسی وقت میں سبز پتھر سے بنا ہوا چھ قبوں اور صحن پر مشتمل ہو گا۔ سبز پتھر کا قیاس اس واسطے ہے۔ کہ دروازے کے قریب تھوڑا سا نشان سبز پتھر کا اب بھی ملتا ہے۔ نیچے کچی اینٹیں تھیں۔ اوپر سبز رنگ کے پتھر جڑے ہوئے تھے۔

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت حسین تھی

آجکل باہر کے تینوں گنبد بالکل گر چکے ہیں۔ سامنے کا صحن اور گنبدوں کے نیچے کی زمین ملبے سے اٹی پڑی ہے۔ اندر کے تینوں گنبد کمزور و شکستہ حالت میں ابھی تک سالم ہیں درمیانی گنبد کے نیچے خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں۔ سرہانے کی طرف دوسرے گنبد کو جوراستہ جاتا ہے۔ پتہ نہیں کس صاحب دل نے لکھوادیا۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (سورۃ الزمر 39، آیت 36)

(کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں؟)۔

گویا ان تکلفات کی اسکے بندوں کو پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ اسی میں مگن ہوتے ہیں۔ بائیں طرف معمولی سا محراب ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ قبر پر کتبہ تھا۔ لیکن اتار لیا گیا ہے۔ قبر پر کئی انگریزوں نے اپنے نام کھودرکھے ہیں۔ 1914ء میں جب پہلی جنگ عظیم میں عربوں نے خلیفہ سے غداری کی ان دنوں میں شروع میں انگریزی فوج نے سنا ہے یہاں کیمپ ڈالا تھا نشانات اب تک موجود ہیں۔ ممکن ہے انہی دنوں میں مقبرہ بھی ٹوٹ گیا ہو۔ اور اس وقت یہ نام لکھے گئے ہوں۔ حضرت طلحہ اور حضرت انس کے مزارات اگر اس طرح کس مپرسی کے عالم میں رہے۔ تو ممکن ہے۔ آئندہ نسلیں انکے مزارات کو نہ دیکھ سکیں۔

بہر حال دعائے مسنونہ کے بعد رقت کے جذبات سے اللہ تعالی سے توفیق مانگی کہ اللہ تعالی ان خادمان نبوت اور داعیان حق کا اتباع نصیب فرمائے۔ عجب انسیت اور رحمت کا منظر تھا۔ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی شان کا پر تو نظر آتا تھا۔

وھذا ما عندی ''وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا'' (سورۃ النجم 53، آیت 28)

(اور ظن یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا)۔

روانگی بغداد بذریعہ ریل

دعا کے بعد جلد واپس ہوئے کہ جمعہ پڑھنا تھا۔ ایک جامع مسجد میں جمعہ پڑھا۔ خطیب کا مضمون صلواۃ پر تھا۔ مسجد بھری ہوئی تھی۔ لیکن جو مسجد سے باہر تھے۔ وہ مسجد کے اندر والوں سے ہزار گنا تعداد میں زیادہ تھے۔ نماز کے بعد کھانا کھایا۔ قیلولہ کیا اور جانے کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ امریکن ایکسپرس سے ووچر لائے تھے معلوم ہوا کہ دفتر بند ہو چکا ہے۔ اسلئے مجبوراً گاڑی کے لئے سٹیشن پر پہنچے مسلمان معاملات میں آج ہر جگہ کمزور ہے۔ سوا چھ بجے گاڑی بغداد کے لئے روانہ ہوگئی۔ مغرب اور عشاء بحمد اللہ تعالی ٹرین میں جماعت سے پڑھی۔ اللہ تعالی مولانا الیاس رحمت اللہ علیہ پر رحمت بھیجے جن کی مساعی سے ریلوں تک میں کسی تعداد میں ہی جماعت کا اہتمام ہونے لگا۔ اذان و جماعت کو باقی مسافروں نے تعجب سے دیکھا۔ بعض خوش ہوئے اور ایک آدھ نے خوشی میں مصافحہ بھی کیا۔ لیکن افسوس رہا کہ پورا ڈبہ مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور نماز میں ہماری سستی کی بنا پر کوئی شریک نہ ہو سکا۔ اور سوائے ایک دو کے نماز بھی نہیں پڑھی گئی۔

والی اللّٰہ المشتکی (اور اللہ کو فریاد کی جاتی ہے) رات جگہ کم تھی اسلئے تمام رات بیٹھے گزار دی بیٹھے ہی جو سونا تھا۔ سو لئے۔ لیکن نیند کب پوری ہوتی ہے۔

بغداد آمد

آج 10 اگست 1957ء ہفتہ کا دن ہے۔ ریل کا سفر ختم ہوا۔ بارہ بجے کے قریب بغداد پہنچے ہم تیسرے درجے کے مسافر تھے۔ اسلئے عامتہ الناس کی زندگی کا ایک منظر سامنے آیا۔ کیا کیا جائے۔ مغرب نے ایسا صور پھونکا ہے۔ کہ حشر بپا ہے۔ سارا عالم

آنکھیں بند کئے قرنائے فرنگ کے پیچھے بھاگا چلا جارہا ہے۔

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ○(سورۃ المعارج70، آیت43)

(جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں)۔

جہاں کچھ باتیں اچھی بھی ہم کو تاہ بینوں کو نظر آئیں۔ وہاں یہ چیز بہت کھٹکتی رہی کہ نماز کا اہتمام نہیں۔ مرد وعورت کا اختلاط کوئی معیوب بات نہیں۔ ایک عورت میرے ساتھ سیٹ پر بے تکلف آبیٹھی ایسے آپس میں تو اکثر یہ چیز تھی ہی۔ میں نے اٹھتے ہوئے اسکے ساتھی سے کہا کہ ہم عورتوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ وہ بولے کیوں میں نے کہا کہ بحث ومسائل میں الجھنا تو بات کو لمبا کرنا ہے۔ یہی کہا کہ ہم پسند نہیں کرتے۔ خیر وہ شریفہ خود بخود اس بات پر اٹھ گئی۔

آج کل کے دستور کے خلاف بات تھی۔ طبیعت میں مروت بھی بہت ہے۔ لیکن اگر ایسے موقعوں پر جرأت رندانہ نہ برتی جائے۔ تو بقول حضرت حکیم الامت کے دوسروں کی دلشکنی کے خیال میں اپنی دین شکنی ہو جاتی ہے۔ ہم تو ہر اس چیز میں خیر دیکھتے ہیں جسے قرن اول نے خیر کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں جو چیز ناجائز سمجھی گئی۔ تاویل وتعبیر، دجل وفریب، حیلہ وتلمیح کی کوئی کوشش اسے جائز نہیں بناسکتی عورتیں برقع پہنتی ہیں۔ اکثریت چہرہ وکفین کے علاوہ تمام جسم کو ڈھانکتی ہیں لیکن پنڈلیاں ننگی ہوتی ہیں۔ جو ذراسی حرکت سے کھل جاتی ہیں۔ اس برقع اور پردہ کے ساتھ یہ دورنگی سمجھ میں نہ آئی۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے

دو جوانوں سے بات ہوئی دعوت دی۔ اکسایا کہ جوان ہی اس جمود اور

موت جیسے دین کے بارے میں سکون وخاموشی کو ختم کریں گے۔ یہ بات سن کر خوشی ہوئی کہ ہماری بات کو سمجھا۔ اور کہنے لگا۔ بحمد اللہ ادھیڑ اور معمر حضرات کے علاوہ نوجوان طبقہ اب اس بات پر ایمان رکھتا ہے۔ کہ ہم عراقی شامی یا عرب نہیں بلکہ ایک ہی مسلمانوں کی مشترکہ امت ہیں اور دین ہی ملانے کا ذریعہ ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ممکن ہے یہ اس نوجوان کی ذاتی رائے ہو۔ لیکن جس علاقے میں وطنیت اور نسلیت اس طرح پوجی جارہی ہو۔ کہ ''کالدیہ بابلونیا'' وغیرہ کی پرانی کفریہ تہذیبوں کو اپنی تہذیب سمجھا جانے لگا ہو۔ اور اسلامی روایات ورجال سے کامل اغماض وغفلت برتی جارہی ہو۔ اتنی سے بات سننا بھی ہمت کا باعث ہے۔ بہرحال ان جوانوں نے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ جو ہم منظور نہ کرسکے۔ خدا جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔ حال کیا مستقبل میں بھی ماضی کی تلاش کررہا ہوں۔

میری تمام زندگی کھوئے ہوؤں کی آرزو

ماضی کی تلاش

نہ معلوم وہ کیسا طبقہ تھا۔ جنکا تصور جنکے قصص، جن کی زندگی، جن کی ہر ہر ادا پر وجد آتا ہے۔ کیا محبوبین کی ادائیں کسی خاص زمانے کے ساتھ مختص کی جاسکتی ہیں۔ اگر دلبرانہ ادائیں کسی خاص زمانے کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ محبوبیت ہر زمانے میں دلوں کو کھینچتی ہیں تو پھر کیوں نہ آج بھی ہمیں حبیب دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان رفقاء کی ہر ادا لبھائے جنکی ذاتی ادائیں مٹ کر محبوب کی اداؤں کو اپنا چکی تھیں۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

چاہتا ہوں۔زمان ومکان کے روح کو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صفات عالیہ کے ساتھ اس طرح رنگین کر دیا جائے۔ کہ ہر زمانے اور ہر مکان پر ہر ایک سے وہی نقشہ وجود میں آئے جس نے مدینہ کی بزم قدس کو اپنی ضیا باریوں سے رشک سینا بنا رکھا تھا۔ بغداد میں آیا ہوں۔ بغداد کو دیکھنا چاہتا ہوں؟ بغداد ہارون و مامون کا بغداد نگاہوں میں پھر رہا ہے۔ مہذب دنیا کی سب سے بڑی ملت کا دارالحکومت۔ جیلانی وسہروردی کا مسکن، جنید وشبلی کا وطن، غزالی وطوسی کی تعلیمی منشاء میں اس بغداد کو دیکھنے آیا ہوں جس نے عظمت کسری سطوت روم۔۔۔ آہ

وہ بلدہ جو فخر بلاد جہاں تھا   بر و بحر پر جس کا سکہ رواں تھا

گڑا جس جگہ عباسیوں کا نشان تھا

بہا لے گئی موج پندار جس کو   اڑا لے گئی سیل تاتار جس کو

آج جس بغداد میں آیا ہوں، بازاروں، دکانوں، مکانوں، منڈیوں مساجد کسی جگہ وہ نقشہ نظر نہ آیا جسکی جستجو میں ایک دیوانہ دل بے تاب رہتا ہے۔ فتنہ مغرب کے متعلق اتقوا من فتنہ المغرب (مغرب کے فتنہ سے اپنے کو بچائے رکھو) ایسے ہی تو زبان رسالت سے ادا نہیں ہوا تھا۔ فتنے پیدا ہوئے۔ ہونگے لیکن اس مغرب کی آگ نے مشرق اور خصوصاً ممالک عربیہ کو جس طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔ اسکی مثال شاید ہی ملتی ہو۔ میرے نزدیک امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دور صحابہ کے بعد جن دو عظیم تاریخی حادثات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ وہ فتنہ تاتار وفتنہ افرنگ ہیں۔ فتنہ افرنگ کو فتنہ تاتار سے زیادہ اشد سمجھتا ہوں۔ امت محمدیہ کئی بار حادثات سے دوچار ہوئی لیکن عظیم ترین فتنے جنہوں نے ملت اسلامیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ فتنہ افرنگ ان میں سے ایک ہے۔

المعقل ریلوے سٹیشن

بغداد میں المعقل کے سٹیشن پر اترے۔ سٹیشن پر قلی کم اور ٹیکسی والے زیادہ سودا چکانے کے لئے موجود تھے۔ ایک نے نصف دینار کہا۔ ہم نے چار درہم کہے۔ رضامند ہو گیا۔ اور ہم جمعیت پاکستان چلے آئے۔وہاں ہمارے پاس ربع دینار کا نوٹ تھا۔ دیا مزید مطالبہ کرنے لگا آخر نوٹ لیکر اسکی فیصلہ شدہ مزدوری ادا کی معاملات میں نہ معلوم ہم اتنی کوتاہی کیوں کرتے ہیں معاملات تو حقوق العباد کا معاملہ ہے۔ جو انتہائی نازک مسئلہ ہے لکل امۃ فتنۃ وفتنۃ امتی المال کا ظہور ہر جگہ ہے۔
(ہر ایک امت کے لئے ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش مال سے ہے)۔ (اخرجہ الترمذی والبخاری فی التاریخ الکبیر وابن حبان، والحاکم)

جمعیت پاکستان ایک نیم سرکاری پاکستانی رہائش گاہ ہے۔ غریب اور درمیانی طبقے کے لئے غنیمت ہے۔ پچھتر فرش روزانہ کرایہ کی صورت میں فی کس آجاتا ہے۔ موجودہ مینجر علاؤالدین صاحب خلیق نوجوان ہیں۔ بہر حال قیام کا مشورہ کراچی سے بھی اسی جگہ طے ہو چکا تھا۔ یہاں ٹھرے۔ کھانے کے بندوبست کے بعد آرام کیا۔ ظہر وعصر کی نمازیں جماعت کے ساتھ اس جگہ پڑھیں۔ عصر کے بعد مسجد کی تلاش میں نکلے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ عروس البلاد کا سہاگ لٹ چکا ہے۔ نئی آبادیوں میں نئی مساجد نہیں ملتیں۔ پرانی مساجد ہیں۔ لیکن پرانی بستیوں میں بقول شخصے جہاں نمازی مل سکتے ہیں۔ وہاں مساجد نہیں اور جہاں مساجد ہیں وہاں نمازی نہیں۔ شیعہ حضرات کی بعض مساجد ہیں۔ آخر تلاش کرتے کرتے اس ویرانے سے نکل کر مسجد کی تلاش میں ایسی بستی میں پہنچے جہاں حضرت معروف کرخی قدس سرہ آرام فرما رہے

ہیں۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ عالم اسلامی کا چہرہ تو آج داڑھی کے نور سے محروم ہو چکا ہے۔ علماء تک مبتلا ہو چکے ہیں۔ غنیمت تھا کہ کافی جستجو کے بعد ویرانے سے نکل کر ایسی آبادی تو نظر پڑی جہاں جماعت کی نماز ادا کر سکے نماز کے بعد امام صاحب مجاورین اور دیگر حضرات سے دعوت اور امت مسلمہ کے مقصد حیات کے متعلق مولانا ظاہر شاہ صاحب نے عربی میں گفتگو کی ظاہراً تاثر اچھا تھا۔

معروف کرخی کا مزار

نماز کے بعد معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ مزار ایک بڑی مسجد کے اندر ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم دولت عثمانیہ کو اجر عطا فرمائے۔ جہاں پہنچی، عالیشان مساجد کے آثار چھوڑ گئی یہ مسجد بھی 1313ھ کی سلطان ترکی کی بنائی ہوئی ہے۔ مسجد کے نیچے زمین دوز راستہ ہے۔ دوستوں نے کہا۔ ہم تو آنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن کشش نے خود پہنچا دیا۔ طمانیت محسوس کی۔ نسبت الٰہی سے قلوب نہ خود زندہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایک ایسی طمانیت بکھیرنے والا آلہ بن جاتے ہیں۔ جو صحبت میں آتا ہے۔ کچھ نسبت میں قوت اور دل میں اطمینان محسوس کرتا ہے۔ بشر طیکہ کہ سنت کی پیروی خالق حقیقی کو مقصد اور موثر سمجھ کر آئے۔ فاتحہ اور دعا کے بعد واپسی ہوئی۔ علامہ امجد زہادی وصواف سے ملاقات کا خیال تھا لیکن آج نہ مل سکے تھکاوٹ بہت تھی۔ واپس جگہ پر پہنچے اور نماز پڑھی اور سو رہے۔

جمعیت پاکستان ہوٹل

آج 11 اگست 1957ء اتوار کا دن ہے۔ جس جگہ جمعیت پاکستان میں ٹھہرے

ہوئے ہیں۔ اکثر حاجی حضرات مقیم ہیں۔ بعض نام نہاد حج کمپنیوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں ان سے غلط وعدے کر کے لے آتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر رقم وصول کر کے طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ مال کی محبت جب اندھا کر دے تو پھر اضیاف اللہ ہوں یا غیر حاجی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ان حب الشیئی لیعمی و یصم کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے تاہم حاجیوں کو چلتے ہوئے اسکا خیال کر لینا چاہئے کہ ہم کس کے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں۔

مالیات، ومعاملات میں اچھے اچھوں کے قدم پھل جاتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی اب قدر معلوم ہوئی۔تعاملوا کالا جانب وتعاشروا کالا خوان۔(معاملہ کرو اجنبیوں کی طرح اور معاشرت رکھو بھائیوں کی طرح) فجر کی نماز کے بعد ہیچمیرز سے کہا گیا کہ حجاج کرام کی خدمت میں کچھ عرض کرے نہ معلوم کیا کیا کہا۔ اتنا یاد ہے۔ کہ برکات حج کی بقا کے لئے باقی زندگی میں احتیاط و تقوی اور اتباع سنت کے متعلق کہا گیا اور عرض کیا کہ حج کا تحفہ حج کے بعد تکمیل ایمان اور کامل دین کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ حج وداع میں امت کو یہی وصیت کی گئی تھی۔ فلیبلغ الشاھد منکم الغائب (صحیح بخاری حدیث نمبر 1741) (پس پہنچادے تم میں سے جو حاضر ہیں۔ انکو جو حاضر نہیں) دعوت تو اس امت کے جملہ اعمال میں سمودی گئی ہے۔

دعوت اگر منہاج نبوت پر ہو تو خود بخود اپنی زندگی بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ ختم نبوت کی نسبت نبوی بغیر فرائض نیابت نبوت کے شاذ ہی حاصل ہوتی ہے۔ قیامت تک ہدایت کا فیضان انہی نیابت نبوت کے اعمال کو بہانہ بنا کر کیا جائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ختم نبوت اپنے میں قیامت تک کے تمام

زمانوں اور دنیا کے تمام علاقوں کو لئے ہوئے ہے۔ اسی نسبت سے عالم کی قیامت تک کی ہدایت کو نیت میں رکھتے ہوئے اور اپنا فریضہ مذہبی سمجھتے ہوئے امت میں جس قدر دعوت الی اللہ جہاد فی سبیل اللہ ارشاد و تبلیغ، ہجرت و نصرت وغیرہ کے فرائض باقی رہینگے۔ ختم نبوت کے فیوض وبرکات سے امت مستفید ہوتی رہے گی۔ اور دیگر قومیں اسلام میں داخل ہوتی رہیں گی۔ ختم نبوت محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ اپنے ساتھ ہزاروں اوامر اور برکات کو لئے ہوئے ہے۔ اگر امت کی شیرازہ بندی اور بقا اسی ختم نبوت کی بناپر ہے۔ تو خیر الامم کی بعثت اور امم عالم کی طرف اس امت مخرجہ کو داعی کی حیثیت سے بھیجا جانا بھی اسی ختم نبوت کا ثمرہ اور برکت ہے۔ ختم نبوت کی بناپر عطا کردہ اوامر واعمال اپنے اندر نبوت والی برکات کو لئے ہوئے ہیں۔ انہی اوامر کی بناپر امت النبی الخاتم کے جوارح اور اعضاء بن کر عالم میں ہدایت و رحمت کا سبب بنتی ہے۔ نصرت الہی وفیضان ہدایت انہی اعمال کی بجا آوری کی بناپر ہوتا ہے۔ یہ امت اپنی بناوٹ میں بالکل انوکھی اور نرالی امت ہے۔ منصب نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قطعا ختم فرما کر نبوی سلسلہ کی برکات کا حصول نیابت نبوت کے ان فرائض کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ جو خصائص نبوت کے علاوہ تمام انبیاء کے وظیفۂ زندگی اور فرائض حیات تھے۔ انبیاء علیہم السلام والی مددیں اور نصرتیں فیوضات وبرکات انہی اوامر کی بجا آوری اور جہاد بالقرآن کی عملی صورتوں کی بناپر ہی وجود میں آتی ہیں۔ نظام تشریعی اپنے خاص قوانین واصول رکھتا ہے۔ جن میں زمانے کے تغیر و تبدل سے فرق نہیں آیا کرتا۔ بات لمبی ہوتی چلی جارہی ہے۔ مختصر یہ کہ جب بھی امت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں نیابت نبوت والے فرائض علی منہاج نبوت ادا کرتی رہیگی۔ نظام تشریعی کی

اپنی حقیقتوں کا ظہور ہوتا رہیگا۔ جن سے انبیائے سابقین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا جاتا رہا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ختم نبوت ایک عقیدہ ہے۔ جس کے اقرار ہی سے امت محمدیہ کا قوام و وجود تقدیر الٰہی میں مقدر کر دیا گیا ہے۔ اس کے انکار سے نہ امت محمدیہ باقی رہتی ہے۔ نہ نظام تشریعی کا وہ ارتقائی سلسلہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منتھی ہوا اور تکمیل دین اور سبوغ نعمت الٰہی کا سبب ہوا۔ وہ منطقی طور پر درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اب دین کی تکمیل قرآنی شریعت سے استفادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات سے استفاضہ اور ختم نبوت کے مقصد کی یافت امت مبعوثہ کی دینی جدوجہد اور نیابت نبوت والے فرائض کی پابندی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

ناشتہ کے بعد پاکستانی سفارت خانے میں گئے۔ سفیر پاکستان شعیب قریشی صاحب بیمار تھے۔ اسلئے ملاقات نہ ہو سکی۔ زبیری صاحب پولیس اٹیچی سے ملاقات ہوئی اچھی طرح ملے، دعوت کی اہمیت اور تقاضے انکے سامنے رکھے۔ تائید کی۔ لیکن کہا اس زمانے میں کیا کیا جائے۔ اکبر کا مشہور شعر پڑھا۔

رپٹ لکھوائی ہے لوگوں نے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

عرض کیا گیا کہ یہ اس زمانے کی بات نہیں۔ دعوت الی الحق کا ظہور ہمیشہ موانع کے ٹکراؤ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ باطل کی سرشت ہمیشہ ایک سی رہی۔ جب دعوت الی اللہ کے لئے کوئی اٹھے گا۔ یہ چیزیں پیدا ہونگی۔ جملہ انبیاء کے متعلق کہا گیا ہے۔

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

(سورۃ یٰس 36 آیت 30)

(بندوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا مگر اس سے تمسخر کرتے ہیں)۔

اور کفار کی اس فطرتی علت اور متواتر طریق کے متعلق ارشاد ہوا۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○ (سورۃ الذاریات 51، آیت 53)

(کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ شریر لوگ ہیں)۔

پھر کہا اپنے ملک کو سنورنے کی کوشش کرو۔ اخلاق و کردار کا مسئلہ پاکستان کا پہلا مسئلہ ہے۔ میں نے عرض کیا اس بات سے سو فیصد متفق ہوں اس کی کوشش کچھ نہ کچھ ہو رہی ہے۔ وہاں بھی کام ہو رہا ہے۔ لیکن اپنا خیال ہے کہ اندرونی کام کے ساتھ بیرونی کام بھی کیا جائے۔ امت مسلمہ جسد واحد ہے سنورے گی تو اس محنت کی بنا پر سنورے گی۔ کہ پوری امت کے درد سے متفکر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر بعثت کو نظر میں رکھتے ہوئے تمام دنیا میں اس آواز کو حسب استطاعت حضور والے طریقے سے پہنچایا جائے۔ جب ہدایت کے ظہور کا اللہ تعالی ارادہ فرمائیں گے۔ تو خود بخود ہدایت وجود میں آجائیگی۔

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا○(سورۃ النصر 110 آیت 2) (کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں) کا منظر قائم ہو جائے گا۔ دعوت کے میدان میں جہد و مشقت اللہ کے راستے میں ملک در ملک ہجرت و نصرت اور دیگر اوامر متعلقہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ بحمد اللہ ایک درجہ تک متفق و متاثر تھے آج نئے طبقے کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ امت جملہ طبقات کے مجموعہ کا نام ہے۔

مسلمانی غمِ دل در خریدن

(مسلمانی کیا ہے؟ غم دل کو خریدنے کا نام ہے)۔

ان سے رخصت کے بعد ویزا کے لئے شامی سفارت خانہ گئے۔ لیکن اوقات کار ختم ہو چکے تھے اسلئے دوسرے دن پر اس کام کو ملتوی کیا۔ یوگوسلاویہ، بلغاریہ، یونان وغیرہ کے ویزے یہاں نہ مل سکے۔ استنبول میں کوشش کرینگے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کا مزار

واپسی پر اپنے تعلیم و آرام سے فراغت کے بعد حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے مزار پر حاضری کے لئے چلے۔ شیخ کبیر قدس سرہ کی جلالت شان سے کون ناواقف ہے۔ غنیۃ الطالبین کے مصنف کے مواعظ کی اثر پذیری۔ ارشاد وہدایت کی امامت، علوم ظاہری پر عبور نسبت باطن کی قوت تاثیر۔

ہزار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

(معشوقوں کی بہت ساری ادائیں ایسی ہوتی ہیں، کہ جن کا نام تک موجود نہیں)۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے تفہیمات الٰہیہ میں نسبت قادریہ کو نسبت اویسی کے مماثل قرار دیا ہے۔ نسبت اویسی کی حقیقت بغیر اللہ تعالی کے مؤثر حقیقی اور فاعل حقیقی ہونے کے اذعان کے بغیر نہیں کھلتی۔ بات یہ ہے کہ حقائق الٰہیہ اسقدر غامض اور دقیق ہوتے ہیں کہ مجھ جیسا شخص اُسکے قشر کو بھی بمشکل پاتا ہے۔ اہل حال حضرات ہی ان کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اسلئے کہا گیا ہے کہ قوم کی زبان غیروں کے لئے عجمی ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجا است نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہاں ہزاروں نکتے ایسے پائے جاتے ہیں جو بالوں سے بھی باریک تر ہیں۔ یہ نہیں کہ جس نے بھی سر مونڈ لیا وہ قلندری کی رازوں کو سمجھ گیا)۔

ہمارے سید الملۃ رحمۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی صوفیانہ تعبیرات کے متعلق کہا کرتے تھے کہ انتہائی نازک ہیں انکے سمجھنے کے لئے اتنی بصیرت تو ہو کہ حضرت شاہ صاحب کے اصل مفہوم کو پا سکے۔ بہر حال نسبت اویسیہ ہو یا نسبت قادریہ ہدایت الٰہی آلہ کے طور پر انہیں استعمال فرما کر لوگوں کی تربیت واصلاح فرماتی ہے۔ ان سے استفاضہ بغیر توحید خالص نبی اکرم ﷺ کے کامل ظاہری و باطنی اتباع کے ممکن نہیں توحید خالص ابراھیمی حنفیت کے حضور صلی للہ علیہ وسلم کے باطنی وظاہری اتباع کا ثمرہ ہے۔ اسلئے عامۃ الناس اور مجھ جیسے ہیچ میرز کے لئے احوط اور آسان طریقہ یہی ہے کہ حضور صلی للہ علیہ وسلم کے کامل ظاہری وباطنی اتباع کی کوشش کی جائے۔ جملہ سلاسل اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اور تمام نسبتوں سے استفاضہ اسی ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ باقی اپنی مناسبت ہوتی ہے۔ بقول مجدد سرھندی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے بعدد انفاس الخلائق (لوگوں کی تعداد کے بقدر) ہیں۔ جس کا جہاں حصہ قدرت الٰہی میں مقدر ہوتا ہے۔ مل جاتا ہے۔ حضور صلی للہ علیہ وسلم کی صفت تزکیہ کا ظہور مختلف سلاسل کے ذریعے اس طرح کر دیا گیا جس طرح مختلف طرق فقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری علوم میں مرتب کر دیا گیا۔ حضور صلی للہ علیہ وسلم اپنی وسعت میں اسقدر عظیم ہیں کہ انہیں اپنے اندر لینے کے لئے تقدیر الٰہی نے جس قدر سلاسل اور طرق کو پسند فرمایا۔ اسی قدر سلاسل کو ظہور بخشا۔ اپنا کام جیسا کہ شاہ صاحب قدس سرہ نے شفاء

العلیل میں لکھا ہے۔ ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دینا بلکہ مسلک تھانوی کے مطابق اپنی مناسبت کے لحاظ سے اپنے لئے کسی سلسلہ کو انفع سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن افضل نہیں کہا جاسکتا۔ بعض قلوب اپنے اندر کئی کئی سلسلوں کے فیوض وبرکات کو لے لیتے ہیں۔

بہر حال سلسلہ عالیہ قادریہ کے ذریعہ اللہ تعالی نے کثیر تعداد کو ہدایت سے نوازا ہے۔ اور آئندہ بھی ایسی ہی امید ہے۔ حضرت شیخ جیلانی قدس سرہ سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ حکمت الہی جس زمانے میں اس زمانے کے حالات کے مطابق ہدایت کے لئے جن چیزوں کو مناسب سمجھتی ہے۔ ظہور بخش دیتی ہے۔ اس زمانہ کا مطالبہ یہی تھا۔ جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام سے معجزات کثیرہ کا ظہور ہوا۔ مثلا احیائے موتی اور شفا وغیرہ اس زمانے میں طب یونان کے مقابلہ میں قدرت کاملہ الہیہ اور اللہ تعالی کے شافی حقیقی ہونے کا اذعان پیدا کرنا تھا۔

مزار پر پہنچے ایک پختہ اور عمدہ بڑی چار دیواری ہے۔ جس کے چاروں طرف زائرین کے لئے رباطیں بنی ہوئی ہیں۔ درمیان میں غیر مسقف ایک مسجد ہے۔ اسکے سامنے قبلہ رخ مزار کی اصل عمارت ہے۔ پہلا ایک وسیع مستطیل ہال ہے۔ اسکے اندر ایک چوکور کمرے میں ملت اسلامیہ کا بطل جلیل آرام فرما ہیں۔ جس کے تقدس و پاکیزی، ظاہر وباطن کی جامعیت وامامت، عظمت وجلالت کے ساتھ خواص امت تک معترف ہیں مزار کے گرد چاندی کا جنگلہ ہے۔ گنبد نما چھت ہے۔ چھت نقش ونگار سے آراستہ ہے۔ مزار کے پائینتی طرف ایک دوسری مسجد ہے۔ وہاں بھی مرمت ہو رہی تھی۔

حاضری دی عظمت حق سے دل درگاہ الہی میں سجدہ ریز تھا۔ دعائے ماثورہ پڑھی انوارات وکیفیات سرمدی چھائی ہوئی پائیں۔ قلب کو متوجہ کیا۔ اللہ تعالی فیوض

وبرکات سے متمتع فرمائے۔ مغرب وھیں پڑھی دعا کی کہ اللہ تعالی حضرت کے تعلیمات سے بہرہ مند فرمائے اورارادتمندوں کو حضرت کے اصل طریقے کی جو شریعت مطہرہ کے اندر منحصر ہے، کامل اتباع نصیب فرمائے۔ آمین۔ بعض پشاوری حضرات سے جو حج کے ایک قافلے کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ ملاقات ہوئی۔ تبلیغی حضرات کا پوچھا پیغام بھیجا۔ بحمد اللہ تعالی صبح کو وہ حضرات ملنے آگئے۔

آج 12 اگست 1957ء پیر کا دن ہے۔ صبح مختصر تعلیم کے بعد شامی سفارت خانے گئے۔ کیا کہئے۔ متعلقہ کلرک انتہائی بے حجابانہ لباس میں ایک نوجوان عورت تھی۔ تین ساتھی ملاقات کے کمرے میں بیٹھ گئے انور صاحب اور امیر صاحب نے ویزا کے لئے کہا جواب ملا۔ پاسپورٹ چھوڑ جاؤ۔ کل ملیں گے۔ واپسی ہوئی۔ امریکن ایکسپرس کے دفتر آئے۔ کرنسی وغیرہ کی بات ہوئی۔ معلوم ہوا۔ آج ہی ٹرین جارہی ہے۔ انور صاحب نے پاکستانی سفارت خانے میں فون کیا۔ اور شامی سفارت خانہ میں فون کر دیا۔ بحمد اللہ ویزے مل گئے۔ ٹکٹ مغربی بغداد سے استنبول براستہ موصل تقریباً 8 دینار فی کس کے حساب سے خریدے۔ امریکن ایکسپرس نے بتایا کہ دوسو ٹرکش لیرا فی کس ساتھ لے جاسکتے ہو۔ قانونا کوئی بندش نہیں چھ سو کے قریب لیرا چار آدمیوں نے لیا۔ کچھ شامی سکہ راستے کے خرچ کے لئے لیا۔ اور تیاری کے بعد اور مغرب کی نماز پڑھ کے سٹیشن پر آگئے۔ انٹرنیشنل ٹرین براستہ موصل وتل کوچک تھا۔

ٹرین میں ہجوم بہت معلوم ہوتا تھا لیکن ہمیں بحمد اللہ جگہ مل گئی۔ گو زنانہ مردانہ کی کوئی تمیز نہیں اسلئے اگر ایک سیٹ پر تو نہیں لیکن آگے پیچھے دائیں بائیں بے پردہ عورتیں آزادانہ شریک سفر تھیں۔ عشاء کی نماز سٹیشن پر بحمد اللہ تعالی آذان وجماعت سے ادا کی۔

ایک دواور مسافر بھی شریک ہوگئے۔ رات قدرے آرام سے گزر گئی۔

موصل میں آمد

آج 13 اگست 1957ء منگل کا دن ہے۔ صبح کے ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ٹرین موصل پہنچی۔ پرانا شہر ہے۔ آج کل تیل کے چشموں کی بنا پر تمام عالم میں شہرت رکھتا ہے۔ عمارات کچھ جدید اور باقی قدیم طرز کی ہیں۔ بغداد سے جو عراقی مسافر سوار ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر یہاں اتر گئے۔ یہاں ایک عجیب واقعہ جسے حادثہ کہئے پیش آیا۔ معلوم ہوا کہ ٹرین ایک گھنٹہ ٹھہرے گی۔ اس خیال سے ہمارے دو رفیق انور صاحب اور مولانا صاحب چائے و خوردونوش کی اشیاء خریدنے کی غرض سے سٹیشن کے سامنے بازار چلے گئے۔ اتفاق سے ٹرین تقریباً نصف گھنٹے کے بعد روانہ ہوگئی۔ وہ سمجھے کہ شاید شنٹنگ وغیرہ کے لئے آگے ہوئی ہے۔ لیکن آتے آتے ٹرین سٹیشن چھوڑ چکی تھی۔

رفقاء کے ساتھ ہمارے ٹکٹ بھی تھے۔ اور انکے پاسپورٹ ٹرین میں عراقی پولیس کے پاس تھے۔ اس اتفاقی حادثہ سے جو پریشانی ہونی تھی ظاہر ہے۔ امیر صاحب سے کہا۔ فرمانے لگے۔ پریشانی سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجیے۔ میں نے منع کیا تھا۔ بات نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہے۔ لیکن مجھے کہاں قرار آتا تھا۔ ایک شامی ہمسفر سے تذکرہ کیا۔ اور ہوتے ہوتے تمام ڈبہ میں ہماری بے وقوفی کا چرچا ہونے لگا بعض نے تجاویز بھی بتائیں اور یہی بات چیت جاری تھی کہ ٹکٹ چک کرنے والا آگیا۔ خیر گذری کہ ٹکٹ نہ ہونے کی بناپر جرمانہ طلب نہیں کر لیا بلکہ تل کوچک (عراقی سرحد) تک مہلت دے دی۔

اس ہنگامہ میں ہماری حالت عجیب تھی۔ لیکن افسوس ہوا کہ ہمدردی کا جذبہ عموماً مفقود تھا۔ مستورات تو قہقہے تک لگا رہی تھیں۔ لیکن اس پریشانی کے عالم میں اللہ

تعالیٰ نے ایک موصل کے نوجوان طالب العلم امیر سے تعارف کرا دیا۔ جو استنبول میں انجینئرنگ کالج میں پڑھنے کے لئے جارہا تھا امیر کی مادری زبان تو عربی ہے ہی۔ ترکی اور انگریزی بھی بول لیتا ہے۔ یہ نوجوان ماشاء اللہ شرافت و مروت کا پتلا نکلا۔ بیچارے نے پوری ہمدردی کی۔ اور رفقاء کے نہ آنے پر کیا کیا جائے۔ اور کس طرح ان سے ملا جائے پورا مناسب خاکہ بتا دیا۔ اسکے علاوہ بھی مزید معلومات اس سے حاصل ہوئیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ اسی کشمکش میں گزرا تھا کہ ایک چھوٹے سے سٹیشن پر ٹرین ٹھہری اور تمام ڈبے والوں کی زبان سے بے اختیار نکلا وہ تمہارے ساتھی آ گئے۔ ہم انہیں سٹیشن پر دیکھ کر مسرت و حیرت کے تصویر تھے۔ بات یہ ہوئی کہ موصل میں ٹرین سے رہ جانے کے بعد مقامی حضرات کے مشورہ کے مطابق سوا ایک دینار (پونڈ) پر ٹیکسی کرا کر وہ اگلے سٹیشن کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور ٹرین کے آنے سے پیشتر ہی وہاں پہنچ گئے بہر حال اس واقعہ نے کئی سبق دئے۔ اور آئندہ کے لئے محتاط بنا دیا۔ اور ایک اچھے رفیق امیر کا ساتھ نصیب ہو گیا۔ جو کہ آگے چل کر کافی فائدہ مند ثابت ہوا۔

شام کی سرحد پر

دو پہر دو بجے کے قریب شامی سرحد پر پہنچے یہاں ایک چھوٹا سا قصبہ تل کوچک ہے۔ کسٹم وغیرہ کے لئے تلاشی معمولی سی ہوتی ہے۔ ہمارا کمپارٹمنٹ یہاں تک کے لئے تھا۔ اسلئے دوسرا ڈبہ بدلا۔ امیر موصل کے مشورہ پر دو سو کے قریب ترکی لیرا شامی سکہ سے مبدل کر دیا۔ یہ سکہ کا مبادلہ اور تبدیلی بھی عجیب کھیل ہے۔ صراف اور سود کا کاروبار کرنے والے ہزاروں کے وارے نیارے سکوں کی اس فرق کی بنا پر کرتے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے کہیں لکھا تھا کہ اسلام کا منشاء پورے عالم میں ایک

سکہ کا رواج ہے۔ اور بعض سود کے متعلق احادیث سے استدلال کیا تھا۔ بہر حال اگر دنیا میں ایک ہی سکہ کا خواب پورا ہو جائے۔ تو کرنسی کے ہیر پھیر سے کسی قدر راحت نصیب ہو جائے۔

نصیبین شہر (ترکی سرحد)

تین بجے کے قریب ترکی کا سرحدی شہر نصیبین آیا۔ پرانا شہر ہے۔ حدیث میں بھی تذکرہ آتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نصیبین کے جنات ایمان لیکر آئے تھے۔ ہمیں نصیبین کے کسٹم کے جنوں سے واسطہ پڑا۔ ہمارے پاس ایک سو پچاس یا سولیرا ترکی فی کس موجود تھا۔ امریکن ایکسپرس نے بغداد میں بتلایا تھا کہ دو سو لیرا ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ امیر موصل سے معلوم ہوا کہ سو لیرا لے جایا جا سکتا ہے۔ اور اس بارے میں حکومت ترکیہ کافی نگرانی و سختی کرتی ہے۔ مگر صرف زبان پر اعتبار کیا جاتا ہے جو بتا دیا جائے۔ اس پر کسٹم والے بھروسہ کرتے ہیں۔ امیر صاحب نے مشورہ کے بعد فیصلہ دیا کہ ہمیں جھوٹ نہیں بولنا چاہئے اور صحیح رقم بتلا دینی چاہئے۔ حیرت ہے کہ دو ساتھیوں کے پاس سو سو لیرا کی رقم تھی وہ بھی رسید لیکر رکھ لی گئی۔ اور اس طرح ترکی لیرا ہم سے سب کا سب لے لیا گیا۔ ہم عربی اور انگریزی میں کہتے بھی رہے کہ سو لیرا کی تو اجازت ہے۔ لیکن وہ ترکی میں یہی جواب دیتے کہ آپ کو استنبول میں مل جائیگا۔ امیر موصل کہنے لگا میں نہ کہتا تھا کہ دروغ مصلحت آمیز یا سکوت بہتر ہے۔ مجھے پچھلے سال ایسا ہی تجربہ ہو چکا ہے۔ آپ نے بات نہ مانی ترکی میں پونڈ ساڑھے آٹھ لیرا اور یہاں پونڈ کے بتیس، تینتیس لیرا مل جاتے ہیں۔ بہر حال اس حملہ ترکانہ کے بعد اپنے کمپارٹمنٹ میں گئے۔ کافی دیر تک چہ میگویاں ہوتی رہیں کہ بعض کے پاس

چھوڑ دیا گیا۔ ہمارے پاس کیوں نہیں چھوڑا۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب کیا بن سکتا تھا، اسی میں بہتری ہو گی۔

ہر چہ از یار می رسد نکوست

(دوست کی مرضی سے جو بھی پہنچتا ہے اسکو اچھا ہی سمجھ لینا چاہئے)۔

ٹرین میں ہمارے کمپارٹمنٹ میں کچھ شامی اور ترکی محبت سے آتے رہے۔ شامیوں سے تو عربی میں بات ہوتی رہی۔ ترکوں سے محض نگاہوں اور اشاروں پر اکتفا کیا۔

زبان یار من ترکی و من ترکی نمے دانم

(میرے دوست کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی جانتا نہیں)۔

بعض اوقات امیر موصل ترجمانی سے ممنون فرماتے۔ آج بھی دین کے درد و فکر والے مخلص نوجوان ہر جگہ موجود ہیں۔ لیکن اصل سوال تلاش تربیت اور کام لینے کا ہے۔

جوانوں کو میری آہ وسحر دے پھر ان شاہین بچوں کو بال وپر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نور بصیرت عام کر دے

آج 14 اگست 1957ء بدھ کا دن ہے۔ آج کا دن عجیب رہا۔ ہم ضعفاء کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف اسکی نصرت پر تکیہ کئے ہوئے جا رہے ہیں۔ نصرت الٰہی ظہور گویا کرامت بن کر ظاہر ہوا۔ رب المستضعفین کی کرم فرمائی کے نثار جائیے جب نوازنا چاہتا ہے۔ تو اسکی نوازشات انسان کے وہم وگمان سے بڑھکر ہوتی ہیں۔ انسان نہیں سمجھتا ہے۔ لیکن قادر و حکیم جب چاہتا ہے۔ اور جیسا مناسب سمجھتا ہے۔ نصرت و مدد کی صورتیں پیدا فرما دیتا ہے۔ آج کچھ ایسی ہی صورتیں نظر آ رہی ہیں۔ الٰہی کرشمہ سازی رنگ بدل بدل کر ظاہر ہو رہی ہے۔ سچ ہے۔ اقویا تو کچھ کرنے کا

زعم بھی رکھ سکتے ہیں لیکن جنکا سرمایہ سوائے عجز و ضعف کے کچھ بھی نہ ہو۔ وہ بے سہارا" رکن شدید" کو اپنی پناہ مأویٰ نہ پکڑیں تو کیا کریں۔ ضعفاء کا ایمان اسی کے ذریعہ قوی ہوتا ہے۔ جب سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کوئی نظر نہیں آتا۔ تو جو سب کا ہے۔ اپنے ضعیف بندوں کو اپنے قدرت کے خزانوں کا مشاہدہ کائنات غیبی سے کرادیتا ہے۔ انسان کا کمال تو یہی ہے کہ فقر تامہ کا حال ہر وقت اس پر غالب رہے۔ انسان کی احتیاج و نیستی کا یقین محکم اور فاعل مختار قادر مطلق کے بھرپور خزانوں اور ہمہ گیر فاعلیت کا ایقان ہی رحمت الٰہی کو جوش میں لاتا ہے۔ اور نصرت الٰہی اور خصوصی مدد کا سبب بن جاتا ہے۔ مؤمن کو تو کہا گیا تھا کہ جوتی کا تسمہ بھی اللہ تعالی سے مانگے عبدیت کی حقیقت فقر الی اللہ ہے۔ اور فقر کا ظہور دعاء وابتہال الی اللہ ہے۔ مومن کی قوت واسلحہ، خزانہ، قوت دعا ہے۔ جتنا فقر بڑھیگا۔ عبدیت پیدا ہوگی۔ اور اپنے احتیاج پنے کا تصور۔ مخلوق کی کلیتا محتاجی کا استحضار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یقین قوت دعا کو بڑھائے۔ انبیاء نے امتوں اور قوموں کے فیصلے قوت دعا سے کرائے ہیں۔ ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ دو رکعت صلوۃ الحاجہ پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت پوری کرالو۔ دعا ایک نعمت الٰہی ہے۔ انسان کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کا مظاہرہ اسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے اسے عبدیت کی جان قرار دیا گیا۔ الدعاء مخ العبادۃ (ترمذی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ) (دعا عبادت کی مغز ہے) بے شک اللہ تعالی نے دعا کی نعمت دیکر کمزوروں اور ضعیفوں کو وہ عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ جو انسانی کمال کا نشان وعبدیت کا طرہ امتیاز ہے۔

شہر حلب

اللہ تعالی نے آج ہم ضعفاء کی مدد کی عجیب صورتیں پیدا فرمائیں صبح ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد تعلیم کے لئے سوچ رہے تھے کہ حلب کا سٹیشن آگیا۔ حلب کے آتے ہی قلب پر امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آئینہ تھا۔ میرے لئے شیشہ حلبی یہی تھا کہ اس نام کے آئینہ میں اپنے محبوب دور کی تصویر دیکھ لوں۔ کسی سینہ فگار کے لئے محبوب کی وادی کا ہر ذرہ چراغ طور ہوتا ہے۔ اس حرمان نصیب کے لئے پر وہ نام و مقام جہاں ہمارے صحابہ کے قدم پہنچے انکی حیات افرین دعوت پہنچی، جذبات میں ہیجان کا، قلب میں سوز و بے قراری کا اور دماغ میں کسی دوسری دنیا کے تصور کا پیغام ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کیا کروں۔ جسے اپنے لئے قافلے کا درد ہے۔ اور میری طرح جس کی زندگی گزرے ہوؤں کی جستجو بن گئی ہے۔ یہ اشارہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہو گا۔ کاش ہم ماضی کو جانتے، اپنے مقصد کو پہنچانتے اور ایک نیا عالم پیدا کرتے۔ اور کسی خوش نصیب کی طرح یہ کہتے ہوئے رخصت ہو جاتے۔

تپیدم ، آفریدم ، آرمیدم

خیر حلب آیا سٹیشن پر نظر پڑی۔ یورپ کو ابھی تک نہیں دیکھا۔ لیکن شاید یورپ ایسا ہی ہو گا آہ

سروہایت راقباہاخواستہ　　　قمریانت رانواہاخواستہ

برزبانت گفتگوہامستعار　　　دردلت آرزوہامستعار

من ندانم توتوئی یادیگری

(سرو کے قبائیں مستعار اور قمریوں کے نالے بھی، زبان پر باتیں بھی اپنی

نہیں اور دلوں کی آرزوئیں بھی پرائیں میں نہیں جانتا کہ تو حقیقتاً اصلی ہے یا نقلی)۔

چند لڑکیوں کے سروں پر سیاہ رومال بالوں کو چھپاتے ہوئے بندھے تھے۔ اور جرابیں پنڈلیاں چھپا رہی تھیں۔ خیال کیا شاید اخوان المسلمین سے متاثر ہونگی۔ دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ باوجود ظاہر کے بگڑے نقشے کے دل ناامید نہیں۔ ممکن ہے۔ اس خرابے میں آبادی کے نشانات مل جائیں۔ دینی زندگی تو قلب سے عبارت ہے۔ ممکن ہے راکھ کے اس ڈھیر میں ایمانی شرارے چھپے ہوں۔ اپنا طریق یاس وناامیدی کا نہیں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آئندہ نسلوں تک میں نور ایمان کی تلاش و جستجو کی ہے۔ انبیاء کی دعوت میں ہیچمیرز کے خیال میں یہ چیز عام ہے کہ اس وقت تک ہدایت سے ناامید نہیں ہوتے۔ جب تک نبوی فراست اور انبیاء الٰہی سے موجودہ کفار کی نسلوں تک میں ایمان کی یافت کا گمان باقی رہتا ہے۔

نوح علیہ السلام کا قول لَمْ يَلِدُوٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا○ (سورۃ نوح 71، آیت 27)

(اُن سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکردار اور ناشکر گذار ہو گی)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کا مقام پر یہ کہنا کہ ممکن ہے انکی نسلوں میں کوئی ایمان لے آئے ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ نبوی فراست ایک مقام پر ہدایت کو نسلوں تک میں نہیں پاتی اور ہلاکت کی دعا کرتی ہے۔ اور دوسری جگہ نبوی فراست آئندہ نسلوں میں ہدایت کو پا کر ہلاکت میں مانع آجاتی ہے۔

امیر رشید امریکی سے ملاقات

بھائی انور سٹیشن پر کچھ روٹی وغیرہ خریدنے اترے۔ امیر صاحب نے کہا وہ دیکھو شام میں داڑھی والا آدمی تمہیں دکھاؤں۔ دور سے دیکھا۔ تعجب ہوا سر پر قراقلی

کی پاکستانی ٹوپی تھی۔ کہا کوئی ہو گا کچھ دیر گزری تھی۔ دیکھتا ہوں کہ امیر رشید امریکی ہمارے کمپارٹمنٹ میں مسکراتے ہوئے داخل ہو رہے ہیں۔ خوشی واستعجاب سے عجیب کیفیت ہوئی۔ حیرت تھی کہ امیر رشید کہاں اور ہم کہاں۔ بغلگیر ہوئے۔ اور بتایا کہ حج کے بعد بیروت سے ہوتے ہوئے استنبول کے ارادے سے حلب پہنچے ہیں۔ سٹیشن پر ایک پاکستانی انور صاحب کو دور سے دیکھا۔ خیال ہوا ضرور اپنے تبلیغی رفقاء میں سے کوئی ہو گا۔ اور جماعت ٹرین میں موجود ہو گی۔ اسی تلاش میں تھا کہ آپکے کمرہ تک پہنچ گیا۔ والد عبد الرشید بھی میرے ساتھ ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا تھا کہ واپسی کے سفر میں کہیں نہ کہیں جماعت ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بات پوری کر دی میں نے عرض کیا۔ جب سے کوئٹہ اور رائے ونڈ کے بعد آپ سے جدا ہوا ہوں۔ بارہا خیال آیا۔ خاص طور پر جب پشاور میں ساتھیوں کے ذریعے یہ اطلاع پہنچی کہ آپ کچھ وقت اس ہیچمیرز کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تو ندامت وشوق نے بے قرار کیا۔ بہر حال اس کی صورت آج اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دی ہے۔ اسکے بعد انکے والد عبد الرشید صاحب تشریف لائے۔ اور آتے ہی کہا۔ آپ سے ملاقات تبلیغ کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے۔ گفتگو ہوئی۔ عبد الرشید صاحب فرمانے لگے۔ پہلے خیال تھا کہ استنبول سے بذریعہ جہاز لندن چلا جاؤں اور وہاں سے بذریعہ سٹیمر نیویارک۔ لیکن اب خیال کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔ خاص کر جرمنی میں کہ جرمن زبان جانتا ہوں۔ اس سے ممکن ہے کام میں کچھ مدد مل جائے۔ ہم نے اسے عنایت الٰہی سمجھا۔ اور انکے اس نیک خیال کی تائید کی۔ ان دو حضرات کے شمولیت سے ہماری جماعت کو بحمد اللہ کافی تقویت پہنچ گئی ہے۔ امیر رشید صاحب نوجوان ہیں فارمیسی بیچلر کا امتحان پاس کر کے فارمیسی کے کام میں

مشغول تھے۔ ہمارے رفقاء امریکہ پہنچے۔ دین کے لئے مدد کی دعوت دی۔ پاکستان چار مہینے کے لئے آئے تھے۔ وہاں تبلیغی حضرات کے ساتھ تعلیم وذکر، تبلیغ ودعوت اور فکر آخرت کے کاموں میں مشغول رہے۔ طبیعت متاثر ہوئی۔ قیام کا زمانہ ڈیڑھ سال کر دیا۔ بحمد اللہ متفکر دماغ اور دینی درد والا دل پایا ہے۔

یک ذرہ درد دل از سلطنت جم بہ

(درد دل کا ایک ذرہ بھی جمشید بادشاہ کی سلطنت سے بہتر ہے)

پاکستان کے قیام نے ظاہری وباطنی زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھال دیا ہے، ماشاءاللہ متشرع داڑھی، گوری رنگت پر خوب بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اطوار واوضاع میں بھی اسلامی سادگی آگئی ہے۔ زمین پر بیٹھ کر اکٹھا کھاپی لینا معمول ہو چکا ہے۔ ساتھیوں کی خدمت گزاری، سنت کا اتباع، دین کے فروغ کا جذبہ، اسلام کو سلف صالح کے رنگ میں دیکھنا اور عالم کی نجات ہر لحاظ سے قرن اول کی زندگی میں پانا یقیناً ایک نوجوان کے لئے سعادت کا باعث اور اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اور اس سے بڑھ کر مسرت کا سبب یہ ہے کہ نوجوان کوئی خاندانی اور مشرقی مسلمان خانوادہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک نومسلم امریکن خاندان کا رکن ہے۔ سچ ہے۔ مجھے تو اس نوجوان کے تقویٰ وطہارت دنیا سے بے رغبتی اور مقصد سے دلچسپی پر رشک آتا ہے۔ نیویارک کے آتشکدہ سے بھی چراغ طور میسر آسکتا ہے۔ طلب شرط ہے۔ اس نوجوان سے بڑی امیدیں ہیں۔

وفقنا اللّٰہ وایاہ لما یحب ویرضی۔

(اللہ ہمیں اور اسکو اپنی پسندیدہ اعمال اور مرضیات کی توفیق دے)

امیر رشید کے والد عبدالرشید پولینڈ میں پیدا ہوئے۔ وہاں پرورش پائی۔ دنیا

کے مختلف ممالک کو صحیح دین کی تلاش میں دیکھا۔ عالم کا دورہ کیا۔ ہندومت آزمایا۔ بدھ مت اختیار کی۔ لیکن بقول انکے اللہ سے رابطہ انہیں محسوس نہ ہوا۔ مغربی مذاہب جو کہتے ہیں۔ اسپر عمل پیرا نہیں۔ بدھ مت بت پرستی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ جاپان میں پہلی جنگ عظیم کے بعد چین کے راستے آئے۔ اور ٹیپو سلطان کی مسجد میں 1914ء میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ انگریزی میں دیکھا۔ اور فاتحۃ القرآن نے اسلام کے لئے دل کھول دیا۔ انگریزوں نے غیر ملکی سیاسی قیدی کے طور پر نظر بند کر دیا۔ جیل میں قرآن پڑھا۔ ساڑھے تین سال بعد امریکن سفارت کے ذریعے کلکتہ میں مشرف بالا سلام ہوئے۔ امریکہ جہاں وہ متوطن ہو چکے تھے۔ چلے گئے ملازم تھے۔ نماز وغیرہ کے پابند تو تھے ہی۔ ہماری دعوت پہنچی بیٹا پاکستان آیا اور باپ کو حالات لکھے۔ متاثر ہو کر وہ بھی پاکستان آئے۔ چار مہینے جماعت کے ساتھ گزارے حج پر جماعت کے ساتھ گئے۔ اور واپسی پر آج ہم سے حلب میں آملے ہیں۔ ضعیف العمر ہیں۔ ایمان کا جذبہ ہم نسلی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ نورانی چہرے پر شرعی داڑھی خوب سجتی ہے۔ سنت کا اتباع اور احیائے دین کا جذبہ اور حقیقی اسلام کو عالم میں پنپتے دیکھنا زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بوڑھے باپ اور نوجوان بیٹے کو اسلام کے نور سے روشن فرمادے۔

انہ علی کل شیءٍ قدیر ○ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں)

تعلیم کے لئے رفقاء کا مشورہ تھا کہ اپنے کمپارٹمنٹ ہی میں کی جائے۔ چھ ساتھی ہم ہو چکے تھے۔ امیر موصلی اور ایک ترک نوجوان جو ملٹری کالج استنبول میں کیڈٹ ہیں اور عربی جانتے ہیں۔ ہمارے ساتھ عموماً شامل ہو جاتے ہیں۔ تعلیم کے لئے بعض رفقاء دوسرے ڈبوں میں دیگر حضرات کے بلانے کے لئے گئے۔ بحمد اللہ تعالیٰ شامی

طلباء جو استنبول مختلف کالجوں میں پڑھنے جارہے تھے۔ ان میں سے اکثر حضرت المخدوم مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب سے متعارف اور تبلیغی دعوت سے شناسا تھے۔ ایک طالب العلم محمد حمویہ صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ پچھلے سال ترکی کے سفر میں علی میاں مدظلہ کے ہم سفر تھے۔ بلکہ انہی کے زبانی معلوم ہوا کہ حضرت موصوف نے اپنے کسی مضمون میں انکا تذکرہ بھی خوب بڑھ چڑھ کر کیا ہے۔ اچھے واقف اور احیائے دین کی فکر رکھنے والا نوجوان ہیں۔ علی میاں کے ساتھ سفر کا حال سناتے رہے۔ کہنے لگے وہ نہ صرف ایک عالم جلیل ہیں۔ بلکہ ہمارے مرشد وامام ہیں۔ جماعت اسلامی کے لٹریچر سے بھی واقف ہیں۔ کہنے لگے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور عرب ممالک میں اخوان المسلمین کی مساعی سے امید بندھی ہے کہ پھر امت اسلام کی طرف لوٹے گی رجوع الی الاسلام میں نہ صرف ملت کی نجات ہے۔ بلکہ انسانیت کی بقا اور اسکے مصائب کا علاج بھی یہی ہے۔ کاش رجوع الی الاسلام کی جہد ومحنت میں جملہ مسلمان شریک ہوتے اور اسکی اہمیت کو سمجھتے۔

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

(تمام دنیا انگریز کی چنگیزیت سے بر باد ہو چکی، اے حرم کے معمار (مسلمان)تو دنیا کی آبادی کیلئے دوبارہ اٹھ کھڑا ہو جا۔ اور اپنی اس انتہائی گہری نیند (غفلت) سے بیدار ہو جا)۔

عرض کیا مقصد کی وحدت اگر منہاج نبوت کے ساتھ میسر ہے تو انشاء اللہ

تعالیٰ اخلاص والی کوششوں کو بارآور فرمائے گا۔ دین کا ظہور اور غلبہ تو ہو کر رہنا ہے۔ عالم کے احوال اسلام پر عمل اور اسکی دعوت کی عمومیت کے متقاضی ہیں۔ آج تکوینی حالات تشریعی قوانین کی پابندی کی دعوت دے رہے ہیں کہ نجات اس میں ہے۔

حسین یوسف لطیف البانوی سے ملاقات

شامی طلباء کے علاوہ امیر رشید صاحب کے ذریعہ ایک البانوی مہاجر عالم حسین یوسف لطیف جو مکہ مکرمہ سے تشریف لا رہے تھے اور اسی ٹرین میں سوار ہیں سے تعارف ہوا اور اپنے کمپارٹمنٹ میں آنے کی انہیں تکلیف دی گئی۔ موصوف البانیہ (ریاست ہائے بلقان) کے رہنے والے ازہر کے فارغ التحصیل اور مدرسہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں آجکل مدرس ہیں۔ دین کے لئے وطن چھوڑنا پڑا ہے۔ لیکن اپنے علاقے کے مسلمانوں کے درد میں بے قرار اور اسلام کی بقاءواحیاء کے لئے سوگوار ہیں۔

ان سب حضرات کے اجتماع سے ہمارے سفری حجرہ میں کافی رونق ہو گئی ہے۔ مختصر تعلیم کے بعد باہمی مذاکرات اور تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ شامی طالب العلم محمد حمویہ کے علاوہ سب سے زیادہ پر تاثیر اور درد میں ڈوبی ہوئی باتیں حسین یوسف لطیف البانوی عالم کی تھیں جن سے ہمیں کافی فائدہ اور ریاست ہائے بلقان کے مسلمانوں کے حالات کا اندازہ ہوا۔ ابتداہی اس جملہ سے فرمائی کہ آج مسلمانوں کا ہر ملک اور ہر طبقہ اپنے مسائل میں اس طرح الجھا ہوا ہے کہ دوسرے علاقے کے مسلمانوں کا انتہائی اہم معاملہ بھی اسکی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اخوت اسلامیہ باہمی رفاقت ومحبت کے اس جذبے کا نام ہے کہ امت کے ہر طبقے اور ہر علاقے کے مسلمانوں کے مصائب سے پوری امت بیتاب اور متفکر ہو جائے آج البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ کے مسلمانوں

پر کیا گزر رہی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں وہاں سے لوگ کیوں ہجرت کر چکے ہیں۔ آخر اپنے وطن کو ایسے تو کوئی نہیں چھوڑ تا۔ وہ کیا مصائب ہیں کہ اللہ تعالی کے نام سے زمین کے قطعات اور مسلمانوں کے وجود سے علاقے خالی ہو رہے ہیں۔ مساجد منہدم، مدارس ویران اور خانقاہیں سونی ہوئی جاتی ہیں۔ کوئی ان حالات کی خبر لینے والا ہے۔ ہر ایک کا اپنا مسئلہ ہے اور اس میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ کہیں سیاسی مسائل ہیں۔ کہیں اقتصادی مسائل حالانکہ امت کا سب سے بڑا مسئلہ دین کی بقا اور مسلمانوں کے وجود کا مسئلہ ہے۔ اسکے بعد نقشے پر انہوں نے بالتفصیل ریاست ہائے بلقان میں مسلمانوں کی آبادیاں انکے حالات اور موجودہ کوائف بتائے جسکا ہلکا سا خاکہ ذہن میں رہ گیا ہے جسے سپرد قرطاس کرتا ہوں کہ ذہن سے زیادہ امین و محافظ ہے۔ ممکن ہے درد والے کی صدا کسی کو آمادہ عمل کر دے۔

ریاست بلقان کی ریاستیں عثمانی ترکوں کی برکت سے 1400ء تا 1526ء میں اسلام کے آغوش میں رہیں۔ عثمانیوں نے جن علاقوں کو اپنی قوت بازو سے فتح کیا ان علاقوں میں انکے زیر اثر اسلام بھی پھلتا پھولتا رہا۔ ہر ترک سلطان و فاتح جرنیل فتح کے بعد ہر بڑے شہر کو مساجد و دینی مدارس سے آباد کرتا رہا۔ مقامی لوگ کثیر تعداد میں مسلمان ہوتے گئے۔ اور ترکوں کے دوش بدوش اسلامی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ چنانچہ جب تک یہ ریاستیں خلافت عثمانیہ کے زیر اثر رہیں۔ لوگ اسلام کے پابند، مساجد آباد، مدرسے قائم اور دینی چہل پہل باقی رہی۔ یوگوسلاویہ (ہرزوگوئے بوسنیا) البانیہ، بلغاریہ، یونان حتی کہ ہنگری آسٹریا، رومانیہ، جنوبی پولینڈ، کریمیا اور جنوبی یوکرین تک میں اسلام کا چراغ عثمانیوں کی برکت سے روشن ہوا۔ لیکن البقاءللہ وحدہ (صرف اللہ

ہی کی ذات کو بقا ہے)۔

جب عثمانیوں پر ادبار نے سایہ ڈالا۔ اور ہر قوم کی طرح اپنے عروج کی حسین مقدار پوری کر چکیں۔ تو یورپین مسیحی حکومتوں کا وہ بغض وکینہ جو قسطنطنیہ کی فتح کے وقت سے ہر ایک مسیحی کو ترکوں کا دشمن بنا چکا تھا۔ اور ترکوں کو مٹانا وہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا تھا رنگ لایا اور یورپ کی مشترکہ ریشہ دوانیاں اندرونی کمزوریاں خلافت عثمانیہ کے سایہ برکت سے ایک ایک ملک کو نکالتی رہیں۔ یہاں تک کہ 1912ء میں یہ علاقہ مسلمانوں کی حکومت سے محروم ہو کر رہ گیا۔ تاہم ان علاقوں کے مسلمان دوسری جنگ عظیم تک اپنے دین کو ایک حد تک بچاتے رہے۔ خاصکر البانیہ کی ریاست جہاں آج سے پانچ سو سال پیشتر اسلام پھیلا اور جس کی آبادی آج بھی نوے فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے اور جو لوگ اپنی قومی خصوصیات بہادری اور جسارت کی بنا پر عثمانی فوجوں میں خاص طور پر شامل کئے جاتے تھے۔ وہ اپنی آزاد حکومت رکھنے میں کامیاب ہو رہے۔ یہ حکومت اگر مشرقی نہیں تو مستشرق ضرور تھی۔ اور اسلام کے ساتھ قوی روابط رکھتا تھا۔ دو ہزار پانچ سو ستائیس مساجد، اور لا تعداد دینی موسسات وادارے موجود تھے۔ دینی عربی تعلیم کا نظام باقاعدہ تھا۔ مسلمانوں کی تعداد پندرہ لاکھ تھی۔ یعنی مذہبی حالت کوئی خاصی بری نہ تھی کہ اشتراکیت کا بھوت روسی اقتدار کے رنگ میں اس غریب سرزمین پر سایہ فگن ہوا۔ اشتراکیت محض ایک سیاسی نظام نہیں بلکہ ایک مذہب ہے جو کسی دوسرے مذہب کو نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ اشتراکیت کے منحوس قدموں کے پہنچنے کے ساتھ ہی مسلمانوں پر مظالم کا دور شروع ہوا۔ اور اب تک پندرہ لاکھ مسلمان باشندوں میں سے پانچ لاکھ ہجرت کر چکے ہیں بڑی تعداد ترکی چلی گئی ہے۔ ساٹھ ہزار امریکہ

برطانیہ میں پچاس ہزار اسٹریا چار ہزار اور شمال مغربی یونان میں ایک لاکھ ہجرت کر چکے ہیں۔ البانی مسلمانوں پر جو گزر رہی ہے۔ وہ وہی جان سکتا ہے۔ جسے اشتراکی ہتھکنڈوں سے واسطہ پڑا ہے مختصر یہ کہ کوئی غیر تمند مسلمان جو اپنے دین پر کسی حد تک قائم رہنا چاہتا ہو یا بچوں کو دینی تربیت دینا چاہتا ہو وہاں نہیں رہ سکتا۔

یہی حال بلغاریہ کا ہوا۔ وہاں کی مسلمان آبادی ہجرت کر چکی ہے۔ یا اشتراکی قتل وغارت حبس وقید کا شکار یا غیر مسلم اکثریت میں گم ہو کر رہ گئی یو گو سلاویہ میں با قاعدہ نظم سے اسلام اور اسلامی شعائر کے مٹانے کا کام جاری ہے۔ اب تک اسی ہزار کے قریب مسلمان ہجرت کر چکے ہیں۔ اور باقی کی حالت قابل رحم ہے۔ یوگوسلاویہ میں دو ملین مسلمان ہیں۔ دس لاکھ سکوپلے اور پریشنیاء وغیرہ کے علاقے میں آباد ہیں۔ اور باقی آٹھ لاکھ سرایودو کروشنا کے علاقے میں مقیم ہیں۔ اسی البانوی عالم نے کافی تفصیل سے حالات بتائے مختصر خاکہ پیش کیا گیا۔ واقعات کی صحت قابل اعتبار ہی معلوم ہو رہی ہے۔ ایک درد بھری داستان تھی۔ جو بڑے جوش سے بیان فرما رہے تھے۔

اشتراکی ظلم وتعدی کا شکار چھ خاندان (روسی ترکستان سے مہاجر جو پاکستان میں رہ چکے تھے۔ بھی اسی ٹرین میں تھے۔ اللہ کے بندے اپنے دین کے بچاؤ کے لئے ان آلام ومصائب کا شکار ہوئے۔ کس سختی میں تبت اور پامیر کے دشوار گزار راستوں کو عبور کر کے تباہ حالی میں پاکستان پہنچے وہاں کچھ حالت سدھری، ترکوں نے ہم زبان سمجھتے ہوئے ایک تعداد کو اپنے ہاں آباد کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی سلسلے میں یہ ترکی آئے ہیں۔ اردو زبان اچھی بول لیتے ہیں۔ ہمیں اپنا پاکستانی بھائی سمجھ کر کھانے وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔ پاکستان میں انکی دینی حالت بہت اچھی تھی۔ صوم وصلوۃ کے

پابند عورتوں میں شرعی پردے کا رواج تھا۔ خدا کرے ترکیہ کے ماحول میں اپنے دینی خصائص کو باقی رکھ سکیں۔ اور جس متاع عزیز کے لئے اتنی قربانیاں اٹھائیں ہیں انکی حفاظت کر سکیں۔

بار بار دل میں یہ کسک اٹھتی ہے کہ اے اللہ آج مسلمان کیوں سارے عالم میں بڑھنے کی بجائے سمٹا چلا جاتا ہے۔ ہجرت کا مسئلہ ایک عمومی نوعیت اختیار کر گیا ہے۔ روسی ترکستان سے ہجرت، بلقانی ریاستوں سے ہجرت، ہندوستان سے ہجرت، اسرائیل سے ہجرت آخر مسلمان کب تک پیچھے ہٹتا رہے گا۔ اور اسی طرح آبادیاں اللہ تعالی کے نام سے محروم، رحمت و ہدایت سے خالی، بے آذان اور عبادت سے خالی ویرانوں میں تبدیل ہوتی رہیں گی۔ وہ کیا اعمال ہیں جنکے ترک نے آج اس حالت پر پہنچا دیا ہے۔ امت محمدیہ کی حیات وبقا خاص اعمال کی پابندی کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اعمال امت میں موجود ہونگے۔ تو امت زندہ اور بڑھتی رھیگی، ورنہ زوال وانحطاط کا شکار ہو جائے گی۔ اور وہ اعمال خاصکر اجتماعی اوامر الہیہ ہیں۔ جس کی بجا آوری امت کی بقا اور نشو نما کا سبب اور انکا چھوڑنا دینی اضمحلال کا سبب بن جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ، جہاد فی سبیل اللہ نیز اعلاء کلمۃ اللہ نصرت و ہجرت وغیرہ ایسے ہی اعمال ہیں۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

عصر کے بعد شامی طلباء کے پاس حاضر ہوا۔ اسی کمرہ میں ہمارے امریکن ساتھی بھی تھے۔ محمد حمویہ نے کچھ آیتیں الفت بین المؤمنین کے متعلق پڑھیں اور مجھ سے انگریزی میں امریکیوں کے لئے ترجمہ کے واسطے کہا اور کہا اللہ کا احسان ہے کہ پاکستانی، شامی، امریکن اپنے میں کوئی بیگانگی محسوس نہیں کرتے بلکہ ایک ہی خاندان کے افراد معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا مذاکرہ رہا۔

آج 15 اگست 1957ء جمعرات کا دن ہے۔ آج اپنی طبیعت مضمحل رہی۔ بخار ہو گیا ہے۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب بھی بخار اور شدید نزلہ میں مبتلاء ہیں۔ تاہم ناشتہ کے بعد تعلیم کا پروگرام رکھا گیا۔ کچھ شامی حضرات اور کچھ ترک حضرات تعلیم میں شریک ہوئے۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب عربی میں احادیث پڑھ کر تشریح کرتے تھے اور حسین یوسف صاحب البانوی ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ تقریبا دو ڈھائی گھنٹہ اچھا خاصا حلقہ قائم رہا۔

امریکن حضرات کے لئے انگریزی میں ترجمہ کی خدمت بندہ کے ذمہ تھی۔ فضائل کی کچھ احادیث ہوئیں۔ آخر میں امت مسلمہ کے مقصد بعثت پر کچھ بات مولانا نے کی۔ جسے البانوی عالم صاحب نے سمجھا اور ترک حضرات کو سمجھایا۔ کہا۔ یونان میں تھر لیس کے علاقے میں آپ حضرات کے ساتھ کچھ وقت دعوتی سلسلہ میں گزار سکتا ہوں۔ باقی یونان میں نو ہزار مساجد منہدم کر دی گئیں۔ دین کا نام لینے والا شاید ہی کوئی ہو لیکن تھر لیس میں مسلمان ہیں۔

انقرہ

تمام دن مختلف حضرات آتے رہے اور بات چیت جاری رہی۔ شام کے وقت انقرہ آیا۔ ساتھیوں نے اتر کر سٹیشن پر آذان وجماعت سے نماز ادا کی عاجز بخار وضعف کی بنا پر کمرہ میں علیحدہ پڑھنے پر مجبور تھا۔ البانوی عالم اپنا پتہ دیکر انقرہ پر ہم سے رخصت ہو گئے۔ استنبول میں ہمارے قیام کی شرط کے ساتھ ملنے کا وعدہ فرمایا۔ دن بھر بحمد اللہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ ہم ضعفاء سے خاصکر ترکی زبان نہ جانتے ہوئے جو بھی کام لیا جائے۔ انکا محض فضل ہے۔ والحمد للہ اولاو اٰخرا (اور اول واخر اللہ کی حمد وستائش ہے)۔

حیرت ہوئی کہ جب ہمارے ساتھی سٹیشن پر جماعت سے مغرب کی نماز پڑھ

رہے تھے تو لوگ ان کے ارد گرد اس طرح جمع ہو گئے۔ گویا کوئی عجوبہ ہے کیا ترکیہ میں بھی نماز باجماعت قابل حیرت چیز ہو سکتی ہے۔ یقین نہ آتا تھا کہ جو چھ سو سال حرم کی پاسبانی کرتے رہے نماز کو حیرت و تماشا بنا کر دیکھیں گے۔ ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو۔

استنبول

آج 16 اگست 1957ء جمعہ کا دن ہے۔ ہماری ٹرین بحیرہ مارودا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ دائیں بائیں دور تک آبادی پھیلی ہوئی ہے۔ یورپین طرز کی عمارات ہیں۔ ساڑھے گیارہ بجے استنبول کا ایشیائی حصہ آگیا۔ سٹیشن پر اترے۔ سامان کچھ ساتھیوں نے اٹھایا۔ کچھ قلی کے حوالے کیا اور سٹیشن سے نکلتے ہی باسفورس کے کنارے آپہنچے۔ سٹیشن اور باسفورس میں جہازوں کے گودی کے درمیان صرف ایک سڑک حائل ہے۔ ایک طرف ریلوے سٹیشن ہے دوسری طرف گودی۔ یورپین استنبول باسفورس کے دوسرے کنارے آباد ہے۔ ٹکٹ لئے جہاز پر بیٹھے۔ اور دو بر اعظموں کے درمیان اس عجیب شہر کی کہنہ عظمت کو دل میں لئے ہوئے روانہ ہوئے۔ شامی طالب العلم ساتھ تھے جو ترکی جاننے کی بنا پر کافی مدد دے رہے تھے۔

باسفورس میں چلتے ہوئے دونوں طرف کا ساحل صاف نظر آتا ہے۔ ایشائی شہر تو اتنی توجہ کا مرکز نہ بن سکا۔ لیکن قسطنطنیہ کا وہ حصہ دل و دماغ کی کشش کا مرکز رہا جو بازنطینی حکومت کا دار الخلافہ رہا۔ جس کے فتح ہونے کی بشارت دہان رسالت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔ جس بشارت کے حصول کے لئے صحابہ کے زمانے سے مسلمان کوشش کرتے رہے اور جسکی دیواروں کے سایہ میں میزبان رسول جلیل القدر صحابی، جسے موت کے بعد بھی اللہ تعالی کے راستے میں اپنے جسم کو آگے بڑھانے کا

اشتیاق رہا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آسودہ خواب ہیں غالباً یورپ کی سرزمین اس صحابی رسول کو اپنے دامن میں سنبھالنے کے قابل ہو سکی۔ ہر زمانے میں مسلمان خلفاء نے یورپ کی اس مینارہ بابل کو سر کرنے اور مسیحی عظمت کے اس نشان کو نیچا کرنے کی کوشش کی لیکن تقدیر الٰہی عثمانیوں کی قسمت میں یہ فخر لکھ چکی تھی۔ آخر محمد فاتح کے ہاتھوں سے رومی اقتدار کا آخری قلعہ اسلامی یمن وبرکت کے سایہ میں آیا اور عاشق رسول محمد فاتح نے مسیحی شوکت رومی جہانبانی کے مرکز پر عثمانی پرچم لہراتے ہوئے اعلان کیا فدیت مدینہ القیصر علی مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے قیصر کا شہر مدینہ پر قربان کیا) عثمانی خلفاء آخر وقت تک اس عہد کو نبھاتے رہے۔ قسطنطنیہ کی فتح تاریخ کا ایک عہد آفرین واقعہ ہے۔ اس فتح کے بعد مشرق کی طرف سے یورپ کا دروازہ عثمانی خلفاء کے لئے کھلا۔ اور پانچ سو سال تک عثمانیوں کی ترکتازیاں وی آنا کے دروازوں اور جنوبی پولینڈ تک خلافت اسلامی کی نشان کو بلند کرتی رہیں۔ اور انہیں کی دم قدم کی بہار تھی کہ پچھلی صدی کے آخر تک جنوب مشرقی یورپ اسلامی مساجد، مدارس، خانقاہوں اور دینی سرگرمیوں سے بارونق تھا۔ ہائے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد قتال فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے والا کوئی مسلمان طبقہ اس شان سے نظر نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جان دینا اور عالم میں نقش حق کے ثبات کے لئے مارنا اور مرنا بھی تو خاصان خدا ہی کی شان ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم انکی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ انکی ھیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذت آشنائی

قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ بھی تو اوامر الٰہیہ کے ایک حصہ پر عمل پیرا ہونا

وابستہ ہے۔ واہ حسرتا آج غزا، فی، غنیمت، رقاق وغیرہ کے ابواب فقہ و حدیث کی کتابوں کی زینت بن کر رہ گئے۔

والی اللہ المشتکی و بہ المستغاث لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا○

(سورۃ الطلاق 65 آیت 1)

(اور اللہ کو اپنی فریاد سناتے ہیں اور اسی سے مدد کے طلبگار ہیں۔ شاید خُدا اس کے بعد کوئی (رجعت) کی سبیل پیدا کر دے)۔

قدیم استنبول

باسفورس میں چلتے ہوئے سامنے بائیں ہاتھ پر قدیم استنبول کا شہر اسکی مساجد کے مینارے اور عمارات اپنی گذشتہ عظمت کے فسانے سنانا شروع کر دیتی ہیں جامع سلطان محمد فاتح اور جامع آیا صوفیا کی عمارات بھی دور سے نظر آتی ہیں۔ پہاڑی پر شہر آباد ہے۔ دائیں ہاتھ پر نیا شہر نظر آتا ہے۔ شامی طلباء دور سے مساجد وغیرہ کا پتہ بتاتے رہے اور ہم عبرت و شوق کا تصویر بنے قسطنطنیہ کے اس از سر نو آباد کردہ شہر کو دیکھنے کی طرف بڑھتے رہے۔ جو تقریباً پانچ صدیوں تک اسلامی تاریخ کا مرکز رہا۔ اور جس کی سطوت و قوت نے چار صدیوں تک یورپ کے یلغار کو روکے رکھا۔ عثمانیوں کے احسانات کا نہ معلوم دل پر اس قدر کیوں اثر پاتا ہوں۔ ایسا دل ملا ہے۔ جو ہر مسلمان کے چھوٹے سے عمل کو بھی نگاہوں میں اونچا بنا کر دکھا دیتا ہے۔ اور عثمانی تو صدیوں تک اسلامی شوکت کا نشان سنبھالے رہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کسی خاص قوم کی تاریخ نہیں عرب کا خانوادہ بنی امیہ ہو یا بنی عباس خوازرمشاھی ہوں یا سلجوقی، ترکان تیموری ہوں یا عثمانی ہر مسلمان خاندان کی تاریخ ملت کا مشترکہ سرمایہ ہے اور اسکے کارنامے پوری امت کے

لئے سرمایہ نازش و مہمیز عمل۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

یورپی استنبول

ساڑھے بارہ بجے ہمارا چھوٹا سا جہاز یعنی جہاز نما کشتی یورپی استانبول کے ساحل پر آلگا۔ سامان اتارا۔ شامی طلباء نے مشورہ دیا کہ مارمورا ہوٹل یا کسی اور ہوٹل سے پہلے فون کر کے جگہ کا معلوم کر لیتے ہیں۔ اسکے بعد ٹیکسی کروائیں گے۔ بہر حال سڑک پر آکر کھڑے ہوئے۔ تو گویا ہماری شکلیں اور لباس تماشا تھا۔ چاروں طرف سے ہجوم جمع ہو گیا اور کیمرے اس طرح فوٹو کے مشتاق نظر آنے لگے۔ گویا پہلے سے اس وقت کے منتظر تھے۔ کسی کو منع کیا۔ کسی سے پیٹھ کی لیکن بات قابو میں آنے والی نہ تھی۔ کچھ جاتے اور آجاتے علی (شامی طالب العلم) فون کے لئے گئے تھے۔ انہیں کافی وقت لگ گیا۔ تقریباً پونا گھنٹہ سڑک پر تماشا بنے کھڑے رہے۔

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں
بصد انداز رسوائی سر بازار مے رقصم

(میرے جانان آؤ اور یہ تماشا دیکھ لے، کہ جانبازوں کے جم گھٹے کے ہوتے ہوئے میں انتہائی رسوائی کے عالم میں بر سر بازار ناچ رہا ہوں)۔

عشق خانہ خراب کے مارے
دربدر شہر یار پھرتے ہیں
بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ایک دو مرتبہ پولیس والے نے بھی کہا کہ آپ کو سڑک کے پلیٹ فارم سے ہٹ جانا چاہئیے کہ ہجوم زیادہ ہو جاتا ہے۔ کہا فون کا انتظار ہے۔ وہ اپنے ترکی میں کچھ کہہ کر چلے گئے۔ ہم نے کہا اچھا ہے۔ زبان یار اگر ترکی نہ ہوتی تو سمجھنے سے کچھ ذمہ داری ہی عائد ہو جاتی۔ اتنے میں سفید اچکن میں ملبوس ایک مسلمان آپہنچے اور شستہ اور ہمدردانہ انداز میں پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیسے کھڑے ہیں۔ یہاں تو صرف اچکن کی وجہ سے میری طرف انگلیاں اور نظریں اٹھنے لگتی ہیں۔ آپکے لباس کے علاوہ چہروں پر داڑھیاں سر بازار اچھا خاصہ تماشا بنا دیگی۔ اسلئے آپ کو جلد اپنا بندوبست کرنا چاہئیے۔ کیا ہوٹل کا پہلے سے نظم نہیں کیا۔ کہا نہیں۔ کہنے لگا۔ کاش آنے سے پیشتر عبدالسلام ندوی کی کتاب "ترکی کا سفر" پڑھ لیتے تو انہیں جو دقت پیش آئی تھی۔ وہ تمہیں پیش نہ آتی۔ (غالبا موصوف کو حضرت علی میاں کی کتاب "دو ہفتے ترکی میں" کا التباس ہو گیا ہو گا) ہم نے عرض کیا۔ آدمی فون کے لئے بھیجا ہے جواب کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ فرمانے لگے میرا نام برکات احمد ہے۔ اور میں انڈین سفارت خانہ میں انفارمیشن سیکرٹری ہوں۔ تاہم آپکی مدد کے لئے تیار ہوں۔ آپ مولانا الیاس کی اصلاحی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا جماعت اسلامی سے ہمارے جواب کے بعد فرمایا کہ جدید استانبول میں تو ہوٹل میں جگہ ملنا مشکل ہے۔ قدیم میں کوشش کیجئے اور اسکے بعد اپنا پتہ اور فون بتا کر رخصت ہوئے۔ انکی شرافت اور حسن سلوک پر دل نے آفرین کہا۔ حسن خلق بھی سنت ہے۔ اور مسلمان کا تو امتیاز ہی خلق حسن ہونا چاہئیے۔

اتنے میں علی آگئے اور کہا کہ دونوں ہوٹلوں میں جگہ نہیں۔ اب دوسری جگہ تلاش کے لئے ہم میں سے دو آدمی چلے جائیں۔ باہمی مشورہ کر رہے تھے کہ نصرت غیبی

نے عبد الکریم نامی ترکستانی نوجوان مہاجر جو مردان نزد پشاور میں چھ سات سال رہ چکے تھے۔ ہماری پاکستانی وضع قطع دیکھ کر گودی سے جہاں وہ ملازم ہے۔ چلے آئے اور ہمیں سامان گودی کے انتظار گاہ میں رکھنے اور وہیں بیٹھنے کا مشورہ دیا۔ ہم راستہ سے خود بھی ایک طرف ہونا چاہتے تھے۔ عبد الکریم کا مشورہ صائب معلوم ہوا۔ اور سامان وغیرہ انتظار گاہ میں لے آئے۔ اور یہ فیصلہ ہوا۔ کہ دو آدمی ہم میں سے احمد حبیب کے مکان پر جائیں۔ احمد حبیب کو ہم بغداد سے خط لکھ چکے تھے۔

ان کے والد گذشتہ چار ماہ سے پاکستان اور پھر تبلیغی سلسلہ ہی میں حج پر گئے ہوئے ہیں۔ میری ان کے والد صاحب سے ملاقات رائے ونڈ میں ہو چکی ہے۔ اچھے قاری ہیں صبح کی نماز پڑھی۔ سوز و رقت کا یہ عالم تھا کہ تیسری صف تک رونے کی آواز سنائی دیتی تھی اور مقتدی بھی اشک بار تھے۔

انور صاحب اور مولانا صاحب ایک مقامی رہبر کے ساتھ انکے مکان کی تلاش کے لئے گئے۔ پتہ معلوم تھا۔ آدھ گھنٹہ میں واپس آ گئے۔ احمد حبیب تو موجود نہ تھے۔ ازمیر گئے ہوئے تھے۔ اسلئے ہمارا خط بھی نہ مل سکا۔ لیکن انکے رشتہ دار حاجی مصطفی جو اس سال حج میں ہمارے امریکن رفقاء سے مل چکے تھے۔ معہ اپنے ایک اور ساتھی کے تشریف لے آئے۔ اور بڑی گرمجوشی اور محبت سے ملے انکی معیت میں قریب ایک مسجد میں جا کر ظہر کی نماز پڑھی۔ اور پھر دو ساتھی معہ عبد لکریم ترکستانی کے جنہوں نے ہماری خاطر چھٹی لے لی تھی۔ ہوٹل کی تلاش میں گئے۔ باقی ہم چار وہیں بیٹھے رہے۔ انتظار کی گھڑیاں ویسے بھی شدید ہوتی ہیں۔ اور اب تو ہمیں جہاز سے اترے پانچ گھنٹے ہو چکے تھے۔ خدا خدا کر کے پونے چھ بجے ساتھی ہوٹل کا بندوبست کر کے آئے۔ اور اللہ

تعالی کا شکریہ ادا کیا۔ اور سامان لیکر ہوٹل پہنچے۔

بڑے شہروں میں جہاں یورپین تہذیب اپنے تکلفات کے ساتھ پر تو فگن ہوئی ہے۔ رہائش کا مسئلہ بھی دردسر بن گیا ہے۔ ہوٹل کی زندگی جہاں یورپین تہذیب کی بے مروتی مہمان نوازی سے کورے پن کا نمونہ ہے۔ وہاں غریب اور قلیل سرمایہ والے شخص کے لئے زندگی گزارنا بھی مشکل ہے۔ آج اگر حضرت عیسی علیہ السلام کا اس نام نہاد مسیحی دنیا میں گزر ہو جائے۔ تو کوہ زیتون کے وہ پاک مبلغ جسکا جیب و دامن دنیاوی خزف ریزوں سے ہمیشہ پاک رہا شاید تکلفات کی اس دنیا میں اور ہوٹلوں کی ان سر بکف عمارتوں میں رہائش کی کوئی گنجائش نہ پاسکے کہ یہاں پہلا سوال روپیہ کا ہے۔ ہماری مرحوم تہذیب ہی کی یہ کرامت تھی کہ سعدی سادرویش صفت مسافر ہو یا ابن بطوطہ سا جہاں گردسیاح سارے اسلامی ممالک میں پھر جاتا ہے۔ اور دارالاسلام کے کسی شہر میں تہذیب حاضر کی کرنسی کی الجھنوں یا رہائش کی رکاوٹوں سے دو چار نہیں ہوتا۔ تمام اسلامی دنیا میں یا تو مسافر نوازی ہر شخص کو اہلاً وسہلاً کہہ کر سنبھال لیتی ہے۔ یا مسافر خانے، رباطیں اور رفاہ عامہ کے مرکز اور خانقاہیں ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیا کر دیتی ہیں۔ اسلام کی سادگی مروت مہمان نوازی کو مغربی مشینی تہذیب جس نے انسان کو بھی بے جان اور بے دل مشین بنادیا ہے۔ کہاں سے لائے۔

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش

ہم جس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ اسکا نام ترک ہوٹل ہے۔ مالک ایک نوجوان ترک ہیں۔ عربی سے واقف شائستہ اور خلیق شخص ہیں۔ مغرب پڑھ کر کھانا کھایا۔ اور

ساتھی عشاء کے لئے جامع سلطان احمد کی طرف روانہ ہو گئے۔ بندہ ضعف اور چلنے میں عذر کی بنا پر ساتھیوں کے ساتھ نہ جا سکا۔ اور ایک دوسرے مسجد میں نماز ادا کی۔ بعد میں ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ وہاں کے امام ہمارے دعوتی کام سے واقف ہیں۔ اور ان سے ہمارے رفقاء کی بات چیت بھی ہوئی۔ اور دوسرے دن عصر میں وہیں جانے کا پروگرام بن گیا۔ ہوٹل والے سے بھی اپنی بات کی۔ متاثر ہوا کہنے لگا۔ آپ تو مجاہد ہیں جو دین کے لئے اپنے مصارف سے اتنی دور کا سفر کر رہے ہیں۔ عرض کیا۔ بھائی اصل معاملہ اخلاص کا ہے۔ اللہ تعالی سے اس کی طلب ہے۔ انکے ہاں عمل مقبول ہو جائے۔ تو کامیابی ہے۔

استنبول میں

آج 17 اگست 1957ء ہفتہ کا دن ہے۔ ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ہوٹل کے مینیجر دو ترکوں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان میں ایک کا نام السید علی حیدر ہے۔ فصیح عربی بولتے ہیں۔ پچپن ساٹھ سال کی عمر ہو گی احادیث بکثرت یاد ہیں۔ ہندی حسین نامی ایک حدیث کے مدرس مدینہ منورہ میں تھے۔ انکے درس میں شامل ہوا۔ اور ان سے حدیث پڑھی۔ اس زمانے میں اٹھارہ سبق انکے متعلق تھے۔ حدیث کے بڑے عالم تھے۔ کیا یہ حسین حضرت مولانا حسین احمد مدنی تو نہیں۔ پوچھ لیا۔ بتلا نہ سکے کہتے ہیں پھر ہندوستان چلے گئے۔ دوسرے نظیف جلبی ہیں۔ تاجر ہیں اور کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں۔ حیدر صاحب نے عربی میں بات شروع کی۔ اور کہا۔ کہ آپ لوگ جس عالی مقصد کے لئے آئے ہیں۔ اسکا حال معلوم ہوا۔ مہمان نوازی اور اخوت اسلامیہ کے متعلق بہت کچھ کہتے رہے۔ مدعا یہ تھا کہ آج رات کی ضیافت نظیف جلبی صاحب کی قبول کی جائے۔ اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ

عنہ کے مزار پر حاضری دی جائے۔ ترکی مہمان نوازی کے لئے بے تاب تھے۔ ہم نے اپنی بات کی اور دعوت کے تقاضے عرض کئے۔ اور اپنی مجبوریاں ظاہر کیں۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب نے جماعت کی طرف سے کام کو خوب وضاحت سے پیش کیا۔ حیدر صاحب اور نظیف صاحب نے تعاون کا یقین دلایا۔ اور رات کے کھانے کا پروگرام طے ہو گیا۔ اس دوران میں گیارہ بج چکے۔ ان حضرات کے اصرار پر ابو ایوب انصاری کی مزار پر حاضری کے لئے دو کاروں پر روانہ ہو گئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری

مدینۃ النبی کے پہلے میزبان رسول ابو ایوب انصاری کی ذات گرامی سے کون مسلمان ناواقف ہے۔ دین کی نصرت کا حق یہی لوگ ادا کر گئے۔ پچھلے والوں کے لئے گو انکی زندگی نمونہ ہے۔ لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو سید ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زہد و قناعت سے متاثر ہو کر جو الفاظ کہے تھے۔ سب صحابہ کے متعلق کہنے پڑتے ہیں کہ پچھلوں کے لئے اپنا اسوۂ کاملہ کو حجت بنا کر معاملہ سخت بنا گئے۔ ایسا طبقہ دنیا نے کب دیکھا تھا۔ جنکی قربانیاں فوق البشر معلوم ہوتی ہیں۔

راستہ میں وہ قدیم فصیل پر نظر پڑی۔ جو سمندر کے کنارے پہاڑی کے اوپر غالبا بیس گز چوڑی شہر کی حفاظت کے لئے بنائی گئی تھی۔ اور جس نے حملہ آوروں کے کئی ریلیوں کو پسپا کر دیا تھا۔ ان بہادروں کی یاد سے قلب وجد میں تھا۔ جنہوں نے سمندر کو پار کر کے بازنطینی حکومت کے اس مضبوط قلعہ پر اسلامی پرچم لہرانے کے لئے اپنا خون بہایا تھا۔ دل نے کہا نہ معلوم یہاں کتنے صحابہ اور تابعین کا خون زمین کے ذروں میں موجود ہو گا۔

سر خاک شہیداں برگ ہائے لالہ مے پاشم
کہ خونش برنہال ملت ماسازگار آید

(میں شہیدوں کے سروں پہ گل لالہ کے پتے نچھاور کر رہا ہوں۔ تاکہ انکا خون ہمارے نئے نسل کے لئے سازگار بن کے رہے)۔

ابو ایوب انصاری کے تربت کے قریب ہوتے جاتے تھے۔
وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرۃ 2 آیت 195)
(اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (سورۃ التوبۃ 9 آیت 41) (تم سُبکسار یا گران بار یعنی مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت گھروں سے نکل آؤ) کی صحیح قولی اور عملی تفسیر پیش کرنے والے کی زندگی اپنی غفلت پست ہمتی، بے عملی اور دین کے تقاضوں کے لئے قربانی دینے سے گریز ندامت سے پیشانی کو عرق آلود کئے دیتی تھی۔ کاش کسی کی زندگی، کسی کا نمونہ، کسی کی جیداری و قربانی حقیقتاً دین کے لئے مرمٹنے پر تیار کر سکتی۔ یہ الفاظ نرے الفاظ، یہ ندامت و تاسف محض آتی جاتی کیفیت نہ ہوتی۔

مزار قریب آگیا۔ ترکی طرز تعمیر جو انکی جملہ عمارات میں نمایاں ہے۔ اس کا خاکہ یہاں بھی نظر آیا۔ پہلے ایک بڑا دروازہ ہے۔ اسکے اندر وضو کرنے کی جگہ ہے۔ داخل ہوتے ہوئے قبلہ رخ مسجد ہے۔ اور پائیں میں انصار کا جلیل القدر فرزند محو خواب ہے۔ جو اس خیال سے تمام رات نہ سو سکا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل میں ہیں۔ اور میں اوپر کی منزل میں کیسے سو سکتا ہوں۔ محبت کا آئین و طرز بھی نرالی ہے۔ محبوب کی دلکشی اور ادائیں تو مسلم ہیں۔ چاہنے والوں کو بھی نہ معلوم محبت کیا کیا

دلربائیاں سکھا دیتی ہیں۔

سید علی حیدر صاحب کے ساتھ مزار پر حاضری دی۔ اندر جانا نہ ہو سکا کہ مزار جمعہ ہی کو کھلتا ہے۔ یا خواص کے لئے اہتمام سے کھلوا دیا جاتا ہے۔ مواجہ میں دیکھنے کے لئے دو سوراخ رکھ دیئے گئے ہیں حاضر ہوا۔ دعائے مسنونہ پڑھی، نہ معلوم کیوں بدن پر کپکپی طاری ہوئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ ہم بھی امت محمدیہ مرحومہ کے افراد ہیں۔ اور یہ بھی اسی رسول کے امتی تھے۔ کہاں کی پیدائش اور کہاں مدفن اور مدفن یہاں کیسے بنا۔ ایک عبرت کی داستان اور عمل وحرکت کا سراپا درس یوں تو اکثر صحابہ اپنے مولد وطن عزیز میں دفن نہیں ہوئے۔ بلکہ راہ حبیب کی جانگزار منازل طے کرتے ہوئے جہاں آقا کا حکم آیا۔ دار ورسن کو زینت بخشی۔ فزت برب الکعبہ (کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہوا) کہتے ہوئے تیر وپیکان کو دل وجگر میں جگہ دے دی یا اسی بادیہ پیمائی میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ چنانچہ صحابہ کے مزارات ماوراء النہر سے لیکر بربر قیروان تک اور آرمینیا سے لیکر سوڈان ویمن، مکران وکابل تک پھیلے ہوئے ملیں گے۔ ابن کثیر نے تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عباس (عم نبی) کے دس بیٹے تھے۔ اور دو کی قبریں ایک جگہ پر نہیں ہیں۔ کوئی اجنا دین میں ہے تو کوئی قیروان میں کوئی کس جگہ تو کوئی کس جگہ، غریب الوطن کا موت ایمان ویقین کی گھاٹی میں ایک عام واقعہ ہے۔ لیکن ابو ایوب انصاری کی موت اور مدفن اس لحاظ سے اپنا خاص امتیاز رکھتی ہے کہ عمر بھر اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا پر عمل کرتے رہے۔ تریاسی سال کی عمر میں جب موت کا وقت آیا تو جو زندگی عمر بھر دین کے لئے حرکت و دعوت میں تھی۔ مرنے کے بعد لاش کو بھی اللہ کے راستے میں حرکت میں دیکھنا چاہتی تھی۔ وصیت کی کہ

وہاں تک میری لاش کو کفار کے علاقے میں لے جاکر دفن کیا جائے۔ جتنا دور لے جانا ممکن ہو چنانچہ موجودہ مدفن کی جگہ پر لاش کو پہنچا کر وصیت کے مطابق دفن کیا۔

جب قوموں میں حیات ہوتی ہے۔ تو اس کے افراد کو ایسی ہی چیزیں سوجھا کرتی ہیں۔ طارق کا سفینوں کو جلا دینا، عقبہ کا اٹلانٹک میں اور سعد ابن ابی وقاص کا دجلہ میں گھوڑے ڈال دینا اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔ جس زندگی میں حرکت نہیں وہ تو موت ہے۔ حق کے لئے پیہم جہد و مشقت، حرکت و محنت جان سپری وجادہ پیمائی زندہ قوم کا نشان ہے۔ اور یہ آخر الامم جو ختم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں پوری انسانیت اور جملہ امم عالم کی طرف مبعوث ہے۔ اسکے لئے تو سکونی زندگی سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اخرجت للنّاس کا تقاضا یہ ہے۔ کہ پورے عالم میں ملک در ملک اس امت کے افراد ہدایت وسکینت، ومحبت و بھائی چارہ توحید ویقین، اخلاق عالیہ اور صفات حسنہ کے الٰہی پیغام کو لیکر پیہم پھرتے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے غافل مخلوق کا رابطہ جوڑتے رہیں۔ اورانسانی خود ساختہ نظامات میں جکڑی ہوئی اور ظلم وعداوت سے چکنا چور آدمیت کو اسلامی عدل و انصاف اور سچائی کے نظام سے نوازتی چلی جائے۔ اس امت کے ایک فرد نے ہی کہا تھا۔

انبعثنا لنخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة الله ومن جور الاديان الى عدل الاسلام ـ(البدايه والنهاية قول ربعى بن عامر)

(ہم اسلئے بھیجے گئے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی پر لے آئیں اور مذاہب باطلہ کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف انکی رہنمائی کریں)

عالمگیر دعوت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ حرکت و ہجرت، نفر وجہد فی سبیل اللہ اس

امت کے اجتماعی اوصاف قرار دے دیئے جائیں۔ فتح مکہ کے بعد جب بظاہر سکون واطمینان کی زندگی کی ابتدا معلوم ہوتی تھی۔ اور ہجرت اور وطن چھوڑنے کے اختتام کی صورتیں نظر آتی تھیں۔ ہجرت کے بدل میں ہیچمیرز کے خیال میں امت کو دائمی حرکت و جہاد میں رکھنے کے لئے نفیر فی سبیل اللہ کے احکامات انتہائی شدو مد سے عطا فرمائے گئے۔ سورۃ الانفال والتوبہ جس پر شاہد ہیں۔ کہ دین کا فروغ وبقا ایک حد تک ان اوامر کے ساتھ وابستہ تھا۔ چنانچہ وحی الٰہی نے عدم نفر پر انتہائی سخت الفاظ میں نئی امت کے لئے آنے اور امت کے بدل دینے کی تہدید فرمائی۔ ہجرت کے بدل میں نفیر کے حکم کا اشارہ قرآن کریم میں بھی ہے۔ اور لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية واذاستنفر تم فا انفرو (رواه الشيخان عن ابن عباس رضى الله عنهما) (فتح مکہ کے بعد اب ہجرت کا حکم نہیں لیکن جہاد اور اسکی نیت کا حکم باقی ہے۔ اور جب تم سے جہاد کے لئے جانے کا مطالبہ ہو، تو اسکے جانے کے لئے تیار رہو) کی صحاح کی حدیث اس طرف ہیچمدان کے خیال میں رہنمائی کرتی ہے۔ وجوب نفر کے بارے میں اس بے علم وکوتاہ نظر کی نگاہ میں امام جصاص رازی نے احکام القرآن میں خوب اور دیکھنے کے لائق باب باندھا ہے۔ ان مباحث کا یہ مقام نہیں۔ زبان پر ایسی ہی بعض باتیں آجاتی ہیں۔ افتاد طبیعت کی وجہ سے جنہیں روک نہیں سکتا۔

دعا کے بعد ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں چلے آئے۔ ماشاءاللہ پوری مسجد نمازیوں سے بھر پور تھی۔ جو بڑے وقار، پر سکون اور عظمت سے بیٹھے تھے۔ ترکی مساجد اب تک جو دیکھیں، سب اپنی نظافت وصفائی، قیمتی قالینوں اور فرش وزینت سے مزین، موذن کے لئے علیحدہ جگہ بنی ہوئی۔ ممبر بہت اونچا ہر چیز سے شاہانہ جلال

وتمکنت نمایاں ہوتی ہے۔ نماز کے وقت میں مساجد کھل جاتی ہیں۔ مؤذن کچھ قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ سنتیں ہوتی ہیں۔ تکبیر ہوتی ہے۔ اور امام جبہ دربر، سر پر ٹوپی اس پر سفید کپڑا لپٹا ہوتا ہے۔ آجاتا ہے۔ نماز ہوتی ہے۔ امام تسبیحات فاطمہ تسبیح پر پڑھتا ہے۔ دعا ہوتی ہے۔ اور پھر کچھ آیتیں نہایت وقار و قرات سے پڑھ کر فاتحہ کہہ کر ہو جاتی ہے۔ جامع ایوب کا امام سفید ریش نورانی صورت ہے۔ نماز پڑھی کچھ جنازے آئے ہوئے تھے۔ گو وہ مسجد سے باہر تھے۔ اور وہیں نماز جنازہ کی امامت ہو رہی تھی۔ لیکن سب نمازیوں نے اندر ہی اقتداء جنازہ کی نیت سے کرلی۔ نماز کے بعد سب نمازیوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی اور انکے لئے فاتحہ اور دعا پڑھی۔ ہماراامام صاحب سے تعارف کرایا گیا۔ اور انہوں نے ہمارے مقصد یعنی ہدایت کے عالم میں عام ہونے کے لئے خوب سوز سے دعا کی۔ عجیب بات ہے۔ اس دوبارہ حاضری میں بھی رقت طاری ہوگئی۔ اہل اللہ کے الوان مختلف ہوتے ہیں۔ زائر رحمت الہیہ میں سے کچھ حصہ پاکر اپنی استعداد کے بقدر اس لون سے اگر اللہ چاہے تو کچھ نہ کچھ بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ فعل اللہ تعالی کا ہوتا ہے۔ صاحب قبر کا تصرف اور اس سے خبر ہوناضروری نہیں۔

واپسی گوناگوں جذبات کو لئے ہوئے عجب کیفیت میں ہوئی۔ تھوڑی دور چل کر میز بانوں نے گاڑی کھڑی کر دی۔ اور ایک مکان کی طرف چلنے کو کہا۔ تعمیل کے سوا چارہ کیا ہو سکتا تھا۔ وہاں پہنچے تو بغیر ہماری اطلاع واجازت کے کھانے کا انتظام کیا جاچکا تھا کہنے لگے کہ تم تو اضیاف اللہ ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کان یؤ من باالله والیوم الاخر فلیکرم ضیفه (جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھے تو

وہ اپنے مہمان کا خیال رکھے) نیز خیر الطعام ما حضر (بہترین کھانا وہ ہے جو بلا تکلف حاضر ہو) (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ حدیث نمبر 6138)

ہم نے معذرت کی لیکن ترکوں کے اس خوان یغما سے انکار کی کوئی صورت نکل نہ سکی۔ مہمان نوازی یہی ہے۔ فَرَاغَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ○ (سورۃ الذاریات 51، آیت 26) (تو اپنے گھر جا کر ایک بھنا ہوا بچھڑا لائے) کی ابراہیمی سنت میں "راغ" اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ مہمان کو اشارتاً بھی پتہ نہ چلے۔ اور کھانا تیار مل جائے۔ کھانے کے بعد قہوہ آیا۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ کی دعوت کی اجابت تو ہو چکی اصل تو اس ضیافت و محبت کا وہ جذبہ اسلامی ہے۔ جو دین کا نتیجہ ہے۔

آج دین کی غربت کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے احیاء کے لئے دعوت الی اللہ کے میدان میں جہد و مشقت کو جھیلا جائے۔ اور عالم میں اوامر الٰہیہ اور شریعت مطہرہ کے زندہ کرنے کے لئے منہاج نبوی کے مطابق جان و مال صرف کیا جائے۔ اس ضمن میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل کیا کہ انکی اس خطہ میں آمد اس دعوت کے ضمن ہی میں تھی۔

جامعہ والدہ

میری باتوں کا ترجمہ ترکی میں علی حیدر صاحب نے کیا۔ نوجوان میزبان ابو ایوب انصاریؓ کے واقعہ کو سن کر آبدیدہ اور متاثر ہوئے۔ ان حضرات سے رخصت ہو کر ہوٹل آئے۔ کچھ استراحت کی اور پھر جامع والدہ سلطان میں ایک عالم مولانا شیخ حاجی فخر الدین کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے چلے۔ یہ صاحب ہمارے کام سے واقف ہیں۔ پچھلے سال امریکہ سے واپسی پر مولانا عبد العزیز گھلنوی انکے پاس

ٹھہرے تھے۔ جامع والدہ کی مسجد میں پہنچے۔ عصر پڑھی عالم موصوف کا درس تھا۔ ماشاءاللہ سنت کے مطابق پوری داڑھی انکے چہرے کو بارونق بنائے ہوئے تھی۔ آج عالم اسلام کے چہرہ سے داڑھی کا نور رخصت ہو چکا ہے۔ علماء تک کے چہرے صاف نظر آتے ہیں۔ اسلئے اگر ہم سب اپنی داڑھیوں کی بنا پر لوگوں کی حیرت کا سبب تھے۔ تو ہم بھی جہاں اس سنت کو پاتے تھے۔ طبیعت مسرت محسوس کرتی تھی۔ جہاں سنتیں مٹ رہی ہوں۔ وہاں ان پر عمل استقامت فی الدین کا نشان اور جاذب رحمت خاصہ اور بے شمار اجور کے دلوانے والا ہے۔ پھر سنت جاذب رحمت الٰہی ہے۔ اور ہر ایک کی خاص برکات ہوتی ہیں۔ جو سنت مٹتی ہے۔ اپنے ساتھ بے شمار خیر وبرکت اور رحمت کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا دل ستان ہے۔

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

ہائے غیروں کی ادائیں دل ودماغ میں بس گئیں۔ اور جو جمال جہاں آرا کونین کی رونق ہے۔ اس کا سراپا ذہنوں سے اتر گیا۔ دلوں کی بستیاں اجڑ گئیں۔ آبادیاں ویرانے بن گئیں۔ اور ہم سمجھ رہے کہ دنیا اب آباد ہوئی ہے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا

دیدہ دل سے خون بہہ نکلا ٹوٹے دیکھے ہیں چند پیمانے

درس سے فراغت کے بعد گرم جوشی سے بغلگیر ہوئے۔ اس سال حج پر گئے تھے۔ وہاں ہمارے امریکن ساتھیوں سے ملاقات ہو چکی تھی۔ بہت تپاک سے ملے۔ صبح چائے کی دعوت پر بلایا۔ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ وہاں سے رخصت ہوئے۔ راستے میں جامع شہزادہ دیکھتے ہوئے جامع سلیمانیہ کی طرف آئے استانبول کی مساجد ماشاءاللہ ایک

سے ایک بڑھی ہوئی ہے۔ فن تعمیر اور ڈیزائن سب کا ملتا جلتا ہے۔ آجکل حکومت اکثر مساجد کی مرمت کرا رہی ہے۔ ایسے حالت اچھی ہے۔ جامع سلیمانیہ سلیمان اعظم کی یاد گار ہے۔ جب خلافت عثمانیہ اپنی وسعت و شوکت کے نصف النہار پر تھی۔ مسجد بھی اسی شان و شوکت کی حامل ہے۔ سچ ہے قوموں کا فن تعمیر و آرٹ انکے ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ جامع سلیمانیہ دیکھ کر وہی عظمت نگاہوں میں پھر گئی۔ دل نے کہا۔ مسجد قرطبہ کو دیکھ کر اقبال جو اپنی بہترین نظموں میں ایک اور اضافہ کر گئے۔ وہ اسی شوکت و عظمت ماضی کا تاثر ہے۔ جو مسجد قرطبہ کے ہر ذرہ سے مترشح ہے۔ جامع سلیمانیہ کیا کہوں۔ جلال وجمال، دینی وقار و شوکت، اسلامی زینت و تجمل سلیمانی عظمت وھیبت عثمانی سکون و صولت فن تعمیر کے کمال میں مجسم ہو گئی ہے۔

نماز مغرب پڑھی نماز کے بعد نمازی اپنے ترکی طرز میں نہایت گرمجوشی سے ملے۔ ہاتھ پر بوسہ دینا چاہتے تھے۔ اگر ہاتھ پیچھے ہٹاؤں تو بڑھ کر گردن چوم لیتے تھے۔ مجھ ضعیف سے تو زیادہ تھکاوٹ کی وجہ سے مقاومت نہ ہو سکی۔ حملۂ ترکانہ کا کب تک ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ جیسا چاہا بوسے لیتے رہے۔ اور ہم انکی محبت و گرمجوشی کے جذبات سے متاثر مصافحہ ومعانقہ کرتے رہے۔ مسجد کو دیکھا۔ سلیمان اعظم کا دور آنکھوں میں پھر گیا۔ قوموں کا شباب ہوا کرتا ہے۔ دور سلیمان و سلیم عثمانیوں کا شباب تھا۔ وی آنا کے دروازوں تک عثمانی فوجیں جا پہنچی تھیں۔ اگر چند کوتاہ اندیش اور ملت کے دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر دیتے تو شاید آج دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا۞ (سورۃ الاحزاب 33، آیت 38)

(خدا کا یہی دستور رہا ہے اور خدا کا حکم ٹھہر چکا تھا)۔

نماز کے بعد نظیف جلبی اور السید علی حیدر یہیں تشریف لا چکے تھے۔ نظیف صاحب کے مکان پر ضیافت کا اہتمام تھا۔ مسجد سلیمانیہ سے چند قدم پر انکا مکان ہے۔ کھانا گومیز پر تھا۔ اور نئے طرز کے تکلفات موجود تھے۔ لیکن سب ترکی تھے۔ بحمد اللہ ترکی مہمان نوازی کا منظر آج دیکھا۔ مشرقیت جاتے جاتے بھی کہاں جاتی ہے۔ کھانے کے بعد دوسرے کمرے میں گئے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ کہ کسی جاندار کی تصویر نہ تھی۔ بلکہ قرآنی آیات اور احادیث شریف بڑے خوبصورت اور طلائی عربی رسم الخط میں لکھی ہوئیں کمرے میں آویزاں تھیں۔ ترکوں کے قلوب ایمانی حرارت سے ابھی تک اسی طرح گرم و تازہ ہیں۔ کاش کوئی عمر بن عبد العزیز ترک قوم کو میسر آجاتا۔

کھانے پر ہماری دعوت کی کچھ بات عربی اور کچھ جرمن میں ہمارے امریکن رفقاء کے ذریعے ہو چکی تھی۔ اب قہوہ پر ہچمیر زنے بات پھر شروع کی۔ متاثر تھے۔ ان لوگوں میں پچھلے سالوں کے لادینی واقعات کا رد عمل انتہائی شدید ہے۔ نامعلوم یہ لاوا کب پھوٹ پڑے۔ سنا ہے۔ حکومت انہی حالات کو دیکھ کر آئندہ الیکشن کے پروگرام میں اسلامی اور دینی امور کو خاص جگہ دینے پر مجبور ہو رہی ہے۔ ایسے بھی موجودہ حکومت گذشتہ آمرانہ دور حکومت سے زیادہ اسلام کے قریب ہے۔ ادھیڑ عمر طبقہ میں بحمد اللہ تعالی ایک حد تک بیداری شدت تک پہنچ چکی ہے۔ جدید ترکی کے زعیم کے متعلق ناپسندیدہ الفاظ کھلے طور پر سنے۔

عشاء کا وقت قریب تھا۔ جامع سلیمانیہ کے امام بھی ہمارے ساتھ مدعو تھے۔ جب سنا کہ ہم اپنے اخراجات بفضلہ تعالیٰ خود برداشت کرتے ہیں۔ تو بہت حیران و متعجب ہوئے۔ مسرت میں کہنے لگے تم تو مجاہد ہو۔ نماز کے لئے مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد علی

حیدر صاحب نے نمازیوں کو ترکی میں مخاطب کیا اور امام کی جگہ سے بغیر میرے مشورے کے مجھے آواز دیکر بلایا۔ اور کچھ کہنے کا مطالبہ کیا۔ اس نکمے کو عربی کہاں آتی ہے۔ مبتدیانہ شدبد بھی نام کی ہے۔ بہر حال پہلے تو جھجکا پھر توکلا علی اللہ خطبہ ماثورہ کے بعد اپنی بات شروع کی۔ جسکا ترجمہ ترکی میں ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ بحمد اللہ رفقاء کا خیال ہے کہ توقع کے خلاف میں کچھ کہہ گیا۔ وللّٰہ الحمد والمنتہ (اللہ کا حمد واحسان ہے)۔

یہ اسکا احسان ہے۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں جامع سلیمانیہ میں عربی میں مجمع عام سے خطاب نمازیوں کی تعداد کوئی تین چار سو ہو گی۔ بیان کے بعد محبت سے ملے اور وہی مغرب والا مصافحہ و معانقہ والا معاملہ تھا۔ خطاب سے فارغ ہوئے تو احمد حبیب جنہیں ہم پہلے خط لکھ چکے تھے۔ ازمیر سے استانبول آج پہنچے تھے۔ ہماری تلاش میں دوپہر سے تھے۔ ہمیں یہیں ڈھونڈ نکالا مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ نہایت شریف وملنسار محبت والا نوجوان معلوم ہوتا ہے۔ قلب نے انسیت محسوس کی۔ کار کا بندوبست کیا۔ اور ہوٹل پہنچے۔ کچھ دیر احمد حبیب سے بات چیت ہوتی رہی۔ باپ سے عربی پڑھی ہے۔ ماشاء اللہ بول لیتے ہیں۔ گیارہ بجے رخصت ہوئے اور ہم دن کے تھکے ہارے تو تھے ہی لیٹتے ہی سو گئے۔

آج 18 اگست 1957ء اتوار کا دن ہے۔ فجر ہوٹل کے قریب ایک مسجد میں پڑھی۔ مسجد درمیانہ تھی۔ لیکن وہی ترکی زیبائش وسجاوٹ، وقار وسکون کا نقشہ تھا۔ یہاں تو نماز پڑھانے میں بھی ماشاء اللہ خوب رکھ رکھاؤ برتا جاتا ہے۔ ہر حرکت سے عظمت وسنجیدگی ہویدا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عثمانی دور خلافت میں مساجد کے لئے شاہی دربار جیسے آداب مقرر کئے گئے تھے۔ منادی کی بجائے مؤذن اپنے خاص مقام سے

پہلے کچھ قرآن پڑھتا ہے۔ پھر وہیں سے تکبیر ہوتی ہے۔ اتنے میں امام انتہائی سنجید گی وادب سے آکر نماز پڑھاتا ہے۔ نماز کے بعد تسبیحات فاطمہ کا اہتمام، دعا اور دعا کے خاتمہ سے پیشتر الفاتحہ، پڑھنا عام دستور ہے۔ ماشاء اللہ قرآت خوب ہے۔ ترک ویسے بھی متین وسنجیدہ، شایستہ درد دل رکھنے والے ہیں۔

مسجد میں یہ اوصاف پوری طرح نمایاں ہوتی ہیں۔ ہیٹ کالی سی ٹوپی سے بدل جاتی ہے۔ انتہائی مؤدب ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اور مسجد میں پورے وقار سے جب تک رہنا ہوتا ہے۔ ٹھہرتے ہیں۔ صفائی و نظافت کا خاص اہتمام ہے۔ کئی مساجد میں لکھا ہوا ملیگا۔ النظافته من الایمان (الترمذی) (صفائی ایمان کا حصہ ہے)۔

فجر کے بعد کچھ دیر گزری تھی کہ جامع والدہ کے امام صاحب کا آدمی چائے پر لے جانے کے لئے آگیا۔ تیار تو تھے ہی ٹرام پر انکے دولت کدہ پہنچے۔ نئے طرز کی رہائش گاہ تھی۔ لیکن ایک طرف الماری میں فقہ وحدیث وتصوف وتفسیر کے متعلق کتب عربی میں رکھی ہوئی تھیں۔ الماری کے ساتھ ہی ایک تخت نما صوفہ پڑا ہوا تھا۔ جس پر بیٹھ کر ان کتابوں کو پڑھا جاسکتا تھا۔ مولانا بڑے تپاک سے ملے۔ اور ہمارے امریکی رفقاء کی رعایت سے اپنے ایک رشتہ دار کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ جو امریکہ میں دس بارہ سال رہ چکے ہیں۔ چائے خوب پر تکلف تھی۔ اور مشرقی تقاضا اور مہمان نوازی کے ساتھ پلائی جارہی تھی۔ چائے سے پیشتر چائے کے دوران میں اور چائے کے بعد ہمارے سب ساتھیوں نے اور ہیچمپیر ز نے بھی اپنے مقصد کی وضاحت کی۔ اور ترکی میں دعوت کے کام کی اس طرز سے ابتداوفروغ کے لئے بات چیت ہوئی۔ اچھا خاصا مذاکرہ رہا۔ لیکن جو ہمارا مقصد تھا۔ وہ پورا نہ ہو سکا۔ چائے کے بعد جگہ پر آئے۔

نو بجے احمد حبیب انکے چھوٹے بھائی احمد نذیر، حاجی مصطفیٰ قنا، ایک نوجوان عبد القادر وغیرہ آئے۔ دوڈھائی گھنٹے بحمد اللہ تعالی فضائل کی احادیث کی تعلیم ہوئی۔ فقیر عربی میں کہتا رہا۔ احمد حبیب ترکی میں ترجمہ کرتے رہے۔ ترک حضرات میں دین کی محبت اور حب رسول اللہ ﷺ خوب موجزن ہے۔ ظہر کی نماز قریبی مسجد میں پڑھی۔ اور کھانے سے فراغت کے بعد ترکی کے دینی حالات پر گفتگو ہوئی یہاں ایک واقعہ عبرت کے لئے بیان کرنا پڑتا ہے۔ ایک نوجوان ترک آئے۔ استنبول کی گائڈ جو ترکی میں تھی۔ اسکے شروع میں ترکی جدید کے زعیم کا کوئی مقولہ لکھا ہوا تھا۔ اور نیچے اسکا نام تھا۔ اس نوجوان نے دیکھتے ہی اس کاغذ کو پھاڑ دیا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ہمیں دین سے بیگانہ کرنے کی کوشش کی۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیرین

(اوزبردست ظلم سے ڈر کیونکہ فطرت کی طرف سے اسکی سزائیں بہت سخت ہیں)۔

ترکی جدید کے بانی کے متعلق یہاں ترکوں سے حالات سنکر فقیر کے حسن ظن کو ٹھیس لگی۔ تاہم دل کو تسلی دی کہ ترکی کی آزادی تو دلا گئے لیکن یہاں کا موجودہ نوجوان طبقہ کا اکثر حصہ کہتا ہے۔

دین ہاتھ سے دیکر آگر آزاد ہو ملت ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

اسلام کا دشمن، یونانیوں کو خوش کرنے والا اور اس سے سخت الفاظ سنے جس کا تحمل اس عاجز کا قلم نہیں کر سکتا۔ اسلامی شعائر دینی ذہنیت، سنت نبوی احکام دینیہ کے مٹانے کے انتہائی سخت مظالم اسکی نسبت منسوب کئے گئے۔ ایک کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ عربوں کا دشمن نہ تھا۔ العیاذ باللہ محمد مصطفی ﷺ کی ہر چیز سے اسے

بغض تھا۔ یہاں تک کہ اپنے نام سے مصطفی ہٹا کر اس نے ظاہری تعلق بھی محمد عربی سے توڑ لیا۔ اسکے لئے اسلام اور دین فخر نہ تھا۔ بلکہ یونان افرنگ کا اتباع اسے محبوب تھا۔ وہ مصطفی سے تعلق رکھنے میں اپنا کمال نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ اخوت اسلامیہ سے کٹ کر ترک بننے اور افرنگی عقائد میں اسے ترقی نظر آتی تھی۔ اس نے اپنے اٹھائیس سالہ حکومت کے دور میں اسلام کو مٹانے کے لئے جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔

ایک ایسی قوم جو محمد عربی ﷺ کی دین کی چھ سو سال تک اپنے خون سے حفاظت کرتی رہی اور اسلام کو افرنگی تسلط سے بچانے کی کوشش کرتی رہی۔ اسے اسلام سے بیگانہ کرنے کے لئے قرآن کی زبان، قرآنی رسم الخط اسلامی شعائر سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی۔ علماے دین اور اسلامی ذہنیت رکھنے والوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے۔ انہیں شہید کیا گیا۔ اور ترکیہ کو مسیحی یورپ کے رنگ میں رنگ دیا گیا۔ اور ایک ایسی قوم جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر جان دیتی تھی اسلام جسکا فخر تھا۔ مساجد ومعبد کی آبادی، مدارس اسلامیہ کا قیام اور جہاد جس کا مشغلہ تھا۔ چاہا گیا کہ انہیں ان سب سے محروم کر دیا جائے قربان جایئے ترکوں کے دینی جذبہ اور ولولہ کے، اور آفرین بھیجئے ان مشائخ وعلماء اور راسخ العقیدہ مسلمانوں پر جو ان تمام شدائد کو سہتے رہے لیکن پوشیدہ گھروں اور بعض مکاتب میں دین اور عربی کی تعلیم دیتے رہے۔ جسکا نتیجہ آخر ظاہر ہوا، اور موجودہ حکومت کا قیام کمالی ذہن وظلم وجور کی شکست اور رجوع الی الاسلام کی طرف پہلا قدم تھا۔ آئیندہ توقعات قوی ہیں۔ اللہ تعالی جوانوں کے جذبہ دین کو مزید قوت بخشے۔ اور اسے عام فرمائے۔ قلوب ایمان کی روشنی سے منور اور دین کی عظمت کو لئے ہوئے ہیں۔ ایک عمومی دینی تحریک وانقلاب کی ضرورت ہے۔ جو موجودہ حالت

میں بعید معلوم نہیں ہوتا۔

پھر وہی ذوق وشوق قلب مسلمان میں ہے
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زبان

تاہم یہاں کے دینی طبقے کو انتہائی جدوجہد اور محنت کرنی پڑیگی۔ جس خاکے کو پچیس تیس سال تک مٹایا جاتا رہا ہو۔ اسکے بنانے میں بھی وقت وہمت، جرأت وقربانی کی ضرورت ہے۔ بگاڑ وفساد آسان ہے۔ بناؤ اور اصلاح مشکل ہے۔ جبکہ زمانے کا عام رنگ بھی دوسری طرف ہے۔ عمومی جذبات دیکھتے ہوئے تو اللہ تعالی سے امید بند ھتی ہے کہ ایک کثیر آبادی کے اندر کا دینی جذبہ انشاء اللہ تعالی رنگ لاکر رہے گا۔ اور پھر ترک خرگاہی رنگ ووطن کے دائرے سے نکل کر ملت اسلامیہ کے بحر بیکراں کی ایک موج بننے میں فخر محسوس کریگا۔ اور محمد ﷺ عربی پر اور اسکے دین پر جان دینا اسکا شعار ہوگا۔ وما ذالك على الله العزيز (اور اللہ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں)۔

ہم پاکستانی پاکستان میں مغرب زدہ طبقے سے اپنے خطرات میں دوچار ہیں۔ گو بحمد اللہ تعالی پاکستانی عامۃ الناس مغرب زدگی، الحادوزندقہ کو پسند نہیں کرتا، لیکن دوسری طرف سے پوری کوشش ہے۔ جنکی عملی مثالیں تاریخ کا ورق بن چکی ہیں۔ اسلئے ہمارے لئے چوکنا رہنے اور دینی فضا کو پیدا کرنے کے لئے انتھک کوشش اور محنت کی ضرورت ہے۔ ہمیں کمالی یا ناصری نظام وذہن نہیں چاہئیے بلکہ ہماری بقاء وترقی اسلامی نظام کے قیام اور کامل دین پر عمل میں ہے۔

جامع آیا صوفیہ

عصر کی نماز جامع سلطان احمد میں پڑھنے کا خیال تھا۔ قریب میں جامع آیا

صوفیہ ہے۔ جس پر محمد فاتح کے عزم وہمت کا سکہ ھنوز ثبت ہے۔ کمالی دور میں اس مسجد کو بھی جس میں مسلمان پانچ سو سال نمازیں پڑھتے رہے۔ اغیار کی خوشنودی کے لئے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ کسی کے مسجد کو بدلنے سے اسکی مسجدیت ختم نہیں ہو گی۔ اپنا ارادہ تھا کہ اس میں دو رکعت تحیتہ المسجد ادا کر لی جائے۔ چنانچہ عصر سے پیشتر وہاں جانا طے ہوا۔ تین بجے نکلے احمد حبیب میرے ساتھ تھے۔ اور میری ٹانگوں کی معذوری کی بنا پر سہارا دیئے ہوئے تھے۔ اور اپنے دلی جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ اس تیئیس سالہ نوجوان ترک کی دینی حمیت اور غیرت اسلامی پر رشک آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکا سوز درون موجودہ دہریت والحاد کی فضا کو جلا دینے پر تلا ہوا ہے۔ کاش جوانوں میں دین پر مر مٹنے کا جذبہ اور اسلامی شعائر اور احکام الہیہ کے اضمحلال پر وہ درد و کرب پیدا ہو جائے جو قوموں کی زندگیاں بدل دیا کرتا ہے۔

بیا نقش دگر ملت بریزیم   کہ ایں ملت جہاں را بار دوش است

ٹرام کے ذریعے جامع آیا صوفیہ پہنچے۔ بیرون دروازہ سے داخل ہونے کے بعد بائیں طرف وضو بنانے کی ترکی طرز پر سنگ مرمر کی جگہ بنی ہوئی ہے اسکے اوپر چھت کے قریب قصیدہ بردہ بوصیری لکھا ہوا ہے جو ترکی حب رسول ﷺ کی زندہ یادگار ہے۔ اسکے بعد جامع آیا صوفیہ کی بے مثل بازنطینی فن تعمیر کی یادگار شروع ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ داخل ہوتے ہی سامنے عیسائی رومن کھیتولک بت پرستی کی تصاویر سنگ مرمر کی سلوں کو ہٹا کر پھر نکال دی گئی ہیں۔ احمد حبیب نے جلکر پر سوز لفظوں میں کہا۔ کیا مسجد کو بت خانہ بنانا کمالی ایمان کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے کئے کو پا رہا ہو گا۔ اندر بڑھے مسجد کو عجائب گھر کہا جاتا ہے۔ لیکن سوائے مسجد کے عجائب خانوں کی طرح کوئی اور چیز دکھانے

کے لئے نہیں رکھی گئی۔ بہر حال فن تعمیر کے اس محیر العقول کارنامے کو دیکھتے رہے۔ جو آج بھی پرانا معلوم نہیں ہوتا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ کنیسہ سے مسجد بننے میں جوڑتوڑ کا کوئی نشان محسوس نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہی مسجد تھی۔نہ معلوم ترک معماروں نے اپنے کمال فن سے اس فرق کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یاقدیم تعمیر میں بہت تصرف کیا گیا ہے۔ اور فن تعمیر کے کمال نے اسکا اظہار ہونے نہیں دیا۔ صرف پرانا محراب کچھ نظر آتا ہے۔ لیکن بتلانے والے کے آگاہ کرنے پر، ورنہ کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ٹرکش طرز پر مؤذن کی جگہ، بلند ممبر سلطان کے بیٹھنے کی جگہ سلیقے اور قرینے سے بنی ہوئی ہے۔

آج کل گو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ تاہم محراب اور اسکے قریب قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اور یہ جگہ جو میز کے بائیں تک آئی ہوئی ہے۔ جنگلے سے بند کر دیا گیا ہے۔ ہیچمیرز احمد حبیب کے مشورہ اور سہارے سے ایک طرف سے اندر داخل ہوا۔ اور محراب میں جاکر دوگانہ ادا کیا۔ لوگ دیکھتے رہے۔ لیکن غیر ملکی سمجھ کر تعرض نہیں کیا۔ حیرت و تعجب ہے کہ محراب کے اوپر چھت پر بھی کچھ عیسائی بت پرستی کی یادگار تصاویر کھود کر نکال لیا گیا ہے۔ دوگانہ کے بعد دعا کی کہ اللہ تعالی اس مسجد کو پھر آباد کرے۔ اور ترکوں کو من حیث القوم اسلام پر عمل کرنے والا اور خادم بنائے۔ آمین۔ محراب کے دائیں طرف ماذنہ کے قریب جو دروازہ ہے۔ اسکے ایک ستون پر کہتے ہیں۔ اس سے محمد فاتح داخل ہوا تھا۔ تلوار کا نشان ہے۔ روایت ہے کہ یہ محمد فاتح کی تلوار کا نشان ہے۔ جو اس نے دروازے میں داخل ہونے کے لئے جنگ کرتے ہوئے ماری تھی۔ دوسری طرف ایک ہاتھ کا نشان ہے۔ جو پتھر کی سل میں مرتسم ہو چکا ہے۔ کہتے

ہیں۔ یہ بھی دروازہ کے کھلواتے وقت اسکے قوی ہاتھ کا نقش ہے۔ جو پتھر پر ثبت ہو چکا ہے۔ جن بڑے لوگوں سے مافوق العادہ حیرت انگیز کارنامے وجود میں آتے ہیں۔ انکے متعلق ایسی ہی باتیں عامتہ الناس میں مشہور ہو جاتی ہیں۔

عوام کی اعجوبہ پرستی کا ان روایات میں دخل ہو سکتا ہے۔ ان نشانات کو بتلاتے ہوئے احمد حبیب نے کہا اس دروازے سے محمد فاتح یہاں داخل ہوا تھا۔ اور اسے مسجد میں تبدیل کر دیا تھا وہ دن جلد آنے والا ہے۔ کہ محمد فاتح کی یہ یادگار پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آباد ہو گا۔ اور ترکی اسلام کی شوکت کا نظارہ دنیا کو بتلا سکے۔ یقین و سوز میں اس ترک نوجوان کی ہر بات ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو نوازنا چاہتے ہیں۔ تو دینی درد و فکر عطا فرما دیتے ہیں۔ دین کے احیاء و فروغ کے لئے کڑھن و سوز تو سینہء انبیائے کی میراث ہے۔ اسلئے

یک ذرهٔ درد دل از سلطنت جم بہ

(دردِ دل کا ایک ذرہ بھی جمشید کی سلطنت سے بہتر ہے)۔

عطا کن شور رومی سوز خسرو عطا کن صدق واخلاص سنائی

(مجھے رومی کا شور و غوغا اور خسرو کا سوز دے اور سنائی کا صدق و اخلاص نصیب فرما)۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضٰی سوز صدیق دے
مری ناؤ گرداب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے میرا عشق میری نظر بخش دے

اللہ رحمت بھیجے اقبال پر کس طرح دِل کے ٹکڑے نکال دیئے ہیں۔

مرا دِل میری رزم گاہ حیات　　گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات
اُمیدیں میری آرزوئیں میری　　تمنائیں میری جستجوئیں میری
امنگیں مری، آرزوئیں مری　　امیدیں مری، جستجوئیں مری
میرے دیدہ تر کی بے خوابیاں　　میرے دِل کی پوشیدہ بے تابیاں
میرے قافلے میں لٹا دے اُسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اُسے

غرض ترکی کے ماضی کا تذکرہ کرکے حال کا تبصرہ کرتے اور مستقبل پر کچھ امید ویقین کو رکھے ہوئے جامع آیا صوفیا سے نکلے۔ کیا ایک مسلمان مسجد کو کنیسہ یا عجائب گھر بنا سکتا ہے۔ اس سوال کا میں کیا جواب دے سکتا تھا۔ یہ سب یونانیوں اور انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کیا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ زعیم ترکیہ کی اس قسم فعل کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ عرض کیا وہ جا چکا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (سورۃ البقرہ 2 آیت 141)

(انک لا تسئل عن اعمال الناس ولا کن تسئل من الغیبۃ) (آپ سے لوگوں کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا لیکن تم سے غیبت کی پوچھ (ضرور) ہوگی)۔

ظنوا المؤمنین خیرا (مومنون کے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہیئے)۔

مرے ہوؤں کے متعلق خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

جامع سلطان احمد

یہاں سے جامع سلطان احمد کی طرف بڑھے دروازے کے باہر مصری فراعنہ میں سے کسی کی لاٹ نصب ہے۔ احمد حبیب نے بتایا کہ سلطان سلیم کے زمانے میں جب

اس نے مصر فتح کیا۔ یہ اس وقت سے یہاں آئی ہے۔ جامع سلطان احمد، جامعہ سلیمانیہ اور جامع محمد فاتح کے بعد استانبول میں سب سے بڑی مسجد ہے۔ پہلے عظیم چار دیواری ہے۔ پھر صحن اور صحن میں ترکی طرز پر وضو کرنے کی مدور جگہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اصل مسجد شروع ہوتی ہے۔ جو الٰہی عظمت وجرأت اور عثمانیوں کی مساجد سے محبت کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ طرز وہی ایک طرف اونچا ممبر مقابل میں خلیفہ کی نشستگاہ (جو محراب کی بائیں جانب (سمجھئے دوسری منزل میں) گیلری کے طور پر بنی ہوئی ہے۔ سے بھی بلند ہے۔ درمیان میں انتہائی اونچا گنبد ترکی معماری کا بہترین نمونہ ہے۔ دائیں بائیں چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ ممبر کے پائیں میں مؤذن کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ نماز عصر پڑھی۔ بحمد اللہ کوئی چار پانچ آدمی تھے۔ عورتیں پیچھے علیحدہ جماعت میں شریک ہوئیں۔ نماز کے بعد ہم اجنبیوں سے ملنے کے لئے ترکوں کا اشتیاق انہیں کھینچ لایا۔ عربی میں بات اور آنے کا مقصد بتلایا جسے احمد حبیب نے ترکی میں سمجھایا۔ ایک گھنٹہ تک بات چیت جاری رہی۔ اسکے بعد واپس ہوٹل آئے۔ کچھ ترک حضرات انتظار میں تھے۔ بات چیت ہوئی۔ مغرب وعشاء قریبی مسجد میں پڑھی۔ تھکاوٹ سے طبیعت مضمحل ہو رہی ہے۔ سر میں درد ہے۔ کچھ زکام کے اثار معلوم ہوتے ہیں۔ والحمد للہ علی کل حال۔ رات کے گیارہ کھانے وغیرہ میں بج گئے۔ پلنگ پر نیند انتظار کر رہی ہے۔ آنکھیں بند ہوا چاہتی ہیں۔

اللھم بسمك اموت واحیی (یااللہ آپکے نام کے ساتھ میری موت اور زندگی ہے)۔

آج 19 اگست 1957ء پیر کا دن ہے۔ عاجز اپنے ضعف وکمزوری کی بنا پر مشقت کا کیا متحمل ہوتا۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالی کی رحمت خاصہ ہے کہ مجھ جیسے ناتواں اور معذور شخص کو اپنے راستے میں یہاں تک پہنچا دیا۔ ورنہ کسی لحاظ سے میں ایک قدم

اٹھانے کے لائق نہیں۔ وللہ الحمد والمنتہ۔ رات ہی سے بخار کے آثار تھے۔ صبح سے شدید بخار اور زکام میں مبتلا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص عطا فرمائے۔ اور اپنے راستے کی اس بیماری کو کفارہ ذنوب بنائے۔ اپنا حال معلوم ہے۔ کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

الا ان تغمدنی اللّٰہ تعالٰی بفضل ورحمۃ (صحیح بخاری حدیث 5673)

(مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی فضل ورحمت سے ڈھانپ لے)۔

پوری زندگی میں کوئی عمل انکے ہاں پیش کرنے کے قابل نہیں پاتا۔ بہر حال ناامیدی کفر ہے۔ اپنے آقا سے حسن ظن ہی چاہئے۔ یہاں پردہ پوشی وکفالت فرمائی ہے تو انشاء اللہ وہاں بھی فضل وکرم والا معاملہ فرمائیگا۔ اللھم اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا مانحن اھلہ (اے اللہ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیرے شان کے لائق ہے اور وہ معاملہ مت فرما جو کہ ہمارے ہمارے حال کے موافق ہے)۔

آج میری نمازیں بھی ہوٹل میں ادا ہوئیں۔ ساتھی اپنے کاموں میں مشغول اور ویزہ وغیرہ کے حصول کی کوشش میں رہے۔ مغرب کے بعد کچھ حضرات آگئے۔ باوجود بخار ونقاہت کے امیر صاحب کے حکم کے مطابق اپنے آنے کا مقصد اور امت مرحومہ کی ذمہ داریاں اور ترکوں کو دین کے داعی بننے اور اسلام کا پرچم پھر سے سنبھالنے کی دعوت دی۔ ایک نوجوان حافظ عبد اللہ باقر نے عربی سے ترکی میں ترجمہ کیا۔ بحمد اللہ اچھا اثر لیا۔ والحمد للہ اولاً وآخرًا وظاہراً وباطناً (اور اللہ کا شکر ہے اول بھی آخر بھی ظاہر بھی اور باطن بھی)۔

آج 20 اگست 1957ء منگل کا دن ہے۔ آج بھی شدید بخار اور سر درد میں مبتلا رہا۔ طبیعت انتہائی مضمحل ہے۔ صبح سے پلنگ پر پڑا ہوں۔ رفقاء یوگوسلاویہ وغیرہ

کے ویزے کے لئے گئے۔ یوگوسلاویہ کا بحمد اللہ پندرہ دن کا ویزہ مل گیا۔ آسٹریا کا باقی ہے۔ عصر کے بعد احباب آنا شروع ہوئے۔ احمد حبیب اور حاجی مصطفی فقیر کے لئے دوائی لیکر آئے۔ اور تیمار داری کا حق ادا کرتے رہے۔ اس مسافرت و غربت میں انکی اس عنایت کا دل پر خاص اثر پا رہا ہوں۔ خدمت و محبت جہاں بھی ہو۔ دل میں جگہ پیدا کر لیتی ہے۔ آج یہ جنس گرانمایہ ناپید و عنقا نہیں۔ تو کم یاب ضرور ہے۔ عبد اللہ باقر جو یہاں مدرسۃ الامامتہ والخطابا میں متعلم ہے۔ عصر سے پیشتر ہی آگئے تھے۔ میرے پاس ہی بیٹھے رہے۔ اور دعوت واحیائے دین کے متعلق بات چیت کرتے رہے۔ نئ پود اور طلباء کو اگر صحیح ماحول ورہنمائی مل جائے تو اس زمانے میں بھی امت میں کلیتا جوہر کا فقدان نہیں۔

بیس اگست 1957ء تک مولانا صاحب کا خود نوشتہ تفصیلی سفر نامہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ اکیس اگست سے تین ستمبر تک کے سفر اور اسکے حالات کا کوئی ریکارڈ مولانا صاحب کے ڈائری میں موجود نہیں۔ شائد یہی وہ وقت ہے۔ جو جماعت نے یوگوسلاویہ اور آسٹریا میں گزارا۔ مولانا صاحب کے اپنے قول کے مطابق 20 اگست کو استانبول میں یوگوسلاویہ کا پندرہ دن کا ویزہ حاصل کر چکے تھے۔ اور آسٹریا کے ویزے کے تلاش میں تھے۔ بہرحال 4 ستمبر 1957ء کو مولانا صاحب نے جرمنی کے شہر میونخ میں اپنے قیام کا ذکر فرمایا ہے۔ جرمنی میں پھر دس تا سترہ ستمبر کے حالات کا پتہ نہیں کہ کہاں اور کیسے گزارے۔ باقی دنوں کے حالات صرف اشارات اور مختصر یاداشتوں پر مشتمل تھیں۔ ہم نے ان اشارات اور یاداشتوں کو جوڑ کر انکی مدد سے سفر نامے کی تکمیل کی کوشش کی ہے۔ اس میں اگر کوئی غلطی یا کمی کوتاہی ہو گی۔ وہ

ہماری کم فہمی اور ناسمجھی کی بدولت ہے۔

شہر میونخ جرمنی

آج 4 ستمبر 1957ء بدھ کا دن ہے۔ جرمنی کی شہر میونخ میں قیام ہے۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر تعلیم کا حلقہ لگایا۔ ہیچمپیرز اور امیر رشید امریکن نے بات کی۔ پروفیسر محمد بن احمد اور عبدالقادر منیر تشریف لائے۔ یہ حضرات سینتیس سال سے جرمنی میں رہ رہے ہیں۔ دونوں کمیونسٹوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ بات دیر تک جاری رہی کہا کہ ان سب کا مداوا تعلق مع اللہ ایمان و عمل صالح ہے۔ کھانا ہمارے ساتھ اکٹھا کھایا۔ مشورہ ہوا کہ امیر جماعت ضیاء الاسلام صاحب اور مولانا ظاہر شاہ صاحب آج بون چلے جائیں۔ میں اور انور صاحب مع امریکن ساتھیوں کے جمعہ تک آجائیں۔ وہ لوگ پونے دو بجے گاڑی سے روانہ ہوئے۔ بندہ کان کے آلے کے لئے گیا۔ دیکھا چار سو مارک قیمت بتائی۔

دوسرے دن 5 ستمبر کو امیر رشید کے ساتھ امریکن ایکسپرس گیا۔ روپیہ تڑوایا۔ گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ امیر رشید اپنے شادی کے بارے میں تردد میں ہیں۔ وہاں سے واپس اپنی جگہ آگئے۔ تو پاکستانی طلباء فضل یزدانی اور خواجہ سکندر کمال تشریف لائے تھے۔ ان سے دعوت کی بات کی فضل یزدانی کافی متاثر ہوئے۔ پانچ بجے تک ہمارے ساتھ رہے۔

آج 6 ستمبر جمعہ کا دن ہے۔ اسلئے صبح ہی سے جمعہ کے لئے تیاری میں لگ گئے۔ سات آٹھ بندے جمع ہوگئے۔ بندہ نے انگریزی میں بات کی جسکا ترجمہ امیر رشید نے جرمنی زبان میں کیا۔ ان میں نورالدین ترکستانی بخاری نقشبندی ہے۔ شام کو امام صالح

تشریف لائے۔ ان سے میری اور امیر رشید کی انگریزی میں گفتگو ہوئی۔ پاکستان جانے کے لئے تیار ہیں۔ قادیانیوں کے بارے میں کئی سوالات کئے۔ ہفتہ 7 ستمبر کو ساڑھے آٹھ بجے نورنبرگ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور 10 بجے پہنچ گئے۔ بندہ کو پیچش اور خون آرہا تھا۔ اسلئے ہوٹل میں رہا۔ رفقاء نے امام ابراہیم اور جرمن حضرات سے ملاقات و گفتگو کی۔ امیر رشید نے جرمنی میں خطاب کیا۔ مغرب کو وہاں سے واپسی ہوئی۔

اتوار 8 ستمبر کو صبح نو بجے نورالدین اور ابراہیم کے ساتھ فورہیم کے لئے روانہ ہوئے۔ یہاں اٹھارہ مسلمان خاندان ایک جگہ پر رہ رہے ہیں۔ یوگوسلاویہ مسلمانوں سے دریائے اگنیس کے کنارے سبزہ زار پر بیٹھ کر بات ہوئی۔ لوگ محبت سے ملے انکا اشتیاق قابل دید تھا۔ بندہ نے عربی میں خطاب کیا۔ جسکا ترجمہ ابراہیم صاحب نے کیا۔ سب اپنے بچوں اور مسجد کے بارے میں فکر مند تھے۔ شفقت کے گھر میں نماز پڑھی۔ پر تکلف حلال کھانا کھایا۔ نورنبرگ واپسی کے لئے 5 بجے سٹیشن آئے۔ یہاں تک سب چھوڑنے ساتھ آئے۔ حسین پاؤں زخمی ہونے کے باوجود سٹیشن چھوڑنے کے لئے ساتھ آئے۔ چھ بجے نورنبرگ واپس پہنچے۔ رات بون کے لئے روانگی تھی۔ امیر رشید نے فرمایا۔ کہ ملاقات گو سبب مسرت ہے۔ لیکن جدائی کا صدمہ بھی انتہائی شدید ہوتا ہے۔ استقامت کی دعا کریں۔ عبدالرشید نے کہا کہ مجھ سے تو اب امریکہ ہی میں ملاقات ہو سکتی ہے۔ گویا دونوں باپ بیٹا رو رہے تھے۔

شہر بون میں

9 ستمبر پیر کے دن بون شہر میں وارد ہوئے۔ سٹیشن سے سیدھے ہوٹل میں جاکر اپنے ساتھیوں سے مل لئے۔ پاکستانی سفارت خانہ کے جناب ظہور الحق صاحب سے

ملاقات اور گفتگو ہوئی۔ دس ستمبر منگل کے دن شامی سفارت خانہ میں ویزہ لگوانے چلے گئے۔ عراقی سفارت خانہ کو بھی تلاش کر لیا۔

18 ستمبر بدھ کے روز امیر صاحب نے دفعتہً روانگی کا حکم دیا۔ اسلئے چھ بجکر 10 منٹ پر ہم نے منیھم کو چھوڑا۔ البتہ انور صاحب اور مولانا ظاہر شاہ صاحب رہ گئے۔ ریل میں مغربی تہذیب اور بے حجابی کے اپنے ڈبے میں ناقابل برداشت مناظر دیکھے۔ 19 ستمبر بروز جمعرات بلگریڈ پہنچے۔ شہر کی سیر کی۔ روانگی کے لئے وٹینگ روم میں بیٹھے۔ پریشانی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے جگہ نہ ملنے کی بدولت وٹینگ روم میں شراب خانے کے سامنے جماعت کی نماز پڑھ لی۔ ساڑھے تین بجے گاڑی روانہ ہوئی۔ ضیاء الاسلام صاحب غلطی سے دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میری روانگی اور ساتھ انتہائی پریشانی قابل دید تھی۔ برشٹینا کے مسلمان مہاجر ڈبے میں ساتھ تھے۔ یوگوسلاویہ سے ہجرت پر مسلمانوں کی بری حالت پر افسردگی اور بعض کی اخلاقی خرابی پر افسوس رہا۔ 20 ستمبر جمعہ کے روز دن بھر کا سفر سرزمین یونان میں رہا۔

استنبول آمد

21 ستمبر کو ہفتہ کے دن صبح ساڑھے گیارہ بجے استانبول پہنچے۔ جسے مساجد کا شہر کہا جاتا ہے۔ احمد حبیب اور حاجی مصطفی استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ضیاء الاسلام صاحب کے انتظار میں سٹیشن پر رہے۔ فاضل جلبی صاحب بھی پہنچے تھے۔ ترک احباب کی محبت نے دل مسخر کیا۔ عشاء کے بعد مسجد میں ترکوں سے گفتگو ہوئی۔ نوجوان احمد بادغط سے ملاقات ہوئی۔ 22 ستمبر اتوار کے روز احمد بادغط اور سامی سے ملاقات ہوئی۔ اسماعیلیت قادیانیت اور تبلیغ پر گفتگو ہوئی۔ احمد حبیب، حاجی مصطفی اور

دوسرے ساتھی آئے۔ اور سٹیشن پر ضیاء الاسلام صاحب کو لینے کے لئے ساتھ چلے گئے۔ شکر ہے کہ ضیاء الاسلام صاحب بخیریت پہنچ گئے۔ رات کو پھر احمد بادغط سے ملاقات ہوئی اور ترکی ہوٹل میں کھانا کھایا۔

استنبول سے روانگی

23 ستمبر پیر کے روز استانبول سے روانگی تھی۔ احمد حبیب سٹیشن تک رخصت کرنے آیا۔ والد صاحب کے لئے پیغام محبت دیا۔ محمد یاشار طوناکور اور صادق فدانجی سے ملاقات ہوئی۔ ترکی کے حالات بتائے۔ صادق فدانجی نے بتایا کہ بیلوں کے اصطبل میں چھپ کر دینی علم حاصل کرتے رہے۔ کمال اتاترک اور عصمت انونو سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ کہنے لگا مندریس مسلمان آدمی تھا۔ 24 ستمبر منگل کا دن سرزمین ترکی کی سفر میں صرف ہوا۔ پاکستانی طلباء وطالبات سے معلوم ہوا کہ بعض پاکستانی غیر ملکوں میں اسلام وپاکستان کو بدنام کر رہے ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے نام پر دھبہ ہیں۔

واپسی کا سفر

25 ستمبر بدھ کے روز صبح چار بجے حلب پہنچ گئے۔ جامع ذکریا میں مزار حضرت ذکریاؑ کی زیارت کی۔ حلب سے ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے۔ راستے میں شامی طالب العلم سے سیاسی مذاکرہ ہوا۔ بعض شامیوں کا رویہ غیر شریفانہ تھا۔ آوازیں کسیں لیکن پھر چپ ہوگئے۔ راستے میں حمص میں نماز ظہر پڑھی۔ اور جلیل القدر صحابی رسول حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔

26 ستمبر بروز جمعرات شام آٹھ بجے دمشق پہنچے۔ ہوٹل زہرۃ العباد میں مقیم

ہوئے۔ کرنسی بدلوائی۔ اور مزارات اہل بیت پر حاضری دی۔ مزار حضرت سکینہ، حضرت زینب صغری و حضرت زینب کبریٰ پر گئے۔ اسکے علاوہ امام حسین رضی اللہ عنہ راس شہدائے کربلا، ام المؤمنین حضرت حفصہ، عبد اللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ یحیٰ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزار پر حاضری ہوئی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر لکھا ہے۔ انفق یا بلال ولاتخش من ذی العرش اقلالا اور سمعت دق نعلیك یا بلال رضی اللّٰہ عنہ (اے بلال خرچ کرتا رہے اور عرش والے سے کمی کا اندیشہ نہ رکھ، اور اے بلال میں نے (معراج) میں آپکے جوتوں کی آہٹ سنی)۔

27 ستمبر جمعہ کے لئے تیاری کی۔ جمعہ پڑھ کر دو بجے عمان کے لئے روانہ ہوئے۔ ساڑھے سات بجے عمان پہنچے۔ اور آٹھ بجے عمان سے القدس کے لئے روانہ ہوئے۔ رات کے اس روحانی سفر کے عجیب تاثرات تھے۔ رات گیارہ بجے القدس پہنچے۔ ہوٹل لیا۔

28 ستمبر ہفتہ کے صبح سویرے ساڑھے تین بجے مسجد اقصیٰ گئے۔ چار بجے نماز فجر کے بعد اشراق تک ذکر اذکار میں مشغول رہے۔ دو رکعت نفل اشراق محراب میں پڑھ لی دو رکعت حجرہ مریم کے "كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ" میں پڑھے۔ (زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے)۔ (آل عمرن 3، آیت 37) مزار سلیمانؑ پر حاضری اور مقام براق دیکھا۔ قبۃ الصخرا، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، علیہم السلام کے محراب دیکھے اور اس جگہ بھی گئے جہاں سے عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھانے کے لئے لے جایا گیا۔
یہاں سے بستی خلیل جو پانچ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے کے لئے ساڑھے نو بجے

روانہ ہوئے۔ جبل زیتون کو دیکھا اور حضرت یونسؑ کے مزار پر حاضری دی۔ بستی خلیل میں خاص برکات و انوارات کا مشاہدہ ہوا۔ حضرت ابراہیم خلیل، حضرت سائرہ حضرت اسحاقؑ، رفقہ، حضرت یوسف و حضرت یعقوبؑ کے مزارات علیہم السلام پر حاضری دی۔ واپسی پر یونس باغ سلیمان کے انگور کھائے۔ بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کی پیدائش کی جگہ دیکھی۔ وہاں کا گرجا اور نصاریٰ کی بت پرستی ملاحظہ کی۔ حبولا نخل کی جگہ۔ یہ بستی یروشلم سے کوئی دس بارہ میل ہوگی۔ واپسی پر پرانی دیوار اور مسجد عمر میں نماز ظہر ادا کی۔ القدس سے چار بجے واپسی ہوئی نماز عصر موسیٰؑ کے مزار پر پڑھی۔ مغرب راستے میں اور عشاء عمان میں پڑھی۔ عمان کے ہوٹل القصالنسر میں ٹھرے۔

29 ستمبر اتوار کے دن عمان کے چند بازار دیکھے۔ عمان سے بذریعہ بس 9 بجے روانہ ہوئے۔ سارا سفر بے آب و گیا صحرا میں ہوتا رہا۔ رات تین بجے عراقی سرحد پہنچے۔ کافی وقت لگا 30 ستمبر پیر کی صبح گیارہ بجے عراقی سرحد چوکی سے روانہ ہوئے۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے پڑاؤ پر ٹھہرتے ہوئے۔ رات کو بغداد پہنچے۔ اور جمعیت پاکستان ہوٹل میں قیام کیا۔

یکم اکتوبر منگل کے دن بغداد کے سوق المکاتب، سوق الرائے جاکر پرانی مذہبی کتابیں دیکھیں۔ صرافہ سے کرنسی تڑوائی۔ ایرانی سفارت خانہ سے ویزا لیا۔ کاظمین شیعہ کی بت پرستی اور بدعات کو دیکھا۔

2 اکتوبر بدھ کو بس کا بندوبست کیا۔ راستے میں شیعوں کے متعصبانہ رویے کا سامنا رہا۔ رات گیارہ بجے خانقین کے کسٹم چوکی میں پہنچے۔ رات خانقین میں گذاری۔ ماتم و مرثیوں کی گونج رہی۔ 3 اکتوبر جمعرات کو ایرانی کسٹم چوکی قصر شریف سے ڈھائی بجے

روانگی ہوئی۔ڈرائیور کی تساہل اور آرام طلبی کی وجہ سے رات کرمان شاہ میں گذارنی پڑی۔ 4 اکتوبر بروز جمعہ ساڑھے نو بجے کرمان شاہ سے روانہ ہوئے۔ دوپہر نہاوند پہنچے۔ تقیہ کے برے اثرات، بدعہدی کا عملی تجربہ ہوا۔ اہل سنت سے دشمنی کے نمونے دیکھے۔ڈرائیور نے راستہ بدلا۔ راستہ کچا اور خراب تھا۔ رات ڈیڑھ بجے قم شہر پہنچ گئے۔

آج 5 اکتوبر ہفتہ کا دن ہے۔ قم میں بس رکی رہی۔ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے امام رضا کی مزار پر حاضری دی۔ کچھ اور مزارات بھی دیکھے۔ قم سے دوسری بس میں ڈھائی بجے روانہ ہوئے۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ اہل سنت کے نماز سے انتہائی بغض کی بناپر ساتھیوں نے نماز موخر کردی۔ لیکن بندہ نے اپنی نماز ادا کردی۔ اللہ پاک کی بات ماننے میں ہی خیر ہے۔ داعی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں چاہئے۔ شہر سے ہوتے ہوئے پانچ بجے تہران پہنچ گئے۔ چھتیس گھنٹوں کی بجائے یہ سفر چوہتر گھنٹوں میں طے ہوا۔ ایرانیوں کی بے جا عیش پرستی اور آرام طلبی وقت ضائع کرتی ہے۔ سڑکیں بھی خراب ہیں۔ تہران نیا شہر ہے۔ خوب بنا ہے۔ یورپ کا نمونہ ہے۔ موٹروں کی ریل پیل اور جدید طرز کے عمارات ہیں۔ ہوٹل اعیان نو میں ٹھہرے۔ 6 اکتوبر اتوار کو تمام دن ہوٹل میں بے کار پڑے رہے۔ ٹرین مل نہیں رہی تھی۔ اور جہاز کا کرایہ زیادہ تھا۔ عصر کو بس میں شہر میں گھوم لئے۔ وقت کے ضائع ہونے پر افسوس رہا۔ 7 اکتوبر پیر کے دن 7 بجے بذریعہ ٹرین تہران سے مشہد کے لئے روانہ ہوئے۔ 8 اکتوبر منگل کے دن راستے میں بیہق۔ نیشاپور، سبزوار کے مردم خیز قریوں سے گذر ہوا۔ ان میں سے ہر قریہ ایک تاریخ رکھتا ہے۔ آج ایران ویران ہو گیا۔ سات بجے مشہد میں پہنچے۔ 9 اور 10 اکتوبر بدھ اور جمعرات کو مشہد میں جمعیت پاکستان ہوٹل میں بے کار پڑے رہے۔

11 اکتوبر کو بعد جمعہ مشہد سے روانگی ہوئی۔ 12 اکتوبر ہفتہ کو بیر جند پہنچے اور شام کو زاھدان شہر میں وارد ہوئے۔ 13 اکتوبر اتوار زاھدان میں ہی گزارا۔ 14 اکتوبر پیر کو گاڑی کی آمد ہوئی۔ اور چار بجے ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔ 15 اکتوبر منگل کو صبح ساڑھے چار بجے زاھدان سے روانہ ہوئے۔ اور ساڑھے سات بجے ایرانی کسٹم چوکی میر جادہ ساڑھے سات بجے پہنچے۔ چوکی پر بہت دیر ہوئی۔ وہاں سے روانہ ہو کر ساڑھے بارہ بجے پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔

سفر ہند سال 1980ء صد سالہ جشن دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں صوبہ سرحد کے بہت سارے علماء اور مشائخ مدعو تھے۔ ان میں حضرت مولانا صاحب مع رفقاء کے شامل تھے۔ اس سفر میں جناب ڈاکٹر فدا محمد صاحب، خلیل احمد صاحب، جناب میر حاتم صاحب، جناب محمد نعمان صاحب اور احمد خان صاحب حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا صاحب 17 مارچ 1980ء کو پشاور سے روانہ ہوئے۔ ایک دن لاہور میں جناب نسیم احمد شیخ صاحب کے مکان واقع ماڈل ٹاؤن پر قیام فرمایا اور اگلے دن 19 مارچ کو بذریعہ اسپیشل ٹرین لاہور سے دیوبند کے لئے روانگی ہوئی۔ ویزہ، ریل وسفر کے انتظامات حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی سرکردگی میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے سنبھالے تھے۔ یہ سپیشل ٹرین تقریباً ساڑے آٹھ سو مندوبین وزائرین کو لیکر 19 مارچ 1980ء کو بارہ بجے لاہور سے آٹاری کے لئے روانہ ہوئی۔ اٹاری میں کسٹم اور امیگریشن میں کافی دیر لگی۔ مغرب کی نماز امرتسر سٹیشن پر پڑھی۔ تمام رات کے سفر کے بعد صبح سے پہلے سہارن پور پہنچے۔ جہاں سے دیوبند اٹھائیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اجلاس کے

لئے بنائے گئے عارضی ریلوے پلیٹ فارم پر گاڑی رُکی تو 20 مارچ کے فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لئے نماز فجر پڑھ کر پھر ٹرین میں سوار ہوئے۔ دیوبند کے مستقل ریلوے سٹیشن پر دارالعلوم کے کارکنان استقبال کے لئے موجود تھے۔

دارالعلوم دیوبند

دیوبند قصبہ کے بیچ میں سے گذر کر دارالعلوم پہنچنا تھا۔ یہ ایک کم چوڑی سڑک ہے جس کے دونوں طرف دکانیں ہیں۔ قصبے کی آبادی اکثر مسلمان ہیں۔ قصبے کے آخیر میں دارالعلوم ہے۔ جس کا ایک دروازہ کھیتوں کی طرف کھلتا ہے۔ دروازے کا نام باب ظاہر شاہ ہے۔ جو افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ نے بنایا تھا۔ جہاں اب دارالعلوم آباد ہے۔ یہ ایک ویران جگہ تھی۔ سید احمد شہید بریلویؒ کا جب جہاد کے سلسلے میں دیوبند سے گذر ہوا تو رفع حاجت کے لئے اس میدان میں لایا گیا۔ لیکن انہوں نے یہاں رفع حاجت سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس زمین سے مجھے احادیث مبارکہ کی بُو آتی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو جب مکہ مکرمہ میں دارالعلوم دیوبند کی افتتاح کی اطلاع دی گئی تو فرمایا: یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑ گڑاتی رہیں کہ خداوند! ہندوستان میں بقاءِ اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا فرما۔ یہ مدرسہ انہی سحر گاہی دُعاؤں کا ثمر ہے۔ مولانا شاہ رفیع الدین حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کا خلیفہ اور ولی کامل دو مرتبہ دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ فرماتے ہیں کہ جب 1875ء میں دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت کی بنیاد کھودنی شروع کی تو اُنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ مجوزہ مقام پر تشریف رکھتے ہیں اور مجھ سے خطاب فرمایا کہ یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے اور خود اپنے عصا مبارک سے نقشہ کھینچ کر فرمایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے۔ صبح اُٹھ

کر دیکھا تو نشانات موجود تھے۔

میں پہنچا ہوں دیکھو کہاں اللہ اللہ زمین ہے یہاں آسمان اللہ اللہ

یہ سب حضرت مولانا صاحب کا فیض تھا کہ ہم جیسوں کو بھی اپنے اکابرین کی درسگاہ دکھادی۔ انہوں نے ہمیں دارالعلوم کے اندر ایک کمرہ دے دیا۔ اور کھانے وغیرہ کا مطبخ سے انتظام کرلیا۔

نومسلم جان محمد طالب العلم

دارالعلوم میں نومسلم انگریز لڑکا جان محمد بھی حضرت مولانا صاحب سے ملنے آیا۔ اس کے والد انگریزی دور میں پشاور میں بڑے افسر رہ چکے تھے۔ والد نے سردار عبدالرشید صاحب کو لکھا کہ میرا بیٹا پاکستان میں کہیں گم ہے۔ آپ تلاش کرلیں۔ تیراہ سے ڈھونڈ کر جب حضرت مولانا صاحب کے پاس لائے تو شلوار قمیص میں ملبوس واسکٹ پہنے ہوئے چترالی ٹوپی سر پر تھی اور ٹھیٹ تیراہ والی پشتو بول رہے تھے۔ اور غیر مقلدین پنج پیریوں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ اس نے دینی علم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ تو حضرت مولانا صاحب نے دیوبند جانے کا مشورہ دیا اب یہاں ان کا آخری سال تھا۔ ملکر بڑے خوش ہوئے اور پھر ہمارے ساتھ ہی رہے۔ ایک دن تو ہم جلسے میں نہیں گئے۔ اُسی دن اندرا گاندھی وزیراعظم آئی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ صد سالہ اجلاس کی تمام نشستوں اور دارالعلوم کی طرف سے ترتیب شدہ دیگر تقاریب میں باقاعدگی سے شرکت فرمائی۔ 21 مارچ بروز جمعہ دارالعلوم کے مختلف شعبے (دارالحدیث، دارالتفسیر، جامع مسجد) دیکھی۔ جمعہ چھتے والی مسجد میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی امامت میں پڑھی۔

قاسمی قبرستان

قیام دارالعلوم کے دوران قاسمی قبرستان حاضری دی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا حبیب الرحمان عثمانیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور قبرستان میں مدفون دیگر اکابرین کی زیارت کی۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، باب الظاہر کے سامنے مدفون ہیں، ان کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔ ایک چبوترے پر حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا مزار ہے۔ زیارت کرنے کے وقت حضرت مولانا صاحب نے ہاتھ سے کرسی پیچھے کرنے کا اشارہ کیا۔ بعد میں بتایا کہ مزار پر بہت انوارات تھے۔ اس لئے کرسی پیچھے کردی۔ مولانا محمد اسعد مدنیؒ صدر جمعیت العلماء ہند اور نہ معلوم کتنے اکابرین سے ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت مولانا کی طبعی معذوری اور وئیل چیئر پر بیٹھنے کی وجہ سے عوام الناس حضرت مولانا کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سمجھتے رہے۔ اسی وجہ سے ہر وقت مصافحہ کے لئے ہجوم رہتا تھا۔ ایک دن تو مصافحہ کرنے والوں کا اتنا ہجوم ہوا کہ ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں حضرت مولاناؒ ہجوم میں کُچلے نہ جائیں۔ اس لئے بمشکل تمام حضرت مولانا صاحبؒ کو کرسی سے اُٹھا کر اور سڑک کے کنارے چھوٹی ندی کے اُس پار کھیتوں میں لے گئے۔ تب ہجوم سے خلاصی ہوئی۔

تھانہ بھون کا سفر

25مارچ 1980ء کو حضرت مولانا صاحبؒ، جان محمد طالب علم دیوبند کی معیت میں گنگوہ اور تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ تھانہ بھون جاتے ہوئے راستہ میں جناب مولانا

مسیح اللہ خان صاحبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) سے ان کے مدرسہ واقع جلال آباد میں ملاقات کی۔ تھوڑی دیر ان کی خانقاہ میں قیام فرمایا اور چائے پینے کے بعد تھانہ بھون کے لئے روانگی ہوئی۔ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب خانقاہ تھانہ بھون پہنچے۔ تھانہ بھون ہمارے جدِ امجد حضرت حاجی امداد اللہؒ اور حضرت اشرف علی تھانویؒ کا مسکن رہا اور جسے ہمارے دوسرے اکابرین سلسلہ کے قدم بوسی کا شرف بھی حاصل رہا۔ جیسے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا فقیر محمد، حضرت مولانا محمد شفیعؒ اور بے شمار دوسرے حضرات۔

بقول عبدالعزیز شرقی صاحب!

میں کیا ہوں میرے جیسے یہاں لاکھوں پڑے ہیں
واللہ یہاں سارا عرب سارا عجم ہے

تھانہ بھون پہنچ کر خانقاہ میں داخل ہوتے وقت عجیب حالت تھی۔ ایک رُعب طاری تھا۔ خانقاہ کیا تھی ایک چھوٹی سی مسجد، بر آمدہ، اس کے ساتھ چند چھوٹے چھوٹے کمرے اور سہ دری۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ کا خلوت خانے میں صرف ایک آدمی سما سکتا ہے۔ خلوت خانہ میں انگریز گولہ باری سے جلا ہوا ایک تختہ اب بھی موجود ہے۔

یہ چھوٹی سی بستی، یہ چھوٹی سی مسجد — یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی

یہاں سے ہزارہا انسانوں کی زندگیاں بدلیں۔ ہزاروں دلوں میں انقلاب آیا۔ ہزارہا تصانیف مواعظ و فتاویٰ شائع ہوئے اور سلوک و تصوف کی ایسی تطہیر و تجدید ہوئی کہ رہتی دنیا تک حق و باطل کے درمیان لکیر کھینچ لی۔ ایسا کام کسی بڑے ادارے یا یونیورسٹی

میں بھی نہ ہو سکا۔ یہیں سے حضرت تھانویؒ کی چند تصنیفات بھی خرید لیں۔

حضرت تھانویؒ کے خلوت خانہ میں چار رکعت نفل پڑھے۔ دو رکعت نفل خانقاہ کی مسجد میں پڑھے۔ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کی خلوت گاہ دیکھی اور خانقاہ کے جس کمرے میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ قیام فرماتے تھے، اس کی بھی زیارت کی۔ پھر حضرت تھانویؒ کے مزار مبارک پر حاضری دینے قبرستان چلے گئے۔ حضرت تھانویؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کے مزارات پر فاتحہ کے بعد گنگوہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت تھانویؒ اور حافظ ضامن صاحب کے قبر کچے اور بہت سادہ ہیں۔ اگر رہبر نہ ہو۔ تو پہچان مشکل ہے۔ گنگوہ میں جناب عبدالقدوس گنگوہیؒ اور جناب رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور دیگر اکابرین کے مزارات پر حاضری دی۔ گنگوہ جاتے ہوئے بستی سے باہر سڑک کے کنارے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا مزار ہے۔ ایک کچے چبوترے پر سادہ سی کچی قبر ہے۔ حضرت گنگوہی اور حضرت قاسم نانوتویؒ تمام عمر ہمدم و ہمراز ساتھی تھے۔ اکٹھے پڑھے، باہم پیر بھائی رہے۔ معرکہ شاملی میں شامل ہوئے انگریز کے مغضوب رہے اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست رہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا مزار بستی کے اندر محلّہ سرائے میں انہی کے خانقاہ میں ہے۔ جو دسویں صدی ہجری کے معروف اولیاء میں سے تھے۔ یہاں سے نانوتہ تھوڑے فاصلے پر ہے۔ ویسے تو یہ چھوٹا سا قصبہ ہے۔ لیکن علم و فضل و تقویٰ میں بہت بڑے بڑے لوگ پیدا کئے۔ جیسے حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ تمام علماء دیوبند کے جدِامجد اُن کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی حضرت اشرف علی تھانویؒ کے استاد، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، بانی دارالعلوم دیوبند۔ مولانا محمد منیر نانوتوی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ نانوتہ کے

بعد اُسی دن تقریباً 3 بجے دیوبند واپسی ہوئی۔

ہندوستان میں ہر شہر کے لئے الگ ویزہ یا اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔ اور پھر وہاں پہنچ کر پولیس تھانہ رپورٹ کرنی پڑتی ہے۔ اس غرض کے لئے مولانا اسعد مدنی صاحب نے دیوبند ہی میں ایک عارضی ایمگریشن دفتر کا بندوبست کیا تھا۔ جس کی وجہ سے تمام خواہشمند حضرات دہلی جانے سے بچ گئے۔ حضرت اسعد مدنی صاحب جمعیت العلماء ہند کے سربراہ ہیں۔ اور حکومت میں خاصے رسوخ رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا صاحب کی ہدایت کے مطابق ہمیں لکھنؤ، اعظم گڑھ کا ویزا ملا۔ اجمیر کا نہیں ملا۔

مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

26 مارچ 1980ء کو حضرت مولانا صاحبؒ نے مظاہر العلوم سہارن پور کا ارادہ فرمایا۔ لہٰذا اُسی دن دوپہر ساڑھے بارہ بجے دیوبند سے سہارنپور ریلوے سٹیشن پہنچے۔ چونکہ حضرت مولاناؒ کا ارادہ تھا کہ مدرسہ مظاہر العلوم میں تھوڑی دیر قیام کے بعد اُسی دن لکھنؤ کا سفر کیا جائے اسی لئے سہارن پور ریلوے اسٹیشن پہنچتے ہی لکھنؤ کے لئے ریزرویشن کر لی۔ لیکن حضرت مولانا محمد طلحہ مدظلہٗ (صاحبزادہ حضرت شیخ) اور حضرت مولانا محمد شاہد صاحب (نواسہ حضرت شیخ) کے بے حد اصرار پر لکھنؤ کے ٹکٹ کینسل (cancel) کروانا پڑے اور 26 اور 27 مارچ 1980ء کو مظاہر العلوم میں حضرت مولانا محمد طلحہ مدظلہٗ کے ہاں قیام رہا۔ دوران قیام سہارن پور، مدرسہ مظاہر العلوم کے مختلف شعبے دیکھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا زیادہ وقت دارالعلوم کے کتب خانہ میں گذرا۔ کتب خانہ میں مخطوطات اور کمیاب قلمی نسخوں کی اچھی تعداد موجود ہے۔ جو حضرت مولاناؒ کی توجہ خاص کا مرکز رہے۔ جن میں خصوصیت سے حضرت اخوند درویزہ

بابا پشاوریؒ کی دو قلمی کتابیں (تذکرۃ الابرار والاشرار، فارسی مخطوط 1178ھ اور مخزن الاسلام کا پشتو مخطوطہ قابل ذکر ہیں۔ صبح کا ناشتہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے قیام گاہ پر ان کے فرزند مولانا طلحہ کے ساتھ کیا۔ اسی سفر میں محمد نعمان صاحب کو صاحب تفصیلات کا لقب ملا۔ جو طنز و مزاح کے باب میں، درج ہے۔

سفر ندوۃ العلماء لکھنؤ

27 مارچ کو شام چھ بجے سہارن پور سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے اور 28 مارچ 1980ء بروز جمعۃ المبارک صبح 9 بجے لکھنؤ پہنچے۔ اتفاق سے ندوۃ العلماء کی گاڑی اسٹیشن پر موجود تھی اس لئے بہت آرام سے ندوۃ العلماء پہنچ گئے اور سیدھے ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں فروکش ہوئے۔ مدرسے والوں نے قیام و طعام، مہمان نوازی عزت و تکریم کی حد کر دی۔ وہ مولانا صاحب کو حضرت سید سلیمان ندویؒ کا خاص الخاص شاگرد، تربیت یافتہ اور جانشین سمجھ کر پیش آئے۔ اس مدرسے اور دارالعلوم دیوبند کی بنیاد تقریباً ایک ہی زمانہ میں ڈالی گئی۔ دارالعلوم دیوبند ایک پرانے دَرس و تدریس کا مکمل نمونہ جبکہ ندوۃ العلماء میں کافی جدت ہے۔ طلباء کلاس میں بینچوں پر بیٹھتے ہیں اور کافی جدید علوم نصاب میں شامل ہیں۔ طلباء کو خطابت کی خاص تربیت دی جاتی ہے۔ طلباء کے سیمینار جلسے وغیرہ عربی زبان میں ہوتے ہیں۔ ایک سیمینار میں ہم بھی شامل ہوئے۔ تحقیق، تصنیف و تالیف کا کام اعلیٰ پیمانہ پر بہت تیز ہو رہا ہے۔ حضرت علی میاں صاحب کا سفر سے واپسی پر فوراً سفر نامہ شائع ہو کر مارکیٹ میں آ جاتا ہے۔ اس مدرسے کو حضرت سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا عبد الباری ندوی اور حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی جیسے نابغہِ روزگار ہستیوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ ناشتہ ندوۃ ہی میں کیا اور ناشتہ پر ہی

حضرت ابو الحسن علی ندویؒ، ناظم ندوۃ العلماء سے ملاقات ہوگئی۔ اُسی دن مصر کے وزیر اوقاف بھی ندوۃ العلماء تشریف لائے تھے۔ جنہوں نے ندوۃ کی مسجد میں نماز جمعہ کی امامت بھی کی۔ اس لئے نماز جمعہ اُنہی کی امامت میں پڑھی۔ عصر کے بعد حضرت علی میاں صاحبؒ کی محفل میں بیٹھے۔ مغرب تک حضرت سید سلیمان ندویؒ کی حیاۃ وبابرکات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ رات کا کھانا بھی حضرت علی میاں صاحبؒ کے ساتھ ندوۃ کے مہمان خانہ میں کھایا۔ مدرسے کا ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ ملک شام کے ایک عالم بھی مدرسے کے مہمان تھے۔ کھانے کے بعد انہوں نے دعا کی۔

اَکَلَ طَعَامُکُمُ الْاَبْرَار وَاَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَصَلَتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَةِ اِلا جَبْرائیل۔

ترجمہ: نیک لوگ تمہارا کھانا کھائے اور روزہ دار تمہارے ہاں افطار کریں اور ملائکہ تم پر سلام بھیجے۔ جبرائیل علیہ السلام کے بغیر۔ سارے علماء تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ تو حدیث کی دعا ہے۔ لیکن آپ نے الا جبریل کہاں سے ساتھ لگالیا۔ مزاح میں فرمایا کہ جب چائے لے آئیں گے تو وہ بھی سلام کہہ دے گا۔ پھر چائے کے بارے میں بیس بائیس اشعار عربی میں سنائے۔ جس میں ایک شعر تھا کہ کاش دجلہ کا دریا چائے کا ہوتا۔ پائپ کا ایک سرا اس میں اور دوسرا میرے منہ میں ہوتا۔ خوش طبع عالم تھے۔ دیوبند کے جلسہ میں بزور دستار لیا اور کہا اگر نہیں دیتے تو میرا امتحان لے لو۔

اگلے دن (29 مارچ) ناشتہ میں حضرت علی میاں صاحبؒ اور دیگر اساتذہ کرام شریک رہے۔ ناشتہ کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ تشریف لائے۔ کافی دیر تک حضرت مولاناؒ اور ان کے درمیان گفتگو ہوئی حضرت نعمانیؒ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت مولاناؒ دارالعلوم کا کتب خانہ اور لائبریری دیکھنے تشریف لے

گئے۔ دارالمطالعہ میں تقریباً اسی ہزار کتب موجود ہیں۔ ظہر کے بعد حضرت گنج بازار اور حضرت گنج پارک (جو لکھنؤ کا سب سے بڑا پارک ہے) کی سیر کی۔ اگلے دن (30 مارچ) ناشتہ کے بعد حضرت مولاناؒ مجلس علمی لکھنؤ دیکھنے تشریف لے گئے۔ حضرت مولاناؒ نے مجلس علمی کے مطبوعات میں گہری دلچسپی لی۔ چونکہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ تشریف لا چکے تھے۔ اس لئے اُن سے ملاقات کے لئے جلدی واپس آنا پڑا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ندوۃ کی مسجد میں تعلیم کی ضرورت اور ملکی و عالمی سیاست پر تقریر کی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ بھی موجود تھے۔ دوپہر کے کھانے میں حضرت علی میاںؒ، مولانا منظور نعمانی صاحبؒ، مولانا مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ اور ندوۃ کے اساتذہ کرام شریک تھے۔ عصر کے بعد حضرت مولانا لکھنؤ شہر اور بالخصوص فرنگی محل دیکھنے تشریف لے گئے۔ 31 مارچ کو ناشتہ حضرت علی میاں صاحبؒ کے ساتھ کیا۔ ناشتہ کے بعد حضرت علی میاں صاحبؒ رائے بریلی تشریف لے گئے اور حضرت مولاناؒ کو لکھنؤ کے مشہور امام باڑے، مسلمانوں کے طرز تعمیر کے نقطہ نظر سے دیکھنے کا مشورہ دیا۔ لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ (جو مسلکاً شیعہ تھے) نے دو بہت بڑے قلعہ نُما امام بارگاہ بنائے ہیں جو مقامی لوگوں میں بُھول بھلیاں کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ بڑے امام بارگاہ کے ایک ہزار راستے ہیں اور ایک تہہ خانہ ہے جو لکھنؤ سے دہلی اور کلکتہ تک جاتا ہے۔ انگریزوں نے جنگ آزادی کے بعد ان راستوں کو بند کروا دیا ہے۔ ناشتہ کے بعد ہم نے دونوں امام بارگاہیں دیکھیں۔ یکم اپریل کو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ سے ملاقات کے لئے اُن کے مکان پر گئے اور وہاں سے تقریباً ڈیڑھ بجے دوپہر واپسی ہوئی۔ ندوۃ العلماء میں حضرت مولاناؒ کا قیام 10 اپریل تک رہا۔ البتہ اسی دوران ایک دن کے لئے دائیرہ شاہ علم اللہ (رائے بریلی) اور ایک دن کے

لئے دارالمصنفین / شبلی اکیڈمی (اعظم گڑھ) تشریف لے گئے تھے۔

رائے بریلی کا سفر

12 اپریل 1980ء کو حضرت مولانا محمد رابع ندوی صاحب نے حضرت مولاناؒ کو حضرت علی میاں صاحبؒ کا پیغام پہنچایا کہ مغرب پڑھ کر رائے بریلی چلئے اور رات وہاں گذار کر صبح واپس آجایئے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مغرب پڑھ کر مدرسہ ہی کی گاڑی میں ندوۃ العلماء کے اُستاد جناب شمس الحق صاحب ندوی کی معیت میں حضرت علی میاں صاحبؒ کے آبائی گاؤں دائیرہ شاہ علم اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ عشاء کے وقت اُدھر پہنچے۔ حضرت علی میاں صاحبؒ کھانے پر تشریف فرما تھے۔ ہم بھی کھانے میں شریک ہوئے۔ کھانا (بہت سادہ، اُبلے سفید چاول، ارہر کی دال اور چپاتی) حضرت علی میاں صاحبؒ کے ساتھ اکٹھا کھایا، نماز پڑھی اور سوگئے۔ سونے کے لئے حضرت علی میاں صاحبؒ نے اپنا پلنگ مولانا صاحبؒ کو پیش کیا اور خود نماز والے تخت پر سوگئے۔ بعد میں حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی کہ میں اتنی عظیم شخصیت کے پلنگ پر سویا ہوں، فجر پڑھنے کے بعد حضرت علی میاں صاحبؒ کے کہنے پر حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد محترم شاہ علم اللہ صاحبؒ، مولانا عبدالحئی صاحبؒ (علی میاں صاحب کے والد محترم) مولانا عبدالعلی صاحبؒ، مولانا محمد حسنی ثانیؒ مولانا اسحاق جلیس صاحبؒ کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ فاتحہ خوانی کے بعد وہ مکان بھی دیکھا جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی پیدائش ہوئی۔ یہ مکان اب کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا ہے اور وہ مسجد بھی دیکھی جہاں حضرت سید صاحبؒ مجاہدین کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ساتھ ہی وہ میدان ہے جس میں مجاہدین فوجی مشقیں کرتے تھے۔ حضرت شاہ علم

اللہؒ کا مزار بڑا روحانی ہے۔ حضرت مولاناؒ نے حضرت علی میاں صاحبؒ کو فرمایا: مولانا علم اللہ صاحب کی نسبت سب پر غالب دکھائی دیتی ہے۔ حضرت علی میاں صاحبؒ نے فرمایا: جی ہاں! اور فرمایا جب مولانا محمد الیاس صاحبؒ تشریف لائے اور مسجد کے جنوب میں جہاں ندی سئی بہتی ہے۔ کھڑے ہوئے تو مولانا ابرار الحق صاحب ہر دوئی والے کو فرمایا: میاں کبھی ایسی جگہ بھی دیکھی ہے۔ بعد ازاں ناشتہ کیا۔ ناشتہ میں چائے کے ساتھ وہی رات والی روٹی تھی۔ حضرت علی میاں صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ سے فرمایا: مولانا پراٹھے تو بہت کھائے ہوں گے آج یہ روکھی سوکھی بھی کھالو اور فرمایا ابھی تھوڑی دیر میں رائے بریلی کے تاجر اور روساء میرے ساتھ ناشتہ کرنے آئیں گے۔ ناشتہ میں سب کچھ ہو گا لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ اُن سے ملیں۔ (یاد رہے ہمیں اُس وقت تک رائے بریلی کا ویزہ نہیں ملا تھا گو بعد میں مل بھی گیا)۔ بہر حال ہم لوگ صبح پونے سات بجے رائے بریلی سے روانہ ہوئے اور آٹھ بجے لکھنؤ پہنچے۔ باقی سارا دن دارالعلوم میں رہے۔

دارالمصنّفین اعظم گڑھ میں

6 اپریل 1980ء بروز اتوار حضرت مولاناؒ صبح چھ بجے کے قریب لکھنؤ سے دارالمصنّفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں تھوڑی دیر چائے کے لئے رُکے لیکن سلطان پور کے قریب گاڑی خراب ہو گئی اس لئے سُلطان پور سے بارہ بجے کے قریب روانہ ہوئے اور پونے دو بجے دارالمصنّفین اعظم گڑھ پہنچ گئے۔ حضرت مولاناؒ کا قیام شبلی اکیڈمی میں رہا۔ چونکہ حضرت مولاناؒ کو حضرت سید سلیمان ندویؒ کی وجہ سے دارالمصنّفین کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ اس لئے حضرت مولاناؒ نے دارالمصنّفین میں موجود تمام اشیاء میں خصوصی دلچسپی لی۔ بعد از عصر دارالمصنّفین کا کتب

خانہ دیکھا جس میں تقریباً تیس ہزار منتخب کتابیں موجود ہیں اور حضرت سید سلیمان ندوی صاحبؒ اور شاہ معین الدین احمد ندویؒ کے زیر استعمال میز، کرسی اور دوسری اشیاء دیکھیں۔ دارالمصنّفین کے انتظامیہ نے سید صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ کے لکھنے کا سامان اُسی طرح محفوظ رکھا ہے جس حالت میں وہ چھوڑ گئے تھے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کے نام مشاہیر اور علماء کبار کے خطوط بھی دیکھے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کو شمس العلماء کی جو ڈگری دی گئی تھی، وہ بھی دیکھی۔ علاوہ ازیں علامہ شبلی نعمانیؒ کے کپڑے اور اُن کا مصنوعی پاؤں بھی دیکھا۔ شبلی اکیڈمی کے متصل شبلی کالج بھی ہے یہ پوسٹ گریجویٹ کالج ہے اور علامہ شبلیؒ کی وقف کردہ زمین پر قائم ہے۔ علی گڑھ کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ ہے۔ حضرت مولاناؒ نے رات اعظم گڑھ میں گذاری اور اگلے دن براستہ فیض آباد لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے تقریباً نو بجے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچے۔

9 اپریل 1980ء صبح ناشتہ کے وقت ایک کشمیری طالب علم نے حضرت مولاناؒ کو اطلاع دی کہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) لکھنؤ تشریف لائے ہیں۔ کیونکہ ان کی اہلیہ محترمہ کی آنکھ کا اپریشن ہوا ہے اور Hans Raj Hospital میں زیر علاج ہیں۔ ناشتہ کے بعد تقریباً 10 بجے حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ سے ہسپتال میں ملاقات ہوئی۔ ہسپتال ہی میں حضرت ابرارالحق صاحبؒ نے چائے پلائی۔ کافی دیر تک اُن کے ملفوظات سے محظوظ ہوئے اور تقریباً 12 بجے حضرت ابرارالحقؒ سے اجازت چاہی۔ حضرت مولاناؒ، حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مد ظلہٗ اور محمد نعمان صاحب، جناب ابرارالحق صاحبؒ کے بھانجے (ڈپٹی کلکٹر) کی گاڑی میں ندوۃ تشریف لائے جبکہ احمد خان اور جناب میر حاتم صاحب ویزہ کے حصول کے لئے لکھنؤ سیکرٹریٹ چلے گئے۔ 9 اپریل کو ہمیں دہلی، رائے بریلی، آگرہ اور اجمیر شریف کا ویزہ

مل گیا۔ چونکہ مولانا ابوالعرفان صاحب صدر شعبہ اسلامیات ندوۃ العلماء کی دعوت تھی اور شب جُمعہ کو تبلیغی مرکز میں حضرت مولاناؒ کا بیان بھی تھا۔ اس لئے 10 اپریل کے لئے دہلی جانے کی ریزرویشن کرلی۔10 اپریل کو بعد از مغرب لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں حضرت مولاناؒ کا بیان ہوا اور 9 بجے کی گاڑی سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔

11 اپریل 1980ء کو صبح ساڑھے چھ بجے گاڑی نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پہنچی۔ اسٹیشن سے ٹیکسی لی اور سیدھے جمعیۃ العلماء کے دفتر (بہادر شاہ ظفر مارگ) چلے گئے۔ وہاں پر ناشتہ کیا اور 10 بجے تک آرام کیا پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ، مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور ولی اللّٰہی خاندان کے دیگر بُزرگوں کے علاوہ مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہارویؒ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لئے ولی اللّٰہی قبرستان (خواجہ میر درد روڈ بالمقابل ابوالکلام آزاد میڈیکل کالج) چلے گئے۔ جبکہ جمعہ کی نماز جامع مسجد دہلی میں پڑھی۔ جمعہ کے بعد لال قلعہ دہلی (بالمقابل جامع مسجد) کی سیر کی اور اُسی دن شام کو اجمیر شریف کے لئے روانہ ہوئے۔

اجمیر شریف میں

12 اپریل فجر کے وقت اجمیر شریف ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ فجر کی نماز اجمیر شریف کے ریلوئے اسٹیشن پر پڑھی اور ناشتہ بھی اُدھر ہی کیا پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار عالیہ گئے۔ دربار کے گیٹ پر ایک مُجاور ملے جو ہمیں خواجہ محل ہوٹل لے گئے۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد کچھ ساتھی آگرہ کے لئے ریزرویشن اور کچھ محکمہ داخلہ (پاسپورٹ آفس) میں آمد کا اندراج کرانے چلے

گئے اور پھر سب مزار پر چلے گئے۔ اجمیر شریف چونکہ بہت پرانا دربار ہے۔ جو بھی بادشاہ آیا اُس نے ایک دروازہ بنایا۔ دروازے کے بعد دروازے سے گذر کر مولانا صاحب کو پیٹھ پر لادے مزار شریف پہنچے جو کہ کافی فاصلہ تھا۔ مزار کے دروازے پر رہبر نے دیوان صاحب یعنی مجاور کے سامنے بٹھا دیا۔ انہوں نے ہماری طرف سے مزار پر چڑھانے کے لئے چادر اور پھولوں کا آرڈر دیا جو مولانا صاحب نے منع کیا۔ پھر کتاب کھول کر مختلف لوگوں کی آمد اور چندہ دینے کے تفصیل بتائے اور پھر دعا کی۔ دعا میں وہ بار بار فرماتے۔ اے خواجہ ان کے لئے یہ کر دیں، اُن کے لئے وہ کر دیں۔ بعد میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں دل میں ان کے لئے دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! اس کو عقل دَیدیں۔ خیر مزار پر حاضری دی۔ دُعائیں جو مسنون ہیں پڑھیں۔ دربار کے مختلف حصے / مقامات، اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی مسجد، شاہ جہان کی بنائی ہوئی مسجد، مسجد اولیاء (جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت خواجہؒ نے ہندوستان آنے کے بعد یہ پہلی مسجد بنائی) دیکھی اور ساتھ میں اس سقہ کا مقبرہ بھی دیکھا جس نے ہمایون کو قنوج کی جنگ میں ڈوبنے سے بچالیا تھا اور ہمایون نے انعام میں اُسے نیمروز کی حکومت بخشی تھی۔ اکبر بادشاہ کے عطیہ کردہ دو دیگ (جن کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک دیگ میں 100 من اور دوسرے میں 80 من کھانا پک سکتا ہے) بھی دیکھے اور حضرت مولاناؒ کو سیڑھیوں پر چڑھا کر دیگ دکھائے۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مد ظلہٗ نے اپنی کتاب مرد درویش میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی دو دیگیں جن میں بیک وقت سو من اور اسی من چاول پکتے ہیں۔ دیگوں کو سیمنٹ کی گول سیڑھیاں بنا کر اُن پر رکھا گیا ہے۔ وہی سیڑھیاں

چولہوں کا کام بھی دیتی ہیں۔ حضرت مولاناؒ کا سیڑھیوں پر چڑھنے کا شوق ہوا۔ یہ چڑھانا بہت مشکل تھا۔ اُٹھانے کا کام نعمان صاحب اور احمد خان صاحب کرتے تھے۔ احمد خان صاحب کا چونکہ بندہ کے ساتھ برخوردارانہ تعلق تھا۔ اس لئے بندہ نے کہا احمد خان صاحب حضرت مولاناؒ کو اوپر دیگ کی سیڑھی پر چڑھاؤ۔ احمد خان کو بہت غصہ آیا اور گھور کر دیکھا کہ آخر اس میں کیا فائدہ اور تُک ہے کہ دیگ پر چڑھایا جائے۔ خیر چاروناچا احمد خان نے چڑھایا۔ جب اُتارا تو بندہ نے حضرت مولانا کی طرف دیکھا اور بندہ کے قلب میں فوراً یہ بات وارد ہوئی کہ احمد خان حج کے لئے منظور ہو گیا۔ بندہ نے اُسی وقت احمد خان سے پشتو میں کہا کہ حج تو انشاء اللہ ہو گیا۔ چنانچہ اُسی سال حسب معمول غیب سے حضرت مولانا کا حج منظور ہوا۔ تو فوراً آپ نے فرمایا کہ ساتھ احمد خان کو بھی لے جائیں گے۔ کیونکہ اُٹھانے میں بہت باہمت ہے۔ نعمان صاحب کو یاد آیا تو کہا کہ یہ منظوری تو خواجہ اجمیریؒ کے ہاں ہی ہو گئی تھی۔ جب احمد خان نے حضرت مولاناؒ کو پیٹھ پر اُٹھا کر سیڑھی پر چڑھایا تھا۔ واپس آکر رہبر کے ہاں پر تکلف کھانا کھایا۔ کھانے سمیت اُن کے سارے خدمات کا جب ہم نے اُس کو سَو روپے دیئے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور ہمیں رخصت کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن تک آ گئے۔ اجمیر پہنچتے ہی ہم نے کوشش شروع کی تھی کہ ایک دو سیٹ کی ریزرویشن ہو جائے تاکہ مولانا صاحب کو کم از کم آرام سے ریل میں بٹھا سکیں۔ لیکن مل نہیں رہی۔ اجمیر سے واپسی کے لئے پلیٹ فارم پر ریل کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ بندہ نے ایک قلی سے پوچھا کہ ریزرو سیٹ مل سکتی ہے۔ اُس نے کہا کیوں نہیں کتنے سیٹ چاہیئے۔ بندہ کو یقین نہیں آرہا تھا۔ اس لئے پوچھا کہ بھائی سیٹ کیسے ملے گا۔ کہا جناب یہ سارے میرے بندھے ہوئے ہیں۔ جب گاڑی آجائے

آپ میرے ساتھ رہیں۔ جب گاڑی آگئی۔ ہم سے پیسے لیکر ٹی ٹی کو دیئے اور ہمیں سیٹیں دلوادیں۔ مغرب کی نماز ریلوے اسٹیشن پر پڑھی اور تقریباً اٹھ بجے آگرہ ایکسپریس سے آگرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ 13 اپریل بروز اتوار تقریباً ساڑھے نو بجے صبح گاڑی آگرہ فورٹ ریلوے اسٹیشن پہنچی۔ ریلوے اسٹیشن سے نزدیک Karim Hotel میں کمرہ لیا۔ ناشتہ کیا اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر فتح پور سیکری چلے گئے۔ فتح پور سیکری آگرہ سے 25 میل کے فاصلے پر ہے۔ پہلے سیکری کی سیر کی۔ یہ ایک بہت بڑا قلعہ ہے۔ جو اکبر بادشاہ نے بنوایا تھا اور بہت عرصہ تک اُس کا دارالخلافہ بھی رہا ہے۔ ساتھ ہی فتح پور ہے جس میں شاہ سلیم چشتیؒ کا مزار بھی ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی دُعا سے اکبر بادشاہ کے بیٹے جہانگیر پیدا ہوئے تھے اور اکبر نے جہانگیر کا نام سلیم چشتی کی یاد میں ہی رکھا تھا۔ ظہر کی نماز ہم نے شاہ سلیم چشتیؒ کی مسجد میں پڑھی۔ مسجد کا ایک دروازہ بلند دروازہ کے نام سے مشہور ہے جو فتح پور شہر کی طرف کُھلتا ہے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد فتح پور سیکری سے آگرہ واپسی ہوئی۔ واپسی پر پہلے آگرہ قلعہ دیکھا پھر اعتماد الدولہ کا مقبرہ دیکھا اور بعد میں تاج محل کی سیر کی۔ اُس کے بعد ہوٹل گئے وہیں عصر پڑھی اور پھر نئ دہلی جانے کے لئے آگرہ کینٹ ریلوے اسٹیشن گئے اور رات 10 بجے تاج ایکسپریس سے نئ دہلی پہنچے۔ اسٹیشن سے ٹیکسی لی اور جمعیتہ العلماء ہند کے دفتر (بہادر شاہ ظفر مارگ) چلے گئے۔

دفتر جمعیت العلماء ہند اور تبلیغی مرکز بستی نظام الدین میں

14 اپریل بعد از نماز اشراق جمعیتہ العلماء ہند کے دفتر میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ ناشتہ کیا۔ پھر قطب مینار اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار دیکھنے چلے گئے۔ دوپہر 2 بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔ جمعیتہ العلماء ہند کے

دفتر میں کھانا کھایا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور عصر پڑھنے کے بعد تبلیغی مرکز (بنگلہ والی مسجد) بستی نظام الدین دہلی چلے گئے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ مسجد کے متصل داہنے جانب چمن میں تشریف فرما تھے۔ حضرت جیؒ نے مولانا صاحبؒ کی تشریف آوری پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا (تفصیل حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب کی کتاب، مرد درویش کے صفحہ 108 پر موجود ہے)۔ عشاء کے بعد حضرت جیؒ نے تعلیم کی جس کے بعد حضرت جیؒ کے ساتھ اکٹھا کھانا کھایا اور تقریباً 11 بجے سو گئے۔ اگلے دن (15 اپریل) کا ناشتہ بھی حضرت جیؒ کے ساتھ ہی کیا۔ ناشتہ کے بعد حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسروؒ (جو بستی نظام الدین ہی میں واقع ہیں) کے مزارات پر حاضری دی۔ نماز ظہر کے بعد ہمایون کا مقبرہ دیکھا۔ بعد ازاں حضرت جیؒ سے اجازت چاہی اور مسجد عبد النبیؒ (مرکز جمعیۃ العلماء ہند) کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دریا گنج، چاندنی چوک اور اردو بازار سے تھوڑی بہت خریداری کی اور مغرب کے وقت مسجد عبد النبی پہنچے۔ مغرب پڑھتے ہی کھانا کھایا اور جلدی سے نئی دہلی ریلوے اسٹیشن روانگی کی۔ ساڑھے آٹھ بجے اسٹیشن پہنچے اور نو بجے فرینٹر میل سے امر تسر روانہ ہوئے۔ اگلے دن (16 اپریل 1980ء) ساڑھے سات بجے گاڑی امر تسر پہنچی۔ ریلوے سٹیشن سے 60 روپیہ کرایہ پر واہگہ بارڈر کے لئے ٹیکسی لی۔ ناشتہ واہگہ میں کیا۔ کسٹم کے لوازمات سے فارغ ہونے کے بعد لاہور کے لئے ٹیکسی لی اور شیخ نسیم صاحب کے گھر واقع ماڈل ٹاون پہنچے۔ یوں حضرت مولاناؒ کا سفر ہند اختتام پذیر ہوا۔

سفر ہند اورنگ آباد سال 1988ء

ہندوستان کا یہ تیسرا سفر اکتوبر 1988ء میں حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی

مد ظلہٗ کی دعوت پر ہوا۔ اورنگ آباد میں رابطہ ادب عالم اسلامی کا بین الاقوامی مذاکرہ تھا۔ جس میں شمولیت کے لئے ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ مع شیر حسن، طلعت اقبال، احمد خان اور بیت اللہ کے 29 ستمبر کو بذریعہ PIA شام کے وقت دہلی پہنچے۔ دہلی میں رات کو قیام جمیعت العلماء اسلام کے دفتر میں کیا اور دوسرے دن صبح بذریعہ ریل شام کو لکھنؤ پہنچے۔ ویزا لکھنؤ، رائے بریلی، اعظم گڑھ اور اورنگ آباد کے چار شہروں کے لئے تھا۔ لکھنؤ ایسے وقت پہنچے کہ پولیس کا دفتر جہاں پاکستانیوں کو اپنی آمد کی اطلاع دینی ہوتی ہے بند ہو چکا تھا۔ اس لئے اگلے روز پولیس دفتر پہنچے۔ حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ نے مدرسہ سے ایک رہبر بھی ساتھ کر دیا تھا۔ پولیس دفتر پہنچے پاسپورٹ دکھائے تو کلرک صاحب نے ہمارا اندراج کرنے سے انکار کر دیا کہ آپ پرسوں دہلی پہنچے ہیں اور آج تیسرا دن ہے یہ دو دن تم لوگ کہاں تھے۔ تم کو سیدھا دہلی ائیرپورٹ سے لکھنؤ پہنچنا چاہیئے تھا اور تم لوگوں نے دہلی میں رات جو گزاری ہے جرم کیا ہے۔ چونکہ جو ساتھی ندوہ سے ساتھ گیا تھا۔ ان کا ان کاموں سے کافی واسطہ ہے اور تجربہ بھی تھا اور جانتے تھے کہ کلرک یہ ساری بدمعاشی جو کر رہا ہے وہ پیسوں کے لئے کر رہا ہے۔ بہرحال 15 روپیہ دے کر کلرک نے خوشی سے ہمارے پاسپورٹ وغیرہ پر مہر لگا دیئے 3-4 دن ہمارا ندوہ میں قیام رہا۔ حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ حضرت مولانا شمس الحق صاحب اور حضرت مولانا محمد رابع مہتمم ندوۃ العلماء کے شفقتیں بے نہایت تھی۔ مدرسہ کے ایک دو ہونہار طالب علموں کو ہماری خدمت کے لئے ساتھ لگایا تھا۔ ندوہ کے عظیم الشان لائبریری کی بھی خوب سیر کی۔ اور وہاں کے مختلف حصے دیکھے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کا ایک بیان بھی مدرسہ کے طلباء کے لئے ہوا۔ جس میں دینی مدرسہ کے طلباء کا مقام اور ان کی ذمہ داری اور ذاتی اصلاح کے

متعلق مضامین بیان ہوئے۔

لکھنؤ میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی ملاقات کے لئے بھی ایک دن عصر کے وقت ان کے مکان پر گئے۔ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کافی عرصہ سے صاحب فراش تھے۔ اور گھر کے اندر چارپائی پر پڑے تھے۔ ہماری اطلاع پر گھر میں پردہ کروایا اور تقریباً ہم نے حضرت کے ساتھ ایک گھنٹہ ملاقات کی۔ بہت خوش ہوئے۔ ہمارے مولانا صاحبؒ نے رخصتی کے وقت فرمایا کہ حضرت ملاقات کے لئے دوبارہ حاضر ہوں گا۔ لیکن پھر دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملا۔ جس کی ہمارے مولانا صاحب کو ان دنوں بہت زیادہ رنج اور افسوس تھا۔ اورنگ آباد سے واپسی پر دہلی سے دوبارہ حضرت کے ہاں حاضری کی کوشش اور تمنا کی لیکن پوری نہ ہو سکی۔ ندوہ میں تین چار دن قیام کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کی گاڑی میں (جو ایک پرانی Land Rover) قسم کی گاڑی تھی۔ آپ کے آبائی وطن رائے بریلی چلے گئے۔ شام کو رائے بریلی پہنچے اور تکیہ شاہ علم اللہ جہاں حضرت علی میاں اور ان کے خاندان کے لوگوں کے چند مکانات ہیں وہاں پر حضرت علی میاںؒ کے دولت خانہ پر قیام ہوا۔ یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں سے عظیم مصلح اور مجاہد کبیر سید احمد شہید بریلوی نے اپنے جہاد کا اجراء کیا تھا اور یہاں پر وہ تاریخی مسجد ہے جہاں پر آپ مجاہدوں کے مشقیں کرایا کرتے تھے۔ ساتھ ہی وہ تاریخ ندی سئی بہتی ہے۔ ایک عجیب روح پرور منظر تھا۔ حضرت علی میاں کا حجرہ، مہمان خانہ اسلاف کے سادگی کا نمونہ تھا۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم، مورخ اور بزرگ لیکن گھر اور رہن سہن ایسا سادہ کہ صحابہ کے دور کی مثال تھی۔ حضرت علی میاں کے ہاں خوب مجلسیں ہوئیں اور حضرت علی میاں کے علوم و معارف خوب سُنے دوسرے دن یہاں پر نکاح کی تقریب تھی۔ حضرت مولانا رشید الحسن صاحب خطیب جامع مسجد مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

کراچی کے بیٹیوں کے نکاح تھے۔ جو لکھنؤ میں اپنے عزیزوں کے ہاں ہو رہی تھیں۔ جناب مولانا رشید الحسن صاحب خود بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت علی میاں مد ظلہٗ نے انتہائی سادگی اور سنت کے طریقہ پر نکاح پڑھوائے۔ حضرت علی میاں رائے بریلی میں رہ گئے اور ہم پاکستان کے مہمانان حضرت علی میاں مد ظلہٗ کی جیپ میں ان کے ڈرائیور کے ساتھ ظہر کے بعد اعظم گڑھ کے لئے روانہ ہوئے۔

دارالمصنّفین اعظم گڑھ میں

اعظم گڑھ کے ساتھ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کا قلبی اور والہانہ تعلق تھا۔ کیونکہ آپ کے شیخ و مربی حضرت سید سلیمان ندویؒ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ یہاں دارالمصنّفین میں گذارا تھا۔ تقریباً 10-11 بجے رات اعظم گڑھ پہنچے۔ دارالمصنّفین میں لوگ سو چکے تھے۔ جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب جو وہاں کے ذمہ دار تھے۔ ان کو بیدار کیا۔ انہوں نے جلدی جلدی کھانے کا بندوبست کیا اور مہمان خانہ میں ہمارے ٹھہرنے کا بندوبست کیا۔ دوسرا دن ہم نے دارالمصنّفین میں گذارا۔ اور دارالمصنّفین کے مختلف شعبوں کو دیکھا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کے دفتر کو بھی دیکھا۔ جو اس طرح موجود ہے جس طرح حضرت سید صاحبؒ کے وقت میں تھا۔ آپ کا قلم دوات وغیرہ ویسے کا ویسا ہی پڑا ہے۔ جس سے حضرت کے ساتھ دارالمصنّفین والوں کا تعلق اور محبت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

دوسری رات بھی دارالمصنّفین میں گذاری اور پھر اگلے دن وہاں سے لکھنؤ کے لئے واپسی ہوئی۔ حضرت مولانا ضیاء الدین اِصلاحی صاحب بھی ساتھ شریک سفر ہوئے۔ جو دہلی کسی کام کے لئے جا رہے تھے۔ واپسی پر سرائے صالح میر اور بھولپور

وغیرہ کی بستیاں یاد ہیں جن سے گذر ہوا۔ اور سرائے صالح میر اور حضرت مولانا عبدالغنی بھولپوری خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی یاد تازہ ہوئی۔ لکھنؤ تقریباً 12 بجے دن پہنچے۔ اسی دن جن حضرات کا دو دن پہلے رائے بریلی میں نکاح ہوا تھا۔ ولیمہ تھا، ولیمہ میں لکھنؤ کے کسی محلہ میں گئے۔ ولیمہ کے بعد ندوۃ واپس ہوئے۔

رابطہ ادب عالم اسلامی کانفرنس اورنگ آباد میں

اگلے دن بذریعہ ریل اورنگ آباد کے لئے روانگی ہوئی۔ فرسٹ کلاس میں ایک کیبن محفوظ کرلی گئی تھی۔ چونکہ ہم کل پانچ ساتھی تھے۔ اس لئے ایک ساتھی کی سیٹ دوسرے کیبن میں تھی۔ اس گاڑی میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ بھی سفر کررہے تھے۔ اپنے رفقاء اور ندوہ کے اساتذہ کے ہمراہ سفر کررہے تھے۔ حضرت علی میاں مدظلہٗ کبھی خود اور کبھی اپنے رفقاء میں سے کسی کو بھیج کر پورے راستہ میں ہماری خبرگیری کرتے رہے اور جو کھانا وغیرہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس میں ہماری بھی خاطر تواضع فرماتے رہے۔ گاڑی تقریباً 11 بجے دن کو لکھنؤ سے روانہ ہوئی۔ اور کانپور کے راستہ سے چلی۔ راستہ میں عصر سے تھوڑی دیر پہلے گاڑی ضلع جالون سے گذر رہی تھی۔ حضرت علی میاں مدظلہٗ نے بتایا کہ اب گاڑی ضلع جالون سے گذر رہی ہے جو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا وطن ہے۔ رات کو گاڑی کسی وقت بھوپال سے بھی گذری ہوگی۔ غالباً ہم اس وقت سوتے ہوں گے۔ اس لئے ہم کو بھوپال کا پتہ نہیں چلا۔ یہ گاڑی سیدھی اورنگ آباد نہیں جارہی تھی۔ بلکہ کسی اور جگہ جارہی تھی۔ اس لئے صبح کے وقت ہم ایک سٹیشن پر اترے۔ وہاں پر حضرت علی میاں مدظلہٗ کی آمد کی پہلے سے اطلاع تھی۔ اس لئے کافی لوگ مع

اپنی گاڑیوں کے سٹیشن پر استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اسی چھوٹے سے شہر میں حضرت علی میاں مد ظلہٗ کے معتقدین نے پر تکلف ناشتہ کا انتظام کیا تھا۔ ناشتہ سے فارغ ہوئے تو موٹروں کے ذریعہ اورنگ آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی سٹیشن سے اورنگ آباد کا فاصلہ تقریباً 100 میل ہو گا۔ دوپہر سے قبل اورنگ آباد پہنچ گئے۔ وہاں کے مقامی لوگوں نے وفود کے قیام کے لئے بہت اچھا بندوبست کیا تھا۔ ہم لوگوں کو مع اور کئی مہمانوں کے ایک سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا گیا۔ جگہ بہت اچھی تھی اور مقامی لوگوں نے مہمان نوازی کی انتہا کر دی تھی۔ اورنگ آباد میں بھی پولیس میں رپورٹ کرنی تھی۔ دوسرے دن پولیس دفتر کو اپنی اطلاع دینے کے لئے شیر حسن اور طلعت اقبال گئے۔ وہاں پر جس کلرک (پولیس والے) کو رپورٹ کرنی تھی۔ اس نے کہا کہ آپ رابطہ ادب عالم اسلامی کی کسی نشست میں شرکت نہیں کرسکتے۔ کیونکہ آپ کو نکاح میں شمولیت کے لئے ویزے دئے گئے ہیں۔ اور آپ کے ویزوں میں سیمینار میں شمولیت کا اندراج نہیں۔ اگر تم لوگ سیمینار میں گئے تو ہم گرفتار کریں گے۔ جب اس صورت حال سے واسطہ پڑا تو طلعت اقبال شیر حسن سے کہنے لگے کہ جو بادام، پستہ اور کشمش ہم لائے تھے۔ وہ موجود ہیں یا ختم ہو گئے۔ شیر حسن نے کہا کہ اب بھی کافی موجود ہے وہ ہندو کلرک بادام پستہ کا نام سن کر اچھل پڑا۔ ہم نے پوچھا کہ اگر چاہتے ہو تو ہم آپ کو بھی پیش کرسکتے ہیں۔ اس نے کہا ضرور ضرور اور کہا کہ آپ سیمینار میں پھر شرکت کرسکتے ہیں۔ ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم بمبئی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ وہاں پر قیام کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا یہ آسان ہے۔ اس کا میں بندوبست کرسکتا ہوں۔ اور وہ اس طرح کہ واپسی میں آپ لوگوں کا بمبئی کے راستہ سے بنا دوں گا

اور جس دن آپ اورنگ آباد سے واپس جائیں گے میں اورنگ آباد سے آپ کی واپسی ایک ہفتہ بعد کی تاریخ میں لکھ دوں گا۔ اسی طرح تم لوگ کاغذوں میں تو اورنگ آباد میں ہوں گے۔ لیکن حقیقت میں تم لوگ بمبئی میں ہوں گے۔ بہر حال ہم نے اس کلرک کو 30روپیہ نقد دیئے اور دوسرے دن اس کے لئے کچھ بادام پستہ وغیرہ لے گئے۔ اس نے ساری کارروائی ہماری حسب منشاء کر دی اور ہم کو بمبئی جانے کا موقع مل گیا۔

سیمینار کی کئی نشستیں ہوتی تھیں۔ جس میں ہم باقاعدہ شرکت کرتے تھے اور اس سیمینار میں ہندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے ممتاز علماء اور سکالر تشریف لائے تھے۔ افتتاحی اور اِختتامی تقاریر حضرت علی میاں مدظلہٗ کی ہوئیں اور شہر کے عمائدین اور سرکاری افسروں وغیرہ نے بھی خوب شرکت اور مدد کی۔ شہر کے متمول لوگوں نے شرکاء سیمینار کے لئے ایک ایک وقت کے کھانے کا بندوبست بھی کر دیا۔

اورنگ آباد میں ایک دن کے لئے پروگرام خلد آباد جانے کا بھی تھا۔ خلد آباد اورنگ آباد سے تقریباً 30 میل کے فاصلہ پر ہے۔ بسوں کے ذریعہ خلد آباد جانا ہوا۔ خلد آباد میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کا مزار ہے اور اس کے قریب حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مشہور خلیفہ برہان الدین غریب کا مزار بھی ہے اور غالباً سید گیسو درازؒ کے ایک خلیفہ نظام الدین کا بھی مزار ہے۔ ان بزرگوں کے ذریعہ سے یہاں دین خوب پھیلا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے مزار سے دوچار کلومیٹر کے فاصلہ پر الورا کے غار ہیں۔ یہ الورا کے غار دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہیں۔ یہاں پر پرانے زمانے میں پہاڑوں کو تراش تراش کر ہندوؤں نے مختلف مجسمے بنائے ہیں۔ جس کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہاں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام اورنگ آباد یا خلد آباد کے

کسی صاحب نے وہاں خلد آباد میں کیا تھا۔ شام کو وہاں سے واپسی ہوئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے کہ اورنگ آباد سے واپسی کا پروگرام براستہ بمبئی تھا۔ اس لئے سیمینار کے اختتام پر ہم بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ اورنگ آباد سے بمبئی کے لئے گاڑی کا راستہ نہیں تھا۔ یا تو ہوائی جہاز سے یا بس سے سفر کرنا تھا۔

بمبئی کا سفر

ہم نے بس کے ٹکٹ لئے اور مغرب کے نماز کے بعد بذریعہ بس بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ ساری رات سفر کر کے دوسرے دن 10 بجے بمبئی پہنچے۔ صبح کی نماز بھی حضرت مولانا صاحب اور ہم سب نے تیمم سے بس ہی میں ادا کی۔ بمبئی کے بس کے اڈہ پر حضرت مولانا صاحب نے چھوٹا پیشاب تقریباً 15-16 گھنٹے کے وقفہ کے بعد کیا۔ بمبئی میں حضرت علی میاں صاحب مد ظلہٗ نے اپنے ایک معتقد دوست عبد اللہ صاحب کا پتہ دیا تھا۔ جو فردوس کیفی کا مالک ہے۔ اس کے نام خط دیا تھا۔ بس اڈہ سے ہم بذریعہ ٹیکسی اس کے کیفی میں گئے وہ موجود تھا۔ بہت محبت سے ملا۔ صبح کا ناشتہ اپنے ہوٹل میں کروایا۔ اور اس کے بعد محمد علی لین (روڈ) پر ایک فلیٹ میں لے گیا۔ جو ایک ندوی فاضل کا تھا۔ جو ان دنوں قطر میں تھا۔ بہت اچھی طرح فرنش تھا اور تمام سہولتیں موجود تھی۔ 4-5 دن ہم نے بمبئی میں گذارے۔ ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ ہم کو بمبئی کے چڑیا گھر بھی لے گئے اور ظہر کی نماز ہم نے چڑیا گھر میں پڑھی۔ بمبئی میں ایک پٹھان جو کہ اصلاً افغانستان کے علاقہ کونٹر کے رہنے والے ہیں اور کافی عرصہ سے بمبئی میں قیام پذیر ہے۔ اس کے پاس ہم ایک دفعہ گئے۔ اس کا نام کریم بابا ہے۔ اس کا اپنا ایک ڈیرہ ہے اور بہت سارے پٹھان لوگ اس کے ڈیرہ پر رہتے ہیں۔ بہت ہی مہمان نواز ہیں اور

پٹھانوں اور مسلمانوں کے پشت پناہ اور ہمدرد ہیں۔ حکومت میں بہت رسائی ہے۔ اور عبدالغفار خان بانی سرخپوش تحریک کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں۔ ہمارے ساتھی طلعت اقبال کو ان سے ملنا تھا۔ ہم سب ان کے پاس گئے۔ ان دنوں ان کے چھوٹے بھائی بھی پاکستان سے آئے ہوئے تھے۔ اور ان کے پاس ان کے ڈیرہ پر موجود تھے۔ اور وہ ہمارے مولانا صاحبؒ کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔ کیونکہ ان کے چھوٹے بھائی پشاور کے قرب وجوار میں رہتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے مولانا صاحبؒ کا کریم بابا سے تعارف کروایا۔ کریم بابا نے ایک دن دوپہر کے کھانے کی دعوت بھی کی۔ اپنے ڈرائیور کو اس دعوت والے دن ہمارے پاس بھیجا۔ ان کے ساتھ ہم کریم بابا کے مکان پر گئے۔ بہت پر تکلف دعوت کی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے ڈرائیور ساتھ کر دیا کہ ان کو بمبئی کے مختلف علاقوں کی سیر کراؤ۔ اسی طرح ہم نے بمبئی کے مضافات کے بعض تاریخی جگہوں کو دیکھا۔ جس میں ایک پارک جو چھوٹے کشمیر کے نام سے مشہور ہے۔ وہ بھی دیکھا۔ عشاء کے وقت اپنے مستقر پر واپسی ہوئی۔ بمبئی سے دہلی واپسی بذریعہ ہوائی جہاز ہوئی۔ کیونکہ ریل میں سیٹیں نہیں مل رہی تھیں۔ دہلی میں قیام ہمارا جمعیتہ العلماء ہند کے دفتر کے مہمان خانہ میں تھا۔ یہاں پر حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ اور مولانا اسجد مدنی مدظلہٗ (حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے صاحبزادوں سے) بھی شرف زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت اسعد مدنیؒ نے ایک دن پر تکلف دعوت بھی کی۔ ہم نے ان سے سہارنپور، دیوبند، تھانہ بھون جانے کا مشورہ کیا۔ لیکن حضرت نے اجازت نہیں دی۔ کیونکہ ان دنوں یہاں ہندو مسلم فسادات تھے۔ اس لئے حضرت نے کہا کہ جانا پر خطر ہے۔ اس لئے سہارن پور دیوبند وغیرہ جانا نہیں ہوا۔ ایک دو دن ہم نے تبلیغی مرکز بستی نظام الدین میں بھی گذارے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور

حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ سے خوب مجلسیں ہوئی اور تمام حضرات نے بہت شفقت فرمائی۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ صاحب فراش تھے۔ اور مسجد کے ایک چھوٹے کمرے میں قیام پذیر تھے۔ ان کے پاس بھی حاضری ہوئی۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب کی شدید خواہش تھی کہ دوبارہ لکھنؤ چلے جائیں کہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کے ساتھ لکھنؤ میں پہلی مرتبہ تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور حضرت کو اپنی ملاقات کے دوران فرمایا بھی تھا کہ حضرت دوبارہ حاضری دیں گے۔ جو اس وقت لکھنؤ کے قیام میں پوری نہیں ہوئی تھی اس لئے دوبارہ لکھنؤ حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ کے ملاقات کے لئے جانا چاہتے تھے۔ لیکن بعض ساتھیوں کے واپسی کے تقاضے کی وجہ سے دوبارہ لکھنؤ نہ جاسکے اور 4-5 دن دہلی ٹھہر کر واپس بذریعہ PIA لاہور آگئے۔ لاہور میں بھائی نسیم صاحب کے ہاں ایک رات قیام کر کے دوسرے دن پشاور آگئے۔

اسفارِ حج

حضرت مولانا صاحب کا دیارِ پاک اور مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق عشق کے درجہ تک پہنچ چکا تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا نام سنتے ہی بے چین بے قرار اور آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ اور باوجود انتہائی معذوری اور مالی وسائل کی قلت کے دیارِ پاک کے سفر کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ حضرتؒ کے اکثر حج کے اسفار غیبی اشارہ کی بنیاد پر ہوئے۔

پہلا حج سال 1963ء

سب سے پہلا حج آپ نے 1963ء میں ادا کیا۔ رفقاء میں سے حضرت مولانا فقیر اللہ شاہ صاحبؒ جو موضع ماہزارہ ضلع چارسدہ کے سادات اور علمی خاندان کے چشم

وچراغ تھے (جو بعد میں حضرت مولانا صاحبؒ کے سسر ہوئے) محمد شفیق صاحب نور سنز والے جن کا پشاور کے قصّہ خوانی بازار میں نور سنز کے نام سے کتابوں کا مشہور کتب خانہ تھا، عبدالواحد صاحب پشاور کے تاجر احمد گل صاحب (پروفیسر زرعی یونیورسٹی) جو اُس وقت اسلامیہ کالج کے طالب علم تھے، غضنفر علی سہروردی حال مقیم لاہور (اس وقت انجینئرنگ کالج کے طالب علم تھے، رسول منان صاحب طالب علم اور محمد یوسف صاحب طالب علم حال پروفیسر مانسہرہ کالج تھے۔ یہ قافلہ 17 فروری 1963ء کو رمضان میں بذریعہ بحری جہاز حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کے معلم مکی مرزوقی صاحب تھے۔ تقریباً 3-4 مہینے حجاز مقدس میں قیام کیا تھا۔ 27 مئی 1963ء کو واپسی ہوئی۔ حج کے موقع پر ہندوستان اور پاکستان کے اکابر علماء اور بزرگان دین کے ساتھ خوب ملاقاتیں اور صحبتیں ہوتی رہیں۔ جس کا حال حضرت مولانا بہت مزے لے لے کر بیان کرتے تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی (بیعت کرتے ہوئے اکثر حضرت مولانا اس کا بھی ذکر کرتے تھے کہ جو فیوض وبرکات مجھے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنی سے پہنچے ہیں۔ اس میں سے بھی اللہ اس بیعت ہونے والے کو حصہ نصیب فرما۔ تو یہ اسی سفر میں حضرت مولانا عبدالغفور مدنی صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنیؒ نے بھی خوب توجہ دی ہوگی)۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت اشرف علی تھانویؒ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفیؒ خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا شیر محمد سندھیؒ خلیفہ مجاز حضرت

تھانویؒ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے اکابر علماء اور اولیاء کی زیارتوں سے مستفید ہوئے۔ حضرتؒ کو کتابوں سے بھی عشق تھا۔ اور نایاب اور نادر کتابوں کو جہاں بھی ملتیں خرید لیا کرتے۔ اسی سفر میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے دینی کتب خانوں کو بھی خوب دیکھا۔ اور خوب خریداری کی۔ فرمایا کرتے تھے کہ سات من کتابیں اسی سفر میں خرید کر لایا ہوں۔ اس سفر کی مزید تفصیل حاجی غضنفر علی سہروردی کی زبانی اُن کے حالات میں مذکور ہے۔ باب خلفاء وخلفاء کے تأثرات میں دیکھئے۔

دوسرا حج سال 1971ء

دوسرا حج حضرتؒ نے 1971ء میں ادا کیا۔ رفقاء میں شیر حسن پروفیسر زرعی یونیورسٹی، خلیل احمد صاحب پروفیسر زرعی کالج ڈیرہ اسماعیل خان اور شیر حسن (چھوٹا) انجینئر حال ریاض، سعودی عرب تھے۔ بحری جہاز کے لئے 1580 روپیہ کا داخلہ کیا۔ چونکہ اس وقت قرعہ اندازی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے قرعہ اندازی میں نام نہیں نکلے۔ چونکہ حضرت مولانا صاحبؒ نے مصمم اِرادہ حج پر جانے کا کیا ہوا تھا۔ اس لئے ہتھیار نہیں ڈالے اور برابر کوشش فرماتے رہے۔ ان دنوں یحییٰ خان کی حکومت تھی۔ جس میں سردار عبدالرشید صاحب وزیر داخلہ تھے جو حضرت مولانا صاحب کے معتقدین اور محبین میں سے تھے۔ ان سے رابطہ قائم کیا اور ان کی کوشش سے سٹیٹ بینک سے پی فارم اور NOC حاصل کر کے سعودی ایمبسی سے حج کا ویزہ حاصل کیا۔ ویزہ کے بعد ہوائی جہاز میں سیٹوں کا مسئلہ تھا۔ کراچی جدہ کی سیٹ نہیں مل رہی تھی۔ پھر لندن والے PIA جہاز سے ظہران تک ٹکٹ لیا۔ اور ظہران سے جدہ بذریعہ سعودی ایئر لائن سفر کیا۔ پشاور سے کراچی جدہ اور واپسی کا کل کرایہ 1369 روپیہ تھا۔ ظہران میں ایک

رات فندق نصر میں قیام بھی کیا۔ جدہ میں اشفاق صاحب جو کہ جدہ میں ٹیلیفون کے محکمہ میں انجنیئر تھے اور پشاور کے حاجی ارشد صاحب ٹیلیفون انجینئر کے داماد تھے۔ وہ لینے آئے تھے۔ شام کو جدہ پہنچے۔ رات باب مکہ جدّہ میں اشفاق صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ جس کا مکان جدّہ کے پرانے ائیرپورٹ کے بالکل قریب تھا۔ دوسرے دن ائیرپورٹ سے تنازل لیکر مکّہ معظمہ روانہ ہوئے۔ جاتے ہوئے کراچی میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے معلم کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ صالح عبدالصمد ساعاتی جس کا دفتر محلّہ شامیہ میں ہے۔ وہ موزوں ہوں گے۔

مکہ مکرمہ میں

مکّہ مکرمہ پہنچتے ہی سیدھے صالح عبدالصمد صاحب کے دفتر پہنچے۔ سامان رکھا انہوں نے بہت ہی اکرام کیا۔ چائے وغیرہ پلا کر اپنے بیٹے کو ساتھ کیا کہ وہ عمرہ کرائے۔ اس زمانہ میں ہمارے ساتھ حضرت مولانا صاحب کے لئے Wheel Chair (پہیوں والی کرسی) نہیں ہوا کرتی تھی۔ دور جگہ جانا ہوتا تو ٹیکسی کر لیتے ورنہ پیٹھ پر اٹھا کر لے جاتے۔ طواف ہم تین ساتھیوں نے باری باری سے پیٹھ پر اٹھا کر کروایا اور سعی ریال دے کر کرائے والی کرسی میں کروائی۔ ان دنوں مکّہ معظمہ میں قاری سلیمان صاحب مرحوم بھی تھے جو پہلے کراچی کی مکّی مسجد (تبلیغی مرکز) کے امام رہ چکے تھے۔ قاری سلیمان مرحوم کی وساطت سے محلّہ مسفلہ میں ایک بنگالی بابا کے مکان میں ایک کمرہ 500 ریال پر لیا۔ آج کل اس مکان کی جگہ پر فندق پیلس (جو شرکہ کی بڑی عمارت کے متصل ہے) تعمیر ہو چکا ہے۔ مکان میں پانی نہیں تھا۔ اور مالک مکان نے کہا تھا کہ پانی کا بندوبست خود کرنا پڑے گا۔ محلّہ مسفلہ میں تھوڑا نیچے میونسپلٹی کے پانی کے نلکے تھے۔ وہاں سے بالٹی میں

پانی لایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں اور مدینہ منورہ میں کھانے پینے کے ہوٹل عام نہیں تھے۔ کھانا ہم خود پکایا کرتے تھے۔ تیل کا چولہا لیا تھا۔ برتن بھی اپنے لئے تھے۔ ہم ساتھیوں کو خوب مجاہدہ کرنا پڑتا تھا۔ کھانا پکانے، برتن دھونے، کپڑے دھونے، حضرت مولانا صاحبؒ کی دیکھ بھال مکان سے پیٹھ پر سوار کرنے حرم شریف میں مقام ابراہیم کے سامنے لیجانا، اپنے طواف اور عبادات وغیرہ سے خوب تھک جاتے تھے۔ لیکن جوانی تھی اور جذبہ تھا۔ اس لئے سارا کام بحمد اللہ ہم تین ساتھی کر لیتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ اکثر علماء اور دیگر واقف لوگوں کی دعوتیں بھی کرتے تھے۔ جو ہم تین ساتھی تیار کرتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ تہجد کے وقت حرم شریف تشریف لیجاتے تھے۔ اشراق کے بعد واپس مکان پر آجاتے تھے۔ پھر ہم ناشتہ تیار کرتے تھے۔ ناشتہ کے بعد تھوڑا آرام کرتے تھے۔ پھر حرم شریف تشریف لے جاتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد پھر مکان پر تشریف لاکر دوپہر کا کھانا تناول فرمالیتے تھے۔ پھر آرام کر کے عصر کی نماز کی تیاری کر کے حرم شریف لے جاتے تھے۔ عصر سے عشاء تک ہمیشہ حرم شریف میں ٹھہرنے کا معمول ہوتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد کافی دیر کے بعد مکان پر تشریف لے آتے تھے۔ حرم سے واپسی پر حضرتؒ کا ایسا حال ہوتا تھا جیسے کوئی محب اپنے محبوب سے جدا ہو رہا ہو۔

مکہ معظمہ کے قیام کے دوران مسجد الحفائیر جو تبلیغی مرکز تھا۔ وہاں بھی اکثر حضرت مولانا انعام الحسنؒ، حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ اور تبلیغ کے دوسرے بزرگوں اور اکابر سے حضرت ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور ایک دو نمازیں وہاں الحفائیر کی مسجد میں پڑھ کر واپس تشریف لے آتے تھے۔ باوجود معذوری اور کمزوری کے منیٰ اور عرفات میں عبادت اور مجاہدہ میں انہماک ہم جیسے آرام طلبوں کے

لئے باعث رشک ہوتا تھا۔ مزدلفہ میں رات کو بالکل نہیں سوتے تھے۔ چونکہ معذوری بہت تھی اور اس زمانہ میں جمرات کے پاس موجودہ پل اور اوپر اور نیچے دونوں جگہوں سے رمی جمرات کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے رمی جمرات کے لئے ہم میں سے کسی ساتھی کو وکیل بنالیتے تھے۔ جو آپ کی طرف سے رمی جمرات کرتے تھے۔

مدینہ منوّرہ میں

حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ 100 ریال پر مکّہ معظمہ سے مدینہ تک پوری ٹیکسی کی تھی۔ سیدھے مسجد نور جو باب العوالی میں واقع ہے۔ اور اس زمانہ میں تبلیغی مرکز تھا گئے۔ وہاں سامان اتارا۔ ایک دن رات وہاں قیام کیا۔ چونکہ مسجد نور مسجد نبوی سے کافی فاصلہ پر ہے جہاں سے مسجد نبوی کو پانچوں نمازوں کے لئے جانا مشکل تھا اس لئے مسجد نبوی کے قریب مکان تلاش کیا۔ باب جبریل کے بالمقابل اور بالکل متصل ایک پرانا مکان تھا (جو اب مسجد نبوی کی توسیع کے اندر آیا ہے)۔ اس میں ایک بڑا کمرہ 100 ریال کرایہ پر لیا۔ پورے 24 دن مدینہ منورہ میں گذارے۔ بحمد اللہ ہر نماز کے لئے مسجد نبوی میں جانے کی توفیق ملتی رہی۔ مکان ہی سے حضرت مولانا صاحبؒ کو ہم تینوں ساتھیوں میں سے ایک ساتھی پیٹھ پر اٹھا لیتے تھے۔ اور سیدھے ریاض الجنتہ یا قدمین شریفین میں پہنچا لیتے تھے۔ اکثر مسجد نبوی میں نماز اور نشست قدمین شریفین میں ہوا کرتی تھی۔ مدینہ منورہ میں باب المجیدی سے ذرا آگے کتابوں کی ایک بہت مشہور دکان تھی۔ جس کا مالک ایک بخاری جس کا نام نمنکانی تھا۔ اس دکان میں بھی دو تین بار جانا ہوا۔ اور وہاں سے بھی حضرت مولاناؒ نے کافی کتابیں خریدیں۔ چونکہ ہمارا ٹکٹ ہوائی جہاز کا تھا۔ اور سامان کتابیں وغیرہ بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے بہت سے

کتابوں کی پیٹیاں بحری جہاز سے واپس ہونے والے دوستوں کے حوالے کی تھیں۔ مدینہ منورہ سے واپسی کے دنوں کے قریب پشاور یونیورسٹی سے ایک فارغ التحصیل انجینئر جس کا نام اقبال تھا۔ لاہور کے رہنے والے تھے۔ اور حرم مکی شریف میں پانی کے نکاس کے انجینئر تھے۔ پشاور یونیورسٹی کے طالب علمی کے وقت سے حضرت مولانا صاحب کو جانتے تھے اور حضرت مولانا صاحب کے معتقد بھی تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ واپسی پر جب مکّہ مکرمہ عمرہ کے لئے آئیں گے تو قیام میرے پاس کریں۔ مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت جب حضرت مولانا صاحب الوداعی سلام کے لئے روضہ اقدس ﷺ پر حاضر ہوئے تو عجیب کیفیت تھی۔ مَواجہ شریف سے بہت مشکل سے علیحٰدہ ہوگئے بلک بلک کر رُو رہے تھے۔ مدینہ منورہ سے بذریعہ ٹیکسی مکّہ مکرمہ کے لئے واپسی ہوئی۔ بیر علیؓ سے احرام باندھا اور عمرہ کی نیت کی۔ اس زمانہ میں بیر علی کے پاس صرف چائے کے ایک دو چھوٹے چھوٹے ہوٹل ہوتے تھے۔ ہوٹل والوں سے پانی مانگ کر یا خرید کر وضو کیا اور وہاں ایک بچھی ہوئی چٹائی پر عمرہ کی دوگانہ نماز پڑھی اور پھر مکّہ معظمہ کے لئے روانگی ہوئی۔ اقبال انجینئر صاحب جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، کے مکان پر جو محلہ جرول میں تھا۔ مکّہ معظمہ میں قیام کیا۔ عمرہ سے فارغ ہوئے۔ ایک دو دن مکّہ معظمہ میں قیام کیا۔ اللہ تعالیٰ اقبال صاحب کا بھلا کرے انہوں نے اپنی جیپ میں منٰی، مزدلفہ اور عرفات کی خوب سیر کرائی اور سارے مقدس مقامات کی زیارت کروائی۔ مکّہ معظمہ سے بذریعہ PIA کراچی واپسی ہوئی۔ غالباً کراچی میں ایک دو دن نیو ٹاؤن کی جامع مسجد میں گذار کر واپس پشاور بذریعہ PIA روانگی ہوئی۔ الحمد اللہ حرمین شریفین میں پورے 60 دن قیام رہا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تیسرا حج سال 1973ء

صبح کی نماز کا سلام پھیرتے ہی حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ کون حج پر جانا چاہتا ہے۔ چند ہی ساتھی موجود تھے۔ جنہوں نے ہاں کر دی۔ عصر کو حضرت مولانا صاحبؒ کی مجلس میں حج کے لئے درخواست لکھ رہے تھے تو جناب محمد حسین خان صاحب پرنسپل زرعی کالج نے فرمایا۔ میرا نام بھی لکھ دیں۔ بڑا اور چھوٹا شیر حسن دونوں گاؤں میں تھے۔ لیکن ان کا بھی نام ڈال دیا۔ محمد حسین خان نے کالج کا ڈرائیور دے دیا اور میر حاتم کے واکس ویگن میں 28 دسمبر 1973ء صبح سویرے حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ اسلام آباد روانہ ہوئے۔ بڑے اور چھوٹے شیر حسن کے پیچھے کریم خان کی گاڑی میں بابو صاحب کو بھیجوایا کہ آکر اسلام آباد میں ہم سے مل لیں۔ چھوٹا شیر حسن نہ مل سکا۔ حج آفس پہنچے۔ ڈاکٹر محمد اسلم جغرافیہ والے جو راولپنڈی میں رہائش پذیر تھے۔ وہ بھی ساتھ تھے۔

حج کی منظوری

حج آفس والے نے کہا یہ کون سا آنے کا وقت ہے۔ حج میں ایک دو دن باقی ہیں۔ حج عملہ مع وزیر حج مکہ جا چکا ہے۔ حج آفس و کاروبار بند ہے۔ ہماری مایوسی اور تڑپ دیکھ کر اس نے کہا۔ البتہ اگر سٹیٹ بینک آپ کو P فارم دے دے تو کام ہو سکتا ہے۔ اسلام آباد سے راولپنڈی سٹیٹ بینک آفس پہنچے۔ منیجر نے فرمایا کہ آپ کے پاس NOC نہیں۔ یہ چھٹی نہیں کہ آپ کو چُھٹی مل چکی ہے۔ آپ کے پاس شناختی کارڈ نہیں۔ اُن دنوں نئے نئے بن رہے تھے۔ میں آپ کو کیسے اجازت دے دوں۔ تم پڑھے

لکھے ہو کے جاہل بن رہے ہو۔ اجازت دیکر تم مجھے جیل میں اندر کرانا چاہتے ہو۔ ڈاکٹر محمد اسلم تو اتنے مایوس ہوئے۔ کہا کہ پاسپورٹ لیکر واپس چلتے ہیں۔ بہر حال میر حاتم نے کہا ابھی صبر کریں اور نیچے جا کر حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا۔ منیجر کہتا ہے کہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ بیٹا! جا کر کہہ دو اگر نہیں ہو سکتا پھر بھی کر دیں۔ میں دُعا کرتا ہوں۔ ہم نے جا کر منیجر سے کہا کہ نیچے ہمارے پیر صاحب ہیں۔ ٹانگوں سے معذور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا پھر بھی کر لیں۔ منیجر سر پکڑ کر اپنی کرسی چھوڑ کر ہمارے ساتھ بینچ پر بیٹھ گئے اور کہا۔ اچھا بھئی بتاؤ کیسے کروں۔ پھر آخر سوچ کر فرمایا کہ کیا آپ کا رجسٹرار مجھے فون پر کہہ دے گا کہ آپ لوگوں کو NOC اور چُھٹی مل جائے گی۔ ہم نے ہاں کر دی۔ یہ تقریباً دوپہر کا ایک بجہ تھا۔ اور دوپہر کا وقفہ ہونا تھا۔ اس دوران میں ہم نے جناب محمد حسین خان سے رابطہ کیا اور بتایا کہ جا کر رجسٹرار سے بات کر کے سمجھا دیں۔ رجسٹرار ڈاکٹر انور خان اُن کا اچھا دوست تھا۔ دو بجے واپس آکر منیجر کے دفتر سے رجسٹرار سے رابطہ کیا۔ رجسٹرار نے کہا کہ ان کی درخواست پر کارروائی کر کے سنڈیکیٹ سے چھٹی ملے گی تو منیجر نے کہا کہ مجھے دو جمع دُو میں بتاؤ کہ NOC اور چھٹی مل جائے گی۔ رجسٹرار کے ہاں کرنے پر ہمارے فارموں پر دستخط ہو گئے اور اُمید بن گئی۔

اب دوسرا مرحلہ پی آئی اے کے ٹکٹ لینے کا تھا۔ بتایا گیا کہ حج کا آخری فلائیٹ جس میں وزیر حج تشریف لے جاتے ہیں۔ وہ بھی جا چکا ہے اور کوئی امکان نہیں۔ غمگین و پریشان وہیں بیٹھے رہے کہ اب کیا کریں۔ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ پی آئی اے اہل کار کسی سے محو گفتگو تھا۔ گفتگو کے دوران میں بول پڑا زور سے کہ

بھئی وہ کون لوگ ہیں جو ابھی مجھ سے فلائیٹ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ہم دوڑ کر قریب گئے۔ تو فرمایا کہ ایک سپیشل جہاز چینی حاجیوں کا پرسوں کراچی سے جدہ جانی والی ہے۔ اس لئے آپ لوگ ٹکٹ لے لیں اب ہم تو بے سروسامانی میں حج کا پوچھنے گئے تھے۔ پیسے کہاں ساتھ تھے۔ اللہ بھلا کرے حضرت مولانا صاحبؒ کا اور اس کے فراست کا، کہ وہ ایک تھیلا ساتھ لے گئے تھے۔ جس میں عرب طالب العلموں کے امانتیں تھیں۔ مولانا صاحبؒ ان کی امانتیں بطور قرض لیکر رکھتے تھے۔ کیونکہ امانت کے احکام کا سنبھالنا کافی مشکل ہوتا ہے۔

ٹکٹ لیکر اب تیسرا مرحلہ سعودی سفارت خانہ سے ویزا لینا تھا۔ اُن دنوں میں ویزا خود لینا پڑتا تھا۔ اسلام آباد سعودی سفارت خانہ میں مغرب کو پہنچے۔ معلوم ہوا کہ سعودی سفیر مع فیملی کے سوات میں 10 دن کی عید کی چھٹیاں گذارنے گئے ہوئے ہیں۔ اب پھر حیران وپریشان کہ کیا کریں۔ راولپنڈی میں ڈاکٹر محمد اسلم صاحب کے گھر جانے کے لئے واپسی پر وہ راستے میں ٹی وی سٹیشن میں ایک دوست سے ملے۔ دوست نے فرمایا کہ کراچی میں بھی سعودی کونسلیٹ ہے۔ وہاں کوشش کرو۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد اسلم کے گھر کھانا کھا کر اُن کو 10 بجے کراچی جانے والی فلائیٹ میں ویزوں کے لئے بھجوا دیں گے۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی کہ 10 بجے کی فلائیٹ میں سیٹ نہ مل سکی۔ سخت مایوس ہوئے اور پریشان۔ ابھی اس کشمکش میں تھے کہ معلوم ہوا کہ چائنا سے ایک سپیشل فلائیٹ آرہی ہے جو 12 بجے کراچی جائے گی۔ اس لئے ایئرپورٹ پر ہی انتظار کیا۔ شکر ہے کہ اس میں سیٹ مل گئی اور ڈاکٹر محمد اسلم ہمارے پاسپورٹ اور ٹکٹ لیکر کراچی روانہ ہوئے۔ ٹکٹ راولپنڈی تا کراچی تا جدہ تھے۔ کیونکہ صرف کل کا دن تھا۔ اس لئے ڈاکٹر اسلم صاحب

سے کہا کہ اگر کام ہو گیا تو ہمیں بذریعہ تار OK لکھ کر اطلاع کر دیں اور پاسپورٹ اور ٹکٹ بذریعہ کارگو اس جہاز سے بھیجوا دیں جو واپس کراچی جائے گی۔

عجیب اتفاق

ڈاکٹر اسلم جہاز میں جہاں بیٹھے تو دوسرے سیٹ پر ایک آدمی پہلے سے بیٹھا تھا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے ڈاکٹر اسلم سے کراچی جانے کا غرض پوچھا۔ جب انہوں نے ویزے لینے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ کونسلر میں ہوں آپ کل آجائیں میں ویزے لگا دوں گا۔ ڈاکٹر اسلم کو جہاز میں سوار کر کے اُس وقت ہم پشاور روانہ ہوئے۔ راستے میں سڑک پر گھی سے بھرا ٹرک الٹ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہماری گاڑی چکر کھا کر رُخ راولپنڈی کی طرف ہو گیا۔ شکر ہے کہ اکسیڈنٹ سے بچ گئے۔ پشاور میں ہمارے پاس سفر کی تیاری کا بہت کم وقت تھا۔

30 دسمبر 1973ء کو کوئی دس بجے ڈاکٹر اسلم کا تار آگیا۔ دوپہر کے وقت بذریعہ خصوصی ویگن راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ چھوٹے بڑے شیر حسن کے پیچھے آدمی بھیجوایا کہ تیار ہو کر اسلام آباد میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ چھوٹا شیر حسن نہ مل سکا۔ اس لئے وہ جانے سے رہ گیا۔ راولپنڈی ائیرپورٹ پر جونہی کراچی سے آنے والی فلائیٹ نے لینڈ کیا۔ ہم نے دوڑ کر کارگو سے اپنے پاسپورٹ اور ٹکٹوں والا پارسل وصول کیا اور اس فلائیٹ میں کراچی پہنچ گئے۔ رات مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے مدرسہ کے مہمان خانہ میں گذاری۔ جس نے ہماری ہر قسم کی خدمت کی اور مہمان نوازی کی حد کر دی۔ 7 ذی الحج کو صبح سویرے کوئی سات بجے سپیشل فلائیٹ کے ذریعے کراچی سے جدّہ روانہ ہوئے اور اس طرح

ہمیں یقین آگیا کہ اب حج پر جارہے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں

جدّہ میں کسٹم ایمیگریشن وغیرہ سے گذر کر شام مکہ مکرمہ میں معلم عبدالصمد ساعاتی کے ہاں پہنچ گئے۔ یہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ تھی اور بہت سارے لوگ منیٰ جانے کی تیاری میں مصروف تھے اور بہت سارے جارہے تھے۔ چونکہ ہم نے بھی صبح جانا تھا۔ اس لئے کوئی مکان وغیرہ کا بندوبست نہیں کیا۔ جناب محمد حسین خان کے بڑے بھائی حاجی مغل خان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ رمضان میں بحری جہاز سے پہلے آئے ہوئے تھے۔ جب کسی نے بتایا کہ آپ کا بھائی جناب محمد حسین صاحب بھی حج پر تشریف لائے ہیں تو اُسے یقین نہ آیا اور فرمایا۔ کسی اور کو دیکھا ہوگا۔ اُس کا تو پرسوں میرے پاس خط آیا ہے۔ کوئی ذکر نہیں کیا۔ چونکہ ہمارے معلم بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ اس لئے منیٰ میں انتظامات ٹھیک نہ تھے خاص کر جگہ کم تھی۔ یہ رات ہم نے انڈونیشیاء کے حاجیوں کے خیموں میں گذاری۔ کیونکہ وہ منیٰ میں ٹھہرے بغیر سیدھے عرفات جاتے ہیں۔ عرفات سے واپسی پر خوش قسمتی سے حاجی مغل خان صاحب اور ان کے ساتھی ملے جو کہ ہمارے ساتھ والے عبدالقادر نصیر کے کیمپ میں تھے۔ ہمارا سامان اٹھا کر اپنے کیمپ لے گئے۔ جہاں گنجائش بہت تھی۔ منیٰ مزدلفہ عرفات اور حج کے احکامات پورا کر کے ہم اکٹھے 12 ذی الحج کو پیدل مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ رَش کی وجہ سے سڑک بند تھے۔ اس لئے حضرت مولانا صاحبؒ اور کرسی کو پیٹھ پر اٹھائے پہاڑی چوٹی کو کراس کر کے دوسرے سڑک پر گئے اور سیدھے عزیزیہ پہنچے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے چند ساتھی پرسوں مدینہ منورہ جائیں گے۔ اس لئے نیا مکان کرایہ پر

لینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ایک پرانا کچہ مکان تھا۔ چار کمرے اور کھلا صحن تھا۔ بیٹھنے کے لئے ایک بڑا چبوترا تھا۔ مدینہ منورہ جانے تک ہم اس مکان میں رہے۔ وہ لوگ کافی خوراک کا سامان ساتھ لائے تھے۔ لیکن پکانے کا تجربہ کسی کو بھی نہ تھا۔ ہم نے جب انتظام سنبھالا اور خشک دودھ کو پانی میں حل کر کے چائے پکائی اور مزید ارپراٹھے اُن کو کھلائے تو بڑے خوش ہوئے۔ اسی طرح نہ تو کرایہ مکان پر اور نہ خوراک کے اشیاء پر ہمارا کوئی خرچہ ہوا۔ اس مکان میں دو عجیب واقعات ہوئے۔ ایک صبح حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا بستر ہ ذرا نیچے کھینچ لیں۔ یہ تو کسی کی جگہ معلوم ہوتی ہے۔ وہ رات آکر میرے اوپر لیٹ گیا تھا۔ اس کا بالوں والا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا یعنی جنات تھے۔ دوسری یہ کہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستہ میں کھانے کے لئے ہم نے مرغ کاٹ کے صاف کر کے رکھ دیئے کہ عشاء کے بعد ان کو پکا کر ساتھ لے جائیں گے عشاء کے بعد دیکھا کہ سارے بوٹیوں کو تتر بتر کر کے ادھر اُدھر بکھیرا ہوا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ یہ جنّات کا کام ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ ہمیشہ یہ انتظام فرماتے کہ آدھا وقت مکہ مکرمہ اور آدھا مدینہ منورہ میں گذرے۔ اس کے لئے عارضی طور پر ٹکٹوں میں تبدیلی کرنی پڑی۔ خیر اس دفعہ عبدالعزیز شرقی صاحب کی وساطت سے رابطہ عالم اسلامی مکہ نے ہمیں خصوصی اجازت دیکر ہمیں اپنے مہمانوں میں شمار کر لیا۔

مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ جا کر باب مجیدی کے سامنے اسماعیل جالندھری کے مکان میں مقیم ہوئے۔ سردی سخت تھی۔ مہربان انجینئر نے عبدالحق صاحب کے گھر سے حضرت مولانا صاحبؒ کے لئے ایک رضائی کا بندوبست کر لیا اور ساتھ عبدالحق

صاحب فیصل آبادی کا یہ پیغام بھی لائے کہ مسجد نبوی کے متصل قبلہ کی طرف بازار میں میری دکان ہے۔ دکان کے پچھلے حصہ میں چار یا پانچ بندوں کے لئے رہائش کی جگہ اور ساتھ بیت الخلاء ہے۔ اگر پسند ہو تو وہاں آ جائیں۔ جگہ بہترین اور قریب ترین تھی۔ اقامت شروع ہو جاتی تو ہم نماز میں بہ آسانی چل کر شامل ہو سکتے تھے۔ اس لئے وہاں شفٹ ہوئے۔ اس دوران انجینئر مہربان بھی ہمارے ساتھ رہے۔ بیس پچیس دن کا قیام رہا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمام احکام حج و زیارت مدینہ منورہ مکمل ہوئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو حج پر جانے کا اشارہ مل چکا تھا۔ قدم قدم پر رکاوٹیں اور ہم پریشان۔ لیکن حضرت مولانا صاحبؒ مطمئن اور پر سکون تھے۔ یہ تمام سفر ہم نے شہزادوں کی طرح کیا۔ ہر جگہ استقبال، مہمان نوازی اور تکریم ملی۔ میر حاتم کہتے ہیں کہ اس سے پہلے کینیڈا جاتے اور آتے ہوئے عمرہ کیا تھا۔ لیکن سمجھا کچھ نہیں تھا۔ اس دفعہ حضرت مولانا صاحبؒ کے معیت میں کچھ اور ہی کیفیات اور محسوسات تھیں۔ میر حاتم کا مشورہ ہے کہ حج یا عمرہ ضرور کسی بزرگ اہل دل کے معیت میں کرنا چاہیئے۔ اگر وہ نہ مل سکے تو کم از کم ایسے بندہ کے ساتھ جو پہلے حج یا عمرہ کر چکے ہوں۔

مولانا صاحبؒ کے حج کا معمول

حج کے بارے میں حضرت مولانا صاحبؒ کا معمول تھا کہ اگر جانے کی تاریخ اور 8 ذی الحجہ کے درمیان وقفہ زیادہ ہوتا تو حج تمتع کی نیت کر لیتے اور اگر وقفہ کم ہوتا تو حج قران کی نیت کر لیتے۔ حج افراد بھی کیا۔ 8 ذی الحجہ کو صبح جا کر منٰی میں پانچ نمازیں، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن نماز صبح پڑھ کر ناشتے کے بعد عرفات چلے

جاتے۔ وہاں پر ظہر سے پہلے تھوڑی دیر آرام فرماتے اور پھر انفرادی طور پر معمولات مناجات، درود، ذکر، نفل وغیرہ پورا فرماتے۔ ظہر و عصر کی پوری نماز اپنے خیمے میں باجماعت ادا فرماتے۔ عصر سے مغرب تک اجتماعی دعا فرماتے۔ جس میں ساتھی چیخ چیخ کر روتے۔ مزدلفہ روانہ ہونے سے پہلے ضروریات سے فارغ ہو کر وضو فرماتے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر اول مغرب اور پھر عشاء کی نماز اکٹھے پڑھتے۔ عرفات سے مزدلفہ اکثر حضرت مولانا صاحبؒ کو کرسی پر بٹھا کر ساتھی پیدل آتے۔ شاید ہی کبھی بس میں آئے ہوں۔ ساتھی تو اکثر سو جاتے۔ لیکن حضرت مولانا صاحبؒ صبح تک معمولات و مناجات میں مشغول رہتے۔ طلوع آفتاب سے کچھ پہلے منٰی کے لئے پیدل روانہ ہوتے۔ منٰی میں رمی جمار و قربانی حضرت مولانا صاحبؒ کے لئے کوئی کر دیتا۔ کیونکہ حضرت مولانا صاحبؒ خود معذور تھے۔ ان کے بال بھی ہم منڈواتے۔ 12 ذی الحجہ کو رمی جمار کے بعد مغرب سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہوتے۔ کئی دفعہ 13 ذی الحجہ کو زوال کے بعد تک ٹھہر جاتے اور حضرت مولانا صاحبؒ خود رمی جمار کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہوتے۔ طواف زیارت کر کے واپس منٰی تشریف لاتے۔ دوسرے طواف اکثر مولانا صاحب کو پیٹھ پر سوار کر کے کراتے۔ البتہ طواف زیارت رَش کی وجہ سے کبھی پالکی میں اُجرت پر کراتے اور ہم ساتھ ساتھ چلتے۔ ہائے وہ کیا وقت تھا جب بھی ہم مولانا صاحب کو پیٹھ پر اٹھا کر طواف کرواتے تو لوگ پوچھتے اَبُوْكَ یعنی آپ کے والد ہیں۔ سنا تھا کہ سفیان ثوریؒ اُونٹ کی نکیل گلے میں ڈالے آگے چل رہے تھے اور اُونٹ پر ایک شخص سوار تھے۔ جب نکیل پکڑنے والے حج پر جانے والے سفیان ثوریؒ جیسے بلند پایہ بزرگ ہستی تھی تو سوار کون ہو گا۔ سوار امام سید احمد رفاعیؒ تھے۔ جن کے لئے سلام کے وقت حضور ﷺ

نے اپنا ہاتھ مبارک نکالا تھا اور نوے ہزار کے مجمعے نے دیکھا تھا۔ واقع یوں ہوا کہ سلام کے وقت انہوں نے دو شعر پڑھ لئے۔

فِی حَالَةِ البُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا تَقُبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ و هِیَ نَائِبَتِیْ
وَ هٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ کَیِ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیِ

جس کا ترجمہ ہے کہ دوری کی حالت میں مَیں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا۔ وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے۔ اپنا دستِ مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چومیں۔

ان اونچی ہستیوں کے ساتھ نسبت کا تو کیا تصور ان کے خاک پا کے گرد کے گرد کا بھی نہیں سوچا جا سکتا۔ لیکن اللہ کریم کے اس کرم و مہربانی پر لاکھ دفعہ جان قربان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جس نے ہم جیسے نااہل نابکار، ناکارہ اور گناہ گاروں کو بھی اپنے شیخ کو پیٹھ پر اُٹھا کر کعبۃ اللہ بیت العتیق کے طواف کرنے کی توفیق سے نوازا اور تو کوئی عمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے اصلاح نجاح و فلاح کا ذریعہ بنائے۔

چوتھا حج سال 1975ء

اللہ تعالیٰ کا حج کے بارے میں حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا۔ اکثر عین وقت پر اللہ تعالیٰ حج کا تقاضا دل میں ڈال دیتے تھے۔ بظاہر اسباب اور وسائل کے درجہ میں حج کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ لیکن حضرت مولانا صاحبؒ ہمیشہ پُر اُمید ہوتے تھے کہ انشاء اللہ حج پر جائیں گے ہی۔ جب کبھی حضرت مولانا صاحبؒ حج کا ارادہ کر لیتے تھے۔ بہت سے رفقاء بھی اپنے پاسپورٹ اور دیگر کاغذات وغیرہ حضرت مولانا صاحب کے حوالے کر دیتے تھے اور حضرت مولانا

صاحبؒ بھی اس کو اپنی ذمہ داری اور اپنا کام سمجھ کر سب کے لئے ویزے ٹکٹ سیٹوں وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ اس حج میں بھی حضرتؒ نے سارے رفقاء کے ویزوں اور حکومت سے اجازت اور سیٹوں کا انتظام خود کیا۔ اس حج میں مندرجہ ذیل رفقاء ساتھ تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ، پروفیسر محمد حسین صاحب زرعی کالج پشاور، پروفیسر عبدالرؤف نوشہروی صاحب شعبہ کیمیا، پشاور یونیورسٹی، جناب مسرت حسین صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور ان کی اہلیہ اور ہمشیرہ صاحبہ، مولوی محمد یوسف صاحب پروفیسر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی، خلیل احمد صاحب پروفیسر زرعی کالج ڈی آئی خان، ڈاکٹر فدا محمد پروفیسر میڈیکل کالج پشاور، پروفیسر میر حاتم صاحب زرعی کالج پشاور، عبدالقدوس انجینئر واپڈا، شیر حسن صاحب پروفیسر زرعی کالج پشاور اور حاجی فضل حسین صاحب پشاور شہر سے تھے۔

حج کی منظوری

اس زمانہ میں سیکرٹری وزارت حج انٹر ہوم کمپنی کے ریذیڈنٹ انجینئر جناب قاضی نیاز صاحب کے بہت قریبی دوست تھے۔ قاضی صاحب ان دنوں اسلام آباد میں انٹر ہوم (Inter-home) کمپنی کے ریذیڈنٹ انجینئر تھے جو ایوان صدر اسلام آباد کو بنا رہے تھے۔ قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ انہوں نے سیکرٹری صاحب کے ذریعے 13 رفقاء کی حج کی اجازت لے لی اور یہ حج ہم نے انٹرنیشنل پاسپورٹ پر نہیں کیا بلکہ حج پاسپورٹ پر کیا جو صرف اس نے حج کی ادائیگی کے لئے جاری کیا تھا۔

مکہ مکرمہ میں

اس سال مکّہ مکرمہ میں معلم اپنی مرضی سے نہیں ہوتا تھا بلکہ سعودی عرب

کی حکومت اپنی مرضی سے حجاج کو مختلف معلموں میں تقسیم کرتی تھی۔ ہمارے معلم اس حج میں احمد سقطی صاحب تھے جس کا محلہ اجیاد میں دفتر تھا۔ 5 دسمبر 1975ء کو کراچی سے روانگی ہوئی۔ محلہ اجیاد میں ایک منزلہ پرانا مکان لیا۔ جس میں دو کمرے اور ایک بڑا صحن تھا۔ آٹھویں ذی الحجہ کو جب منٰی پہنچے تو جو جگہ خالی تھی۔ اس میں ایک جوان عورت بیٹھی تھی اور ساتھ ایک مرد پڑا ہوا تھا۔ سامان تو ہم نے رکھ دیا لیکن اس فکر میں رہے کہ منٰی میں تو چند دن رہنا ہوگا تو آنکھوں کی حفاظت کیسے کریں گے۔ جاکر اس سے درخواست کی کہ آپ ہمارے عورتوں کے ساتھ اندر پردہ میں بیٹھ جائیں۔ فرمانے لگی کہ میں اندر بیٹھ جاؤں تو مرد کی طرف اشارہ کرکے، اس کی خدمت کون کرے گا۔ کھانے پینے کا بندوبست کون کرے گا۔ وہ سارا ذمہ ہم نے لے لیا یعنی اللہ بھلا کرے۔ سید مسرت حسین صاحب کی اہلیہ اور بہن صاحبہ نے ہم اور پیر صاحب اور اس کی اہلیہ کو خوب خوب راحت پہنچائی۔ اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ شکر ہے کہ وہ اندر بیٹھ گئی۔ بعد میں پتہ لگا کہ وہ ہمارے مانکی شریف کے پیر صاحب اور ان کی اہلیہ تھی۔ منٰی سے عرفات اور عرفات سے مزدلفہ واپسی ہوئی۔ مزدلفہ میں ساتھی اتنے تھکے ہوئے تھے کہ کھانا گرم کرنے کے لئے چولہے پر رکھ لیا۔ مگر تھکان کی وجہ سے کسی کو اُٹھنے اور کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ بس حاجی فضل حسین صاحب کے لائے ہوئے ڈرائی فروٹ سے لیٹے لیٹے کام چلالیا۔ لیکن حضرت مولانا صاحب تمام رات صبح تک بغیر لیٹے مناجات وذکر میں مشغول رہے۔ سامان چڑھانے اُتارنے کی خدمت ہم ہی کرتے تھے۔ عبدالرؤف نوشہروی صاحب نے حضرت مولانا صاحب سے شکایت کردی کہ میر حاتم اور خلیل احمد نے میرا اٹیچی کیس گم کردیا جو میں پشاور اپنے ڈیپارٹمنٹ سے ساتھ لایا تھا۔ مجھے اس کی رقم

دلوائی جائے۔ حضرت مولانا صاحب نے سب ساتھیوں کو بلایا اور سنجیدگی سے بات رکھ دی۔ اب سب خاموش اور حیران کہ عبدالقدوس انجینئر بول پڑا کہ حضرت مولانا صاحب ڈیپارٹمنٹ کا ٹپکہ حج پر اپنے ساتھ لانا جائز ہے کہ ناجائز۔ اور سب لوگ ہنس پڑے کہ ٹپکہ تو چار یا پانچ ریال کا مل جاتا ہے۔ اسی سال منٰی میں ایرانیوں کے خیموں میں آگ لگی جو ہم سے زیادہ دُور نہیں تھے۔ جب آگ زیادہ پھیلنے لگی تو لوگوں نے اپنی گاڑیاں سڑک پر چھوڑ کر اپنی جانیں بچائیں۔ فائیر بریگیڈ کے لئے راستے بند ہوگئے۔ بہت سارے خیمے جل کر راکھ ہوگئے۔

مدینہ منورہ میں

حج کے بعد مدینہ منورہ بذریعہ سڑک روانگی ہوئی۔ غالباً دو موٹریں کرایہ پر لی تھیں۔ مدینہ منورہ میں باب السلام سے قبلہ (جنوب) کی طرف قریب ہی ایک 6 منزلہ مکان میں جو کہ ایک بوڑھی عورت کا تھا۔ دو کمرے کرایہ پر لے لئے۔ مکان حرم شریف کے نزدیک تھا۔ دوسری اور تیسری منزل میں کمرے ملے تھے۔ کھانا اجتماعی باری باری سے ساتھی پکاتے تھے۔ برتن اکثر شیر حسن دھوتا تھا۔ مدینہ منورہ سے پھر مکّہ معظمہ واپسی ہوئی۔ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا صاحب پر عجیب ایک وارفتگی کی کیفیت ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ میں عبدالعزیز شرقی صاحب جو اصلاً جالندھر کے تھے۔ بعد میں پاکستان ہجرت کر چکے تھے اور پاکستان سے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ بہت اچھے نعت گو شاعر تھے۔ حضور ﷺ کی شان اقدس میں بہت عجیب نعتیں لکھی تھیں۔ بیت اللہ شریف کی حاضری اور حج کے دیگر ارکان وغیرہ کو اپنے اشعار میں قلمبند کئے تھے۔ اور بہت جوش اور محبت سے پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ان کے ساتھ مجلس

ہوتی۔ وہ ایک عجیب جوش سے پڑھتے تھے۔ جس سے حضرت مولانا صاحبؒ پر وجد آجاتا تھا اور بے اختیار بہت زور سے اللہ کی آواز چیخ کی شکل میں منہ سے نکلتی تھی۔ عجب سماں ہوتا تھا۔

مدینہ منورہ سے حاجی فضل حسین صاحب، مسرت حسین صاحب اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ اور اہلیہ صاحبہ 10 دن گذار کر واپس پاکستان آئے۔ باقی ساتھی 20دن تک مدینہ منورہ میں ٹھہرے رہے۔ واپسی پر مکّہ معظمہ آکر دوبارہ عمرہ کیا اور ایک دو دن مولانا عبدالصبوح قاسمی صاحب کے مکان پر جو بیر بلیلہ میں تھا قیام کیا۔ مولانا عبدالصبوح صاحب اس زمانہ میں جامعہ ملک عبدالعزیز میں لائبریرین تھے۔ اس سفر میں مدینہ منورہ جانے سے پہلے مکّہ کے قیام میں ساتھی مع حضرت مولانا صاحبؒ کے غار ثور دیکھنے بھی گئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ پہاڑ کے دامن میں ٹھہر گئے۔ کیونکہ اس اونچے پہاڑ کی چوٹی پر ان کا چڑھنا مشکل تھا۔ باقی ساتھی غار ثور گئے اور وہاں دوگانہ نماز ادا کیا۔ 25 جنوری 1976ء کو واپس کراچی پہنچ گئے۔ کراچی میں دو تین دن قیام کے بعد واپس پشاور پہنچے۔

عمرہ سال 1976ء

1976ء کے رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے عمرہ پر جانے کے اسباب پیدا کئے وہ سبب انجینئر سید انور کا عمرے پر بلانا تھا۔ حضرت مولانا صاحب پروفیسر شیر حسن پروفیسر میر حاتم اور ڈاکٹر محمد انور پروفیسر خیبر میڈیکل کالج پشاور حضرت کے عمرہ کے رفقاء تھے۔ غالباً 6 رمضان المبارک کو روانگی تھی۔ بذریعہ PIA کراچی گئے۔ یہ بھٹو صاحب کی حکومت تھی اور بھٹو صاحب بہت سارے سندھی خاندانوں کو سعودی عرب

بھیج رہے تھے جس کی وجہ سے PIA میں ایک بھی سیٹ جدّہ کے لئے موجود نہیں تھی۔ ہم کراچی میں جناب امان اللہ صاحب جو کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے شملہ کے بچپن کے ساتھی تھے اور حضرت مولانا صاحبؒ کے معتقدین اور محبین میں سے تھے کے مکان پر کراچی ڈیفنس گئے۔ رات کو بعد افطاری جدہ کے لئے فلائیٹ تھی۔ بہت کوشش کی لیکن کوئی سیٹ نہیں مل رہی تھی۔ امان اللہ صاحب کے بیٹے کا سُسر عبد الرحمن PIA میں کپتان تھے۔ ان سے رابطہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ شام افطاری کے وقت ائیر پورٹ پر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا فرمائیں گے۔ ہم نے افطاری کا سامان ساتھ لیا اور کراچی ائیرپورٹ پر چلے گئے۔ افطاری ہم نے کراچی ائیرپورٹ پر کی۔ اللہ تعالیٰ عبد الرحمان صاحب کپتان PIA کا بھلا کرے کہ ان کی کوششوں سے PIA فلائیٹ میں ہم کو فرسٹ کلاس مین ۴ سیٹیں مل گئیں۔

مکہ مکرمہ میں

بحمد اللہ ہم بخیریت جدّہ اور جدّہ سے مکّہ معظمہ پہنچ گئے۔ مکّہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہوئے تو شامیہ میں دیر کے ایک ساتھی جن کا نام ارسلا خان تھا وہ ایک عربی جس کا نام حفیظ قطب تھا اور جو گھڑیوں کا کاروبار کرتا تھا، کے ساتھ ملازم تھا۔ قطب صاحب کی ایک بلڈنگ حرم شریف کے نزدیک محلہ شامیہ میں تھی۔ پوری بلڈنگ ارسلا خان کے پاس تھی۔ ہمارا قیام ارسلا خان کے ساتھ اس بلڈنگ میں تھا۔ ارسلا خان کے ساتھ ہماری واقفیت سید انور انجینئر کے واسطہ سے ہوگئی تھی۔ سید انور گدون امازئی کے موضع گندف کا رہنے والا ہے۔ پشاور یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری لی ہے اور پشاور یونیورسٹی میں قیام کے دوران حضرت مولانا صاحبؒ سے بیعت کا شرف حاصل

ہو گیا تھا۔ ان دنوں میں مکّہ سے طائف تک جو ہائی وے (سڑک) بن رہی تھی۔ اس میں چین کی ایک کنسلٹنگ کمپنی کے ساتھ بطور انجینئر ملازم تھے۔ اسی کمپنی نے ایک گیسٹ ہاؤس محلہ عزیزیہ میں لیا ہوا تھا جو سید انور کے پاس تھا۔ اس میں پانی بھی خوب تھا اور کمرے بھی ائیر کنڈیشنڈ تھے۔ ہم اشراق سے جب فارغ ہو جاتے تھے تو ایک ٹیکسی میں عزیزیہ اسی گیسٹ ہاؤس کو چلے جاتے تھے۔ وہاں پر عصر تک قیام رہتا تھا۔ عصر کے بعد پھر بذریعہ ٹیکسی حرم شریف آجاتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو حرم شریف میں بٹھا کر ہم شام کے کھانے اور افطاری کا بندوبست کر لیتے تھے۔ افطاری حرم شریف میں کرتے تھے۔ خوب گرمی ہوتی تھی۔ عزیزیہ کے گیسٹ ہاؤس سے ہم ساتھ برف لے آتے تھے۔ افطاری کے بعد شامیہ والے مکان پر چلے جاتے تھے۔ کھانا وہاں کھا لیتے تھے۔ لیکن گرمی اور پیاس کی شدت کی وجہ سے اتنا پانی اور شربت پی لیتے تھے کہ کھانے کے لئے پیٹ میں گنجائش نہیں رہتی تھی۔ تقریباً 20-25 گلاس پانی و شربت کے پی لیتے تھے۔ تراویح کے بعد پھر کچھ پھل وغیرہ کھا لیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں

رمضان کا آخری عشرہ مدینہ منورہ میں گذارا۔ باب جبریل کے سامنے ایک سعودی بلڈنگ تھی۔ اس میں ایک کمرہ کرایہ پر لیا۔ افطاری قدمین شریفین میں کرتے تھے۔ ان دنوں پشاور شہر کے جناب محمد اسلم سیٹھی صاحب بینک الجزیرہ مدینہ میں مینجر تھے۔ وہ چھٹی پر پاکستان جا رہے تھے۔ چھٹی پر جانے سے پہلے انہوں نے اپنے مکان کی چابی دی تھی۔ ان کے مکان سے ہم عصر کے بعد افطاری کے لئے برف لایا کرتے تھے۔ گرمی کی وجہ سے حرمین شریفین میں برف افطاری کے وقت ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔

کیونکہ نلکوں کا پانی اتنا گرم ہوتا تھا کہ نہانے کے لئے بھی اس میں فریج سے ٹھنڈے پانی کے ملانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ عیدالفطر زندگی میں پہلی مرتبہ مدینہ المنورہ میں گذاری۔ عید کے دوسرے تیسرے روز مکّہ مکرمہ واپس ہوئے اور عمرہ کیا۔ مکّہ مکرمہ میں قیام کے دوران برادرم سید انور نے طائف لے جانے کا پروگرام بنایا۔ اور کمپنی کی گاڑی میں ایک دن ہم کو طائف لے گئے۔ واپسی پر جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا اور پھر اکتوبر 1976ء کے پہلے ہفتہ میں براستہ کراچی پشاور واپسی ہوئی۔

پانچواں حج سال 1978ء

اکتوبر 1978ء میں حضرت مولانا صاحبؒ نے پانچواں حج ادا کیا۔ حج کے رفقاء میں حاجی فضل حسین صاحب تاجر پشاور، پروفیسر میر حاتم صاحب زرعی یونیورسٹی پشاور، خلیل احمد صاحب پروفیسر زرعی کالج ڈی آئی خان، فضل حمید صاحب رجسٹرار پشاور یونیورسٹی، شاہ جہان صاحب منیجر UBL بینک، عالم خان صاحب پروفیسر زرعی یونیورسٹی پشاور، ابراہیم خلیل تاجر پشاور، راشد شفیق تاجر پشاور، عبدالقدوس انجینئر واپڈا، ثاقب ممتاز پروفیسر انجینئرنگ کالج پشاور، شاہ عبدالرحیم صاحب لکی مروت، شیر حسن صاحب زرعی یونیورسٹی پشاور اور پروفیسر محمد اسلم شعبہء جغرافیہ پشاور یونیورسٹی۔

جب بھی حضرت مولانا صاحبؒ حج کا ارادہ کر لیتے تھے تو ساتھیوں کو مطلع کر دیتے تھے۔ ساتھی پاسپورٹ مع رقم وغیرہ حضرت مولانا صاحبؒ کے حوالے کر دیتے تھے بلکہ بعض ساتھیوں کی رقم کا بھی حضرت ہی بندوبست کر دیتے تھے۔ پھر ساتھی بے فکر ہو جاتے تھے کہ سارا فکر اور بندوبست حضرت مولانا صاحبؒ کریں گے۔ چونکہ اس دفعہ پھر وقت پر ہم نے حج کا داخلہ نہیں کیا تھا۔ اس لئے وزارت حج سے

NOC ویزہ کے حصول کے لئے لینا تھا۔ اس دفعہ بھی حسب دستور سابقہ قاضی نیاز صاحب انجینئر انٹر ہوم کمپنی جو ایوان صدر بنا رہے تھے، کی وساطت سے سیکرٹری وزارت حج کو درخواست دی تھی۔ الحمد اللہ سب 12 ساتھیوں کے لئے اجازت مل گئی اور حج پاسپورٹ پر ہم نومبر 1978ء جدّہ روانہ ہوئے۔ عالم خان اور راشد کی سیٹوں کا معاملہ تھا۔ عالم خان دوسرے تیسرے دن ایک علیحٰدہ فلائیٹ سے جدّہ پہنچے۔ اور مکہ مکرمہ میں ہمارے ساتھ آملے۔ راشد شفیق صاحب کو نیروبی کے راستے جانے والی فلائیٹ میں جگہ ملی جو جدّہ کے راستہ سے جاتی تھی۔ وہ اسی فلائیٹ سے آکر ہم سے آملے۔

مکہ مکرمہ میں

اس سال مکہ مکرمہ میں قیام تبلیغی مرکز مسجد الحفائیر میں تھا۔ حضرت مولانا سعید احمد خان نے ملحقہ مہمانوں کے کمروں میں سے دو کمرے ہماری رہائش کے لئے دیئے۔ کھانا بھی مرکز کے عمومی مطبخ سے ملتا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کے تبلیغی اکابر حضرات ہر دوسرے سال حجاز مقدس میں تبلیغی اجتماع کرتے تھے اور مدینہ منورہ سے باہر ملکوں کے لئے جماعتیں روانہ کی جاتی تھیں۔ اسی طرح جو جماعتیں باہر ملکوں میں کام کرتے حج پر آتے تھے۔ وہ بھی تبلیغی مرکز میں قیام کرتے تھے۔ اسی طرح اس سال بھی اجتماع تھا۔ ناشتہ کا بندوبست ہم خود کرتے تھے، معلم کا نام محمد قمر الدین تھا۔ جس کا دفتر محلہ مسفلہ میں تھا۔

مدینہ منورہ میں

حج کے بعد مدینہ منورہ روانگی ہوئی۔ اس وقت تک حرم مدینہ کی توسیع کا کام

شروع نہیں ہوا تھا۔ مدرسہ شرعیہ جو باب ملک عبد العزیز سے متصل ہے۔ اس کے قریب ایک مکان میں دو تین کمرے کرایہ پر لئے۔ مکان بالکل مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت مولانا صاحبؒ بہت شدید بیمار ہوئے۔ بہت تیز بخار، نزلہ زکام تھا۔ حضرت تو ویسے بھی مختلف اعذار اور بیماریوں کی وجہ سے کافی کمزور تھے۔ اس بیماری نے تو بالکل نڈھال کر دیا۔ علاج ڈاکٹر شوکت صاحب نے کی جو کہ اصلاً پشاور شہر کے ہیں۔ لیکن تقریباً 1960ء سے مکّہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں محکمہ صحت میں ملازم ہے اور اب تو ان کو سعودی قومیت بھی ملی ہوئی ہے اور مستقلاً مدینہ المنورہ میں قیام ہے۔ جن کا حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ پشاور کے طالب علمی کے زمانہ سے قریبی تعلق اور عقیدت ہے۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ ادا کیا اور پھر پشاور دسمبر 1978ء میں واپسی ہوئی۔

چھٹا حج سال 1981ء

حج کی منظوری

حضرت مولانا صاحبؒ کا حج پر جانے کا ارادہ ہوا۔ لیکن یہ ایسا آخیر وقت تھا کہ حج پر جانے والوں کے تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور خصوصی اجازت نامے کے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ اس لئے حج کے وزیر عباسی صاحب سے ملنے اسلام آباد چلے گئے۔ منسٹر صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ لوگ باہر ملک سے ڈرافٹ منگوالیں تو میں اجازت دے دوں گا۔ اسلام آباد سے سیدھے حبیب ہوٹل پشاور کے منیجر جناب کلیم صاحب کے پاس آئے۔ دُبئی میں ان کا کوئی دوست تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ کل جمعہ کو

چھٹی ہے۔ پرسوں میں ڈرافٹ لیکر خود آجاؤں گا۔ آپ راولپنڈی ائیر پورٹ پر میرا انتظار کریں۔ پرسوں ائیر پورٹ پہنچ کر اُن سے ڈرافٹ وصول کرکے سیدھے منسٹر حج کے دفتر چلے گئے۔ منسٹر صاحب ڈرافٹ دیکھ کر حیران ہوگئے۔ شاید ان کا خیال تھا کہ چودہ پندرہ بندوں کے لئے غیر ملکی ڈرافٹ یہ کیسے حاصل کریں گے۔ یہ اجازت نہ دینے کا آسان بہانہ ہے۔ اب فرمایا کہ آپ سعودی سفارت خانہ سے ویزہ لے لیں۔ تو پھر میں اجازت دے دوں گا۔ حضرت مولانا صاحبؒ بہت خفہ ہوئے۔ جب اس کے دفتر سے میر حاتم مولانا صاحب کو پیٹھ پر اُٹھا کر نکل رہا تھا تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کا چوکیدار کسی منسٹر یا عباسی کو نہیں بنایا۔ وہ جس کو چاہے اپنے گھر بلائے۔ اسلام آباد سے واپسی پر حاجی عبدالرحمان فرزند حضرت مولانا فقیر محمدؒ نے فرمایا کہ جناب عبدالحکیم خان صاحب سابق چیف جسٹس و گورنر پشاور اکثر شکایت کرتے ہیں کہ آپ لوگ اسلام آباد آکر ملتے نہیں۔ اس لئے گاڑی واپس موڑ کر اُن کے ہاں چلے گئے۔ انہوں نے اسلام آباد آنے کی غرض پوچھی تو حضرت مولانا صاحبؒ نے سارا قصہ بتادیا۔ انہوں نے جناب جسٹس افضل چیمہ سیکرٹری رابطہ عالمِ اسلامی سے فون پر بات کی اور انہوں نے صدر ضیاء الحق سے بات کرنے کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ ضیاء الحق رات 12 بجے کھانا کھاتے ہیں۔ اور وہی وقت ان سے بات ہوسکتی ہے۔ ہم نے اپنے نام و کوائف کی ایک لسٹ جناب عبدالحکیم خان صاحب کے حوالے کردی۔ ضیاء الحق صاحب نے چیمہ صاحب سے فرمایا کہ مولانا پہلے سوئے ہوئے تھے۔ بہر حال اجازت مل گئی۔

مکہ مکرمہ میں

اس سفر میں مولانا صاحب کے علاوہ میر حاتم، طلعت اقبال، عالمگیر، محمد اسرار،

حاجی نور جمال، ڈاکٹر سیار و اہلیہ، نعمان صاحب، احمد خان، مولانا صاحب کی اہلیہ، بڑے بھائی محمد اکرم خان اور اُن کی اہلیہ اور لاہور سے بھانجی بھی ساتھ تھے۔ کراچی میں جناب امان اللہ صاحب نے اپنے گھر میں رکھ کر خدمت اور مہمان نوازی کی حد کر دی۔ کراچی سے جدّہ اور جدّہ سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ لالہ اکرم نے اسلم سیٹھی جو وہاں بینک منیجر تھے، کے ذریعہ رہائش کا بندوبست کیا تھا۔ لیکن یہ جگہ پہاڑی کو کراس کر کے دُور مسجد حفائر کے علاقہ شارع منصور کے ساتھ تھا۔ مکان کا راستہ کچن سے ہو کر جاتا تھا۔ ہمارے لئے مناسب نہ تھا۔ خود تلاش کر کے محلہ اجیاد میں مکان ملا۔ جو مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ کمروں اور غسل خانوں پر مشتمل تھا۔ مکان کی تلاش میں ہماری پہلی ترجیح اُس کا غسل خانہ ہوا کرتا تھا۔ جس میں مولانا صاحب کو پیٹھ پر سوار آسانی سے داخل ہو کر اور مُڑ کر اس کو بٹھا سکیں اور خود نکل سکیں۔ اس کا کوڈ لفظ ہم نے دفتر رکھا تھا کہ پہلے دفتر دیکھو۔ بہر حال حج کے لحاظ سے یہ اچھی خاصی جگہ تھی۔ لیکن لالہ اکرم نے فرمایا کہ میں تو اس میں قدم بھی نہ رکھوں۔ مولانا صاحب کی انتہائی کوشش اور اصرار کے باوجود لالہ اکرم کو اندر نہ لا سکے۔ اور اپنے بیٹے ابراہیم کے واقف کوہاٹ کے ایک ٹھیکیدار کو فون کیا۔ اس نے ایک گھنٹہ کے اندر آنے کا کہا۔ لالہ اکرم اُن کے ساتھ چلے گئے۔ ان کے ساتھ حج کیا اور مدینہ منورہ جانے تک اُن کے ساتھ رہے۔ مدینہ منورہ جاتے ہوئے بدر میں ظہر پڑھنے اور کھانے کے لئے رُکے۔ کچے چھپر اور بُن کے چارپائیوں والے ہوٹل تھے۔ ایک بڑے تھال میں چاول ڈال کر اوپر روسٹ مُرغ رکھ کر لے آئے۔ اب لالہ اور ساتھ کچھ لوگ کھا نہیں رہے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ پلیٹ چھری کانٹا لے آئیں تا کہ کھانا شروع کریں۔ خیر مولانا صاحب نے بتایا کہ یہ ایک قصبہ اور معمولی ہوٹل ہے۔ اپنے ہاتھ سے کھانا شروع کریں۔

مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ رات دیر سے پہنچے۔ اس لئے صبح بمشکل اٹھ کر مسجد نبوی میں باجماعت نماز پڑھ لی۔ تاکہ چالیس نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ پوری ہو جائیں اور تھکن اور بے خوابی کی وجہ سے پھر سو گئے۔ کھانے پینے کے برتن بھی کہیں بندھے ہوئے پڑے تھے جو جس وقت اُٹھا۔ بازار جا کر چائے پی لی۔ اکرم لالہ نے ہمیں خوب ڈانٹ پلائی کہ میری عادت صبح چھ بجے چائے پینے کی ہے۔ تم لوگوں نے چائے نہیں بنائی۔ رہائش کے لئے بندوبست سیٹھی اسلم صاحب نے فندق سرور میں کیا تھا۔ ایک کمرہ مع غسل خانہ کے تو لالہ اکرم نے اپنے اور اہلیہ کے لئے مختص کر دیا۔ باقی ایک کمرے میں باقی عورتیں اور دوسرے کمرے میں تمام مرد حضرات رہنے لگے۔ زیادہ مسئلہ مردوں کے غسل خانے کا تھا۔ کیونکہ جب مولانا صاحب کو غسل خانے لے جاتے تو وضو وغیرہ سے فراغت گھنٹہ ڈیڑھ لگ جاتا تھا۔ گھر والوں اور رشتہ داروں کے الگ الگ مطالبات و خواہشات ہوا کرتے تھے۔ لیکن مولانا صاحب سب نبھا لیتے۔ سب کو اکٹھا رکھتے۔ شکایتوں کا ازالہ کرتے اور خواہشات پوری کرتے۔ مولانا صاحب کی انتہائی خواہش ہوا کرتی تھی کہ رشتہ دار کسی طرح بھی حج و عمرہ کر لیں۔ اور دینی کاموں میں لگ جائیں۔ انہی کی دعاؤں کا اثر ہے کہ مولانا صاحب کی بھانجی کا بیٹا جناب عامر آج ہمہ وقت تبلیغ کے کام میں لگا ہوا ہے۔

اس سفر میں مقامات مقدسہ کے علاوہ کعب بن اشرف یہودی کے قلعہ کے کھنڈرات بھی دیکھے جو مسجد قباء کے نزدیک ہیں۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔ دوبارہ عمرہ کر لیا اور وقت مقررہ پر جدّہ سے پاکستان واپسی ہوئی۔

ساتواں حج سال 1984ء

اِس حج کے لئے مولانا صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ پشاور سے راولپنڈی چلے گئے اور اپنے بھانجے کرنل عطاء اللہ خان کے ہاں قیام کیا۔ رفقاء میں محمد نعمان، احمد خان، طلعت اقبال، عبدالرحمان، محمد سعید مولانا صاحب کے سالے، انجینئر نسیم صاحب لاہور والے، میر حاتم کی اہلیہ، کرنل عطاء اللہ خان مولانا صاحب کی بھانجی اُم عامر، شامل تھے۔ جناب شیر حسن اور میر حاتم نے امریکہ سے آکر مولانا صاحب کے ساتھ حج میں شمولیت کرلی۔ حجاج کا یہ قافلہ اواخر اگست میں بذریعہ ہوائی جہاز اسلام آباد سے جدّہ پہنچا۔ جدّہ میں انجینئر عبدالمنان خلیفہ ءمولانا صاحب استقبال کے لئے موجود تھے۔

مکہ مکرمہ میں

ائیرپورٹ سے قافلہ عبدالمنان صاحب کی سرکردگی میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ مردوں کے لئے ڈاکٹر شیر علی کی وساطت سے تنعیم میں رہائش کا انتظام تھا اور خواتین اور ان کے متعلقین کے لئے ڈاکٹر شیر علی نے محلہ شبیکہ میں محکمہ اوقاف کے ایک بلڈنگ میں پورا فلیٹ کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ اس لئے مرد تو سارے تنعیم میں تھے اور کرنل عطاء اللہ اپنی بہن کے ساتھ اور حاجی غضنفر اپنے دونوں ہمشیرگان کے ساتھ اس فلیٹ میں مقیم تھے۔ ڈاکٹر شیر علی موضع اسماعیلہ صوابی کے باشندے سعودی شہریت کے مالک ہیں۔ حکام اور کعبہ کے اماموں کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ معلمین کی طرح ان کو بھی منیٰ عرفات میں جگہیں الاٹ ہیں۔ ہر سال دو تین سو افراد آقارب اور دوست احباب کو ان میں ٹھہراتے ہیں۔ حج بھی انہی کے زیر انتظام کیا۔ ڈاکٹر صاحب مولانا صاحب کے محبین اور عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ شیر حسن امریکہ میں اپنی پی ایچ۔ڈی کی تعلیم مکمل کرکے واپسی پر

حج کے لئے تشریف لائے۔ منیٰ میں حضرت مولانا صاحب سے پہلی ملاقات ہو گئی۔ مولانا صاحب بہت خوش ہو گئے اور دیکھتے ہی فرمایا کہ جیسے ملنگ گئے تھے۔ ویسے ہی ملنگ آ گئے۔ بہت خوشی ہوئی کہ امریکہ کے چار پانچ سال کے قیام کے دوران وضع قطع لباس، عادات و اطوار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ان کا قیام اپنے معلم کے ہاں تھا۔ لیکن اکثر اوقات مولانا صاحب کے پاس ہوتے تھے۔ حج کے فوراً بعد مدینہ منورہ چلے گئے اور جس دن مولانا صاحب مع رفقاء کے مدینہ تشریف لائے تو وہ مدینہ سے واپس جا رہے تھے۔

عجیب واقعہ

میر حاتم اِس حج میں اپنی شمولیت کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ زرعی یونیورسٹی پشاور اور یو ایس ایڈ کے معاہدہ کے تحت بندہ کو چار ماہ کے لئے امریکہ جانا ہوا۔ اس کے لئے میڈیکل ٹیسٹ کرتے ہوئے لیبارٹری والے نے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ امریکہ کس لئے جا رہے ہیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ حج کے لئے تو وہ حیران ہوا۔ بندہ نے وضاحت کی کہ میں نے امریکہ سے کیا لینا۔ میرا تو غرض ہے کہ آتے جاتے حج یا عمرہ کر لوں۔ یہ بات جب حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کو سنائی تو بہت ہنسے اور پھر ہر جگہ فرماتے تھے کہ یہ امریکہ حج کے لئے جاتے ہیں۔ ٹکٹ چونکہ یو ایس ایڈ نے دینا تھا۔ ایر لائن والے نے کہا کہ کچھ زیادہ رقم لے کر جدہ کو ٹکٹ میں شامل کر دے گا۔ جب سیٹ نہیں مل رہی تھی تو اس نے کہا کہ میں تو پریشان ہو گیا۔ کیا کرے۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں تو پریشان نہیں۔ انشاء اللہ ضرور جدہ جاؤں گا۔ سیٹ جس دن بھی ملے۔ امریکہ دو چار دن لیٹ ہو جاؤں تو کوئی بات نہیں۔ اُن کی پریشانی دیکھ کر دفتر کے ایک دوسرے بندے نے کہا کہ اگر براستہ ریاض ہو جائے تو بندہ نے عرض کیا کہ میں تو جدّہ

پہنچنا چاہتا ہوں۔ خواہ کہیں سے بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ منٹ میں کام کر دیا اور بندہ اسلام آباد سے براستہ ریاض جدّہ پہنچا اور پھر جدّہ سے مکہ مکرمہ۔ ایک رات قیام کر کے عمرہ کیا اور پھر مدینہ منورہ زیارت کر کے واپس مکہ مکرمہ آیا۔ رات کو پہلی رمضان کی تراویح پڑھ رہے تھے حرم میں بندہ مولانا فقیر محمدؒ صاحب اور عبدالمنان کے درمیان کھڑا تھا اور پھر جدّہ سے لندن روانہ ہونا تھا۔ حضرت کو میرے اضطراب کا احساس ہوا۔ عبدالمنان کو کہا کہ آپ کا ڈرائیور تو آیا نہیں۔ میر حاتم کو آپ خود اسی وقت جدّہ پہنچا دیں۔ یہ کافی لمبا سفر تھا۔ بندہ نے رخصت پر عمل کر کے روزہ نہیں رکھا۔ امریکہ اپنے منزل پر پہنچ کر سحری کے لئے ٹوسٹ اور جیم سے کام چلا کر روزے رکھنے شروع کئے۔ انگریز ساتھی حیران تھے کہ آپ تمام دن کچھ نہیں کھاتے۔ پانی بھی نہیں پیتے۔ یہ تو بہت مشکل ہے رمضان میں تراویح بندہ اور پروفیسر حافظ عنایت اللہ صاحب دونوں باجماعت پڑھتے تھے۔ دوران قیام خط و کتابت میں بندہ نے حضرت مولانا صاحب سے درخواست کی کہ اگر حج پر آنا ہوا تو بندہ کی اہلیہ کو بھی ساتھ لے آئیے۔ بندہ کا خود حج کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد بندہ اکثر اپنے قیام گاہ سے باہر رہا اور مولانا صاحب سے دوبارہ رابطہ یا خط و کتابت نہ ہو سکی۔ لیکن بہر حال بندہ نے اپنے دو اَور ساتھیوں پروفیسر محمد کریم خان اور پروفیسر حافظ عنایت اللہ کے ساتھ حج کی تیاری مکمل کر لی۔ اور واشنگٹن سے ویزا اور دوسرے ضروری کاغذات حاصل کر لئے۔ حج میں ابھی دو چار دن باقی تھے۔ ساتھیوں نے فرمایا کہ ہمارے کچھ پیسے حکومت کے ذمے باقی ہیں اور کسی سے ملنا بھی ہے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ واشنگٹن چلے جائیں۔ وہاں سے پھر اکٹھے واپسی ہو گی۔ بندہ نے عرض کیا کہ دو دِن واشنگٹن کی بجائے مکہ مکرمہ میں کیوں نہ گذاروں اور اپنے پروگرام کے مطابق روانہ ہوا۔ یہ سفر نیویارک سے جدہ براستہ لندن تھا۔ لندن سے

احرام باندھا۔ جدہ میں رات دو بجے کے بعد کسٹم جوازات وغیرہ سے فارغ ہو کر حج ٹرمینل پر ایک مسجد میں سو گیا۔ اُٹھ کر بمشکل طلوع سے پہلے فجر پڑھ لی۔ تھکاوٹ بہت تھی۔ پبلک ٹیلیفون سے عبد المنان کے ساتھ بات ہوئی۔ جب انہوں نے فرمایا کہ مولانا صاحب تشریف لا چکے ہیں تو بندہ کی تمام تھکاوٹ و پریشانی چھٹ گئی اور فرمایا کہ آپ کی اہلیہ بھی آئی ہے پھر بندہ نے خود ہی اس کو بتایا کہ نعمان، احمد خان، فلاں فلاں بھی آئے ہیں۔ کیونکہ بندہ نے ان کو چند دن پہلے خواب میں مولانا صاحب کے ساتھ حج پر دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لوگ تنعیم (مسجد عائشہ) میں ٹھہرے تھے۔ اس لئے بندہ نے عرض کیا کہ تنعیم میں اُتر کر کوئی بندہ میرے لینے کے لئے آجائے۔ بس جب روانہ ہوئی تو پتہ چلا کہ بس تنعیم کے راستے سے نہیں بلکہ دوسرے راستہ سے سیدھے مکہ مکرمہ جائے گی۔ پریشان ہوا لیکن سوچا کہ چلو مکہ مکرمہ جاکر واپس تنعیم آجاؤں گا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر جمعہ کی اقامت ہو رہی تھی اور صفیں گلیوں تک بن چکی تھی۔ بکس ایک طرف رکھ کر نماز میں شامل ہوا۔ سلام کے بعد دیکھا کہ حاجی غضنفر صاحب اور عطاء اللہ خان مولانا صاحب کے بھانجے ساتھ کھڑے تھے۔ علیک سلیک کے بعد انہوں نے بتایا کہ سارے خواتین اسی مکان میں ٹھہری ہیں۔ آپ کی اہلیہ بھی اِدھر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی جو مجھے سیدھا یہاں لے آئے۔ حاجی غضنفر کے ساتھ دو اور عطاء اللہ خان کے ساتھ ایک ہمشیرہ اس مکان میں تھے۔ امریکہ میں کریم خان اور حافظ صاحب سے جدا ہوتے وقت انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ ہمیں جدّہ ائیر پورٹ پر مل لیں۔ تاکہ حج آپ کے ساتھ کر سکیں۔ ٹکٹ کے مطابق ان کو 7 ذی الحج کی رات جدہ پہنچنا تھا۔ اس لئے بندہ حسب وعدہ جدہ روانہ ہوا۔ جبکہ مولانا صاحب مع ساتھیوں کے عشاء کے بعد منٰی روانہ ہوئے۔ اب تمام ٹریفک اور ہر چیز منٰی جا رہی تھی۔ اور صرف بندہ جدّہ جا رہا تھا۔ بے پناہ

مشکلات کے ساتھ خصوصی ٹیکسی لیتے ہوئے جدہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچا۔ وہاں سے پیدل احرام کی حالت میں حج ٹرمینل کئی بار جانا پڑا۔ مگر حج ٹرمینل تو ایک دن پہلے بند ہو چکا تھا۔ اس لئے تمام رات خوار ہو کر جب مکہ مکرمہ واپس پہنچا تو صبح کی آذان ہو رہی تھی۔ یہ حج بھی ڈاکٹر شیر علی کے زیر انتظام منٰی عرفات کے خیموں میں کیا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے۔ دَس دِن رَباط مکی میں گذار کر مولانا صاحب تو ابھی ٹھہرے تھے۔ لیکن دوسرے ساتھی اپنے اپنے پروگرام کے مطابق واپس ہوتے گئے۔ بندہ اپنی اہلیہ اور مولانا صاحب کی بھانجی کے ساتھ پشاور واپس ہوئے۔ مولانا صاحب باقی رفقاء کے ساتھ وقت مقررہ پر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور پھر بذریعہ ہوائی جہاز جدّہ سے کراچی تشریف لائے۔ کراچی میں ڈیفنس کالونی میں جناب آمان اللہ خان صاحب کے مکان پر تین دِن قیام رہا۔ حضرت سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا یوسف بنوری کے مزارات پر حاضری اور ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب سے ملاقات کے بعد پشاور تشریف لائے۔

آٹھواں حج سال 1987ء

مولانا صاحب کو کسی نے حج کے لئے کچھ روپے ہبہ کر دیئے۔ اہلیہ صاحبہ نے بھی سلیمان کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کر دی۔ سلیمان چونکہ چھوٹا تھا اور حج پر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے فیصلہ یہ ہوا کہ رمضان میں عمرہ پر جا کر حج کے لئے ٹھہر جائیں گے۔ مولانا صاحب کی ساس و اہلیہ صاحبہ اور سلیمان کی حقیقی والدہ بھی ساتھ ہو گئیں۔ اس کے علاوہ بیت اللہ خادم، عزیز خان کشمیری، شیر حسن، میر حاتم، احمد خان، حسن خان، نعمان اور محمد ادریس برادر مولوی محمد یوسف برجوی ساتھ تھے۔

مکہ مکرمہ میں

تمام ساتھی 25 مئی 1987ء بمطابق 28 رمضان مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ حاجی عبدالمنان صاحب مکّہ سے لینے آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے مکان واقع سوق المجانین شارع منصور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ہم تو تھکان کی وجہ سے سحری کھانے کے لئے نہیں اٹھ سکتے تھے۔ لیکن ان دونوں میاں بیوی نے کھانا وغیرہ تیار کر کے ہمیں کھلایا۔ حالانکہ وہ بھی ہم جتنے تھکے تھے۔

عبدالمنان کے گھر میں

خواتین اندر کے ایک کمرے میں اور مرد حضرات باہر کے دو کمروں میں قیام پذیر ہوئے۔ کھانا پکانا مردوں نے اپنے ذمہ لیا۔ عزیز جان سے بہت توقع تھی۔ لیکن وہ دوسرے دن ہی ہم سے الگ ہو کر اپنا بندوبست شروع کیا۔ بیت اللہ نے خوب خدمت کی۔ کبھی نا نہیں کہا ہمیشہ ہر خدمت کے لئے تیار رہتے۔ ہم سے زیادہ عورتوں کی خدمت کرتے۔ جب سب لوگ دوپہر کو سوجاتے تو بیت اللہ سلیمان کو لیکر بغیر سوئے عصر تک بہلاتے۔ کبھی شکایت زبان پر نہ لائے۔ پوچھنے پر بتاتے کہ چپ میں خیر ہے۔ عبدالمنان کے مکان میں ہمیں کافی سہولت تھی رہائش کے علاوہ ٹیلیفون کچن، فریج، برتن وغیرہ۔ مولانا صاحب اور چند ساتھیوں کو وہ خود گاڑی میں حرم لے جاتے لے آتے۔ اس کے باوجود عورتوں نے ہڑتال کر دی کہ ہم اس گھر میں نہیں رہتے۔ ہمیں دوسرا گھر دلوایا جائے۔ مولانا صاحب نے مرد و خواتین کی میٹنگ بلائی۔ ایک کمرے میں ہم دوسرے میں عورتیں درمیان میں دروازہ تھا۔ انہیں تمام سہولیات کے بارے میں سمجھایا۔ مگر وہ بضد رہیں۔ اس لئے ان سے کہا کہ دوسرے مکان میں آپ بھی اپنی

پکانے کی ذمہ داری نبھائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس گھر میں فریج اور پکانے کا بندوبست نہ ہو۔ اس لئے اپنا مٹی کے تیل کا چولہا رکھنا ہو گا۔ اس کے علاوہ مکان ڈھونڈنے کے لئے آپ ساتھ جائیں گے جو آپ کو پسند وہی مکان لے لیں گے۔ وہ جانے کے لئے تیار نہ تھیں اور فرمایا کہ جو آپ پسند کر لیں گے۔ ہمیں اعتراض نہیں ہو گا۔ ہم نے بتایا کہ پھر ہم نے اس مکان کو پسند کیا ہے۔ اس میں رہو۔ خیر انہوں نے مطالبہ چھوڑ دیا۔ شیر حسن صاحب 22 جون کو سرکاری دورہ پر جرمنی گئے۔ پاکستان واپس آکر حج ویزہ پر 27 جولائی کو ہم سے دوبارہ مل گئے۔

حج کے لئے اجازت نامہ

رمضان کے بعد حج کے اجازت نامہ کے لئے دوڑ دھوپ شروع ہوئی۔ چیمہ صاحب کی رابطہ عالمِ اسلامی کے نام خط سے بھی کام نہیں بنا۔ ڈاکٹر شیر علی نے ہماری بہت مدد کی اور ڈپٹی گورنر مکہ سے ہمیں اجازت دلوائی۔ ہم برابر حرم آتے جاتے رہے۔ مگر مولانا صاحب کی برکت سے کبھی کسی نے پوچھا تک نہیں۔ حالانکہ ہمارے ویزے ختم تھے۔ اور پولیس ہمارے سامنے لوگوں کو پکڑ کر گاڑی میں ڈال رہے تھے۔ ڈاکٹر شیر علی کو سعودی نیشنلٹی ملی تھی۔ انہوں نے اپنا کارڈ ہمیں دیا تھا۔ بہت متحرک اور پرجوش انسان تھے۔ سعودی افسران، گورنر وزراء اور خاص کر آئمہ حضرات سے گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔ بڑے امام سُبیلؒ صاحب جب جدّہ میں آپریشن کے لئے داخل ہوئے تو ڈاکٹر شیر علی کو خصوصی طور پر ساتھ رکھا۔ مکہ میں ڈاکٹر صاحب کا نجی ہسپتال ہے۔ جس میں مختلف شعبہ جات کے وارڈ اور سپیشلسٹ موجود ہیں۔ ہسپتال کا کمرہ کسی اچھے فائیو سٹار ہوٹل سے کم نہیں۔ ان کو وزارت حج کی طرف سے منیٰ اور

عرفات میں دوسرے معلموں کی طرح جگہیں الاٹ ہیں۔ مولانا صاحب نے کئی دفعہ ان کے زیر انتظام حج کیا۔ اس کے علاوہ پاکستان خاص کر پشاور سے اکثر سپیشلسٹ ڈاکٹر ان کے ساتھ والے انتظام میں حج کرتے دیکھے۔ اب وفات پا چکے ہیں۔

حرم مکہ میں ایک دن صبح کی نماز کے فوراً بعد ایک شخص کو لے آئے اور تعارف کرایا کہ یہ میجر جنرل ہیں۔ اور حرم مکہ کی سکیورٹی کے انچارج ہیں۔ تھوڑی دیر مولانا صاحب کے ساتھ بیٹھے پھر چلے گئے اور ڈاکٹر کے ہاتھ مولانا صاحب کے لئے ایک پروانہ بھیجوایا کہ یہ صاحب کرسی نشین جس دروازے سے بھی چاہے حرم میں داخل ہو سکتا ہے۔ کرسی کو صرف باب صفا سے جانے کی اجازت تھی۔ اور طواف میں کرسی کا استعمال صرف حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کو تھی۔ ہم جب مولانا صاحب کو لیکر کسی دروازے کی طرف بڑھتے تو دربان دور سے ہاتھ کا اشارہ کرتے کہ باب صفا چلے جاؤ۔ لیکن قریب پہنچ کر جب پروانہ دکھاتے تو حیران ہو کر کہتے۔ واللہ ابو لولو۔ مِنْ اَیِّ باب کہ سکیورٹی چیف نے اجازت دی ہے کہ کسی بھی دروازے سے جا سکتا ہے اور اجازت دے دیتے۔

مدینہ منورہ میں

حج کی اجازت ملنے کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے۔ مدینہ منورہ میں رباط مکی میں صوفی اسلم کے کمروں میں مقیم ہوئے اور حج شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے واپس مکہ مکرمہ عبد المنان کے مکان میں آ گئے۔ ادریس شوگر کے مریض تھے اور خود انسولین کی انجکشن لگایا کرتے تھے۔ 8 ذی الحجہ کو منیٰ پہنچے۔ دوسرے دن صبح عرفات روانہ ہوئے۔ عرفات پہنچ کر ادریس کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی۔ اس لئے عرفات ہی میں ہسپتال میں داخل کرادیا۔ مزدلفہ میں رات گذار کر جب منیٰ آئے تو ادریس کو منیٰ کے ہسپتالوں میں تلاش کیا۔ مگر نہ مل سکے۔ تلاس بسیار کے بعد مکہ مکرمہ کے شیشہ ہسپتال

میں ان کی لاش ملی۔ پیشانی پر نام لکھا ہوا تھا۔ احرام باندھا ہوا عینک ساتھ پڑے تھے۔ ہمارے لئے یہ کتنے افسوس اور غم و اندوہ کے لمحات تھے اور ان کے لئے کتنے سعادت کے کہ احرام کی حالت میں دُھلا دُھلایا اللہ تعالیٰ کے حضور چلے گئے۔ یہ عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ مولانا صاحب کو ہم نے نہیں بتایا کہ پھر ساری رات پریشان ہونگے۔ لیکن انہوں نے خود فرمایا کہ بیٹا میرا جی کہتا ہے کہ وہ اسی ہسپتال میں ہیں۔ شاید کشف ہوا ہوگا۔ فجر کو جب ہم نے بتا دیا۔ تو مولانا صاحب نے ٹیلیفون پر بشیر طارق صاحب کو ہدایات دیں کہ جاکر ادریس کے والدین اور بھائیوں کو بتا دینا اور دَفن کے بارے میں رائے معلوم کرلینا۔ والدین نے وہی مکہ مکرمہ میں دَفن کرنے کی رائے دی۔ ہسپتال سے میت کا وصول کرنا ایک کٹھن اور دُشوار مسئلہ تھا جو عبدالمنان صاحب کی دوڑ دھوپ غمگساری اور اخلاص کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ شر شوریٰ میں شیوؤن الموتیٰ کے ایمبولینس میں ہسپتال سے لے آئے اور غسل و جنازہ کے بعد جنت المعلیٰ کے قبرستان میں دَفن کیا۔

چوں رَسی بہ کوئے دلبر بسپار جان مُضطر
چہ خبر کہ بارِ دیگر نہ رَسی بہ ایں دِیارے

(اللھم اغفرہ والرحمہ)

پشاور واپسی پر مولانا صاحب ائیر پورٹ سے سیدھے محمد ادریس کے مکان پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ فاتحہ پڑھی اور لواحقین کو تسلی دیکر کافی دیر کے بعد اپنے مکان تشریف لے آئے۔

نواں حج سال 1995ء

حضرتؒ نے اپنا آخری اور نواں حج 1995ء میں کیا۔ جناب عبدالرحمان صاحب خلف الرشید مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت اشرف علی تھانویؒ جو کہ

سینئر تھے۔ انہوں نے بہت راز داری میں حضرت مولانا صاحب اور دو خادم محمد نعمان صاحب اور تاسیر صاحب کے پاسپورٹ حاصل کئے اور ویزوں کا بندوبست بالکل حج کے آخری دنوں میں کیا۔ چونکہ مولانا صاحب کسی کو انکار نہیں کرتے تھے۔ اگر حج کے پروگرام کو افشاء کرتے تو بہت سارے ساتھی تیار ہوتے اور سب کے لئے ویزوں کا بندوبست مولانا صاحبؒ کو کرنا پڑتا جو مشکل تھا۔ اس لئے حج کے پروگرام کو ظاہر نہیں فرمایا۔ عبدالرحمان صاحب غالباً 3-4 ویزوں کا بندوبست کر سکتے تھے۔ مولانا صاحب مع نعمان اور تاسیر صاحب حج پر گئے۔ مولانا صاحب کی ہمت اور حوصلہ بھی قابل رشک ہے۔ ان دنوں بہت ہی گرمی بھی تھی۔ آپ کی صحت بھی بہت گر چکی تھی۔ کمزوری بھی انتہا پر اور آج کل حج کا اژدھام جہاں جوانوں کے حوصلے و ہمت بھی جواب دے دیتے ہیں۔ لیکن حضرتؒ حج کے لئے تیار ہوئے اور حج ادا کیا۔ 14 جون 1995ء کو واپسی ہوئی۔ بحمد اللہ صحت بھی اچھی تھی۔ حج کے بعد خوب ہشاش بشاش تھے۔

باب۔6

بیعت و سلوک

مولانا صاحب حدیث ناگفتنی میں ارقام فرماتے ہیں کہ ”شبلی کی سیرت النبی ﷺ (اول و دوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا تھا مجھ پر شبلی کا بڑا احسان ہے کہ ان کی سیرت النبی ﷺ نے سیرت سے شغف بخشا اور اس کا اثر تھا کہ آخرش سیرت نگار نبوی جانشین شبلی اپنے شیخ و مربی اول حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندویؒ کو غائبانہ اپنا دِل دے بیٹھا۔ گویا شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک رسائی کا سبب اول بنے۔ ان کی سیرت نہ ہوتی تو فقیر کوچہ سلیمانی کی گرد کو سرمہ چشم نہ بنا سکتا“۔

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اِک نظر
جس نے دنیا ہی بدل دی عشق کی میرے لئے

پہلا خط

مزید فرماتے ہیں کہ والدہ صاحبہ کے کتب خانہ میں بہشتی زیور اور التکشف میں پیر و مرید کے باہمی آداب و ضوابط پڑھ کر راہ سلوک مجھ جیسے کوتاہ ہمت کو پہاڑ معلوم ہوتی تھی اور اس گھاٹی کے قریب جانا بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اِسی کشمکش اور اضطراب میں مبتلا تھا کہ 22 جولائی 1943ء کو روزنامہ ڈان دہلی میں حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانویؒ کے وصال کی خبر پڑھی۔ اُس میں حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں

حضرت سید سلیمان ندویؒ کا نام پڑھا۔ خوش بختی نے کہا۔

آمد آں یارے کہ مامی خواستیم

حضرت سید صاحب کے خدمت اقدس میں رسائی کا بہانہ ملا اور 19 اکتوبر 1943ء حضرت سید صاحب کو خط لکھا اور پوچھا کہ روزنامہ ڈان میں پڑھا کہ آپ حضرت تھانویؒ کے روحانی خلیفہ ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا آپ پیری کی بیعت لیتے ہیں۔ اُس کے ضوابط پوچھے اور بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ چوتھے دن خط کا جواب اعظم گڑھ سے پشاور پہنچا۔ مکاتبت کا دروازہ کھل گیا اور سلوک کی مہیب راہ حکمت سلیمانی سے گلکدہ جنت معلوم ہونے لگی۔ حضرت سید صاحب نے لکھا کہ بیعت غائبانہ بھی ہو سکتی ہے۔ صرف یہ شرط ہے کہ اپنی اصلاح کی عزیمت دِل میں پیدا ہو اور جس سے تعلق رکھنا ہو اُس سے محبت ہو۔ اِس دوران اگست 1943ء معارف اعظم گڑھ میں سید صاحب کا مضمون حضرت تھانویؒ کے وصال پر بعنوان ''موت العالم موت العالم'' آچکا تھا۔ اُس نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور کوچہء سلیمانی کی گرد ہمیشہ کے لئے سرمہء چشم بن گئی اور طریق اشرفی کی بادہ پیمائی سرمایہ سعادت ٹھہری۔

دوسرے مکتوب مورخہ 9 نومبر 1943ء میں مولانا صاحب رقم طراز ہیں کہ دو دِن پہلے مکرمت نامہ صادر ہوا تھا۔ لیکن نفس کسی طرح گوارا نہ کرتا تھا کہ کسی بندش میں آئے۔ لیکن آخر اللہ کا فضل اور آپ کی دعا کا اثر تھا کہ آپ نے جس طرح فرمایا تھا۔ دو نفل اُسی طرح پڑھ کر اللہ سے توفیق مانگی ہے کہ اللہ آگے تمام گناہوں سے بچائے اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق دے۔ حضرت الشیخ نے فرمایا کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر جو دُعا مانگی۔ یہ گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کے لئے صحیح راستہ پر چلنے کا اِرادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ

آپ کی دُعا کو قبول فرمائیں۔ مکاتبت کا سلسلہ چلتا رہا۔ جو 53 تربیتی خطوط پر مشتمل ہے۔ حضرت سید صاحب کا آخری خط 7 نومبر 1953ء کو کراچی سے لکھا گیا ہے۔

سید صاحبؒ سے پہلی ملاقات

سید صاحب جون 1950ء میں ہندوستان سے کراچی منتقل ہو گئے اور اس طرح مولانا صاحب کا سید صاحب سے بالمشافہ ملاقاتیں اور استفادہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر میں تعارف اشرف کے نام سے جناب ڈاکٹر مولوی غلام محمد صاحب نے پہلی ملاقات کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ آواخر 1950ء کی بات ہے کہ بندہ سید صاحب کی خدمت اقدس میں عصر و مغرب کے درمیان حاضر تھا۔ ایک باریش میانہ قامت، سرخ و سفید نوجوان، قمیص شلوار میں ملبوس، سر پر قراقلی ٹوپی پہنے ہاتھ میں چھڑی اور چھڑی کے سہارے تکلف سے چلتے ہوئے آئے۔ کمرے کے کھلے دروازے پر رک کر حضرت کی خدمت میں ادباً سلام عرض کیا۔ جواب دیتے ہوئے حضرت نے ناآشنایانہ نظر جو ڈالی تو فوراً دبی زبان سے عرض کیا: اشرف! حضرت نے فرمایا۔ اچھا آپ ہیں۔ بلا کر پاس بٹھایا۔ شفقت سے پیش آئے۔ گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد جب چلے گئے تو حضرت نے فرمایا: ”یہ محمد اشرف خان صاحب پشاور کے باشندے ہیں۔ مجھ سے خط و کتابت کے ذریعے اصلاح کا تعلق رکھتے ہیں۔ ملاقات آج پہلی بار ہوئی ہے“۔ خط و کتابت کے ذریعہ ہدایات لینے کے علاوہ اب مولانا صاحب براہ راست صحبت شیخ سے فیضاب ہونے لگے۔ سال میں تین چار بار کراچی کا چکر لگاتے اور حضرت کے صحبت سے فیضیاب ہوتے۔ حضرت کے عام مجلس کا وقت عصر تا مغرب تھا۔ چونکہ مولانا صاحب پشاور سے جاتے۔ اس لئے بقول مولانا صاحب انہیں خصوصی طور پر صبح نو بجے سے بارہ بجے کا وقت

دیا تھا۔ حضرت مطالعہ میں مصروف ہوتے یا کوئی تصنیفی کام کرتے اور مولانا صاحب خاموش بیٹھے رہتے۔ ایک دن صبح سے چار بجے تک بیٹھا رہا۔ دل میں خطرہ گذرا کہ حضرت نے ایک بھی بات نہیں کی۔ کتاب فوراً رکھ لی اور فرمانے لگے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تقریر کر اور اکبر کہتا ہے کہ تاثیر دکھا تقریر نہ کر۔ یعنی حضرت میرے حال سے بے خبر نہ تھے۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ 1943ء سے لیکر 1953ء حضرت کی وفات تک کا دس سالہ زمانہ ایسا گذرا کہ جہاں بھی رہا۔ دِل اُن کے پاس تھا اور اُن کی ہر تحریر و ہر سطر فقیر کے لئے سرمہ بینش، مایہ تسکین، مہمیز عمل، اور روشنی کا مینار تھی۔ سلیمانیات کا جو حرف و شوشہ ملا، حرز جان تھا۔ فکر و نظر کی رہنمائی ہمیشہ حضرت والا کے تحریروں اور ارشادات سے پائی۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ یہی فقیر کا سرمایہ زندگی ہے۔ طویل بیماری کے بعد 22 نومبر 1953ء کو سید صاحب کا وصال ہوا۔ اپنے عصر کی مجلسی گفتگو میں مولانا صاحب خود فرما رہے تھے کہ وصال کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ تقریباً ایک سال اِس کشمکش میں گذرا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ کہاں جاؤں۔ کیونکہ جب تک سلوک میں اجازت ملی نہ ہو۔ انسان ناقص ہی ہوتا ہے۔ سید صاحب کا اتنا اونچا معیار تھا کہ کسی کو باقاعدہ خلافت نہیں فرمائی۔ بلکہ سید صاحب بیعت اس درجہ پر کرتے تھے کہ بعض جگہوں میں اُس درجہ پر خلافت دی جاتی تھی۔

دوسرے شیخ کی تلاش

17 جمادی الثانی 1401ھ کو عصر کے وقت مجلسی گفتگو میں جو میر حاتم نے قلم بند کیا۔ مولانا صاحب نے اپنا سفر سلوک اس طرح بیان کیا کہ 1954ء میں ایم۔اے عربی کرنے کے بعد بندہ اپنے بڑے بھائی محمد اسلم خان کے ہاں جہلم میں مقیم

تھا۔ سوچا کہ سید صاحب کے وصال کے بعد اب آخر کسی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ حضرت سید صاحب سے بندہ نے حضرت اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں سے زیادہ تعریف حضرت مولانا عیسیٰ صاحب، حضرت عزیز الحسن مجذوب صاحب اور زندوں میں مفتی محمد حسن صاحب کی سنی تھی۔ اُن کو سید صاحب ولی اور صاحب کرامت بھی کہتے تھے بندہ نے اپنے احوال حضرت مفتی محمد حسن صاحب کو لکھے: جواب آیا کہ استخارہ کیجئے اُس کے بعد لکھیئے۔ اس میں سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گذر گیا۔ استخارہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اُستاد صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ تین گھنٹے آنے جانے کا راستہ ہے وہاں جائیں۔ سوچا کہ تین گھنٹے کی مسافت کی کونسی جگہ ہے۔ ان دنوں مولانا عبدالرحمان کامل پوری صاحب اکوڑہ خٹک میں بادشاہ گل صاحب کے مدرسہ میں شیخ الحدیث بن کر آئے تھے۔ لیکن جب بھی جاؤں وہ موجود نہ ہوں۔

شاہ عبدالعزیز دُعاجوؒ سے تعلق

دوبارہ استخارہ کیا۔ دیکھتا ہوں کہ شاہ عبدالعزیز دعاجو ہیں۔ سر پر پگڑی بندھی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ شخص اونچے سطح پر جارہا ہے۔ بندہ نے سوچا شاید اس کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ صاحب تبلیغ میں پھرتے رہتے تھے۔ کوہاٹ تشریف لے آئے تو بندہ نے اپنا حال عرض کیا کہ حضرت سید صاحب راستہ میں چھوڑ گئے۔ آپ قبول فرمالیں۔ فرمایا۔ کوئی راستے میں نہیں چھوڑا۔ ہمارے ہاں گھوٹے کی ٹوپی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ تھا کہ اصلاح ہو چکی ہے۔ بندہ بطور خادم شاہ صاحب کے ساتھ ہوتا تھا۔ صبح سویرے بلایا اور چھوٹا سا رقعہ حضرت مولانا عبدالرحمان کامل پوری صاحب کے نام دیا۔ بندہ نے سوچا کہ شاید دونوں استخارے مل گئے ہیں۔ رقعہ لیکر گیا تو خدا کی شان کہ جہاں جاؤں تو اس کی دوسری جگہ

پروگرام ؑمل نہ سکے۔ اسی طرح چار پانچ ماہ گذر گئے۔ پھر استخارہ کیا۔ دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب ایک مسجد میں بیٹھے ہیں اور میری طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اب استخارے کے بعد شاہ صاحب پھر دورے پر مردان میں اُس مسجد میں آئے جو بندہ نے خواب میں دیکھا تھا۔ میں نے احوال عرض کئے تو فرمایا۔ میں نے آپ کو قبول کیا۔ آپ کی پیاس بھی آخر تک پہنچ چکی تھی۔ بہت گرمی ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست

اُنہی دنوں میں رائے ونڈ کی یہ شکل نہیں تھی۔ بلکہ صرف تین جھونپڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ ایک میں شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ دوسرے میں میاں جی عبداللہ اور تیسرے میں بڑے تحصیلدار صاحب (حاجی یعقوب خان پلوسی والے نہیں)۔ باقی دوسرے لوگ بعد میں آئے۔ 1957ء میں شاہ صاحب رائے ونڈ سے کراچی منتقل ہوگئے اور بندہ کی تشکیل اُسی سال (1957ء) یوگوسلاویہ اور جرمنی کے لئے ہوگئی۔ ویزوں کے حصول کے لئے پورا چلہ کراچی میں شاہ صاحب کے ساتھ گذارا۔ تبلیغی دَورے سے واپسی پر حضرت شاہ صاحب بہت خوش ہوئے پشاور تشریف لائے اور بندہ کے پاس 35 دِن قیام فرمایا اور خوب کرم فرماتے رہے۔

اُس کے بعد بعض مصلحتوں کی بناء پر شاہ صاحب کراچی سے ٹنڈوآدم منتقل ہوگئے۔ پہلے ایک جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ وسطِ سندھ میں حضرت ہی کی وجہ سے تبلیغی کام چلا اور پھیلا۔ شاہ صاحب ایک مسجد اور مدرسہ بنانا چاہتے تھے۔ ٹنڈوآدم میں لیاقت علی خان کی پھوپھی کی ایک زمین آٹھ ہزار روپے میں خرید لی۔ زمین کے ساتھ ایک مکان بھی تھا۔ جس کو 22 ہزار روپے میں فروخت کیا۔ اس طرح زمین مفت میں اور

چودہ ہزار روپے بھی ملے۔ اس زمین پر چھوٹا سا مدرسہ بنایا۔ اور شاہ صاحب کا قیام بھی یہیں ہوتا تھا۔

خلافت سے نوازا

مولانا صاحب مزید فرماتے ہیں کہ رائے ونڈ کے مشورہ والوں نے 60-1961ء میں مشرقی پاکستان جانے کے لئے بلایا۔ لیکن میرے جانے سے پہلے ہی مولوی محمود احمد صاحب کو مشرقی پاکستان بھیجوایا اور مجھے غزنی خیل کے اجتماع اور اُس کے بعد مستونگ بلوچستان کے اجتماع میں شرکت کے لئے بھجوایا۔ یہاں سے فارغ ہو کر ٹنڈو آدم کا اجتماع تھا اور چونکہ شاہ صاحب کا بھی وہاں قیام تھا۔ اس لئے ٹنڈو آدم چلے گئے۔ اجتماع میں رائے ونڈ سے قریشی صاحب، مفتی زین العابدین صاحب، ارشد صاحب اور عبدالوہاب صاحب تشریف لائے تھے۔ پہلا بیان مفتی زین العابدین صاحب کا ہوا۔ لیکن اوقات نہ آئے۔ صبح کو ارشد صاحب کا بیان ہوا۔ لیکن اوقات پھر بھی نہ آئے۔ شام کو میرا بیان ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کی توجہ تھی۔ مطالبے کو ساتھ ملا کر ساڑھے چار گھنٹے کا بیان ہوا۔ چلے اور تین چلوں کے لئے ایک سو تین بندوں نے نام لکھوائے۔ اس پر قریشی صاحب بہت خوش ہوئے اور شاہ صاحب کی خوشی کی تو انتہا نہ رہی۔ دوسرے دن شاہ صاحب نے مجھے بلایا اور ایک کوٹھڑی میں لیکر ایک خاص نوعیت سے خلافت عطا کر دی اور فرمایا کہ اگر کوئی طالب آجائے تو بیعت کرنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ کریں۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت اشرف علی تھانویؒ کے ہاں تو بہت مدت کی مناسبت کے بعد بیعت کرتے تھے۔ فرمایا وہ بیعت سلوک تھا۔ اب بیعت ایمان ہے۔ الحمد اللہ ہمارا تعلق اہل حق سے ہے۔ اگر بیعت نہ کیا تو نہ معلوم کہاں جاکر پھنس جائیں گے۔ مزید فرمایا میں بھی لوگوں کو اطلاع کرتا

ہوں۔ آپ بھی کرلیں۔ یہاں تک کہ مولانا سعید خان صاحب کو بھی اطلاع کر دی۔ جب اور لوگوں کو پتہ چلا تو ہمارے پشاور کے ایک حضرت نے کہا کہ شاہ صاحب بھی عجیب آدمی ہیں کہ اس کو خلافت دے دی۔ بہر حال شاہ صاحب کے ساتھ خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ اور آنا جانا بھی ہوتا رہا۔ 1967ء میں حضرت شاہ صاحب زیادہ بیمار ہوئے اور بغرض علاج کراچی میں مقیم رہے۔ بندہ بھی کراچی میں تھا۔ اور روزانہ شاہ صاحب کے ہاں آتا رہا۔ 1969ء میں بیماری اور شدید کمزوری کی پیش نظر معالجوں نے وعظ و گفتگو سے منع فرمایا۔ ٹنڈو آدم والوں کے مسلسل اصرار پر اپنے انتقال سے پانچ ہفتے قبل کراچی سے ٹنڈو آدم تشریف لے گئے اور بروز یک شنبہ 13 ذی الحج 1388ھ بمطابق 2 مارچ 1969ء کو دَس بج کر دَس منٹ پر وصال فرمایا۔ وصیت کے مطابق مدرسہ مدینۃ العلوم کے احاطہ میں جامع مسجد کے زیر سایہ دَفنایا گیا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ سے تعلق

حضرت مولانا صاحب نے اپنے عصر کی مجلسی گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے میری کوئی واقفیت نہیں تھی۔ اُن سے واقفیت حاجی سبز علی صاحب دریوں والے کے ذریعہ ہوئی۔ حاجی سبز علی صاحب کو سلسلہ اشرفیہ اور حضرت تھانویؒ کے لوگوں کی تلاش رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب اور دوسرے اکابر حاجی سبز علی صاحب کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ مولانا فقیر محمد صاحب بھی حاجی صاحب کے مکان پر آکر ٹھہرتے تھے۔ ایک دِن مسجد گنج علی خان تبلیغی مرکز میں عشاء کی نماز ہورہی تھی۔ ایک شخص نے رونا شروع کر دیا۔ وہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب تھے۔ اُن سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ مولانا فقیر محمد صاحب نے دو تین دفعہ حج

کے لئے درخواست دی۔ لیکن قرعہ میں نام نہیں نکلا۔ یہ 1962ء کی بات ہے تو بہت روئے۔ کلمہ پڑھا اور فرمایا کہ میں مسلمان ہوں پھر مجھے کیوں حج پر جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ اُس سال اجازت مل گئی اور حج پر تشریف لے گئے۔ دوسرے سال 1963ء میں جب ہم بائیس ویں رمضان کو بذریعہ بحری جہاز سفینہء حجاج کے کراچی سے حج کے لئے روانہ ہوئے تو مولانا فقیر محمد صاحب بھی اُسی جہاز پر سوار تھے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب کے والد صاحب نے جہاز میں تراویح پڑھائے اور تین دن میں ختم قرآن مکمل کیا۔ پہلی رات میں پہلی رکعت میں آٹھ سپارے اور کل پندرہ سپارے پڑھے۔ ستائیسویں رمضان کو مدینہ منورہ پہنچے اور پہلا جمعہ جُمعتہ الوداع پڑھ کر پورے 41 دِن مدینہ منورہ میں رہے۔ پھر جب بھی مولانا فقیر محمد صاحب حج سے واپس تشریف لاتے تو ہم کبھی نوشہرہ تک اور کبھی آگے تک جاکر استقبال کرتے۔ حضرت سے تعلق ہوا اور بڑھتا گیا۔ پھر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نے خلافت عطا فرمائی اور اجازت دیدی۔

22 اپریل 1981ء بمطابق 17 جمادی الثانی 1401ھ بعد از نماز عصر مولانا صاحبؒ نے انفاس عیسیٰ میں سے ایک ملفوظ "تبدیلی شیخ کا شرط" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے شیخ کی طرف جانے کی اجازت اُسی صورت میں ہے کہ جب تم نے پہلے شیخ کا حق ادا کر دیا ہو۔ اور تمہارا کام نہ بنا ہو۔ اگر حق ادا نہ کیا ہو اور دوسرے کے پاس جاؤ گے تو پہلی کوتاہی نے جہاں پہلے کامیاب نہ کیا۔ دوسری جگہ بھی ناکام کر دے گا۔ کسی اجازت یافتہ کو دوسرے شیخ سے بیعت کی اجازت مشائخ عموماً نہیں دیتے۔ پہلے میں سمجھتا نہیں تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ سے تبرک کے لئے بیعت کر دی۔ اُن کو پھر خط لکھا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا تو سختی سے منع کرتا کہ پہلے آپ کو دو جگہ سے خلافت مل گئی ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ اور طرز تربیت

حضرت مولانا صاحبؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دعاجوؒ جو حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ سے اجازت بیعت تھی۔ حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ حضرت اقدس رشید احمد گنگوہیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کو شاہ فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے بھی اجازت بیعت تھی۔ ایسے حضرت مولاناؒ پر زیادہ رنگ حضرت سید سلیمان ندویؒ کا چڑھا ہوا تھا اور سید صاحبؒ ہی سے سب سے زیادہ اکتساب فیض کیا تھا اور حضرت سید صاحب کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ 1961ء میں آپ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی طرف سے اجازت ہوئی فرماتے کہ شاہ صاحب نے وصیت کی تھی کہ جو بھی طالب آجائے۔ ان کو بیعت کرلیا کرو۔ فرماتے تھے کہ آج کل تو سلوک کی بیعت کم ہے۔ آج کل تو ایمان کی بیعت ہے۔ اس لئے جلدی بیعت کرتا ہوں کہ ایک تو شاہ صاحبؒ کی وصیت تھی اور دوسری اس وجہ سے جلدی بیعت کرتا ہوں کہ کسی دکاندار اور بدعتی قسم کے پیروں کے حوالہ نہ ہو جائے۔ کم از کم ایمان کی حفاظت تو ہو جائے۔

آپ سے ہزاروں لوگ بیعت ہوئے۔ زیادہ تر اس میں یونیورسٹی اور کالجوں کے طلباء اور اساتذہ کرام تھے۔ ان کے علاوہ دینی مدارس کے طلباء اور تاجر، زمین دار اور دوسرے مشاغل کے لوگوں کا ایک کثیر طبقہ بھی آپ سے بیعت ہوا۔ آپ چاروں سلاسل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں بیعت کرتے تھے۔ آپ پر زیادہ رنگ چشتیہ سلسلہ کا چڑھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کا بھی آپ پر خوب اثر تھا۔ جس میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنیؒ کا کافی حصہ تھا۔

آپ کی عصر سے لیکر عشاء تک بلاناغہ گھر پر مجلس رہتی تھی۔ جس میں مریدین، مُعتقدین اور دیگر طبقات کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ اور اس میں آپ مختلف موضوعات جس میں زیادہ تر تصوف اور سلوک کے متعلق ہوتے تھے۔ بیان فرماتے تھے۔ بیانات کے لکھنے کا سلسلہ محمد سراج نے شروع کیا اور 1962ء سے لیکر 1966ء تک قلمبند کرتے رہے۔ اسکے بعد شیر حسن نے یہ کام سنبھالا۔ 1967ء سے 1980ء تک کی ان مجالس کے بیانات شیر حسن نے قلمبند کئے ہیں۔ جس کی تبیض جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اشاعت کی صورت پیدا فرمائے۔ آمین

بیعت میں آپ عقائد کی تصحیح پر بہت زور دیتے تھے۔ اسی طرح جو فرض نمازیں، روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ باقی ہو۔ ان کی قضاء کی ادائیگی کے اہتمام کی طرف مرید کو متوجہ کرتے تھے۔ حسب حال اذکار مسنونہ کی تین تسبیح (درود شریف، استغفار، کلمہ سوئم) کی تلقین کرتے تھے۔ ساتھ ذکر نفی اثبات اور اسم ذات بھی بتاتے تھے۔ آدھ پارہ ایک پارہ تلاوت روزانہ اور اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے نوافل کی تلقین کرتے تھے۔ مریدوں کو خط وکتابت کے ذریعہ سے اپنے حالات سے آگاہی کے متعلق بھی وصیت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے روزانہ 15-20 خطوط اوسطاً آتے تھے۔ جن کے بالالتزام آپ جوابات دیتے تھے۔ جب تک صحت ٹھیک تھی تو خود جوابات لکھتے تھے۔ بعد میں فجر کے نماز کے بعد شیر حسن سے لکھواتے تھے اور شیر حسن کے 1980ء میں امریکہ جانے کے بعد یہ خدمت میر حاتم صاحب کے سپرد ہوگئی جو زندگی کے آخری لمحہ تک فجر کے نماز کے بعد خطوط کے جوابات ان سے لکھوائے جاتے رہے۔

بہت ہی شفقت اور دلسوزی کے ساتھ تربیت فرماتے رہے اور ہر مرید کے

ساتھ خاص ان کے حسب حال معاملہ تھا۔ فرمایا کرتے کہ سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکنا چاہیئے۔ بحمد اللہ آپ کی شفقت و محبت اور دلسوزی اور درد مندی سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی اور ہزاروں مغرب زدہ طلباء اساتذہ اور دیگر حضرات صوم وصلوٰۃ اور شریعت کے ایسے پابند ہوئے جس پر رشک آنے لگا۔ بہت سے آزاد خیال بے راہ رَو ذاکر شاغِل اور تہجد گذار ہو گئے۔ عیاں راچہ بیاں۔ آپ کے مریدوں اور متعلقین سے جس کی پوری اصلاح ہوئی اور وہ دین کے رنگ میں رنگ گئے۔ ذاکر شاغل ہوئے اور شریعت کے پورے پابند ہوئے وہ تو ہزاروں سے متجاوز ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی زندگی میں 25 حضرات کو اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔ جن حضرات کو اجازت دیتے فرماتے کہ من جانب اللہ دل پر یہ بات وارد ہوئی کہ آپ کو توکلاً علی اللہ اجازت بیعت دیدوں۔ اس لئے جو بھی طالب رجوع کرے۔ انکار نہ کریں۔ ان کو بیعت کیا کریں۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی نے فرمایا۔ ''شیخ متبع سنت باعمل، فرائض سنن و واجبات کا عالم، سلسلہ پیوستہ سے منسلک، اہل خیر کے نزدیک معتبر، مریدوں کے مفاد دنیا سے بے غرض اور مریدین پر شفیق ہو۔ اسکی صحبت باثر ہو جو مریدین میں ظاہر ہو۔ شیخ راہ بتاتا ہے۔ سالک راہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ حصول فیض کا طریقہ اعتقاد، اعتماد، اتباع و اطلاع اصول چہارگانہ ہے''۔

باب۔7

اخلاق و معاملات

حضرت مولانا صاحب بہت ہی نرم اور شگفتہ مزاج تھے۔ مزاج میں سختی درشتی کا نام ونشان نہیں تھا۔ ہم جیسے ناہنجاروں نے کئی سال آپ کے ساتھ سفر و حضر میں گذارے ہیں اور اپنے لا اُبالی پن سے آپ کو ہر قسم کی جسمانی اور روحانی تکالیف پہنچائے ہیں۔ لیکن اس میں کبھی آپ کسی نامعقول حرکت پر غصّہ نہیں ہوئے۔ ہمیشہ پیار و محبت و شفقت کا معاملہ کیا۔ کئی دفعہ آپ کو سائیکل پر لیجاتے ہوئے گرایا۔ آپ کے کپڑے مٹی میں لت پت ہو گئے۔ لیکن کبھی اُف تک نہیں کی۔ اپنے اور پرائے دوست احباب ملنے والے اور غیر ملنے والے سب اپنے غموں کا بوجھ لاکر آپ کے کندھوں پر ڈال دیتے تھے۔ اور ان کا غم اپنا غم سمجھ کر دَامے دَرمے سخنے ان کی مدد فرماتے۔ کسی کو سفارش کرنی ہو کسی کا کسی کالج یا ہاسٹل میں داخلہ کا معاملہ ہو۔ ہسپتال وغیرہ میں داخلہ ہو یا اور کوئی معاملہ ہو۔ آپ اس کو اپنا کام سمجھ کر اس کے لئے ہر قسم کی کوشش کرتے۔ باوجود انتہائی معذوری اور بے شمار بیماریوں کے ہمیشہ شادان و فرحان اور شاکر رہے۔ کبھی بھی ہم نے ان کے زبان مبارک سے افسوس یا غم کی بات نہیں سنی۔ حالانکہ جن امتحانات اور تکالیف سے گذر رہے تھے۔ اس کا ادراک بھی ہم جیسوں سے مشکل ہے۔ اکثر غسل خانہ میں گر جایا کرتے اور چوٹیں آجاتیں لیکن کبھی تاسف کا کلمہ زبان سے نہیں نکلا۔ انتہائی پریشانی کے حالات میں بھی کبھی حواس باختہ نہیں ہوئے۔ باوجود شدید بیماری اور تکلیف یا غم کے جو بھی طالب، حاجت مند یا پریشان حال آتا۔ اس کی تسلّی و

تشفی فرماتے۔ اور اس کو خوش کر کے رخصت کرتے۔ اس کے غموں کا مداوا کرتے۔ ہر ایک آتا اور اپنی تکالیف اور غموں کا بوجھ آپ کے سر پر مارتا، حالت اس شعر کی مصداق تھی۔

تو اے مردہ دل زاہد یکے در بزم رندان شو
کہ بینی خندہ برلب ہا و آتش پارہ در دل ہا

تواضع

حضرت مولانا صاحب انتہائی متواضع تھے۔ شیخ کے نام اپنے خط مورخہ 8 اگست 1950ء میں رقم طراز ہیں۔ "پاس مروت مداہنت کے قریب معلوم ہوتا ہے لیکن افتادِ طبیعت سے اپنے کو مجبور سمجھتا ہوں کہ حد سے زیادہ طبیعت میں نرمی اور دوسرے کی بات کو نہ ٹالنے کا جذبہ و دیعت کیا گیا ہے"۔ اس کے باوجود حضرت مولانا صاحب کو شکایت ہے کہ تواضع کی کامل کیفیت کا ہنوز فقدان ہے۔ حضرت مولانا صاحب اکثر اپنے مریدوں سے اپنے کو الحمد اللہ اور قل ھو اللہ سے دَم کروایا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی اماں سے بھی دَم کرواتے تھے۔ حضرت مولانا صاحب برملا اپنے ساتھیوں پر شکر کرتے۔ شکر تو ساتھیوں کو کرنا چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہمدرد اور خیر خواہ شیخ اُن کو عطا کیا تھا۔ حضرت مولانا صاحب نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں نے کر دیا یا کر سکتا ہوں۔ کسی مسئلہ کے حل کے تلاش میں کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر کئی گھنٹے لگا دیتے اور پوری تحقیق کرنے کے بعد بھی فرماتے۔ بھائی میں مفتی نہیں ہوں۔ آپ مفتی سے فتویٰ طلب کر لیں۔

مولانا صاحب میں تکبر، غرور اور انا کا شائبہ تک نہ تھا۔ کبھی اپنے کو بڑا عالم، بڑا شیخ یا پروفیسر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ ایک عام آدمی جیسا برتاؤ کرتے تھے اور چھوٹے بڑے امیر غریب سب کی دعوت قبول کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے ہاسٹلوں خصوصاً ہاسٹل نمبر 7 میں کئی راتیں گذاریں۔ اکثر جب بیان کے لئے تشریف لاتے تو کھانے کی دعوت بھی قبول کر لیتے اور دعوت کے بعد ہماری فرمائش پر رات بھی ٹھہر جاتے۔ مولانا صاحب نے کبھی جلدی نہیں کی۔ اگر کہیں جانا ہوتا تو آرام سے چلے جاتے اور واپسی بھی آرام سے فرماتے۔ ایک دفعہ میر حاتم نے کہا کہ مولانا صاحب آپ کی اور ہماری تو عمر اکٹھی گذری۔ لیکن آپ کو کبھی دَیر نہیں ہوئی۔ ہمیشہ سویر ہوتا ہے اور ہمیں ہمیشہ دیر ہوتی ہے کبھی سویر نہیں ہوا۔ رشتہ داروں کے اگر گلے شکوے ہوتے اور غلطی کسی اور کی ہوتی تو بھی مولانا صاحب فرماتے۔ میری غلطی تھی معاف کردَے۔ کئی دفعہ مجمع میں اپنے ساتھیوں مریدوں سے معافی مانگی۔ اپنے ساتھیوں کے درمیان خوشی محسوس کرتے تھے۔ ہسپتال میں ڈاکٹروں نے عام ملاقات بند کرادی۔ میر حاتم جب دوسرے دن آیا تو فرمایا کل نہیں آئے۔ انہوں نے جب ڈاکٹروں کا کہا تو فرمایا۔ وہ تو اوروں کے لئے ہے۔ اپنوں کے لئے نہیں۔ آپ کے آنے سے تو مجھے راحت ملتی ہے۔

جود وسخا

حضرت مولانا صاحب جود و سخا کے پیکر تھے۔ حاجتمندوں کی نقد امداد کرتے۔ تقریباً اپنی ساری آمدنی لوگوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتے۔ دستر خوان بھی بہت وسیع تھا۔ کبھی اکیلے روٹی نہیں کھائی۔ ہر وقت دستر خوان پر 5-6 مہمان کبھی اس سے بھی زیادہ موجود ہوتے۔ بلکہ مہمان ہوں یا نہ ہو۔ 5-10 مہمانوں کا کھانا روزانہ زائد

پکایا جاتا۔ اکثر احباب کی پر تکلف دعوت بھی کرتے اور جب کبھی کوئی معزز مہمان ہوتا تو اپنے خصوصی مریدوں اور جلیسوں کو بھی ساتھ مدعو کرتے۔ رمضان المبارک میں تو جود و سخا کی انتہا ہو جاتی۔ رمضان المبارک میں جہاں کہاں بیان فرماتے۔ یا جو ملنے کے لئے آتے تھے۔ سب کو افطاری پر مدعو کرتے۔ اور بہت پر تکلف افطاری کا انتظام کرتے۔ گھر میں بھی افطاری کے لئے چیزیں پکتیں اور بازار سے بھی منگاتے اور اکثر ساتھیوں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دے دے کر کھلاتے۔ دستر خوان پر تمام مہمانوں پر نظر رکھتے کہ کوئی کھانے میں تکلف تو نہیں کر رہے ہیں یا کسی کے سامنے کسی چیز کی کمی تو نہیں۔

رمضان المبارک میں اکثر تراویح میں 4 یا 5 ختم القرآن ہوتے۔ پہلے عشرہ میں ایک ختم پھر دوسرے میں ایک ختم۔ پھر 5 یا 6 دن میں ایک ختم۔ جب راتیں لمبی ہوتیں تو 27 ویں کو اکثر شبینہ کرتے اور پھر 28 ویں اور 29 ویں کو ختم ہو جاتا۔ ہر ختم کی رات حفاظ صاحبان اور اپنے قریبی احباب کی پر تکلف دعوت کرتے۔ ختم کے لئے با قاعدہ مٹھائی وغیرہ اور شیر چائے کا بندوبست کرتے۔ ختم القرآن کے لئے بہت دور دور سے احباب جمع ہوتے اور کافی مجمع ہو جاتا۔ عبدالعزیز کشمیری ایک زمانے سے مولانا صاحب کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ اور مولانا صاحب ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اُس کے ناز نخرے بھی اُٹھاتے۔

مولانا صاحب نے اپنی ذاتی زمین میں کنواں کھدوانے کے لئے ایک بندے کو ٹھیکہ دیا۔ مزدوری میں چار سو روپے طے ہونے کے باوجود اپنی طرف سے چھ سو روپے دیئے اور ساتھ دو بندوں کو ایک ایک نیا کپڑوں کا جوڑا بھی دیا۔ حضرت مولانا صاحب نے اپنے کئی مریدوں کے نکاح پڑھوائے۔ لیکن اُن سے ہدیہ قبول کرنے کے بجائے خود

ان کو مبارک باد میں بہت کچھ دیا۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ نکاح پڑھانا یہاں کے رواج کے مطابق پیش امام کا حق ہے۔ اس لئے اس کا حصہ اُس کو ضرور پہنچا دینا۔ اپنے بہت سارے مریدین و متعلقین کی مالی معاونت خفیہ طریقے سے فرماتے حرمین شریفین میں خوب خرچ کرتے۔ دینی مدارس کی معاونت فرماتے۔

دیانت

مولانا صاحب حلال و حرام کی تمیز کرنے میں بہت مُحتاط تھے۔ اُس چیز کو رَد کیا کرتے تھے جس میں حرام کا معمولی سا شبہ بھی ہوتا۔ مولانا صاحب کے رشتہ دار جناب ظفر علی خان پولیٹکل ایجنٹ ملاکنڈ کو ایک بندہ نے سفارش کروائی اور کام ہونے کی خوشی میں شہد لے آئے۔ مولانا صاحب کے انکار کے باوجود جب وہ زبردستی چھوڑ کر چلا گیا تو مولانا صاحب نے محمد سراج کے ذریعے واپس بھجوا دیا۔ مسلم لیگ میں مولانا صاحب کے خدمات اور اہمیت کے پیش نظر پاکستان بننے کے بعد مولانا صاحب کو ہندوؤں کے متروکہ املاک کا کسٹوڈین مقرر کیا گیا یعنی ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے جائیدادوں کے اختیارات سپرد ہوئے اور بقول مولانا صاحب کے اگر چاہتا تو آدھے صدر کے جائیداد کا مالک بن سکتا تھا۔ لیکن اپنی دیانت داری کو قائم رکھتے ہوئے آپ نے اُس سے معذرت کی۔ فری میسن لاج کی جگہ مسجد درویش کا بننا ایک بہت بڑا منصوبہ تھا۔ جو قطر کے درویش فخرو کے مالی معاونت سے ہو رہا تھا۔ اور مولانا صاحب اس کے واحد کل اختیار متولی تھے۔ لیکن اس کے پیسوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بلکہ ایسا انتظام کیا کہ شیخ فخرو کا اپنا نمائندہ اُس سے پیسے وصول کرکے خرچ کرتا رہا۔ بعد میں بھی مولانا صاحب ہی مسجد اور دارالعلوم کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ اور اپنی زکوٰۃ و صدقہ کی رقوم اس میں جمع

کراتے رہے۔ اپنے صدر کی جائیداد کے فروخت کے بعد باقاعدہ وراثت کے تقسیم کے مطابق حصص بنا کر ماں اور بہن بھائیوں کو اُن کے حصے کے رقوم پہنچادیئے۔

بطور چیئرمین عربی ڈیپارٹمنٹ مولانا صاحب کا ذاتی نوکر کبھی کبھی ڈیپارٹمنٹ کا سائیکل سرکاری یا نجی کام کے لئے استعمال کیا کرتا تھا۔ جب مولانا صاحب چیئرمین شپ سے ریٹائر ہوئے تو نیا سائیکل خرید کر ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کیا۔ مولانا صاحب کو کہیں سے ہدیہ میں حج کے لئے رقم ملی تو سارا اپنے لئے استعمال نہیں کیا۔ بلکہ اپنے نوکر بیت اللہ اور عزیز جان کشمیری کو مفت حج کروایا۔ یہ بھی نہیں کہ اُن کو خدمت کے لئے ساتھ لے گئے بلکہ خدمت کے لئے مولانا صاحب کے ساتھ اپنے مریدین موجود تھے۔ پشاور یونیورسٹی کے عرب طلباء اکثر اپنی امانتیں نقدی کی شکل میں مولانا صاحب کے پاس رکھا کرتے تھے۔ چونکہ امانت کے احکام پر پورا اُترنا آسان نہ تھا اس لئے مولانا صاحب یہ رقم اُن سے قرض کی شکل میں رکھتے تھے اور جب بھی اُن کی ضرورت ہوتی۔ اُسی وقت ادا کر دیا کرتے تھے۔

صبر، برداشت و مروت

مولانا صاحب میں بے انتہا درجے کا صبر برداشت اور مروت کا مادہ تھا۔ اکثر اپنا نقصان برداشت کیا۔ لیکن دوسرے کے معمولی نقصان یا دل آزاری سے پرہیز کیا۔ اپنے گھر میں چھوٹی بھانجی جو کہ یتیم تھی وہ نخرے کرتی کہ برداشت سے باہر۔ ایک دفعہ چھوٹا کُتا لے آئی گھر میں صبح مولانا صاحب کی آنکھیں سرخ تھیں۔ بتایا کہ تمام رات کتا بھونکتا رہا اور میں سو نہ سکا۔ لیکن اُسے کُتا ہٹانے کا نہیں کہا۔ اس طرح مولانا صاحب کے ایک دوسرے کم عمر رشتہ دار امجد مولانا صاحب کے ہاں رہائش پذیر تھے۔ کبھی اُن پر

غشی آتی اور کبھی خفا ہو کر چھپ جاتے اور ڈھونڈنا پڑتا۔ عزیز کشمیری کے ڈانٹ ڈپٹ کو تو پیار کا درجہ حاصل تھا۔ وہ صلوٰۃ سناتے اور مولانا صاحب ہنستے۔ حاجی رحمت اللہ صاحب نے مولانا صاحب کی کوشش سے یونیورسٹی میں چند حفظ کے مدرسے قائم کئے تھے۔ جن میں شاہ ولی خان کے بڑے بھائی قاری شیر علی کو بھی رکھا ہوا تھا۔ حاجی رحمت اللہ اور اُن کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہوئے تو قاری شیر علی نے مولانا صاحب کو دو صفحے کا خط لکھا۔ خط کیا تھا۔ تمام گالیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مولانا صاحب نے پڑھ کر نہ تو شکایت کی اور نہ بدلہ لیا۔ اسلامیہ کالج انتظامیہ کی طرف سے مسجد میں تبلیغ اور تقریر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ مولانا صاحب اپنے گھر کے بیٹھک میں بیٹھ کر دین کی بات کرتے۔ پتہ چلنے پر انتظامیہ نے بلا کر ڈانٹ پلا دی۔ کہ یہ آپ کے باپ کا گھر نہیں یہ کالج کی پراپرٹی اور مکان ہے۔ یہاں بات نہیں کرسکتے۔ لیکن مولانا صاحب کے صبر و استقامت کا نتیجہ تھا کہ وہی حضرات آخیر میں معتقد ہو کر دُعا مانگنے آیا کرتے تھے اور خوشگوار تعلقات قائم تھے۔

مولانا صاحب کی کتاب سلوک سلیمانی کی کتابت اکوڑہ خٹک کے ایک کاتب کے ذمہ تھی۔ جس نے کئی سال لگائے۔ مولانا صاحب تھک گئے لوگوں کو اُن کے پیچھے بھیجنے سے۔ لیکن اُنہوں نے اپنا چال نہیں بدلا۔ مولانا صاحب کی کتاب سلوک سلیمانی چھاپنے کے لئے ایک صاحب مسودہ کراچی لے گئے۔ کچھ عرصہ تو اُس صاحب سے رابطہ رہا اور چھپائی کے متعلق معلومات بھی بہم پہنچتے رہے۔ پھر رابطہ کٹ گیا اور وہ صاحب غائب ہو گئے۔ حج سے واپسی پر جب چھاپہ خانہ سے کتاب کے احوال معلوم کئے تو بہت تکلیف دہ اور مایوس کن تھے۔ کتاب کا مسودہ چھپے ہوئے صفحات سب تتر بتر

ادھر اُدھر پڑے سڑ رہے تھے۔ لیکن مولانا صاحب ایک لفظ شکایت یا خفگی کی نہ بولے۔ مولانا صاحب خود فرماتے تھے کہ بہت سارے موقعوں پر ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرا دھوکہ دے رہا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہوئے دھوکہ کھاجاتے ہیں کہ مخاطب کی ہزیمت نہ ہو۔ جب ایک آدمی نے مولانا صاحب کی قبرستان والی زمین آپ کے والد صاحب کا جعلی انگوٹھا لگا کر اپنے نام منتقل کی۔ حالانکہ مولانا صاحب کے والد صاحب پینتالیس (45) سال ہوئے فوت ہو چکے تھے۔ تو پتہ چلنے سے جب تحصیلدار نے اُن کو پکڑا اور فراڈ کرنے کی وجہ سے اُن کا جیل جانا یقینی تھا تو مولانا صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم شہر کے سفید پوش باعزت لوگ ہیں۔ آپ کی زمین ہم نے واپس کر دی۔ آپ ہمیں تحصیلدار کے نام خط دے دیں کہ ہمیں کچھ نہ کہیں۔ مولانا صاحب تو خط دینے والے تھے لیکن میر حاتم نے منع کیا کہ ہم تحصیلدار سے خود پوچھیں گے۔ میر ولی خان صاحب بھی مولانا صاحب کے ساتھ عربی ڈیپارٹمنٹ میں پروفیسر تھے۔ چھٹیوں میں اپنے گاؤں وزیرستان میں تھے کہ عربی ڈیپارٹمنٹ میں پروفیسر کی پوسٹ ایڈورٹائز ہوئی۔ مولانا صاحب نے خود خط لکھ کر اُس کو آگاہ کیا کہ درخواست دے دیں۔ حالانکہ اُس کا مقابلہ اسی پوسٹ کے لئے مولانا صاحب کے ساتھ تھا۔

ایک دفعہ ہاسٹل نمبر 7 میں بیان کے بعد مولانا صاحب کے ساتھ مغرب کا کھانا کھارہے تھے اور ساتھ ساتھ ہم احمد گل کی شکایت بھی کر رہے تھے کہ اتنے میں احمد گل صاحب آگئے۔ تو مولانا صاحب فرمانے لگے۔ آجاؤ بھائی احمد گل ابھی چاول کے ساتھ تمہارا گوشت کھا رہے تھے۔ یعنی عجیب انداز سے ہمیں سمجھایا کہ حدیث شریف کے مطابق غیبت کرنا اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ مجلس میں جب کوئی بندہ

لہولعب یا غیبت کرنے لگ جاتا تو مولانا صاحب اپنا گل سن (سننے کا آلہ) کان سے نکال لیتے تاکہ نہ سُنیں۔ ایک صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولانا صاحب میں اتنی مروت ہے کہ اگر کتے کو بھی دَفع کرنا چاہیے تو فرماتا ہے۔ جی دَفع ہو جاؤ۔ عزیز الصمد لیکچرر انگلش اسلامیہ کالج کے ساتھ شراکت میں جب متروکہ املاک ملی تو صدر مین روڈ پر فرنٹ اُس نے خود لیا جو کمرشل تھا اور پچھلا حصہ مولانا صاحب کو دیا۔ جس کی آدھی بھی قیمت نہ تھی۔ اسلامیہ کالج کے ایک پروفیسر کا بیٹا بہت سیگرٹ پیتا تھا اور مولانا صاحب کو سیگرٹ سے سخت نفرت تھی۔ وہ اکثر آکر مولانا صاحب کے منہ میں گھنٹوں بات کرتا لیکن مولانا صاحب نے کبھی منع نہیں کیا۔ مولانا صاحب کو پیشاب کا سخت تقاضا ہوتا تھا اور دوسرا آدمی خوب آرام سے بیٹھا بات چیت کو جاری رکھتا کہ اس کے چلے جانے کے بعد پیشاب روکنا مشکل ہوتا۔ لیکن مروت کی وجہ سے اُس کو کبھی نہیں اُٹھوایا۔

عزم واستقامت

حضرت مولانا صاحب باوجود کئی بیماریوں اور جسمانی معذوریوں کے ہمت و عزم واستقامت کے پہاڑ تھے۔ مولانا صاحب وہ کچھ کر گذرتے جو دوسرا بندہ صحیح سالم ہونے کے باوجود سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ گوناگوں مصروفیات کے باوجود تہجد کے نوافل کے لئے باقاعدہ اٹھنا۔ یہاں تک کہ ریل یا ہوائی جہاز کے سفر کے دوران بھی اہتمام رہتا تھا۔ رمضان شریف کے تراویح میں کم از کم چار ختم القرآن کرنے کا معمول تھا۔ پہلا ختم دَس دن میں، دوسرا بھی دَس دن میں، تیسرا چھ یا پانچ دن اور آخری تین دن میں۔ کئی دفعہ تین دن کے علاوہ ایک رات میں پورا ختم کیا۔ بلکہ ایک دفعہ تو حافظ ڈاکٹر حسین علی شاہ کی امامت میں پورے ساڑھے اکتیس پارے ایک رکعت میں پڑھ لئے۔ سب سے

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حضرت مولانا صاحب ختم کے آخیر تک ایک ہی ہیئت میں بیٹھے رہتے اور ہشاش بشاش ہوتے۔ جبکہ دوسرے ساتھی کبھی اُٹھتے کبھی بیٹھتے کبھی وضو کے لئے چلے جاتے۔ ختم کے بعد بھی مولانا صاحب کا تقاضا ہوتا کہ ابھی بیٹھو۔ کچھ نعت پڑھو۔ شروع میں جب معذوری زیادہ نہ تھی تو رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرہ میں تراویح میں جو 3 پارے تلاوت ہو جاتی اس کو دوبارہ نوافل میں سنا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں کئی دفعہ اعتکاف بھی کیا۔ ایک دفعہ اسلامیہ کالج کے جامع مسجد میں ایک دفعہ یونیورسٹی کیمپس کے بلال مسجد میں اور 1968ء کے دسمبر کے رمضان میں رائے ونڈ میں اعتکاف کئے۔ باوجود انتہائی معذوری اور بیماریوں کے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا۔ آخیر عمر تک نماز کے لئے باقاعدہ وضو اور جمعہ کے لئے غسل فرماتے۔ آخیر عمر میں جب بہت ہی معذور ہو گئے تو تیمم کر لیتے۔ نماز ہمیشہ جماعت کے ساتھ پڑھی۔ یہ یاد نہیں کہ کبھی بغیر جماعت کے نماز پڑھی ہو۔

حج وعمرہ بذات خود اور ان کا سفر آسان کام نہیں۔ اس لئے تو نیت میں شامل ہے کہ اے اللہ! اسے قبول فرما اور آسان فرما۔ لیکن مولانا صاحب کا حوصلہ دیکھیں کہ کئی حج وعمرے کئے اور اکثر اپنے ساتھ پورا گروپ لے کے گئے۔ جن کے اکثر ناز نخرے بھی اُٹھاتے رہے۔ حرمین شریفین میں بھی اکثر ان جگہوں پر پہنچنے کی کوشش کرتے جہاں اچھے صحت مند حضرات بھی جانے کی ہمت نہیں کرتے۔ پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے مولانا صاحب نے کئی دفعہ حجر اسود کا بوسہ لیا۔ حطیم میں نفل پڑھے۔ مقام ابراہیم پر قریب سے قریب تر جانے کی کوشش کرتے۔ عرفات میں زوال سے پہلے تھوڑا سا سو لیتے اور پھر غروب تک مناجات میں مشغول ہوتے۔ مزدلفہ میں ایک دفعہ سخت

تھکاوٹ کی وجہ سے ساتھی کھانا کھائے بغیر سو گئے۔ لیکن مولانا صاحب صبح تک بیٹھے جاگتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح نماز میں سجدے سے اُٹھنا مشکل ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں خاص ریاض الجنتہ میں پہنچنے اور بیٹھنے کی کوشش کرتے یا پھر صُفہ یا قدمین شریفین میں بیٹھتے۔ ریاض الجنتہ میں ایک دفعہ ایرانیوں کی دھکم پیل کی وجہ سے مولانا صاحب کے عینک اور دعاؤں کی کتابوں کی پوٹلی گم ہو گئی۔ اور لوگ مولانا صاحب کے اوپر بھی چڑھ دُوڑے۔ مولانا صاحب مقاماتِ مقدسہ کے زیارت کے لئے بڑے شوق سے جاتے۔

مولانا صاحب معذوریوں کے باوجود سالانہ چلّہ بھی لگاتے۔ رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع اور دوسرے مقامی اجتماعات میں شرکت فرماتے۔ اس کے علاوہ شب جمعہ تشریف لے جاتے اور ہفتہ میں ایک دو دفعہ کسی ہاسٹل یا مسجد میں تبلیغی بیان فرماتے۔ گھر پر بلا ناغہ عصر تا عشاء بیان اور سوال و جواب کا سلسلہ چلتا رہتا۔ اس کے علاوہ تعویذات اور دَم کرنے والوں کا تانتا بنا رہتا۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی حج سے واپسی پر استقبال کے لئے نوشہرہ چلے گئے اور ریل میں ساتھ بیٹھ کر پشاور آئے۔ حضرت ابوالحسن علی ندوی سے ملنے اسلام آباد جا کر دو دن گذارے۔

مولانا صاحب کے بڑے بھائی فارن سروسز میں ٹریڈ کمشنر رہ چکے تھے اور دوسرے بھائی ائیر وائس مارشل ڈاکٹر تھے۔ لیکن مولانا صاحب ان کا حال پوچھنے جاتے تھے اور ان کے کام کرواتے تھے۔ اسی طرح ایک دوسرے رشتہ دار ظفر علی خان کے بیٹے کی شادی کا انتظام مولانا صاحب نے کیا۔ یعنی کرسیوں شامیانوں اور دعوت کا سارا نظم مولانا صاحب اپنے متعلقین کے ذریعے انجام دے رہے تھے۔ اپنے مریدین و متعلقین کی شادی و غمی میں جانا مولانا صاحب کا عام معمول تھا۔ بنوں تبلیغی اجتماع کے

موقع پر میران شاہ سے آگے غلام خان پوسٹ سے بھی آگے مجاہدین کے مورچوں کو دیکھنے تشریف لے گئے کہ مورچے میں لوگوں نے بتایا کہ یہاں روس کے جہاز آکر بمباری کر دیتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ واپس ہو جائیں۔ اسی طرح ایک دفعہ حاجی غضنفر صاحب کی فرمائش پر معہ فیملی کے سوات بحرین تک سفر کیا۔ اور ایک ہفتہ گذارا۔ مولانا صاحب نے کبھی بھی اس احساس کا شائبہ تک نہیں دیا کہ وہ معذور ہیں بلکہ ہمیشہ صحت مندوں سے زیادہ مستعد اور تیار ہوتے۔ اور نہ کبھی اپنی معذوری کی شکایت کی۔ جس دن نجم المدارس کے سالانہ جلسہ اسناد میں کلاچی جانا تھا۔ مولانا صاحب صبح کرسی سے اوندھے منہ گر پڑے۔ پاؤں میں چوٹ آئی۔ لیکن بہر حال کلاچی میں دُو مصروف ترین دن گذارے۔ پشاور واپسی پر ایکسرے کیا۔ تو پتہ چلا کہ ہڈی میں کریک ہو چکا تھا۔ یعنی تکلیف و درد مستقل ہو رہا تھا۔ لیکن برداشت ایسے کہ کسی کو پتہ نہیں لگ رہا تھا۔

مولانا صاحب حضر و سفر میں یکساں اپنے معمولات پورے کرتے تھے۔ اگر بہت مصروفیت ہوتی اور وقت کی تنگی ہوتی تو چند سطریں پڑھ لیتے۔ لیکن قضا نہیں کرنے دیتے تھے کہ قضا سے بے برکتی ہوتی ہے۔ اور بے برکتی سے سُستی آجاتی ہے اور سُستی سے عمل چھوٹ جاتا ہے جو سلب توفیق کا سبب بن جاتا ہے۔

شجاعت

اگرچہ مولانا صاحب چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ لیکن دل شیر کا رکھتے تھے۔ بڑے بھائی محمد اکرم کو متروکہ املاک کے عوض ایک سرائے پشاور شہر میں ملی تھی۔ سرائے پر چند لوگوں نے قبضہ کیا تھا۔ مقدمہ بازی وغیرہ کے بعد جب قبضہ چھڑانے کا مرحلہ آیا تو صرف مولانا صاحب موقع پر میدان میں پولیس کے ساتھ

کھڑے تھے۔ اور قبضہ چھڑایا گیا۔ اسی طرح مولانا صاحب کی پوری جائیداد کو جو پشاور کے قبرستان میں تھی ایک شخص نے مولانا صاحب کے والد صاحب کا جعلی انگوٹھا لگا کر اپنے نام منتقل کیا۔ اس جگہ پر ایک دوسرا آدمی پہلے سے ایک کچہ مکان تعمیر کر کے رہائش پذیر تھا۔ جب اس کو نکالنے لگے تو اُس نے آکر مولانا صاحب کو سارا قصہ بتایا۔ مولانا صاحب اور اس کے بھائیوں کو خود اس جائیداد کا پتہ نہیں تھا۔ لالہ اکرم نے اُس شخص کو بتایا کہ آپ گھر نہ چھوڑیں لیکن ہمارے خاندانی قبروں کے گرد چار دیواری لگادیں۔ اُس نے وعدہ کیا اور کہا کہ مجھے آپ قبروں کی نشان دہی کرادیں۔ مشورہ یہ طے ہوا کہ کل اکرم لالہ اور میر حاتم چلے جائیں گے۔ لیکن موقع پر لالہ اکرم نے اس منصوبے کو چھوڑ دیا کہ وہاں جاکر زمین تنازعہ اور دشمنی کی شکل بن جائے گی۔ لیکن مولانا صاحب ڈٹے رہے۔ اور آخر کار عبداللہ خان تحصیلدار کے ذریعے جعلی انتقال کو ختم کرایا اور ملزمان آکر معافی کے خواستگار ہوئے۔

پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر عبدالعلی خان نے مولانا صاحب پر یونیورسٹی کی زمین پر قبضہ کرنے کا الزام لگایا۔ مولانا صاحب نے سید فقیر اللہ شاہ صاحب مازارہ کے ذریعہ پٹواری سے پیمائش کروائی۔ تو پتہ چلا کہ مولانا صاحب نے کوئی زمین قبضہ نہیں کی۔ البتہ مولانا صاحب کی زمین اب بھی یونیورسٹی کی طرف باقی ہے۔ مولانا صاحب نے حج کے لئے چھٹی کی درخواست دی تھی۔ اس لئے حج پر چلے گئے۔ واپسی پر پتہ چلا کہ چھٹی کی درخواست منظور نہیں کی۔ اور مولانا صاحب کو دفتر بلایا ہے۔ مولانا صاحب کے ساتھ میر حاتم دفتر چلے گئے۔ وائس چانسلر نے جب زمین قبضہ کرنے کا تذکرہ کیا تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ آپ ایک فٹ زمین قبضہ کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ اگر مجھے کہا ہوتا تو تین چار

فٹ چھوڑ دیتا۔ لیکن اب تو آپ نے میرے سفید دامن پر داغ لگایا ہے۔ اس لئے میں نہیں دوں گا۔ میں تو فقیر آدمی ہوں۔ میرے پاس سوائے دیانت کے اور ہے کیا۔ وہ بھی آپ نے داغدار کر دی اور چلے آئے۔ چند دنوں کے بعد یونیورسٹی کے اندر بم بلاسٹ میں حیات محمد خان شیر پاؤ گورنر پشاور شہید ہوگئے اور عبدالعلی خان کو اپنے عہدہ سے ہٹایا گیا۔ فری میسن کلب کے بلڈنگ کو مسجد کے لئے وقف کرکے مولانا صاحب کو متولی بنایا گیا تھا۔ لیکن حکومت کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ کمشنر پشاور جہانزیب نے مولانا صاحب کو بلا کر دَست برداری کا کہا۔ مولانا صاحب کے انکار پر فرمایا کہ تجھے اندر کر دوں گا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کر دو۔ اگر کر سکتے ہو۔ آج جامع مسجد درویش اور دارالعلوم امدادیہ مال روڈ پر اس جرأت کے زندہ ثبوت ہیں۔ ایک دفعہ مولانا رحمت ہادی صاحب کے مسجد و مدرسہ کے حدود کا جھگڑا ایک ملک صاحب کے ساتھ چل رہا تھا۔ عدالت نے مقدمہ مولانا صاحب کے پاس فیصلہ کے لئے بھیج دیا۔ مولانا صاحب نے موقع پر جا کر پوری پوری تحقیق کی۔ یہاں تک کہ کئی جگہوں پر دیواروں کی اینٹیں اکھیڑ دیں۔ ملک صاحب نے اپنی تمام تر بھرپور کوششیں، سفارشیں کیں۔ لیکن مولانا صاحب نے حق سمجھ کر فیصلہ مولانا رحمت ہادی کے حق میں دے دیا۔

دُعا

دُعا کے ساتھ مولانا صاحب کو خاص شغف تھا۔ شاید یہ مولانا صاحب کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فیض تھا۔ جن کا تخلص دُعا جو تھا۔ اکثر لمبی اور الحاح کے ساتھ دُعا فرماتے۔ بہت سارے لوگ جمعہ کے روز عصر کو ختم قرآن کے بعد دُعا میں شرکت کے لئے تشریف لاتے۔ دعا میں خشوع والحاح اتنا ہوتا کہ اگر افطاری کے وقت ہم مولانا

صاحب کو ہاتھ لگا کر اشارہ نہ کرتے تو آذان کے بعد بھی لگے رہتے۔ جو کوئی دعا کے لئے کہتا تو ہاتھ اُٹھا کر اُسی وقت دُعا کر دیتے یا اگر خط میں دعا کے لئے کہتا تو خط پڑھتے ہی دعا کر دیتے۔ اکثر اوقات کوئی اپنی حاجت کا اظہار کرتا تو مولانا صاحب خود ہاتھ اُٹھا کر حاجت براری کی دُعا کر دیتے۔

مولانا صاحب مستجاب الدعوات تھے۔ اُن کے دعاؤں کا اثر بہت موقعوں پر دیکھا گیا۔ رمضان میں تراویح کے بعد حرمِ مکہ میں بیٹھے تھے۔ حضرت مولانا فقیر محمد رحمت اللہ علیہ کا گذر ہوا۔ آ کے بیٹھ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ پسینہ لگا ہوا تھا اور کپڑے تھوڑے میلے ہو چکے تھے۔ سر پر معمولی سا عمامہ تھا۔ مولانا صاحب نے اپنے ساتھ جانے کا فرمایا لیکن اُٹھ کر فرمایا کہ اپنے جگہ پر جانا چاہتا ہوں۔ اور چل دیئے۔ مولانا صاحب نے فرمایا حدیث میں جو آیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: رُبَّ أَشْعَثَ، مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت سے پراگندہ بالوں والے دروازوں سے دھتکارے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے اعتماد پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

یہ اُن میں سے ہیں یعنی جو دعا کرے قبول ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت مولانا فقیر محمد رحمت اللہ علیہ مکہ معظمہ میں تھے۔ مولانا صاحب نے پاکستان سے کسی خاص دُعا کے لئے لکھا۔ حضرت مولانا فقیر محمدؒ کا خط آیا۔ لکھا تھا۔ دعا کرتا ہوں۔ آپ خود مستجاب الدعوات ہیں۔ آپ بھی دُعا کریں۔ اسی طرح حضرت مفتی محمود

صاحبؒ کے وزارت اعلیٰ کے زمانے میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نفاذِ شریعت کے کسی میٹنگ میں سرکاری دعوت پر تشریف لائے تھے اور سرکاری سرکٹ ہاؤس میں مقیم تھے۔ حضرت مولانا صاحب ملنے کے لئے آگئے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ سے ساتھ جانے کی درخواست کی۔ راستے میں مولانا صاحب نے پوچھا کہ حضرت اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتادیں۔ حضرت بنوریؒ فوراً بول پڑے ہاں ہے۔ اور آپ کے پاس ہے مولانا صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کیا چیز۔ تو فرمایا دُعائے سحری۔ حضرت مولانا صاحب کی بھانجی جن کے ماں باپ دونوں وفات پاچکے تھے اور مولانا صاحب کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔ کو ذہنی مرض یعنی پاگل پن کا دورہ پڑا۔ یہاں تک کہ کبھی کپڑوں میں آگ لگا دے اور کبھی کنویں میں چھلانگ لگانے کی کوشش کرے۔ مولانا صاحب نے علاج بھی شروع کرادیا اور دعاؤں میں بھی لگ گئے۔ مکہ مکرمہ میں حاجی عبدالمنان صاحب کو لکھا کہ کعبہ کے غلاف پکڑ کر اُس کے لئے دعا کرو۔ اسی طرح جناب غازی مرجان صاحب مقیم مدینہ منورہ کو خصوصی دعاؤں کے لئے لکھا۔ میر حاتم نے کہا کہ مولانا صاحب ایسے لگ گئے کہ اب اُس کو ٹھیک کر کے ہی چھوڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور دُعاؤں کی برکت ہے کہ وہ ٹھیک ہوگئی۔ اور اب ماشآء اللہ نارمل زندگی گذار رہی ہے۔ مدینہ منورہ میں ہمیں وہ خصوصی دعا بتائی جو رسول ﷺ نے ایک صحابیؓ کو بتائی تھی۔ اور اُس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئی تھیں۔ وہ دعا یہ ہے مسجد نبوی میں دو رکعت نفل پڑھ کر پھر یہ دُعا مانگیں۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَامُحَمَّدُ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هَذِهٖ فَتَقْضِيْ، وَتُشَفِّعُنِيْ فِيْهِ، وَتُشَفِّعُهُ فِيَّ۔

(مسند امام احمد، ج:4، ص:128، حدیث: 16790)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کے نبی محمد ﷺ ”جو کہ نبی الرحمہ ہیں“ کے وسیلے سے آپ سے سوال کرتا اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں آپ کو لیکر اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں اور اپنی یہ ضرورت پیش کرتا ہوں، تاکہ میری یہ ضرورت پوری کر دیں۔ اے اللہ! میرے حق میں اُن کی سفارش کو قبول فرما۔

حاجتی ھٰذِہٖ پر اپنی اُس حاجت کا تصور کرے۔ جس کے لئے دُعا کی جارہی ہے۔ اس طرح مقام ابراہیم پر لمبی دُعا کے ساتھ ملتزم والی دعائیں بھی پڑھ لیتے۔ طواف اور حطیم میں بھی دعا ہی میں مشغول رہتے۔ صفا و مروہ پر باقاعدہ ٹھہر کر دُعا کرتے اور پھر روانہ ہوتے۔ بیت اللہ پر پہلی نظر پڑنے کے ساتھ آرام سے بیٹھ کر دُعا مانگتے اور پھر طواف شروع کرتے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب مسجد الحفائر مکہ مکرمہ کے علاقے میں ایک ڈاکٹر کے ہاں مدعو تھے۔ مولانا صاحب کو بھی ناشتے پر بُلایا۔ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحب نے سب کو دعاؤں کے تحفے دیئے اور اجازت بھی دے دی۔ ان دعاؤں کے بارے میں ایک واقعہ بھی بیان فرمایا کہ وزیراعظم میانوالی تشریف لارہے تھے۔ سکیورٹی بہت سخت تھی اور سارے راستے بند کئے ہوئے تھے۔ ہم یہ دُعائیں پڑھتے ہوئے میانوالی سے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ نہ کسی نے روکا اور نہ کسی نے پوچھا۔ دعائیں یہ ہیں۔

دُعائے خضری

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَآءَ اللّٰهُ لاَ يَسُوْقُ الْخَيْرَ اِلاَّ اللّٰهُ. بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَآءَ اللّٰهُ لاَ يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ. مَاشَآءَ اللّٰهُ مَاكَانَ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ. مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح)

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے، جو اللہ چاہے (وہی ہو گا) کوئی بھلائی نہیں لا سکتا مگر ایک اللہ، شروع اللہ کے نام سے، جو اللہ چاہے (وہی ہو گا) کوئی بُرائی کو پھیر نہیں سکتا مگر ایک اللہ، جو اللہ چاہے (وہی ہو گا) جو بھی نعمت ہو وہ اللہ کی طرف سے ہے، جو اللہ چاہے (وہی ہو گا) نیکی کرنے کی اور برائی سے بچنے کی طاقت نہیں مگر ایک اللہ کی طرف سے۔

اسم اعظم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم. یا اللّٰه یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام یا الهنا واله کل شئ الها واحدا۔ لا اله الا انت. انت المیسر لکل عسیر وانت علی کل شئی قدیر. یا حی یا قیوم برحمتك یا ارحم الراحمین۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے اللہ اے سدا زندہ رہنے والا، اے تمام کائنات کو سنبھالنے والا، اے جلال اور عزت والا، اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے معبود، یکتا معبود ہے تو، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی ہر مشکل کو آسان کرنے والا اور تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اے سدا زندہ رہنے والا، اے تمام کائنات کو سنبھالنے والا، تیری رحمت کے ساتھ اے تمام رحم کرنے والوں میں بہترین رحم کرنے والا۔

عشق رسول ﷺ و وارداتِ حرمین

مولانا صاحب میں عشق رسول ﷺ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حدیث ناگفتنی میں خود رقمطراز ہیں کہ بچپن میں والدہ صاحبہ کہانیوں کی بجائے انبیاء علیہم السلام کے قصے اور واقعات ہر رات سناتی تھیں۔ 1940ء میں پندرہ سال کی عمر میں میٹرک کے امتحان کے بعد مولانا نور الاعظم بجوڑی رحمت اللہ علیہ سے حدیث شریف کے باقاعدہ

مطالعہ کی ابتداء کی اور ایک عرصہ تک صحیح بخاری کی تلاوت قرآن کریم کی طرح روزانہ کرتا رہا۔ جس کا تاثر بحمد اللہ دل و دماغ پر چھا گیا۔ اپنے مرشد حضرت سید سلیمان ندویؒ کے نام مکتوب مورخہ 12 ستمبر 1952ء میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچویں بار خواب میں دیکھ چکا ہوں اور اُن کے روحانی فیض و توجہ کو نمایاں طور پر محسوس کرتا ہوں۔ مولانا صاحب نے مسلسل کئی حج و عمرے کئے۔ حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حج کے افعال میں عاشقانہ شان ہے تو حج وہی کرے گا جس کا عشق عقل پر غالب ہو گا اور چونکہ عاشقانہ کام کرنے سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے حج کرنے سے عشق میں مزید بڑھوتری ہوگی۔ جیسے مشہور صوفی شاعر رحمان بابا کہتے ہیں۔

عاشقی په مثل اُور نصیحت باد دَے
شیخه اورمِ لا زیاتیږی وایه وایه

اور مدینہ منورہ کی حاضری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت حاجیوں کے لئے لوازمات میں سے ہے۔ جیسے حدیث مبارک ہے۔

مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَہُ شَفَاعَتِیْ۔

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

اور مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

ترجمہ: جس نے میرے وفات کے بعد میری زیارت کی گویا میری زندگی میں زیارت کی۔

مولانا صاحب ہمیشہ آدھا وقت مکہ مکرمہ اور آدھا مدینہ منورہ میں گذارتے تھے۔ حالانکہ حاجیوں کو مدینہ منورہ میں آٹھ دن سے زیادہ گذارنے کی اجازت نہیں۔ جس کے لئے خاص بندوبست کرنا پڑتا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مولانا صاحب کی بیٹھنے کی مرغوب جگہیں قدمین شریفین اور صُفہ ہوا کرتا تھا۔ یہاں پر دَھکم پیل نہیں ہوتا اور

ویسے بھی ہمیں حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہو جائے تو اور کیا چاہیئے۔ ریاض الجنتہ اور قدمین شریفین کے بارے میں سنا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کا قول ہے کہ الحمد اللہ مسلمان ہونے کے ناطے جنت میں تو ایک نہ ایک دن داخل ہو جائیں گے۔ لیکن قدمین تو صرف یہیں ملیں گے۔ عبدالعزیز شرقی صاحب دونوں کے بارے میں کہتے ہیں:

اُدھر ٹکڑا ہے جنت کا اِدھر قدموں کی جنت ہے
وہ زاھد کا مقدر ہے یہ میری اپنی قسمت ہے

اور حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

دُو حرفی بر مراد دِل بگویم بہ پائے خواجہ چشمان رابمالیم

ترجمہ: اگر دل کی مدعا مختصر دو لفظوں میں بیان کروں تو یہ کہ حضور ﷺ کے پاؤں سے اپنی آنکھیں مَل لوں۔

مدینہ منورہ کے قیام کے وقت عبدالعزیز شرقی صاحب کے ساتھ ایک دو نعت خوانی کے مجلس ضرور لگتے تھے۔ شرقی صاحب کے مجموعے کا نام "فیوض الحرمین" ہے اور اُن کی تمام شاعری مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گرد گھومتی ہے۔ اُن کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

چمکا قسمت کا ستارہ میں تو اس قابل نہ تھا
ہے کرم مجھ پر تمہارا مَیں تو اس قابل نہ تھا
جمگھٹا دیکھ کے در پر تیرے دیوانوں کا
جوش پر آگیا دریا میرے ارمانوں کا

دیکھ کر لٹتے ہوئے رحمت و بخشش تیری
بحر ذخّار امڈ آیا ہے انسانوں کا
تیرا گھر جلال کا آئینہ تری عظمتوں کا نشان ہے
میرے عجز کا ہے مظاہرہ میری بندگی کا بیان ہے
بیٹھے بیٹھے جب جنون بندگی اُٹھا مجھے
تیرے دروازے کے میں چکر لگانے لگ گیا
سنگِ اسود پر جو پہنچا کیف سا طاری ہوا
چوم کر اس کو میں آنکھوں سے لگانے لگ گیا
سنگِ اسود رکن یمانی چشمہء زمزم ایک کہانی
آنکھیں ہیں دریائے رِقت اللہ اکبر اللہ اکبر
مدینے کی زمین خلد بریں معلوم ہوتی ہے
جو سچ پوچھو تو اس سے بھی حسین معلوم ہوتی ہے
پھر پیش نظر مسجد نبوی ہے حرم ہے
اللہ غنی مجھ پہ بڑا اُن کا کرم ہے
میں کیا ہوں مرے جیسے یہاں لاکھوں پڑے ہیں
قربان یہاں سارا عرب سارا عجم ہے
حضور پاک کے دَر پر غلام آئے ہیں
ادب سے سر کو جھکائے سلام لائے ہیں
اے شہر محبت بس اب وقت جدائی ہے
حسرت ہے جو مہلت تھی غفلت میں گنوائی ہے

ہر ایک ذرے پہ تیرا سلام ارض حرم
پھر آئے لوٹ کے تیرا غلام ارض حرم

بسائے پھرتا ہوں حُب نبی میں سینے میں
مدینہ دل میں ہے دل ہے میرا مدینے میں
رہوں مدینے میں آئے قضا مدینے میں
یہاں کے مرنے میں لطف ہے یہاں کے جینے میں

یہ محفل جب جمتا اور شرقی صاحب جھوم جھوم کر ترنم سے اشعار سناتا تو مولانا صاحب کا چیخ چیخ کر اللہ اللہ کا نعرہ لگائے عجیب حال ہو جاتا اور تمام مجمع وجد کی حالت میں ہو تا۔ یہ مجلس تو گھر میں لگتی۔ ورنہ حرم نبوی میں تو ادب ولحاظ کا یہ حال ہو تا کہ بات بھی بمشکل کرتے اور بمشکل سنائی دیتے۔ وہاں تو بقول شاعر عزت بخاری اُس حال کے مصداق ہوتے۔

ادب گاہے ست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جُنید وبا یزید اینجا

حضرت مولانا فقیر محمدؒ پر گریہ غالب تھا۔ اس لئے دُور باب مجیدی کے پاس اکثر بیٹھا کرتے تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمت اللہ علیہ عشاء کے بعد کرسی پر باہر کھڑکی کے سامنے سے سلام پڑھتے۔ مولانا صاحب کئی دفعہ شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ پیچھے کھڑے ہو کر شریک ہو جاتے۔ ایک دفعہ صفہ پر جمعہ کی نماز پڑھ لی۔ نماز کے بعد حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی صاحب پہنچ گئے۔ مولانا صاحب کے ساتھ علیک سلیک کے بعد فرماتے لگے کہ مولانا پچھلے جمعہ کو خواب دیکھا کہ روضہ پر کھڑے

ہو کر قصیدہ بردہ پڑھ رہا ہوں۔ اس جمعہ اللہ نے پہنچا دیا۔ چلو تمہارے سامنے پڑھ لوں اور پورا قصیدہ بردہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب ہو کر زبانی سنا دیا۔ مولانا صاحب اپنی معذوری کی وجہ سے کم ہی مواجہ شریف سلام پڑھنے جاتے۔ بلکہ حرم نبوی میں جہاں ہوتے وہی سے سلام پڑھ لیتے۔ خود ہی فرمایا کہ ایک دفعہ دل میں خیال آیا کہ پتہ نہیں یہاں سے سلام سنتے بھی ہیں یا نہیں۔ غنودگی سی ہوئی اور دیکھا کہ جیسے قبر کا ڈھکنا کُھلا۔ رسول اللہ ﷺ کی شبیہ مبارک نظر آئی اور فرمایا "ہاں میں سُنتا ہوں"۔ مسجد نبوی سے متصل باہر کی طرف باب جبریل اور موجودہ باب بقیع کے درمیان ایک احاطہ ہوا کرتا تھا۔ جس کی دیوار صرف تین چار فٹ اونچی تھی۔ یہ جگہ پر سکون تھی اور رَش بھی نہیں ہوتا تھا۔ مولانا صاحب عموماً صبح کی نماز یہاں پڑھتے اور پھر اشراق تک بیٹھے رہتے۔ غنودگی میں رسول اللہ ﷺ نے عطر کی شیشی عطا کر دی اور جب آنکھیں کھولیں تو شیشی واقعتاً ہاتھوں میں تھی۔ مولانا صاحب کے وصیت کے مطابق اس عطر کو اُن کے کفن پر لگایا گیا۔ جناب عبدالقدوس صاحب فرماتے ہیں۔ 1978ء کے حج کے دوران بندہ ظہر کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں باب السلام سے داخل ہوا۔ تو ایک زبردست خوشبو محسوس کی دِل میں خیال آیا کہ یہ تو حضور ﷺ کی خوشبو ہے۔ ظہر کے نماز کے بعد جب مولانا صاحبؒ گھر پر تشریف لائے تو پروفیسر الحاج میر حاتم صاحب مدظلۂ العالی جو کہ مولانا صاحبؒ کی خدمت کرتے تھے نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ مولانا صاحبؒ آج تو آپ سے عجیب خوشبو آرہی تھی۔ تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ بتاؤں تو اسی کے ساتھ اللہ کا نعرہ لگایا۔ تو الحاج محمد حسینؒ سابقہ پرنسپل پشاور زرعی کالج نے فرمایا کہ ہم سمجھ گئے۔ اُس وقت مولانا صاحبؒ مسجد نبوی ﷺ میں مؤذنہ بلالؓ کے

ساتھ تشریف رکھتے تھے اور حضور ﷺ کی زیارت (ملاقات) سے مشرف ہوئے تھے۔

عرفات میں مولانا صاحب کے متعلقین میں سے ایک صاحب کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ ارشاد فرمایا۔ شیخ اشرف کا بہت انتظار تھا۔ آیا نہیں میرے درخواست پر اللہ پاک نے آئندہ سال بلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ پاک اُسے کچھ دینا چاہتے ہیں۔ رات کو پھر حضور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ شیخ اشرف کو میرا اسلام پہنچائیں اور درخواست کریں کہ میری اُمت کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ حتیٰ کہ وہ مجھ سے مل جائیں اور میری عرفات والی امانت اُسے پہنچائیں۔ خواب دیکھنے والے نے عرض کیا ہے کہ یہ بات امانت ہے۔ میرے نام سے کسی اور کو یا مجمع میں نہ سُنائیں۔ اسی طرح ایک صاحب تعلق مقیم مدینہ کو سلام کے بعد ریاض الجنتہ میں نیم غنودگی کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ میرے یہ دونوں نواسے (مولانا فقیر محمدؒ و مولانا محمد اشرفؒ) اس وقت خاص درجے پر ہیں اور مُستجاب الدعوات ہیں۔ اُن کو میرا اسلام پہنچائیں اور میری امت کے لئے اُن سے مغفرت کی دُعا مانگنے کی درخواست کریں۔ آخیر میں خط لکھنے والے نے مولانا صاحب سے عرض کیا ہے کہ آپ یہ پیغام مولانا فقیر محمد صاحب کو بھی پہنچائیں۔

غازی مرجان صاحب مولانا صاحب کے لئے اُحد سے مدینہ کی بکریوں کا دودھ لایا کرتے تھے۔ چند دن کے بعد مولانا صاحب نے لانے سے منع کر دیا۔ خواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل مدینہ کا ہدیہ قبول کیا کرو۔ تو مولانا صاحب نے دوبارہ لانے کا کہہ دیا اور ساتھ ساتھ بڑے حیرانگی و خوشی سے فرمایا کرتے تھے کہ غازی مرجان اہل مدینہ میں سے ہو گیا۔ مولانا صاحب کو سلفر سے سخت الرجی تھی۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں کوئی گولی کھالی جس میں سلفر تھا۔ مولانا صاحب کو اتنی سخت الرجی ہوگئی کہ ہاتھ اُٹھانا مشکل ہوگیا نہ وضو کر سکتا تھا۔ بہت الحاح و زاری سے دُعا مانگی اور خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یارسول اللہ حضرت بوصیریؒ (صاحب قصیدہ بردہ) کے ساتھ جو معاملہ ہوا تھا۔ وہی کرم مجھ پر بھی ہو جائے۔ تو خواب میں فرمایا کہ رحمت ہادی نے دوائی کی دکان کھولی ہے۔ مولانا صاحب نے یہ تعبیر نکالی کہ دوائی کھاؤ۔ اللہ کی رحمت دوائی کی شکل میں ملے گی۔

مدینہ منورہ میں مولانا صاحب کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور سرخ رنگ کی ایک بس دیکھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ علی سے کہو جب تک طلباء ہیں بند نہ کریں۔ مولانا صاحب کو خواب کی تعبیر سمجھ نہ آرہی تھی۔ حضرت ابوالحسن علی ندویؒ سے ملاقات ہوئی تو اپنا خواب سُنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اصل میں یہ خواب میرے لئے پیغام ہے کہ مدینہ یونیورسٹی کو بند نہ کریں۔ حضرت علی میاں مدینہ یونیورسٹی کے مجلس شوریٰ کے رُکن تھے۔ اور شوریٰ میں یونیورسٹی بند کرنے یا نہ کرنے پر بحث چل رہی تھی۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے تعلق کے قائم ہونے کے شروع دنوں مین جب حضرت فقیر محمد صاحب حج سے واپس آرہے تھے تو مولانا صاحب استقبال کے لئے نوشہرہ چلے گئے۔ اور وہاں سے حضرت کے ساتھ ڈبہ میں بیٹھ کر حج کے حال احوال پوچھتے رہے۔ مولانا صاحب نے پوچھا کہ حضرت میرا اسلام حضور ﷺ کو پہنچایا تھا۔ حضرت نے فرمایا: ہاں! پھر جب مولانا صاحب نے پوچھا کہ حضرت کوئی میرے لئے پیغام تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بعد میں بتاؤں گا۔ ایک دفعہ ایک سکول کے جلسہ میں مولانا صاحب مدعو تھے۔ ایک بچے نے نعت پڑھی۔ جس کا ایک مصرعہ تھا۔

خدایا مدینہ سے ہم کیوں آ گئے۔ دل وہیں رہ گیا جان وہیں رہ گئی۔

مولانا صاحب اتنے خوش ہوئے کہ اُس لڑکے کو سو روپے انعام میں دیئے۔

ایک دفعہ میاں محمد شاہ پرنسپل ایجوکیشن کالج پشاور نے حاجی محمد آمین جامی سرحد کی پشتو نعت پڑھی۔ نعت کے الفاظ ہیں۔

دَ زړه غوښې دَ عشق په پیالو کښې پیش کوم که جانان میلمه کیږی
محمد عربی خوشحالیږی چه په حقه ترِ څوك قربانیږی

ترجمہ: دل کے ٹکڑے عشق کے پیالوں میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر جانان میرا مہمان بنتا ہے۔ محمد عربی خوش ہوتے ہیں۔ اگر کوئی صداقت کے ساتھ اُس پر قربان ہوتا ہو۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب بھی موجود تھے۔ ایک طرف مولانا صاحب کی اللہ اللہ کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اور دوسری طرف مولانا فقیر محمد صاحب رونے کی وجہ سے ہنڈیا جیسے اُبل رہے تھے۔ عبد الوحید صاحب جب خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب کے اشعار ترنم سے پڑھتے تو مجلس میں ایک سماں بنتا جو بہت سارے پتھر دلوں کے دل موم کر دیتے۔ لیکن اب افسوس صد افسوس نہ وہ پیارے لوگ اور نہ وہ مجلسیں اب تو بقول حافظ الپوری یہ حال ہے۔

ورك شو لما دوه گنجه امكانِ دَيافت نشته
يو دځوانی واربَل دَمهرويو مجلس ناسته

ترجمہ: دو خزانے مجھ سے گم ہوئے کہ ملنے کا امکان نہیں۔ ایک جوانی دوسری خوب رویوں کی مجلس۔

اپنے شیخ کو خط مؤرخہ 9 مئی 1950ء میں عشق رسول ﷺ کا اظہار اس

طرح کیا ہے کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ کی ملاقات و زیارت روضۂ اقدس کا شوق بے قرارانہ طاری ہو جاتا ہے۔ حج سے زیادہ خدمتِ دربار رسالت ﷺ کا جذبہ پاتا ہوں۔ اپنے 7 دسمبر 1953ء کے خط میں فرماتے ہیں کہ مختلف پریشانیوں کے باوجود ایک عجیب چیز یہ دیکھنے میں آرہی ہے کہ حضور ﷺ کے روحانی فیض و توجہ کو نمایاں طور پر محسوس کرتا ہوں۔

عام مجلس

مولانا صاحب کی عام مجلس ایسے لگتا جیسے دوست بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ ہر ایک ایسا بے تکلف ہوتا کہ اپنی تمام پریشانیاں، ذہنی دباؤ اور غم بھول کر شادان و فرحان رہتا۔ مجلس عصر سے شروع ہو کر عشاء تک رہتی۔ بیچ میں مغرب کی نماز پڑھ لیتے۔ عصر کو مولانا صاحب ایک پیالی چائے پیتے۔ اُس کے ساتھ کھانے کے لئے کچھ گھر سے آجاتا۔ اُس میں سے تھوڑا لے کر باقی تقسیم کرنے کا حکم دیتے اور ساتھ فرماتے۔ ''جس کو ملے شکر کرے جس کو نہ ملے صبر کریں''۔ عشاء اکثر لیٹ پڑھتے اور اگر کوئی مسئلہ حل طلب آجاتا تو پھر مولانا صاحب اُس کے لئے کتابیں حوالہ جات ڈھونڈنا شروع کر دیتے۔ جب تک مسئلہ حل نہ ہوتا۔ عشاء پڑھنے کے لئے انتظار کرنا پڑتا۔ ویسے بھی مولانا صاحب ایک بجے سے پہلے نہیں سوتے تھے۔ حاجی حسن خان اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو مولانا صاحب کی صبح ہو جاتی ہے۔ نہ اُن کو جلدی ہوتی ہے اور نہ دیر ہوتی ہے۔

اکثر حاضرین میں سے کوئی سوال پوچھتا ورنہ مولانا صاحب از خود کسی موضوع پر بات شروع کر دیتے۔ اور پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن قلم کاپی لیکر لکھنا شروع

کر دیتے۔ مولانا صاحب کی تو سب باتیں رُشد و ہدایت سے بھری ہوتی تھیں۔ لیکن اُن میں بعض مضامین بہت ہی اہم ہیں۔ جو علمی نکات اور تصوف کے باریک توضیحات اور تشریحات سے پُر ہیں۔ اس قسم کی بیسیوں کاپیاں ابھی تک غیر مطبوعہ پڑی ہیں۔

مجلس میں ہر قسم کے لوگ آتے اور بہت سارے سوالات، اشکالات اور مسائل کا حل پوچھتے۔ بقول پروفیسر محمد حسین خان، پرنسپل زرعی کالج پشاور کے جو بھی آتا ہے تو غم کا ایک بڑا بھوسارہ (بُھس کا ڈھیر) سر پر رکھے ہوئے مولانا صاحب کے سامنے پھینک دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میرے لئے ان تنکوں کو جمع کرو۔ مولانا صاحب کا انداز بیان نہایت ہی مشفقانہ تھا۔ کریہہ سے کریہہ سوال کا جواب بڑے نرم انداز اور دلسوزی سے دیتے۔ ایک دفعہ یونیورسٹی کے دو لڑکوں نے جو شراب پیئے ہوئے تھے۔ ایک شخص کو گاڑی سے ٹکر مار کر مار دیا۔ چند دن کے بعد مولانا صاحب کے پاس آئے۔ اب ساتھی تو غصہ سے لال پیلے ہو رہے تھے کہ اُن کو پیٹے مارے۔ لیکن مولانا صاحب اُن کو بیٹا کہہ کر مخاطب کر رہے تھے کہ وہ توبہ تائب ہوئے۔ اسی طرح آمان گڑھ پیپر مل کے لیبر یونین کے سیکرٹری نے مولانا صاحب کو تقریر کے لئے بلایا۔ واپسی پر خود پشاور تک چھوڑنے آیا۔ راستے میں بتایا کہ مولانا صاحب میں ایک دفعہ پہلے آپ کے پاس آیا تھا۔ میں دَہریہ ہو گیا تھا۔ چند سوالات تھے۔ لیکن کسی عالم کے جواب سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ آپ نے بھی وہی جوابات دیئے۔ لیکن اس انداز سے کہ میری پوری تسلی ہو گئی اور میں مرتد ہونے سے بچ گیا۔ شروع شروع میں جب شیر حسن تبلیغ میں جانے لگا۔ تو اس کے بڑے بھائی اس کے ساتھ بہت بحث کیا کرتے تھے۔ کہ مجھے قائل کرو۔ شیر حسن کی انتہائی کوشش کے باوجود وہ قائل نہیں ہوا۔ نہ تبلیغی کام کے متعلق

اس کا ذہن صاف ہوا۔ ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شیر حسن سے ملنے یونیورسٹی آئے۔ شیر حسن اس دِن یونیورسٹی میں موجود نہیں تھے۔ حضرت مولانا صاحب کے ہاں چلے گئے اور وہاں بھی وہ سارے اعتراضات کئے۔ بحمد اللہ مولانا صاحب نے ایسے شفقت اور ہمدردی سے جوابات دیئے۔ کہ اس کا ذہن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تبلیغ کے متعلق صاف ہو گیا۔ اور حضرت کے محب اور معتقد ہو گئے۔ ایک اچھے خوش پوش تعلیم یافتہ بندہ مولانا صاحب کے ساتھ کسی مسئلہ پر انہماک کے ساتھ کافی دیر سے بات چیت کر رہے تھے۔ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اور سارا مجمع نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اُس بندہ نے شاید وضو یا کپڑوں کی ناپاکی کا عذر کیا تو مولانا صاحب نے فرمایا۔ کہ بیٹا ان کے لئے پیچھے کرسی ڈال دیں۔ وہ کرسی پر بیٹھا رہا۔ لیکن دوسرے دن جب آئے تو باقاعدہ وضو سے تھے اور ہمارے ساتھ نماز پڑھ لی۔

حضرت مولانا فقیر محمد رحمت اللہ علیہ جب تشریف لاتے تو مولانا صاحب کو اپنی مجلس جاری رکھنے کی اجازت دیتے۔ خود بہت کم بولتے تھے۔ بلکہ مولانا صاحب کے بیان کے دوران مسلسل روتے رہتے۔ وہ رونے کی کوشش کرتے لیکن آواز اونچی ہو جاتی تھی۔ ادھر مولانا صاحب اللہ کا نعرہ اتنے زور سے بے اختیار لگا لیتے کہ ناواقف ڈر جاتے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ اس دو آتشہ میں حاضرین کا کیا حال ہو گا۔ ہر بندہ وجد کی کیفیت میں اپنے کو محسوس کرتا۔ دو نوخیز امریکن مولانا صاحب سے ملنے آئے۔ مولانا صاحب نے اُن پر تھوڑی سی توجہ ڈالی تو ایک کی ہنسی نہیں رُک رہی تھی۔ پھر جب حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کے ہاں گئے اور اُن کا رونا دیکھا تو کہنے لگے۔ جب یہ بندہ روتا ہے تو میرا دل باہر نکلنا چاہتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بندہ قرآن مجید کا بہت پرانا نسخہ لے آیا۔ مولانا صاحب نے بھی دیکھ کر فرمایا کہ پرانا لگتا ہے۔ اُس نے مطالبہ کیا کہ آپ مجھے لکھ کر سرٹیفکیٹ دے دیں کہ نسخہ اتنا پرانا ہے۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ پہلے تو میں کوئی اتھارٹی نہیں ہوں۔ دوسری ان چیزوں کے اپنے ماہر ہیں۔ اُن سے لے لیں۔ جب سرٹیفکیٹ لینے کا مُدعا پوچھا تو کہنے لگا۔ یہ نسخہ میں شاہ فیصل کو بھجوانا چاہتا ہوں۔ شاید کوئی بڑا انعام مل جائے۔

طنز و مزاح

مولانا صاحب نرے خشک مولوی نہیں تھے بلکہ دوستوں ساتھیوں کے ساتھ طنز و مزاح بھی کیا کرتے تھے۔ اور اُن کا طنز و مزاح سن کر لطف اندوز ہوتے تھے۔ پشاور یونیورسٹی میں ایک مذاکرہ تھا۔ حضرت مولانا صاحب صدر مجلس تھے۔ مقررین میں سے جناب پریشان خٹک صاحب چیئرمین، پشتو اکیڈیمی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان پشتو تھی۔ مولانا صاحب جب صدارتی تقریر کے لئے اُٹھے تو فرمایا کہ ابھی پریشان خٹک صاحب نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی زبان پشتو تھی۔ یہ پریشان صاحب کی پریشان خیالی ہے۔ تمام نے بہت سراہا اور محظوظ ہوئے۔ اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے قاضی مجیب الرحمان صاحب نے اپنی ترقی کے لئے رجسٹرار کو درخواست میں مولانا صاحب کا ذکر کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔ قاضی صاحب آپ نے اپنی ترقی کے لئے درخواست دی تو مجھے بیچ میں کیوں رگیدا۔ قاضی صاحب کہنے لگے۔ میں اَپنا اُلو سیدھا کر رہا تھا مولانا صاحب نے برجستہ جواب دیا۔ پھر میرا اُلو کیوں ٹیڑھا کیا۔ اکثر کوئی ملنے والا آتا اور مولانا صاحب سوئے ہوئے ہوتے تو نوکر بتا دیتا کہ مولانا صاحب سوئے ہوئے ہیں۔ اُٹھ کر نوکر بتاتا کہ

مہمان آئے تھے۔ میں نے بتایا کہ سوئے ہوئے ہیں تو مولانا صاحب فرماتے۔ بھائی اُٹھا لیتے۔ میرا سونا کونسا سونا ہے۔ وہ تو چاندی بھی نہیں۔

ہندوستان میں دیوبند سے سہارن پور جانے کے لئے گاڑی صرف ایک منٹ رکتی ہے۔ چند ساتھی تو مولانا صاحب کو ساتھ لیکر چڑھ گئے۔ لیکن بعض ساتھی رہ گئے۔ دَس منٹ کے بعد وہ بھی دوسری گاڑی سے آملے لیکن دوسرے ٹکٹ خرید کر کیونکہ ٹکٹ پہلی پارٹی کے پاس تھے۔ ریلوے سٹیشن سے نکلتے وقت ٹی ٹی کو ٹکٹ حوالہ کرتے ہوئے نعمان صاحب اُس کو تفصیل بتانے لگے۔ مولانا صاحب نے پوچھا تو بتایا گیا کہ نعمان تفصیل بتا رہا ہے کہ ٹکٹ کیوں زیادہ ہیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔ صاحب تفصیلات ہیں، کیا ضرورت ہے بتانے کی۔ اُس وقت سے نعمان صاحب تفصیلات بن گئے۔ مجلس میں ایک دفعہ افتخار صاحب کنٹرولر امتحانات زرعی یونیورسٹی نے خواب سُنایا کہ ایک خیمہ تھا جس میں اندر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے میں گیا تو ایک رقعہ دیکر آگے بھیجوایا۔ آگے والے خیمہ میں خواجہ معین الدین اجمیری تھے۔ انہوں نے رقعہ واپس کیا اور آگے بھیجوایا۔ جب تیسرے خیمہ میں آیا۔ تو آپ تشریف فرما تھے۔ وہ رُقعہ آپ کو دے دیا۔ میں اب پوچھنے آیا ہوں کہ اُس رقعہ میں کیا لکھا تھا۔ مولانا صاحب خوب ہنسے اور فرمایا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی روحانیت کا حصہ میرے پاس ہے یعنی آپ کی مناسبت میرے ساتھ ہے۔ حضرت مولانا صاحب نے اپنے شیخ عبدالعزیز دُعاجو رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنایا کہ ایک دفعہ ہمارے ہاں مہمان تھے۔ خادم عبدالستار ساتھ تھے۔ فرمایا۔ بتاؤں؟ کہ عبدالستار کتنے سادہ اور نابلد ہیں۔ ہمارے ہاں کہنے پر فرمایا۔ عبدالستار اگر آپ کی دُلہن صاحبہ خوب لمبی

اور قد آور ہو تو اِس چھوٹے سے دروازے سے کیسے گذاروگے۔ ہمارے بیٹھک اور گھر کے درمیان چھوٹا سا دروازہ تھا۔ تو کہنے لگے کہ حضرت کیا کروں بس یا تو کھڑ کی تھوڑ دُوں یا اُس کی ٹانگیں تھوڑ دوں۔

مولانا صاحب کو جب ہم پیٹھ پر سوار کر کے اُٹھاتے۔ تو مولانا صاحب مزاحاً ہنس کر سواری کی دُعا دُہراتے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ○ اسی طرح جب ہم مولانا صاحب کو پیٹھ پر سوار کر کے یا وئیل چیئر پر بٹھا کر حج کے انتہائی بھیڑ میں سے گذارتے۔ تو آواز لگاتے "خشب" یہ آواز سن کر لوگ جلدی جلدی راستہ چھوڑ دیتے۔ خشب خشک جلنے کی لکڑیوں کو کہتے ہیں۔ جو مزدور خشک لکڑیاں لادے بھیڑ میں چلتے تو آواز لگاتے۔ خشب خشب۔ مولانا صاحب اس سے بہت لطف اندوز ہوتے۔ مولانا صاحب اکثر کھانے کے بعد معدے کی بیماری کی وجہ سے ہاضمہ کے لئے سیون اپ پیتے۔ اجنبی لوگوں کے ہاں یا اجنبی جگہ پر ہم نے اس کا کوڈ نام "اُووہ دَپاسہ"یعنی سات اوپر رکھا تھا تو مولانا صاحب خود فرماتے کہ اُووہ دَپاسہ کا بندوبست کرو۔ تاکہ اور کوئی نہ سمجھے۔ پشاور شہر کا باشندہ ہونے کی وجہ سے مولانا صاحب کو کھانے کے بعد قہوہ بہت پسند تھا۔ جس کے لئے انہوں نے کوڈ لفظ "اِلا جبریل" رکھا تھا۔ الا جبریل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک شامی عالم نے کھانے کے بعد والی دُعا پڑھی۔ اَکَلَ طَعَامُکُم' الابرار واَفۡطَرَ عندکم الصائمون وصّلَت' عَلَیۡکُم' اَلمَلائکتہَ یعنی نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں۔ روزہ دار تمہارے ہاں افطار کریں اور تم پر ملائکہ سلام کہیں۔ یہ تو حدیث شریف کی دُعا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اُس نے ایک فقرہ اپنی طرف سے بڑھایا۔ اِلاَّ جبریل یعنی ملائکہ

سلام کہیں۔ سوائے جبریل کے پوچھنے پر بتلایا کہ چائے لے آئیں پھر جبریل بھی سلام کہہ دے گا۔ اسی طرح سید انور انجینئر کی دعوت پر مولانا صاحب کے ساتھ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ڈاکٹر محمد انور چیئرمین فارماکالوجی بھی عمرہ پر گئے۔ سید انور ائیرپورٹ پر آکے ملے اور ٹرانسپورٹ قیام و طعام کے تمام انتظامات سنبھال لئے۔ ایک دو دن بعد ڈاکٹر انور صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ اپنے پیسوں کا تھیلہ بھی نکالو گے یا سید انور ایسا ہی خرچہ کرتا رہے گا۔ اور پھر ایک لطیفہ سُنایا کہ ایک آدمی کی ماں مر گئی۔ لوگ اندھیرے میں بیٹھے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ روشنی کا کوئی بندوبست نہیں تو وہ آدمی کہنے لگا کہ ہمارے پاس تو ایک لالٹین ہے لیکن وہ ہم نے کسی شادی غمی کے موقع کے لئے رکھا ہے تو ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ شاید آپ لوگوں کے پیسوں کا تھیلہ بھی وہی لالٹین ہے۔ اس کے بعد جب سفر پر مولانا صاحب کے ساتھ ہوتے تو پیسوں کے تھیلے کا نام لالٹین رکھا تھا۔ عبدالعزیز کشمیری کا سب کچھ 1947ء کی جنگ میں لٹ گیا۔ اور وہ تن تنہا آکر مولانا صاحب کے پاس پڑے رہے۔ مولانا صاحب کے قابل اعتماد آدمی تھے۔ پنجابی اور ہندکو کی عجیب عجیب شگوفے چھوڑتے اور ضرب الامثال پڑھ کر مولانا صاحب کی طرف اشارے کرتے اور مولانا صاحب سنکر محظوظ ہوتے۔

ایک دفعہ مازارہ تشریف لے گئے۔ پکی سڑک سے سید فقیر اللہ شاہ صاحب کے گھر تک گاڑی کا راستہ نہیں تھا۔ بابو صاحب فضل ودود نے کہا کہ میں پیٹھ پر اُٹھا کر لے جاؤں گا تو مولانا صاحب فرمانے لگے۔ نہ بھائی یہ تو مجھے بوری کی طرح اُٹھاتے ہیں۔ محمد اسرار کا لکچرر شپ کے لئے پبلک سروس کمیشن میں انٹرویو تھا۔ تو مزاحاً چھری نکال کر مولانا صاحب سے فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک دُعا کرو۔ ورنہ آپ کی خیر

نہیں۔ مولانا صاحب نے ہنس کر دُعا کرلی۔ محمد اسرار لکچرر ہو گئے باوجود اس کے کہ دوسرے امیدوار کا چچا سلیکشن کمیٹی کا ممبر تھا۔ مولانا صاحب کپڑے تبدیل کر رہے تھے۔ محمد اسرار کو کہا کہ مُنہ اس طرف کرو تو اسرار کہتا ہے۔ مولانا صاحب پردہ از اغیار باشد نے زیار یعنی پردہ غیروں سے ہوتا ہے۔ اپنوں سے کیا پردہ۔ پروفیسر شاہ ولی خان کے ساتھ دو چھوٹے بیٹے ساتھ آئے تھے۔ مولانا صاحب نے زور سے اللہ کا نعرہ لگایا۔ وہ ڈر گئے۔ دوسری دفعہ جب شاہ ولی خان نے ساتھ جانے کے لئے کہا تو انکار کیا کہ بابا چھینک مارتا ہے۔

مولانا صاحب کو اگر کوئی مدعو کرتے تو فرماتے۔ میں تو قادر بالغیر ہوں۔ خود نہیں جاسکتا۔ میرے اُٹھاؤ بٹھاؤ سے پوچھو۔ کراچی سے ایک لڑکا مولانا صاحب سے بیعت ہوا۔ اپنی اصلاح و تربیت کے لئے خطوط لکھتا رہا۔ اُن کے والد صاحب طاہر القادری کے بہت معتقد اور معراج القرآن اکیڈیمی کے سرگرم رکن تھے۔ وہ بیٹے کو اپنے لائن پر ڈالنا چاہتے تھے۔ لیکن بیٹے کا رجحان اُس طرف نہیں تھا۔ اس لئے ان کے والد مولانا صاحب کو لکھتے کہ آپ اُس کو یہ کہہ دیں۔ وہ کہہ دیں کہ ایسا کریں ویسا کریں۔ تو مولانا صاحب نے اُن کو لکھا کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ جو لڑکا کسی شیخ سے بیعت ہو جائے تو اُس شیخ کو اُس لڑکے کے والد سے بیعت ہونا پڑتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہم تو اہل قبور ہیں۔ اگر کوئی آئے گا۔ تو فاتحہ پڑھ لیگا۔

جنات سے واسطہ

مولانا صاحب اپنے مکان نمبر 10، اسلامیہ کالج پشاور کے اندر صحن میں سوئے ہوئے تھے۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی چیز کپڑے لٹکانے والی تار کے ساتھ اُلٹا

لٹک کر تار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتی ہے اور ساتھ ساتھ کچھ بولتا بھی ہے۔ مولانا صاحب نے آیۃ الکرسی پڑھ لی تو وہ جن گویا ہوا کہ میں ایجنٹا کے غاروں سے آپ کے پیچھے آیا ہوا ہوں۔ آپ نے ہمارے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا۔ مولانا صاحب نے اُن سے دوبارہ نہ آنے کا وعدہ لیکر چھوڑ دیا۔

سال 1973ء کے حج میں مولانا صاحب ایسے وقت میں مکہ مکرمہ پہنچے کہ لوگ منیٰ روانہ ہو رہے تھے۔ اس لئے مکان نہیں لیا۔ حج کے بعد منیٰ سے واپسی پر محمد حسین خان کے بھائی کے ساتھ اُن کے مکان میں ٹھہرے۔ یہ پُرانے طرز کا ایک کچا مکان تھا۔ جو کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔ چارپائیاں نہیں تھیں۔ زمین پر بستر لگائے تھے۔ صبح اُٹھے تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ میرا بستر ہ ذرا نیچے کو سرکاؤ کیونکہ وہ تو کسی کی جگہ معلوم ہوتی ہے۔ یعنی جنات۔ وہ رات میرے اوپر آکر لیٹ گیا۔ اور اُس کا بالوں والا پاؤں میرے ہاتھ میں آگیا۔ اُسی مکان میں چند دن بعد جب مدینہ منورہ جانے والے تھے۔ تو کچھ مرغ ذبح کر کے صاف کر کے رکھے کہ عشاء کے بعد آکر ان کو پکالیں گے۔ تاکہ راستہ میں دوپہر کے کھانے میں استعمال کریں۔ عشاء سے واپس آکر دیکھا کہ سارے گوشت کو تتر بتر کر کے اِدھر اُدھر پھینکا گیا تھا۔ اُس میں سے کھایا نہیں تھا۔ مولانا صاحب فرمانے لگے کہ یہ جنات کی شرارت ہے۔ ایک دفعہ اپنے گھر پر ایک جن کو دیکھا کہ ہیٹ پہنا ہوا تھا۔ اور اُس کا سر چھت سے لگ رہا تھا۔ ڈاکٹر عالم خان کا کوئی واقف ایک لڑکے کو دَم کے لئے لایا۔ جن پر جنات کے اثرات تھے۔ مولانا صاحب نے دَم کیا۔ وہ خوب آرام سے بیٹھا تھا۔ مجمع بھی کافی تھا۔ اتنے میں وہ اُٹھ کر کمرے سے باہر نکلا اور جونہی دروازے سے باہر ہوا۔ جنات نے پکڑ لیا۔

ہم اُس کو ہاتھ پاؤں سے پکڑ کر اندر لے آئے۔ مولانا صاحب نے دَم کرنا شروع کیا۔ پہلے تو پڑا ہوا تھا۔ پھر اُٹھ کے بیٹھ گیا اور مولانا صاحب پر بار بار حملہ کرنا چاہا۔ لیکن صرف دَباؤ ڈالتا تھا۔ ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ مولانا صاحب نے لاٹھی لیکر اُس کو آہستہ سے ایک دو لگا دیئے اور ساتھ ساتھ فرماتے کہ اُتْرِکْوُہٗ یعنی چھوڑ دو اِس کو۔ اس کے بعد وہ رام ہو گیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔ ٹھیک ہونے پر جب ہم نے لڑکے سے پوچھا۔ اُسے کچھ بھی پتہ نہیں تھا کہ کیا ہوا۔

ایک دفعہ پشاور یونیورسٹی میں عرب طلباء اپنے ایک ساتھی کو لاہور سے لے آئے۔ جس کا پیشاب بند تھا اور سخت تکلیف میں تھا۔ مولانا صاحب کو جنات کا اثر معلوم ہوا۔ اس لئے جنات کا دَم کرنے لگا جونہی جنات اُس سے اُٹھے اور اُس کو چھوڑ دیا تو اس کا پیشاب ادھر ہی کمرے میں قالین پر نکل گیا۔ اور افاقہ ہوا۔ اسی طرح ایک لڑکے کو لایا گیا۔ جن کی شنوائی ختم ہو چکی تھی اور کان بند ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر محی الدین سرجن بھی اس وقت مجمع میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے میڈیکل کے نقطہ نظر سے اُس کے اسباب بتائے اور کہا کہ اِس کے ٹھیک ہونے میں تقریباً چھ ماہ لگیں گے۔ مولانا صاحب نے اُن کو دَم کرنا شروع کیا اور آخیر میں دائیں کان میں آذان اور بائیں کان میں اقامت کہہ دی۔ لڑکا اُس وقت بول پڑا کہنے لگا۔ آذان ہو گئی کیا نماز کا وقت ہے۔

قریشی صاحب ڈی آئی خان والے جنات کے بڑے عامل تھے۔ وہ جنات کو بلاتے۔ اُن سے کام لیتے اور سرکش جنات کو قید کر کے بوتل میں بند کروا دیتے۔ خود تبلیغ کے کام سے منسلک تھے۔ مولانا صاحب سے کئی بار ملے اور جنات سے

چھٹکارے کے کئی عمل بتائے اور اجازت دی۔ مولانا صاحب کو اِس دھندے سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ مخلوق میں سے مصیبت زدوں کی تکلیف کے اِزالہ کے لئے جنات کا دَم کیا کرتے تھے۔ رات کو جنات تنگ کرتے اور سونے نہیں دیتے تھے۔ اور دن کے وقت دَم کرنے والوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اس لئے یہ ذمہ داری مولوی محمد یوسف البرجوی کے حوالے کر دی۔ مولوی صاحب کافی عرصہ تک اِس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔ لیکن اُن کو بھی جنات تنگ کرتے رہے۔ آخیر میں یہ ذمہ داری پروفیسر محمد نعمان صاحب کو سونپی گئی جو بحمد اللہ آج تک نبھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دَے۔ مولانا صاحب کا قول ہے کہ جنات کی نہ دشمنی اچھی ہے نہ دُوستی۔

جن دنوں میں مولانا صاحب جنات کا دَم کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں میں جنات رات کو بہت تنگ کرتے تھے۔ نیند کرنے نہیں چھوڑتے تھے۔ ہم پاس سونے والوں کو بھی پتہ لگ جاتا۔ کہ مولانا صاحب پر جنات آئے ہیں۔ مولانا صاحب نیند میں آیۃ الکرسی اور دوسری جنات کی دُعائیں پڑھنا شروع کرتے تھے۔

ابتلائیں اور دینی تصلب (ناخوشگوار و ناپسندیدہ واقعات)

حضرت مولانا صاحب نے بہت ہی حساس طبیعت پائی تھی۔ اس لئے کسی مخالف بات یا واقعہ کا بہت زیادہ اثر لیا کرتے تھے۔ لیکن متنازعہ معاملات وواقعات میں اکثر سکوت سے کام لیتے تھے۔ عام مجمع میں تو بالکل نہیں لیکن اپنے خاص رفقاء کی مجلس میں کبھی اظہار کر لیتے تھے۔ وہ بھی کھل کر نہیں بلکہ اکثر اشارتاً۔ اس لئے رفقاء میں سے کسی کو بھی اُن متنازعہ معاملات وواقعات کی پوری تفصیل معلوم نہیں۔ اور جب مولانا صاحب

نے کھل کر بیان نہیں کیا۔ تو ہم اُن کی کھوج میں کیوں لگ جائیں۔ البتہ اُن معاملات و واقعات کا اجمالاً ذکر اس لئے کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ مولانا صاحب کے زندگی میں رونما ہونے والا کوئی واقعہ تحریر میں لائے بغیر نہ رہ جائے۔

مولانا صاحب کو معدے میں پیپٹک السر کی تکلیف تھی۔ صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ رائے ونڈ کے بعض مقیمین حضرات کے مولانا صاحب کے متعلق ریمارکس پر ایسا ہوا تھا۔ ریمارکس پر تو مولانا صاحب نے کچھ ردِ عمل یا تاثر نہ دیا اور اندر اندر اُس کو برداشت کیا۔ لیکن نتیجہ اس مرض کی شکل میں نکلا۔ یہ واقعہ 1950ء کی دھائی کا ہے۔ رائے ونڈ کی بنیاد والی زمین میاں جی عبداللہ کا وقف کردہ تحفہ ہے۔ بعد میں اُن کی کچھ اور زمین بھی اُن کے طیب قلب کے بغیر رائے ونڈ مرکز میں شامل کی گئی۔ بہر حال ہمیں صرف اتنا پتہ لگا تھا۔ کہ کچھ معاملہ تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ اُن اکابرین میں سے تھے۔ جنہوں نے رائے ونڈ مرکز کی بنیاد ڈالی۔ گھاس پھوس کی تین جھونپڑیاں بنائی گئیں۔ مرکز کو چلانے کے لئے ان میں ایک میں شاہ صاحب مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد شاہ صاحب رائے ونڈ مرکز سے کراچی منتقل ہوگئے۔ اب وہ کونسے وجوہات و عوامل تھے۔ جن کی وجہ سے شاہ صاحب کو رائے ونڈ مرکز چھوڑنا پڑا۔ یہ سربمہر راز ہے جو شاید مولانا صاحب کو معلوم تھا۔ اور اُن پر اس کا اثر بھی تھا۔

پشاور کا تبلیغی مرکز مسجد گنج علی خان سے مسجد خواجہ معروف اور وہاں سے سخی چشمہ منتقل ہوا۔ سخی چشمہ کی زمین ایک تبلیغی حضرت کی تھی جسے واپڈا والوں نے واپڈا ہاؤس اور کالونی کے لئے سرکاری طور پر لے لیا تھا۔ چونکہ وہ صاحب خود محکمہ مال کے

اہلکار رہ چکے تھے۔ اس لئے تبلیغی مرکز کو استعمال کرکے زمین کو واپڈا سے واپس لینے کے خواہشمند تھے۔ مولانا صاحب کو اس سارے قصے کا پتہ تھا۔ کیونکہ مولانا صاحب کے متعلقین میں سے ایک سرکاری اہلکار نے وہ سارا ریکارڈ مولانا صاحب کو دے دیا تھا۔ اور مولانا صاحب پشاور کے تبلیغ کے امیر بھی تھے۔ اس لئے اس معاملے میں آپ کا باخبر رہنا ضروری تھا۔ اِس چیز نے مولانا صاحب کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کو جنم دیا۔ جو بہتان کی شکل میں نمودار ہوکر مولانا صاحب کے لئے تکلیف کا باعث بنی اور تبلیغی امارت کو چھوڑنا پڑا۔ اِس واقعہ نے مخلصین کے دِلوں میں مولانا صاحب کے ساتھ عقیدت کو اور زیادہ مضبوط بنایا۔ لیکن یہاں کے مقامی تبلیغی کام کو دھچکا ضرور لگا۔

سن ساٹھ کی دھائی میں کوہاٹ کے ریٹائرڈ کرنل سلطان مولانا صاحب کے ہاں اکثر آیا کرتے تھے۔ پھر بیعت ہوکر مولانا صاحب نے خلافت بھی دِے دِی۔ لیکن آخیر میں اُس نے خود مولانا صاحب سے تعلق قطع کیا۔ ہمیں واضح وجوہات کا پتہ نہیں لگا۔

فری میسن لاج میں جب جمعہ کی نماز شروع کی۔ تو خطبہ اکثر مولانا صاحب خود دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ تقریر کے دوران عبدالرحمان نے چِٹ بھیجی۔ کہ علامہ عارف الحسینی کو قتل کیا گیا ہے۔ اُن کے لئے دُعا کرلیں۔ تو مولانا صاحب نے تقریر کے دوران برملا کہہ دیا۔ کہ وہ صحیح مسلک پر نہیں تھے۔ اس لئے ہم اُن کے لئے ایسا نہیں کرسکتے۔

بوہرہ فرقے کے امام و پیشوا سیدنا برہان الدین ایک دفعہ پشاور یونیورسٹی تشریف لائے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کے بُلانے پر مولانا صاحب اُس جلسہ میں شریک ہوئے۔ لیکن عام مجلس میں اکثر اُن کو "سیدنا" کی بجائے "سیدھم" کہہ کر ذکر فرمایا کرتے تھے۔

جناب مودودی صاحب کے بہت سارے افکار و تحاریر سے مولانا صاحب کو اختلاف تھا۔ خاص کر انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید کو بہت بُرا مانتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ صحابہ کرام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین یعنی دعویٰ کے گواہ ہیں۔ گواہ کو مجروح کرنا سارے دعویٰ کو باطل کرنے کے مترادف ہے۔ فرماتے تھے کہ مودودیت کے اندر انسان میں جو تنقید کا مادہ پنپ جاتا ہے۔ وہ پھر کسی بڑے کا لحاظ نہیں کرتا۔ خواہ اُستاد ہوں، والدین ہوں، بزرگان دین ہوں یا صحابہ کرام۔ اس وجہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ انسان خواہ جماعت اسلامی کو چھوڑ بھی دے۔ اور مکمل توبہ کرلیں۔ پھر بھی ایک آنچ کی کسر باقی رہ جاتی ہے۔ مولانا راحت گل صاحب نے کئی دفعہ اپنے راحت آباد کے مدرسے میں کئی موقعوں پر بلایا لیکن آپ نہیں گئے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کئی دفعہ وقت مانگا۔ لیکن مولانا صاحب کسی بہانہ سے اُن کو ٹالتے رہے۔

ملفوظ مولانا محمد اشرف سلیمانی۔ عقل جن نظریات و عقلیات کو وجود بخشش ہے۔ اُن کا منبع و منشاء حواس کا عطا کردہ معلومات ہوتی ہیں۔ اگر حواس کے ذریعے حاصل شدہ معلومات ہمارے عقل کو مواد مہیا نہ کرے۔ تو عقل لولی لنگڑی ہوجائیگی۔

باب۔8

دینی معرکے

مولانا صاحب کی زندگی میں کچھ ایسے واقعات بھی پیش آئے جو دین کے خلاف یا دینی احکام و شعائر اسلام کے استخفاف کا معاملہ تھا۔ مولانا صاحب نے اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر اپنی جان کی بازی لگاکر اُن معرکوں کو سر کرلیا۔ یہ واقعات اکثر ایسے موقعوں پر پیش آئے کہ مولانا صاحب ہسپتال میں داخل تھے اور ڈاکٹروں نے بات کرنے سے بھی منع کیا تھا۔ لیکن دینی حمیت و محبت سے سرشار مولانا صاحب نے دِن رات ایک کرکے ہسپتال ہی میں تیاری کرلی اور سینکڑوں صفحات پر مشتمل مع شواہد و دلائل مقالات وجوابات تیار کئے اور پھر ایمبولینس میں جاکر شرعی عدالت اسلام آباد میں پیش کئے بلکہ خود دلائل دیکر جج صاحبان کو قائل کیا۔

اسی طرح بذات خود قادیانیوں کے ساتھ مناظرے کرکے اُن کو یونیورسٹی میں پاؤں جمنے نہیں دیا۔ یونیورسٹی کے مساجد و ہاسٹلوں میں اپنے بیانات کے ذریعے منکرین حدیث و سوشلزم والوں کے زور کو توڑا۔ اپنی مجاہدانہ جدوجہد کی بنا پر پوری حکومت، گورنر اور کمشنر کی سخت مخالفت کے باوجود فری میسن لاج 38 دی مال کو جامع مسجد درویش اور مدرسہ امداد العلوم اسلامیہ بنایا۔ مسیحی مشنری کو طلباء کے گمراہ کرنے کے لئے مسیحی مرکز قائم کرنے کے سامنے سدِ سکندری بن گئے۔

یونیورسٹی میں قادیانی سازشیں

اسلامیہ کالج پشاور 1913ء میں بنا تھا اور پھر 1950ء میں اُسی کیمپس پر پشاور یونیورسٹی بنی۔ قادیانیوں کی روزاول سے اِس پر نظر تھی۔ اسلامیہ کالج پشاور کے سپرنٹنڈنٹ جو اصل میں اسلامیہ کالج کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا تھا وہ عبداللہ جان نامی شخص تھا۔ جس نے اسلامیہ کالج کے شمال مغربی کونے کے متصل اپنا ذاتی مکان بنایا تھا۔ جو اب عبداللہ جان کالونی کے نام سے مشہور ہے۔ الحمدللہ کہ اُس کے سارے بچے بہت اچھے اور سچے مسلمان ہیں۔ اور دینِ محمدی کے خدمت گذار بھی ہیں۔ پشاور یونیورسٹی بننے کے اوائل میں احمد حسن رجسٹرار تھے۔ جو ایک متحرک اور کٹر قسم کے قادیانی تھے۔ جو اپنی سازشی حرکات و واردات کی وجہ سے مشہور تھے۔ اُس کی پوسٹ کی وجہ سے باقی قادیانیوں کا یونیورسٹی میں داخلہ خواہ تعلیم کے لئے یا ملازمت کے لئے آسان بنایا گیا تھا۔ یونیورسٹی کیمپس کے بیچ میں عورتوں کی ڈسپنسری میں دوائی کے سٹور پر تعینات مسٹر صیفور غالی و مبلغ قسم کا قادیانی تھا۔ پشاور یونیورسٹی کیمپس کے اندر پاکستان فارسٹ انسٹی ٹیوٹ کے شعبہ انٹومالوجی کے سربراہ غلام اللہ قادیانیوں کے سرکردہ مبلغین اور بڑوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ زرعی کالج پشاور میں مبشر قادیانی انگلش کے پروفیسر تھے۔ مسعود قادیانی اینمل سائنس میں پروفیسر تھے۔ اسی طرح یونیورسٹی کے شعبہ ایسٹبلیشمنٹ میں غلام محمد نامی کلرک تھے۔ جو فخریہ کہا کرتے تھے کہ صوبہ سرحد میں قادیانیت میرا باپ لائے ہیں۔

سازشوں کی ابتدا

ان قادیانیوں نے ایک منظم سازشی تحریک شروع کی کہ اپنے کسی قادیانی کے

گھر اپنے مجمع میں چند مسلمانوں کو چائے کے لئے مدعو کرتے اور پھر اپنی بات چلاتے۔ قادیانی نہ تو اپنے کو غیر مسلم کہتے ہیں اور نہ اپنی قادیانیت کی بات کھلم کھلا کہتے ہیں۔ اس لئے اکثر سادہ لوح مسلمان اساتذہ اور طلباء ان کے دَجل و فریب کو سمجھ نہ پاتے اور یہ اپنے اثرات پھیلاتے رہے۔ یہ طریقہ ان کا ہر ایک پروفیسر اپنے طلباء خاص کر فسٹ ائیر والوں پر بھی اَزماتے رہے اور چائے پلانے کے بعد پھر اپنی لائبریری اُن کے لئے کھول دیتے کہ جو کتاب آپ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں جو کہ عموماً قادیانیت پر مواد ہوا کرتا تھا۔ ان کا یہ طریقہ کار اور راز تب افشاء ہوا۔ جب انہوں نے اپنی ایک مجلس میں ایجوکیشن کالج کے میاں محمد شاہ کو بلایا۔ میاں صاحب تو ایک سچا عاشق رسول، زیرک، بے باک اور جہاں گشتہ مسلمان فلاسفر تھے۔ اُس نے خود بھی ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور مولانا صاحب کو سارا احوال سنا کر دوسرے اجلاس میں اُن کو بھی بُلایا۔ مولانا صاحب اور میاں صاحب نے مل کر ان کو خوب لتاڑا۔ اور آئندہ کے لئے بحث کا موضوع مسائل سے ہٹا کر غلام احمد قادیانی کی ذات کو بنایا۔ تاکہ اس کی ذات، تضادات و خرافات سامنے آجائیں۔ اِس غرض سے مولانا صاحب نے اُن کی بنیادی کتابوں کو جمع کیا اور انہیں اُن کی کتابوں کے حوالہ جات دیکر اُن کا رَد کیا۔ ایک دو اجلاس کے بعد قادیانی سمجھ گئے کہ معاملہ بگڑ گیا اور آئندہ اجلاس میں آنا بند کر کے اِس سلسلہ کو ختم کر دیا۔ لیکن مولانا صاحب نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اپنے تبلیغی بیانات اور اپنے متعلقین و متوسلین کے ذریعے ان کا دَجل و فریب آشکارا کر کے یونیورسٹی کی زمین اُن کے لئے تنگ کر دی۔ اِس قسم کا ایک واقعہ ہاسٹل نمبر 7 میں رونما ہوا کہ قادیانی پروفیسر مبشر نے ایک طالب العلم کو عید مبارک کارڈ بھیجا۔ کارڈ کے دوسرے سائیڈ پر قادیانیت کے تبلیغ و پرچار کا پورا

پروگرام درج تھا۔ وہ کارڈ ہاسٹل کے وارڈن میر حاتم کے ہاتھ لگا۔ اُس کارڈ کو بنیاد بنا کر میر حاتم نے زرعی کالج کے پرنسپل کو لکھا کہ پروفیسر مبشر کی اِس حرکت پر طلباء سخت مشتعل ہیں۔ اس لئے پروفیسر مبشر کا ہاسٹل نمبر 7 میں آنا بند کیا جائے۔ ورنہ اگر کچھ ناخوشگوار واقعہ ہوا۔ تو وارڈن ذمہ دار نہیں ہو گا۔ اُن دِنوں میں کالج کے طرف سے مختلف اساتذہ کو باری باری ہاسٹلوں میں طلباء سے اختلاط کے لئے اُن کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ اِس بات کا سارے کالج میں بڑا چرچا ہوا۔ اور قادیانی اساتذہ کی کافی حوصلہ شکنی ہوئی۔

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی سزا

پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت میں شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی سزا کا مقدمہ در پیش تھا۔ جس کے لئے ملک کے مختلف اہل علم حضرات، سکالرز اور مفکرین کو دعوت دی گئی تھی کہ وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد میں اپنا بیان دیکر ٹھوس شواہد و دلائل کے ذریعے اِس مسئلے کی حقیقت کو واضح کر دیں۔ حضرت مولانا صاحب جو ہمیشہ حبیبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی واُمی کہا کرتے تھے کے لئے یہ موقع ایک غنیمت سے کم نہیں تھا۔ آپ نے اس کے مواد کے لئے قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، واقعات صحابہ، اجماعِ امت و اکابرین امت کے عبارات و اقوال کو بطور دلائل و شواہد جمع کر کے تیاری کر لی۔

تاریخ مقررہ سے ایک دِن پہلے پشاور سے اسلام آباد تشریف لا کر بھائی نسیم انجینئر صاحب کے گھر میں قیام فرمایا۔ صبح ذرا دیر سے چائے کے وقفہ میں شرعی عدالت پہنچے۔ چونکہ سارے جج صاحبان چائے کے لئے بالائی منزل کے کمیٹی روم میں

موجود تھے۔ اس لئے مولانا صاحب کو بھی پیٹھ پر اُٹھا کر کمیٹی روم میں پہنچایا گیا۔ دیری کی وجہ سے جج صاحبان کچھ ناراض تھے۔ لیکن اِس قدر معذوری کے باوجود مولانا صاحب کا عدالت میں آنے کو سب نے سراہا اور معذرت کر دی۔ اسی دوران رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جناب جسٹس افضل چیمہ صاحب آکر بڑے ادب و احترام سے ملے اور جج صاحبان سے مولانا صاحب کا تعارف کرادِیا۔ اُس کی تعارف نے مولانا صاحب کی وقعت میں اور اضافہ کر دیا۔ چائے کی وقفے کے بعد عدالت لگی اور مولانا صاحب نے اپنا بیان شروع کیا۔ مولانا صاحب نے تقریباً دو گھنٹے تک دلائل و شواہد کی روشنی میں اپنا بیان جاری رکھا۔ بیان ابھی جاری تھا کہ ظہر کی نماز کے لئے وقفہ کیا گیا۔ اس لئے بقیہ بیان کل صبح کے لئے رکھا گیا۔ مولانا صاحب کو عدالت کی طرف سے رہائش کی فرمائش کی گئی۔ جس کے لئے مولانا صاحب نے اُن کا شکریہ ادا کر کے فرمایا: ’’کہ میری رہائش کا بندوبست ہے‘‘۔ دوسرے دِن مولانا صاحب صبح سویرے عدالت پہنچے اور ساڑے آٹھ بجے اپنا بیان جہاں چھوڑا تھا وہاں سے شروع کر دیا۔ دس بجے چائے کے وقفہ کے بعد دوبارہ اپنا بیان جاری رکھا۔ جو ڈیڑھ بجے تک مکمل ہوا۔ اِس دوران جج صاحبان بیان پر جرح کرتے رہے اور مولانا صاحب جوابات دیتے رہے۔ آخیر میں مولانا صاحب نے اپنا تحریری بیان ایک مسودے کی شکل میں عدالت میں جمع کرادیا اور بیان پر جج صاحبان کے جرح اور سوالات کے نقول عدالت سے حاصل کئے۔ وفاقی شرعی عدالت نے بیانات، دلائل و شواہد کے بناء پر فیصلہ صادر فرمایا کہ شاتم رسول واجب القتل ہے۔ مولانا صاحب کی وفات کے بعد اُن کے تحریری بیان کو پروفیسر ڈاکٹر محمد نعمان صاحب خلیفہ مجاز بیعت نے کتابی شکل میں شائع کر دیا۔ کتاب

124 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کے چھوٹے بڑے سب ملا کر 77 عنوانات ہیں۔ تمام حوالہ جات کی اصل متن مع اُردو ترجمہ کی نقل کی گئی ہیں۔

کتاب کے افادیت کی بارے میں حضرت مفتی غلام الرحمن صاحب کے تقریظ سے اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں: ''زیر نظر کتاب حضرت مولانا اشرف خان صاحب رحمہ اللہ کی وہ قیمتی دستاویز ہے۔ جس میں آپؒ نے قرآن کریم کی متعدد آیات، کئی احادیث، آثار صحابہ اور فقہاء محدثین کی عبارات سے شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں کی مذکورہ سزا کو ثابت کیا ہے۔ پوری کتاب میں اپنی تحریرات یا آراء کی بجائے اکابرین امت کی عبارات نقل کر کے اُس کا ترجمہ پیش کرنے کو ترجیح دی ہے۔ موضوع کے حوالہ سے ایک قیمتی مجموعہ ہے''۔

منکرین حدیث

خیبر میڈیکل کالج پشاور کے ایم بی بی ایس فائنل کا ایک طالب العلم کٹر قسم کا منکر حدیث تھا۔ منکر حدیث غلام احمد پرویز سے متاثر تھا۔ اُن کی کتابوں کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اُسے اپنے علم اور انکار حدیث کے عقیدے پر پکا یقین تھا۔ وہ اِس خیال سے مولانا صاحب کے ہاں آیا کہ اپنے دلائل اور مناظرہ سے مولانا صاحب کو قائل کر دے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ائمہ حدیث اور احادیث پر ناشائستہ، زہر آلود اور رکیک قسم کے حملے کرتا اور مولانا صاحب نہایت نرمی و شفقت اور دلسوزی سے جواب دیکر کہتا: نہیں بیٹا ایسی بات نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے۔ وہ لڑکا کبھی عربی کے کسی کتاب کا صحاح ستہ یا قاموس جیسی عربی ڈکشنری کا حوالہ دے جاتا۔ صوفیاء حضرات تقریر کے ساتھ ساتھ عملاً بھی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اکثر

عملی طریقہ زیادہ مؤثر و زود فہم ہوتا ہے۔ مولانا صاحب نے بھی یہی طریقہ استعمال کیا اور عربی کی کتابوں سے حوالہ جات عربی میں پڑھ کر سنادیئے۔ جب طالب العلم نے کہا کہ سمجھا نہیں تو مولانا صاحب نے وہی مضمون پھر عربی میں پڑھ کر سنادیئے۔ وہ پھر نہ سمجھا تو آخر کار مولانا صاحب نے فرمایا کہ بیٹا آپ حوالہ تو عربی کے کتاب کا دیتے ہیں۔ لیکن آپ نے صرف اس کا ترجمہ اردو میں پڑھا ہے۔ عربی آپ جانتے نہیں اور ترجمہ بھی آپ نے غلام احمد پرویز کا پڑھا ہے۔ جس نے تاریخ میں پہلی بار ایسی بددیانتی اور خیانت کی ہے کہ اصل متن کچھ اور ہے۔ اور ترجمہ اس کا کچھ اور کیا ہے۔ حتیٰ کہ قاموس جیسی عربی کی بڑی اور مستند ڈکشنری کے ساتھ بھی یہ بددیانتی کی ہے۔

آخر میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ ایک موٹی بات سمجھ لو کہ قرآن اپنے قرآن ہونے میں حدیث کا محتاج ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے۔ حدیث سے انکار صحابہ کرام کی روایت سے انکار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے گواہ ہیں۔ گواہ کو جھٹلانا یا مجروح کرنا دین کے مقدمے کو ڈھانے کے مترادف ہے۔ اُن کے بارے میں وحی الٰہی کی شہادت ہے کہ ''راضی ہوا اللہ اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں زبان کھولنے پر تنبیہ فرمائی ہے: ''اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے بارے میں خبردار رہو۔ میرے بعد اُنہیں اپنے طعن و تشنیع، ملامت و تنقید کا نشانہ نہ بناؤ کہ اصل بات یہ ہے کہ جس نے اُن سے

محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو اصلاً میرے بغض کے سبب سے ہی اُن سے بغض رکھا۔ اور جس نے اُن کو ایذا دِی۔ اُس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب میں پکڑے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ ﷺ کی زندگی کا مثنیٰ اور نمونہ تھے۔ حضور انور خاتم النبیین ﷺ کی زندگی کے جزو کل کو انسانوں تک بے کم و کاست پہنچانے کے لئے حکمت الٰہیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو منتخب فرمایا تھا۔ مولانا صاحب روشنی کے ایک اونچے مینار تھے۔ جو ناسمجھ اور ناپختہ ذہن طلباء کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے۔ پریشانی اور الجھن کے وقت میں راہنمائی فرماتے۔ ورنہ غلط راستوں پر پڑنے کے لئے تو یونیورسٹی کا ماحول بڑا ساز گار تھا۔

فری میسن لاج جامع مسجد بن گئی

یہ ایک عجیب و دلچسپ داستان ہے کہ پشاور میں یہودیوں کی خفیہ تنظیم فری میسن لاج کس طرح جامع مسجد میں تبدیل ہو گئی۔ یہ روئیداد ماہنامہ "البیان" شمارہ صفر 1404ھ بمطابق نومبر 1983ء کے آغاز بیان میں خود مولانا صاحب کی زبانی سنئے:

"صوبہ سرحد بر کوچک کا آخری حصہ ہے۔ جس کے غیور پٹھان کسی حد تک انگریز سے آخر وقت تک نبرد آزما رہے۔ اور اُن کے جذبہ حریت کو نہ انگریز کی سنگین دَبا سکیں نہ اُن کی سازشیں، خصوصاً اِس علاقے کے علماء جنہیں انگریز اپنی کتابوں میں Fanatic mullahs کے نام سے یاد کرتا تھا۔ ان کے لئے ہمیشہ درد سر بنے رہے۔ یہاں بھی انگریزی کالج، ہسپتال، گرجا، فری میسنز لاجز کے روپ میں اپنے مقاصد کو پھیلانے کی پیہم

کوشش کرتا رہا۔ عجب بات ہے کہ صوبہ سرحد کا دارالسلطنت پشاور جب انگریزوں کی ان کارروائیوں کا آماجگاہ بنا تو فریب کے لئے مساجد کے طرز تعمیر کو ایک حد تک اپنایا گیا۔

پشاور چھاؤنی میں مال روڈ کا جو بہت قیمتی حصہ تھا۔ وہاں ایک ہی علاقے میں چار بڑے بڑے گرجے تعمیر کئے گئے اور کسی گرجا کو 44 کنال، کسی کو 32 کنال، کسی کو 24 کنال تک زمین دی گئی۔ حالانکہ وہاں عیسائیوں کی کوئی بستی نہ تھی۔ انہیں گرجوں کے دامن میں 22 کنال کی زمین میں فری میسنز لاج 1865ء میں قائم کیا گیا۔ جو اس علاقے کے ذہین، مالدار اور پُراثر لوگوں کو انگریزوں کا زلہ بار بنا کر اپنے مفادات کی حفاظت کرواتا تھا۔ عام لوگ اس لاج کو اس کی پوشیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے جادوگر کہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد بھی یہ ادارے قائم تھے"۔

انگریز تو پہلے جا چکے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ہندو اور سکھ ممبر بھی ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ صرف وہ ممبر رہ گئے جو مسلمان تھے۔ انہوں نے اِس لاج کو خرید لیا۔ انہی فری میسنز کے ممبروں میں سے بعض کا تعلق مولانا صاحب سے تھا۔ ان میں پشاور صدر کے حاجی غلام نبی، سرور موٹر کارپوریشن والے کا نام اہم ہے۔ 1972ء کے وسط میں ان ممبران نے متفقہ طور پر لاج اور اُس کی زمین کو ایک عالی شان مسجد کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا۔ اور جولائی 1973ء سے باقاعدہ نماز جمعہ وغیرہ پرانی عمارت میں تھوڑی سی تبدیلی سے شروع ہو گئی۔ راہ میں شدید رکاوٹیں آئیں۔

حکومتی رکاوٹیں

ملک میں جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی حکومت تھی اور محمد اسلم خان خٹک صوبہ سرحد کے گورنر تھے۔ حکومت اِس جگہ پر آرٹ کونسل تعمیر کرنا چاہتی تھی

اور کسی طور بھی اس زمین پر مسجد کی تعمیر کے لئے تیار نہ تھی اور آخر کار موجودہ مسجد کو بند کر کے تالا لگا دیا۔ اِس سلسلے میں جب مولانا صاحب گورنر محمد اسلم خان خٹک سے ملے تو اُس نے کہا۔ کہ اتنی قیمتی جگہ کو آپ مسجد و مدرسہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ بھٹو صاحب اس قیمتی جگہ کو آرٹ کمپلکس میں تبدیل کرنا چاہتے تھے کہ یہاں ناچ وڈرامے ہونگے۔ مسجد کے لئے ایک طرف آپ چند مرلے لے لیں پھر جب نصیر اللہ بابر صاحب گورنر ہوئے۔ ان کے پاس بھی حضرت مولانا صاحب تشریف لے گئے، شیر حسن بھی ساتھ تھا۔ اس نے ایسی باتیں کہیں کہ جو ایک مسلمان کے کہنے کی نہیں تھیں۔ کہ مسجد بنانا آسان ہے جو مساجد پہلے سے بنی ہیں۔ ذرا ان کو دیکھیں۔ وہاں انتظام کا کیا حال ہے اور وہاں نمازی کتنے ہیں۔ نزدیک ہی سنہری مسجد ہے۔ وہاں پر دیکھو کہ کتنے نمازی ہیں۔ پیسہ ایک نہیں اور چندوں پر چندے کرتے رہتے ہیں اور مسجد ایک بھی بنا نہیں سکتے اور کہا کہ ہم ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ کہ اتنی اچھی جگہ مسجد کے لئے استعمال ہو۔ یہاں پر مارکیٹ بنائینگے اور کلچرل سنٹر بنائینگے۔ البتہ اگر تم لوگ چاہتے ہو تو ایک کونے میں آپ لوگوں کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد کی جگہ دے دینگے۔

حکومت کی انتہائی مخالفت کے باوجود حضرت مولانا صاحبؒ پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ اور برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ اس فری میسن لاج کی جگہ پر ایک شاندار مسجد اور ایک مثالی دارالعلوم قائم ہو جائے۔ حکومت نے بذریعہ ڈپٹی کمشنر پشاور کئی دفعہ آپ کو گرفتار کرنے کی بھی وارننگ دی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ کے دوران چونکہ حکومت کے رویہ سے بہت تنگ آ گئے تھے۔ آپ نے بھٹو کو اور حکومت کو ایسی کھری کھری سنائیں اور کہا کہ اگر تم لوگ یعنی بھٹو صاحب اور ان کے حواری اللہ

تعالیٰ کے دامن پر ہاتھ ڈالتے ہو تو اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو توڑ کر رکھ دیگا۔ اور کہا کہ تم لوگ اگر اللہ تعالیٰ سے ٹکراؤ گے تو پاش پاش ہو جاؤ گے۔

مسجد کی تعمیر

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید 1977ء میں بھٹو کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور وہ بھی دو سال بعد اپنے انجام کو پہنچ گئے جب ضیاء الحق صاحب کا دور آیا تو حضرت مولانا صاحب نے مسجد کے آزاد کروانے کے لئے اس سے رابطہ قائم کیا۔ اس زمانہ میں جنرل سوار خان پشاور کے گورنر تھے۔ بحمد اللہ ضیاء الحق صاحب مرحوم نے مسجد کو آزاد کرنے کی اجازت دے دی اور پورے کا پورا 22 کنال زمین ہے۔ فری میسن لاج کو مسجد اور مدرسہ کے لئے مولانا صاحب کے نام واگذار کر دی۔ اس کے بعد مسجد کی تعمیر کا معاملہ تھا۔ مسجد جس شان اور طرز کا مولانا صاحبؒ بنوانا چاہتے تھے۔ ان کے لئے ایک بہت بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ پشاور میں کوئی شخص یا کوئی پارٹی اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ اتنی بڑی رقم جو اس زمانہ میں کروڑ سے زیادہ تھی خرچ کرے۔ اس دوران مسجد کے نقشے وغیرہ بنوا کر سعودی عرب کے حکومت سے سفارت خانہ کے ذریعے مالی مدد لینے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ مسجد کا نام بھی شاہ فیصل جامع مسجد تجویز ہوا۔ مگر وہاں سے کوئی مدد نہیں ملی۔ حضرت مولانا صاحبؒ اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ حضرت اشرف علی تھانویؒ دونوں کا اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ اور توکل تھا اور دعاؤں کا سرمایہ تھا۔ دونوں بزرگ حضرات بس اللہ سے مانگ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہاں پر ایک شاندار مسجد کی تعمیر کی کوئی صورت پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا اور سعی کو قبول فرمایا۔ اور غیب سے مسجد کے تعمیر کا بندوبست فرمایا۔ قطر کے ایک مخیر شخص جس کا نام بھی

درویش فخر و تھا اور سیرت سے بھی درویش تھے۔ انہوں نے خود مسجد کی تعمیر کی پیشکش کر دی اور پورے کا پورا مسجد جو پشاور کی بڑی مسجدوں میں سے ایک بڑی اور شاندار مسجد ہے۔ مسجد درویش کے نام سے بنایا اور مسجد کے سارے اخراجات اپنی جیب سے ادا کر دیئے۔ بحمد اللہ حضرت مولانا صاحب کے باقیات صالحات میں اس مسجد کا بھی ایک بہت بڑا حصہ ہے۔

مدرسہ امداد العلوم

مسجد کے ساتھ حضرت مولانا صاحب حفظ و قرأت کا اور دورۂ حدیث تک کا مدرسہ بھی قائم کرنا چاہتے تھے اور بحمد اللہ آپ کے اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے دعاؤں اور کوششوں سے مسجد الدرویش کے ساتھ مدرسہ امداد العلوم بھی قائم ہوا۔ جو صوبہ سرحد کے بڑے بڑے دینی مدارس میں بڑا مدرسہ ہے۔ جناب شیخ الحدیث صاحب مولانا حسن جان مدنی کی اخلاص، شفقت اور علمی رسوخ کی وجہ سے مدرسہ مالی وسائل کی کمی، رہائش، کتب خانہ اور دیگر سہولیات کی کمی کے باوجود دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور طلباء کی تعداد بحمد اللہ بڑھتی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ مدرسہ کی درسگاہوں اور اقامتگاہوں کا غیب کے خزانوں سے انتظام فرمائے۔ جب تک حضرت مولانا صاحب حیات تھے۔ وہ مدرسہ امداد العلوم کے مہتمم تھے اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ اپنے حیات تک اس مدرسہ کے سرپرست تھے۔

دارالعلوم کے مجلس شوریٰ میں حضرت مولانا محمد اشرف (صدر)، سید مسرت حسین شاہ (نائب صدر)، عبدالرحمان (سیکرٹری) جناب راز محمد (جائنٹ سیکرٹری)، حاجی غلام نبی (خزانچی) اور چھ عدد ممبران (میر حاتم، محمد اسلم خان، محمد طاہر، حاجی

فضل حسین، عبدالغفار مجاہد اور طلعت اقبال) منتخب ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا صاحب کی کم فرصتی اور گوناگوں مصروفیات کی بناء پر جناب عبدالرحمان صاحب کو مستقل مہتمم مقرر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس مسجد اور مدرسہ کو دونوں حضرات کے لئے صدقہ جاریہ فرمائے۔

رجم ایک شرعی حد ہے

وفاقی شرعی عدالت کی استدعا پر مولانا صاحب نے ہسپتال میں بیماری کی حالت میں 211 صفحات کا مسودہ تیار کیا۔ اور پھر جاکر شرعی عدالت میں دلائل دیئے۔ یہ مسودہ کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ اب چھاپنے کی ضرورت ہے۔

شرعی عدالت کی کارروائی فضل حق کی زبانی

مولوی فضل حق ترنگزئی صاحب سلیمان اکیڈیمی کے انچارج تھے۔ ہماری درخواست پر انہوں نے اِس موقع کی ساری تفصیلات ہمیں فراہم کر دیں۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔

"زیر نظر مضمون میں حضرت مولانا صاحب نوراللہ مرقدہ کو وفاقی شرعی عدالت نے ایک خط کے ذریعے یہ حکم بھیجا کہ آپ عدالت عالیہ، حاضر ہو کر "رجم" جو ایک اسلامی حد ہے اس کو ایک حدِ شرعی کے طور پر ثابت کریں کیونکہ "رجم" کی سزا جس حدیث سے ثابت ہے وہ "خبر واحد" ہے اور خبر واحد سے فقہی لحاظ سے تعزیر نافذ ہو سکتی ہے نہ کہ حدود"۔

حضرت مولانا صاحب نوراللہ مرقدہ کی ساری زندگی حق و باطل کے معرکوں

میں ایک مرد عزیمت و مجاہد کی طرح گذری ہے، جب بھی کسی مذہبی موضوع پر کوئی اعتراض کرتا تھا۔ جس سے مذہبی نظریات و روایات پر کوئی آنچ آتی تو فوراً حضرتؒ کے مزاج بدل جاتے تھے۔ غصہ آجاتا تھا اور رنگ مبارک سُرخ ہوجاتا تھا اور فصاحت و بلاغت دلائل و جوابات کا دریا بہنے لگ جاتا تھا اور مخاطب کو ایسے دلائل سے خاموش کرتے کہ وہ حیران رہ جاتا تھا، غالباً سردی کا موسم تھا کہ ڈاکیہ ایک خط لے آیا۔ جب مولانا صاحبؒ نے خط کھولا تو اس پر یہ تحریر تھا۔

از وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد

بخدمت جناب مولانا اشرف صاحب، چیئرمین شعبہ ء عربی، پشاور یونیورسٹی

محترم وفاقی شرعی عدالت اسلامی حدودات جس میں "رجم" شامل ہے رجم کے علاوہ سارے حدود دلائل قطعی سے ثابت ہیں لیکن "رجم" خبر واحد سے ثابت ہے اور فقہاء کے نزدیک خبر واحد سے تعذیر نافذ ہوسکتی ہے نہ 'حد'۔ لہٰذا آنجناب عدالت عالیہ فُل بینچ میں حاضر ہوکر اس بارے میں دلائل دیں اور اپنی رائے پیش کریں۔

خط پڑھتے ہی حضرت مولانا صاحبؒ فکر مند ہوگئے اور فوراً اپنی لائبریری میں کتب دیکھنے شروع کردیئے۔ میں کتب اُٹھانے اور موضوع کے متعلق ابواب نکالنے میں حضرت کی خدمت شروع کرنے لگا۔ حضرتؒ کو دو مسائل پر تحقیق کی ضرورت تھی۔

1) رجم کی حدیث خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور ہے جو تواتر کی حد تک پہنچا ہے۔

2) شرائع سابقہ میں جو حکم نافذ ہو اور نبی علیہ السلام اس کی توثیق کردے تو وہ بھی ہماری شریعت میں داخل ہے۔

اِن دونوں موضوعات پر کتب تفاسیر، احادیث، اسماء الرجال، شروح احادیث،

فقہ اسلامی کے سینکڑوں کتب کا مطالعہ شروع ہوا اور ایک نرالی تحقیق شروع ہو گئی۔

یوں تو حضرت مولانا صاحبؒ ایک طویل عرصہ سے کئی بیماریوں کا شکار چلے آرہے تھے لیکن ان دنوں میں اچانک قلبی بیماری نے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مولانا صاحبؒ کو ہسپتال داخل ہونا پڑا اور مہینہ بھر ہسپتال میں رہے۔ کتب مذکورہ بالا کا ذخیرہ ہسپتال منتقل ہوا گویا ہسپتال کے کمرے نے ایک اسلامی لائبریری کی شکل اختیار کر لی جو ڈاکٹر آتا حیران رہ جاتا تھا۔

ایک دن پروفیسر ڈاکٹر جمال عبدالناصر صاحب معائنہ کے لئے تشریف لائے، کتب کو دیکھ کر حضرت سے عرض کیا، جناب مولانا صاحبؒ دل کی اس تکلیف کے ساتھ ایسا وسیع مطالعہ مزید مشکلات پیدا کرے گا، لیکن مولانا صاحبؒ ان باتوں کو خاطر میں لائے بغیر برابر تحقیق میں لگے رہے۔

چند دن حدیث رجم کو مشہور ثابت کرنے میں چند مشکلات پیدا ہو گئے، ایک رات مولانا صاحبؒ نے ایک خواب دیکھا، حضرت فرمانے لگے کہ آج رات میں سویا تھا کہ خواب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریاؒ کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے سامنے گذر رہے ہیں اور ایک قباء پہنے ہوئے ہیں۔ جب میرے قریب آگئے تو قباء کا ایک حصہ میرے سر پر آگیا۔ جس نے میرا سر ڈھانپ لیا اور چلے گئے۔

صبح مجھے حکم دیا کہ حضرت شیخؒ کی کتاب اوجز المسالک اور بذل المجہود لائیں حسب اِرشاد میں نے پیش کئے جیسے 'رجم' کا باب کھولا فوراً یہ حدیث بمع تحقیقِ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ پر نظر پڑھی، جس سے ساری پریشانی ختم ہو گئی اور حدیث کے بارے تمام مشکلات حل ہو گئیں اور حدیث حدِ تواتر تک ثابت ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ: شرائع سابقہ یہودیت میں ”رجم“ تھا جو تورایت میں مذکور ہے اور قرآن میں مذکور ہے (فیہا حکم اللہ)۔ پھر ہم اس کے طرف متوجہ ہوگئے دو تین دن کے بعد تفسیر روح المعانی علامہ ’الوسیؒ‘ کے ذریعے پورے تفصیل کے ساتھ حل ہوگیا۔ اِن دو تحقیقوں کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے لکھنا شروع کیا چونکہ حضرت بیمار تھے۔ لکھائی مشکل تھی لہٰذا میں املاء لکھتا رہا اور حضرت بیان فرماتے تھے۔ وقتاً فوقتاً ٹیسٹ بھی ہوتے رہے، ای سی جی بھی ہوتی رہتی تھی، ڈاکٹر صاحبان راونڈ بھی کرتے رہتے تھے کیونکہ حضرت مریض فراش تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اگر جان بھی چلی جائے تو شہادت نصیب ہوگی۔

بہرکیف ایک لمبا چوڑا فائل تیار ہوا۔ مولانا نعمان صاحب مدظلۂ العالی کا خط صاف تھا تو ہم نے صاف لکھنے کے لئے اُن کے حوالہ کر دیا جو انہوں نے صاف لکھ کر حوالہ کر دیا۔ پیشی کی تاریخ آگئی ہم دو دِن پہلے ہسپتال کے کمرے سے راولپنڈی کے لئے روانہ ہوگئے۔ ایک ڈاٹسن کتب بھرا ساتھ لے گئے، مولانا صاحبؒ کے بھانجے کرنل عطاء اللہ صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ دوسرے دِن صبح عدالت عالیہ میں پیشی ہوئی۔ عدالت میں فل کورٹ لگا ہوا تھا۔ جناب جسٹس مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلۂ العالیٰ بھی بحیثیت جج تشریف فرما تھے۔ عدالت کے سامنے میں اور مولانا صاحبؒ پیش ہوئے۔ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا۔ مولانا صاحبؒ ”رجم“ جو خبر واحد سے ثابت ہے کیا اس پر شرعی حد نافذ ہوسکتی ہے۔ مولانا صاحبؒ نے فائل ہاتھ میں لیکر بیان شروع فرمایا۔ چونکہ مولانا بیمار تھے۔ آواز کمزور تھی۔ جج صاحبان کو سُننے میں دقت پیش آتی تھی۔ لہٰذا چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ مولانا صاحبؒ فائل اپنے ساتھی کو دیں وہ بیان کرے

گا اور ہم آپ سے سوالات کریں گے۔ آپ جواب دیں گے۔ اس پر میں نے فائل لیکر بیان شروع کر دیا اور جج صاحبان مولانا صاحبؒ پر جرح کرتے رہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ جواب دیتے رہے۔ بہر حال حضرت مولانا صاحبؒ نے عدالت کو یہ یقین دلایا کہ "رجم" کی حدیث مشہور ہے جو تواتر کے حد تک پہنچا ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، اجماع صحابہ پر حضرت مولانا صاحبؒ سیر حاصل بحث کی۔ جج صاحبان اپنے اپنے فائلوں میں تمام حوالہ جات لکھتے جاتے تھے۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ شریعت سابقہ میں جو حکم نافذ ہو اور نبی پاک ﷺ اس کی توثیق کرے اور بحال رکھے تو وہ بھی ہمارے لئے حکم شرعی ہے۔ اس پر مولانا صاحبؒ مرحوم نے قرآن پاک کی یہ آیت

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ○

دین کی اصل ایک ہی شئی ہے تمام انبیاء اس پر متفق ہیں۔ اختلاف اگر ہے تو وہ طریقوں اور صورتوں میں ہے۔ اس لئے حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ تمام ان امور کو ارادہ بعثت میں شامل کر دے گویا انبیاء کی اطاعت کی مفروضیت میں ان مقدماتِ اصلاح کی مفروضیت بھی شامل ہوا، اس لئے عقلاً اور عادۃً کسی شئی کا متمم بھی اس شئی میں ہی داخل ہوا کرتا ہے۔ اور دین الٰہی میں کوئی امر ہرزہ و گذاف نہیں ہوا کرتا کوئی شئی جب واجب قرار دی جاتی ہے تو اس کے خاص علتیں اور اسباب ہوا کرتے ہیں راسخین فی العلم ان اسباب کو جانتے ہیں۔

اس پر ایک جج صاحب نے سوال کیا کہ مولانا صاحبؒ آپ تو "وحدت ادیان"

کے قائل ہیں۔ اس پر مولانا صاحبؒ کا رنگ مبارک سُرخ ہوا اور علم کے سمندر میں موج آگیا۔ ایسا بیان فرمایا کہ مخاطب صاحب خاموش ہوگئے، درمیان میں حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ العالی بھی مولانا صاحبؒ کی تائید میں ریمارکس دیتے رہے۔ بہرحال عدالت عالیہ کو دلائل شریعہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ ''رجم'' ایک شرعی حد ہے اور تواتر سے ثابت ہے۔ یہ حق کا معرکہ اور ضعف کے باوجود حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے ذات مبارک سے ایسا حل فرمایا کہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کی یہ علمی اور عملی و مجاہدانہ کاوشوں کو ان کے رفع درجات کا سبب بنائے اور آپؒ کو ملاء اعلیٰ میں مقام اعلیٰ سے سرفراز فرمائے۔ اٰمین

حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ استقامت کی دلیل عزیمت ہے۔ کہ کسی عمل کو جی چاہیے پر نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ ہمت کر کے کر دیا جائے۔ اس سے قوتِ ارادی پیدا ہوگی۔ قوت ارادی کی مضبوطی ممارست عمل ہے۔

باب۔9

منامات

خواب انسانی زندگی کا ایک حصّہ، اور ہر انسان کو اس کی سوچ وفکر اور عمل کے مطابق آتے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ صحیح خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ اور پیغام ہوتے ہیں۔ کسی درپیش مسئلہ کے حل کی طرف راہنما یا کسی امر پہ تنبیہ ہوتے ہیں۔ بہت سے خواب نفسیاتی یا جسمانی بیماریوں یا پھر زیادہ کھانے اور بدہضمی کا شکار ہو جانے کی بناء پر آتے ہیں۔ ایسے خوابوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔ تعبیر خواب ایک معتبر علم ہے جس سے مستقبل کے حالات منکشف ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بشارتوں کے سوا اب نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین نے دریافت فرمایا کہ بشارتوں سے کیا مراد ہے تو فرمایا۔ اچھا (سچا) خواب۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور بُرا شیطان کی جانب سے، شیطانی القاء کی بناپر جُھوٹے اور مکروہ خواب سے شیطان کی غرض مومن کو ملول و محزون کرنا ہوتا ہے۔

ذیل میں مولانا صاحب کے چند خواب نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ خواب اُن کے ابتدائی دور کے ہیں جو اپنے خطوط میں اپنے شیخ حضرت سید سلیمان ندویؒ کو لکھے تھے۔ حضرۃ الشیخ کی طرف سے تعبیر وجوابات بھی درج ہیں۔

24 ستمبر 1945ء کو حضرت مولانا محمد اشرفؒ صاحب اپنے مرشد حضرت سید

سلیمان ندوی کو حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”اب بہت عرصہ سے مراقبہ میں کچھ نظر نہیں آتا اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ مقصود نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ایک بات عرض کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ پچھلے سال اغلباً سترہ شعبان کو سویا ہوا تھا کہ صبح کوئی پانچ بجے کا وقت تھا کہ یکایک آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان میں کچھ عجیب قسم کے بادل کے ٹکڑے ہیں (جو کہ حقیقت میں بادل نہیں تھے) اور کچھ عجب کیفیت کا عالم تھا کہ اتنے میں ایک آدمی میرے پاس آتا ہے (حالانکہ میں بیدار ہوں) اور کہتا ہے ”کرمک اصبغ“ اور اس کے بعد پشتو زبان میں ایک فقرہ کہتا ہے کہ جس کے معنی ہیں ”کہ تیری آنکھیں سبز ہیں“۔ حالانکہ میری آنکھیں حقیقت میں سبز نہیں ہیں۔ اس عجیب واقع کا کیا مطلب ہے۔

سید صاحبؒ جواب میں فرماتے ہیں ”خواب محض بشارت ہے“۔

بایزید بسطامی کی زیارت منامی

مکتوب مؤرخہ 19 فروری 1947ء میں حضرت مولانا صاحبؒ اپنے مرشد کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام غزالیؒ کی کتاب کیمیائے سعادت میں مرشد کے اثرات پڑھ رہا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان ایسے تصرّفات کر سکے کہ اسی رات خواب میں بایزید بسطامیؒ (جن کے ذکر میں غزالی نے تحریر فرمایا تھا) دیکھتا ہوں اور بسطامی مجھے کہتے ہیں۔ تم جب بجلی پر ہاتھ رکھتے ہو تو بجلی کی رو تمہاری رگ رگ میں دفعۃً سرایت کر جاتی ہے۔ کیا اللہ کے نیک بندوں میں بجلی جتنی بھی طاقت نہیں (او کما قال) اُمید ہے کہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے گناہوں میں غرق بھی اللہ کی عنایت سے نجات پا جائے گا۔ حضرت الشیخ نے جواباً فرمایا۔ اس کے لئے اپنی عزیمت شرط ہے۔

خدا کا ہاتھ محسوس کیا

حضرت سید صاحب کو اپنے ایک مکتوب مؤرخہ یکم فروری 1950ء میں حضرت مولانا صاحب عرض کرتے ہیں کہ جس وقت یہ الفاظ بیعت۔ اے اللہ میں تیری طلب میں حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی کا ہاتھ ان کے مجاز سلیمان ندوی کے واسطے سے پکڑتا ہوں" پڑھے تو ایسا محسوس ہوا گویا اس حقیر کے یہ ہاتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے ہاتھ کو پکڑ رہے ہیں۔ اور ذات متعال کے غیر مرئی ہاتھ کو چھو رہے ہیں۔ (سبحان اللہ تعالی عما یصفون وله الکبریا فی السموات والارض)۔ حضرت الشیخ نے فرمایا۔ آپ نے خدا کا ہاتھ محسوس فرمایا۔ بیعت کی یہی حقیقت مثال ہے جیسا کہ ارشاد الٰہیٰ ہے۔

''اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ ''۔

حضرت مولانا صاحب نے عرض کیا کہ اس کے بعد ایسا محسوس ہوا گویا قلب عاصی کا تعلق ایک بہتے چشمۂ سے کر دیا گیا۔ حضرت شیخ نے تعبیر کی کہ چشمۂ جاری عمل خیر سے عبارت ہے جیسا کہ حدیث میں ذالک عملہ حضرت مولانا نے فرمایا اس کے بعد جب الفاظ پڑھ چکا تو غنودگی میں دیکھتا ہوں کہ میری پرانی ٹوپی کو اُتار کر ایک دوسرے شخص کی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی گئی ہے اور تعریف کی جاری ہے کہ یہ ٹوپی تمہیں زیادہ اچھی معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر میری زبان پر دعائے ماثورہ اَللّٰهُمَّ اَحۡسَنۡتَ خَلۡقِیۡ فَاَحۡسِنۡ خُلُقِیۡ جاری ہو گئی۔

حضرت شیخ: قدیم صوفیہ میں یہی رواج تھا۔ مرید ہوتے وقت شیخ اپنی کلاہ مرید کو عنایت کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کی زیارت منامی

مکتوب مؤرخہ 29 جنوری 1951ء حضرت مولانا صاحب نے فرمایا چند دن ہوئے حضرت مولانا تھانویؒ کو خواب میں دیکھا کہ سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک بڑی روٹی جس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس میں سے توڑ کر بندے کو عنایت کر رہے ہیں۔ کچھ ارشاد بھی فرمایا لیکن یاد نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ بہتر فرماویں۔

حضرۃ الشیخ نے جواب دیا یہ خواب مبارک ہے کہ روزی ظاہری وباطنی کی بشارت اس سے معلوم ہوتی ہے۔

انکشاف، اسرار وواردات

مراسلہ مؤرخہ 19 مارچ 1951ء حضرت مولانا صاحب: اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود شکر و تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ معمولات اللہ رب العزت کے فضل سے ادا کروائے جاتے ہیں اور ایک خصوصی احسان یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشری کچھ غفلت ہو جاتی ہے تو عموماً خواب میں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ بغیر کسی اپنی خوبی کوشش کے دوام ذکر صرف ان کی عنایت سے میسر ہے۔ نماز میں بعض اوقات محویت کی وجہ سے معانی کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ عموماً ان کا تصور اور قرب مقصود رہتا ہے۔ بلکہ قلب پر انہیں کو چھایا پاتا ہوں۔ نماز میں بعض اوقات اسرار وغیرہ منکشف کر دیئے جاتے ہیں۔ واردات صحیحہ کا بعض اوقات نزول ہوتا ہے۔ علوم عجیبہ و قرآن وحدیث کے حقائق خود بخود وارد ہو جاتے ہیں۔

بعض اوقات اس قدر ورود ہوتا ہے کہ چاہتا ہوں کہ کسی سے بیان کر دوں۔

اگرچہ بعض دوستوں سے کہہ دیتا ہوں لیکن پھر بھی سمجھتا ہوں کہ کسے کہوں، سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی ایک کوتاہی کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سمجھائی گئی ہے۔ انہیں اس کا علم نہ ہو گا۔ اس معاملہ میں گویا میں زیادہ جاننے والا ہوں۔ اس کے دفعیہ کی کیا صورت ہو؟

حضرت الشیخ: نماز کشف اسرار اور واردات صحیح کا محل نہیں ہے۔ یہ صرف عبودیت وعبدیت وتواضع اور حضور کی کیفیت کا محل ہے۔ آپ ان شعبدوں کی طرف التفات نہ کریں۔ یہ امور قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتے اور نہ اس سے حصول ثواب ہوتا ہے۔ کیا ریل میں راستہ کے مناظر پر نظر منزل مقصود کو قریب کر دیتا ہے؟ کیا یہ خیال حماقت نہیں۔

استخارہ

مکتوب مؤرخہ 4 اکتوبر 1951ء حضرت مولانا صاحب اپنے مرشد سید سلیمان ندویؒ سے عرض کرتے ہیں کہ مقامی مسلم لیگی اور رشتہ دار ایک حلقہ میں انتخابات کے لئے کھڑا ہونے پر مجبور کر رہے ہیں۔ لیکن میرا شرح صدر نہیں ہو رہا ہے۔ دو دفعہ استخارہ کیا۔ لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ رات کو پھر استخارہ کیا تو اس میں حضرت والا کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لائے ہوئے ہیں اور میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے گرد کچھ کاغذات وغیرہ پڑے ہوئے ہیں اور مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں بھی مسلم لیگ میں اس لئے داخل ہوا ہوں کہ یہ (حکومت) مجھے مخالف نہ سمجھے۔ اس کے بعد جو گفتگو فرمائی اس کے الفاظ گو ضبط نہیں۔ لیکن مفہوم اس طرح تھا کہ اگر میں اس میں شامل نہ ہوتا تو حکومت مجھ سے آئین وغیرہ کے متعلق

کیوں پوچھتی؟ بہر حال ایک طویل بات چیت آپ نے فرمائی جو یاد نہیں رہی"۔

اب یہ سب حالات آپ کی خدمت میں آخری مشورے کے لئے بھیج رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وہ کام کریں جس میں دارین کی بھلائی و عافیت ہو۔ مجھے اور تمام عالم کو نفسانی شرور اور مصائب سے بچائیں۔

حضرت سید الملۃؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ معاملہ اپنی قوت و ضعف کا ہے۔ اگر آپ یہ قوت اپنے میں پاتے ہیں یا کم از کم ارادہ رکھتے ہیں کہ مواقع خیر میں خیر کی اعانت کریں گے تو کھڑے ہو جائیے۔ مگر انتخابات کے لئے وہ مکائد و وسائل کام میں نہ لائیے جو اہل دنیا اور طالب جاہ و مال کرتے ہیں۔ پس جاہ و مال کی طلب سے خالی ہو کر کرنے کی طاقت پائیں تو کھڑے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی

مکتوب مؤرخہ 15 مئی 1952ء حضرت مولانا صاحب اپنے مرشد سے عرض کرتے ہیں۔

تین چار دن ہوئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (گویا تعلیم دینے کے لئے) جماعت کی نماز پڑھائی پھر دعا فرمائی اور اس کے بعد کچھ ارشاد فرمایا۔ جس کے الفاظ تو یاد نہیں لیکن مدعا یہ یاد رہ گیا کہ امام و مقتدی وغیرہ اپنی اپنی جگہ جس طرح آدابِ ظاہری و باطنی کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھیں گے۔ ان کا ذاتی طور پر انہیں ویسا ہی ثواب ملے گا یہ نہیں کہ سب کو برابر ثواب ملے۔(واللہ اعلم) پھر اس کے بعد آپ نے مقتدی کی نماز کا طریقہ بتانے کے لئے پہلی صف میں آکر

نہایت خشوع سے نیت باندھی۔ آگے امامت والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کی۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ خواب تعبیر کے لئے لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر فرماویں۔ حضرت سید صاحب نے تعبیر دیتے ہوئے فرمایا، خواب مبارک ہے۔ نماز کی ترکیب خضوع وخشوع پر عمل کیجئے۔

مکتوب مؤرخہ 13 ستمبر 1952ء حضرت مولانا صاحب عرض کرتے ہیں۔ ''ان سب حالات کے باوجود ایک عجیب چیز یہ دیکھنے میں آرہی ہے کہ حضور ﷺ کے روحانی فیض وتوجہ کو نمایاں طور پر محسوس کرتا ہوں''۔ اس میں بھی ابتلا کا خطرہ لگتا ہے۔ روحی فداہ ﷺ کو پانچویں بار خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ اسی خواب یا اس کے فوری بعد آنکھ لگنے پر لاضار ولا نافع الا اللّٰہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کو پایا۔ لیکن اس پر عمل نہیں کیا کہ ہم کیا اور ہمارے خواب کیا؟ اللہ میرے شر سے مجھے اور جملہ مخلوقات کو محفوظ رکھے آمین۔

حضرت الشیخ نے فرمایا۔ بلاشبہ رویا نبوی ﷺ موجب خیر وبرکت اور باعث بشارت ہے۔ لیکن اس کا شکریہ بھی اتباع نبوی کے ذریعہ سے ادا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ سلب نعمت کا خوف ہے۔

عبد القادر جیلانی کی زیارت منامی

مکتوب مؤرخہ 29 مئی 1953ء حضرت مولانا صاحب خواب عرض کرتے ہیں کہ رمضان سے بیشتر خواب میں شاہ عبد القادر جیلانیؒ کو دیکھا کہ وہ ایک نہایت عالیشان لباس میں ایک دوسرے شخص کے ساتھ ایک پہاڑی وپتھریلی دشوار زمین پر چڑھ رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے جارہا ہوں۔ یہاں تک کہ ایک

خطرناک پُل سا آتا ہے۔ اس پر وہ دونوں حضرات گذر کر ایک میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور میں اِدھر کھڑا انہیں صاف دیکھ رہا ہوں۔ وہ بیان فرمارہے ہیں۔ بات کوئی یاد نہیں رہی لیکن چند باتوں کے کہنے کے بعد بار بار سجدے میں گر جاتے ہیں اور پھر اُٹھ کر بیان شروع کر دیتے ہیں۔

سید سلیمان ندویؒ کی زیارت منامی

مندرجہ ذیل خواب مولانا صاحب نے اپنے بیرون ملک تبلیغی سفر کے دوران دیکھا اور 6 اگست 1957ء منگل کے روز قلمبند کیا۔ جبکہ بحری جہاز کویت کے بندرگاہ پر لنگر انداز ہو چکا تھا۔ فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی زیارت منامی سے مشرف ہوا۔

دیکھتا ہوں کہ دارالمصنّفین کا ایک کمرہ ہے۔ عبدالسلام ندوی صاحب بھی تصنیف میں مشغول ہیں۔ مخدومی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی بھی مصروف کار ہیں۔ حضرت والا قدس سرہ اپنی تصنیفات کو دیکھ رہے ہیں۔

راقم کو اپنے بعض اردو و فارسی اشعار بتارہے ہیں اور فرماتے ہیں یہی وقت ایسا لگا۔ مزید فرمایا کہ ایک مجموعہ مکاتیب کا بھی تو تیار ہو چکا ہے۔ سیرت ہفتم کے متعلق تکمیل کے لئے عرض کرتا ہوں تو فرماتے ہیں (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ میرا سفر آخرت قریب ہے۔ اس لئے اُسے مکمل نہیں کر سکتا۔ اپنی کتابوں کی عدم اشاعت پر مشوش سے معلوم ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ فلاں وجہ سے ہے۔ میں دارالمصنفین کو صرف ایک کمرے میں محدود پاکر متعجب ہوتا ہوں تو ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہو سکتا تو آپ لوگوں

کے لئے دوسرا کمرہ بنوا دیتا۔ واللہ اعلم بتعبیرہٖ۔ ہم کیا اور ہمارے خواب کیا۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چون غلام آفتابم ھمہ زآفتاب جویم

(نہ میں رات ہوں نہ اس کا پرستار کہ خوابوں پر یقین رکھوں۔ جب میں اُس آفتاب عالمتاب کا غلام ہوں، تو سب کچھ اُس کے وسیلہ سے تلاش کرتا رہونگا)۔

حضرت شیخؒ کے نزدیک خواب کی کوئی اہمیت نہ تھی، وہ محض بشارت ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی زیارت منامی

4، 5 مارچ 1978ء کی درمیانی شب بوقت ساڑھے تین بجے خواب دیکھا کہ ایک عمارت کے کمرے میں حضرت تھانویؒ پلنگ پر بیٹھے ہیں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ شاید آپ کی ٹانگوں میں تکلیف ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ مالش کروالیجئے۔ فرمایا کہ اس مالش کی وجہ سے تو پہلے بہتان تراشوں نے طوفان اٹھایا۔ میں حیران ہوتا ہوں اور خیال میں آتا ہے کہ میری والدہ نے حضرت سے یہ واقعہ بیان کیا۔ پھر حضرت اٹھ بیٹھتے ہیں۔ اور گویا وہ میرے علاج کے لئے ایک بوتل جس میں شہد اور پانی غلبہ شہد کے ساتھ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ مجھے پلانے کے لئے میرے ہاتھوں پر ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور میں دونوں ہاتھوں سے اُسے پیتا جاتا ہوں۔ اور اتنی زیادہ حضرت انڈیلتے ہیں کہ میرے ہاتھوں سے بڑھ کر میرے بازوؤں تک پہنچتی ہیں۔ اور زمین پر گرتی جاتی ہے۔ بوتل خالی ہو جاتی ہے تو حضرت اٹھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بوتل کو پانی بھرنے کے لئے دوسری جگہ جارہے ہیں۔ آپ تشریف لے جاتے ہیں تو ایک بڑی عمارت ہے۔ کمرے در کمرے ہیں

(مثل شیر پاؤ ہسپتال)۔ میں تلاش کرتے ہوئے پیچھے جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ایک کاریڈار میں بہت سارے لوگ کھڑے ہیں۔ جس میں کچھ کابلی اور پگڑیوں والے وغیرہ کے طرح کے لوگ ہیں۔ اوران میں احسان الدین (عربی کا لیکچرر) بھی ہے۔ کمرے کا دروازہ بند ہے۔ لوگ آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ایک کابلی آگے ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن میں سب سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولتا ہوں۔ تو ایک بڑا ہال ہے۔ جس میں پانچ سات بستر پڑے ہوئے ہیں۔ اس میں ایک بستر پر حضرت لیٹے ہوئے ہیں۔ اور باقی لوگوں کو بھی جو داخل ہوتا ہے۔ لٹاتے ہیں۔ یہ خیال کرکے کہ کہیں مجھے بھی نہ لٹا دے۔ میں واپس باہر آجاتا ہوں۔ میرے ہاتھ خصوصاً دایاں حضرت والی شہد سے ابھی تک لت پت ہے۔ میں احسان الدین کے پاس جاتا ہوں کہ حضرت سے شفا لینی ہو۔ تو میرے ہاتھ پر حضرت والا شہد ہے۔ چاٹ لو۔ لیکن وہ دروازہ سے نکل کر کہیں غائب ہوجاتا ہے۔ اس دوران میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔ یا حضرت فرماتے ہیں کہ اُس کمرے میں کیونکہ سردی تھی۔ اس لئے سردی سے بچنے کے لئے اور صحت کی حفاظت کے لئے میں اِس دوسرے کمرے میں آگیا۔ آنکھ کھلی تو پورے پونے چار بجے رات کے تھے۔

عبد الماجد دریا آبادی و مولانا منظور احمد نعمانی کی زیارت منامی

خواب میں دیکھا ایک انٹرکانٹی ننٹل ہوٹل نما مکان ہے گویا میرا گھر ہے۔ ایک کمرے میں عبد الماجد دریا آبادی تشریف فرما ہیں۔ بہت اچھی صحت اور بہت اچھے لباس میں۔ اُس کے ساتھ کافی دیر بات چیت جاری رہی۔ لیکن کوئی بات یاد نہیں رہی۔ اس کے بعد اس عمارت کے اوپر کی منزل میں دیکھتا ہوں کہ کہیں سے مولانا منظور احمد نعمانی تشریف لے آتے ہیں اور تو اچھے ہیں۔ ایک گال پر دو تین چھوٹے چھوٹے

پھنسیاں ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کب تشریف لائے۔ کہتے ہیں رات کو آیا ہوں۔ ساتھ دو آدمی اور ہیں۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ نچلی منزل سے عبدالماجد دریا آبادی اپنا تمام سامان سمیٹ کر اٹھائے ہوئے جس میں سلیپنگ بیگ، فوم کی توشک اور ایک بیگ خود اُٹھائے ہوئے اوپر آجاتے ہیں۔ میں جب دیکھتا ہوں کہ یہ آمادہ سفر ہیں۔ اور تمام سامان اٹھائے ہوئے ہیں۔ تو میں بھی اور مولانا نعمانی بھی اُن سے سامان لینا چاہتے ہیں۔ وہ مجھے توشک دے دیتے ہیں۔ مولانا نعمانی کو کچھ نہیں دیتے۔ اب میں ان دونوں حضرات سے مطالبہ کرتا ہوں۔ کہ اتنی مدت بعد ہمارے ہاں پشاور تشریف لائے ہیں۔ تو ایک آدھ تقریر یا بیان آپ کا ہو جائے اور پھر کہتا ہوں کہ آج اتوار کا دن ہے۔ اسلامیہ کالج میں سرمن کی جگہ عبدالماجد صاحب کا بیان ہو جائے۔ میں ان کو تیار کر رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید یہ ہندوستانی شہری ہونے کی بنا پر کھل کر ارادہ نہیں کر رہے ہیں کہ اتنے میں شیر حسن نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آنکھ کھلی پانچ بجکر دس منٹ کا وقت تھا۔

مولانا روم کی زیارت منامی

ایک دفعہ حضرت مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ بیٹھے ہیں اور سامنے ایک موٹی بڑی کتاب پڑی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے زکام ہے۔ میرے لئے یخنی بنا لیں۔ اس سے میں نے یہ تعبیر لی کہ میری کتاب مثنوی کا سلیس زبان میں تشریح کر دیں۔

مدینہ منورہ میں خواب

حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں خواب دیکھا۔ سرخ رنگ کی بسیں نظر آئیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علی سے کہہ دو کہ جب تک طلباء ہیں بند نہ کریں۔

خواب کی تعبیر میرے سمجھ میں نہ آئی۔ حضرت ابوالحسن علی ندوی صاحب سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اپنے خواب کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ خواب اصل میں میرے لئے پیغام ہے۔ حضرت علی میاں مدینہ یونیورسٹی کے شوریٰ کے ممبر تھے۔ اور سرخ بسیں یونیورسٹی کی تھیں۔ اور ان دنوں یہ بحث چل رہی تھی کہ یونیورسٹی کو بند کیا جائے یا نہیں۔ تو یہ اصل میں اُن کے لئے پیغام تھا کہ بند نہ کریں۔

جناب شاہ ناصر صاحب تحریراً فرماتے ہیں کہ جن دنوں بعض ناسمجھوں نے مولانا صاحب پر بہتان تراشی کی تھی۔ اور مولانا صاحب کافی غمگین وافسردہ تھے تو مولانا صاحب نے اپنا ایک خواب سنایا۔ ''دیکھا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہمارے گھر تشریف لائی ہیں اور پھر خود ہی خواب کی تعبیر بھی بتادی۔ فرمایا کہ شاید اس سے مراد میری تسلی تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی اُفک کے معاملے میں ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا اور پھر قرآنی وحی نے کئی آیتوں کے ذریعے اُن کی برأت وسچائی کی تصدیق کر دی''۔

اسی طرح جب ایک دوسرے ساتھی نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور دیکھا کہ ایک دستر خوان بچھا ہوا ہے اور حضور ﷺ کے سامنے مولی کی پلیٹ پڑی ہے۔ خواب کے تعبیر میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو مولی پسند نہیں تھی۔ اس سے مراد اس عمل (بہتان تراشی) پر حضور ﷺ کی ناراضگی تھی اور اس عمل سے نفرت کا اظہار تھا۔

حضور ﷺ کی زیارت منامی

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہو گئی اور

فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو جنت کی خوشخبری دے دو۔ میں مسجد کی طرف چل پڑا۔ راستے میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا کہاں جارہے ہو۔ بندہ نے حضور ﷺ کا پیغام سُنایا۔ فرمانے لگے نوجوان مسجد میں ہوتے ہیں یا باہر۔ خواب کی تعبیر دل میں آئی۔ لیکن تصدیق کے لئے حضرت علی میاں سے تعبیر پوچھی۔ فرمایا۔ اس سے نوجوانوں میں دین کی محنت کی طرف اشارہ ہے۔ بندہ بھی یہی سمجھ بیٹھا تھا۔

حضور ﷺ کا پیغام بلاواسطہ

فرمایا ایم۔ اے فارسی کا امتحان دینے پنجاب یونیورسٹی گیا تھا۔ مسجد میں عصر کی نماز کے بعد ذکر کر رہا تھا۔ غنودگی کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ ''أنا خاتم النبین لانبی بعدی'' (میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔ مولانا صاحب اپنے بیانات میں فرمایا کرتے تھے کہ اُوروں کے لئے یہ حدیث بالواسطہ ہے اور میرے لئے بلاواسطہ ہے۔ خواب کے بعد محبت سے سرشار چند اشعار پڑھے۔ جن کا ایک مقطع ہے۔

نگاہ نوازش میری دل میں اُتری
شراب محبت کا جام اللہ اللہ

تلاش شیخ کے لئے استخارہ

حضرت سید صاحب کی وفات کے بعد مولانا صاحب شیخ کی تلاش میں تھے۔ کئی استخارے کئے۔ لیکن بات نہیں بنی۔ آخری استخارہ میں اپنا خواب اِس طرح بیان کرتے ہیں۔

"دیکھا کہ ایک مسجد ہے اور اُس میں شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ ہیں اور میری طرف متوجہ ہو رہے ہیں"۔

خدا کی شان کہ حضرت شاہ صاحب تبلیغی دورے پر آئے اور مردان میں اُسی مسجد میں اُن سے ملاقات ہو گئی جو میں نے خواب میں دیکھا تھا اور بیعت بھی کر لی۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا کے بارے میں

مولانا صاحب نے فرمایا کہ 1393ھ میں بندہ کو خواب میں کہا گیا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا قطب الارشاد کے مقام پر ہے۔ اس بناء پر چودھویں صدی کے ختم ہونے سے دو تین سال پہلے سے خیال آتا تھا کہ شاید حضرت شیخ رحمہ اللہ کو پندرویں صدی کے کچھ سال مِل جائیں اور پھر واقعی حضرت شیخ کا انتقال 1402ھ میں ہوا۔ میرا خیال اس وجہ سے تھا کہ تاریخ میں بعض مجدد نئی صدی کے شروع میں فوت ہوئے ہیں۔ مثلاً عمر بن عبد العزیز 101ھ میں اور حضرت امام غزالی 505ھ میں وفات پائے۔

13 اکتوبر 1987ء کی مجلسی گفتگو میں فرمایا کہ جس کو حضور ﷺ خواب میں آ گئے تو یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرے۔ اُن کے ساتھ محبت کرے۔ اُن کا اتباع کرے۔ تعلق قائم رکھے۔ اور یہ ہو گا۔ ایمان، اتباع اور درود شریف کی کثرت سے اُسے چاہئیے کہ جان بھی قربان کر دے کہ حضور ﷺ خواب میں آئے۔ اس میں بعض اوقات حضور ﷺ اپنے حلیہ پاک پر نہیں ہوتے۔ اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جس کو خواب میں آتا ہوں۔ میں ہی آتا ہوں۔ تو اس صورت میں حضور ﷺ کی مثال آئینہ کے طور پر ہے۔ کہ تم میں یہ کمی ہے۔ یہ دور کر و یعنی کسی کو خواب میں آ گئے اور داڑھی نہ ہو تو دیکھنے والے کو آگاہ

کر رہے ہیں کہ تیری داڑھی نہیں۔ داڑھی رکھو۔

متعلقین کے خواب

مولانا صاحب کے متعلقین نے بعض خواب دیکھے اور مولانا صاحب سے اُن کی تعبیر دریافت فرمائی۔ چونکہ یہ خواب بہت دلچسپ اور عجیب ہیں۔ اس لئے اُن کو بھی اس باب میں شامل کیا جاتا ہے۔

غازی مرجان کا خواب

جناب غازی مرجان صاحب حضرت مولانا صاحب کے خلیفہ ہیں۔ مدینہ منورہ میں مستقل سکونت پذیر ہیں۔ بنیادی طور پر انجینئر ہیں۔ لیکن ہمہ وقت اور ہمہ تن اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ مندرجہ ذیل خط جس میں خواب کا ذکر ہے۔ اُنہی کا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنا نام بھی نہیں لکھا۔ بلکہ اُن کا نام ظاہر نہ کرنے کی بھی تاکید کی ہے۔ دوسرا خط بھی اُن کا ہے جس پر البتہ اُن کا نام درج ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی جناب مولانا محمد اشرف صاحب مدظلۂ العالی

1 عرفات میں میں نے حضور کو خواب میں دیکھا فرماتے تھے کہ شیخ اشرف کا اِس سال بہت انتظار تھا۔ لیکن وہ نہیں آئے۔ میں نے اللہ سے بہت درخواست کی کہ آئندہ سال اشرف کو بُلا لیں اور اللہ پاک اُسے کچھ دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے اللہ پاک نے آنے والے سال بُلانے کا فیصلہ کر لیا۔

2 رات کو میں نے خواب دیکھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیخ اشرف کو

میرا سلام پہنچائیں اور درخواست کریں کہ میری اُمت کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ حتٰی کہ وہ مجھ سے مِل جائے۔ اور میری عرفات والی امانت اُسے پہنچائیں۔ فقط والسلام

(یہ بات امانت ہے مجمع میں سے یا کسی اور کو میرے نام سے نہ سُنائیں پھر ہر آدمی تنگ کرتا ہے کہ کیا خواب دیکھا ہے)۔

غازی مرجان کا مکاشفہ

مکرم محترم جناب حضرت مولانا محمد اشرف صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمدللہ ہم خیریت سے پہنچے۔ خط میں دیر ہوئی۔ بہت سخت مشغولی ہے۔ عرب لگاتار اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے دِن رات آرہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایک منٹ بھی فرصت نہیں ملتی۔

1 آپ کا سلام رسول پاک ﷺ کو پہنچایا اور حضرات شیخین کو بھی اور ہر حاضری پر پہنچارہے ہیں۔

2 آپ کی والدہ مرحومہ کی طرف سے میں نے عمرہ ادا کیا۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔

3 اِس دفعہ خصوصی طور پر جو دعائیں آپ کے حق میں ملتزم پر حجرِ اسود پر طواف کے دوران، صفا مروہ میں دل سے نکلیں۔ وہ اندازے سے باہر ہیں اور مجھے کامل اُمید ہے کہ اللہ پاک نے انشاء اللہ آپ کو شفا دیہو گی۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔

4 جمعرات کے روز فجر کے بعد میں نے سلام کیا، آپ کی طرف سے اور مولانا

فقیر محمد صاحب مد ظلہ العالی کی طرف سے پھر بعد میں ریاض الجنت میں ذکر اذکار میں مشغول ہوا۔ نیم غنودگی سی ہوئی۔ حجرہ سے آواز سُنی کہ پشاور کے میرے دونواسوں کی طرف سے کس نے مجھے ہدیہ سلام پہنچایا میں کھڑا ہوا تو دروازہ کھلا ہوا دیکھا اور ایک خوبصورت خوشبو سے بھرے ہوئے نے فرمایا کہ اندر آجاؤ۔ مجھے دونوں طرف چہرہ پر بوسہ دیا اور مجھے فرمایا کہ میرے چہرے کا بھی بوسے لو۔ میں نے بوسہ لیا۔ پھر فرمایا کہ میرے یہ دونوں نواسے اس وقت خاص درجے پر ہیں اور مستجابُ الدعواتؒ ہیں اور روزانہ اُن کی طرف سے مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے اور اُن کی طرف میری خاص نظر ہے اور مزید یہ میری اُمت کے لئے اُن سے مغفرت کی دعا مانگنے کی درخواست کریں اور میرا سلام بھی پہنچائیں۔ اس ساری گفتگو کے دوران مجھے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہورہی تھی جو اب تک باقی ہے۔ پھر فرمایا کہ بس جاؤ اور خوب تبلیغ کرو۔ اُمت بہت جہالت میں ہے اور کبھی کبھی ملتے رہا کرو۔

وقت بہت تھوڑا ہے اس لئے یہ خواب میں مولانا فقیر محمد صاحب کو الگ نہیں لکھ سکتا۔ آپ ہی مولانا فقیر محمد صاحب کو پہنچائیں۔ کیونکہ یہ امانت ہے اور دونوں کے بارے میں ہے۔ سب دوستوں کی خدمت میں سلام مسنون۔

غازی مرجان، مدینہ منورہ

محمد افتخار کا خواب

میں دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا چمن ہے اور نہایت پُر کیف و پُر بہار ماحول

ہے۔ جگہ جگہ بنگلے جیسے بنے ہوئے ہیں۔ بہت سارے لوگ ہیں جو کسی چیز کے متلاشی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک یا بنگلہ ہے۔ جس کے دروازے پر سفید لباس پہنے ایک بڑا لمبا تنگڑا دربان کھڑا ہے۔ لوگ اس کے پاس جاتے ہیں۔ اپنی عرضداشت پیش کرتے ہیں۔ وہ اندر جا کے اس کا جواب لے آتا ہے اور متعلقہ شخص کو دے جاتا ہے۔ میری بھی باری آئی۔ اس دربان کو کہا کہ میں (افتخار) آیا ہوں۔ وہ اندر گئے اور ایک خط لے آئے جو عربی زبان میں تھا۔ میں نے جب دیکھا کہ یہ عربی ہے تو اس کو بتایا کہ میں تو عربی نہیں جانتا ہوں۔ اس نے ایک دوسرے حجرے کی طرف اشارہ کیا کہ اُدھر جاؤ۔ میں نے وہ خط اس حجرے کے دربان کو دکھایا تو اس نے کہا کہ یہ تمہاری جگہ نہیں ہے۔ ایک دوسری جگہ اشارہ کیا کہ وہاں لے جاؤ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کس کی جگہ ہے۔ اس نے بتایا کہ اجمیر کی خواجہ معین الدین کا نام سنا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں سنا تو تھا اس نے بتایا کہ یہ اس کی جگہ ہے۔ تو میں تیسرے بنگلے کی طرف گیا۔ دیکھا تو ایک لمبا سا ہال ہے جس میں بہت سارے جانے پہچانے چہرے ہیں۔ سامنے کی جگہ کو دیکھا تو مولانا صاحب ہنستے مسکراتے چہرے پر بشاشت لئے کچھ فرما رہے ہیں۔ میں نے وہ خط مولانا کو دیا اور انتظار میں جاگ اٹھا۔ مولانا صاحب فرمائیں کہ اس خط میں کیا پیغام تھا۔ آیا یہ خط مولانا صاحب کے لئے تھا یا میرے لئے بھی اس میں کچھ تھا۔

محمد افتخار بقلم خود

جوابِ خط و تعبیر خواب

عزیزی و محترمی دام رشدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خواب مبارک ہے اور حضور پاک ﷺ کی آپ پر توجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حضور انور ﷺ سے روحانی استفادے کی صورت حضرت شاہ معین الدین اجمیریؒ یعنی سلسلہ چشتیہ سے متعلق ہو گی۔ اور یہ استفادہ اوراخذ فیض اللہ چاہے تو فقیر کے ذریعے آپ کو ہو گا۔ اس سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ فقیر کا سلسلہ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت شاہ معین اجمیریؒ سے ہوتے ہوئے حضور پاک ﷺ کے ساتھ منسلک ہے۔ اور ہمارے بزرگوں کی راہ وطریقہ حق ہے۔ اس خواب سے آپ کو یہ بتایا گیا کہ آپ اس سلسلے کی پابندی کریں اور فقیر کے ذریعے سے اپنی تربیت روحانی کا اہتمام کریں اور یہی سلسلہ آپ کو حضور پاک ﷺ سے فیض دلانے کا سبب بنے گا۔ شکر کیجئے کہ حضور پاک ﷺ کے دربار سے آپ کی واضح رہنمائی کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شکر گذاری اور اس خدمت کی صحیح توفیق صوفیاء کے طریق کے مطابق چشتیہ طرز سے کرتے ہوئے سنت کی اتباع کی توفیق دیں۔ اللہ ہم سب کی صحیح رہنمائی کرے۔ بہر حال خواب بہت مبارک ہے شکریہ اور عمل واجب۔ والسلام

خادم محمد اشرف (بقلم میر حاتم)

ڈاکٹر عبدالودود کا خواب

بخدمت پیرو بزرگوارم مولانا صاحب آداب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہم دونوں بمع ننھے داؤد کے خیریت سے ہیں اور اُمید ہے کہ آپ بھی بمع جملہ دوستوں کے صحت مند اور خوش وخرم ہونگے۔ کل شہاب الدین کی طرف سے خط ملا تھا۔ جس میں انہوں نے آپ کی طرف سے سلام بھی دیا تھا۔ جس کا میں بہت مشکور

ہوں۔ میری طرف سے آپ کو بھی شہاب الدین کی پہلی بار پہلے چانس میں پاس ہونے کی مبارک باد۔ حضرت کچھ عرصہ پہلے میں نے عجیب ساخواب دیکھا جس کی تعبیر بیان کرنے کی زحمت آپ کو دیتا ہوں۔ تقریباً ڈیڑھ دو ماہ پہلے میں ایک دوست کے گھر رات کو سویا ہوا تھا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک عدالت نما مگر سادہ سے کمرے میں خدا کی عدالت لگی ہوئی ہے۔ ایک اونچی سی جگہ پر خداوند تعالیٰ ایک میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ خدا مجھے کسی انسان کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ میز پر ایک بڑی سی کتاب بھی رکھی ہے۔ جس میں لوگوں کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ سامنے ایک کرسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہیں۔ حضور کسی پکی عمر کا آدمی نظر آتے ہیں۔ کالی داڑھی اور سادہ سا سفید لباس (جیسے عموماً ہمارے علماء پہنتے ہیں) اور چھوٹی سی سفید پگڑی پہنے ہوئے۔ اُن کا چہرہ میں اچھی طرح یاد نہ رکھ سکا۔ اب کمرے میں ایک ایک آدمی اپنا فیصلہ سننے کے لئے آتا ہے۔ ایک آدمی آیا تو خدا نے خود کتاب میں اس کے اعمال دیکھے۔ اس کی نیکیاں بہت زیادہ تھیں۔ لہٰذا خدا نے اسے جنت بھیج دیا۔ پھر دوسرا آدمی آیا۔ اس کا اعمال نامہ دیکھا گیا تو اس کی نیکیوں کے ساتھ ساتھ کچھ بُرے اعمال بھی تھے۔ خدا نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کھڑا تھا۔ خدا نے کہا کہ تم نے تو بُرے اعمال بھی کافی کئے ہیں۔ آدمی خاموش رہا۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک وکیل کی طرح کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اس آدمی کی میں سفارش کرتا ہوں آپ اُسے معاف کر دیں۔ لہٰذا خدا نے اسے معاف کر دیا اور بھیج دیا۔ پھر میری باری آئی۔ کتاب میں خدا نے دیکھا تو کہا کہ تیری برائیاں بہت زیادہ ہیں اور نیکی برائے نام۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میں اپنے اعمال نامے کو دیکھ رہا ہوں اور اس میں بمشکل چار پانچ فیصد نیکیاں ہیں۔ خدا نے مجھ سے پوچھا کہ یہ اعمال نامہ تیرا ہی ہے۔ میں نے اقرار کیا پھر خدا نے حضور کی

طرف دیکھ کر کہا کہ "اب اس آدمی کے ساتھ کیا کروں"۔ میں نے بھی پُر اُمید نظروں سے حضور کی طرف دیکھا مگر حضور نے میرے معاملے میں خاموشی اختیار کی اور سر جھکا لیا۔ پھر خدا نے کچھ توقف کے بعد کہا کہ چلو "اس کو میں نے معاف کیا"۔ میں باہر نکل آیا تو خواب سے بیدار ہوا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ دل میں عجیب سے خیالات آتے رہے۔ کبھی خیال آتا کہ میں نے سچ مچ کا خواب دیکھا ہے۔ مگر پھر خیال آیا کہ شاید یہ شیطان کا دھوکہ تھا جو مجھے یہ ترغیب دیتا ہے کہ خدا مجھے ویسے ہی معاف کر دیگا۔ کبھی سوچتا ہوں کہ کیا خدا کسی انسان کی صورت میں خواب میں آتا ہے؟ اور کیا خدا کی عدالت اتنی سادہ ہوتی ہے۔ بعد میں مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ شاید یہ شیطانی دھوکہ تھا۔

اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری رہنمائی کریں کہ یہ سب کیا تھا۔ کہیں یہ شیطانی خواب تو نہ تھا۔ اگر خدا مجھے اتنی تھوڑی نیکیوں سے بخش دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوزخ میں صرف کافر ہی جائینگے۔ اگر یہ خواب حقیقی خواب تھا۔ تو حضور میرے معاملے میں کیوں خاموش ہوئے اور پھر خدا نے مجھے ان کی سفارش کے بغیر کیسے معاف کیا۔

اُمید ہے آپ کو یہ زحمت ناگوار نہیں گذرے گی۔ اگر آپ کی مصروفیات زیادہ ہیں تو شہاب الدین کو جواب بتادیں وہ مجھے لکھ دینگے۔ باقی خیریت ہے۔ ہم دونوں کی طرف سے بہت سلام۔

آپ کا فرمان بردار عبدالودود بقلم خود مؤرخہ 24 فروری 1978

جواب و تعبیر خواب

عزیزی و حبیبی دام سعدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے خط ملتے رہے۔ بندہ بیمار تھا۔ ہنوز شفائے کامل و عاجل اور قوت و صحت کی دعاء کا محتاج ہوں۔

الحمد اللہ تعالیٰ کہ شہاب الدین پاس ہو گئے۔

آپ کا خواب مبارک ہے۔ شیطانی نہیں۔ خواب میں اللہ تعالیٰ عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھنا، خدا کی اصل ذات کا دیکھنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی صفت عدالت ورحمانیت و بخشش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے تین منظر بتائے ہیں۔ جو قابل مبارکباد و شکر ہیں اور جن کی تفصیل مختصراً یہ ہے۔

"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں شیطان نہیں آسکتا۔ اس لئے آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے شیطانی خواب نہیں"۔

1 پہلے آدمی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عدالت کو بتایا کہ اس کی نیکیاں زیادہ ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

2 دوسرے آدمی میں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت شفاعت کو بتایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی بخشش ہو جائیگی۔

3 آپ کے بارے میں جو آپ کی نیکیاں چار پانچ فیصد ہونے کے باوجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سمجھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی تنبیہ تھی کہ آپ اعمال نیک کی طرف زیادہ توجہ دیں اور آپ کے بارے میں سکوت فرمانا بھی ایک قسم کی سفارش تھی کہ عذاب کا نہیں کہا اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بخشا تو وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے بخشنے یا جس کو چاہے بخشنے میں اعمال کا محتاج نہیں۔ اس کی

رحمت ہی اصل بخشش کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے (جن لوگوں کی بخشش ہو گی)۔ ان کی صرف پیشی ہو گی اور وہ اعمال سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشے جائینگے۔ ورنہ جس کا باقاعدہ حساب (واحتساب ہوا) وہ تو ہلاک ہو جائیگا (کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و توفیق سے ہی کار خیر کی توفیق ملتی ہے اس کا شکریہ بھی ہم لوگوں سے پورا نہیں ہو سکتا تو حقیقتاً بخشش اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ہو گی)۔ حاصل یہ ہوا کہ پہلے آدمی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو عدل کی صورت میں آپ کو دکھایا۔ دوسرے آدمی کی صورت میں اپنی رحمت کا ظہور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی صورت میں بتایا اور تیسری آپ کی صورت میں اپنی رحمت کو اپنے فضل کی صورت میں (ظاہراً) بغیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے ظاہر فرمایا۔ تاکہ ظاہر ہو کہ وہ بغیر سفارش کے بھی آپ کے امتیوں کو بخش سکتے ہیں۔ وہ سفارش و شفاعت کے محتاج نہیں۔ آپ کو اس خواب پر خوش ہونا اور شکریہ بجالانا چاہیئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی سمجھا۔ اس لئے آپ کے سکوت کے باوجود گناہوں کی کثرت کو جانتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانکر بخش دیا۔ اب اس کا شکریہ یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ نیکی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں گذارنے کی کوشش کریں۔ اور درود شریف کی کثرت کریں کم از کم کوئی چھوٹا درود صبح شام ہو سکے تو سو بار تو پڑھ لیا کریں۔ یہ خواب بڑا مبارک ہے شکر کریں کہ مزید عنایت ہو، شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ شیطانی خواب ہے۔ اسی طرح شیطان اس خواب کی برکت سے آپ کو محروم کرنا چاہتا ہے۔ باقی جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے کہ اس خواب کا مطلب یہ ہوا کہ صرف کافر ہی دوزخ میں جائینگے تو اصل بات یہ ہے کہ حشر قیامت کے حساب کتاب اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد صرف بہت ہی بڑے متکبر قسم کے گناہ گار مسلمانوں میں سے تھوڑے سے دوزخ میں جائینگے۔ تو بعد میں اللہ

تعالیٰ کی رحمت سے اور کلمہ کی برکت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے باوجود اہل کبائر (یعنی کبیرہ گناہ کرنے والوں) دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے اور صرف کافر ہی دوزخ میں ابدالاباد کے لئے رہ جائینگے۔ جو آخری گناہ گار دوزخ سے جنت میں آئیگا۔ اسے بھی اس دنیا کے رقبہ سے دس گنازیادہ جنت دی جائیگی۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں رحمتیں ہیں۔ جس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیئے۔ زبان سے ایمان و اسلام پر الحمد اللہ، عمل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع اور آپ پر درود شریف کی کثرت کیجائے۔ نمک حلال خادم وہی ہوتا ہے جو آقا کے انعام کا شکر گذار ہو۔ اور وفاداری دکھائے۔ اور نمک حرام اور برا خادم وہ ہے جو آقا کا کھائے بھی، اس کی نیکیاں انعامات کو جان کر پھر اس کے خلاف چلے اور اس کی برائی کرے۔ اس لئے ہمیں اللہ کا نمک حلال شکر گذار اور تابعدار بندہ بننا چاہیئے۔

آخر میں اس رحمانی خواب پر آپ کو ایک بار پھر مبارک باد دیتا ہوں اور درخواست و نصیحت کرتا ہوں کہ اسے شیطانی نہ سمجھیں وسوسے پیدا نہ کریں۔ اور جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کی یاد و تابعداری اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور فرمانبرداری میں وقت گذاریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بندہ کو اور ہمارے جملہ مریدین اور اُمت کو اپنی راہ پر چلائے۔ بندہ بیمار ہے۔ ڈاکٹروں نے آرام کا کہہ رکھا ہے لیکن باوجود ان کے روکنے کے آپ کی محبت اور آپ کے عقیدہ کی حفاظت کے لئے اتنا طویل خط لکھا ہے۔ ورنہ خط و کتابت تحریر بند ہے اگر بہت ہی ضروری خط ہو تو کسی سے لکھوا دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شاد و بامراد و آباد جملہ اہل خاندان کے ساتھ رکھے بندہ کو بھی دعاء میں یاد رکھیں۔ والسلام

خادم محمد اشرف تاریخ: 29 فروری 1978

قاضی فضل واحد صاحب کا خواب

نسبت ادیسیہ (ڈائرکٹ ڈائیلنگ)

غالباً 1973ء کا واقعہ ہے۔ بندہ رمضان المبارک 1973ء آخری عشرہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ پشاور کے مضافات ورسک روڈ پر واقعہ ایک دیہات "ڈاگ" کے ایک جامعہ مسجد جس کے پیش امام وخطیب فاضل دیوبند تھے۔ جُمعہ مبارک کی رات خواب میں تین اکابرین "حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ذکریا صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کو دیکھا۔ ان تینوں حضرات نے پائلٹوں کی طرح ٹوپیوں اور عماموں کے اوپر کانوں کے ساتھ کچھ آلات نصب کئے تھے۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے قریب جا کر باہر جانے کی اجازت چاہی۔ جس طرح جماعت میں امیر صاحب سے باہر جانے کی ہم اجازت لیتے ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ بمع احباب ہنس پڑے کہا؟ چار مہینوں کے لئے جارہے ہو۔ میں نے جواباً کہا کہ جی وہ تو جاؤنگا۔ ابھی عشرہ کے لئے نکلا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمانے لگے بیٹے۔ یہ ڈائرکٹ ڈائیلنگ (Direct Dialing) ہے بوجہ کم علمی اور تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے ان الفاظ سے مانوس نہ تھا۔ مگر اتنا سمجھ گیا تو پوچھا کہ حضرت آپ حضرات ڈائریکٹ باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا تو اور کیا۔

حضرت مولانا صاحب کو تو نہ بتا سکا البتہ ڈاکٹر فدا محمد صاحب کو یہ خواب سُنایا۔ اس کو یاد بھی رہا اور 1975ء حج کے موقع پر مسجد الحفائر میں ڈاکٹر صاحب نے بُلا کر کہا فضل واحد آپ کا خواب سچا نکلا۔ حضرت مولانا صاحب کو وہ ملا جسے تصوف میں نسبت ادیسیہ کہتے ہیں۔

باب۔10

خدمت خلق بذریعہ اعمالِ قرآنی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے قرآنی آیات و احادیث کی دعاؤں سے بعض بیماریوں کے علاج منقول ہیں۔ پھر بھی بہت سارے لوگوں کو اس کے اصل و صحیح استعمال میں تردد اور شکوک و شبہات در پیش ہیں اس سلسلے میں مولانا صاحب کا 22 اپریل 1973ء کا بیان پیش خدمت ہے۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔

قرآن کا اصل فائدہ ہدایت یابی

قرآن و حدیث کا اصل فائدہ ہدایت یابی ہے اور ہدایت اصلی یعنی ہدایت ایمانی سے آگے ہدایت اعمالی اور ہدایت ترقیات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ نبوت والی ہدایت نبی کے پاس ہوتی ہے۔ صدیق والی ہدایت صدیق کے پاس ہوتی ہے اور ولی والی ہدایت ولی کے پاس ہوتی ہے۔ ہدایت بلندی درجات کا بھی سبب ہوتی ہے۔ قرآن کا اصل مقصود ہدایت یابی ہے یعنی 'ب' بسم اللہ سے لے کر 'س' الناس تک ہر زیر وزبر منبع ہدایت ہے۔ لیکن صرف ہدایت لی نہیں جاتی بلکہ ہدایت اس سے پھوٹتی ہے۔ اڈتی ہے۔ نکلتی ہے روشن دین ہی ہوا۔ تو ہر بات روشن ہی روشن ہوگی۔ یہ تو ہے اصل لیکن اس عالم میں انسان جب چلتا رہتا ہے تو اس پر حوادث بھی آجاتے ہیں، واقعات بھی آتے ہیں اور ان حوادث سے دوچار ہو کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے اور پریشانی بعض

اوقات ترک اعمال کا سبب بن جاتی ہے۔ بعض اوقات رزق کی پریشانی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے جیسے اس زمانہ میں اس کا ظہور اشتراکیت اور مزدور کسان تحریکوں کی صورت میں ہورہاہے۔ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قریب ہے کہ ناداری کفر تک پہنچادے۔ گو کہ موجودہ ناداری وہ ناداری نہیں جس کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ کیا ہے تاہم حرص مال نے کفر یا کفر کی حدود تک پہنچادیا۔ یہاں تو چسکہ ہے اور لیڈری ہے اور آخرت میں جب ائمۃ الکفر کے ساتھ حشر ہوگا تو پتہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے۔

حوادث کا قرآنی حل

اس اعتبار سے حضور پاک ﷺ جو امت کے لئے ہر خیر کے حریص ہیں اور اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر 'من بہ تو مشفق از صد پدر' ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث میں ایسے اشارات رکھ دیئے جس سے انسان کے دنیاوی مشکلات بھی حل ہوئے ہیں۔ فقر وفاقہ جاتا رہے اس کے لئے سورۃ واقعہ بتادی۔ اس طور پر مختلف بیماریوں کے روحانی اور طبی علاج بتادیئے۔ بیماریوں اور تکالیف سے نجات کے نتیجہ کے طور پر عافیت میسر آتی ہے اور عافیت سے سکون میسر آتا ہے اور سکون اس لئے ہے کہ سکون کی وجہ سے انسان دینی اور دنیاوی فرائض اور کام خوش اسلوبی سے کر سکتا ہے اور سکون کے بالمقابل تشاویش انسان کے اطمینان اور جمعیت قلبی کو ختم کر دیتی ہے۔ جو شخص پراگندہ دل ہوگا وہ خدا کی عبادت میں بھی کامل توجہ نہیں دے گا۔ عافیت اور سکون اس لئے مطلوب ہے کہ انسان اس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اچھی طرح سے ادا کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو وہ مریض صحابی چوزے کی طرح سکڑ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تونے اپنے لئے بددعا تو نہیں کی ہے۔ اس نے کہا

کہ یارسول اللہ ﷺ اور تو کچھ نہیں کہا تھا سوائے اسکے کہ اے اللہ! جو عذاب مجھ کو تو آخرت میں دے گا وہ مجھے اس دنیا میں دیدے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عافیت بہت وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگی۔ حضور ﷺ کی ایک دُعا ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی دِیْنِیْ وَ دُنْیَایَ وَ اَھْلِیْ وَمَالِیْ''۔ اے اللہ! میں تجھ سے عفوہ (مغفرت) اور عافیت دین میں دنیا میں اہل میں اور مال میں مانگتا ہوں۔

1951ء میں لائیل پور (فیصل آباد) میں پہلا تبلیغی اجتماع تھا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ بیمار تھے۔ ڈاکٹروں نے سفر سے منع کیا تھا۔ بیٹے نے بھی کہا کہ آپ تشریف نہ لے جائیے۔ ڈاکٹروں نے منع کیا ہے فرمایا کہ سامان تیار کرو۔ تبلیغ والے اپنے لئے نہیں بلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بلا رہے ہیں۔ میں خادم کے طور پر ساتھ تھا۔ ایک شخص دو صفحے کا خط لے کر آیا۔ میں نے اس کو کہا کہ میں دُعا کروادوں گا۔ میں نے خط حضرت کو نہیں دکھایا۔ لیکن حضرتؒ دیکھ چکے تھے۔ خط کو منگایا اور اس پر یہ دُعا لکھ دی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَا وَالْعَافِیَّۃَ اللہ تعالیٰ ہم کو مشکلات میں نہ ڈالے۔ ہم تو شبنم میں بھی چیونٹی کی طرح ڈوب جاتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں بہت ساری چیزیں ہیں۔ محدثین نے مستقلاً جمع بھی کروائی ہیں۔ حصن حصین کتاب الاذکار امام نوویؒ کی الجزریؒ اور ابن القیمؒ نے زادالمعاد مستقل کتاب جھاڑ پھونک کی لکھی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ صحت پاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔

تو معتقد کہ زیستن برائے خوردن است
خوردن برائے زیستن و طاعت کردن است

مولانا محمد الیاسؒ و بیماری

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے پاس مرض الوفات میں ڈاکٹر آئے تو ان کو فرمایا۔ کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنی صحت کے بارے میں احتیاط نہیں کرتا اور میں صحت یاب ہونا نہیں چاہتا حالانکہ بیماری کی وجہ سے میں نماز میں قیام کے ثواب سے محروم ہوں۔ انسان دو چیزوں کے بارے میں دھوکہ میں ہے۔ ایک صحت اور دوسرا فراغ۔ قرآن اور حدیث میں کوئی ایسی بیماری نہیں۔ جس کا علاج نہ ہو۔ ہر چیز کے لئے قرآن اور حدیث میں دعائیں موجود ہیں۔ جو اللہ ایک امر ''کن'' سے موجودات کے سلاسل کو قائم کر سکتا ہے۔ تو کیا وہ ذات اس پر قادر نہیں کہ تمہاری بیماری کو دور کر دے، تمہاری کمزوری کو ہٹادے تم میں کوئی کمی کوتاہی ہو تو اس کو دور کر دے۔

مولوی عثمان کی زبان

ایک مرتبہ تبلیغی چلّہ کے دوران میں پشین میں تھا۔ کوئی آیا ہم نے دَم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفاء دی۔ میں نے وہاں کے امام صاحب سے کہا کہ آپ بھی دَم کر لیا کریں۔ میرے استاد صاحب نے مجھے بتایا تھا۔ پہلے ایک دفعہ درود شریف پھر ایک مرتبہ الحمدللہ شریف اور تین دفعہ قل ھواللہ احد شریف، دوسری مرتبہ تین تین دفعہ معوذتین اور تیسری پھونک میں ''فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللهُ وَهُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْم''اور ''بِسْمِ اللهِ الَّذِىْ لاَ يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهِ شَىْ ءٌ فِي الْاَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمَيْعُ الْعَلَيْمِ''۔ میں نے وہاں کے مسجد کے مولانا صاحب سے عرض کیا کہ آپ بھی دَم ڈالا کریں تو وہ کہنے لگا کہ دَم تو ڈالوں گا۔ لیکن مولوی عثمان کی زبان کہاں سے لاؤں گا۔ میں نے کہا کہ اس کا

کیا مطلب ہے؟ کہنے لگا کہ ایک بزرگ تھے جس کا نام عثمان تھا۔ ان کے پاس طالب علم پڑھا کرتے تھے، جو ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی کھاتے تھے۔ ایک دن طالب علموں نے مولوی صاحب سے شکایت کی کہ روکھی سوکھی کھا کھا کر تھک گئے، کچھ اور بھی کھلا دو۔ انہوں نے پانی کا ایک مٹکا منگایا اور اس پر الحمد شریف دَم کی تو پورے کا پورا مٹکے کا پانی گھی میں تبدیل ہو گیا۔ اب طالب علموں نے بھی مٹکوں پر دَم کرنا شروع کیا۔ لیکن گھی نہ بنا۔ اُنہوں نے مولوی صاحب کو شکایت کی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ عثمان کی زبان کہاں سے لاؤ گے۔ اللہ جل شانہ کی عظمت دل میں آجائے کہ میرے رب کی بات ہے۔ اس کے ایک لفظ ''کن'' سے مخلوق وجود میں آتی ہے کہ یہ دھیان ہو کہ یہ میرے بول نہیں بلکہ رب کے بول ہیں۔ جب رب کی بات آئیگی تو ضرور اثر ہو گا۔ اثر زبان سے نہیں ہوتا۔ دل سے ہوتا ہے۔ اگر دل اللہ تعالیٰ جل شانہ کے عظمت سے بھرا ہو گا تو اثر ہو گا۔ زبان میں بھی تاثیر کثرت ذکر کی وجہ سے آتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں دَم یا فلاں وظیفہ کی مجھے فلاں سے اجازت ہے۔ یہ اجازت کی بات کیا ہوتی ہے؟ کہ وہ کسی بزرگ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا تعلق ہوتا ہے، کی بات نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے۔

گفتۂ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اللہ تعالیٰ کے بندوں کا بول اللہ تعالیٰ کا بول ہوتا ہے۔ جب وہ مستی میں آتے ہیں۔ تو ناز سے ایسے بول بول لیتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بین کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم

ہمارے ہاں تو اپنے کو مٹانا ہی مٹانا ہے۔ جب ایسے لوگ بات کرتے ہیں تو اس

میں اثر ہوتا ہے۔ اولاً تو قرآن کریم کی بعض آیات بہت واضح ہوتی ہیں کہ دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ دُعا فلاں حاجت کے لئے ہے۔ مثلاً

رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کہ اے اللہ! مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو تو ارحم الرحمین ہے یا رَبِّ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ بعض باتیں کھلی ہوئی نہیں ہوتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کھول دیتے ہیں۔

منیٰ میں الہام

میں منیٰ میں لیٹا ہوا تھا کہ تین باتیں بتادی گئیں۔ رزق کے فراوانی کے لئے ''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْن'' ذہن کے یاداشت اور حفظ کے لئے رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق لینے کے لئے اور برائی سے بچنے کے لئے ''لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْم'' 21 مرتبہ یا 11 مرتبہ یا سات مرتبہ اوّل آخیر درود شریف کے ساتھ پڑھو، حقیقت میں یہ چیزیں مٹ گئیں۔

مختلف عوارض کے لئے دَم

ڈاکٹروں کو خاص طور پر یہ طب روحانی سیکھنی چاہیئے۔

مرگی کا دَم

مرگی کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں۔ اوّل آخیر درود شریف مع بسم اللہ کے 41 مرتبہ سورۃ لایلاف قریش پڑھو۔ اور ''خوف'' پر بیماری کا تصور کرو۔ یا چلّہ پر دَم کرکے پہنالو۔ تو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائینگے۔ آج دوپہر کو ایک بچہ آیا۔ اس کو تقریباً

20 جگہ بھڑ نے کاٹا تھا۔ میں نے دَم کیا۔ بھڑ کا چھوٹا سا دَم ہے۔ ''وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْن'' ''فَاتَّقُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُوْن''۔

باد کے لئے دَم

باد کے لئے اوّل آخر درود شریف اور درمیان میں سورۃ الفلق پڑھتے جاؤ اور جھاڑتے جاؤ۔ ناف کسی کا اُتر گیا ہو۔ تو مریض کو کہو کہ ناف پر ہاتھ رکھے اور سات دفعہ یہ پڑھو۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُول قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل اور اگر مضبوط کرنا ہو تو یہ کہو۔ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيّ۔

بچھو کا دَم

بچھو کا درد بہت شدید ہوتا ہے۔ اوّل تو یہ کرو کہ جس جگہ تک زہر چڑھ گیا ہو۔ وہاں بسم اللہ پڑھ کر تھوک سے دائرہ لگادو۔ پھر قل اعوذ برب الفلق پڑھتے جاؤ اور جھاڑتے جاؤ آخیر جگہ جب پہنچ جائے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تھوک سے دائرہ لگادو اور آخیر میں اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ حَرِّهَا وَبَرْدِهَا وَوَصَبِهَا اونچے (High) یا نیچے (Low) بلڈ پریشر کے لئے بھی اچھا ہے۔

خون بند کرنے کا دَم

اگر کسی کا خون بند نہ ہوتا ہو تو اس کے لئے دَم کریں یا لکھ کر باندھ دیں۔ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَآءَكِ وَيَا سَمَآءُ اَقْلِعِي وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيّ۔

حافظہ کے لئے

یاداشت اور حافظہ کے لئے اوّل آخر درود شریف اور درمیان میں 11 مرتبہ یا

علیم یا فتاح یا حفیظ یا نصیر ، امتحان کے کمرہ میں پرچہ شروع ہونے سے پہلے 11 مرتبہ پڑھو۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ یا کہیں چپکے سے پرچے میں لکھو۔

آسیب کے لئے

آسیب کے دور کرنے کا عمل: اول آخر نماز والی درود شریف تین تین مرتبہ پڑھنا۔ اُس کے بعد پورا سورۃ البقرۃ پڑھ کر پانی پر دَم کرلیں۔ پڑھتے وقت بیچ میں بات نہ کریں۔ اُس پانی سے متاثرہ شخص کو نہلا کر پانی کسی صاف جگہ پر پھینک دیں۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی اجازت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے دی تھی۔

ردِ سحر

ردِ سحر و آسیب کے لئے: اول آخر درود شریف کے بعد 41 مرتبہ یہ آیتیں پڑھ کر مریض پر دَم کریں۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ مریض خود بھی ان آیات کو پڑھ کر اپنے پر دَم کیا کریں۔ اس کے لئے دوسرا عمل یہ ہے کہ اول آخر درود شریف کے بعد 41 مرتبہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر پانی پر دَم کر کے اُس سے نہائے۔ اور پانی کسی پاک جگہ پر پھینک دیں۔ نیز دَم کیا ہوا پانی بوتل میں بھر کر صبح شام تین تین گھونٹ پی لیا کریں۔

ردِ جنات

ردِ جنات کا عمل: اول آخر درود شریف کے بعد سورۃ فاتحہ، سورۃ یا ایھا

الکافرون، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر مریض پر بھی دَم کریں اور پانی بھرے بوتل پر دَم کر کے اُس میں سے تین چلّو (چونگ) پانی کا چھینٹا مریض کے آنکھوں پر دے دیں۔ بہتر ہے کہ اس عمل کو صبح شام تین بار دُہرایا جائے۔ جامع تعویذ مریض مستقلاً اپنے پاس رکھیں۔

عام بیماری کے لئے

بیماری کے لئے: اول آخر درود شریف، پھر سات مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ مندرجہ ذیل کلمات پڑھ کر زم زم پر دَم کر دیں اور مریض کو پلائیں۔ اَعُوْذُ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ○ فَكَيْفَ اَنْت اَيَّتُهَا العلة (یہاں بیماری کا خیال و تصور کریں) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا○ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ○ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ○كَذَالِك اَنْتِ اَيَّتُهَا العلة (یہاں بیماری کا خیال و تصور کریں)۔

اشرار و مفسدین کے بھگانے کے لئے

اشرار و مفسدین کو کسی جگہ سے تبدیل کرنے کے لئے: اوّل آخر درود شریف پڑھ کر پھر 216 مرتبہ ''يَا جَبَّارُ'' پڑھ لیں۔ پھر تین مرتبہ مندرجہ ذیل کلمات پڑھ لیں۔ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ○ جہاں پر لفظ کُمْ آتا ہے۔ مثلاً رَبُّكُمْ، اَبْلَغْتُكُمْ، اِلَيْكُمْ، غَيْرُكُمْ پر اُن اشرار کا تصور کریں۔

سانپ سے حفاظت کے لئے

سانپوں سے حفاظت کے لئے: 25 مرتبہ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ 25 مرتبہ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ○ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ○ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ○ 3 مرتبہ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ 3 مرتبہ بِسْمِ اللهِ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ۔ مٹی پر دم کر کے اُس جگہ پر بکھیر دیں۔

گائے بھینس کے دودھ کے لئے

گائے، بھینس کا دودھ دینے کے واسطے رام کرنے کے لئے: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم بحرمت کھٰیٰعٓصٓ۔ حٰمٓ۔ عسق بحرمت و بحق حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم و فاطمہؓ و علیؓ و حَسَن و حسین رضی اللہ عنہم و بحرمت دَشت کربلا۔ اللھم شَرَابَھَا۔ اٰمین یا ارحم الرحمین۔

مختلف امراض واُمور کے لئے تعویذات

مولانا صاحب مختلف امراض وامور کے لئے تعویذ بھی لکھ کر دیا کرتے تھے۔ بعد میں ضرورت مندوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ ہر وقت بے وقت حاضر ہو کر تعویذ کا مطالبہ کرتے جو مولانا صاحب کے لئے پورا کرنا مشکل تھا۔ اس لئے مولوی محمد یوسف صاحب سے باریک لکھوا کر تمام تعویذات کے فوٹو سٹیٹ بنا لئے۔ جو بر وقت استعمال میں لائے جاتے۔ ان تعویذات میں مندرجہ ذیل زیادہ مستعمل تھے۔

جامع تعویذ

بیماری، سحر آسیب، جنات، درد سر و نظر کے تعویذات کو جمع کر کے ایک

تعویذ بنایا گیا تھا۔ واٹر پروف بنانے کے لئے پتلے پلاسٹک میں لپیٹ کر چمڑے یا موٹے پلاسٹک میں سی لیا جاتا۔ یا چاندی میں بند کر لیا جاتا۔ یہ تعویذ مریض ہمیشہ اپنے پاس رکھتا۔ خواہ گلے، بازو یا بٹوے میں ہو۔ مولانا صاحب نے خود بھی اس کو ہمیشہ استعمال کیا۔ ایک دفعہ جب جدہ ائیر پورٹ پر کسٹم حکام نے زبردستی اُتار لیا تو مولانا صاحب بہت خفہ ہوئے۔

محبت زوجین

شوہر و بیوی کے درمیان ناچاقی و نااتفاقی آج کل وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اور دونوں فریق اس سے نالاں و پریشان ہیں۔ یہ تعویذ دونوں کے درمیان جوڑ و محبت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پھر جب بعض لڑکوں لڑکیوں نے اس کو اپنے عشق و معاشقہ کے لئے استعمال کرنا چاہا تو مولانا صاحب اس کے بارے میں محتاط ہو گئے۔

حفاظت حمل

یہ تعویذ حمل ٹھہرنے کے بعد اس کے حفاظت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تعویز کو لمبے دھاگے سے باندھ کر گلے یا کمر میں ایسا باندھا جاتا ہے کہ تعویذ ہر حالت میں ناف کے اوپر رہے۔

تعویذ برائے ولادت

دردِ زہ شروع ہونے کے ساتھ تعویذ کو کپڑے میں باندھ کر بائیں ران پر باندھا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اس تعویذ کو حاملہ عورت اپنے پاس رکھنے میں حمل گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ استعمال کے بعد کسی صندوق وغیرہ میں رکھے۔ اس کو بار بار استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حفاظت اطفال

بچوں پر جنات و شیاطین کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ بچوں کو ان سے محفوظ کرنے کے لئے اس تعویذ کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

برائے نظر

نظر حق ہے۔ اور اس کے بُرے اثرات پڑ سکتے ہیں۔ نظر بد سے بچنے کے لئے اس تعویذ کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

دردِ سر

پورے یا آدھے سر کے درد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

تلاش گمشدہ

تعویذ میں گم شدہ چیز یا بندہ کا نام لکھا جاتا ہے اور گھر کے کسی تاریک کونے میں ایک تختے کے اوپر تعویذ رکھ کر اوپر دوسرا تختہ رکھا جاتا ہے۔ اور ہر روز ایک اینٹ اوپر رکھا جاتا ہے جب گیارہ دِن پورے ہو جائیں اور گم شدہ بازیاب نہ ہو۔ تو سارے اینٹ اُتار کر پھر سے شروع کیا جاتا ہے۔ جب تک کہ گم شدہ بازیاب نہ ہو۔

دَم اور تعویذات کا عمل مولانا صاحب خالص مخلوق کی خدمت اور تکلیف سے نجات کے پیش نظر کیا کرتے تھے کبھی بھی نہ اِس کا معاوضہ لیا اور نہ اُن سے ہدیہ قبول کیا۔ ورنہ مولانا صاحب کی معذوری، تعلیمی و تصنیفی مشغولیات اور تربیت و اصلاح مریدین و متعلقین کے ساتھ دَم تعویذ کا شعبہ چلانا ایک مشکل اَمر تھا۔ مریدین و متعلقین

تو پھر بھی مولانا صاحب کے آرام و آسائش کا کچھ خیال رکھتے۔ لیکن تعویذ و دَم کے حاجت مند تو اکثر "صاحب الغرض مجنون" کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس لئے مولانا صاحب نے ہمیشہ کبھی مولوی محمد یوسف البرجوی کو اور کبھی حاجی محمد نعمان صاحب کو اس کام کو سرانجام دینے کے لئے اپنے ساتھ شریک رکھا۔ بعض اوقات لوگ اس قسم کے تعویذ لے آتے۔ جو لغو مہمل اور شیطانی الفاظ و اقوال پر مشتمل ہوتے۔ اور شر و فساد پھیلانے کے غرض سے لکھے ہوئے تھے۔ مولانا صاحب ایسے تعویذوں کے الفاظ کو بہتے پانی میں دھو کر بہانے کا حکم دیتے تھے۔ بے علم جعلی عاملوں کے تعویذوں کے سخت خلاف تھے۔ بلکہ دَم تعویذ کو پیشہ بنانے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔

پروفیسر محمد سراج سواتی کو بتائے گئے خصوصی اوراد واعمال

مندرجہ ذیل اوراد و اعمال حضرت مولانا صاحبؒ نے خاص مواقع پر خصوصی حاجتوں و مشکلات کے لئے پروفیسر محمد سراج صاحب کو تلقین کئے تھے۔ جو اُنہوں نے مع تاریخوں کے نقل کئے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ مولانا صاحبؒ کے مُنہ سے نکلا ہوا کوئی حرف و کلمہ ضائع نہ ہو۔ اور عوام الناس اُس سے مستفید ہوں۔ اِس لئے ان کو حرف بہ حرف شامل کیا جاتا ہے۔

مؤرخہ 9 ستمبر 1966ء شب جمعہ (عمل برائے رزق حلال)

دو رکعت نفل حاجت۔ قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد کے ساتھ پانچ مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد رَبِّ اَنِّي مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ تین مرتبہ۔ پہلا سجدہ رَبِّ اِنِّي لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْر تین مرتبہ۔ دوسرا سجدہ بعد از سلام گیارہ مرتبہ درود

شریف اس کے بعد گیارہ مرتبہ استغفار ندامت کے ساتھ۔ استغفر الله من کل ذنب و اتوب الیہ۔ اس کے بعد گیارہ مرتبہ اِنَّ الله هُوَالرَّزَّاقُ ذُوْالْقُوَّةُ الْمَتِيْن۔ اس کے بعد گیارہ مرتبہ حسبی الله ونعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ اس کے بعد تین مرتبہ درود شریف نماز والا۔ اس کے بعد دُعا اللهم انی اسئلك وا توجه اليك بنبيك محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی توجهّت بك الی ربّی فی حاجتی هٰذه ليقضٰی لی، اللهم مشفعه فِیَّ۔ اللّٰهم ارزقنی من عندك یا رزّاق یا رزّاق یا رزّاق یا وهّاب یا وهّاب یا وهّاب، یا معطی یا معطی یا معطی، یافتّاح یافتّاح یا فتّاح، یاباسُط یا باسُط یاباسُط۔ اللّٰهم ابسط علینا من برکاتك ورحمتك وفضلك ورزقك یا مجیب دعوة المضطرین برحمتك یاحیُّ یا قیّوم اجب دعوتی انك سمیع الدّعآء۔ وتقبلَّ دعاءی یامجیبُ یامجیبُ وصلی اللّٰه تعالیٰ علی محمد وٰاله واصحابه اِنَّك حمیدٌ مجید تین مرتبہ درود شریف۔

ستمبر 1966ء (بعد از صلوٰۃ حاجت)

تین مرتبہ درود شریف اِکیاون مرتبہ الم نشرح ایک سو ایک مرتبہ یا بدیعَ العجائب بالخیر یابدیعُ تین مرتبہ درود شریف

مورخہ 30 ستمبر 1966ء (رفع حاجات)

دو رکعت نفل نماز توبہ۔ اول درود شریف 33 مرتبہ استغفار، 33 مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ 33 مرتبہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّك اَنْتَ التوَّابُ الرَّحِیْم اَسْئَلُكَ باسم اللّٰه الاعظم الذی اذا دُعِی بِهٖ اجاب و اِذا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی۔ اللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُك وَا توجه اِلیْك بِنَبِیِّك محمّدٍ نَبِی الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّد اِنِّی وَجّهْتُ

بِكَ اِلٰى رَبِّىْ فِىْ حَاجَتِىْ هٰذِالتُقْضٰى لى۔ اللّٰهُم فشِفعة فِىَّ پھر استغفار اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ درود شریف

برائے نوکری رِزق حلال کی طلب کے لئے تجویز کیا

اول صلوٰۃ التوبہ۔ اس کے بعد 11 مرتبہ درود شریف، 11 مرتبہ استغفار، 11 مرتبہ کلمہ سوم، آخر میں صلوٰۃ الحاجت اور پھر اپنے مطلب کے لئے دُعا۔ آپ سے کسی وقت قلبی یا لسانی طور پر بزرگانِ سلسلہ یا فقیر کے متعلق کچھ ایسے خیال آئے ہوں، یا یہ خیال ہوا ہو کہ توجہ کم ہے۔ تو اس سے نفل توبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور دل کو صاف کیجئے۔ دنیوی مشکلات بعض اوقات بے ادبی کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہیں۔ بندہ نے تو ہر طرح معاف کر دیا۔ آپ بھی احتیاطاً توبہ کریں۔

جنّات کے لئے وِرد

بِسم اللہ اِنَّہٗ نویں حصہ وردِ ابی دُجانہ

سونے سے پہلے یہ اعمال کریں۔ دو رکعت نفل نماز توبہ۔ اول درود شریف 33 مرتبہ استغفار، 33 مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ 33 مرتبہ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَارْحَمْنِىْ وَتُبْ عَلَىَّ اِنَّكَ اَنْتَ التوَّابُ الرَّحِيْم اَسْئَلُكَ باسم الله اعظم الذى اذا دُعى به و اِذا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى۔ اللّٰهُمَّ اِنِّىٓ اَسْئَلُك وَا توجه اِلَيْك بِنَبِيّك محّمَدٍ نَبِى الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّد اِنِّىْ وَجّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّىْ فِىْ حَاجَتِىْ هٰذِالتُقْضٰى لى۔ اللّٰهُم فشفعه لى پھر استغفار اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ درود شریف بعد آخری رکوع سورۃ البقرہ اور قل ھو اللہ شریف کو پڑھ کر اپنے اوپر پھونک ڈالیں۔

جنرل ٹانک برائے نظر، درد سر، بخار، بچہ کی گھبراہٹ، برائے بیماری کے

پہلی پھونک: درود شریف اعوذ باللہ مع بسم اللہ، الحمد شریف۔ ایک مرتبہ، تین مرتبہ سورۃ اخلاص، آخر میں درود شریف۔

دوسری پھونک: اول و آخر درود شریف۔ تین مرتبہ معوذ تین

تیسری پھونک: اول و آخر درود شریف۔ اعوذ بکلمات اللّٰہ التامّات مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ، تین مرتبہ

اور پھر بسم اللّٰہ الذی لا یَضُرُّ مع اسمہ شی ءٌ فی الارض ولا فی السماء وھوالسمیع العلیم۔ تین مرتبہ، فسیکفیکھم اللّٰہ و ھوالسمیع العلیم۔ تین مرتبہ

گناہوں سے چھٹکارا اور علاج

دو رکعت نفل صلوٰۃ التوبہ: 11 مرتبہ درود شریف، 11 مرتبہ استغفار، 11 مرتبہ کلمہ سوم۔
دو رکعت نفل صلوٰۃ الحاجت: یہ عمل تین دن کرے اور اللہ سے دُعا مانگے انشاء اللہ عمل بد سے خلاصی ہو گی۔

عمل برائے اولاد و قوت رجولیّت

اول و آخر تین دفعہ درود شریف، گیارہ مرتبہ یَاخَالِقُ یَا بَارِیُ یَا مُصوّرُ یَا قَوِیُّ یَا قَادِرُ۔

برائے بخار و خطرہ مرض

اول و آخر درود شریف۔ پھر بسم اللّٰہ الحمدللّٰہ ایک دفعہ لایلاف قریش ایک دفعہ۔ لفظ خوف پر مرض کے ازالہ کی نیت کرنی۔

عمل برائے مرگی

اول و آخر درود شریف اور پھر بسم اللہ پڑھ کر لایلاف قریش اکتالیس مرتبہ پڑھیں اور لفظ خوف پر خوف کی دوری کا استحضار ہو۔

تاثیر جنّات کے مختلف دَم

آیۃ الکرسی پڑھ کر دَم کرنا بسم اللہ درود ابراہیمی تین مرتبہ

بسم اللہ سورۃ فاتحہ تین مرتبہ بسم اللہ آیۃ الکرسی تین مرتبہ

بسم اللہ سورۃ الفلق تین مرتبہ بسم اللہ سورۃ الناس تین مرتبہ

بسم اللہ سورۃ لا یلاف قریش تین مرتبہ

قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙالسِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۔(سورۃ یونس: 10 آیت: 81)

بسم اللہ درود شریف تین مرتبہ (یہ عمومی دَم ہے)۔

بسم اللہ سورۃ فاتحہ تین مرتبہ / بسم اللہ درود ابراہیمی تین مرتبہ

تین مرتبہ رَبِّيْ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ (سورۃ ص: 38، آیت: 94)

تین مرتبہ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (سورۃ الانبیاء: 21، آیت: 83)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔

(سورۃ المؤمنون: 23، آیت: 97)

بسم اللہ ۔ لایلاف قریش

پھونکنا۔ پانی پر دَم کر کے چھینٹے آسیب زدہ کے مُنہ پر مارنا اور بچا ہوا پانی پلانا۔

باب۔11

شعر و شاعری

شعری ذوق و شوق

اگرچہ مولانا صاحب باقاعدہ شاعر نہ تھے۔ لیکن انہوں نے بہت حساس طبیعت پائی تھی۔ جس میں جذب کا مادہ بہت وافر تھا۔ اس لئے اشعار سے بہت اثر لیتے تھے۔ چشتی مزاج ہونے کی بنا پر اپنی تقریر و تحریر میں اشعار کا موقع بہ موقع استعمال کیا کرتے تھے۔ اشعار کا اتنا وافر ذخیرہ ان کے ذہن میں محفوظ تھا کہ ہر اہم حقیقت کو شعر کے لباس میں واضح فرما دیتے تھے۔ حدیث ناگفتنی میں ارقام فرماتے ہیں کہ سکول کے زمانہ تعلیم میں ہی جس نے زیادہ متاثر کیا۔ وہ حالی، علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری تھے۔ مسدس حالی، بانگِ درا اور شاہنامہ اسلام کے صفحات تک ازبر تھے۔ اور ان سے ایک گونہ ایمانی قوت وملی حمیت پاتا تھا۔ مسدس حالی آٹھ نو سال کی عمر میں اپنے گھر کے کتب خانہ سے پڑھی۔ حفیظ جالندھری کا سلام، صحرا کی دُعا، بدر واحد کے معرکے اردو نظم میں اپنی مثال آپ ہیں۔ بارہا اقبال کے بعض نظموں نے اشکبار کیا۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ بالِ جبریل میری پسندیدہ کتاب تھی۔ متعدد بار پڑھی۔ ہر بار دِل و دماغ نے اثر لیا۔ متعدد غزلیں جیسے ساقی نامہ، مسجد قرطبہ، طارق کی دُعا ذوق و شوق سے پڑھتے پڑھتے ازبر ہو گئیں۔

مولانا صاحب نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ جلسے جلوسوں میں اور بچے بچے کی زبان پر اقبال کے اشعار روان تھے۔ مولانا صاحب رقمطراز ہیں کہ اِس جوش و جذبہ کے زمانے میں بانگِ درا کی متعدد

نظمیں حافظہ میں مرتسم ہو گئیں اور اقبال شعر و سخن کی ایک عبقری شخصیت اور اسلامی اقدار کے داعی کے حیثیت سے دِل و دماغ پر چھا گیا۔ اُس زمانہ میں اقبال کی دوسری کتابیں ضرب کلیم، اسرار ورموز، اسرار بے خودی، زبور عجم، جاوید نامہ، پیامِ مشرق، ارمغان حجاز، مسافر اور پس چہ باید کرد متواتر نظر سے گزرتی رہیں۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ اقبال آج بھی اپنی تازگی اور اثر انگیزی میں جوان اور دل و دماغ کی تسکین کا سامان ہے۔ اس کے علاوہ مکتوبات اقبال، اقبال نامہ، مولانا عبد السلام ندوی کی اقبال کامل، شورش کاشمیری کی فیضان اقبال اور ابوالحسن علی ندوی کی روائع اقبال کے مطالعہ نے اقبال اور اس کے کلام کی عظمت دِل میں بٹھا دی۔

فارسی ادب وشعر وشاعری سے مناسبت

فارسی ادب و شعر و شاعری سے مناسبت خاندانی روایات کی بنا پر ابتداء سے تھی۔ ابتدائی کتابیں جیسے گلستان، بوستان والد صاحب سے پڑھیں۔ بقول مولانا صاحب والدہ صاحبہ کو کریما زبانی یاد تھی اور سناتی تھی۔

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما   کہ ہستم اسیر کمند ہوا

حضرۃ الاستاذ مولانا نور الاعظمؒ اُن دونوں کتابوں کو پیار و محبت سے گلستان جان بوستان جان کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

حدیث ناگفتنی میں ارقام فرماتے ہیں کہ فارسی نظم میں مرشد رومی کی مثنوی دِل وروح پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی۔ یہ دبستان تصوف کا نرا صحیفہ نہیں بلکہ حقائق دینی، حکمت و فرزانگی ورموز زندگی کی نقاب کشا کتاب ہے۔ اسی اثر اندوزی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی معنوی، حضرت اشرف علی تھانویؒ کی

کلید مثنوی اور محمد نذیر عرشی کی مفتاح العلوم، تلمذ حسین کی مرآۃ المثنوی اور صاحب المثنوی، شبلی کی سوانح مولانا روم اور مثنوی پر شروح بحر العلوم اور الہام منظوم سارے کنگال ڈالے۔ اس کے علاوہ حافظ و سعدی، خسرو، عراقی کی غزلیات، سنائی و عطار کا کلام، حسن دہلوی و عبدالرحمان جامی کی نعتیں، ابو سعید ابوالخیر و عمر خیام کی رباعیات تشنگی شوق کو مہمیز کرتی رہیں۔ شاہنامہ فردوسی، سکندر نامہ نظامی، گلشن راز مثنوی، غرض فارسی شاعری میں وہ کونسا کلام تھا۔ جو نظر سے نہ گذرا ہو۔

گہے شعر عراقی رابخوانم   گہے جامی زند آتش بجانم

عربی شعری مطالعہ

مولانا صاحب حدیث ناگفتنی میں لکھتے ہیں کہ عربی نظم میں مختلف شُعراء کے کتب کے علاوہ جمہرۃُ اشعار العرب، المعلّقات السبع، الحماسہ لابی تمام اور دیوان المتنبّی میرے شعری مطالعہ کا اثاثہ رہا۔ شعبہ عربی میں تدریس اور صدارت کی بناپر عربی ادب وشاعری سے مناسبت کا سلسلہ آخیر عمر تک رہا۔ اپنے ہونہار طالب العلم، رفیق مُرید و خلیفہ مولوی محمد یوسف البرجوی کو پی ایچ۔ڈی ڈگری کے لئے مقالے کا عنوان : شعر الصحابہ منتخب فرمایا۔ انہوں نے بڑے جانفشانی سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اشعار کو جمع کیا۔ یہ مقالہ اس قسم کے تحقیق کی پہلی کوشش ہے۔

حضرۃ الشیخ سے شعری مناسبت

حضرت مولانا صاحب کو اپنے شیخ کے ساتھ نسبت تامہ حاصل تھی اور ابتداء میں سے فنافی الشیخ کے مقام پر فائز تھے۔ جو بھی پڑھا سُنا۔ لیکن حضرت سید سلیمان ندویؒ

کے فرمودات، تعلیمات اور کلام نے سب سے زیادہ دائمی اثرات نقش کئے۔ مولانا صاحب خود فرماتے ہیں کہ "اُن کی ہر تحریر و ہر سطر فقیر کے لئے سرمۂ بینش، مایہ تسکین، مہمیز عمل اور روشنی کا مینار تھی۔ سلیمانیات کا جو حرف و شوشہ ملا حرز جان تھا۔ فکر و نظر کی رہنمائی ہمیشہ حضرت والا کی تحریروں اور ارشادات سے پائی اور بحمد للہ تعالیٰ یہی فقیر کا سرمایہ زندگی ہے"۔ حضرت سید صاحب رسمی شاعر نہ تھے۔ بلکہ ان کے اشعار تمام واردات عشق تھے جو غلبہ حال میں مرتب پا جاتے تھے۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا: "میں یوں ایک شعر بھی نہیں کہہ سکتا جب تک خاص حالت نہ ہو"۔ جیسے فرمایا۔

"وجد میں جان ہے تو اعضاءِ رقص میں   جامِ مے آوازِ الا اللہ ہے"

جو شعر بھی سُپرد قلم کر رہا ہوں میں   سب واردات عشق رقم کر رہا ہوں

نسبت تامہ اور فنافی الشیخ کی بدولت یہ تمام واردات مولانا صاحب کے قلب پر منعکس ہوا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضرت کو شیخ کا مجموعہ اشعار ازبر تھا اور نوکِ زبان پر ایسے چڑھے ہوئے تھے کہ گو شاید ہی کوئی تحریر، بیان، مقالہ یا مکتوب اُن کے اشعار سے خالی ہو۔ ہر موقع و محل پر سید صاحب کے علاوہ اپنے تحریروں اور تقریروں میں حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب کے کلام سے زیادہ استفادہ کیا مجذوبؒ کی شاعری اپنے حالات و کیفیات کے علاوہ تصوف کے مقامات و منازل اور اپنے شیخ اور تصور شیخ کے گرد گھومتی ہے۔ جو مولانا صاحب کے حال و مذاق کے بہت مناسب تھی۔

مولانا صاحب بحیثیت شاعر

حضرت مولانا صاحب نہ تو پیدائشی شاعر تھے اور نہ رسمی بلکہ فرط مسرت اور واردات قلبی کی بدولت غلبۂ حال میں چند غزل کہہ ڈالے ہیں۔ اِن میں ایک سلام بحضور

سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ جن کا واقع یوں ہوا کہ مولانا صاحب کے متعلقین میں سے ایک صاحب عرفات میں حالتِ منامی میں مشرف بہ زیارت ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیخ اشرف کا اِس سال انتظار تھا۔ لیکن نہیں آیا۔ میری درخواست پر اللہ تعالیٰ نے دوسرے سال بلانے کا فیصلہ کیا۔ رات کو پھر زیارت ہوئی اور فرمایا: کہ شیخ اشرف کو میرا سلام پہنچائیں اور درخواست کریں کہ میری اُمت کے لئے دُعائیں کرتے رہیں۔ حتٰی کہ وہ مجھ سے مل جائے اور میری عرفات والی امانت اُسے پہنچائیں۔ اِس خط کے ملنے پر وفور شوق میں یہ اشعار مرتّب ہوئے۔

سلام بھیجا ہے ہر دَم سلام کہتا ہوں — جنون و شوق کا جلتا پیام کہتا ہوں
خِرد وہوش کو لوٹا جو تونے میرے ہے — اِسی کا واسطہ دے کر سلام کہتا ہوں
جہاں میں ہوگا نہ ایسا کوئی فقیر و گدا — صلوٰۃ و نعت تمہاری مدام کہتا ہوں
جمالِ تام کو جو بے نقاب دیکھا ہے — حجاب جو بھی ہو اُس کو حرام کہتا ہوں
فروغِ دیدہ ودِل ہے ارے نظر اُن کی — یہ تاب دیکھو کہ اُن کو سلام کہتا ہوں
نظر بچا کے زمانے کی آنکھ سے اشرف — نگاہ شوق سے اُن کو پیام کہتا ہوں

مولانا صاحب نے فرمایا کہ ایم اے فارسی کے امتحان کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی کے مسجد میں عصر کے بعد غنودگی کی حالت میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، انا خاتم النبیین لانبی بعدی، محبت سے سرشار ہو کر یہ اشعار مرتب ہوئے۔

پروفیسر محمد سراج سواتی کے مطابق مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کا یہ مندرجہ ذیل نعت اِسلامیہ کالج پشاور کے رسالہ "خیبر" جون 1960ء میں چھپ چکی ہے۔

بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

حبیب خدا کا سلام اللہ اللہ گداؤں کا اوج مقام اللہ اللہ
یہ رحمت کی کرنیں، عنایت کی بارش سراپا محبت کلام اللہ اللہ
فقیروں پہ لطف و کرم کا یہ عالم سحر پوش ہے میری شام اللہ اللہ
سلامی کے قرباں میرے دیدہ و دِل کہاں یہ نصیبہ یہ نام اللہ اللہ
نگاہِ نوازش میرے دل میں ڈوبی شرابِ محبت کا جام اللہ اللہ
نگاہوں میں وہ ہیں، خیالوں میں وہ ہیں سلام اللہ اللہ، کلام اللہ اللہ
میں پہنچا ثریٰ سے سربام طوبیٰ کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ
عنایت ہے ان کی فقیروں پہ اشرف ہوئی مجھ پہ رحمت تمام اللہ اللہ

واردات قلبی۔محمد اشرف

تڑپ کے نالے جو سدرئ کے پار ہونے لگے
جھلک نے اُن کے امیدوں کے تار چھیڑ دیئے
بھُلا سکوں میں کیوں کر نگاہ نازاں کو
کہ نغمہ ہائے دِل بے قرار چھیڑ دیئے
ستم نے حسن کے بھولے سے جو قرار دیا
بھڑک کے سوز نے دِل کے شرار چھیڑ دیئے
نظر نے تیری بھلایا خیالِ سو دوزیاں
وفور شوق نے پیہم نگار چھیڑ دیئے
دبا رکھے تھے جو نالے جنوں نے برسوں سے
نظر ملا کے وہ سب ایک بار چھیڑ دیئے

کرم تھا یہ بھی اشرف کہ چند اشاروں میں
جہاں بدلا اور لیل و نہار چھیڑ دیئے

واردات قلبی-محمد اشرف

اپنے تبلیغی دورہ ترکی استنبول میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار پر حاضری سے سرشار و سرمست اور اُن کے جذبہ جہاد سے متأثر مولانا صاحبؒ نے مسلمانوں کے موجودہ پستی و ذلت کارونارویاہے اور 17 اگست 1957ء کو اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل اپنے غزل کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ یہ اشعار اُس وقت کی یادگار ہیں جبکہ حضرت مولانا صاحبؒ طلباء کے امتحان کے وقت ہال میں ڈیوٹی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ کے حساس طبیعت نے فرزندان قوم کے عظیم سرمایہ کو مغربیت کے نذر ہوتے ہوئے یہ نالہ غم رقم کر دیا۔ جیسا کہ شاعر مشرق اقبال نے ''دُنیائے اسلام'' کے نظم میں اپنے زخمِ دل کا اظہار کیا تھا۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل — خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز
ہم نے دیکھے ہیں ایسے مستانے — کوئی جانے انہیں نہ پہچانے
چند چھینٹے اڑے تھے ساغر سے — ہوش کھوکر چلے ہیں فرزانے
ہر قدم پر جنون بڑھتا ہے — کون بیٹھا ہے یہاں ستانے
میرے گھر کی بہار دیکھو ذرا — اس پہ روتے ہیں آج ویرانے
دل کے دنیا پہ گر بہار آتی — اجڑے ہوتے نہ آج کا شانے
حسرتوں پر جنوں کی میں رویا — چند لمحے ملے جو ستانے
دید نے ان کی زندگی بخشی — اپنے جانے اسے نہ بیگانے

نگاہ دیتی ہے ان کی ہمیں کیا مدعی اس کو خاک پہچانے
زندگی ہوچکی ہے اب ان کی عبث آئے ہیں آپ سمجھانے
دیدۂ دِل سے خون بہہ نکلا ٹوٹے دیکھے جو چند پیمانے
علم حاضر نے ہوش یوں کھویا آج اجڑے پڑے ہیں میخانے

ہدیہ تبریک

بتقریب عروسی صدیق عزیز حاجی محمد اسلم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

کوئی آکر ذرا دیکھے یہی ساقی کا میخانہ
نہ دنیا دین سے نالاں ہے نہ دین دنیا سے بیگانہ
میرے آقا کی دُنیا بھی عجب پُرکیف دنیا ہے
ہر اک قطرہ صراحی ہے ہر اک ذرہ ہے میخانہ
جہاں کی گردشیں بدلیں نگاہوں کے اشاروں سے
جہاں نو ہوا پیدا بیک انداز مستانہ
الٰہی رنگ نے دُنیا کو یکسر دین بنا ڈالا
عمل کے ہر قدم سے آج آئی بوئے جانانہ
عروسی محفلیں ہوں یا عبادت کی مجالس ہوں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہر شے میں ہے اک کیف رندانہ
نکاح بھی اے میرے اسلم طریق مُصطفائی ہے
مبارک ہو تجھے صد بار اتباع نقشِ جانا نہ
عمل میں رنگ گر آئے مدینے کی بہاروں سے

چمک اُٹھے فروغ سنّت بیضا سے کاشانہ
ہوئی تکمیل رسم آشنائی کی وفا ہوکر
کہ اک موج حیا آئی بصد انداز رندانہ
بڑھیں جذبے محبت کے امیدوں پر بہار آئے
اجابت عرش کھینچے ہے مرا جذب فقیرانہ
نہ شاعر ہوں نہ آتی ہے مجھے الفاظ کی بندش
پئے تبریک حاضر ہے فقیروں کا یہ نذرانہ
نہیں ہے خیر کچھ اشرف مراسم کے جھمیلوں میں
بہارِ دِین و دُنیا ہے مرے ساقی کا پیمانہ

پیش کردہ، محمد اشرف خان، شعبہ ءعربی، پشاور یونیورسٹی مورخہ 3اپریل 1955ء

آج بتاریخ یکم جنوری 1963ء مولانا صاحبؒ کے ساتھ دعوت کے سلسلے میں جو حاجی اسلم صاحب کے گھر گیا، تو وہاں مولانا صاحبؒ نے محمد اسلم صاحب کو اس نظم کے لانے کو کہا جو فریم کیا ہوا تھا، پھر میں نے اُس سے ایک کاغذ پر لکھ دیا جو کہ آج حاضر ہے۔ محمد سراج

کلام پروفیسر محمد سراج سواتی

مولانا صاحبؒ کے توصیف و تعریف میں یہ نظم پروفیسر محمد سراج سواتی صاحب نے بروز بدھ بتاریخ 15 ذوالحجہ 1415ھ بمطابق 17 جون 1992ء اپنے گاؤں کوٹہ سوات میں قلمبند کی۔

مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

د حضرت چہ دی اوصاف پہ زړہ لوئی پہ سینہ صاف
د نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پہ پیروئ کښں نمونہ دہ د اسلاف
پہ نرمئی لکہ صدیق(رضی اللہ عنہ) د عمر(رضی اللہ عنہ) پہ کښں انصاف
باحیا لکہ عثمان رضی اللہ عنہ شجاعت د علی رضی اللہ عنہ صاف
پہ سخا حاتم طائی دے بچ کیدونکے د اِشـراف
دے پہ فـقر ابو ذر رضی اللہ عنہ دے پہ سخا کښں کړی اسراف
نفاست او نزاکت کښں د مرزا مظهر دے صاف
دے برداشت پہ کښں بسیار هر ناکردہ کړی معاف
عبادت او ریاضت کښں دے پہ مثل د اسلاف

****

پہ خپل کور گوشہ نشین همہ عمر اعتکاف
خصوصاً بیا پہ رمضان کښں پرے غالب شی انعطاف
چہ د حج جذبہ پرے راشی هر هر عُذر شی معاف
قافلہ شی لویہ جوړہ کړے عمرے زیارت طـواف
دے د دین پہ حمایت کښں ښکارہ تورہ بے غلاف
د جهاد جذبہ چہ راشی بریلی سید شی صاف
مسئلہ کہ د قادیان وی دے عطا شی بے خلاف
د مذهب پہ مسئلو کښں تختی لرے د خـلاف
کوشـش داکړی چہ پیدا شی پہ کښں چرتہ اِئتلاف
د مفتی پہ قول تگ کړہ کہ د ځـان ئی وی خلاف
د جمات پہ آبادئ کښں ځی بے پَر تر کوہ قاف

د درویش مسجد تعمیر یو ښکاره دے اعتراف
د تبلیغ په کوششوئ جان و تن شگاف شگاف

****

که دے طرز الیاسی کړه د بل طرز نه دے خلاف
تحریری تبلیغ پخوانه دے عمل ئی واشگاف
د رشتے په حقله کلك دے پکښ نه منی خلاف
مور بی بی د دوئی سره وه ښه په مینه اِئتلاف
آخر داچه په رحلت شوه د دے کوره دا عفّاف
کونډه خور ورسره لور هم هم خانه ؤ په الطاف
خورئ هـم بندی په گور شوه وه صاحبه د اوصاف
کشره خـور او هم خورزه ئی شوے واده بے د اتلاف
د عزیزو مشرانو چرته نه شی استخفاف
په رشته کښ قربانی کړه ذره نه کړی انحراف
دوئی ایثار کوی په خپله بے د طمعے لا یخاف
په دوستئ کښ مهربانه دوست دشمن کړه اعتراف
د عزیز اوگده میشته هم دے دلیل بلا خلاف
دوئی د هر مومن دزړه کړی څه بے حده اِئتلاف
خصوصاً حافظ عالم خو وی مرکز دانعطاف

****

دوئی په خپلو مریدانو کړی کرم، عطاء الطاف
بیا اصحاب دسلسلے خو سم شماری لکه اسلاف
سلاسیل اربعه کښ کوی بیعت بے خـلاف
ولے ماته په نظر کښ چشت غالب ئی په اوصاف

شاه صاحب عبدالعزيز ئے پير منلے بے خلاف
ولے بيا غالب اثر پرے د سيد صاحب دے صاف
دے مجاز هم د فقير دے وو بے حدئی پرے الطاف
په مجلس كښې ئی تاثير دے دا وينا كړم واشګاف
د تحرير ئی په خصوص برزګان كړه اعتراف
دے مركز د آكابرو د اخلاف اودَ اسلاف

****

د تاريخ په فن په دوئی دی د سيد صاحب الطاف
هم په علم د حديث كښې دی مخصوص د دوئی اوصاف
چه يوسف بنوری ور كړو سند دوئی ته په انصاف
د سلوك د باريكيو پرے رب كړے انكشاف
دے سلوك سليمانی د دے فن په اعتراف
كم از كم دوئی په دوه ځله شب قدر موند لے صاف
دا په درس كښې شوه معلومه دوئی ئی نه كړو انكشاف
فرشتے هم په يو وار د دوئی كورته شواضياف
دوئی سبب وو د تسكين چه پيدا كړو رب اشراف
يو جن هم چه غټ بانبړؤ وو، راغلے بر خلاف
خدائی په خپله مختورن كړو لاړو ورك شو په اطراف

****

حافظه د دوئی قوی ده ذهن رب وركړے صاف
مطالعه ئی ده وسيع د ملكونو دی طوّاف
د دے عصر په تحريكو باخبر دی بے خلاف
هم د وخت فتنو دپاره راليږلی رب سيّاف

د سید په مینه مست دی په کښې نشته استنکاف
اکیډیمی د سلیمان شوه ددغې اعتراف
رساله د ''البیان'' شوه روانه په اطراف
مګر دوئی چه وو تا ګلی سر نه شو هغه اهداف
هم په ډیره کمزورئی کښې پرے د مال اوشو اتلاف
په پوخ عمر په دوئی راغله تقاضا ښه واشګاف
غرض داؤ چه او نه شی د سنتو استخفاف
په طرف د مزارے دوئی خپل اظهار او کړلو صاف
د واده رسم ادا شو شوه استوګنه په الطاف
خدائی د کړی د دوئی اولاد هم په شان د دوئی اشراف
د دوئی فیض د تِل جاری وی په اطراف او په اکناف

****

حضرت جوړ دے همه عزم که اعذارئی دی اضعاف
مګر دوئی په خپل منزل کښې پروانه کړی د خلاف
ځکه تل روړے دلاری ترے نه لری کړی کشّاف
سفرونه د دوئی کیږی په هر لوری په اطراف
د موټر لار چه شی ورکه دوئی روان شی په اکتاف
دا ټول دوئی ته مسخر دی پرے د رب ډیر دی الطاف
په وفات دا اکابرو دوئی اکثر لیکی اوصاف
کله کله په کښې اوشی د رازونو انکشاف

****

د دوئی ډیر دی عنایات خویم زه ننګ اخلاف
د صحبت ئی کړمه ډېره چه بے حده دی کشّاف

پہ دے باب کښ عزیرگل میان — هم ئی کړے اعتراف
هم هغه په همت لوئی ئے — وو، گواه بلا خلاف
زه ناقص که یمه پاتے — خپل بیان لیکمه صاف
کعبه ده په خپله لویـه — خر حاجی نه شو طوّاف
د فیضان اثر دپاره — آئینه غواړی شفاف
چه زړه پاك وی د هر خیری — نه وی پټ په صد غلاف
چه کړی فیض پکښ ټیکاؤ — سراسر نه وی شگاف
ذکر فکر ته تیار وی — باهمته وی عفاف
نه چه دے یوه ټونگه کړه — نوره خپله مرضی صاف
د بزرگانو تعلق تش — ذریعه گڼړی دلاف

****

زه که هر څویم بے کاره — کرم په خپله اعتراف
خو بیا هم په خوار سراج ئے — ته جاری لرے الطاف
گوندِ یوځل دغه غشی — چرته اوشلوی غلاف
د زړگی نه نظر تیر شی — پکښ راولی شگاف
شی جاری د خدائی په مینه — ټول بدل ئی شی اوصاف
رذائل واړه زائل شی — سم خو یو نه شی اشراف
د مالوچو دوړه گرد — لکه پاسوی نداف
بیا د ښکلی پاغندونه — خلق ډك کاندی لحاف
گوندی شی وَچه صحرا کښ — دا باغونه د الفاف
اے سراجه طمعدار شه — په ځان پوکـه لایلاف

که دننه غار کښې نه ئې
په درشل اوسه د کاف

یوولس نیمے بجے سحر، بروز بدھ، مؤرخه 15 ذی الحجه1415
ھ مطابق 17 جون 1992ء، کوټه ـ سوات

کلام پروفیسر غلام ناصر حزین

ڈاکٹر غلام ناصر حزین شعبہ فارسی پشاور یونیورسٹی کے رٹائرڈ پروفیسر، کلیہ السنہ شرقیہ وعلوم اسلامیہ کے سابق ڈین، مولانا صاحبؒ کے مرید وخادم اور میاں بشیر احمد کاکاخیلؒ، سید عبدالرحیم شاہ مدظلہٗ اور سید مسرت حسین شاہؒ کے خلیفہ مجاز بیعت اور کتاب ھٰذا کے ریڈر ہیں۔ اُن کے اُردو، فارسی اور پشتو پر مشتمل کیفیت انگیز نعتیہ کلام کا مجموعہ ''کیفیات حزین مع تصریحات مبین'' ستمبر 2014ء میں شائع ہو چکا ہے۔

د خپل شیخ مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ په خدمت کښې د عقیدت پیرزونے

مونږ ته پیژندلے نه، څومره سترګے پټے وے
یوه نیمه ښکاره وه خوستا ډیرے قِصے پټے وے
خومره لوئے استاد د عربۍ پروفیسر وے ته
څکه مریدان دِهـم د علم غټے سټے وے
خپله عالمانو بزرګانو قدر دان وے ته
هر عالم یه زړه کښې ستا دپاره مینے پټے وے

ته علی ندوی[65] سهارنپوری[66] او بنوری[67] مخکښے
ستورے وے اګرچه هغه خپله د نور متے وے
زړونه دِ راښکل ځانته د مینے مقناطیس وے ته
ته ځونډ چمن کښے خوشبودار، بار داره بوټے وے
سختے کشالے به ستا دعا په برکت سره
شوے ټولے آسانے که ښکاره وے که به پټے وے
اوس خو مریدان دِی که پیران دی واړه وړی دی
ستا سترګو مړو کښے پیسے تشے خاورے ختے وے
ستا په دسترخوان به نعمتونه بیش بسیاره وو
خیټے به مړے وے که وړے وے که به غټے وے
ستا کیمیا اثر نظر پرے پریوتو سره زر شولو
واړه مریدان دِ ملغرے شوے، که لوټے وے
تابه ''اِلا اللّٰه'' چغه چه ووهله هر کله
لاره به صفاشوه که به ډیرے پکښے ګټے وے
هیڅ مبالغه نه ده ته قطب وے، ابدال وے ته
څومره ښه سورلئے وے چه تاؤ کړےپرےتا مَتے وے
کومه شپه چه ماحزین به ستا خدمت کښے تیره کړه
زړه به دِ بیدار وو که دوه سترګے به دِ پټے وے

65 مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

66 مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپوری قدس سرہٗ

67 مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ

کلام پروفیسر بشیر احمد کاکاخیل

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد کاکاخیل ریٹائرڈ ڈائریکٹر، انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، پشاور یونیورسٹی حضرت مولانا صاحب کے مجلسی شاعر تھے۔ اکثر نعتیہ کلام اور موقع کے موافق اشعار مجلس میں سناتے تھے۔ اپنے آپ کو جلے ہوئے پیر کے فقیر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اُن کے چند واردات قلبی پیش خدمت ہیں۔

"خکلی سپیڅلی مانړی"

"د حضرت مولانا صاحب د کور د جوړیدو په موقع مولانا عبدالقدوس صاحب اور نورو حاضرینو مخکښے ته مِ دا اشعار واوروُل دحضرت په مکان کښے"۔

ته محل ئے ته مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان
ته څما دزړه مسکن ئے ته څما دزړه ارمان
ته باغچه ئے د ګلونو ستا چاپیره بلبلان
ته سیرګاه ئے ته بارګاه ئے ته درګاه د سلیمان
ته خانقاه ئے ته درسګاه ئے د محمد اشرف خان
ته دوکان د معرفت ئے ته چینه ئے د عرفان
ته په دے جهان زلیږے لکه ستورے د آسمان
ته محل ئے ته مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان

جنتیان په تا کښے اوسی ته ددے جهان جنت ئے
دحضرت د دعوت ځائے ئے سلسبیل د هدایت ئے

ته څونږه د سر سورے ته څونږه شان شوکت ئے
ته مرجع د اولیاؤ ته مرکز د ولایت ئے
مومنان دِ پتنګان دی، ته ئے شمع د ایمان
ته محل ئے تـه مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان

ته د عشق مے خانه ئے مے پرست دِ عاشقان
رندان ډکے پیالے اخلی په نامه د خوږ جانان
د الله په مینه مست دی د الله په رسولﷺ ګران
د الله په رنګ کښے رنګ دی طالبان شُو عارِفان
ته محل ئے ته مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان
د قـرآن، حدیث او فقے ښکلےدوردِ کړو روان
ستا مجلس د مازیګر دے ځلنده او درخشان
د جمعے د ورزے کیږی دلته ختم د قرآن
لائبریری لا دکتوده هر انسان ورته حیران
سلیمان اکیډیمی نه شائع کیږی میاشتیزه البیان
اے مکانَ په مکین دِ څما سرومال قربان
ته محل ئے ته مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان

دے مکین ته خدایه ورکړے د حلالو ډیر دولت
عمر خضر ئے نصیب شه ورسره هم ښه صحت
اے الله تـه ئے سیوا کړے نورهم فیض و برکت
خدایه مونږه بهره ور کړے له فَیوضُو د حضرت

له دے علم او حکمت، معرفت او له احسان
ته محل ئے ته مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان

اے مکانَ ستا مکین دَے یوبنده د خدائے مقبول
د الله په دین مین دے دا عاشق د خدائے رسول
عاشقان د پاك الله به څوك اونه وینی ملول
سوال د هر یوه عاشق وی د الله په در قبول
میاں بشیر فقیر زهیر دے تشنه گیر ستا دفیضان
ته محل ئے ته مانړی ئے ته مکان ئے عالیشان
ته څما د زړه مسکن ئے ته څما دزړه ارمان

سلیمان اکیڈیمی

په ندوه[68] کښے یو لمسے وه د سرکارﷺ
لوړ عالم[69] وه، لوئے عارف سیرت نګار
د مری دَ رګ له څاڅکی ئے شم زار
چه هر دم ووله دے څاڅکی بے قرار
سلیمان اکیڈیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څونړ د ښار

68 دارالعلوم ندوة العلماء، لکھنؤ
69 سید سلیمان ندوی

له اشرف منزل شوه دا رنړا خوره
دے قریب اسلامیه کالج سره
اے اللهﷻ څمونږ د سر سورے لره
صحت ورکړے کامله مستمرّه
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څمونږ د ښار

څه لوئے درَز وو دحکیم دپاك ملت
چه شیندلوئے په ځائے دزړه دولت
لوړ سید ته په ښه نیت او علمیت
خپل مرشـد ورکړو خلعت د خلافت
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څمونږ د ښار
مُصنف سیدصاحب دے دسیرت
دے تکمیل د دغه کار ئے کرامـت
معلم شبلی ئے کړیدے صفت
د نیکه په دین ئے کړیدے غیرت
سلیمان اکـیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څمونږ د ښار

دی خطبات ئے د مدراس په هرچا ګران
دے کتاب ارض القرآن عظیم الشان
د لغات علم ئے کړو عالَم حیران
ښه څرګند دے دده کار په هر میدان

سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څونږ د ښار

په ګران کار د سفارت چه مقرر شو
د انګریز عیّار سازش زیر و زبر شو
علی ګړه ئے له خطبونه بهرورشو
د ''ډی لټ'' ډګری ئے واخسته ډاکټر شو
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څونږ د ښار

د ګلشنِ اقبال بوټی دوی کـړو نال
بَل ئے ملك کښے او بَهر کړو خپل مشال
فقیری او بادشاهی کښے په یوحال
حضرت نه لرلو سیال مثل مثال
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څونږ د ښار

کراچی ته ئے له هند اوکړو هجرت
چه زیارت له وراغلو څونږ حضرت
خپله پریښودو حضرت مو سیاست
وے ئے نمانځلو په سپیځلی تربیت
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی څونږ د ښار

د سپیځلی تربیت په برکت
حضرت شاه اشرف صاحب کوی خدمت
د سلوك كتاب شاهراهِ[70] معرفت
د غفلت په خوب اوده کړه رااوچت
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی ځونږ د ښار

خدایه ته م د حضرت له دے مکان
رنړا پورته کړے له مزکے تر اسمان
منور چه په رنړا شی کل جهان
د بشیر ظاهر، باطن به شی روښان
سلیمان اکیډیمی ئے ده یادګار
کړی پرِ فخر یونیورسټی ځونږ د ښار

میاں بشیر احمد کاکاخیل مورخه 05.03.1983

پیشکش

مالاس نیوه کړیده له څوی چشتی پیر
څوے چشتی پیرم دے ښائسته بدرِ منیر
نشته اولیاؤ کښے ځما د پیر نظیر
حضرت محمد اشرف صاحب مرشد دے دبشیر
مرشد ته پیرزوئے وړاند کوم د عقیدت
پیشکش م د کلام په برکت دے د حضرت

---

70 مخکښے سلوك سلیمانی اور وروسے شاهراه معرفت ځونږ حضرت د سلوك شاهکار کتابونه چاپ کړل

د حضرت مولانا صاحب حج ته د تلـو په موقع نيته
23-05-1987

ستا په شانِ حسين نشته په جهان
ماه جبين ئے نازنين د پاك سبحان
ستا د حسن پلوشے خورے ورے دى
پلوشو د كړلو مهر مهر تابان
پس له خدايه ستا مثال د جمال نشته
نه په مز كه اونه بره په اسمان
ته د پاك پروردګار حسين شاهكارئے
ستا له هرے يواداځنے قربان
دلربا مخ والضحى او والَّيل زلفے
جانانه دستا خواږه خواږه چشمان
ستا يوے يوے مُسكا سـره دنـدان
بيش بهاله بے بها دُر او مرجان
ستا د وُلو مينځ كښے مهر نبوت وو
نـشتـه دا عجـب نشان د بل انسان
نه د سيلمے عطر تيل پُليل خوشبويه
نه يوه قطره خوله د خوږ جانان

شناخت دِ اوښ، اوسئ او بيزے كړے
شرمخ ستا د نبوت اوكړو اعلان
شرمخ نه پرينښوده لاره مدينه كښے

ستا په حکم ئے پرئیښے دے میدان
امزرے د سفینه شولو مَلګرے
ستا په مخ ئے شو رهبر او نګهبان
حنانه اوژړیده چه ترِ جدا شوے
عاشق کله تاب راوړے شی د هجران
یوے لَښتے د رنړا ورکړه تیاره کښے
بله تُوره شوله خلق دی حیران
اونے غرونه سلامی شو ستاله مخه
ستا په یو اشاره پریوتل بوتان
دفقیر کچکول به ډك شی که پام اوکړے
لکه ډك شوله کجورو توشه دان
په معراج، شق القمر معجزو نورو
ستا عظمت دے ښکاره شوے په ښه شان
سرچینه ئے ته د علم او د عرفان
خومره لویه معجزه دِ ده قرآن
ټول ژوندون دِ معجزه ده څه څه یاد کړم
مجسّم ئے ته قرآن عظیم الشان

معلم ئے، مربّی ئے مزکیّ ئے
مخلوقاتو باندِ ستا دے لوئے احسان
ستا دعا ده د اللّٰه په در قبوله
پامته داردِ دَ دعادی امتیان
د رحمت چینه به اووهی جو شونه
که د ستا په لار روان شی مسلمان

عاشقان د مدینے دِ پتنگان دی
هر عاشق درته تلی کښے اینبے ځان
بادشاهان د دے جهان دِ غلامان دی
غلامان دِ د جهان دی بادشاهان

غلامان ځی خپل اُقاته ډلے ډلے
د دنیا له هر یو ګټ نه دا زمان
یوه ډله له دے ځایه روانیږی
په اخرو ورځو کښے د رمضان
د دے ډلے اهم غړے مِ حضرت دے
خادمـان دی ورسره حسن، نعمان
څه سپیځلی دی ښاغلی خادمان
خادمانو کښے شامل دے احمد خان
شیر حسن او میر حاتم د دوی سره دی
هم له کوره بیت الله او عزیز جان
ادریس هم دے قافله کښے د حجاز ځی
وائی دیارلس دی ارکان د دے کاروان
د اُقا په پَل ئے پَل دے حاجی ګل دے
د دوی مل دے سلیمان په مو نږه ګران
قافله په مشری کښے د حضرت ځی
کاش چه زه هم وے د دوی سره روان

مدینه حمًا په مخکښې مخکښې کیږی
زه په بند د مدینې یم بندیوان
خوږ اٰقا ته د سلام نه پس او وائی
ستا نمسې مودې پرې ایښې پریشان
د بشیر فقیر ژوندون په میږتون دے
سرګردان او پریشان ئې دے ګزران
ته روف ئې ته رحیم ئې مهربان
بس د ستا قرب و جوارئې دے ارمان

"د پورتنی اشعارو سره دکاروان وګړوته خواست چه په خوږ آقاﷺ م سلام اووایه"

ښکلی بطحی ته چه اورسیږے
د نیاز بین خواته چه اورسیږے
پـه دیــدنـونـو چـه نـه مـړیـږے
چــه تــرِ زاریــږے او قــربـانیږے
په خوږ آقاﷺ مِ سلام اووایا
پــه مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

ځوك چه ئې ښار ته دے رابللے
ډیــر مــحــتــرم دے هغه ښاغلے
ډیر ښه پاللے تر دے راغلے
سـخی بـاچـا دے هر چا منلے
په خوږ اٰقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

پنډ پنډ مالونه ئے دی بخښلی
روغ کنډکونه ئے دی بخښلی
غنیمتونه ئے دی بخښلی
څه نعمتونه ئے دی بخښلی

په خوږ آقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

سخی باچا دے هغه جواد دے
په سخاوت کښے هم هغه یاد دے
ښاد او ناښاد پرِ ښاد او آباد دے
د زړه مرام دے د زړه مراد دے

په خوږ آقاﷺ م سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

جولی حضرت ته زه غوړؤمه
کچکول د فقر ئے مخکښے ږدمه
تر عمره عمره به ئے منمه
بس یو درخواست ورته کومه

په خوږ آقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

اے حسن خانَ ته ئے ښاغلے
آقا دربار ته خپله بللے
د ده بللے مِ دے منلے
هریو سپیځلے مِ دے ستائلے

په خوږ آقاﷺ م سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

کاروان د مینے دے نن روان
د دے یو غړے ځما نعمان
نن د نعمان دے څه عجب شان
نعمان دا دے ځما ارمان

په خوږ آقاﷺ مې سلام اووایا
په مصطفیٰﷺ مې سلام اووایا

اے احمد خانَ ځما دعا وه
منظوری اوشوه د خدائے رضا وه
حسنِ طلب وو ناز او ادا وه
د ستا نصیب کښې ښکلی بطحیٰ وه

په خوږ آقاﷺ مې سلام اووایا
په مصطفیٰﷺ مې سلام اووایا

وایمه تاته شیر حسن خانه
اے ځما وروره اے په ما گرانه
طمعه کؤمه بس داله تانه
چه هیرې نه کړے سلام دعا نه

په خوږ آقاﷺ مې سلام اووایا
په مصطفیٰﷺ مې سلام اووایا

میرحاتم خانه څه خوش نصیب ئے
درِ دولت ته څومره قریب ئے
چه په دربار کښې د خوږ حبیبﷺ ئے
یوه اسره بس ځما غریب ئے

په خوږ اٰقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

بیت اللهٔ[71] تاته وایم حال
درته منت کړم، کوۀمه سوال
یمه مهجوره، غواړم وصال
ساعت د هجر په ماشو کال

په خوږ اٰقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

په هر چا ګران دے څمونږ عزیز
هر ځائے کښے دے هردلعزیز
ډیر باادب دے ډیر باتمیز
ډیر محترم دے ډیر مخوریز

په خوږ اٰقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

ادریس تاته سپارمه کار
ته ډیر قلار ئے هم ډیر اوښیار
ستا مبارك شه دا ښکلی لار
چه مخامخ شے ته د سرکارﷺ

په خوږ اٰقاﷺ مِ سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ مِ سلام اووایا

---

71 دَ مولانا صاحب خادم

اے سلیمانَ تـه ئې ماشوم
تـه ئې بـللے هغه معصومﷺ
ورته به واخلے ځـما نوم
د بـشـيـر حال دے ورته معلوم
په خوږ اُقاﷺ مِ سلام اووايا
په مصطفیٰﷺ مِ سلام اووايا
ښکلے کاروان دے دا د حضرت
د دے هر رکن دے خوش قسمت
ډيـر بـاعــزت ډيــر بـاعـظـمـت
بــشــيــر فــقــيــر ئــے کــوی منت
په خوږ اُقاﷺ مِ سلام اووايا
په مصطفیٰﷺ مِ سلام او وايـا
بـشـيـره شـعـر د جـوړ کـړو زر
د پـــلار نـــامـــه دِ غـــلام قـــادر
د نـيـکـه نـوم دِ غـلام بـهـادر
د سـتـا نـصـيـب شـه هم هغه در
چـه ورپـسـے ئـے ته در په در
کلــه پــه ســمــه کلــه پــه غـر
د سـتـا زړګے شـو پـرهر پـرهر
صـفـا ښـکاره شـو د دے اثـر
چه اوس ليدے شے اوتـر اوتـر
تـه کـرو کـور ئے تـه کـور و کر

سوال ورنه اوکړه په سر تور سر
چــه د خبــر شــی ښــکلے دلــبر
په خوږ اٰقاﷺ م سلام اووایا
په مصطفٰیﷺ م سلام اووایا
په مواجه دا کلام اووایــا
په مجتبٰی م سلام اووایــا

نن د خپل پیر و مرشد حضرت مولانا صاحب مدّ ظله العالی دواده په مبارك نیــته "زه" میاں بشیراحمدکاکاخیل د فقیری کچکول په غاړه پکښے د اخلاص، عقیدت او پیرزوئنے دا گلدسته د مینے او نذرانے په ډول شندمه

خدایه ته کړے ډیر ښائسته هغه جهان
د حــضــرت د پلار محمد اکبر خان
د حضرت "اماں" په دین دنیا ښائسته کړے
دے ځــوزادئے مور زادی ولی په ځان

دا پتنګ دے چه په شمع پسے زغلی
که بلبل د ګل پــه لــوری هواګــیــر ځی
دادے غشے نشانے پسے ور درومی
که بشیر دے چه واده ته دخپل پیرځی
د امید تتــه ډیوه پــه بلیدو شــوه
که خدائے اوکړه اوس تیاره په کمیدو شوه

د غمژن زړونو ارمان وو چه پوره شو
د حضرت ستاره اوس په ځلیدو شوه

اے سپوږمۍ اے گڼړو ستورو د آسمان
د نور سړیکے به کړی کل جهان روښان
صبا ورځ ده دَ واده تاسو به نه ئۍ
نن د شپے پرِ باندِ اوکړی چراغان

د حضرت صاحب واده دے اے عالمه
تصور کښے ئے بازو د ډولی نیسم
خوشحالی د پتاسو په ځائے وریږی
زه بشیر ورته د سترګو جولی نیسم
نن د باغ ګلونه واړه په خندا دی
د حضرت تشه خندا باندِ فدا دی
اے د زړه غوټی که ته په خندا نه شے
په خلور واړه مذهبه ناروا دی

د سید[72] صاحب غُنچه ده زرغونیږی
نن د شاه[73] صاحب د زړه غوټی غوړیږی
مولانا فقیر[74] محمد ابرِ رحمت دے
د رحمت ابر په بحر و بر وریږی
د حضرت په استاذانو نن اختر دے
استاذان ئے لکه نمر هسے ځلیږی
مولانا نورالاعظم ئے خوږ استاد وو

---

72 سید سلیمان ندوی

73 شاه عبدالعزیز دُعا جو

74 مولانا فقیر محمد

ورسره هم بنوری[75] صاحب یادیږی
لوئے واړه نن په جامو کښے نه ځائیږی
په واده ئے خوشحالی دی کور په کور
اکرم[76] خان او اسلم[77] خان پر خوشحالیږی
هم ئے خویندے هم ورندارے هم ئے مور

د کپتان عمر د کور امبارکی ده
د وقار کره هم ډیر خوشحالی ده
د ثروت او صبیبے د کور خوشی ده
سره ډولی دا دَ ذکی د ماما جی ده

امجد خاندی عالمگیر دے هوا گیر
د مطلوب د کور پوره شولو ارمان
ډیر خوشحاله بیت اللهٔ دے هم عزیز
هم ئے واړه ماذونان و خادمان

په دے واړو عزیزانوئے اختر دے
په زرگونو مریدانوئے اختر دے
نن واده د هغه خوږ ښکلی دلبر دے
چه دواړو مخلوقاتو د زړه سر دے
د ما زارے د باچا صاحب نه زار شم
چه له پیرنه ځوځو وارے ځار قربان شو
بختور دده هغه لختِ جگر دے
چه د پلار د عقیدت په لار روان شو

---

75 حضرت مولانا محمد یوسف بنوری
76 دَ مولانا صاحب مشر ورور
77 دَ مولانا صاحب مینځنے ورور

د ابجدو په حساب به کرم بیان
دهجری دکال شمیره په دغه شان
د "ا" "ل" "م" نه چه شروع کړے
پکښے زیات به کړے "محمداشرف خان[78] "

د خالی ورز د دوئمے (ربیع الثانی) خور شلم دے
عیسوی تاریخ د مے میاشتے درئیم دے
"خان[79] محمد (1975ء) اشرف خان" قطب عالم دے
د ښادی عیسوی کال ورسره سم دے

د بشیر په لاس کښے نشته دے لعلونه
د فقیر په لاس کښے نشته دولتونه
د اخلاص د عقیدت اوپیرزوئنے
دے کچکول کښے م را اوړی دی ګلونه
خوش نصیبه به کوی دِ خدمتونه
زه دِ ستائمه چه وائمه شعرونه
په شعرونو کښے به اوکړمه سوالونه
د کبل جرے شے چه اونیسے ملکونه

---

78 ال م محمد اشرف خان دَ 1395ھ، 20 ربیع الثانی برابر دَے

79 خان محمد اشرف خان دَ 1975ءبرابر دَے

بعض حاسدین نے حضرت مولانا صاحب پر تہمت باندھا اور بہت شور وغل کیا۔ لیکن اللہ کے فضل سے ناکام ہوئے۔ مندرجہ ذیل اشعار میاں بشیر صاحب نے اُن کے رَد میں قلم بند کئے

دَ حسد تورے سورے ځما ګوګل کړو
ظالمانو نن احساس ځما ژوبل کړو
اوس اوبه ورسره نشته چه دا مړ کړی
چه کوم اور دے احمقانو ځان ته بل کړو
نن هم شته چه وائی توت و ته بکیانړه
چه په ګل ئے دَ اَزغی ګمان ورتل کړو
شاهدانو کمال اوکړو په چل ول کښے
غاصبانو دَ غصب اورسره بل کړو
زړه ځما تیکے تیکے په سیخ کښے پروت دے
ځکه سیخ مِ هسے جوړ وته غزل کړو
په کوم کس ئے چه ګمان دَ خپل ځان راغے
زړئے مخکښے ورته خپل دَغه اټکل کړو
دَ تبلیغ چه یو نمبروو څلورم کوم
ظالمانو خپلو پښو دَ لاندے دل کړو
بغض بغض اَوْ کینه کینه حسد کښے
احمقانو ضائع څنکه خپل عمل کړو
داسے خلقو سره خدائے دِ خپله پوهه شی
چاچه سکیم دَ شیطانانو مکمل کړو

کلام امان اللہ آمان

محترم جناب امان اللہ آمان واپڈا میں ملازم تھے۔ مولانا صاحب کے مجلس کے کم گو، نرم خو اور گمنام مریدوں میں شامل تھے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ نہ میں شاعر ہوں اور نہ شاعری کے فن و ادب سے واقف ہوں۔ صرف اپنے حضرت الشیخ کے شوق محبت اور جذبہ عشق سے چند اشعار سپرد قلم کئے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

دَ خیبر لَمَن په خوا کښې يو عَجَبَه مے خانه دَه

چه انسان په کښ جوړيګی　　دَ عشق سوزئے تازه کيګی
معرفت ئے پيدا کيګی　　محبت کښ سرشار کيګی
دَ خيبر لمن په ښوا کښےيوعَجَبَه مے خانه ده
مے خوارانو ته ندا دَه　　خاص و عام ته دَا انشاء دَه
نن بهار دے ښه فضا ده　　اولبريزه پيمانه ده
دَ خيبر لمن په ښوا کښےيوعَجَبَه مے خانه ده
نن دے وار دے اے مےخوارَ　　ورستو نه شے دامے واورَ
په ګلشن کښ ښه ماليار　　تاته دا وائی بار بار
دَ خيبر لمن په ښوا کښےيوعَجَبَه مے خانه ده
زاهدی دے ته يو ښوا کړه　　دَ غرور نه ځان په شاکړه
د فنا لباس تر ملا کړه　　لګ مَے اوڅکه بيا خندا کړه
دَ خيبر لمن په ښوا کښےيوعَجَبَه مے خانه ده
ساقی تاته لاس په جام دے　　دے خوشحاله صبح و شام دے
پياله واخله دا مقام دے　　دَا صحت د کُل آلام دے
دَ خيبر لمن په ښوا کښےيوعَجَبَه مے خانه ده

دَ اشرف دامے خانه ده دَ کالــج پــه یـو کونه ده
د اسلام یو خزانه ده ښــه امـــان زمـــانه ده
دَ خیبر لمن په ښوا کښےیوعَجَبَه مے خانه ده

دُعا

اے اشرفَ مُشرَّف په هر مقام شے
تـابـنـده درخشنـده پــه دو جهان شے
هر آفت او مصیبت نه په امان شے
دَ دُنیا پــه خارستـان کښ گلستان شے
لاعـلاج چـه دَ عـلاج ئے حُکماء شی
دے انسان لره په څیرته دَ لقمان شے
گم شـده چــه شی د لارے د اسلام نه
داسے خلقو ته په مثل دَ سلمان شے
چه فریب کښ دَ مغرب اقوام اسیر وی
دے ځوانانو دَرد دَپاره ته درمان شے
هغه زړونه چه مشغول وی غیر دَ خدائے کښ
داسے زړونو تــه هادی پــه هر زمان شے
کوم گلونه پژمُرده چه وی خزان کښ
دے گلــونــو لــره بـادِ بـهـــاران شے
چه داستا په چمن راشی گستاخی کړی
دَ هغه مخلوق دَ پـاره تــه خزان شے

بُلبلان چه دَرمانده شی په کوم باغ کښ
تازه دَم بُلبل بیاتــه پـه هغه آن شے
نور انعام له تانه نه غواړم اشرف
د آمان پـه ناشاد زړه تـه مهربان شے

راه سلوك کښ دَ هر چا خپل شیخ سره محبت وی. او هغه دَ خپل محبت اظهار په قسما قسم طریقو سره کوی. دغه رنګے ما هم بعضے اشعار په شوق محبت اوجذبه کښ د خپل شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب په باره کښ وئیلی دی. حالانکه ځه شاعر نه یم. او نه ځه د شاعرئے دَ خاص فن نه واقف یم.

فقط امان الله سول کوارټر، پشاور صدر

پیر او فقیر واړه ستا حسن ته حیران دی

تاته که څوك پیر وائی پیر داسے وینا نه کړی
تاته که فقیر وائی فقیر داسے نِداء نه کړی
پـیـر او فـقـیر واړه ستا حسن ته حیران دی
تـاتـه کـه څوك ګل وائی ګل داسے خندا نه کړی
تاته که بلبل وائی بلبل داسے چـغـا نه کړی
ګل او بـلـبـل واړه ستـا حسن ته حیران دی
تاته که څوك شمع وائی شمع داسے رڼړا نه کړی
تاته که پتنګ وائی پتنګ داسے جلیانه کړی
شـمـع پـتـنـګ واړه ستا حسن ته حیران دی
تاته که عاشق وائی عاشق داسے ژړا نه کړی

تاته کـه معشوق وائی معشوق داسے ادا نه کړی
عاشق او معشوق واړه ستا حسن ته حیران دی
تـاتـه که څوك نمر وائی نمر داسے رنړا نه کړی
تاته کـه قمر وائی قمر داسے بریښنا نه کړی
نـمـر او قـمـر واړه سـتـا حسن ته حیران دی
تاته که عنبر وائی عنبر داسے ریحا نه کړی
تاته که دلبر وائی دلبر داسے ادا نکړی
عـنـبر او دلـبـر واړه ستا حسن ته حیران دی
تاته که مالدار وائی مالدار داسے سخا نه کړی
تـاتـه کـه دِلـدار وائی دِلدار داسے وفا نکړی
مالدار او دلدار واړه ستا حسن ته حیران دی
تاته که اشرف وائی اشرف دَ ځان بها نکړی
ماته که امان وائی امان بله سودا نکړی
اشرف او امان دواړه یو بل وته حیران دی

دَ مولانا محمد اشرف صاحب په یو سفر کښې د شمالی وزیرستان قوم (دَوَړ) په مکان کښې په واپسئ دَ عبدالقدوس صاحب انجینئر دَ کلی نه چه هلته هغه دَ مولانا صاحب دعوت کړے وو

مستـغـنی کـړم ستا دیدن دَ گلـستان
هُـم دَ کـوه اَو هم دَشت و بـیـابان
وزیری مسیت دَ وَړ به غُلامـان شی
که خبر شی ستا دَ حسن بے پایان

بُلبلان به دَ چمن همنشین پریګدی
که آواز شی ورتـر غـوږ سـتا دلبان
آواره به شی مجنون په صحرا سربیا
که یئ ستا شی ملاقات له یو زمان
دَ لیلیٰ لیلیٰ نعرے به فراموش کړی
دَ اشرف اشرف آواز به کړی هر آن
اے امانه دا صفت دَ یار دَے بس کړه
هسے نـه چـه رقیبان دِ شی بے شان

کتاب سلوكِ سلیمانی

په باره کښ چه تصنیف دَ مولانا محمد اشرف صاحب دَے

په سلوك دَ سلیمان کښ تابیان کړه اِسرارونه
یاکه بادِصـبا راوړه سلیمان ته پیغامونه
دَ سبا دَ ملك حالونه تا وَ مونږ تـه راښـکاره کړه
تـارا ووښـود تخـت و تاج او دَ بلقیس هغه ګنجونه
تـــا آســان هغه مشکل کړو چه سالك ورته حیران وو
دَ شیطان اَو نفس دے اُوښودل کیدونه

هغـه لار چـه ډیره ګرانه اَو بے شان پُر خطروَه
دَ دے لارے نه دِ لر کړل هغه واړه آفـتـونه
تا دَ تخت دَ پاسه وښود وَ بـادشاه تـه ذِکر فِکر
چه حاصل کړه هغه واړه دعوے ټول کرامتونه
سالکان ستا په سلوك کښ څه عجب شانِ رفتارکړی
ناګهانَ ور داخِل شی دَ خپل یار په حرمونه

آسانی ده آسانی ده دَا دَ قیس خوش نصیبی ده
چه لیلیٰ کړل ورته پورته دَ خپل مخ نه حجابونه
دَا سلوك د سلیمان دے یا که تخت دَ سلیمان دے
راته وایه اے اشرفه دغه راز او حکمتونه

نن نهان راته عیان کړه دا ناشاد زړه مِ شادمان کړه
صبر نـه شی صبر نه شی بے قرار دی قـــرارونـه
امان تاته ډیر حیران دے ځکه چاك ئے گریبان دے
نشته ملك د سلیمان کښ څـه کمے دَ دولتونـه

حضرت مولانا صاحب پر بعض حاسدین کے تہمت لگانے کے ردِ عمل میں

(افك) بُهتان

غَمّازان دی نه پوهیږم که زاغان دی
چه په شان د ښاپیرك دوئ په زندان دی
پـه ورځ تـښتی دَ رنړانه ځی تیرو کښـے
او په شپه کښ دوئی پرواز کړی په لړزان دی
گـنـدگی خوراك عادت دے دَ کارغانو
طوطیان خوری کشمش په مخ د گلستان دی

بُلبلان نه کړی پرواه دَ دے مارغانو
وی مشغول په ښکلی گل اَوخوش الحان دی
په صورت باندے به تاته انسان ښکاری
په باطن کښ خو په شان دوئ دَ شیطان دی

که په تش صورت اِنسان اِنسان کیدے شوے
نـو بـوجهل اَو احمد ﷺ به هم یکسان وے

دَا حَسد دَ ورونړو نه دے نو نور څه دے
چـه یـوسـف اَو یـعـقوب دواړه پریشان دی
دَ هابیل اَو دَ قـابـیل قـصّے تـه ګـوره
چه په دوئ کښې یو ورور مړ په ښکه شان دی
کـه نـظر تـه لـړ پـه تیر اقوامو وکړے
چه نبیان دَ دوئ دَ لاسه مقتولان دی

دَ همه عالـم سـراج مُـنـیـر تـه ګـوره
چه دَ اِفك په واقع کښې پریشان دی
اے حمًا شیخَ اَشرفَ فـکـر مـه کـړه
کـه پـه تـا بـانـدِ هر څـو پـورے بهتان دی
امان هر زمان پناه غواړی له خُدایه
له دے هسے رنګ اِنسانو چـه حیوان دی

محترم جناب اختیار الملک نے حضرت اشرف علی تھانویؒ کے شجرہ منظوم کے ساتھ اضافہ کر کے حضرت مولانا محمد اشرف خان اور ان کے شیوخ حضرات کے نام شامل کئے

شجرہ طیّبہ منظومہ حضرات مشائخ چشتیہ صابریہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم

بہر حق اولیاء و بندگان صالحین
از طفیل ذات پاک و بہر ختم المرسلین ﷺ

شہ دعا جو شہ یٰسین عارفاں اسرار دین
بہر اشرف (بندۂ عاجز) قطب[80] عالم بالیقین
بہر اشرف (عبدِ نادم) قطب عالم بالیقین
شہ فقیر شہ سلیمان عارفاں اسرار دین
شہ رشید احمد حبیب رحمۃ اللعٰلمین
سیدو مولائے مانور نگاہِ عارفین
حضرت اشرف علی نور نگاہ عارفین
رہنمائے راہ حق و رہبر دین مبین
حضرت امداد[81] و نور و حاجی عبدالرحیم
عبد باری عبد ہادی عضد دیں مکی امیں
شہ محمدی و محمد شہ محب و بو سعید
شہ نظام و شہ جلال و عبد قدوس قطیں
سیدی شیخ محمد شیخ عارف عبد حق
شہ جلال و شمس و صابر شہ فرید و قطب دیں
شہ معین و شاہ عثمان زندنی مَودود شاہ

80 قطب عالم کی جگہ مولانا صاحب نے اپنے قلم سے بندہ عاجز لکھا اور دوسری جگہ قطب عالم کی بجائے عبد نادم لکھا۔

81 مولانا صاحب کا سلسلہ ایک طرف حضرت عبدالعزیز دعاجو اور حضرت رشید احمد گنگوہی کے ذریعے اور دوسری طرف حضرت مولانا فقیر محمد و حضرت اشرف علی تھانویؒ کے ذریعہ سے حضرت حاجی امداد اللہؒ سے ملتا ہے۔

شہ ابو یوسف ولی و بو محمد ذی الیقین
شہ ابی احمد ابی اسحٰق ممشاد علو
بوھبیرہ شاہ حذیفہ ابن آدم شاہ دیں
شہ فضیل و عبد واحد شہ حسن حضرت علی
اٰتِنَا الْحَسَنَاتِ فِی الدَّارَیْنِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ۔ آمین

اَللّٰھُمَّ اِرْفَعْ دَرَجٰتَھُمْ و اَکْرِمْ مَقَامَھُمْ و ثِقِّلْ مِیْزَانَھُمْ وَاَجْزِلْ ثَوَابَھُمْ وَارْزُقْھُمْ مُرَافَقَةَ سیّدالمرسلین ﷺ فِی الْجَنَّةِ یٰا رَبَّ الْعٰلَمِیْن ۔ آمین برحمتك یآ ارحم الراحمین

سلوک سلیمانی پر ایک نظر صفحہ 87 پر درج ہے۔ کہ آخری حاضری پر جب سید صاحب کا لطف و کرم کا دریا جوش پر تھا۔ مولانا صاحب نے خسروؒ کا یہ شعر عرض کیا تھا۔

اشرف فقیر است و گدا افتادہ در شہر شما
شاید کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

باب۔12

اکابر شیوخ صلحاء و علماء سے تعلق

مولانا صاحب کا اپنے وقت کے شیوخ، صلحاء و علماء کے ایک کثیر طبقہ سے ربط و تعلق رہا۔ ہر ایک سے تعلق کا اور اس کی نوعیت کا اپنا انداز تھا۔ لیکن سب کے ساتھ ادب و احترام کا رشتہ قائم تھا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مولانا صاحب اُن کے ساتھ کس عقیدت و احترام کا برتاؤ رکھتے تھے۔ اور وہ حضرات مولانا صاحب سے کیا سلوک روا رکھتے تھے یا انہوں نے مولانا صاحب کے بارے میں کن جذبات، عقیدت مندی اور محبت کا اظہار اپنے مکاتیب وغیرہ میں کیا ہے۔ یا اپنے گفتگو میں اظہار کر چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم حضرت مولانا صاحب کے پہلے شیخ قیم حضرت سید الملتہ سید سلیمان ندوی سے شروع کریں۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ

حضرت سید الملتہ سید سلیمان ندویؒ سے پہلا تعارف بقول مولانا صاحب کے اخبار ڈان 22 جولائی 1943ء میں حضرت تھانویؒ کی وصال کی خبر سے ہوا۔ خط و کتابت کے بعد سید صاحب کو غائبانہ اپنا دِل دے بیٹھا۔ اس کے بعد 1943ء سے لیکر 1953ء تک فقیر جہاں بھی رہا۔ دِل سید صاحب کے پاس تھا۔ اُن کی ہر تحریر و ہر سطر فقیر کے لئے سرمہء بینش، مایہء تسکین، مہمیز عمل اور روشنی کا مینار تھا۔ سلیمانیات کا ہر حرف و شوشہ حرز جان تھا۔ علم و عمل کی بلندیوں کا دائرہ سید صاحب کی ذات بن گئی۔ سید

صاحب کو تاریخی، ادبی، علمی، تحقیقی غرض ہر راہ میں اپنا امام سمجھا۔

مولانا صاحب کی نظر میں سید صاحب کی ذات اور اُن کا مقام کیا تھا۔ اس کو جاننے کے لئے "سلوک سلیمانی پر ایک نظر" کتاب شائع شدہ مکتبہ سرحدی، شاہنواز پریس، لاہور کا مقدمہ پڑھنا از حد ضروری ہے۔ اس مقدمے سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

"محقق شہیر فاضل کبیر، متکلم عصر، شیخ وقت حضرت سید الملتہ علامہ سید سلیمان ندویؒ قدس سرہ اُن نادرہ روزگار ہستیوں میں سے تھے۔ جو قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن کا وجود اپنے گوناگوں فضائل و کمالات، جامعیّت وبرکات، علوم ومعارف، خدمات دینی وملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک مستقل نشانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز خاص تھا۔ عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے"۔

"علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا یہ فرہاد، نہ صرف دینی علوم قرآن و تفسیر حدیث و فقہ تصوف و کلام اور سیرت میں امامت و سیادت کا مقام رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ہمہ گیری قدیم معقولات کے دفتر اور جدید معاشرتی و نظری علوم کے معتدبہ حصہ کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے تھی۔ آپ بے مثل و یگانہ سیرت نگار تھے۔ اس فن کے مسلمہ امام و مجتہد تھے۔ پوری تاریخ اسلامی میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ سید الملتہ متکلم وقت تھے۔ عصر حاضر کے پر شور و پرکار، دور رَس و جہانگیر فتنہ مغرب کے دقیقہ رس دَجل و فریب کے رمز آشنا مبصر تھے۔ اسلام کے عقائد و اقدار اور علوم کی حفاظت کی اور اِس کی نظیر پورے عالم اسلامی میں ملنا مشکل ہے"۔

سید صاحب زبان دان تھے۔ عربی و فارسی کے متبحّر عالم، اردو کے بلند پایہ

صاحب طرز ادیب اور سید المصنّفین تھے۔ عبرانی، انگریزی، فرانسیسی سے آشنا تھے۔ اردو، فارسی، عربی زبانوں کے اچھے شاعر تھے۔ بلند پایہ عہد آفریں مشہور رسائل کے مدیر تھے۔ ان کی پچاس سالہ تصنیفی زندگی بلند پایہ محققانہ مستقل تصانیف پر مشتمل ہے۔ غرض وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے ہمہ جہتی عالم تھے۔

بقول مولانا صاحب سید صاحب کے ظاہری علوم اور ملکی وملی خدمات اس قدر تابندہ اور پر شکوہ تھیں کہ ان کی جلوہ سامانیوں میں ان کی شخصیت کا باطنی وروحانی پہلو نگاہوں سے مدتوں پوشیدہ رہا۔ اور سید الملت کے جواہر باطنیہ کے جمال وکمال کو عام لوگ نہ پاسکے۔ عوام تو کیا عموماً خواص کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ رہا۔ جس پر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے مبارک باد دیتے ہوئے حضرت مولانا صاحب کو ارقام فرمایا۔

”آپ نے اپنے الشیخ السید علیہ الرحمتہ کی شیخ شناسی کا حق خوب خوب ادا فرمایا“۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا صاحب اپنے شیخ کے ساتھ تعلق ونسبت کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

سید صاحب سے عقیدت

یکم فروری 1950ء کے خط میں مولانا صاحب اپنے شیخ کو کس عاجزی و شکر گذاری سے رقم طراز ہیں۔ آپ نے اس بندہ عاجز کو اپنے حلقہ ءارادت میں قبول فرمایا۔ حقیقت میں یہ میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ بندہ نے جب یہ الفاظ ”اے اللہ! میں تیری طلب میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کا ہاتھ اُن کے مجاز سلیمان ندوی کے واسطے سے پکڑتا ہوں“۔ پڑھے تو ایسا محسوس ہوا گویا فقیر کے ہاتھ اللہ سبحانہ وتقدس کے ہاتھ کو پکڑ رہے ہیں اور ذاتِ متعالی کے غیر مرئی ہاتھ کو چھو رہے ہیں۔

ایک دوسرے خط میں ارقام فرماتے ہیں کہ قلب کی اندرونی گہرائیوں سے مدعا نگار ہوں۔ کہ کیمیا اثر توجہات سے محروم نہ فرمائیں۔ ایک دفعہ جب سید صاحب کے ساتھ ایک سفر میں بطور خادم ساتھ رہے۔ تو اپنے 7 دسمبر 1950ء کے خط میں اِظہار فرمایا کہ یہ ناکارہ جتنی مدت نیاز حاصل کرتا رہا۔ حقیقت میں زندگی کا حاصل وہی لمحات تھے۔

19 مارچ 1951ء کے خط میں کِس عاجزی و تواضع سے خواستگار ہے۔ ''کہ دور ہوں یا نزدیک نگاہ کرم و چشم التفات سے محرومی نہ ہو کہ ساری عمر کا حاصل اور عقبے میں نجات کی امید بزرگوں ہی کا تعلق اور شفاعت معلوم ہوتی ہے''۔ اور پھر فرماتے ہیں ''کیا کروں مجبور ہوں۔ آپ کو نہ لکھوں تو کس کو لکھوں۔ اب تو دِل آپ کے سوا کسی سے قرار نہیں پاتا''۔

شیخ کی صحبت سے مستفید ہونے کے بعد 24 دسمبر 1951ء کے خط میں ارقام فرمایا: ''کراچی میں آپ کی خدمت میں حاضری گو غیر متوقع اور بہت قلیل تھی۔ تاہم نہایت فائدہ محسوس ہوا۔ سچ ہے کہ بزرگوں کی ایک منٹ کی صحبت صدیوں کی ہم جیسوں کی عبادت سے بہتر ہے''۔ اپنے ایک دوسرے خط میں شیخ کی صحبت کی قدردانی کا کِس انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ ''اللہ رب العزت کا شکر کِس زبان سے ادا کروں۔ جس نے مجھ جیسے ناکارہ اور ہیچ در ہیچ کو آپ کے ذریعے اپنے گوناگوں مہربانیوں کا مورد بنایا''۔ سچ کہا ہے بزرگوں نے کہ صحبت کیمیا ہوتی ہے۔ سید صاحب سے نسبت و تعلق کا اپنے ایک خط میں یوں اظہار فرماتے ہیں کہ بغیر کسی استحقاق کے اس اونچی درگاہ سے منسلک کر دیا گیا ہوں۔ خداوند کریم مرتے دم تک اس راہ سے نہ ہٹائیں۔ اور پھر ایک دوسرے خط میں ارقام فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس گناہ گار و ناکارہ کو ایک ایسی عالی درگاہ سے

وابستہ کر دیا۔ جس کا اپنی استعداد اور حالت کے لحاظ سے تصور بھی ناممکن تھا۔

اب در پیر مغان چھوٹے نہیں — اس کی مٹی میں بھی فیض جام ہے

سید صاحب سے کسب فیض

مولانا صاحب کو حضرت سید صاحب سے باقاعدہ خلافت نہیں ملی۔ لیکن اکتساب فیض سید صاحب سے ہی ہوا۔ مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سید صاحب کا اتنا اونچا معیار تھا کہ کسی کو باقاعدہ خلافت عطاء نہیں فرمائی۔ بلکہ سید صاحب بیعت اِس درجہ پر کرتے تھے کہ اور جگہوں میں اُس درجہ پر خلافت دی جاتی تھی۔ بہر حال مولانا صاحب نے 7 جنوری 1978ء کے مجلسی گفتگو میں خود فرمایا: ”کہ یہ 15 اگست 1953ء کی بات ہے۔ جس دِن حضرت سید صاحب نے جو دینا تھا دیا اور فرمایا۔ ہمارا ریاض یہ نہیں کہ بارہ سال اُلٹے لٹکے رہے۔ بلکہ سونے جواہر کے ڈھیر ہوں۔ ہم اُس کو ناجائز استعمال نہ کریں۔ حسن ہو، جمال ہو، جمال کی طرف دعوت ہو۔ مگر ہم اللہ کے حکم کو دیکھ کر رُکیں۔ یہ ہمارا ریاض ہے۔ مولانا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو اللہ بے اختیار منہ سے نکلتا ہے۔ یہ بھی سید صاحب کا فیض ہے۔ پہلے بے اختیار آہستہ آہستہ اللہ اللہ نکلتا تھا۔“

سیّد صاحب سے مولانا صاحب کی قلبی تعلق اور نسبت کے حضرت سیّد صاحب کے قریبی متعلقین بھی معترف ہیں۔ سلوک سلیمانی پر ایک نظر کے پیش لفظ میں تعارفِ اشرف کے نام سے حضرت غلام محمد صاحب رقم فرماتے ہیں کہ اُن کی طبیعت میں جذب کا اثر فطری ہے۔ شیخ سے گہرا قلبی تعلق ابتدا سے ہی حاصل رہا۔ قوت قلبی کی بدولت وہ باوجود دور ہونے کے اہل قرب پر سبقت لے گئے۔ شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب نے لکھا کہ دوری و بعد کے باوجود حضرت سید صاحب کی روحانی

دولت آپ کے حصہ میں آئی۔ حضرت مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ نے فرمایا: ”معلوم ہوتا ہے آپ کو حضرت سید صاحب سے ماشاء اللہ نسبت تامہ تھی“۔ حضرت سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا: ”کہ سید صاحب پاکستان پہنچے تو نہایت دل شکستہ اور افسردہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو مولانا محمد اشرف خان صاحب کی صورت میں ایک ایسا مرید رشید اور عاشق صادق عطا فرمایا جو اُسی طرح اُن کے علوم و افادات کا شارح اور اُن کے طریقہ تربیت کا حامل بن گیا۔ جیسے وہ اپنے شیخ حضرت تھانوی کے تھے۔ انہی کی تلقین پر مولانا صاحب نے اپنے نام کے ساتھ سلیمانی لکھنا شروع کیا۔ مولانا صاحب نے اپنے علمی و ادبی اکیڈیمی کا نام بھی سلیمان اکیڈیمی رکھ دیا۔ صرف یہ نہیں بلکہ اپنے لے پالک بیٹے کو بھی سلیمان اشرف کے نام سے منسوب کر دیا۔

الغرض روحانی زندگی کے علاوہ مولانا صاحب کی باقی زندگی بھی اپنے شیخ کی تعلیمات و نصائح سے مرتب ہے۔ تقسیم ہند کے بناء پر جب سارا مال و جائداد شملہ میں رہ گیا۔ اور تنگدستی کا سید صاحب سے شکوہ کیا تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر نصیب کرے۔ شکر کریں کہ مال کا نقصان ہوا۔ جان تو بچ گئی۔ اور اس سے بڑھ کر ایمان محفوظ رہا۔ اس طرح ایم۔اے عربی میں داخلہ لینے پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ لیکن ایل ایل بی کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ مولانا صاحب جیسے مسلم لیگ کے سرگرم رکن کا سیاست سے توبہ کرنا حضرت سید صاحب کے توجہات کا نتیجہ تھا۔ اور جب سید صاحب کے مجلس میں سیاسی باتیں کرنے پر معافی مانگی تو فرمایا۔ اچھا ہے قے ہو جاتی ہے۔

مولانا صاحب کے پہلے مراسلہ مورخہ 29 اکتوبر 1943ء سے لیکر سید صاحب کے وفات مورخہ 22 نومبر 1953ء تک کل 15 سال ایک ماہ اور 25 دن کا عرصہ تھا۔

جانے سے پہلے آخیر میں مولانا صاحب کو ایک خط میں فرمایا۔ میرا کوئی حق ایسا نہیں جو آپ نے ادا نہ کیا"۔ مطلب یہ کہ راضی ہو کر گئے۔ فرماتے ہیں کہ سید صاحب کے وصال کا سانحہ بہت شدید تھا۔ حضرت سید صاحب کو جس وقت دفنایا گیا تو شام کے سفیر نے کہا کہ سید صاحب کا جو افسوس ہے سو ہے۔ لیکن جو علم کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اُس کا زیادہ غم ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دعاجو دہلوی

شاہ عبد العزیز دعاجوؒ سید صاحب کے وصال کے بعد مولانا صاحب کے دوسرے شیخ و مربی تھے۔ شاہ صاحب کو شاہ یٰسین نگینویؒ سے خلافت و اجازت ملی تھی۔ جو قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ تھے۔

تلاش شیخ

مولانا صاحب نے 17 جمادی الثانی 1401ھ بعد نماز مغرب کے گفتگو میں فرمایا کہ سید صاحب کے وصال کے بعد تقریباً ایک سال کے قریب اس کشمکش میں گذرا کہ کیا کروں کہاں جاؤں۔ کسی کی طرف نگاہ اٹھتی نہیں تھی۔ لیکن جب تک اجازت نہ ملی ہو۔ انسان ناقص ہی ہوتا ہے۔ اس لئے دوسرے کی طرف رجوع کرنا لازم تھا۔ حضرت تھانویؒ کے جن دوسرے خلفاء کی طرف رجوع کرنے کا خیال تھا۔ تقدیر الٰہی سمجھئے کہ وہ مل نہیں رہے تھے۔ استخارہ پہ استخارہ کی بدولت اشارہ غیبیہ نے رہنمائی کی۔ اور شاہ عبد العزیز دعاجو رحمت اللہ علیہ کے در پر پہنچ گیا۔ اور جب کہا کہ حضرت سید صاحب راستے میں چھوڑ گئے۔ آپ قبول فرمالیں۔ تو فرمایا۔ کوئی راستے میں نہیں چھوڑا۔

ہمارے ہاں گوٹھے کی ٹوپی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ تھا کہ اصلاح ہو چکی ہے۔ اور قبول کر لیا۔ ساتھ فرمایا۔ آپ کی پیاس بھی آخر تک پہنچ چکی تھی۔ بہت گرمی ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے۔

تبلیغی معیت

مولانا صاحب نے 1948ء اور 1949ء میں ابتدائی چلے شاہ صاحب کی امارت میں بلوچستان قلات وغیرہ میں گذارے۔ اس کے علاوہ مولانا صاحب جب کراچی تشریف لے جاتے تو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ہاں ان کے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن (بنوری ٹاؤن) میں قیام ہوتا۔ حضرت سیّد صاحب کی وفات کے بعد مولانا صاحب کا کراچی جانا اور قیام 1967ء میں شروع ہوا۔ اس زمانے میں حضرت شاہ صاحب انتہائی مریض تھے۔ اور زندگی کی امید ختم ہو چکی تھی۔ اس وجہ سے مولانا صاحب نے اسی سال 42 دن کراچی میں حضرت بنوری صاحب کے مدرسہ میں گذارے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو صحت عطا کی۔ اس کے بعد سال 73-1972 (شاہ صاحب کے وصال) تک شاہ صاحب کراچی میں مقیم رہے۔ اور مولانا صاحب ہر سال حسب معمول گرمیوں میں جایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب چونکہ تبلیغ کو اپنی زندگی وقف کر چکے تھے۔ اس لئے اُن سے ملاقات ورابطہ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے علاوہ بیرونی ممالک جرمنی یوگوسلاویہ وغیرہ کے تبلیغی سفر پر جانے سے پیشتر انتظامات اور ویزوں کے حصول کے لئے مولانا صاحب تقریباً ایک چلہ تک کراچی میں مقیم رہے اس دوران بلاناغہ شاہ صاحب کی مجلس میں شرکت کرتے رہے۔

خلافت و نیابت

ٹنڈو آدم کے اجتماع میں ناموں کے وصولی کی ناکامی کے بعد مولانا صاحب کی تقریر سے 103 نام چلّے اور تین چلّوں کے آئے۔ شاہ صاحب اتنے خوش ہوئے کہ دوسرے دن مولانا صاحب کو ایک خصوصی نوعیت سے خلافت سے نوازا۔ شاہ صاحب پشاور بھی تشریف لائے اور مولانا صاحب کے دولت خانہ پر 35 دن قیام فرمایا۔ شاہ صاحب جب تک زندہ رہے مولانا صاحب اپنے ساتھیوں سمیت گرمیوں کے چھٹیوں میں کچھ وقت شاہ صاحب کے ساتھ گذارتے تھے۔ جن میں جناب شیر حسن صاحب، جناب محمد سراج صاحب اور میاں بشیر احمد کاکاخیل قابل ذکر ہیں۔ مولانا صاحب خود اور یہ ساتھی شاہ صاحب کے کشف و کرامات اور وسیع دستر خوان کا ذکر مزے لے لے کر کیا کرتے تھے۔

شاہ صاحب کے ساتھ مولانا صاحب کے تربیتی خطوط کا کوئی ذخیرہ ہمیں دستیاب نہیں۔ غالب خیال یہی ہے کہ مولانا صاحب سلوک کے وہ ابتدائی گھاٹیاں پار کر چکے تھے۔ جس میں تردد کی بنا پر خط و کتابت کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ بلکہ اس میں رسوخ حاصل کرکے وہ مقامات بن چکے تھے۔ البتہ صُحبت کی بنا پر بالمشافہ و بلاواسطہ تربیت کے مثالیں بے شمار ہیں۔ جیسے مولانا صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے۔ فرمایا اشرف جاکر دیکھو کہ وضوخانے میں نلکی سے پانی ٹپک رہا ہے۔ میں نے جاکر دیکھا کہ ہاں ٹپک رہا ہے۔ فرمایا پھر جاکے دیکھو کہ جہاں پانی ٹپک رہا ہے۔ وہاں نیچے سیمنٹ کے فرش میں گڑھا بن چکا ہے۔ دیکھ کر کہا کہ ہاں بن چکا ہے۔ تو فرمایا کہ دیکھو پانی کتنی نرم چیز ہے۔ لیکن اس کے مستقل ٹپکنے سے سیمنٹ میں گڑھا پڑ چکا ہے۔ یہی

مثال ذکر کی ہے کہ جب مستقل ذکر کرو گے تو وہ دل میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے۔ ذکر کی مثال ترکان کے برمے کی طرح ہے۔ کہ برمہ نیچے اترتا ہے اور برادے کو باہر نکالتا رہتا ہے۔ اسی طرح ذکر اندر چلا جاتا ہے اور برائیوں کو باہر نکالتا رہتا ہے۔ ایک دفعہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر رگڑا پھر پوچھا کہ کچھ گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں فرمایا۔ اسی طرح ذکر کی رگڑ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی گرمی دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

شاہ صاحب کے خادم عبد الستار

ایک دفعہ شاہ صاحب ہمارے گھر پر تشریف فرما تھے۔ عبد الستار خادم ساتھ تھا۔ فرمایا کہ بتاؤں یہ کتنے عقل والا ہے۔ ہمارے گھر اور بیٹھک کے درمیان ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ فرمایا۔ عبد الستار اگر آپ کی دلہن بہت لمبی ہو تو آپ اس کھڑکی میں سے کیسے گذاریں گے۔ کہنے لگا۔ حضرت یہ کوئی مشکل کام ہے یا کھڑکی توڑ دوں یا اُس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس کو میں نے اپنے اصلاح کے لئے رکھا ہے کہ اس کی الٹی سیدھی باتوں پر صبر کروں۔ لیکن اس خدمت کی اخلاص کی برکت تھی کہ عبد الستار کی آخری عمر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس طرح گذری کہ تبلیغی مرکز مسجد الخفائیر کے کمروں کی چابیاں اور انتظام آپ کے ہاتھ میں تھا۔ اُن کے حج اور عمروں کا کیا حساب کرو گے کہ وفات کے بعد جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ایک مجمع میں مجھے حکم دیا کہ بیان کرو۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کے ہوتے ہوئے میں کیا بیان کروں تو فرمایا۔ کرو اگر ٹھیک ہوا تو تصویب اور غلط ہوا تو تصحیح ہو جائیگی۔

15 جون 1987ء عصر کے مجلسی گفتگو میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبد العزیز دعاجوؒ نے اسمائے تعالیٰ کی اجازت دیکر فرمایا کہ ساڑھے سترہ سال

بزرگوں کی جوتیاں اٹھا کر یہ دولت ملی ہے۔ تمہیں مفت دے رہا ہوں۔ اسی طرح 30 اکتوبر 1977ء کے مجلسی گفتگو میں فرمایا مجھ پر اللہ کے کرموں سے یہ کرم رہا کہ والد مجھ سے راضی گئے ہیں۔ والدہ راضی ہے اور شاہ صاحب نے کئی بار کہا کہ دل میں واہمہ بھی نہ لائیں کہ میں راضی نہیں ہوں۔

ملفوظات و لطائف

شاہ صاحب کے مرید باصفا عزیز الکلام مصنف سوانح شاہ عبد العزیز دعاجوؒ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی تقریریں دینی معلومات کا خزانہ ہوتی تھیں۔ انداز بیان اتنا دلکش، شیریں اور شگفتہ ہوتا تھا کہ سامعین لہجے کی نظافت میں گم ہو جاتے تھے۔ آپ شگفتہ مزاج کے مالک تھے اور خوش طبعی اور مزاح کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اس کی ایک جھلک ان کے ملفوظات میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

فرمایا کہ تبلیغ والے لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں پھر تشریح فرمائی کہ وقوف ٹھہرنے کو کہتے ہیں اور تبلیغ والے کہتے ہیں کہ ٹھہرو نہیں نکلو اللہ کے راستے میں۔ اسی طرح ایک دفعہ فرمایا کہ اصل تبلیغی یا داعی وہ ہے جو بولو ہو۔ ڈولو ہو۔ رُولو ہو۔ یعنی بولنے والا ہو۔ ہر وقت دعوت دیتا ہوں۔ ڈولو یعنی پھرنے والا گشت کرنے والا ہو۔ اور رولو سے مطلب یہ کہ رُولانے والا ہو اور خود بھی روتا ہو۔ ایک جگہ فرمایا کہ ہاتھ بہت قیمتی ہے۔ لیکن جب لٹھ سر پر پڑتی ہے تو سر کو بچانے کے لئے لٹھ ہاتھ پر لیا جاتا ہے۔ ہاتھ کی مثال دُنیا کی۔ اور سر کی مثال دین کی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ نفس کُشی مقصود نہیں۔ نفس کَشی مطلوب ہے یعنی نفس کو مارنا نہیں بلکہ اس کو سدھارنا مقصود ہے۔ حدیث شریف کہ والدہ کا درجہ والد کے درجہ سے تین گنّا زیادہ ہے کی تشریح کرتے ہوئے

فرمایا کہ والدہ کی تین گُنا خدمت کر لیا کرو۔ اور والد کا حکم تین درجہ مانو۔ ماں جذبات سے مَغلوب ہوتی ہے۔ خدمت ماں کی زیادہ کرو۔ اور حکم والد کا مانو۔ فرمایا کہ عمل میں کمی کا غم ہو اور قبولیّت کی فکر ہو۔ اگر عمل قبول ہو گیا تو خاک سونا ہو گئی۔ اگر قبول نہ ہوا تو سونا خاک ہو گیا۔

حضرت مولانا فقیر محمدؒ

حضرت مولانا فقیر محمد ولد جان محمد موضع قطبیٔ علاقہ خویزئی مہمند ایجنسی کے باشندہ تھے۔ فارغ التحصیل عالم اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز بیعت تھے۔ کہاں مہمند ایجنسی اور کہاں تھانہ بھون۔ حضرت تھانویؒ کے دربار عالی کے جلیس۔ آپ زیادہ رونے کی بنا پر حضرت تھانوی کے ہاں بَکاء کے نام سے مشہور تھے۔ سچ ہے کہ رزق اور روحانی حصہ جہاں مقدر ہوتا ہے۔ وہی سے مل جاتا ہے۔ پشاور شہر کے حاجی سبز علی دریوں والے کے ہاں حضرت آجایا کرتے تھے۔

پہلی ملاقات

مسجد گنج علی خان تبلیغی مرکز تھا۔ جہاں مولانا صاحب شب جمعہ میں جایا کرتے تھے۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک شخص نے رونا شروع کیا۔ یہی شخص مولانا فقیر محمدؒ تھے۔ مولانا صاحب کا اُن سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ چونکہ حاجی سبز علی گاہے گاہے سلسلہ اشرفیہ کے اشخاص اور حضرت تھانوی کے متعلقین کو بلایا کرتے تھے۔ اس لئے مزید اکھٹ و تعارف کا سبب بنا۔ شاہ عبد العزیز دعاجوؒ 1969ء کو فوت ہوئے۔ اُن کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مولانا صاحب نے شاہ فقیر محمد صاحب سے

تعلق جوڑا اور انہوں نے جلدی اجازت دے دی۔

حج کی منظوری

مولانا فقیر محمد صاحب نے کئی بار حج کے لئے کوشش کی لیکن قرعہ میں نام نہیں نکلا۔ آیئے یہ روائیداد اُن کی اپنی زبانی سنتے ہیں۔ جو انہوں نے فروری 1981ء کو مولانا صاحب کے ہاں ایک مجلس میں خود بیان فرمائی۔ فرمایا کہ نام نہ نکلنے پر میں بہت رُویا اور کلمہ پڑھا کہ دیکھو میں مسلمان ہوں پھر اللہ تعالیٰ مجھے کیوں نہیں بُلاتے۔ اس کے بعد ہر طرف سے اجازت آئی۔ مجھے کہا گیا کہ کام ہو جائے گا۔ لیکن تیرا عشق پکا نہیں۔ پاسپورٹ بن نہیں رہا تھا۔ تو میں پاسپورٹ دفتر میں بہت رُویا۔ کہا کہ مت رؤو۔ یہ دفتر ہے۔ لیکن پھر اُسی وقت پاسپورٹ بنا دیا۔ یہ 1962ء کی بات ہے کہ اجازت ملنے کے بعد حضرت بحری جہاز کے ذریعے حج پر تشریف لے گئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ حرم کے دروازے سے جب پہلی نظر بیت اللہ پر پڑی تو دعا کی کہ اللہ تعالیٰ راحت و عافیت بغیر حساب و تکدّر کے ہر سال لایا کرے۔ یہ دعا قبول ہو گئی۔ اب ہر سال جاتا ہوں۔ یہ اُس وقت سے شروع ہو کر ہر سال حضرت کے وفات مورخہ (یکم اکتوبر 1991ء بمطابق چہار شنبہ 23 ربیع الاول 1412ھ) تک جاری رہا۔ دوسرے سال 1963ء بائیس رمضان کو جب مولانا صاحب مع رفقاء کے بحری جہاز سفینہء حجاج میں کراچی سے حج کے لئے روانہ ہوئے تو مولانا فقیر محمد صاحب بھی اُس جہاز پر سوار تھے۔ مولانا صاحب کوشش کرتے کہ حج پر جاتے آتے وقت حضرت کے استقبال کے لئے نوشہرہ کبھی اُس سے آگے تشریف لے جاتے اور ساتھ بیٹھ کر حال احوال پوچھتے۔ ایک دفعہ جب مولانا صاحب نے پوچھا کہ حضرت آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا

سلام پہنچایا تو کیا جواب آیا۔ فرمایا۔ پھر بتاؤں گا۔ ہمارے سامنے بتانا نہیں چاہتے تھے۔

واردات حرمین

حضرت نے اپنے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے واردات سناتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں باب جبریل سے حرم نبوی میں داخل ہو رہا تھا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں تو آپ کا مہمان ہوں میں تو کسی اور کو نہیں جانتا۔ اُس سفر میں پھر اپنا کھانا کھانے کا موقع نہیں ملا۔ بس دعوتیں ہوتی رہتیں۔ میری ایک حالت ایسی ہو گئی تھی کہ نیند اور بیداری کے درمیان کبھی اللہ تعالیٰ کو دیکھتا کبھی حضرت تھانویؒ کو۔ کوئی مانتا نہیں تھا۔ حضرت مفتی محمد حسن نے فرمایا کہ یہ کشف ہے۔ ایک دفعہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھا تھا کہ مُواجہ شریف کا نورانی خوبصورت دروازہ ایسا خوبصورت کہ کبھی کسی کے دل پر اُس کا خطرہ بھی نہ گذرا ہو کھُلا۔ اندر جا کر مزار شریف کو دیکھا۔ تین قبریں دیکھیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی اور اتنا مزہ آیا کہ روٹی کھانا بھول گیا۔ یہ حالت پھر بھی کبھی کبھی آتی تھی۔ عبدالودود کو بھی قبر شریف سے آواز آئی تھی۔ كَيْفَ اَبُوْكَ کہ تیرا والد صاحب کیسے ہیں۔ جناب ارباب یوسف صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے ہاں لنڈی ارباب کے دَرس والے کمرے میں موجود ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم یہاں رہتے ہیں۔ قاری یٰسں صاحب نے خواب میں حضرت تھانویؒ اور ساتھ ایک ضعیف آدمی کو دیکھا۔ یہ ضعیف آدمی حضرت حاجی امداد اللہؒ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ارباب صاحب (ارباب فرید) تو فقیر ہو گیا ہے۔ میرے بارے میں جب پوچھا گیا تو فرمایا۔ وہ تو فقیر ہی فقیر ہے۔ چارسدہ کے ایک آدمی نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس سے بیعت ہو جاؤں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ فقیر محمد سے اور میری شکل سب کچھ بتادی۔ وہ آدمی آ کے ملا اور پھر ہر سال ملتا رہا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مسجد الحرام میں بیت اللہ شریف کے میزاب رحمت کے مقابل ترکی برآمدہ میں ایک خاص نشت پر بیٹھا کرتے تھے۔ اگر کوئی دوسرا بندہ اُس جگہ پر بیٹھا ہوتا تو آپ انتظار کرتے اور اُس آدمی کے اٹھتے ہی اُس جگہ بیٹھ جاتے۔ یہ نشست ایسی تھی جہاں سے بیت اللہ شریف پورا صاف بلا رکاوٹ کے دکھائی دیتا تھا۔ یہاں پر حضرت سوائے ہاتھ ملانے کے باقی بات چیت ناپسند کرتے تھے۔ اگر کوئی پھر بھی بیٹھا رہتا تو فرماتے جاؤ طواف کرو۔ اس کی وجہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب اور ہمارے مولانا محمد اشرف صاحب کے نزدیک یہ تھی کہ چونکہ رحمتوں کے نزول میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے بات نہیں کرتے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ اُن سے صرف دُعا مانگو۔ حضرت نے مزید فرمایا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیضان اور رحمتوں کو مقرون یکجا دیکھا۔ کبھی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا کعبہ بنانے کا منظر سامنے آتا ہے۔ کہنے لگے کہ تین مرتبہ بیت اللہ شریف کے اندر گیا ہوں۔ اندر اور حطیم میں فرق ہے۔ اسی طرح حطیم اور مطاف میں بھی فرق ہے۔ میزاب اور دوسرے جگہوں میں بھی فرق ہے۔ فرمایا کہ مقام ابراہیم، ملتزم اور رکن یمانی قبولیت دُعا کے مقام ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ کعبۃ اللہ مستقل ہدایت کا سبب ہے۔ جب دوسری جگہ پر تسلی نہیں ہوتی تو کعبۃ اللہ چلے جاتے ہیں کہ فیضان کی یہ آخری جگہ ہے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ کو اُن دِنوں حرم مکی کے تہہ خانہ میں ایک کمرہ ملا ہوا تھا۔ مہربان انجینئر نے عرض کیا کہ حضرت ایسا ایک کمرہ

آپ کو بھی مل جائے تو اچھا ہو گا۔ فرمایا کہ میں اس کا اہل نہیں۔ مجھے جو حرم میں چھوڑتے ہیں نکالتے نہیں۔ یہ بہت ہے۔

فرمایا کہ ایک دفعہ میں حرم میں رونے لگا تو ایک عرب غصہ ہو گئے اور کہا کہ کیا شور مچا رکھا ہے۔ کیوں روتے ہو۔ میں تو اپنے حال میں تھا۔ ایک دوسرا عرب اُس سے کہنے لگا کہ اللہ کی خشیت کی وجہ سے روتا ہے۔ تم رُو سکتے ہو۔ ایک مرتبہ حرم مکہ میں تراویح کے بعد مولانا صاحب تشریف فرما تھے کہ حضرت مولانا فقیر محمدؒ نمودار ہوئے۔ تھوڑی دیر ساتھ بیٹھے اور پھر اُٹھ کے چلے گئے۔ جب جانے کے لئے اُٹھے تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں جو آتا ہے کہ اللہ کے ایسے پریشان حال پریشان بال بندے جن پر دروازہ بند کیا جاتا ہے۔ اگر اللہ پر قسم کھالیں کہ یہ کام ہو گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کر دونگا تو فرمایا کہ مولانا فقیر محمد صاحب بھی اُن لوگوں میں سے ہیں۔

تعلق و آمد ورفت

مولانا صاحب ایک دفعہ حضرت کے ہاں مہمند ایجنسی تشریف لے گئے۔ گندھاب سے آگے سارا پہاڑی علاقہ راستہ کا تو نام ونشان نہیں تھا۔ ٹریکٹر کے پیچھے جو ہل لگا ہوتا ہے۔ اُس پر بیٹھ کر خوڑ میں جانا تھا۔ مولانا صاحب کو تو ہل کے اوپر بوری پر بٹھا کر باندھ لیا۔ آخر کار حضرت صاحب مہمند ایجنسی سے پشاور کرایہ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ اور وہاں سے ارباب فرید صاحب لنڈی ارباب (منکراؤ) میں اپنے مکان میں منتقل ہوئے۔ ارباب فرید صاحب نے مکان والی زمین ہبہ کرنا چاہی لیکن حضرت نہ مانے اور زمین کی قیمت ادا کر دی۔ چونکہ پشاور یونیورسٹی اور لنڈی ارباب میں زیادہ فاصلہ نہیں۔ اس بنا پر مولانا صاحب اور حضرت صاحب کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا

بکثرت ہو گیا۔ مولانا فقیر محمد صاحب حج سے واپس آتے تو مولانا صاحب ضرور دعوت پر بُلاتے۔ اس طرح مولانا صاحب کے دوسرے متعلقین اپنی باری چکا دیتے۔ اور اگر کسی جگہ یا ہاسٹل میں مولانا صاحب کا بیان ہوتا تو حضرت صاحب بھی ساتھ تشریف لے جاتے۔ اس طرح ہم بہت ہی خوش قسمت ہیں کہ مولانا صاحب نے تو کئی لیکن حضرت صاحب نے بھی ایک دو راتیں ہمارے ساتھ ہاسٹل میں گذاریں۔ یہ مہربانی تب ہوتی جب بیان اور کھانے میں دیر ہو جاتی تو ہماری درخواست قبول کر کے وہ ہاسٹل میں ہمارے ساتھ رات گذارنے کے لئے راضی ہو جاتے۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب جب بھی مولانا صاحب کے ہاں تشریف لاتے تو مولانا صاحب کی خواہش ہوتی کہ متعلقین اُن کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں۔ اسی طرح ایک دفعہ مولانا فقیر محمد صاحب تشریف فرما تھے۔ اور مجلس والے اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ تو مولانا صاحب نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور تنبیہ کی کہ ایسی صحبت آپ کو کب میسر ہو سکتی ہے اور آپ لوگ غفلت برت رہے ہیں۔ مولانا فقیر محمد صاحب اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔ بیان تو کرتے نہیں تھے۔ اگر کوئی دُعا کے لئے بھی کہتا تو مولانا صاحب کو حکم کرتے کہ آپ دُعا کر لیں۔ آخیر میں چند دُعائیہ جملے خود بھی بول لیتے۔ مجلس میں ایسا لگتا کہ شاید مولانا صاحب اُن کے مرید نہیں بلکہ پیر ہیں۔ مجلس میں جب حضرت تھانویؒ کا ذکر چھڑ جاتا یا مجذوبؒ کے یا اور اشعار پڑھے جاتے تو حضرت صاحب پھوٹ پھوٹ کر روتے اور مولانا صاحب کی بے اختیار اللہ کی چیخیں نکل جاتی تھیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کو ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ

زیادہ رونے کی وجہ سے میری پسلیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے توجہ کی تو رونا بند ہو گیا۔ اب میں پریشان اور خفا تھا کہ وہ پہلی حالت اچھی تھی۔ حضرت تھانویؒ سے عرض کیا۔ تو فرمایا کہ پھر تیری پسلیاں ٹوٹینگی۔ لیکن بہر حال اُن کی توجہ سے وہ پہلی حالت پھر عود کر آئی۔ اب وہ مجلس کہاں اور وہ سوز و گداز کہاں۔

جہاد کشمیر میں شرکت

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نے اپنی سرگذشت جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں سرگند خان ملک کی سرکردگی میں جہاد کشمیر میں شامل ہوا اور جب مجھے گولی لگ کر زخمی ہوا تو چاہتا تھا کہ مر جاؤں تاکہ حضرت تھانویؒ سے مل لوں۔ تو غنودگی کی حالت میں حضرت تھانویؒ آئے اور فرمایا کہ ابھی تیرا وقت ہے۔ ہم کو اپنے زخم بھی دکھائے جو جہاد میں لگے تھے۔ مولانا فقیر محمد صاحب کی طبیعت میں انتہائی نرمی تھی۔ اور خاص کر کسی کو تکلیف اور غم و اندوہ میں دیکھ کر اپنا آرام بھول جاتے۔ نہ کسی سے الجھتے تھے نہ بحث میں پڑتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے جلال کا جھلک دکھائی دیتا تھا۔ ایک دفعہ میاں بشیر احمد کاکاخیل مُصر ہوئے بلکہ چمٹ کر فرمایا کہ اپنے سینے کے دولت سے مجھے بھی دے دیں۔ حضرت فرماتے کہ ابھی صبر کرو۔ لیکن جب نہ مانے تو حضرت نے ذرا درشتگی سے کہا کہ دے دوں مجذوب بننا چاہتے ہو۔ میاں صاحب ڈر گئے اور چپ ہو گئے۔ مولانا صاحب کے مجلس میں میر حاتم بطور خادم حضرت صاحب کو چائے پلا دیتے تھے۔ حضرت نے آدھی پیالی چائے پی کر فرمایا کہ باقی آپ پی لیں۔ حضرت نے پیالہ رکھا ہی تھا کہ ایک دوسرے شخص نے لپک کر پیالہ اُچک لیا۔ حضرت نے دیکھا اور فرمایا۔ میر حاتم کو دے دُو۔ یہ اُس کا حق ہے۔ حضرت صاحب کے ایک

مُرید نے اپنے ایک دشمن سے معافی مانگنے کے لئے ایک بڑا جرگہ تیار کیا۔ جس میں حضرت صاحب، مولانا محمد اشرف صاحب، مولانا حسن جان صاحب ارباب فرید صاحب بھی شامل تھے۔ اُن کے گھر پر گئے لیکن وہ آدمی خود ملنے نہیں آیا اور چائے وغیرہ بھیجوائی۔ حضرت پی نہیں رہے تھے تو ارباب صاحب نے کہا کہ پی لیں۔ اگر نہ پئیں تو وہ خفا ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا۔ خفا ہو جائے ہمیں کونسا خوش کیا۔

مولانا صاحب کے رشتہ داروں میں میت ہوئی۔ دوسرے یا تیسرے دن حضرت صاحب بھی موجود تھے۔ جیسے شہر میں رواج ہے وہ پورا کھانا مع فروٹ و پانی بھرا گلاس لا کر حضرت کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ دُعا کریں۔ حضرت نے کہا اُٹھاؤ اِن چیزوں کو یہ ٹھیک نہیں پھر دُعا کریں گے۔

احسان کا بدلہ

حضرت صاحب بچپن میں غازی ماصل خان مہمند کے ہاں کچھ عرصہ رہ چکے تھے۔ غازی ماصل خان مہمند ایجنسی میں حاجی صاحب ترنگزئی کی طرف سے انگریزوں کے ساتھ لڑنے والے مجاہدین کے میر کارواں تھے۔ اُس کا بیٹا ملک محمد آمین حضرت صاحب کی کوششوں سے افغانستان سے الحاق توڑ کر پاکستان آگئے۔ پاکستان آتے وقت اُس کے استقبال کے لئے کمشنر پشاور، پولیٹیکل ایجنٹ مہمند مولانا فقیر محمد صاحب، مولانا محمد اشرف صاحب اور دوسرے معززین و عمائدین غلنئ میں موجود تھے۔ زرعی زمین کے علاوہ اُن کو پلاٹوں اور دوسرے بیش بہا انعامات و مراعات سے نوازا گیا۔ اصل میں یہ اُس تھوڑے رہنے کا بدلہ تھا۔ حضرت کی طرف سے ورنہ تھوڑے دنوں بعد روس نے حملہ کیا۔ اور سارے ملک افغانستان چھوڑ کر پاکستان آنے لگے۔ لیکن کوئی گھاس نہیں ڈالتا تھا۔

افغانستان پر روس کا قبضہ کرنے سے بہت دِل برداشتہ تھے۔ اور ہر وقت دُعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! روس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دَے اور افغانستان کو آزاد کر دَے۔

مسجد درویش کے لئے دُعا

مسجد درویش اور دارالعلوم امدادیہ اسلامیہ مال روڈ پشاور حضرت کی دُعاؤں کی مرہون منت ہے۔ دُعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس مسجد کو بنا دَے اور مولانا محمد اشرف کے ہاتھ سے بنا دَے۔ اپنے بیٹے عبدالرحمان فقیر کے لئے بھی بہت دُعائیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت صاحب کے مہمانوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مسجد درویش کا بننا اور عبدالرحمان کی معاشی حالت حضرت صاحب کے دعاؤں کی قبولیت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ

حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد زکریاؒ کے بارے میں مولانا صاحب کے کیا خیالات تھے اور اُن کے ذات و کمالات و مقام کو کس طرح جانتے تھے۔ اس کے لئے رسالہ البیان حضرت شیخ نمبر میں مولانا صاحب کا لکھا ہوا آغاز بیان نہایت ہی جامع اکمل اور شاندار ہے۔ جس سے دوسری کوئی تحریر بہتر نہیں ہوسکتی۔ مولانا صاحب اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے تعلق کو جاننے کے لئے اُس میں سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں ”کہ چودھویں صدی ہجری میں ملت میں جو نابغہء روزگار مایہ ناز اور باعث صد افتخار شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ ان میں ایک نمایاں ہستی برکتہ العصر، فخر المتاخرین، محدث کبیر امام ربّانی، شیخ وقت حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا

کاندھلوی مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کی ہے۔ جن کا افادہ علمی و عملی کا زمانہ تقریباً ساٹھ سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اور مکانی لحاظ سے مشرق سے مغرب تک اُن کا فیضان عام ہے"۔

"حضرت شیخ الحدیث کا اختصاص خاص ان کا علوم حدیث سے شغف ہے۔ آپ کے ہاں دیگر علوم پر علم حدیث ایسا غالب ہے کہ آپ کی جملہ نسبتیں اس علم شریف میں گم ہو کر رہ گئیں۔ بقول حضرت علی میاں، شیخ الحدیث نام کا قائم مقام اور نام سے بھی زیادہ مشہور ہوا۔ بقول مولانا صاحب نام کا سابقہ شیخ الحدیث حقیقتالامر کا اعلان بن کر ایسا چمکا کہ مطلقاً شیخ الحدیث سے مراد آپ کی ذات ستودہ صفات ہی معنون و مشہور ہو گئی۔

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کا ارتحال پندرھویں صدی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جس سے پورا عالم لرز گیا۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کا سایہ برکت و رحمت ایک چتر رحمانی کی طرح پورے عالم پر محیط تھا۔ اور قطبیت کا فیضان دُنیا کے چپے چپے کو سیراب کر رہا تھا۔ اہل قلوب کے دل اُن کے افاضہ باطنی سے نمو پارہے تھے۔ اور اُن کے علوم ظاہرہ سے زمانہ مستفید ہو رہا تھا۔ اُن کی علمی سیادت و روحانی قیادت پر پورا عالم متفق تھا۔ اور اُن سے قطبیت ارشاد و تکوین اور علوم نبویہ کی مسند یکساں و بیک وقت مزین تھی۔ وہ مجسمہ علم و اخلاص تھے۔ وہ پیکر فضل و کمال، ایمان و معرفت اور زھد و ورع تھے۔ چونکہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی روحانی امامت پر جملہ اہل حق کا اتفاق تھا۔ اس لئے وہ حقیقتاً و عملاً شیخ وقت، بلکہ شیخ الکل بلکہ معنوی اعتبار سے بھی شیخ العالم اور شیخ العرب والعجم بن گئے تھے۔

مزید فرماتے ہیں "حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کو ان مزایا و کمالات سے

نوازا گیا اور ارشاد و ہدایت و خدمت دینی و اشاعت حدیث، تزکیہ و تربیت نفوس، احیاء ذکر الٰہی کا وہ کام لیا گیا۔ پچھلے دور میں جس کی مثال شاذ ہے۔ ایسی جامع الصفات اور نادرہ روزگار شخصیتیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور عالم میں اپنے آثار صالحہ اور باقیاتِ صالحات کا حیرت انگیز ورثہ چھوڑ کر جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکمت بالغہ نے نیابتِ نبوت کے جس مقام پر فائز فرما کر جو کام لینا تھا۔ اُس کے لئے جن استعدادوں اور ظروف کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ قدس سرہ کو فطرتاً و اکتساباً عطا فرما دی گئیں۔ اور عالم ناسوت میں اس کا ذریعہ اولاً تعلیم و تربیت فیضان اکابر کو بنایا گیا۔ اور پھر حضرت شیخ قدس سرہ کے ظاہری و باطنی مجاہدات، شغف قرأت و اہتمام ذکر و اشتغال حدیث، اور تعلیم و تربیت طالبین، تصنیف و تالیف کتب دینیہ قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ پچھلا دور ایک ایسی ہستی کو دیکھ سکا جس کا ہونا ہی اس دور میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی"۔

مولانا صاحب اپنی طرف نسبت کر کے فرماتے ہیں کہ یہ محجوب اور بے بصیرت سمجھتا ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کا سینہء صافی ایسی مخروج نسبت کا حامل تھا۔ جو چشتی ذوق و شوق اور نقش بندی سکینت و انس کے ساتھ قادریہ اور سہروردیہ نسبتوں کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ اور ان سب پر غالب وہ نسبت تھی۔ جس کا سینہء پاک نبوت ﷺ سے فیضان ہوا تھا۔ جس نے حضور ﷺ کے رنگ میں قلب منور کو مصبوغ فرما کر آئینہ کمالات و جمالات نبوی بنا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس دور میں اخص الخواص اور قطب الاقطاب اور قطب الارشاد اور خلافت باطنہء نبوت کا حامل وزمانہ فرد فرید اور غوث وقت کے مقام پر فائز فرمایا گیا۔ اور حضور انور ﷺ کی صفت "أنا قاسِم واللہ يُعْطِيْ"، کا مظہر بنا کر فیوض و برکات کا مصدر بنایا گیا۔ اور عالم میں محبوبیت و سیادت و

قیادت روحانیہ کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا۔ جسے جملہ اہل قلوب نے تسلیم کیا۔ اور ان کے فیض باطن سے حصہ پایا۔ غرض آپ روحانیت و بزرگی کے اُس مقام پر تھے۔ جس کا ادراک بھی مجھ جیسے کے لئے مشکل ہے۔ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ اللہ معاف کرے۔ قلم کی جولانی میں کیا کچھ لکھ گیا۔ ورنہ کہاں وہ عالی مقام اور کہاں یہ ہیچ میرز ننگ آنام۔ یہ فقیر درماندہ و دور افتادہ بے علم و کم سواد حضرت شیخ قدس روحہ کے مقام و کمالات کو کیا جانے اور کیا پہچانے۔

مولانا صاحب مزید رقم طراز ہیں۔ ”حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی یہ بڑی کرامت تھی کہ مختلف بلکہ متضاد طبائع اور مسالک کے لوگ آپ پر متفق تھے۔ اور آپ کی شان علم، تقویٰ اور تربیت کے گرویدہ اور آپ ہر ایک سے اُس کے مقام مزاج اور طبیعت کے مطابق برتاؤ فرماتے تھے۔ سلوک میں یہ مقام اِنہی ”شاذو افذاذ“ حضرات کو ملتا ہے۔ جن کے قلوب تجلی ذات کا محل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خاص لون کے باوجود بے رنگ اور وحدت کے باوجود کثرت کا مظہر اور باہمہ بے ہمہ کا منظر پیش کرتے ہیں۔ آخر میں مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مختصر مضمون ان تفصیلات کا متحمل نہیں۔ اس لئے اس عنوان کو یہی ختم کرتا ہوں۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت شیخ کے روحانی مقام کے اور پہلوؤں کو جاننے کے باوجود مولانا صاحب نے مزید اخفاء سے کام لیا ہے۔

خواب کی تعبیر

مولانا صاحب نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ایما پر نصاب تبلیغ جو حضرت کی فضائل کی کتابوں اور حکایت صحابہ پر مشتمل ہے کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ترجمہ کے بعد حضرت اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔

انہوں نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو فارسی آگئی۔ اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ پھر پوچھا۔ کیا آپ کو عربی آتی ہے۔ جرس کے کیا معنی ہیں۔ معانی بتانے پر حضرت تھانویؒ نے خوش ہو کر حافظ کی وہ پوری غزل جو جرس پر ہے، سنادی۔ ایک سفر حج پر مولانا صاحب نے یہ خواب حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو سنایا۔ نہایت مسرور ہوئے اور خوشی کے خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا۔ حضرت تھانویؒ نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور دوسرے تبلیغی حضرات تشریف لائے۔ تو حضرت شیخ قدس سرہ نے مسرت کے ساتھ فرمایا۔ ان حضرات کو بھی اپنا خواب سناؤ اور پھر مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا۔ حضرت تھانویؒ نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے۔

پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو شرعی حد قرار دینے کے لئے مختلف لوگوں سے بشمول مولانا صاحب دلائل مانگے۔ مولانا صاحب بیماری کے باعث ہسپتال میں داخل تھے۔ کتابیں منگوا کر کام شروع کیا۔ مسودہ تیار کر کے جا کر عدالت میں بیان دیا۔ عدالت متاثر ہوئی۔ صرف دو اشکال رہ گئے۔ ایک یہ کہ سنین رجم کون سے ہیں۔ اور دوسرا کیا حد تعزیر میں بدل سکتی ہے۔ اس بارے میں سنین رجم کے سلسلے میں مواد نہیں مل رہا تھا۔ مولانا صاحب کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ دائیں طرف تشریف فرما ہیں اور سامنے حضرت شیخ الحدیث صاحب مولانا صاحب کی طرف پیٹھ کئے بیٹھے ہیں۔ اور ایک دوسرے مولوی صاحب کا منہ مولانا صاحب کی طرف ہے۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھ: دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں مجھ سے، آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ تجھ سے کون کہتا ہے۔ اُن سے اور شیخ الحدیث کی طرف

اشارہ فرماتے ہیں۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بیداری کے بعد سمجھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حضرت شیخ کی کتابوں سے استفادہ کا ہے۔ اوجز کی کتاب الحدود نکالی اور فوراً ہی سنین کا مسئلہ حل ہو گیا۔ حضرت شیخ قدس سرہ کو خواب لکھ کر جناب صوفی اقبال مدنی کے ہاتھ بھیجا گیا۔ حضرت شیخ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور اپنی یادداشت میں نقل کر دیا۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ "اوجز" کی مقبولیت کا نشان ہے۔

علامہ ابن خلدون نے مقدمہء تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے کہ اُس وقت تک علماء امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایانِ شان شرح نہیں لکھی تھی۔ مولانا صاحب اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہیچمدان اپنی کم مائیگی کا مقر ہے۔ تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مد ظلہٗ کے مقدمہ لامع الدراری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا۔ بعد میں لامع الدراری پر حضرت علامہ محمد یوسف البنوری کی 15 رمضان 1394ھ کی لکھی ہوئی "تقدیم" نے کودک نادان کی بات کی تصدیق کر دی۔ حضرت بنوری نے لکھا "اب میں کہتا ہوں کہ یہ ازلی سعادت الشیخ ذکریا کے حصہ میں تھی کہ وہ اُٹھے اور "ابواب وتراجم" کے اس قرض کو چکائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ انہوں نے انشاء اللہ تعالیٰ شرح ابواب وتراجم کی خدمت سے اِس قرض کو چکا دیا ہو گا"۔

کتابوں کا تحفہ

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ "حضرت شیخ کی جدید کتاب 'الابواب والتراجم' اپنی شان میں بے نظیر اور بڑا کارنامہ ہے۔ ہیچ مدان کے نزدیک پورے دفتر اسلامی میں شاید اس کی مثال نہ ہو"۔ مولانا صاحب مزید فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے 1366ھ

کے حج کے موقع پر دیگر کتابوں کے ساتھ اِس کے تین مطبوعہ اجزاء عطا فرمائے اور ازارہ عنایت فرمایا کہ "اِس کے دو جُز ابھی شائع نہیں ہوئے۔ اگر میری زندگی میں شائع ہو گئے تو مجھ سے مانگ لے اور اگر میں مر گیا تو میرے ورثاء سے تقاضا کر کے لے لیجئے"۔

شیخ الحدیث سے ملاقاتیں

حضرت شیخ کا قیام عموماً مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ حارۃ الباب میں اور مدینہ منورہ میں اکثر مدرسہ شرعیہ میں ہوا کرتا تھا۔ مدرسہ شرعیہ باب جبریل کی طرف مسجد نبوی کے بالکل متصل تھا۔ بیچ میں صرف ایک سڑک تھی۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت شیخ کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ حضرت شیخ عموماً خاموش بیٹھے رہتے یا کسی سے ایک آدھ بات کر لیتے یا دوسروں کا سُنتے۔ لوگ آ کر بیٹھ جاتے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت شیخ کے آدمیوں سے ایک بندہ اعلان کرتا کہ پہلے سے آئے ہوئے ساتھی چلے جائیں اور نئے ساتھیوں کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ اِسی طرح جب ایک دفعہ مولانا صاحب اُٹھنے لگے تو فرمایا کہ آپ بیٹھے رہیے۔ مولانا صاحب کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ جب سلام کے لئے جائیں تو ہم بھی ساتھ چلیں۔ وہ عموماً عشاء کی نماز کے بعد اپنی پہیوں والی کرسی پر سلام کے لئے جایا کرتے تھے۔ مولانا صاحب اپنی کرسی پر ساتھ چلے۔ باب جبریل کی طرف باہر کو ایک کھڑکی کھلتی ہے۔ حضرت شیخ باہر ہی اُس کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوئے۔ اُن کے پیچھے مولانا صاحب کی کرسی تھی۔ کافی دیر سلام پڑھتے رہے جب واپس ہوئے تو مولانا صاحب بھی واپس ہوئے۔

ہندوستان سے تبلیغی حضرات جب بھی رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع یا دوسرے موقعوں پر تشریف لاتے تو مولانا صاحب اجتماعات میں بھی شرکت کرتے۔ اور اُن سے

ملاقات بھی ضرور کرتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت شیخ نے مولانا صاحب کو خصوصی طور پر بُلایا تھا۔ رائے ونڈ میں حضرت شیخ کے پاس جاتے وقت مولانا احمد جان غزنی خیل صاحب بھی ساتھ تھے۔ وہ بضد تھے کہ ملاقات کے لئے میں بھی اندر جاؤنگا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ مجھے اکیلے بُلایا ہے تو مولانا احمد جان صاحب نے فرمایا کہ میرا اپنا تعلق اور تعارف ہے۔ حضرت شیخ مجھے جانتے ہیں۔ خیر چلے گئے۔ ملاقات ہوگئی۔ باہر آکر مولانا احمد جان صاحب نے فرمایا کہ آپ اور حضرت شیخ کے درمیان جو بات چیت ہوئی۔ اس کا گواہ صرف میں ہوں۔ اگر میں اندر نہ جاتا تو آپ کے پاس اپنی باتوں کے تصدیق کے لئے کوئی گواہ نہیں تھا۔ مولانا صاحب نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

شیخ الحدیث کی قیامگاہ و مدرسہ مظاہر العلوم

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر مولانا صاحب خصوصی طور پر سہارن پور تشریف لے گئے۔ تاکہ اُن مقامات کی زیارت کریں۔ جہاں حضرت شیخ نے اپنے طفولیت کا زمانہ گذارا۔ طالب العلم رہے خاص کر مدرسہ مظاہر العلوم جہاں حضرت شیخ نے پڑھا۔ پڑھایا اور شیخ الحدیث رہے۔ حضرت شیخ کے صاحبزادہ محمد طلحٰہ اور نواسے حضرت مولانا محمد شاہد کے اصرار پر مولانا صاحب نے سہارن پور میں اپنا قیام دو دن کے لئے بڑھا دیا۔ مدرسہ مظاہر العلوم کی نئی اور پُرانی عمارت کو دیکھا۔ دارالعلوم کا کتب خانہ خاص توجہ کا مرکز رہا۔ جہاں نادر قلمی کتابیں اور دوسرے نایاب مخطوطے محفوظ ہیں۔ صبح کا ناشتہ حضرت شیخ کی قیامگاہ پر حضرت مولانا طلحٰہ کے ساتھ کیا۔

اورنگ آباد کے سفر 1986ء میں بھی سہارن پور جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن حضرت اسعد مدنی صاحب کا مشورہ تھا کہ ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے جانا پر

خطر ہے۔ اس لئے سہارن پور جانا نہیں ہوا۔ جس کا مولانا صاحب کو بے حد افسوس رہا۔

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

مولانا صاحب کو حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت تھی۔ جو عشق و جنون کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ مولانا صاحب ہر سال گرمی کی چھٹیوں میں ایک چلّہ رائے ونڈ میں اور پچیس دِن کراچی میں حضرت بنوریؒ کے ہاں گذارتے تھے۔ حضرت بنوریؒ مولانا صاحب کے مہمان داری کا بہت خیال رکھتے۔ قسم قسم کی دعوتیں کرتے اور ناشتہ تو بلاناغہ مولانا صاحب کے ساتھ تناول فرماتے۔ مولانا صاحب کے چار پانچ مصاحبین ضرور ہوا کرتے۔ ایک دفعہ چند دِن کے بعد مولانا صاحب کے ایک ساتھی پروفیسر میاں بشیر احمد کاکاخیل نے حضرت بنوری سے عرض کیا کہ حضرت اب ہم اپنا خرچ خود کریں گے۔ تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ آپ لوگ ڈیڑھ سال بھی یہاں رَہیں تو میرے مہمان ہونگے۔

حضرت بنوریؒ کا دس بجے بخاری شریف کا درس ہوتا تھا۔ مولانا صاحب اُس میں شرکت کا بہت اہتمام فرماتے اور حضرت بنوری بھی مولانا صاحب کے انتظار میں ہوتے۔ ایک دفعہ مولانا صاحب کو وضو کرتے ہوئے دیر ہوگئی۔ آنے پر حضرت بنوریؒ نے فرمایا ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ کو کس نے کہا ہے کہ حدیث کے استماع کے لئے وضو ضروری ہے۔

کبھی کبھی کراچی کے ہل پارک میں ہواخوری کے لئے لے جاتے اور ناشتے کا بندوبست بھی وہیں کرواتے۔ حضرت بنوریؒ کے چائے پینے کی عادت بہت ہی نفیس و لطیف تھی۔ برتن ایسے خشک اور صاف کہ کچے پانی کا ایک قطرہ بھی چائے کے ساتھ

شامل نہ ہو۔ اپنے ہاتھ سے پیالیاں بھر کے دیتے اور فرماتے کہ چائے کی تین خصلتیں ہیں۔ جب وہ پوری نہ ہوں تو اُسے چائے نہیں کہتے۔ ”لب سوز، لب دُوز اور لب ریز یعنی گرم لب جلانے والی، میٹھی یعنی لبوں کو چپکانے والی اور نہایت بھرا ہوا پیالہ“۔

تنگدستی کے حالات

ایک دفعہ اپنے بچپن کے حالات سُناتے ہوئے حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ چھ سال کا ایک عرصہ بڑی تنگی و عسرت میں گذارا ہے۔ سبز چائے اور جو کی روٹی مل جاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ عید ہے۔ کبھی ایک پیسے کا کباب خرید کر اُس سے روٹی کھاتے۔ عید پر کبھی نئے کپڑے میسر نہیں آئے۔ کھدر کے کپڑے وہ بھی پُرانے۔ ماموں صاحب ثروت تھے۔ اُن کے بیٹوں نے عید میں کبھی پُرانا کپڑا نہیں پہنا۔ اور میں نے عید میں کبھی نیا کپڑا نہیں پہنا۔ عید کے پیسوں سے کبھی مٹھائی نہیں کھائی اور نہ آتش بازی کی۔ بلکہ اس سے کتاب خرید تا تھا۔ فرمایا کہ میں خود رَو ہوں۔ مجھ پر کسی کا احسان نہیں نہ باپ کا، نہ اُستاد کا اور نہ پیر کا۔ اِس پر میں اب اللہ کا بہت بہت شکر ادا کرتا ہوں اور یہ بات میں تحدیث نعمت کے طور پر کر رہا ہوں کہ اللہ نے کیسے کیسے گھاٹیوں اور مشقتوں کی بھٹی سے نکالا اور کیسی میری تربیت فرمائی۔ فرمایا کہ نہ میں نے ریاضت کی نہ اشتغال، نہ اعمال، نہ عبادات۔ صرف ایک بات ہے جس کی توقع ہے کہ اللہ اس پر میری مغفرت فرماوئے اور وہ ہے دین کے لئے غصّہ۔ جب کبھی ایسی بات دیکھتا ہوں کہ دین کے خلاف ہے تو جَل اُٹھتا ہوں۔

مدرسے کے لئے سعی و کڑھن

مدرسہ کے متعلق فرمایا کہ اِس کے لئے مَیں نے سیروں آنسو بہائے ہیں۔

جب ہم نے مدرسہ کے قیام کا انتظام شروع کیا تو یہاں نہ وضو خانہ تھا نہ استنجا خانہ، رہنے کا مکان تھا نہ رہنے کے قابل کوئی جگہ، نہ ضروریات زندگی کا کوئی وجود تھا۔ جس دِن یہاں پر ایک بیت الخلا بن گیا۔ وہ دِن میری زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کا دِن تھا۔ فرمایا کہ یہ جگہ کراچی سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔ ایک دفعہ کراچی جاکر میں نے طلباء کے لئے کچھ آٹا اور گڑ خریدا۔ اُن کو سر پر اُٹھا کر پیدل چل پڑا۔ راستے میں ایسے زور کی بارش ہوئی کہ وہ آٹا اور گڑ سارا پگھل کر میرے سر، داڑھی، منہ اور کپڑوں پر آتا رہا۔ جگہ پر پہنچ کر میری شکل پہنچاننا مشکل تھا۔ یہ مدرسہ میرا سرمایہ آخرت ہے اور گرانمایہ ہے۔ اس کے متعلق بہت سی مبشرات ہیں۔ اور اُمید ہے کہ عنداللہ یہ خدمت مقبول ہوگی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جب مولانا کوثر نیازی وزیر مذہبی اُمور مدرسے کو محکمہ اوقاف کے تحویل میں لینے کے لئے آئے۔ تو اُس کے ساتھ اُلجھنے کی بجائے مَیں نے بخاری شریف اُس کے آگے کردی اور کہا کہ لو پڑھاؤ تم اور میں سیدھا حرمین شریفین آگیا۔ یہاں پر میں نے بہت دُعائیں کی کہ اے اللہ! جب میں واپس جاؤں تو یہ بندہ اپنے عہدے پر نہ ہو۔ اللہ نے میری دُعا قبول کی۔ جب واپس آیا تو اخبار کی سُرخی تھی کہ کوثر نیازی کو اُس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔

امارتِ تحریک ختم نبوت

حضرت بنوریؒ ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق چند دِن آرام کے لئے سوات جانے کے لئے کراچی سے تشریف لائے۔ مولانا صاحب بھی ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ مینگورہ میں دیکھا۔ آخبار کی سُرخی تھی کہ ربوہ ریلوئے اسٹیشن پر کچھ طلباء اور قادیانیوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ اور طلباء کو مارا پیٹا گیا۔ یہ خبر دیکھ کر حضرت

بنوریؒ نے برجستہ فرمایا: ''خدا شرّے برانگیزد کہ خیر مادرآں باشد''۔ ترجمہ کہ خدا اُس شر کو بپا کرے جس میں ہماری خیر ہو۔ حضرت بنوریؒ مدین کے کشمیر ہوٹل میں ٹھہرے۔ مولانا صاحب نے اُس ہوٹل کے ایک دوسرے کمرے میں قیام فرمایا۔ لیکن مجلس، طعام اور نماز کا سلسلہ حضرت بنوریؒ کے ساتھ ہی رہا۔ قادیانیوں کے اس فتنہ نے ایک ملک گیر تحریک کی شکل اختیار کی۔ فسادات ہوئے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی تحریک زور پکڑ گئی۔ تمام ملک کے علماء نے اکھٹے ہو کر متفقہ طور پر حضرت بنوریؒ کو اِس تحریک کا امیر مقرر کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے بطور سرزنش حضرت بنوریؒ کو بُلایا۔ حضرت بنوریؒ نے بھٹو سے اپنی ملاقات کی سرگذشت اس طرح بیان کی۔ ''اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میرا ذہن بھی کھول دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم مجھے ایسے لگے جیسے چپڑاسی میرے سامنے بیٹھا ہو۔ کہنے لگے۔ تم نے میرے دور میں تحریک کیوں چلائی۔ پہلے کیوں نہ چلائی۔ میں نے جواب دیا کہ تحریک ختم نبوت ہم نے پہلے 1953ء میں بھی شروع کی تھی۔ اُس وقت آپ یہاں نہیں تھے۔ آپ تو اُس وقت ہندوستانی شہری تھے۔ پھر کہا کہ مجھ سے فیصلہ کرواکر تم مجھے مروانا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ اگر اِس میں مر گئے تو شہید ہوگے۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ انتہائی درجے کا مغرور شخص اگر اس کی بیوی بھی اس پر اعتبار کریگی تو خطا ہوگی۔

معاملہ جب قومی اسمبلی میں پہنچا۔ تو ایک موقع پر وزیراعظم بھٹو قادیانیوں کے خلاف کچھ کرنے سے مکر گیا۔ حضرت بنوریؒ مولانا ایوب جان بنوری کے ہاں دارالعلوم سرحد پشاور تشریف لائے تھے۔ مولانا اشرف صاحب بھی ملاقات کے لئے

موجود تھے کہ مفتی محمود صاحب کا فون بنوری صاحب کو آیا کہ فوراً تشریف لائیں۔ مولانا کے حکم پر میر حاتم نے اپنی گاڑی میں اُن کو اڈے تک پہنچایا۔ ایک ویگن کے ساتھ اس شرط پر کرایہ طے ہوا کہ کسی اور کو نہیں بٹھائے گا۔ مغرب کی نماز کے بعد جب گاڑی میں بیٹھے تو ایک دوسرا بندہ بھی بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے کہا کہ یہ مالک ہے۔ اِس وعدہ خلافی پر حضرت بنوریؒ اُتر گئے۔ فرمایا کہ یہ سی۔ آئی۔ ڈی والا ہے اور دوسری گاڑی میں چلے گئے۔

دُعائے سحری

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب جب خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ تھے تو شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں مشاورت کے لئے چند علماء کو مدعو کیا۔ ان میں حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری بھی شریک تھے۔ مولانا صاحب اُن سے ملنے سرکاری سرکٹ ہاؤس گئے۔ اور واپسی پر حضرت بنوریؒ کو بھی ساتھ لے آئے۔ راستے میں مولانا صاحب نے پوچھا کہ حضرت آپ تو سرکٹ ہاؤس میں مقیم ہیں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادیں۔ حضرت بنوریؒ نے برجستہ کہا۔ ہاں ضرورت ہے اور جب مولانا صاحب نے پوچھا۔ کس چیز کی تو فرمایا۔ دُعائے سحری کی ضرورت ہے۔ اور آپ کے پاس ہے۔ کھانا کھانے کے بعد مولانا صاحب کے بیٹھک میں بغیر چارپائی یا پلنگ کے قالین پر استراحت فرمائی۔ البتہ پینے کے لئے فرمایا کہ کولر میں خالص برف بغیر پانی ملائے ڈال دیں۔ اُس میں سے پیونگا۔

حضرت بنوریؒ جب پشاور تشریف لاتے تو مولانا میاں عزیز گل کاکاخیل صاحب سے ملنے سیرئے سخاکوٹ، ملاکنڈ ایجنسی تشریف لے جاتے۔ اس ملاقات میں اکثر مولانا صاحب بھی شریک ہوتے۔ مولانا عزیز گل صاحب بہت کم گو اور خاموش

طبیعت کے مالک تھے۔ لیکن حضرت بنوریؒ کے آمد پر بہت کُھل کر عجیب عجیب واقعات بیان کرتے۔

شاہ انور شاہ کشمیری کے جانشین

مولانا صاحب اپنے مطالعاتی زندگی کے باب "کتب صحاح اور اُن کی شروح" کے بارے میں بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "یوسف اقلیم فضل وکمال مخدومی الاستاذ العلامہ السید محمد یوسف صاحب البنوری البشاوری، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے جانشین و عاشق، اُن کے علوم کے راوی اپنی ذات میں اسلامی علوم کا چلتا پھرتا جامعہ، حدیث وفقہ و تفسیر کے متبحر و ناقد عالم عظیم ادیب اور بحر العلوم ہیں۔ حسن اخلاق جود و سخا، تقویٰ و ورع، خشیت و رقیق القلبی، شیرین کلامی، حسن بیان میں نمونہ، وقتِ نظر، وسعتِ معلومات، کثرت مطالعہ میں اپنی نظیر آپ اور حافظہ اور استحضار علوم کے بادشاہ ہیں"۔

سند حدیث اور حدیث مسلسل بالمحبت کی اجازت

اور پھر فرماتے ہیں "کہ فقیر کو بھی حضرت علامہ محمد یوسف بنوری سے حدیث شریف کی سند واجازت کی سعادت حاصل ہے۔

حدیث مسلسل بالمحبت کے اجازت کے بارے میں حضرت مولانا صاحب اپنے ایک محب کو سند دیتے ہوئے اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔اللّٰھم اَعَنِّی عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِك۔ قال النبی ﷺ لمعاذ ابن جبل یا معاذُ انی احبك فلا تَدَعُ دُبُرَ کُلِّ صلوٰۃِ اللّٰھم اَعَنِّی عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِك ۔ رَوِیَ ھذا الحدیث المسلسل من راوٍ الی راوٍ وقالَ لی أستاذی العلامہ السید محمد یوسف البنوری

نور اللّٰہ مرقدہ یا محمد اشرف انی اُحبك فلا تدع دُبُر كلِّ صلوٰۃٍ اللّٰھم اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ فی بیت مولانا السید محمد ایوب بنوری مدظلھم۔

بیماری ورحلت

حضرت بنوریؒ جب بیمار ہوئے تو مولانا صاحب کو بہت سخت دھچکا لگا۔ راولپنڈی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت بنوریؒ سے ملاقات پر پابندی کی وجہ سے باہر سے دیکھ کر اپنے دِل کو تسلی دِی۔ چند دِنوں کے بعد جب حضرت بنوریؒ نے وفات پائی تو مولانا صاحب کو پتہ نہیں تھا۔ جناب حاجی فضل حسین صاحب نے آکر بڑی لمبی تمہید باندھی اور بات چلاتے رہے کہ مولانا صاحب کو خود حضرت بنوریؒ کے وفات کا اندازہ ہو گیا۔ حاجی فضل حسین بہت ہوشیار اور زیرک شخص تھے۔ اُن کو حضرت بنوریؒ کے ساتھ مولانا صاحب کی عقیدت و محبت کا پتہ تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اچانک اُن کی وفات کی خبر سن کر مولانا صاحب کو خود دِل کا دورہ نہ پڑ جائے۔30 اکتوبر 1977ء کی مجلس گفتگو میں مولانا نے فرمایا کہ ہم کو اور بھی صدمے پہنچے۔ لیکن حضرت بنوریؒ کی وفات نے کمر توڑ دی۔ مولانا صاحب تعزیت کے لئے بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے۔ کئی دِنوں تک مدرسہ میں رہے۔ روزانہ حضرت بنوریؒ کے مزار پر حاضری دیتے۔ مولانا سید ایوب جان بنوری اور مدرسہ کے منتظمین کے ساتھ انتظامی اُمور کے بارے میں مشاورت کرتے رہے۔ اور پھر بجھے ہوئے دِل کے ساتھ بادِلِ ناخواستہ پشاور واپس تشریف لے آئے۔ مگر اضطرار اُسی طرح باقی تھا۔

حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ندوۃ العلماء کے طالب علم ہونے کے علاوہ

کافی عرصہ تک ندوۃ العلماء کے سرپرست رہے۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے قیام کے دوران بھی حضرت شبلی نعمانی کے جانشین ہونے کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلماء سے گہرا تعلق اور ربط رہا۔ حضرت سید صاحب کی علمی، ادبی اور بین الاقوامی حیثیت مسلمہ تھی۔ اور اُن کا دور ندوۃ العلماء کے بہترین ادوار میں سے تھا۔ اس لئے تمام ندوی حضرات کا سید صاحب سے محبت وعقیدت ایک قدرتی امر تھا۔ حضرت مولانا صاحب اگرچہ ندوۃ العلماء کے پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن حضرت سید صاحب کے ساتھ اُن کا تعلق بطور مسترشد بہت گہرا اور دائمی تھا۔ حضرت سید صاحب کے تمام ندوی متوسلین ومعتقدین کے ساتھ مولانا صاحب کے تعلق کا یہی ایک اہم ذریعہ تھا۔ اس کے علاوہ بہت ابتدائی دِنوں میں الفرقان، صدق جدید اور معارف اعظم گڑھ میں مولانا صاحب کے سید صاحب کے بارے میں مضامین چھپتے رہے۔ اس لئے تمام ندوی حضرات کے لئے مولانا صاحب کی شخصیت کبھی اجنبی نہیں رہی۔

حضرت علی میاں صاحب سے مولانا صاحب کی حج کے دوران ملاقاتیں تقریباً 1963ء سے شروع تھیں۔ جو بعد میں بڑھتے بڑھتے ہندوستان اور پاکستان میں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا صاحب نے ہندوستان کے کئی سفر کئے۔ ان میں دیوبند کے جشن صد سالہ کے موقع پر سفر سب سے اہم اور تفصیلی تھا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ ورائے بریلی

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن میں سرسری ملاقات کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حضرت علی میاں سے مفصل ملاقاتیں ہوئی۔ ندوہ میں حضرت علی میاں مدرسے کے علماء و طلباء مولانا صاحب کو حضرت سید سلیمان ندویؒ کے عظیم

شاگرد، مترشد اور سید صاحب کے علوم وسلوک کے حامل کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اور قدردانی کرتے رہے۔ طلباء سے خطاب کروایا اور دوسرے مجالس میں بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ اس کے باوجود مولانا صاحب کو تسلی نہیں ہوئی۔ اور حضرت علی میاں سے ملنے اُن کے گاؤں رائے بریلی جانے کا پروگرام بنایا۔ حضرت علی میاں بہت خوش ہوئے۔ سونے کے لئے اپنی چارپائی پیش کی۔ صبح ناشتے کے بعد حضرت سید احمد شہید کے خطوط کا ذخیرہ مولانا صاحب کو دکھایا اور اُن کی جائے پیدائش، مسجد، میدان اور وہ ندی بتادی جہاں مجاہدین اپنے مشقیں کرتے اور جہاں رہائش وطعام کا انتظام تھا۔

مولانا علی میاں سے ملاقاتیں

اسی طرح اکتوبر 1986ء میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی دعوت پر اورنگ آباد میں رابطہ ادب عالم اسلامی کے بین الاقوامی مذاکرہ میں شرکت کی۔ یہ سفر تو سارے کا سارا حضرت علی میاں کی رفاقت وسرکردگی میں گذرا۔ حضرت علی میاں کی خصوصی توجہات وعنایات سے مستفید ہوتے رہے۔

حضرت علی میاں جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو مولانا صاحب ضرور ملنے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح ایک دفعہ اسلام آباد تشریف لائے تو مولانا صاحب ملنے اسلام آباد گئے اور اسلام آباد ہوٹل میں رات گذاری۔ دوسرے دن حضرت علی میاں کا اکوڑہ خٹک (دارالعلوم حقانیہ) میں پروگرام تھا۔ جہاں انہوں نے خطاب بھی کیا۔ جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک پر روشنی ڈالی۔ حضرت مولانا صاحب بھی اکوڑہ تک ساتھ تھے۔ وہ وہاں سے واپس اسلام آباد چلے گئے اور مولانا صاحب پشاور تشریف لائے۔

حج کے موقع پر ایک دفعہ مولانا صاحب نے مدینہ منورہ میں خواب دیکھا۔

خواب میں سُرخ رنگ کی بسیں دیکھیں اور حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ علی کو کہہ دو کہ بند نہ کریں۔ مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ خواب کی تعبیر میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ جب حضرت علی میاں صاحب سے ملاقات ہوئی تو اپنا خواب اُن کو سُنایا۔ حضرت علی میاں صاحب نے فرمایا کہ یہ خواب آپ کے ذریعہ سے میرے لئے پیغام ہے۔ حضرت علی میاں صاحب مدینہ اسلامی یونیورسٹی کے شوریٰ کے ممبر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ سرخ رنگ کی بسیں مدینہ یونیورسٹی کی ہیں اور آج کل شوریٰ میں یہ بحث چل رہی تھی کہ یونیورسٹی کو طلباء کے لئے بند کیا جائے یا کھلا رکھا جائے تو یہ میرے لئے پیغام تھا کہ یونیورسٹی کو بند نہ کیا جائے۔

مولانا صاحب اپنے مکتوب مورخہ 8 مئی 1985ء بنام حضرت سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں۔ ”یہ کتاب تاریخ دعوت و عزیمت حکمت ولی الٰہی کے وسیع و عمیق سمندر کو سمیٹنے اور کوزہ میں سمونے کی کامیاب کوشش ہے۔ یہ حضرت علی میاں مد ظلہم جیسا بصیر عالم، مشاق معلم اور حاذق مُصنف ہی کر سکتا تھا۔ دل و دماغ فیض یاب و لطف اندوز ہوتا رہا اور تذکرہ نگار کو صمیم قلب سے دعائیں دیتا رہا“۔ مولانا صاحب مزید لکھتے ہیں کہ دین اسلام اور اولین مسلمانوں کی دو متضاد تصویریں۔ ایک مسئلہ مدتوں سے واشگاف وضاحت کا طالب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا منظور نعمانی سے انقلاب ایران، امام خمینی اور شیعیت نامی کتاب لکھوا کر سرانجام فرمادیا اور مخدومی حضرت ابوالحسن علی ندوی مد ظلہم سے اُن کے مخصوص تاریخی و علمی انداز میں ایک دلچسپ و وقیع کتابچہ لکھوادیا جو ایک کھلی کتاب کی طرح حقائق کو واضح کر دیتا ہے۔

مولانا صاحب نے حضرت علی میاں صاحب سے سلوک سلیمانی یا شاہراہ

معرفت کی پیش لفظ لکھنے کی استدعا کی۔ پیش لفظ لکھ کر حضرت علی میاں صاحب نے 29 اپریل 1971ء کے ایک خط میں بھجوادیا۔

شاہراہ معرفت پر پیش لفظ

حضرت علامہ سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کے پیش لفظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں ”کہ ناچیز راقم سطور کے لئے محب گرامی مولانا محمد اشرف خان صاحب کی گرانمایہ تصنیف شاہراہ معرفت یا سلوک سلیمانی کے متعلق اظہار خیال کرنا کئی طرح سے سعادت و مسرت کی بات ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ سید سلیمان ندویؒ جب پاکستان پہنچے تو حضرت تھانویؒ کے علوم و افادات کی اشاعت کے بارے میں دل شکستہ اور افسردہ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ اُن کو مولانا محمد اشرف خان صاحب کی صورت میں ایک ایسا مرید رشید اور عاشق صادق عطا فرمایا جو اُسی طرح سے اُن کے علوم و افادات کا شارح اور اُن کے طریقہ تربیت کا حامل بن گیا۔ جیسے وہ اپنے شیخ اشرف کے علوم و افادات کے شارح اور اُن کے طریقہ اصلاح و تربیت کے حامل تھے۔ اور اس کا نمونہ یہ کتاب ہے۔ مولانا محمد اشرف خان کا فطری جوہر کہیے یا سید صاحب کی ارادت و صحبت کا فیض کہ تحریر کی شگفتگی اور شیرینی کہیں ساتھ نہیں چھوڑتی۔

مزید فرماتے ہیں کہ سید صاحب نے اپنے مکاتیب تربیت اور چند نہایت باصلاحیت صاحب قلم اور مخلص مریدوں کو تیار کر کے (جن میں مولوی غلام محمد صاحب حیدر آبادی اور مولانا محمد اشرف خان صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں)۔ حضرت تھانویؒ کے طرز اصلاح اور تجدید تصوف و سلوک کو اور زیادہ مقبول و وسیع بنادیا۔

حضرت علی میاں صاحب اپنے کتاب "کاروان زندگی" کے حصّہ چہارم میں ارقام فرماتے ہیں:

کہ 25،26،27، صفر 1409ھ بمطابق 7،8 اور 9 اکتوبر 1988ء کی تاریخوں میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی ہندوستان شاخ نے شہر اورنگ آباد میں واقع مدرسہ کاشف العلوم میں نعتیہ شاعری کے موضوع پر ایک عالمی علمی سیمینار منعقد کیا۔ اچھی خاص تعداد میں ہند اور بیرون ہند سے ممتاز علماء، ادباء، شعرا اور داعیان اسلام کی شرکت کے اعتبار سے یہ سیمینار اپنی نوعیت کا منفرد و نادر سیمینار ثابت ہوا۔ مسلمانوں کے دِلوں میں اس موضوع کے قدر و قیمت کا اندازہ سیمینار میں شرکت کرنے والے مندوبین کی بھاری تعداد سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اس سیمینار میں شرکت کے لئے ایک موقرّ وفد پروفیسر مولانا محمد اشرف سلیمانی کی قیادت میں پاکستان سے آکر شریک ہوا۔ مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاور یونیورسٹی کے سابق شعبہ عربی اور علامہ سید سلیمان ندوی کے خلیفہ ومجاز ہیں۔ جو اپنے مرض و مجبوری اور چلنے پھرنے سے یکسر معذوری، معمولی نقل و حرکت کے لئے بھی اپنے رفقاء کی مدد کی محتاجی کے باوجود ایک طویل و بامشقت سفر کی صعوبتیں وزحمتیں برداشت کرکے تشریف لائے۔ یہ سب کچھ موصوف نے صرف موضوع کے اعزاز واکرام، سیمینار کے احترام اور منتظمین کی محبت کے جذبات کی قدر افزائی میں کیا۔

حضرت علامہ عبدالباری ندوی

حضرت مولانا عبدالباری ندوی، حضرت اشرف علی تھانویؒ نوراللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ مولانا صاحب کا اُن کے ساتھ نہایت عقیدت، عزت و تکریم کا

معاملہ تھا۔ جب مولانا صاحب نے اُن سے سلوک سلیمانی پر تبصرہ کرنے کے لئے استدعا کی تو ایک خط میں جواباً فرمایا۔ میرے لئے تو آپ جیسے محب فی اللہ کے حکم کا پورا ہو جانا ہی باعث سعادت ہے۔ اور پھر فرمایا کہ یہ ناکارہ جس طرح حضرت تھانویؒ قدس سرہ کی تجدیدی جامعیت کا حضرت کے وفات کے بعد حضرت کے ملفوظی و تحریری باقیات صالحات کے مطالعہ سے معتقد ہوا۔ اسی طرح حضرت سید سلیمانی ندوی نوراللہ مرقدہ کے شیخ کامل ہونے کا اُن کی وفات کے بعد سلوک سلیمانی نے حضرت تھانویؒ کی شانِ تربیت کا پورا مرقع سامنے کر دیا۔ لفظ بہ لفظ ارشادات تھانوی کی ترجمانی ہے بلکہ حرف حرف اور نقطہ نقطہ اِس ترجمانی کا حق ادا فرمایا ہے۔

مزید لکھا کہ آپ نے اپنے "الشیخ السید" علیہ الرحمۃ کی شیخ شناسی کا حق خوب خوب ادا فرمایا۔ مولانا صاحب کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ سید صاحب کی سوانح و سیرت کی تکمیل کے لئے کچھ معمولی اضافہ کے ساتھ سلوک سلیمانی کا یہ معارفی سلسلہ بالکل کافی ہو گا۔ ان افادات کا ان کو موقع ہی کم اور آخری عمر میں ملا۔ اس کی بجائے اگر قلم "اشرف" سے "اشرفی سلوک" کا ایک مرقع تیار ہو جائے تو انشاء اللہ اپنی جامعیت و احاطت کی بدولت نہ صرف اصطلاحی شیوخ و سالکین سب ہی کے لئے بے بہا دولت بلکہ آپ کے جدید قلم کی روشنی میں باقاعدہ تربیت سے بدکنے والوں کے ہاتھ میں ایسی چیز پہنچ جائے گی کہ پڑھنے والے بطور خود بھی اپنی اخلاقی و باطنی اصلاح میں بشرط طلب فائدہ اٹھا سکیں گے۔ مولانا صاحب کے عذر پر دوبارہ ارقام فرمایا۔ ماشاء اللہ سلوک سلیمانی کا قلم ہر طرح "سلوک اشرفی" کے قابل ہے۔ کہ وہ سلوک سلیمانی ہی کا زیادہ جامع اور مفصل ایڈیشن ہو گا۔

ایک موقع پر مولانا صاحب کو ارقام فرمایا۔ ”آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید صاحب سے ماشاء اللہ مناسبت تامہ تھی۔ ایسی (تربیتی و دینی مسائل میں) تسلی تو کہیں اور سے دشوار رہی ہے“۔

حضرت علامہ عبد الماجد دریابادی

حضرت علامہ عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ سے مولانا صاحب کا بہت دیرینہ تعلق تھا۔ ذاتی خط و کتابت کے علاوہ حضرت مولانا صاحب حضرت دریا آبادی کے رسالہ صدق جدید لکھنؤ کے لئے مختلف عنوانات سے مضامین تقریباً 1950ء سے بھیجا کرتے تھے۔ یہ مضامین اکثر سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے افکار تعلیمات، مکتوبات یا خطبات کے متعلق ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات حالات حاضرہ، پاکستان کے حالات، کسی کتاب پر تبصرہ یا مختلف امور کے بارے میں مشورے کی شکل میں ہوا کرتے تھے اور حضرت دریابادی رحمہ اللہ اُن کو خوبصورت عنوانات، مثلاً مکتوب حرم، مکتوب پاکستان وغیرہ کے نام سے صدق جدید میں شائع فرماتے۔ اور ساتھ مولانا صاحب کا بھی خوبصورت اور پیارے القاب سے اظہار کرتے۔ مثلاً مکتوب محمد اشرف خان ایم۔اے کبھی مولوی محمد اشرف خان کبھی مولانا محمد اشرف خان اور کبھی سید صاحب کا ایک صاحب علم مسترشد، صاحب فکر و نظر صاحب علم دردمند پاکستانی اور کبھی لکچرر کے نام سے یاد کرتے۔ دونوں حضرات کے درمیان مختلف مضامین اور بین الاقوامی و ملکی مذہبی امور پر خط و کتابت بھی جاری رہتی اور صدق جدید کے اندر تبصرہ نگاری بھی ہوتی رہی۔

سلوک سلیمانی پر تبصرہ

رسالہ معارف اعظم گڑھ میں مولانا صاحب کا مقالہ ”سلوک سلیمانی پر ایک

اجمالی نظر" پڑھ کر حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی قدس سرہ نے ارقام فرمایا۔ "معارف میں سلسلہ مضامین (سلوک سلیمانی پر اجمالی نظر) کو لفظ لفظ پڑھا۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ، بڑے سلیقے اور رکھ دکھاؤ سے لکھا ہے۔ کوئی مسترشد اِس سے بہتر طریقے پر اپنے مرشد کے کمالات وفضائل کو ظاہر نہیں کر سکتا"۔

حضرت دریا بادی شاہراہ معرفت پر اپنے تبصرے "تحسین ناشناس" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت سید صاحب نے اپنے شیخ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے علوم فضائل وسلوک کو اپنے اندر اس طرح لیا۔ جیسے ایک چھوٹا آئینہ ایک بڑے آئینے کے بالمقابل ہو۔ یہی معاملہ جو سید والا صفات نے اپنے شیخ کے ساتھ کیا تھا۔ مشیت نے خود اس کے ساتھ ایک خوش نصیب مسترشد کے ہاتھوں کرادیا۔ یہ نام کے اشرف کام کے لحاظ سے بھی اشرف ہی نکلے اور جو دولت انہیں اپنے شیخ سے نصیب ہوئی تھی۔ وہ انہوں نے وقف عام کردی۔

حضرت علامہ محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ سے مولانا صاحب کا تعلق بہت پرانا تھا۔ مولانا صاحب ماہنامہ الفرقان کے پرانے قاری اور اعزازی ممبران میں سے تھے۔ مولانا صاحب جب جون 1957ء میں اپنے بیرونی ممالک جرمنی، یوگوسلاویہ، آسٹریا استنبول وغیرہ کے تبلیغی سفر سے واپس آئے۔ تو اپنے سفر کے حالات "جادۂ حبیب" کے نام سے ماہنامہ الفرقان میں قسط وار شائع کرنا شروع کیا۔ جس کو قارئین نے بہت پسند کیا۔ لیکن ان تبلیغی اسفار کے تاثرات کونامعلوم وجوہات کی بناپر یا تبلیغی مصلحتوں کی بناپر بند کیا گیا۔ اس سفرنامے کا مولانا صاحب کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ مل گیا ہے اور انشاء اللہ

اس کتاب میں تبلیغی سفر بیرونی ممالک 1957ء کے عنوان سے شامل ہے۔

الفرقان حضرت جی نمبر

اس کے علاوہ جب ماہنامہ الفرقان نے حضرت جی مولانا محمد یوسف امیر جماعت تبلیغ کے نام سے حضرت جی نمبر نکالا تو مولانا صاحب نے "صدیق وقت یوسفِ اقلیمِ دین و دعوت" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا۔ جس پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ مدیر الفرقان نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔ "یہ مضمون لکھا نہیں لکھوایا گیا ہے اور حضرت جی نمبر کا سب سے وزنی مضمون ہے"۔

اس کے علاوہ بھی مولانا صاحب کے مضامین ماہنامہ الفرقان میں تبلیغ کے نمبروں کے عنوان سے شائع ہوتے رہے۔ مثلاً علم وذکر، اخلاص، اکرام مسلم وغیرہ۔

حضرت مولانا صاحب کی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمت اللہ علیہ سے کئی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ اپنے حج کے پہلے سفر 1963ء میں مولانا صاحب بحری جہاز سے حجاز مقدس گئے۔ اُسی سال حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب بھی حج پر تشریف لائے تھے۔ وقت بھی بہت تھا اس لئے خوب مجلسیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ مولانا صاحب جب بھی ہندوستان گئے تو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ضرور حاضری دی اور ہر دفعہ انہوں نے شفقت و محبت کا معاملہ کیا۔ یہاں تک کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے گھر میں دعوت کا بندوبست نہ کرسکے۔ تو دعوت کے لئے نقد پیسے دیئے۔ اسی طرح جب دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر مولانا صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے تو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ مدرسہ تشریف لے آئے۔

ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں 29 مارچ 1980ء کو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب سے کافی دیر گفتگو رہی۔ دوپہر کا کھانا حضرت علی میاں، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ اور مفتی محمود صاحب کے معیت میں ندوہ کے علماء کے ساتھ کھایا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے اُن کے مکان پر گئے بہت شفقت فرمائی۔ تقریباً ڈیڑھ بجے تک اُن کے ساتھ مختلف موضوعات پر بات ہوتی رہی۔

اورنگ آباد کے سفر کے دوران حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ بیمار اور صاحب فراش تھے۔ مولانا صاحب کے آنے پر گھر میں پردہ کروایا۔ ملاقات کی، بہت خوش ہوئے اور تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو کی۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ حضرت ملاقات کے لئے دوبارہ حاضر ہونگا۔ لیکن اورنگ آباد، بمبئ اور دہلی میں دیگر مصروفیات کی بنا پر وقت نہ نکال سکے۔ جس کا مولانا صاحب کو بہت افسوس رہا۔

حضرت سید صاحب کے دوسرے رفقاء، متوسلین اور شاگرد نہ تو مولانا صاحب کے ساتھ کسی مدرسے یا ادارئے میں اکٹھے رہے۔ اور نہ سید صاحب کی مجالس وغیرہ میں لیکن سید صاحب سے وابستگی کی بنا پر سب ایک ہی شجر بارآور کے پھول و پھل تھے۔ مولانا صاحب کا چونکہ سید صاحب سے والہانہ محبت وعقیدت کا معاملہ تھا۔ اور اُن کے علوم کے حامل اور تربیت یافتہ تھے اور اُسے اپنے شیخ سے نسبت تامہ حاصل تھی۔ اس بنا پر یہ حضرات اگرچہ خود علمی و ادبی دُنیا میں بڑے رُتبے کے لوگ تھے۔ لیکن مولانا صاحب کے کتنے قدردان اور ثناخوان تھے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔

شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب مدیر معارف نے مولانا صاحب کو ارسال کردہ خط میں فرمایا۔ ”میرے لئے ہر وہ چیز محبوب ہے جس کو حضرت سید صاحب سے

کوئی نسبت ہو۔ آپ کا مضمون (سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر) مختلف حیثیتوں سے نہایت مفید اور قابل قدر ہے۔ اپنی اپنی قسمت ہے۔ دوری و بعد کے باوجود حضرت کی روحانی دولت آپ کے حصہ میں آئی اور میں چشمہ حیوان کے قرب کے باوجود اِس سے محروم رہا۔ پھر اُن کے فیوض وبرکات کو عام کرنے کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔

سید صاحب کے محب و محبوب شاگرد مولانا محمد اَویس ندوی نگرامی نے لکھا کہ حضرالاستاذ کے علوم کے ایک حصے کی خدمت جس ذوق و شوق کے ساتھ آپ کررہے ہیں۔ وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ حضرت والا کے مسترشد خاص مولانا عبدالروف اورنگ آبادی نے ارقام فرمایا" کہ آپ کے مضامین سلوک سلیمانی پر ایک نظر ایک طرف بصیرت افروز تو دوسری طرف بے حد وجد آفرین، بار بار پڑھنے سے بھی سیری نہیں ہوتی۔ جی چاہتا تھا کہ لوحِ دِل پر نقش کرلوں"۔

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمت اللہ علیہ حضرت اشرف علی تھانویؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ پاکستان کے مفتی اعظم، دارالعلوم کراچی کے بانی و سرپرست اور مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی کے والد محترم ہیں۔ شروع سے مولانا صاحب کا ان کے ساتھ محبت، عقیدت واحترام کا رشتہ تھا۔ کراچی جیسے مولانا صاحب کا پشاور کے بعد دوسرا وطن تھا۔ اول اول تبلیغی سرگرمیوں کی بنا پر کراچی کے تبلیغی مرکز مکی مسجد میں آنا جانا ہوتا تھا۔ 1957ء میں بیرونی ملک تبلیغی سفر پر روانہ ہونے سے پہلے تقریباً ایک چِلّہ کراچی میں گذارا۔ حضرت سید سلیمان ندوی جب ہندوستان سے ہجرت

کر کے آئے۔ تو کراچی میں مقیم ہوئے۔ اُن کی خدمت میں حاضری مولانا صاحب کے معمولات کا باقاعدہ حصہ تھا۔ حضرت سید صاحب کی وفات کے بعد مولانا صاحب کے دوسرے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دُعاجو کا تعلق بھی کراچی سے تھا۔ جو کبھی کراچی اور کبھی ٹنڈو آدم میں ہوتے تھے۔ اس کے بعد حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیوں میں مستقلاً مہینہ، چالیس دِن کا قیام ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح مولانا صاحب کا کراچی سے ایک مستقلاً رابطہ رہا۔ ان تمام رابطوں کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے خدمت میں حاضری کا باقاعدہ معمول تھا۔ حضرت مفتی صاحب بہت شفقت فرماتے۔ ایک دفعہ جب مولانا صاحب کی آنے کی اطلاع ملی تو ننگے پاؤں اُٹھ کر ملنے تشریف لائے۔

البلاغ کے مفتی اعظم نمبر میں حکیم الامت کے علمی جانشین کے عنوان سے مضمون

مولانا صاحب سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا جاتا یا فتویٰ کی فرمائش ہوتی تو مولانا صاحب فرماتے۔ بھائی میں مفتی نہیں ہوں اور ہمیشہ ہدایت کرتے کہ اِس مسئلہ کے لئے فتویٰ دارالعلوم کراچی یا دارالعلوم بنوری ٹاؤن سے طلب فرما کر مجھے بھی بتادیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی وفات پر جب ماہنامہ البلاغ نے مفتی اعظم نمبر نکالنا چاہا تو مولانا صاحب نے ''حکیم الامت تھانوی کے علمی جانشین'' کے عنوان سے نوے صفحات کا ایک مضمون تحریر کیا۔ جس میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ اور دوسرے علمی کاوشوں کو اُجاگر کیا اور ثابت کیا کہ ان کے علمی تحقیق پر حضرت تھانویؒ کو اعتماد تھا۔ بلکہ ان کی تربیت بھی بجائے اوراد و اشغال کے تالیفی و تصنیفی رُخ سے ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب کے علمی مقام کے بارے میں اسی مضمون سے ایک

اقتباس ملاحظہ ہو۔

''فقاہت دینی کے لئے جس وسعتِ علم (کتب فقہ کے جزئیات تک پر گہری نگاہ) دقتِ نظر سلامتی ذہن، اصابتِ رائے، احتیاط و تیقظ، اساتذہ فن کی صحبت و تربیت، تقویٰ و طہارت، اخلاص و بے نفسی، عدل و انصاف، راست گوئی و حق کوشی، غیر جذباتی ٹھنڈی طبیعت، مسئلہ کے مالہ وماعلیہ سے واقفیت، ضروریات زمانہ اور احوال متعلقہ سے باخبری کی ضرورت ہے۔ وہ حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں''۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں: ''کہ اس وجہ سے اِس کم سواد و ہیچمدان کی نگاہ میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی علمی جانشینی کی سعادت فقیہ الامت مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ کے حصہ میں آئی ہے''۔

حضرت مولانا عزیر گل کاکاخیل

حضرت مولانا عزیر گل رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ کے ممتاز شاگرد اور اجل خلفاء میں سے تھے۔ مولانا عزیر گل اور حضرت حسین احمد مدنیؒ دونوں شیخ الہند رحمت اللہ علیہ کے ساتھ حجاز مقدس طائف میں تھے۔ جب شیخ الہند کو گرفتار کرلیا گیا۔ یہ دونوں حضرات بھی شیخ الہندؒ کے ساتھ رضاکارانہ مالٹا میں اسیر رہے۔ مولانا عزیر گل شیخ الہندؒ کے تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ اور ہمیشہ خفیہ اہم و پُرخطر مہمات میں حصہ لیا۔ شیخ الہند اور قبائلی علاقہ جات میں تحریک کے درمیان اہم رابطہ مولانا عزیر گل تھے۔ شیخ الہندؒ کے اصرار پر ایک نومسلم انگریز عورت سے شادی کرلی۔

گوشہ نشینی و تواضع

آپ سخاکوٹ ملاکنڈ ایجنسی میں سیرئی نامی گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔

حضرت مولانا صاحب کبھی کبھی ملاقات کے لئے خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ بھی جب پشاور تشریف لاتے تو ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب بہت کم گو اور گمنام زندگی گذارنے کے خواہش مند تھے۔ تواضع تو اس حد تک تھی کہ اگر کوئی دُعا کے لئے کہتا تو فرماتے۔ کیا آپ نے مجھے بزرگ سمجھ لیا۔ ایک دفعہ میر حاتم اور محمد سراج ملنے گئے۔ دُعا کی درخواست کی تو فرمایا۔ مجھ سے دُعا کراتے ہو۔ آپ کا اعتقاد ہے جیسے ہندوؤں کا گائے پر اعتقاد ہوتا ہے۔ تو چلو کرلیتا ہوں۔ ایک دفعہ مولانا صاحب نے ان سے ملاقات کے بعد واپسی پر فرمایا کہ یہ بہت بڑے آدمی ہیں۔ اپنے کو چھپائے ہوئے ہیں۔ ورنہ ان کی مثال سورج جیسی ہے۔ جن کی شعاعوں اور تمازت سے تمام دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ تقسیم اسناد کے جلسے میں شریک تھے۔ سٹیج پر سے اعلان ہوا کہ حضرت مولانا عزیر گل شیخ الہند کے شاگرد و خادم خاص سے درخواست ہے کہ کھڑے ہو جائیں۔ تا کہ لوگ ان کی زیارت کر سکیں۔ ہزار بار کوشش کی گئی لیکن تواضع کی بناء پر آپ کھڑے نہ ہوئے۔

پنجاب یونیورسٹی میں کسی نے ریشمی رومال تحریک پر تھیسس لکھی۔ اُس میں حضرت مولانا عزیر گلؒ کو انگریزوں کا ایجنٹ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مولانا صاحب کے ساتھ ایک ملاقات میں کسی نے اُس کا ذکر کیا اور کہا کہ حضرت آپ اُس کی رَد میں کچھ لکھ لیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ تو انتہائی استغنا سے جواب دیا۔ ”کہ لکھا کریں کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا معاملہ اللہ کے پاس ہے“۔

شیخ الہند سے نسبت تامہ

اگرچہ آپ کم گو اور خاموش طبیعت کے مالک تھے۔ لیکن حضرت بنوریؒ یا

مولانا صاحب سے ملاقات کے وقت خوب کھلتے اور شیخ الہندؒ کے ساتھ اپنے تعلقات، تحریک کے حالات یہاں تک کہ اپنے نجی زندگی کے حالات کو بھی کھل کر بیان کرتے۔ فرمایا کہ اگرچہ میں طالب العلم تھا۔ لیکن شیخ الہند کے ساتھ میری جان پہچان ایسی ہوئی کہ صوبہ سرحد کے قبائلی علاقہ سے ایک وفد شیخ الہند سے ملاقات کے لئے آیا ہوا تھا۔ شیخ الہند سے ملوانے کے لئے مشورہ سے میرا نام تجویز ہوا۔ ملاقات کے بعد شیخ الہند نے اُن کو شام کو دعوت پر بُلایا اور مجھے فرمایا کہ تو بھی آجانا۔ اُس وقت سے خصوصی تعلق شروع ہوا اور پھر یہاں تک بڑھا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند کمرے کے اندر تھے کواڑ بند تھے۔ میں باہر سے آیا تو ابھی دروازے تک نہیں پہنچا تھا کہ حضرت نے اندر سے آواز دیکر فرمایا۔ "عُزیر اندر آجاؤ"۔ میں نے کہا حضرت آپ کو کیسے پتہ چلا تو فرمایا کہ میں نے آپ کے پاؤں کے چھاپ سے پہچان لیا۔ اس پر مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان کو اپنے شیخ سے نسبت تامہ حاصل تھی۔

اِسی طرح ایک اور واقعہ مولانا صاحب کو سنایا کہ میں شیخ الہندؒ کے ساتھ بہت آزاد تھا اور بے تکلف بات کرتا تھا۔ ایک دفعہ لوگوں نے مجھے بہت ڈرایا اور دبایا کہ تمہارا ایمان خبط ہو جائیگا تو بزرگوں کے ساتھ ایسی بے باکانہ باتیں کرتا ہے۔ میں ڈر گیا اور پریشان ہو گیا۔ جا کر حضرت کو اپنا حال سُنایا کہ لوگ مجھے یوں کہتے ہیں۔ حضرت لیٹے ہوئے تھے۔ میرے کُہنی پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ شاید یہی سیدھی گفتگو آپ کی خوبی ہو۔ کوئی پرواہ نہ کرو۔ اُن کے ہاتھ مارنے سے میرے سارے اشکالات اور وسوسے دُور ہو گئے۔

حضرت مولانا سعید خان صاحب مہاجر مدنی

حضرت مولانا سعید خان صاحب اُن اولین لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے تبلیغ کے لئے مدینہ منورہ ہجرت کی ابتدائی آیام تھے اور سعودی عرب کی حالت ایسی

نہیں تھی جیسے اب ہے۔ فاقوں پر فاقے۔ یہاں تک کہ تربوز کھائے ہوئے چھلکے اُبال کر کھاتے تھے۔ آپ شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ اور مولانا صاحب کے پیر بھائی تھے۔ اُن کا قیام مسجد نور باب العوالی مدینہ منورہ میں ہوا کرتا تھا۔ حج اور عمرہ کے موقع پر مولانا صاحب بلاتردد سیدھے مسجد نور میں فروکش ہوتے۔ حضرت مولانا سعید خان صاحب، مولانا صاحب اور اُن کے رفقاء کو خوش آمدید کہہ کر اُن کے رہائش و طعام کا انتظام کرتے۔ مولانا صاحب پھر آرام سے اپنی رہائش کا بندوبست کرتے۔ اس دوران حضرت مولانا سعید خان صاحب خدمت گذاری اور مہمان داری کا فریضہ نہایت احسن طریقے سے انجام دیتے۔ کئی دفعہ جانا ہوا۔ لیکن حضرت مولانا سعید خان صاحب نے کبھی کسی سے یہ تک نہ پوچھا کہ آپ نے کبھی تبلیغ میں وقت لگایا ہے یا نہیں۔

مہمان نوازی و خدمت

مولانا صاحب اکثر اپنے رفقاء کو یورپ یا امریکہ جاتے ہوئے عمرہ کرنے کی تلقین فرماتے اور حضرت مولانا سعید خان صاحب کے نام خط دیتے یا ملنے کی فرمائش کرتے۔ حضرت مولانا سعید خان صاحب پورا پورا خیال رکھتے۔ قیام و طعام کے علاوہ، سلام پڑھوانے اور زیارتوں کا بھی اپنے جیب سے پیسے دیکر اہتمام فرماتے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ جب تک مدینہ منورہ میں قیام ہے تو کھانا یہاں آکر کھایا کریں۔ ایک دفعہ مسجد الحفائر مکہ تبلیغی مرکز میں حج کے پورے آیام میں آپ کے مہمان رہے۔ رہائش کے لئے دو کمرے اور کھانے کا پورا پورا انتظام تھا۔ حضرت مولانا سعید خان صاحب کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ اور آپ کی جیب اللہ تعالیٰ کا خزانہ تھی۔ کسی جماعت کو نقد کسی کو گھی کسی کے لئے دُنبے اور کسی کو فروٹ بھجواتے رہتے۔ رائے ونڈ اور دوسرے اجتماعات کے موقعوں پر مولانا صاحب اُن سے ضرور ملاقات کرتے اور کچھ تحفہ بھی

دے دیتے۔ حضرت مولانا سعید خان صاحب کئی دفعہ پشاور اور خاص کر یونیورسٹی بھی مولانا صاحب کے ہاں تشریف لاتے تھے۔ چونکہ دونوں کے شیخ و مربی حضرت شاہ عبد العزیز دعاجوؒ تھے۔ اس لئے مولانا صاحب اور حضرت مولانا سعید خان صاحب میں بہت یگانگت و محبت تھی۔

جناب عبد الرشید ارشد صاحب

جناب عبد الرشید ارشد صاحب ٹیلیفون انجینئر تھے۔ تبلیغ کے بڑوں میں سے تھے۔ تبلیغ کے سلسلے میں جاپان گئے وہاں ایک جاپانی توجہ و تصرف سے آدمی کو گرا دیتا تھا۔ لیکن ارشد صاحب کو نہ گرا سکے۔ فرمایا کہ میں آیۃ الکرسی کا ورد کر رہا تھا۔ جاپانی مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح پھیپھڑوں کا اپریشن بغیر نشہ لئے کروایا کہ حفظ قرآن کی تلاوت کرتا رہا اور ڈاکٹر اپریشن کرتا رہا۔ بعد میں جدہ سعودی عرب میں چیف انجینئر مقرر ہوئے۔ مولانا صاحب کے مرید محمد اسرار کو 6 نومبر 1962ء کے خط کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"عزیزم! اس عمر میں مولانا محمد اشرف جیسے مربی کا مل جانا آپ کی مزید سعادت مندی کا پتہ دیتی ہے۔ اُن کا دَم اُمت کے لئے عموماً اور پشاور والوں کے لئے خصوصاً بے حد غنیمت ہے"۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بہت مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اُن کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ وقت گذارنا اپنے لئے سعادت سمجھیں۔ اللہ کا تعلق تمام دُنیا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کی قدر پہچانیں۔ برخوردار!

آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ جہالت، ضلالت اور خدا فراموشی کے اس بحر ظلمات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اطاعت کے جزیرہ میں پناہ دی ہے۔

مزید فرمایا کہ میں نے مولانا صاحب سے عرض کیا ہے کہ اس موسم حج میں طلباء کی ایک جماعت حج کے لئے بھیجنے کی کوشش فرمائیں۔ پچھلے موسم میں علی گڑھ سے ایک جماعت آئی تھی۔

جناب مولوی غلام محمد صاحب

مولانا صاحب کے پیر بھائی تذکرہ اور ارمغان سلیمان کے مصنف اور "ارمغان سلیمان کے مرتب" جناب غلام محمد صاحب، مولانا صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "اُن کی طبیعت میں جذب کا اثر فطری ہے۔ شیخ سے گہرا قلبی تعلق ابتداء ہی سے حاصل رہا۔ قوت قلبی کی بدولت وہ باوجود دور ہونے کے اہل قرب پر سبقت لے گئے۔ بلا ارادہ دوامی تصور شیخ ان کو حاصل ہے۔ مولانا تو ہیں ہی سراپا محبت اور پیکر اخلاص بلکہ دن بہ دن ان کی محبوبیت بڑھ رہی ہے۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں مولانا صاحب کے مقالہ بنام "سلوک سلیمانی پر ایک نظر" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مقالہ نگار کی کاوش، دیانت، اخلاص، فن دانی اور شیخ سے خصوصی نسبت کی ہر سمت سے داد ملی۔ خاص کر مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی تصدیق تحسین نے ہر تصدیق سے مستغنی کر دیا۔

حضرت مولانا خیال محمد صاحب

آپ شمالی وزیرستان میر علی اَسو خیل کے رہنے والے دَوڑ تھے۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالحمید حُرمزئیؒ سے بیعت تھے۔ اور اُن کے خلیفہ

تھے۔ آپ کا تعلق تکوینیات سے تھا۔ آپ ہمیشہ مولانا عبدالمعبود صاحب بشام والے کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ مولانا عبدالمعبود صاحب کی بہت زیادہ عمر (145 سال) تھی۔ حاجی امداداللہ قدس سرہ سے بیعت تھے۔ سر ڈاکٹر محمد اقبال الملک عبدالعزیز بن سعود اور زارِ روس سے اپنے ملاقاتوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا خیال محمد صاحب کے نزدیک وہ قطب تکوین تھے۔ مولانا خیال محمد صاحب کے اپنے بھی تکوینیات کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ مولانا صاحب کے ہاں کثرت سے تشریف لاتے اور تنہائی میں ملاقات کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا صاحب کا تعلق دفتری امور سے ہے۔ اور میرا بطور خادم فیلڈ سے تعلق ہے۔ ہمیشہ انگریزی میں بات کرتے۔ بہت شائستہ الفاظ استعمال کرتے اور روانی سے بولتے۔ بات کھل کر نہ کرتے بلکہ کچھ اشارے کرتے۔ جس کو سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں تھا۔

باب۔13

خلفاء و خلفاء کے تأثرات

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کے 25 خلفاء تھے۔ جن میں سترہ اب بھی بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ اور 8 وفات پا چکے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اپنے حالات اور مولانا صاحب سے اپنی تعلق کی سرگذشت خود لکھ کر بھجوادی، البتہ چند حضرات اور متوفین کے حالات اُن کے اقرباء سے معلوم کر کے شامل کر دیئے ہیں۔

حضرت مولانا احمد جانؒ غزنی خیل خلیفہ مجاز بیعت (بقلم سید عبدالرحیم شاہ)

ہمارے محترم و مکرم جناب میر حاتم صاحب نے کئی دفعہ اس ناچیز کو فرمایا کہ حضرت مولانا احمد جانؒ کے ساتھ آپ نے زیادہ سفر کئے اور ساتھ رہے ہیں۔ اس لئے آپ کو ان کے عجیب واقعات معلوم ہیں اور حضرت چونکہ حضرت مولانا محمد اشرفؒ کے زیادہ قریبی دوست تھے۔ اس وجہ سے یہ مناسب ہے کہ حضرت کے بھی کچھ حالات و واقعات حضرت مولانا محمد اشرف کے ''سوانح حیات'' میں لکھے جائیں۔ بلکہ بقول حضرت مولانا احمد جانؒ ''میرے تین یار تھے۔ایک مولانا محمد اشرفؒ دوسرا حضرت مولانا سعید احمد خان اور تیسرا حضرت مولانا خان محمد کندیاں والے۔ فرمایا کہ دو فوت ہوگئے اب میں اور حضرت مولانا خان محمدؒ باحیات ہیں۔ معلوم نہیں کون پہلے سفر آخرت اختیار کرتا ہے''۔ حضرت مولانا احمد جانؒ پہلے فوت ہوگئے اور مولانا خان محمدؒ بعد میں۔

خاندان

اب پہلے حضرت کے مختصر حالات لکھتا ہوں جو اُن کے برخوردار حضرت مولانا روح الامین کے ذریعے ملے ہیں۔ حضرت کے والد کا نام حاجی شاہ ولی خان ہے۔ حضرت 15 اکتوبر 1929ء کو مرمنڈی عظیم گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق غزنی خیل کے بااثر اور زمیندار گھرانے سے تھا۔ پانی کی قلت کی وجہ سے گرمیوں میں لوگ غزنی خیل گاؤں سے مرمنڈی عظیم گاؤں منتقل ہو جاتے تھے۔ کیونکہ وہ سرسبز علاقہ ہے اور موسم سرما میں پھر غزنی خیل واپس آتے تھے۔

علم دِین کے حصول کا فطری جذبہ

اسباب کی فراوانی کی وجہ سے والدین نے مستقل غزنی خیل میں سکونت اختیار کی۔ حضرت مولانا اُس وقت تیسری جماعت میں تھے۔ 1945ء میں حضرتؒ نے دسویں جماعت تک عصری علوم حاصل کئے۔ اس کے بعد علم دین کے حصول کا فطری جذبہ موجزن ہوا اور 1945ء کے آخر میں ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر العلوم سہارن پور چلے گئے۔ ابھی ابتدائی کتب پڑھ رہے تھے کہ حالات نے پلٹا کھایا اور برصغیر (ہندوستان) کی تقسیم ہوگئی تو آپ واپس اپنے وطن چلے آئے اور پاکستان ہی میں اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ دوران طالب علمی 1952ء میں حج کرنے سعودی عرب چلے گئے۔ 1952ء ہی میں جامعہ انوار العلوم، گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث قاضی شمس الدینؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے ساتھ مولانا تاج محمدؒ اور حضرت مولانا احمد علی شاہؒ تتر خیل سے بھی اکتساب فیض کیا۔

تلامذہ

حضرت مولاناؒ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن میں قابل ذکر اور نمایاں شیخ الحدیث مولانا امان اللہ تجوڑی صاحب، اُستاد الحدیث مولانا صلاح الدین غزنی خیل، مولانا گل حلیم شاہ مہتمم دارالعلوم باگنڈیری نوشہرہ اور مشہور مبلغ حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب (رائے ونڈ) ہیں، جو آپ کے نقش قدم پر چل کر درس اور تبلیغ دونوں اعلیٰ طریقے پر سرانجام دے رہے ہیں۔

تبلیغی خدمات

آپ تبلیغی مرکز فیصل آباد کے خطیب رہے۔ مکی مسجد کراچی میں بھی امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دعوت و تبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان میں ایک عجیب تاثیر اور جاذبیت رکھی تھی۔ علاقائی اجتماع وغیرہ میں آپ کے بیان میں مجمع پر ایک سناٹا چھایا رہتا تھا۔ آپ کی زبان میں ایک عجیب مٹھاس تھی اور قرآن کی قرأت اور خوش اَلحانی سے پڑھنے میں ایک حیرت انگیز تاثیر ہوتی تھی۔ اس وجہ سے مجمع سارا کا سارا آخیر تک خاموشی سے بیٹھا رہتا اور دُعا سے پہلے کوئی نہ ہلتا تھا۔ اس بارے میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ 1966ء میں لنڈی کوتل میں اجتماع تھا۔ بندہ اُس وقت زرعی کالج، پشاور یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ اجتماع میں مولانا عبدالعزیز کُھلنویؒ (بنگلہ دیش)، حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ، بھائی حاجی عبدالوہاب صاحب وغیرہ کے بیانات ہوئے۔ جب آخری بیان بھی ختم ہوا تو سارے اجتماع سے ابھی تک اللہ کے راستے میں

کوئی نام نہیں آیا تو مشورے سے حضرت مولانا احمد جانؒ کو صرف آدھ گھنٹہ بیان کا موقع دیا۔ کیونکہ مطالبہ کے دوران حضرت مولانا وصولی میں بہت ماہر تھے۔ حضرت مولاناؒ نے ممبر پر آتے وقت مجمع سے پوچھا کہ حضرات نے تو مجھے صرف آدھ گھنٹہ وقت دیا ہے۔ آپ لوگ کتنا وقت بیٹھنے کے لئے تیار ہیں۔ چونکہ اکثر پٹھانوں کا مجمع تھا تو حضرت کو دیکھتے ہی مجمع میں جان آگئی اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سارے مجمع نے بآواز بلند یک زبان ہو کر کہا کہ ہم ساری رات سُننے کے لئے تیار ہیں۔ بہر حال آپ نے پہلے جنت کے بارے میں بات کی۔ اُس کے ساتھ دوزخ کا حال بیان کیا اور پھر تھوڑی دیر اللہ کے راستے میں جانے کی اہمیت اور فضائل سُنائے اور پھر خود مطالبہ کر کے سارے اجتماع سے اللہ کے راستہ میں نکلنے والوں کی کمی پوری فرمادی۔

حضرت مولاناؒ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب علمی ذہانت دی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ زُلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ نکاح نہیں ہوا۔ کیونکہ پیغمبر کی بیوی کافرہ ہو سکتی ہے۔ لیکن بدنام نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات آپ یہ فرماتے تھے کہ یہ جو لواطت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے یہ اہل باطل نے حضرت لوط علیہ السلام کے نام کو بدنام کرنے کے لئے پھیلایا۔ اس کی جگہ کوئی اور لفظ (جیسے بچہ بازی وغیرہ) بولنا چاہیئے۔ کسی نے نماز جنازہ کے بعد پوچھا کہ مولانا صاحب جنازہ کے بعد دوبارہ دُعا مانگنی چاہیئے یا نہیں۔ فرمایا کہ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) عربی نہیں سمجھتے تو پھر مانگنا چاہیئے تو وہ آدمی خاموش ہو گیا۔

آپ نے حضرت مولانا سعید احمد خانؒ کے ساتھ سعودی عرب میں تبلیغ کے سلسلہ میں کافی وقت گذارا ہے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا سعید احمد خانؒ کے پاس کوئی

سوال پوچھنے آتا تو اُس کا جواب میں دیتا۔ ایک عرب نے اعتراضاً کہا کہ تم تبلیغ میں توحید بیان نہیں کرتے۔ میں نے کہا شیخ! توحید دو قسم کا ہے (اُس نے جب یہ سُنا کہ توحید دو قسم کا ہے تو اُس نے میری طرف بڑی حیرانگی سے دیکھا کہ توحید کی دو قسمیں کہاں سے آگئیں)۔ ایک توحید تو صحابہ کرامؓ کا تھا کہ اس توحید کو لیکر ساری دُنیا میں پھیلایا اور ایک توحید تمہارا ہے کہ اپنے ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں اپنے ساتھ رکھ کر گذار رہے ہو تو عرب نے کہا شیخ! نحن مقصورین کہ ہم قصوروار ہیں۔

شاہ عبدالرحیم شاہ سے تعلق و بے تکلفی

آپ اکثر میرے پاس رات کو ٹھہرا کرتے۔ ایک رات حضرت کے ٹھہرنے کی وجہ سے میں نے بھائی ولی اللہ صاحب وغیرہ کو کھانے پر بُلایا تھا حضرت مولاناؒ کی عادت شریفہ تھی کہ مجمع میں خاموش نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ کوئی علمی، اصلاحی یا بزرگوں کے واقعات بیان کرتے تھے، فرمایا کہ ابھی قرآن لاؤ میں اُس پر ہاتھ رکھ کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ تم میں سب سے زیادہ گناہ گار میں ہوں اور اگر تمہیں کہوں تو تم میں کوئی بھی اس کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ میں مہینہ میں ایک بار کبھی کبھی حضرت کے ہاں مستفید ہونے کے لئے رات کو ٹھہر جاتا تھا۔ ایک دفعہ کھانے کے لئے ہاتھ دھونے حضرت پانی ڈالنے لگا۔ تو میں نے ہچکچاہٹ محسوس کی اور عرض کیا کہ حضرت یہ کیا کر رہے ہیں۔ فرمایا ہاتھ دھوؤ غرق نہیں ہونگے۔ مجھے ایک دفعہ بس اڈہ رخصت کرنے ساتھ جارہے تھے تو جب واپس ہونے لگے تو مُڑ کر فرمایا کہ شاہ صاحب! آپ میرے بارے میں غلط فہمی میں ہیں (مطلب یہ تھا کہ آپ مجھے بزرگ سمجھ رہے ہیں حالانکہ میں کچھ بھی نہیں ہوں) تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا حسن ظن آپ کے لئے بھی

فائدہ مند ہے اور میرے لئے بھی فائدہ مند ہے۔

حضرت مولانا اس فقیر کے ساتھ حد سے زیادہ محبت اور شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے پاؤں کا آپریشن کیا ہوا تھا۔ حضرت کو جب پتہ چلا حالانکہ خود بھی بیماری کی وجہ سے تکلیف میں تھے۔ اس حالت میں خود گاڑی میں تشریف لا کر فرمایا کہ جب مجھے پتہ چلا تو باوجود معذوری کے آپ سے ملے بغیر مجھے آرام نہیں آرہا تھا۔ حضرت جب زندگی کے آخری آیام میں بیمار تھے۔ چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ میرے بیٹے امداداللہ کی شادی ہونے والی تھی۔ میں نے قصداً حضرت کی معذوری کی وجہ سے اطلاع نہیں دی۔ لیکن حضرت کو جب پتہ چلا تو اپنے برخوردار مولوی روح الدین سلمہٗ کو فرمایا تم ایک ٹین گھی کا لیکر ضرور شاہ صاحب کے بیٹے کی شادی میں شریک ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ ہمارے پاس کبھی خالی ہاتھ نہیں آتے ہیں۔ حضرت آخری آیام میں میرے بغیر سفر نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ سفر میں بندہ ان کی طبیعت سے واقف ہونے کی وجہ سے بڑا خیال کرتا تھا۔ شوگر اور عمر کی وجہ سے طبیعت میں بڑی نزاکت آگئی تھی۔ اکثر مجھ پر غصہ فرماتے۔ لیکن میں برداشت کرتا تھا۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ حضرت سب کے سامنے بعض اوقات بہت زیادہ سخت الفاظ سنا دیتے ہیں۔ کچھ گذارہ فرمائیں۔ تو ایسے محبت کے انداز میں مجھے کندھا مار کر فرمایا کہ کسی اور کو سناؤں۔ میں نے عرض کیا کہ اب ضرور سنائیں کوئی بات نہیں۔

حضرت اکثر میرے ہاں تشریف لاتے تھے۔ بعض اوقات رات کو بھی ٹھہر جاتے۔ میں جاتے وقت ایک سو روپیہ کا نیا نوٹ (اُس وقت سو روپیہ کی قیمت تھی) دیتا کہ حضرت اس سے گھر کے لئے پھل وغیرہ لے لیں۔ ایک دن مزاحاً فرمایا کہ ہر وقت کانگریسی نوٹ دیتے ہو کبھی تو مسلم لیگی نوٹ بھی دیا کرو۔ تو میں نے پانچ سو کا نوٹ دیکر

عرض کیا کہ حضرت یہ لے لیں۔

افغانستان میں امریکہ کے مقابلہ میں جب طالبان کی پسپائی ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! سُنا ہے کہ طالبان کے کمانڈروں اور گورنروں نے مال لے لیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے آپ حیران کیوں ہوتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات ہے؟ انگریزوں کے زمانے میں ہندوستان میں جب ریشمی رومال کی تحریک انگریزوں کے خلاف چل رہی تھی تو اُس وقت حضرت حاجی امداد اللہ اُس تحریک کے سرپرست تھے۔ اُس وقت حاجی صاحبؒ کا جو خادم تھا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے لئے تہجد کے وقت لوٹا بھر کر رکھتا تھا۔ وہ انگریزوں کا آدمی تھا۔ ایک رات حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تحریک کے فُلاں کاغذات میرے فُلاں چارپائی کے نیچے پڑے ہیں کل مجھے دے دینا۔ دوسرے دن وہ آدمی بھی غائب تھا اور کاغذ بھی غائب تھے۔

اُنہی دنوں میں کچھ مدت بعد حضرت خلیفہ غلام رسول ماہڑہ ڈیرہ اسماعیل والے (حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ تھے) ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے گاؤں میں حضرت مولانا احمد جانؒ سے ملنے آئے۔ بندہ بھی ساتھ تھا تو حضرت خلیفہؒ نے حضرت مولاناؒ سے فرمایا کہ حضرت یہ کیا ہو گیا (طالبان کی پسپائی کی طرف اشارہ تھا)۔ اہل تصرّف کہاں چلے گئے تو حضرت مولاناؒ نے جواباً فرمایا کہ حضرت اہل تصرّف کی باتیں چھوڑ دو اِس وقت خوش قسمت وہ ہے جو اپنے ایمان کو بچا لے۔

حضرت جی سے بیعت

ایک دن حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ میں جب حضرت جی مولانا یوسفؒ سے ملنے کے لئے نظام الدین گیا۔ تو میں نے حضرت جیؒ سے علیحدہ وقت لیکر اُس وقت

بہت سارے اختلافی مسائل جو چل رہے تھے تو اُن کے بارے میں میں نے حضرت جیؒ سے بہت ساری باتیں کیں۔ تو حضرت جیؒ نے ساری باتیں سن کر فرمایا۔ مولانا! حضرت عمرؓ کے زندگی کا جب آخری وقت تھا تو حضرت عمرؓ نے چھ بڑے بڑے عشرہ مبشرہ صحابہ کرامؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابوطلحہؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ وغیرہ کو بلایا اور اُن سے فرمایا کہ تم آپس میں خلیفہ بننے کے لئے مشورہ کرو۔ جب اکثر کا جس ساتھی پر خلافت کی رائے آجائے تو اُن کو باہر کرکے جاکر سارے مجمع میں اعلان کردو۔ اس کے بعد ان چھ میں جو مخالفت کردے تو اُن کا سر کاٹ دو۔ کیوں! اس وجہ سے کہ ہم ایک عشرہ مبشرہ صحابی کو قربان کرسکتے ہیں۔ لیکن اُمت میں توڑ لانا برداشت نہیں کرسکتے۔ اس کے بعد میں نے بیعت ہونے کے لئے عرض کیا۔ تو حضرت جیؒ نے بیعت فرمایا اور کچھ ذکر بتانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت جب اتنے بڑے بزرگ سے بیعت کیا تو پھر ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا مولوی صاحب کچھ تو کرو۔ میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں کرونگا۔ پھر اتنے بزرگ سے بیعت ہونے کا فائدہ کیا۔ حضرت جیؒ خاموش ہوگئے، بعد میں حضرت جیؒ کو حضرت مولاناؒ سے اتنی محبت ہوگئی کہ حضرت جیؒ نے حضرت مولاناؒ کے کہنے پر غزنی خیل گاؤں میں اجتماع مقرر فرمایا اور خود تشریف لائے۔

طنز و مزاح

حضرت مولاناؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو دل کا دورہ پڑا تو میں بیمار پرسی کے لئے گیا۔ جب حضرت کے پاس گیا تو ان کے خادم خاص مولوی عبدالمنان صاحب (عرف آزاد) نے کہا کہ مولوی صاحب حضرت کو دل کا دورہ پڑا

ہے۔ آپ نے ان کو ہنسانا نہیں تو میں نے حضرت سے خوش مزاجی اور دل لگی والی باتیں کیں (جیسے حضرت مولاناؒ کی عادت تھی) تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا مولوی احمد جان بھلا آدمی ہے۔ تو میں نے باہر آ کر بطور مزاح مولانا عبدالمنان سے کہا کہ ایسے ہی خامخواہ حضرت کی خدمت اور وظیفے کر رہے ہو۔ حضرت نے کبھی آپ کو بھلا کہا مجھے حضرت نے ابھی کہا کہ مولوی احمد جان بھلا آدمی ہے۔ تو مولوی عبدالمنان نے کہا ارے تم سمجھے نہیں میں نے کہا۔ میں کیا نہیں سمجھا تو حضرت نے کیا جھوٹ بولا ہے جب حضرت نے بھلا کہا تو بھلا ہوں نا۔

ایک دفعہ رائے ونڈ مرکز میں (اُس وقت پرانی مسجد تھی) حضرت مولاناؒ نے مجھے کہا کہ چلو بھائی عبدالوہاب صاحب سے ملتے ہیں تو چلتے وقت برآمدہ میں بھائی شبیر صاحب لاہور والے ملے۔ بھائی شبیر صاحب نے کہا مولانا اتنا عرصہ کہاں رہے (اِن دنوں میں حضرت مولاناؒ نے چند سالوں کے لئے جمعیت علماء اسلام کی طرف سے سیاست میں حصہ لیا) تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا۔ بھائی شبیر سُنو۔ جب قافلہ چلتا ہے اور اُس کے ساتھ کوئی چھوٹا کُتا بھی ہو اگر وہ نظر نہ آئے تو پوچھتے ہیں کہ کُتا نظر نہیں آرہا ہے تو کیا میرا کسی نے پوچھا۔ تو بھائی شبیر صاحب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد بھائی عبدالوہاب سے ملنے کے لئے اُن کے کمرہ میں گئے تو وہاں افضل صاحب لاہور والے بھی بیٹھے تھے۔ دونوں سے معانقہ وغیرہ ہوا تو افضل صاحب نے کچھ چھیڑ خانی کی۔ چونکہ حضرت مولاناؒ کے مزاج میں بے تکلفی اور مزاح زیادہ تھی۔ تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ بھائی افضل صاحب تم نے تبلیغ میں بے اکرامی سیکھی ہے یا کوئی اکرام بھی سیکھا ہے تو سارے ہنس پڑے اور پھر فرمایا۔ کچھ کھلاؤ پلاؤ اکرام کرو۔

1993ء میں میران شاہ میں اجتماع تھا۔ اس میں حضرت مولانا محمد اشرفؒ بھی تشریف لائے، جمعہ کی نماز کے لئے حضرت مولاناؒ حضرت مولانا محمد اشرفؒ اور ہم سارے رفقاء پنڈال میں خواص کی جگہ پر گئے۔ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد بھائی عبدالوہاب صاحب ایک طرف اپنی جگہ پر کچھ ذکر وغیرہ کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ حضرت مولانا محمد اشرفؒ آپ سے ملنے کے لئے انتظار کر رہے ہیں تو حاجی صاحب جلدی اُٹھ کر حضرت مولاناؒ کی طرف آئے اور سب سے ملے۔ تو حضرت مولانا احمد جانؒ نے بطور مزاح حاجی عبدالوہاب صاحب سے کہا کہ بھائی عبدالوہاب! حضرت جیؒ تو ہمارے گاؤں تشریف لائے تھے اور آپ ایسے سیدھے نکل کر آئے تو کیا آپ حضرت جیؒ سے بہت بڑے بزرگ ہیں تو حاجی صاحب نے کہا کہ اصل میں ہمیں دیر ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے آپ کے پاس نہ آسکے تو حضرت مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ اچھا حضرت جیؒ کو دیر نہیں ہو رہی تھی اور آپ کو دیر ہو رہی تھی تو حاجی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو جیسے حاجی صاحب کی عادت ہے مکا اُٹھا کر حضرت مولاناؒ کی طرف بڑھے تو حضرت مولاناؒ نے پیچھے ہٹ کر فرمایا کہ اچھا آپ سچ بولنے سے ناراض ہوتے ہیں تو میں سچ نہیں بولوں گا تو اس پر سارے ساتھی ہنس پڑے اور اُس وقت خوشی کا ایک سماں تھا۔

ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ میں ایک دفعہ بھائی عبدالوہاب صاحب کے ساتھ سفر کر رہا تھا مجھے چائے کا تقاضا ہوا عبدالوہاب صاحب تو چائے پیتے نہیں میں نے زور سے کہا۔ اے اللہ! بھائی عبدالوہاب کے دل میں ڈال دے کہ مجھے چائے پلا دے تو عبدالوہاب صاحب نے پوچھا کہ مولوی صاحب چائے پینی ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے آپ سے تھوڑی مانگی ہے۔ میں نے تو اپنے رب سے مانگی۔ تو بھائی عبدالوہاب صاحب نے

ڈرائیور سے کہا کہ کوئی مناسب جگہ آجائے تو مولوی صاحب کو چائے پلاؤ۔

طالبان کی حکومت کے وقت حضرت مولاناؒ کے بڑے برخوردار مولوی صادق امین نے بال کندھوں تک لمبے رکھے تھے میں نے حضرت مولانا سے پوچھا کہ حضرت سر کے بال کہاں تک رکھنا سنت ہے تو فرمایا کہ حضور ﷺ سے بال کندھوں تک اور کندھوں سے تھوڑا اوپر تک ثابت ہے۔ لیکن آخیر عمر میں کانپٹی تک ثابت ہے اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ نے حضور ﷺ کے زندگی کا آخری عمل لیا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا وہ عمل زیادہ معتبر ہے جس پر آخیر میں عمل فرمایا ہو۔

ایک دفعہ حضرت مولاناؒ کے ساتھ پشاور جانا ہوا۔ رات کو قیام کسی اور ساتھی کے پاس تھا۔ صبح سویرے حضرت مولانا محمد اشرفؒ کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت سے اُن کے دولت خانہ پر گئے۔ نماز حضرت مولاناؒ نے پڑھائی۔ اُس وقت حضرت مولانا محمد اشرفؒ معذوری کی وجہ سے پلنگ پر بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ میں ان کے ساتھ صف میں کھڑا تھا۔ جب حضرت مولاناؒ سلام پھیرنے کے بعد ہماری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئے تو میں نے حضرت مولانا محمد اشرفؒ کو کہا کہ حضرت اس دفعہ عطاء اللہ تونسوی (جو بریلی مسلک کا تھا) نے الیکشن میں پندرہ ہزار ووٹ لئے اور یہاں سے بہت سارے شکرانے (رقم) بھی لے گئے۔ اس وجہ سے آپ حضرت مولاناؒ کو اجازت دے دیں تاکہ وہاں مروت کے علاقہ میں تزکیہ کا کام شروع فرمالیں۔ تو حضرت مولاناؒ نے برجستہ جیسے اُن کا یہ تکیہ کلام تھا پشتو زبان میں کہا۔ شاہ صاحب مہ م غرقوہ (یعنی غرق نہ کرنا) مطلب یہ تھا کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں تو حضرت مولانا محمد اشرفؒ نے مجھے فرمایا کہ بیٹا! میں اُن کو اجازت کیسے دوں یہ تو خود ہمارے بڑے اور بزرگ ہیں۔ میں نے دوبارہ عرض کیا کہ

حضرت آپ اجازت دیں تو حضرت مولاناؒ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔

ایک دن میں نے حضرت مولانا محمد اشرفؒ کو بطور مشورہ عرض کیا کہ حضرت آپ اپنے خلفاء کی فہرست لکھ لیں تاکہ بعد میں کوئی جھوٹا دعویٰ نہ کرے کہ میں بھی حضرت کا خلیفہ مجاز ہوں۔ تو حضرتؒ نے فہرست لکھ لی اور فہرست میں صرف حضرت مولانا احمد جانؒ کے نام کے ساتھ حضرت اور بعد میں مد ظلۂ العالیٰ لکھا تھا۔ حضرت مولانا احمد جانؒ جب کبھی رات کو قیام کی نیت سے حضرت مولاناؒ کے پاس تشریف لے آتے تو رات کو کافی دیر تک مولوی حضرات کی مجلس لگی رہتی تھی۔ اُس وقت سکون اور خوشی کا ایک عجیب منظر ہوتا تھا۔ حضرت مولانا احمد جانؒ کبھی حکیم سنائی کے اشعار عجیب ترنم کے ساتھ سناتے تو حضرت مولاناؒ ایک عجیب حال میں ہوتے اور بہت سارے اللہ کے نعرے لگاتے۔ اُس وقت یہ جملہ زیادہ مناسب تھا۔

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو (یعنی اللہ کے عاشق)

حکیم سنائی کے اشعار ترنم سے پڑھا کرتے تھے۔

محمد سراج صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بندہ نے مولانا احمد جان صاحب کو اپنے گھر مدعو فرمایا۔ خان بہادر خان مروت صاحب نے بتایا تھا کہ آپ کو دیسی مُرغ زیادہ پسند ہیں بہ نسبت پولٹری فارم والے مُرغوں کے، اس لئے بندہ نے اس کا انتظام کیا اور نسوار کی عادت کی وجہ سے ساتھ ہی ساتھ تھوک دان بھی رکھ دیا۔ جب آپ ہمارے گھر تشریف لائے تو عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ ہم عشاء کی نماز کے لئے مسجد گئے۔ جب ہم واپس آئے تو آپ نے کھانا شروع کیا ہوا تھا اور فرمایا کہ مہمان کو کھانا

کھانے کی اجازت ہے اور اس کے لئے میزبان کا انتظار ضروری نہیں اور تھوک دان کا موجودگی پر انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔

ہم شاہ عبدالرحیم صاحب کے بیٹے کی شادی کے موقع پر لکی گئے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کا گھر لکی کے تبلیغی مرکز کے قریب ہے، چنانچہ وہاں نماز پڑھنے گئے اور حضرت مولانا احمد جانؒ کا بیان سُنا۔ آپ نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں اتنا مدلل بیان فرمایا کہ ابھی تک یہی آرزو باقی ہے کہ کاش اُس کو لکھ لیتا۔ علاقہ مروت کے باسی ہونے کے ناطے آپ کا لہجہ اگرچہ ہم یوسف زیوں سے کافی بدلا ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی آپ کی تقریر میں بلا کی تأثیر تھی اور سامعین کو زبان کی ناآشنائی کے باوجود عدم التفات کا شکار نہ ہونا پڑا، چنانچہ کرک کے اجتماع میں آپ تقریر فرما رہے تھے اور ہم آپ کے خوش کلامی اور شیرین بیانی سے محظوظ ہو رہے تھے۔ آپ کے بیان کا ایک فقرہ تاہنوز یاد آرہا ہے۔ ''اُبن پہ کوڈل کښې نہ ځائیګی'' (یعنی اونٹ مرغیوں کے ڈربے میں نہیں سما سکتا)۔ غرض مرحوم بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ جن کا صحیح ادراک وہی شخص کر سکتا ہے جس کی آپ کے ساتھ صحبت گذری ہو۔ خدا تعالیٰ اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں مقامِ خاص مرحمت فرمائے اور پس ماندگان کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تبلیغی اسفار

آپ نے حضرت جی مولانا یوسفؒ، حضرت مولانا انعام الحسنؒ اور مفتی زین العابدینؒ کے ہمراہ کافی تبلیغی اسفار کئے۔ اس سلسلہ میں اندرون ملک کام کرنے کے

علاوہ بیرون ملک تقریباً 25 سے زیادہ ممالک مثلاً سعودی عرب، شام، بنگلہ دیش، عراق، مصر، ایران، اُردن، افریقہ، الجزائر، مسقط، عمان، ترکی، ملائیشیاء، تھائی لینڈ، سنگاپور، چین، فرانس، انڈیا، متحدہ عرب امارات وغیرہ میں کام کیا۔

وصیت نامہ

اِسلامی ہدایات کے مطابق آپ نے وفات سے قبل درجہ ذیل وصیت نامہ لکھ رکھا تھا۔ ”میری مملوکہ اور غیر مملوکہ کتب مدرسہ تعلیم الدین کے لئے وقف ہیں۔ حسب توفیق میرے لئے جملہ مراکز تبلیغ اہل مدارس اور جمعیت علمائے اِسلام کے سرکردہ احباب سے خطوط کے ذریعے معافی مانگی جائے۔ میری جائیداد عین شریعت کے مطابق تقسیم کی جائے۔ اس کے ساتھ یہ وصیت بھی کی تھی کہ مجھے کسی چھوٹے بچے کی قبر کے قریب دفن کیا جائے۔ خدائے رحمان کے ہاں پیشی ہے۔ سزا دے تو اُس کا حق ہے مگر سزا دینے سے اُس کی حکومت بڑھتی نہیں، اگر وہ معاف کردے تو یہ اُس کی شان کے لائق ہے۔ جملہ مسلمانوں سے درخواست ہے کہ اس پیشی میں کامیابی اور سرخ روئی کے لئے دُعا فرمائیں۔ آمین ثمہ آمین“۔

سید عبدالرحیم شاہ آباخیل خلیفہ مجاز بیعت

بندہ عبدالرحیم شاہ ولد عبدالحنان مرحوم قوم سید سکنہ آباخیل مقیم محلہ مسلم آباد نزد تبلیغی مرکز لکی مروت کی تاریخ پیدائش 1945ء ہے۔ 1952ء میں سکول میں پہلی کلاس میں داخلہ ہوا۔ لوئر مڈل سکول آباخیل سے چھٹی کلاس پاس کرکے ساتویں کلاس کے لئے گورنمنٹ ہائی سکول لکی میں داخلہ لیا۔ 1962ء میں والد صاحب نے

میری شادی کر دی۔ 1963ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کر کے مزید تعلیم کے لئے زرعی کالج، پشاور یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ 1969ء میں کالج سے فارغ ہو کر حضرت مولاناؒ کی کوشش سے ایک سال رورل اکیڈیمی، پشاور میں سروس کی، اور حضرت مولاناؒ کے حکم پر اُن کے ہاں (خدمت کی نیت سے) قیام رہا۔ اس سے پہلے بھی حضرت نے میرا چھ ماہ اپنے ہاں قیام رکھا۔ اُس کے بعد 1971ء میں ایگریکلچرل ریسرچ انسٹیٹیوٹ رتہ کلاچی فارم ڈیرہ اسماعیل خان کاٹن سیکشن میں بطور ایگریکلچرل ریسرچ آفیسر تعیناتی ہوئی۔ تیس سال ڈیرہ اسماعیل خان، تین سال ساہیوال، پنجاب اور تین سال سرائے نورنگ، لکی مروت میں سروس کی۔ اور حضرت کی دعاؤں سے اللہ نے ان تینوں مقامات میں خوب تبلیغ کا کام لیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

1985ء میں پہلی دفعہ 7 ماہ جماعت میں سنگاپور، مشرقی ملیشیا اور برونائی کے ملکوں میں اللہ تعالیٰ دعوت و تبلیغ کی نیت سے لے گیا۔ اس کے بعد دوبارہ 1993ء میں ایک سال کی جماعت میں مغربی، مشرقی ملیشیا، تھائی لینڈ اور لاؤس کے ملکوں دعوت و تبلیغ کے لئے لے گیا۔ اور اُسی سفر کے آخر میں حج کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

1994ء میں سال کی جماعت کے سفر سے واپس آ کر اللہ تعالیٰ نے امریکہ میں چالیس دن ٹریننگ کا انتظام فرمایا۔ وہاں پر تبلیغ والے احباب سے مل کر خوب گشتوں کا موقع ملا۔ اور واپسی پر اللہ تعالیٰ نے عمرہ کی سعادت بھی نصیب فرمائی۔ خدا کی شان جتنا خرچہ سال کی جماعت میں ہوا تھا۔ اُتنا ہی اللہ تعالیٰ نے امریکہ کے ٹریننگ میں دیدیا۔ اس لئے حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیتے ہیں لیتے نہیں، جیسے صحابہ کرامؓ نے کچھ مکان

چھوڑے تو اللہ تعالیٰ نے ملک دیئے یعنی ملکوں کے گورنر بنے۔ اور یہ سارے دینی و دنیاوی انعامات کا ملنا حضرت مولاناؒ کی دُعاؤں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرفؒ اُن مبارک ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے 1960ء کو پشاور یونیورسٹی میں سب سے پہلے دعوت اور تصوّف کا کام بڑی حکمت اور خوش اسلوبی کے ساتھ شروع کیا اور اسی یونیورسٹی سے پاکستان کی دیگر یونیورسٹیوں اور کالجوں کو جماعتیں گئیں اور وہاں دعوت کا کام شروع ہوا۔ بلکہ پشاور یونیورسٹی سے دعوت کے کام میں لگنے والے باہر ملکوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جاکر وہاں پر دعوت کے کام کو شروع کرنے کا ذریعہ بنے۔ اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضرتؒ، حضرت مولانا عبد الحقؒ سے ملنے کے لئے اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے۔ بندہ بھی ساتھ تھا حضرتؒ نے حضرت مولانا عبد الحقؒ سے پوچھا کہ حضرت مدرسہ کیسے چل رہا ہے۔ فرمایا کہ اللہ پاک بعض اوقات اپنے دین کا کام بغیر اسباب کے بھی چلا دیتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ میرے دین کا کام اسباب کا محتاج نہیں۔ اس کے بعد ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت دین کا کچھ کام نہیں کیا۔ تو حضرت مولانا عبد الحقؒ نے فرمایا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس جگہ پر آپ سے دین کا کام لیا۔ وہاں ہم لوگ نہ جاسکتے ہیں اور نہ ہم کو ان سے بات کرنے کا طریقہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ میں جب کسی سے دین کا کام لینا چاہوں تو ایسے آدمی سے بھی لے سکتا ہوں جو پاؤں سے، کانوں سے، صحت سے ہر لحاظ سے معذور ہے۔

حضرت مولاناؒ سے پہلا تعارف

1960ء میں لکی مروت میں پہلا تبلیغی اجتماع ہوا۔ جس میں آپ نے بھی بیان

کیا۔ میں اُس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا اور یہاں میری حضرتؒ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ 1963ء میں جب میں نے پشاور یونیورسٹی ایگریکلچرل کالج میں داخلہ لیا۔ تو محترم اُستاد محمد سراج صاحب کے ذریعہ حضرتؒ سے بیعت کا تعلق ہوا۔

حضرتؒ کی مجلس

حضرتؒ کی عصر سے عشاء تک مجلس ہوتی تھی۔ اکثر کالج اور یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ ان کی مجلس میں جاتے تھے۔ بندہ بھی حاضری دیتا تھا۔ حضرتؒ کا معمول یہ تھا ہر آنے والے مہمانوں کا حال احوال پوچھتے۔ پھر فرماتے کسی نے کوئی سوال پوچھنا ہے۔ کوئی پوچھتا تو حضرت ارشاد فرماتے۔ ورنہ بعض اوقات خود کسی موضوع پر بات شروع فرماتے۔ ایک مرتبہ وانا جنوبی وزیرستان سے کوئی مہمان آیا تھا۔ حضرتؒ نے شام سے کچھ دیر پہلے بات ختم فرمائی تو اُس جنوبی وزیرستان والے مہمان سے پوچھا۔ آپ نے کوئی بات پوچھنی ہے۔ مہمان نے کہا کہ میں نے جو سوالات کرنے تھے۔ اُن کے جوابات آپ نے پہلے سے فرمادیئے۔

نفس کو قابو کرنا

ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ حضرت نفس و شیطان کے شرور سے کیسے بچا جائے۔ تو فرمایا یہ مقابلہ دو سے نہیں بلکہ ایک سے ہے۔ نفس کو قابو کرلو تو شیطان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نفس کا علاج یہ ہے کہ نفس کے ناجائز تقاضوں پر قصداً عمل نہ کیا جائے۔ فرمایا نفس کو مارنا مقصود نہیں بلکہ نفس کو سُدھارنا مقصود ہے۔ نفس کو اللہ کے حدود تک پابند کرنا نفس کو قابو میں لانا ہے۔ حدود اللہ میں رہنا ہی اعتدال ہے۔ ہمارے

حضرت شاہ عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک قدم نفس پر دوسرا قدم جنت میں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىo

''جو قیامت کے دن اللہ کے سامنے جانے سے ڈرا اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے روکا تو اُس کے رہنے کی جگہ جنت ہے''۔

اب نفس کو لگام کیسے ڈالی جائے؟ اس کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک جامع اور اچھا طریقہ اس کے لئے یہ ہے کہ جس وقت نفس گناہ پر اُبھارے تو فوراً اللہ کی حضوری کا خیال دل میں لاؤ۔ کہ اگر گناہ میں نے کر لیا تو کل قیامت میں اللہ کو جواب دینا ہو گا۔

بچے کی تربیت

ایک مرتبہ بچے کی تربیت کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے حضرت شاہ عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے۔ بچپن کی عادت پچپن تک نہیں جاتی۔ ہم کہتے ہیں کہ بچہ ابھی چھوٹا ہے۔ پودا جب چھوٹا ہوتا ہے تو اس کا سیدھا کرنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب بڑا ہو جائے تو اس کا سیدھا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس طرح بچے کی بچپن سے تربیت کی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ بچے کے کان میں سب سے پہلے اذان دی جاتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر بچے کو بنانا ہے تو بچے کے دل کے اندر اذان دینی ہے۔ بچے کو اگر بنانا ہے تو پہلے ماں باپ کو بننا پڑیگا۔ کیونکہ بچوں کے لئے والدین سب سے بڑا نمونہ ہوتے ہیں۔

حضرتؒ کے تربیت کا طریقہ

حضرت مولاناؒ کے ہاں تربیت کا ایک عجیب مشفقانہ، عاجزانہ اور حکمت آمیز

انداز تھا۔ ایک دفعہ سالانہ اجتماع کے لئے رائے ونڈ تشریف لے جارہے تھے۔ راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ رات میاں محمد اقبال صاحب کے ہاں راولپنڈی ٹھہرے۔ شام کے کھانے پر جب میں حضرتؒ کے لئے پلیٹ میں سالن وغیرہ ڈالنے لگا تو چپکے سے فرمایا پرائی جگہ ہر آدمی میزبان نہیں بنا کرتا۔ اس طرح ایک مرتبہ شب جمعہ کے اجتماع میں میں نے اپنے گاؤں والے ایک ساتھی کا تعارف اس انداز سے کرایا کہ حضرت یہ ہمارے گاؤں کا ہے۔ فرمایا ایسے کہو کہ میں ان کے گاؤں کا ہوں۔ اکرام اسی میں ہے۔ ایک مرتبہ ایک ساتھی نے تازہ وضو کر کے بغیر منہ ہاتھ خشک کئے حضرتؒ سے مُعانقہ کیا تو حضرت نے مسکراہٹ کے ساتھ مزاحیہ انداز میں فرمایا۔ خدا کے بندے میں تولیہ تھوڑا ہوں۔

ایک دفعہ ایک ساتھی نے پوچھا کہ حضرت مولانا صاحب یہ خنزیر کیوں حرام ہے؟ فرمایا مسلمان کے لئے تو یہی کافی ہے کہ اللہ کا حکم ہے اور غیر مسلم کے لئے یہ جواب ہے کہ جیسے خوراک کے وٹامن وغیرہ کا جسم پر اثر ہوتا ہے۔ ایسے ہی خوراک کا روح پر بھی اثر ہوتا ہے۔ چونکہ خنزیر بہت بے حیاء ہے۔ اس لئے جن ممالک والے اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ وہاں پر بے حیائی بہت زیادہ ہے۔

اللہ پاک سے ملاقات کا شوق

حضرتؒ کو بیماری کی وجہ سے سردی بہت زیادہ لگتی تھی۔ ایک مرتبہ غالباً 1964ء میں جمعہ کے دن نہانے کی غرض سے حضرتؒ کے لئے غسل خانہ میں پہلے سے انگیٹھی رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے کافی گیس غسل خانہ میں جمع ہو گئی تھی۔ حضرت کو خادم نے اندر کر کے پیچھے سے بولٹ لگایا۔ وقت بہت گذرا۔ لیکن حضرتؒ نے آواز نہ دی۔ تو خادم کو شک گذرا۔ جب دروازہ کھولا تو حضرتؒ غسل خانہ میں بے ہوش پڑے

تھے۔ کافی دیر کے بعد ہوش آیا۔ جب ہم عصر کے وقت بیمار پرسی کے لئے گئے تو حضرتؒ اپنی بیٹھک میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے فرمایا۔ کیا اچھا ہوتا آج جمعہ کے دن اللہ میاں سے ملاقات ہو جاتی۔ لیکن اللہ میاں کو منظور نہیں تھا اور پھر فرمایا کہ انسان پر تکالیف اللہ کی طرف سے کئی وجوہ سے آتی ہیں۔ جو فاسق ہوتے ہیں تو اللہ پاک اس لئے ان کو تکلیف دیتے ہیں۔ تاکہ وہ گناہوں سے رُک جائیں۔ جو گناہ گار ہوتے ہیں تو اللہ پاک اُن کے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے اُن کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور جو نیک لوگ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرنے کے لئے تکالیف میں مُبتلا فرما دیتے ہیں۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو 25 جنوری 1982ء میں بلڈ پریشر، شوگر اور دل کے عارضہ کی وجہ سے خیبر ہسپتال، پشاور میں داخل کیا گیا۔ حضرتؒ نے مجھے ایک ہفتہ کے لئے خدمت کے لئے بُلایا تھا۔ بندہ 25 فروری 1982ء بروز ہفتہ حضرتؒ کے ہاں ہسپتال حاضر ہوا۔ تو اُس رات حضرتؒ کو دل کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ کمزوری کی وجہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ بندہ نے جب ہاتھ ملانا چاہا تو حضرتؒ نے گلے لگایا اور فرمایا۔ اچھا ہوا کہ شاہ صاحب آ گئے۔ اب یہ ہمیں دَم کریں گے۔ پہلے ہم اُن کے لئے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ اب یہ ہمارے لئے ہاتھ اُٹھائیں گے۔ پھر فرمایا۔ بھائی زندگی جاتی ہے اور پھر آتی ہے۔ سُن لو۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حضرتؒ نے بطور شکایت فرمایا۔ شاہ صاحب کب سے آئے ہیں۔ ہم پر دَم بھی نہیں ڈالتے۔ پھر بندہ نے بوجہ تعمیل ارشاد دَم کیا۔ بروز اتوار جناب جسٹس حکیم خان صاحب ملنے اور بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ تو حضرت نے اپنی بیماری وغیرہ کے حالات سُنا کر پھر مکہ مکرمہ میں حج کے دوران اپنی بیماری کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا کہ جس دِن بیماری سے افاقہ ہوا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے

اچانک میرے دل میں یہ بات ڈال دی اور زبان پر بے اختیار غالب کا یہ شعر جاری فرمایا۔

ہاں، وہ نہیں وفا پرست، جاؤوہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز، اُس کی گلی میں جائے کیوں

قادیانیوں سے مناظرہ

ایک مرتبہ حضرتؒ کے مکان پر عصر کے بعد ایک تعلق رکھنے والے پروفیسر نے پوچھا کہ کیا دوسرے نبی کے آنے کی ضرورت ہے تو حضرتؒ بڑے حیران ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا۔ تو اُنہوں نے کہا کہ ہمارے ایگریکلچرل کالج میں دو قادیانی پروفیسر ہیں۔ اُن کے ہاں عصر کے وقت ہم ٹیبل ٹینس کھیلتے ہیں۔ تو ایک دن اُن دو پروفیسروں نے ایسے ہی باتوں میں کہا۔ کیا دوسرے نبی کی آنے کی ضرورت ہے؟ تو اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ کسی وقت مجھے ان کے گھر لے چلو۔ حضرتؒ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ کافی احباب جمع تھے۔ حضرتؒ نے وہاں اس پر خوب مفصل و مدلل تقریر فرمائی کہ کیا حضور ﷺ کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت ہے؟ اس کے بعد ان کے ساتھ مناظرے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یونیورسٹی کے ساتھ ملحقہ فارسٹ کالج میں ایک اور قادیانی پروفیسر تھے۔ آخری دفعہ اُس کے گھر مناظرہ ہوا۔ حضرت ان قادیانوں کے ساتھ مناظرے کے سلسلے میں اُن کی بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس دوران حضرتؒ کے ایک تعلق رکھنے والے انجینئرنگ کالج میں پڑھتے تھے۔ اُنہوں نے بھی قادیانی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ تاکہ حضرتؒ کے ساتھ مناظرہ میں تعاون کر سکیں۔ تو اُن کو ایک رات حضور ﷺ خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا کہ تم

ان کتابوں کو نہ پڑھو۔ ہمارا محمد اشرف اُن کے لئے کافی ہے۔ آخری مناظرے کے وقت میں بھی ساتھ تھا۔ قادیانیوں نے پنجاب سے ایک بہت بڑے مناظر کو بُلایا تھا۔ اُس نے جب بات شروع کی اور بات کرتے وقت جب یہ کہا۔ مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں ختم نبوت کی یہ تشریح کی ہے کہ دوسرا نبی آسکتا ہے۔ تو حضرت مولاناؒ نے جلال میں آکر فرمایا۔ کہ گدھے ہمارے بڑوں پر بہتان کیوں باندھتے ہو۔ اُنہوں نے تو اس کتاب کے فلاں صفحہ پر ختم نبوت کے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ مناظرہ ختم ہوگیا۔ بعد میں حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب آٹھ سال پہلے پڑھی تھی۔ لیکن اُس کا وہ صفحہ مجھے بالکل اُسی طرح یاد تھا۔ یہ حضرتؒ کی کرامت تھی کہ اُس مناظرہ کے تھوڑے عرصے بعد وہ تینوں پروفیسر یونیورسٹی چھوڑ کر چلے گئے۔ اور حضرتؒ کے مناظرہ کی برکت سے یونیورسٹی اُن کی نحوست سے پاک ہوگئی۔

دین کے بڑوں کی عظمت اور محبت

حضرت مولاناؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اپنے دیوبند کے بڑوں کی بے ادبی اور گستاخی بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے جماعت اسلامی والوں سے بہت متنفّر تھے۔ ایک دفعہ صبح کی نماز کے بعد جماعت اسلامی والوں کے بارے میں بات چلی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اگر ایک طرف حضرت آدم علیہ السلّام سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام اور پھر تمام صحابہؓ اور ائمہ کرام اور آج تک کے سارے علماء اور بزرگ موجود ہوں اور دوسری طرف مودودی صاحب ہوں تو یہ لوگ مودودی صاحب کی بات مانیں گے۔ ان کے لٹریچر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان کا لٹریچر وہ پڑھے جو عالم ہو۔ جو چاول کھاتے وقت دانتوں میں پتھر

محسوس کر سکتا ہو۔ بغیر دانت والے کو کیا پتہ چلے گا۔ اِسی طرح ان کے لٹریچر میں کوئی عالم ہی غلطی پکڑ سکتا ہے۔ غیر عالم کو پتہ نہیں چل سکتا۔ ایک مرتبہ رائے ونڈ کے اجتماع میں حضرت کی خدمت میں ایک پروفیسر داؤد غزنوی لاہور والے ملنے آئے۔ تو اُنہوں نے حضرتؒ سے کئی مرتبہ پوچھا کہ مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کیسی ہے؟ تو حضرتؒ نے دو تین دفعہ ٹالنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اُنہوں نے بار بار اصرار کیا تو حضرتؒ کا چہرہ بدل گیا اور جلال میں آکر فرمایا۔ ایمان شِکن کتاب ہے۔ ایمان شِکن کتاب ہے۔

تصوّف کا مقصد

جناب محمد حکیم صاحب جو اسلامیات کے پروفیسر اور حضرت مولانا عبد الحمید ہُرمزی صاحب (جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے) کے مجاز بیعت بھی ہیں۔ 29 رمضان 1402ھ بمطابق 21 جولائی 1982ء کو بندہ نے حضرتؒ سے ان کی بیعت کے بارے میں پوچھا۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر پہلے حضرت ہرمزیؒ نے اجازت دی ہے تو پھر دوبارہ بیعت کی ضرورت نہیں۔ البتہ تربیت جیسے حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کسی سے بھی کرا سکتے ہیں۔ دوبارہ بیعت ہونے کی گنجائش ہے۔ جس کے لئے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب (جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ہیں) سے اپنا سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اُن کی آپ سے زیادہ مناسبت ہے۔ وہ آپ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ تو فرمایا تعلیم کے لئے بندہ حاضر ہے۔ باقی حضرت تھانویؒ والی بات کہ ہم کسی کے پیچھے پڑتے نہیں اور نہ ہمارے ہاں (حضرت سیدؒ والی بات) گوٹے کی ٹوپی ہے۔ ہاں خدمت سے انکار نہیں۔ لیکن دوبارہ اپنے سے بیعت کرنے کو سوءِ ادب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ حضرت مولانا عبد الحمیدؒ ہمارے چچا پیر تھے یعنی حضرت سید سلیمان ندوی

کے پیر بھائی تھے۔ دوبارہ بیعت ہونا جب پہلے شیخ نے اجازت بھی دی ہے۔ تو ایک معنی میں پہلے شیخ سے بدگمانی بھی ہے کہ وہ کامل نہیں تھے۔ میری صحیح تربیت نہ کر سکے۔ پھر فرمایا کہ اذکار وغیرہ وہی جاری رکھیں البتہ ایک مراقبہ کیفیت احسان جو سارے تصوف کا حاصل ہے۔ ان کے لئے بہت مفید ہے۔ آدمی دس پندرہ منٹ کے لئے یہ سوچے کہ اللہ مجھ سے راضی ہیں اور محبت کی نگاہ سے میرے دل کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر اللہ کے عشق سے بھری ایک دل سوز آہ کھینچ کر فرمایا۔ او بھائی! اصل چیز تو اللہ کی رضا ہے۔ ساری دُنیا مرید ہو جائے اور اللہ راضی نہ ہوں تو کیا فائدہ۔ حضرت تھانویؒ والی بات کہ لوگ قطب کہیں، غوث کہیں اور اللہ راضی نہ ہو تو کیا فائدہ۔ پھر درود شریف کی کثرت کے بارے میں فرمایا کہ اس سے حضور ﷺ کے فیوض و برکات نصیب ہوں گے۔ البتہ اس کے ساتھ حضور ﷺ کی کامل اتباع بھی ہو۔ بندہ نے عرض کیا۔ حضور ﷺ کے روضہ پاک کو اپنے دھیان میں لا کر اس دھیان سے درود شریف پڑھنا کیسا ہے کہ اللہ کی رحمت حضور ﷺ کی ذات اقدس سے میرے دل میں آرہی ہے۔ فرمایا۔ ٹھیک ہے۔

ایک مرتبہ حضرتؒ سے کسی نے عصر کی نماز کے بعد اپنے شیخ سے علاج کے بارے میں پوچھا کہ میں تو اُن سے شرماتا ہوں اپنا عیب کیسے بتاؤنگا تو فرمایا کہ اللہ والوں سے کیوں شرماتے ہو۔ وہ تو اپنے آپ کو کُتے اور خنزیر سے بدتر سمجھتے ہیں۔ اور جو اپنے کو کچھ سمجھے۔ وہ تو شیطان کے مقام پر پہنچ گیا۔ کیونکہ شیطان نے کہا تھا۔ انا خیر منه "کہ میں اس سے بہتر ہوں"۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے 22 نومبر 1971ء کو بوقت صبح رخصت کرتے وقت ذیل کے چند اشعار ایک عجیب کیفیت کی حالت میں بندہ کو ارشاد فرمائے تھے۔

فرمایا ذیل کے دو شعر حضوریٔ قلب کے لئے بہت موزوں ہیں۔

میرے دل میں آجا تو ارمان ہو کر
دوئی دور کردے میری جان ہو کر
حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی
آ دِل میں میرے آجا اے صورت جانانہ

فرمایا کہ ذیل کا شعر دل کی وساوس دور کرنے کے لئے بہت موزوں ہے۔

دور باش اذکار باطل دور باش اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہ خوباں کے لئے دربار دل

اس کے بعد حضرت نانوتویؒ کے چند شعر پڑھتے رہے اور ایک وجد کی کیفیت میں جھومتے رہے۔ جن کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

دلم از نقش باطل پاک فرما

پھر ذیل کا شعر پڑھا۔

حریم دِل سے باہر آ کے تو ڈھونڈو ذرا مجھ کو
تمہاری یاد کی محویتوں نے کھو دیا مجھ کو

تکبر کا علاج

22 جمادی الثانی 1400ھ کو حضرتؒ کے مکان پر عصر کے بعد ایک عالم نے پوچھا کہ حضرت اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ ”جس کی طرف لوگوں کی اُنگلیاں اُٹھنے لگیں وہ ہلاک ہو گیا“۔ فرمایا لوگوں کی عزت اور تعظیم کرنے کی وجہ سے آدمی کے اندر تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ تکبر کیا ہے؟ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو

چھوٹا سمجھنا۔ عُجب میں صرف اپنے آپ کو اچھا سمجھنا ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ کو پست سمجھتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کو بلند کرتا ہے۔ اور جو اپنے کو بالا سمجھتا ہے۔ اللہ اُس کو پست و ذلیل کرتا ہے۔ فرمایا! ہمارے حضرت سید سلیمان ندویؒ نے حضرت تھانویؒ سے کچھ نصیحت کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ آپ خود عالم و فاضل ہیں۔ آپ نے پھر اصرار کیا تو فرمایا ہم نے جو کچھ اپنے بڑوں سے پڑھا یا سُنا ہے۔ بس یہی کہ اپنے آپ کو مٹاتے جاؤ۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہ سمجھو۔ فرمایا! رب کی مرضی پر چلنے کا نام ہدایت ہے اور نفس کی مرضی پر چلنے کا نام گمراہی ہے۔ عبادت پر استکبار برائی پر اصرار سے زیادہ اشد ہے۔ فرمایا اپنے آپ کو مٹانے کا علاج یہ ہے۔

پڑی جب اپنے عیبوں پہ نظر
تو نظر میں کوئی بُرا نہ رہا

اُس شخص کو کیا زیب دیتا ہے کہ تکبر کرے جو کہ خود گندگی سے بھرا ہوا ہے۔ انسان کے اندر دو چیزیں ہیں۔ ایک اُس کا بدن اور دوسرے اُس کے بدن سے نکلنے والے اعمال۔ بدن تو سارا گندا اور اعمال کی قبولیت کا کیا پتہ ہے تو ناز کس چیز پر کرتے ہو۔ میں نے حضرت سید سلیمان ندوی سے پوچھا کہ اپنے عیبوں کا کیسے پتہ چلے۔ فرمایا۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰي نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ O اپنے بُرے اعمال اور عیب یقینی ہیں اور دوسرے کے عیب ظنّی ہوتے ہیں۔ خدا کی عظمت اور بڑائی کو سامنے رکھنا اور اپنے عیبوں پر ہر وقت نگاہ رکھنا اور آخیر وقت تک اس کا خیال رکھنا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کی جامعیت

حضرت مولاناؒ جامع الصفات تھے۔ یہ ان کا کمال تھا کہ یونیورسٹی جیسے بے دینی

کے ماحول میں اُنہوں نے تبلیغ اور تصوف (تزکیہ و سلوک) دونوں کو ایک عجیب انداز اور حکمت سے چلائے رکھا اور اس کے ساتھ پڑھنے پڑھانے اور تالیف و تصنیف کا کام بھی آخیر دم تک جاری رکھا اور یونیورسٹی کا ماحول ان کی محنت اور کوشش سے ایسے بن گیا کہ ایک مرتبہ ایک عالم حضرت کے پاس ملنے آئے تو اُس عالم نے فرمایا کہ مولانا صاحب میں جب یونیورسٹی میں داخل ہوتا ہوں۔ جب طلباء اور استادوں کے چہروں پر داڑھی اور شیروانی پہنے ہوئے دیکھتا ہوں تو دل میں خیال آتا ہے کہ شاید کسی دارالعلوم میں داخل ہو گیا۔ بہر حال سب سے پہلے اُنہوں نے تبلیغ کے بارے میں ایک چھوٹی سی کتاب ”پیامِ رساں اُمت“ ایک عجیب انداز سے لکھی ہے اور سمندر کو کوزے میں بند کیا ہے۔ تزکیہ و تصوف کے بارے میں کتاب ”شاہراہِ معرفت“ تین جلدوں میں لکھی ہے جو اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا ایک آسان اور معتدل نُسخہ ہے۔

اہل اللہ کی مجلس کی اہمیت

تصوف میں اہل اللہ کی مجلس کی اہمیت کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا! دیکھو انسان محبت سے بنتا ہے اور پھر مسکراہٹ کے ساتھ مزاحاً فرمایا تم بھی تو محبت سے بنے ہو۔ ماں باپ نے محبت کی اور تم بن گئے۔ ایک مجلس میں فرمایا نہ اللہ کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ اُس سے بات کر سکتے ہیں۔ اب اللہ والے کیسے بنیں گے اللہ والوں کی مجلس (صحبت) میں رہو اللہ والے بن جاؤ گے۔ 5 شعبان 1390ھ بمطابق 17 اکتوبر 1970ء کی مجلس میں اپنے مکان پر عصر کی نماز کے بعد اہل اللہ اور اہل دل کی صحبت میں رہنے کے بارے میں فرمایا۔ اہل دل کہتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آ جائے۔ جن کی باتوں سے علم میں اضافہ ہو۔ اور جن کے عمل سے آخرت یاد آ جائے۔ جیسا کہ

حدیث میں اللہ کے ولی کی یہی تین نشانیاں بتائی ہیں۔ جو وہ کہے اس پر عمل کرے اور جس چیز سے روکے اُس سے بچے اور اُن کی صحبت میں فیض یاب ہونے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ اُن کا اہتمام کرے اور جن چیزوں سے فیض یابی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اُن سے بچے۔ فیض یاب ہونے کے لئے اصل چیز نیت کا اخلاص ہے اور خالص دین کی طلب۔ اپنی نیت کو ریا سے کھوٹا نہ کرے اور فیض یابی کی راہ میں سب سے زیادہ جو رکاوٹ بنتی ہے۔ وہ اعتراض ظاہری یا باطنی ہے۔

فرمایا اصل میں طلب صادق فیض کو ایسے کھینچ کر لاتی ہے جیسے چھوٹا بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ کھینچ کر لاتا ہے۔ اپنے اندر طلب صادق پیدا کرلو تاکہ اللہ کی رحمت کا دریا جوش سے اوپر اور نیچے سے اُمڈ پڑے اور فیض یاب کرے۔ اگر بچہ نہ روئے تو ماں کا دودھ جوش میں نہ آئے اب اگر تیری طلب صادق ہوگی تو فیض شیخ جوش میں آئے گا اور فیض یابی سے دلوں پر بہار لائے گا۔ بارش نہ ہو تو باغ کیسے بنے اور کیسے اس پر بہار آئے۔ تمہارے دلوں کی بہار اہل اللہ کے فیض سے ہے۔ بس اس کے لئے ایسی طلب صادق پیدا کرلو۔ جیسے بچے کے اندر ماں کی دودھ کی طلب ہوتی ہے۔ جیسے بچہ روتا ہے تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہو بس روؤ. اور ایسی طلب پیدا کرلو کہ اللہ پاک فیض کے چشمے جاری کردیں۔ ولی کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ جب ماں کی چھاتی میں دودھ خود نہیں آیا بلکہ اللہ نے ڈالا۔ ایسے ہی اللہ کسی کے دل میں کچھ ڈالتے ہیں اور اللہ دیکھتے ہیں۔ طلب صادق کو۔ طالب کو اللہ تبارک و تعالیٰ محروم نہیں کرتا۔ جو طالب ہوگا اللہ کبھی نہ کبھی اُس کو دیدیگا۔ طلب کے بقدر اللہ کی عطا ہے۔

اعتراض اور اعراض اس راہ کے لئے انتہائی رُکاوٹ ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں

یعنی اہل اللہ کے نزدیک جو اعتراض یا اعراض کرتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ تو بنا ہوا ہے تجھے ضرورت ہی نہیں۔ بس حاصل بحث یہ ہے کہ دل میں طلب پیدا کرلو۔ گناہ سے بچو۔ نیکی اختیار کرلو۔ اہل اللہ کی صحبت میں رہو۔ اعتراض اور اعراض سے بچو تو انشاء اللہ مقصد کو پالو گے۔

اہل اللہ پر اعتراض

ایک دوسری مجلس میں فرمایا۔ اہل اللہ پر کبھی بھی زبان نہ کھولو۔ اہل اللہ سے تین چیزیں فیض لینے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ جو بات کو آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ پہلی چیز اعتراض ہے اس سے مراد قلبی اعتراض ہو یا زبانی اعتراض۔ زبانی اعتراض کم ہے اور قلبی اعتراض زیادہ رُکاوٹ ہے۔ اہل اللہ کی آنکھیں قلب تک پہنچ جاتی ہیں۔ فوراً آثار محسوس کرلیتے ہیں۔ دوسری چیز امتحان ہے۔ بہت سارے امتحان لینے آتے ہیں کہ کتنا پانی میں ہے۔ خدا کے بندے تو خود اپنے آپ کو دیکھ کہ تو کتنا پانی میں ہے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ وہ بے طلب ہو کر آتے ہیں۔ حالانکہ جو طالب بن کر آئے گا تو جھولی بھر کر جائیگا۔ اور جو بے طلب ہو کر آئے گا۔ وہ خالی ہو کر جائے گا۔ میں پتے کی بات بتاتا ہوں۔ طلب نہ ہو تو طلب کی صورت بنالو۔ غفلت نہ ہو یعنی غفلت قلبی یعنی دل کا غیر حاضر ہونا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں جب حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مُرادآبادیؒ کے ہاں جاتا ہوں تو میں خوب استغفار پڑھ کر جاتا ہوں کہ کہیں ہماری دل کی گندگیاں ان پر نہ کُھل جائیں۔ اہل اللہ کے مجالس سے لینے کے مختلف طریقے ہیں۔ ہم اُن طریقوں سے اہل اللہ کے مجالس میں جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ پھر کہتے ہیں کہ ملتا نہیں۔ اُن کی عطا ویسے ہی ہے۔ حضرتؒ کے فیوض وبرکات

ایسے ہی ہیں۔ اپنے میں لینے کی استعداد ہونا چاہیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ کو علم غیب نہیں ہوتا بلکہ مرید جب اپنی اصلاح کی نیت سے اُن سے اپنا تعلق جوڑتا ہے۔ تو مرید کے اندر جو عیوب ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اُس کی اصلاح کے لئے اُس کے شیخ پر وہ عیوب ظاہر کرتے ہیں۔ پھر شیخ اُن کی اصلاح کے لئے مختلف تدابیر بتاتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ اہل اللہ پر زیادہ تکالیف کیوں آتی ہیں۔ فرمایا! کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم جو انبیاء کا طبقہ ہے۔ اُن پر سب سے زیادہ مصائب آتے ہیں۔ یہاں پر دُنیا میں جو مصائب آتے ہیں۔ تین وجہ سے آتے ہیں۔ یا تو گناہوں کی پاداش میں آتے ہیں۔ یا رفع درجات کے لئے آتے ہیں۔ اور یا گناہوں کے معاف کرنے کے طور پر۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو سخت بخار تھا تو آہ آہ کر رہے تھے۔ کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا کیا اللہ میاں کے سامنے بھی پہلوانی دکھاؤں اور پہلوان بن جاؤں۔ اہل اللہ پر جو تکلیف آتی ہے وہ باوجود تکلیف کے خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ میٹھے سے جو کچھ ملے تو میٹھا ہی ہوتا ہے۔ اللہ میاں سے جو کچھ ملے وہ میٹھا ہی میٹھا ہوتا ہے۔ جب آدمی کباب کھاتا ہے اور اس میں مرچ زیادہ ہوتے ہیں تو ایک طرف سیسی کر رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف مزہ آتا ہے۔ بالکل اس طور پر اللہ والے ایک طرف تکلیف میں اُف اُف کر رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف مزہ آتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ھرچہ کنی رضائے تو

قرآن سے فائدہ لینے کا طریقہ

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ قرآن کریم سے فائدہ کیسے حاصل کریں۔ فرمایا! قرآن اللہ کی کتاب ہے، رحمت ہے، دلوں کا نور اور روشنی ہے۔ لیکن جتنی برکت، عظمت اور بلندی والی کتاب ہے۔ اُتنی ہی اس سے فائدے حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

پہلی شرط: انابت الی اللہ ہے۔ اللہ کی طرف توجہ کرنا۔ توبہ کرنا۔ قرآن میں آیا ہے یہ عبرت ہے۔

ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ O "ہر انابت والے شخص کے لئے نصیحت ہے"۔

جب انابت آجائیگی تو اللہ کی طرف رجوع ہو گا اور اس سے اللہ کا خوف پیدا ہو گا۔ قرآن کریم سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے، موٹی موٹی شرائط پانچ ہیں۔ اللہ کا ایمان و یقین، انابت الی اللہ، خشیت، تقویٰ اور تدبر سے پڑھ کر غور کرنا، کان لگا کر سننا اور دل کی حاضری اور حواس کی موجودگی کے ساتھ سننا۔

تو یہ موٹی شرائط ہیں۔ جن شرائط پر قرآن کریم سے استفادہ آسان ہو جاتا ہے۔ اب اس میں ایک اور بات ہے۔ جتنی بھی یہ شرائط ہیں۔ یہ ساری اللہ کے دھیان کا سبب ہیں۔ اس دھیان سے اللہ کا کلام پڑھنا کہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ سُن رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا میرے لئے انعام ہے
آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے

جب قرآن کے تلاوت کے حقوق ادا ہو جائیں گے یا قرآن کے سُننے کے

حقوق ادا ہو جائیں گے تو قرآن تم پر اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیگا۔ جب مکہ میں قرآن پڑھا جاتا تھا تو کفار شور کرتے تھے تو جیسے کفار مکہ شور و غل کرتے تھے تو اُسی طور پر جب تک تیرے دل کا شور و غل ختم نہ ہو گا۔ اُس وقت تک پورا فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے دل کو غیر سے خالی کرنا پڑے گا۔ جتنا دل غیر سے خالی ہو گا اُتنا ہی قرآن کا نور اور اثر دل میں اُترے گا۔ اب ہمارے دلوں میں غیر بسا ہوا ہے۔ جب دل میں غیر ہو تو اللہ اُس دل میں کیسے آئیگا۔ جب وضو نہ ہو تو نماز کیسے ہو گی۔

ہمارے دلوں کا وضو ہی نہیں یعنی غیر سے پاک نہیں قرآن کو لینے کے لئے دل کے پیالوں کو پاک و صاف کر دو۔ قرآن کی تاثیر اُن حجابات کی وجہ سے دل کو نہیں پہنچتی۔ جو ہمارے دلوں کے اوپر اپنے گناہوں، غفلت اور اللہ سے بے دھیانی کی وجہ سے پڑ جاتے ہیں۔ بقول امام غزالیؒ دل کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ جب اس پر غفلت اور گناہوں کا گرد و غبار پڑتا ہے تو کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اسی طور پر جب دل میں غیر ہوتا ہے تو اُس میں قرآن کے معارف نہیں کُھلتے اور جتنا دل غیر سے صاف ہو گا اور حجابات نہیں ہونگے تو قرآنی علوم کا انعکاس خود بخود ہو جائیگا۔ جب دلوں سے گناہوں کا زنگ اُتر جائیگا تو قرآن کا نور آئے گا۔ جتنا تقویٰ قوی ہوتا جائیگا۔ قرآن کُھلتا جائیگا اور انوارات برستے جائیں گے۔ جب یہ قرآن کھل جاتا ہے تو دلوں کے لئے قرآن خود بخود روشنی بن جاتا ہے۔ جس طرح معرفت سے معرفت آتی ہے اسی طرح دل سے دل کُھل جاتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی سے خود بخود محبت ہو جاتی ہے اور وہ دل میں آجاتا ہے۔ اسی طرح جب قرآن کا نور دلوں میں آتا ہے تو دلوں میں علم خود بخود اُترتا ہے۔

علم لَدُنّی کسے کہتے ہیں؟ اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا ہے۔ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

"ہم نے اپنی طرف سے اُسے علم دیا"۔ علم لَدُنّی شریعت میں اُس علم کو کہتے ہیں جو کتاب و حدیث کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت سے آدمی کے دل میں علم کے چشموں کی صورت میں اُٹھا دیتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے پتھر پر لاٹھی ماری تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اسی طرح اگر ہم اللہ کے احکام کی لاٹھی اپنے دل پر ماریں گے تو ہمارے دل سے علم کے چشمے پُوٹھ پڑیں گے۔ اور وہ علم لَدُنّی نہ ہوگا جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔ قرآن کے علوم اُسی وقت کُھلتے ہیں جب دل دل بن جاتا ہے اور دل اُس دل کو کہتے ہیں جس میں دلدار آجاتا ہے۔

کس کام کا وہ پھول جس پھول میں بُو نہیں
کس کام کا وہ دل جس دل میں تو نہیں

جب اللہ کا دھیان آئے گا تو اُس کی عظمت کُھلے گی۔ اُس کی شان کُھلے گی۔ اُس وقت معلوم ہوگا کہ اللہ کا کلام قرآن کیا ہے۔ بس اللہ سے دُعا کرو کہ اللہ پاک قلبِ مُنیب نصیب فرمائے اور ایسا مطمئن دل عطا فرمائے کہ اُس کی ذات میں مزہ آئے۔ آمین

طریق میں خط و کتابت

حضرت مولاناؒ نے خط و کتابت کے ذریعے بھی کافی تعلق رکھنے والوں کی تربیت کی ہے۔ اس سلسلہ میں اپنے ایک تعلق رکھنے والے کو لکھتے ہیں۔ کتابت میں کمی طالب کا اپنا نقصان ہے۔ کتابت محبت کا ادنیٰ بدل ہے۔ جب حاضری نہیں تو خط و کتابت میں سستی کو راہ نہیں دینی چاہیئے۔ شاعری نہ کیا کریں۔ اصل معاملہ فوت ہو جاتا ہے۔ عمل سے غرض رکھیں اور اعمال صالحہ کی پابندی کریں پھر جو احوال ہوں اُس سے مطلع

فرمائیں۔ استفاضہ من اللہ بھی ایمان اور اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے۔ محبت صالحین مؤید و مُعین ہے۔ محبت شیخ نہ ہو تو کم از کم اُس کی تعلیمات کی سختی سے پابندی کی جائے۔ بغیر عمل کے شکوہ بے جا ہے۔ بد عملی و معصیت کا صدور اختیاری معاملہ ہے۔ اختیاری اُمور میں کوتاہی کرنا رہزنِ طریق ہے۔ بد نظری غیبت اور تقاضائے شہوت سے پرہیز عملاً لازم ہے۔ یہ کبیرہ گناہ ہیں جن کا صدور دل کو برباد کر دیتا ہے۔ اگر راہ سلوک پر چلنا ہے تو ہمت کر کے یعنی توبہ کریں اور ان گناہوں اور تمام معصیتوں سے اپنے کو بچائیں۔ نِری شاعری سے کچھ نہیں ہوتا۔ بزرگوں کے کلام میں جو ایسی باتیں آتی ہیں۔۔ وہ تواضع اور صغر نفس کی وجہ سے ہیں۔ وہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اپنی نیکیوں کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے بقول رومیؒ!

کارِ پاکان راقیاس از خود مگیر
گرچہ یکساں در نوشتن شیر و شیر

نِری فکر جو عمل پر نہ ڈال سکے حقیقی فکر نہیں ہے۔ فریب نفس ہے۔ ذکر کی پابندی۔ اعمال صالحہ کے اہتمام۔ معمولات کے التزام کے بغیر اس راہ کی ہوس، دھوکا اور شیطان کا پھُسلاوا ہے۔ آپ خیالوں اور شاعری کی دنیا سے نکلیں۔ فرائض و واجبات اور سنن کی ہمت اور عزیمت کے ساتھ پابندی کریں اور معمولات کا اہتمام عزم بالجزم کے ساتھ کریں تاکہ اللہ آپ پر سلوک کی صحیح راہ کھولے۔ ورنہ نِری باتوں اور شعروں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی صحیح رہنمائی فرمائے۔ (امین)

اصل چیز زیارت منامی نہیں صحبت ہے اور اگر صحبت نہ ہو تو مکاتبت بنیّت استفادہ جب تک اعتقاد و اعتماد و اتباع اور اطلاع کے اصول چہار گانہ پر خلوص و ہمت

کے ساتھ عمل پیرا نہیں ہوں گے۔ منزل پر رسائی مشکل ہے۔

مجاذیب سے تعلق نہ رکھیں۔ نہ اُنہیں بُرا کہیں۔ نہ ان سے کوئی چیز لینے یا استفادہ کی کوشش کریں۔ مجذوب اگر حقیقتاً مجذوب ہے تو مقبول بندہ ہے۔ لیکن اصلاح کا کام ان کے بس کی بات نہیں۔ اگر زیادہ متوجہ ہو جائے تو اپنے جیسے بنا دیں گے۔ اس لئے ہمارے ہاں مجاذیب سے تعلق نہیں رکھا جاتا۔

یہ سب کتابیں اچھی ہیں۔ لیکن آپ کو زیادہ وقت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ اور ملفوظات کے پڑھنے میں گذارنا چاہیئے۔ اور عمل کی نیت رکھنی چاہیئے۔ تلاوت کا معمول علیحٰدہ رکھیں۔ ترجمہ وتفسیر کا بغرض استفادہ وعمل علیحٰدہ۔

تعطیلات موسم گرما میں حضرتؒ کا معمول

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں حضرتؒ کا معمول یہ تھا کہ گرمی کی چھٹیوں میں ایک چلہ رائے ونڈ میں گذارتے تھے اور ایک چلہ حضرت شاہ عبد العزیز دعاجوؒ کے ہاں جب حیات تھے (حضرتؒ مولانا حضرت سید سلیمان ندویؒ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے بیعت کرنے کی اجازت عطا ہوئی تھی) اور کچھ وقت حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ہاں گذارتے تھے۔

اللہ کے راستہ میں دُعا

راقم الحروف جب 1967ء میں چار ماہ کے لئے اللہ کے راستے میں جا رہا تھا تو اجازت اور دعا لینے کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ تو فرمایا اس راہ میں نکل کر یہ دُعا مانگنی چاہیئے کہ اے اللہ! اس دعوت والے کام کی حقیقت مجھ پر کھول دے جب حقیقت

کھل جائے تو کام کرنا آسان ہو جائیگا۔ دوسری دعا یہ کرنی چاہیئے۔ اے اللہ! یہ دعوت والا کام مجھ سے نہج نبوت پر لے لے۔ کیونکہ جب یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو گا تو اللہ کے ہاں قبول ہو گا۔ تیسری دعا یہ مانگنی چاہیئے کہ اے اللہ! اس راستہ میں میرے ساتھ آسانی اور عافیت والا معاملہ فرما۔ ہمارے بعض ساتھی مجاہدہ مانگتے ہیں یہ غلط ہے۔ ہم بہت کمزور ہیں۔ اللہ سے آسانی اور عافیت مانگنی چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے بعض ساتھی جذبات میں آکر نا سمجھی سے بیان کے دوران انفرادی اعمال (جیسے ذکر۔ تلاوت اور نوافل) کی تنقیص شروع کر دیتے ہیں یہ غلط ہے اور بہت خطرے کی بات ہے۔ اس راہ میں ذکر۔ تلاوت اور نوافل اگر ضروری نہیں تو حضرت شیخؒ نے فضائل ذکر، فضائل قرآن اور فضائل نماز کی کتابیں کیوں لکھی ہیں۔

دعوت و تبلیغ کیا ہے؟

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت لگتی نہیں تو حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ سے تیزی کے ساتھ ملا اور فرمایا کہ کچھ گرمائش محسوس ہوئی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اسی طرح لگاتے رہو لگاتے رہو لگ جائے گی۔ پھر حضرت مولاناؒ نے خود فرمایا۔ تبلیغ کیا ہے؟ کانٹوں کی زندگی سے نکال کر پھولوں کی زندگی پر لانے کا نام تبلیغ ہے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ دیکھو! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دعوت نہ دیتے تو ابو بکر صدیقؓ کیسے بنتے۔ اس دعوت کی برکت سے حضرت ابو بکر صدیقؓ بنے۔

ایک مرتبہ 16 ذیقعدہ 1400ھ بمطابق 25 ستمبر 1980ء کو رائے ونڈ میں عصر کی نماز کے بعد فرمایا۔ تبلیغ میں دو چیزیں ہیں۔ ایک اس کا جسم ہے جیسے گشت کرنا،

بیان کرنا، چلنا پھرنا اور دوسری رُوح ہے۔ اس کی روح اخلاص ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ اللہ پر مکمل ایمان ویقین اور اللہ کا ذکر ہو۔ مقصود صرف چلنا پھرنا نہیں ہے بلکہ اپنی اصلاح مقصد ہے۔ اور ساتھ یہ نیت ہو کہ میری وجہ سے اللہ پاک کسی کو خیر پہنچادیں۔ ہر قدم پر یہ استحضار ہو کہ یہ صرف میں اللہ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔ اس میں ہر قدم پر نفس وشیطان کا حملہ سب سے پہلے نیت پر ہوتا ہے۔ تاکہ اللہ کی رضا کم ہو جائے اور دوسرے خیالات دل میں لاتا ہے۔ کبھی ریا کا خیال کہ لوگ مجھے دیکھیں اور کبھی شُہرت کا خیال۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حضرت معاذؓ کو جب یمن والوں کی تبلیغ کے لئے رخصت کر رہے تھے تو فرمایا۔ اے معاذؓ! اخلاص اختیار کر، اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی تمہاری نجات کے لئے کافی ہے۔ ایک صحابیؓ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے روضہ مبارک پر رو رہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو تو فرمایا کہ اس قبر والے سے میں نے سُنا تھا کہ مجھے امت پر شرک کا ڈر نہیں بلکہ نفس کی چھپی ہوئی ریا کا ڈر ہے۔ اس میں سب سے بڑا زہر شیطان شہرت اور ریا کا ڈالتا ہے کہ میں بڑا واعظ بن گیا۔ انسانوں کے نزدیک انسان انسان بن جائے تو کیا ہو گیا۔ انسان اُس وقت بنتا ہے جب خدا کے ہاں انسان بن جائے اور خدا کے ہاں اُس وقت تک انسان نہیں بن سکتا۔ جب تک اپنے میں فنا نہ آجائے۔ تو سب سے پہلی چیز خالص اللہ کی رضا، اپنا ایمان بڑھانا اور بنانا اپنی اصلاح ہے۔ زبان پر اللہ کا ذکر اور دل میں شکر ہو کہ اے اللہ! آپ کا فضل ہے کہ آپ نے مجھے توفیق دی۔ میرا کچھ کمال نہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے اللہ پاک انبیاء کرام علیہم السلام بھیجا کرتے تھے۔ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی فیضانِ ختم نبوت کی برکت سے اللہ پاک نے ہمیں یہ کام دیا۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انبیاء کے برابر ہو گئے۔ جس کو یہ خیال

آیا کہ میں بن گیا وہ بگڑ گیا۔ مرتے دم تک یہ کام کرتے ہوئے ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ حضرت عمرؓ مرتے وقت رونے لگے۔ لوگوں نے کہا کیوں رو رہے ہو۔ فرمایا اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے کچھ نہ دے اور نہ لے بلکہ جانوروں کی طرح معاملہ ہو جائے۔ کسی نے کہا کہ حضور ﷺ جاتے وقت آپ سے راضی تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اُس وقت راضی تھے۔ اب پتہ نہیں کہ میں نے کیا کیا ہے؟ فرمایا! اس راہ میں نکلتے وقت عموماً چند جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ریا کا جذبہ، کبر اور عُجب آجائے کہ میں کچھ ہو گیا۔ یہ سب مہلکات ہیں۔ اس لئے اپنے دل کو ہمیشہ ٹٹولتا رہے اور اللہ کا شُکر کرنا چاہیئے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ محض آپ نے فضل کیا۔ جو عمل ہو جائے اُس پر اللہ کا شُکر ہو اور جو قصور ہو جائے۔ اُس پر ندامت اور استغفار ہو۔ اور خدا سے مانگتا رہے کیونکہ یہ راستہ دعا کا ہے۔

ایک مجلس میں فرمایا کہ جب اس کام (دعوت و تبلیغ) میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ میں جانتا ہوں۔ میں امام اعظمؒ ہوں تو پھر اللہ کی طرف سے کانٹا ٹوٹ جاتا ہے۔ استدراج میں آپ اس کام کو کر لیں گے۔ لیکن اللہ کے ہاں بدلہ نہیں ملے گا۔ اصل میں یہ کام اپنے کو مٹانے سے چلتا ہے۔ جب آدمی اپنے کو مٹاتا ہے پھر اللہ کی مدد شامل حال ہوتی ہے۔ خود حضرت مولانا الیاسؒ کا ملفوظ ہے جو میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے سُنا تھا بلکہ مجھے خود فرمایا تھا کہ "نیکی پر استکبار گناہ پر اصرار کرنے سے زیادہ اشد ہے"۔

تبلیغ فرض عین ہے یا فرض کفایہ

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ تبلیغ فرض عین ہے یا فرض کفایہ۔ فرمایا جہاں تک کہ تبلیغ کا تعلق ہے۔ اس بارے میں قرآن میں مختلف آیات ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ○

اس آیت سے اللہ کے جملہ افراد پر تبلیغ کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی بعض آیتیں، بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

تم میں سے خواہ مخواہ ایک گروہ ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرے اور بُرائی سے روکے۔ عربی میں مِنْ بعض کے لئے آیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مِنْ سب کے لئے آیا ہے۔ تو اب یہ آیت دوسری آیت کی تفسیر کر رہی ہے۔ اور یا خاص کر رہی ہے۔ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عام کو خاص کر رہی ہے۔ تو امت کے لئے یہ فرض ہے۔ اور اگر امت کا ایک گروہ کر رہی ہے تو امت پر فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ کے یہ معنی کہ جو کام سپرد ہو اُس کی کفایت ہو جائے۔ تو تبلیغ کا فرض کفایہ ہونا یوں کرایا گیا ہے کہ اتنا کیا جائے کہ جس سے اُمت اجابت (جس نے حضور ﷺ کی دعوت قبول کی ہے) اور اُمت دعوۃ (جس نے حضور ﷺ کی دعوت قبول نہیں کی ہے اور ابھی اُس کو دعوت دینی ہے) کے اندرونی اور بیرونی دینی تقاضے پورے ہوتے رہیں۔

دعوت کے تقاضے

اب دو تقاضے ہو گئے۔ ایک وہ طبقہ جو ایمان لایا ہے۔ اُن کو سنبھالا جائے۔ جنہوں نے کلمہ قبول کر لیا ہے۔ اُن نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان بنایا جائے۔ دوسرا طبقہ وہ جو ایمان نہیں لایا اُن کے پاس جا کر کلمہ اور اسلام کی دعوت دی جائے۔

اب امت میں ایسے طبقات ہونے چاہئیں کہ ان تینوں چیزوں تعلیم و تعلم اور دعوت کو سنبھال سکیں۔ بقول حضرت مولانا الیاسؒ کروڑوں کو سنبھالنے کے لئے لاکھوں چاہئیے۔ مثلاً امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ تینوں میں ایک ایسا ہونا چاہیئے کہ باقی دو کو سنبھال سکے۔ تو اُمت کا فرض منصبی کیا ہے۔ دعوت الی اللہ۔ اب پہلا قدم دعوت ہے اور دوسرا قدم امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ دعوت سے دخول فی الدین ہوگا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے احکام کو رائج کرنا ہوگا۔ تو دعوت اصلاً ذریعہ ہے۔ دین میں داخل ہونے کا۔ بعض اعتراض کرتے ہیں۔ "جب تم کہتے ہو کہ دعوت کفار کو دین میں دخول کا ذریعہ ہے۔ تو مسلمان کو دعوت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمان کو ایمان لانے کے لئے دعوت نہیں دی جائیگی بلکہ ایمان کو قوی کرنے کے لئے۔ اس نام کے ایمان کو کام کے ایمان کی طرف دعوت دی جائیگی۔ جیسے دعوت سے دخول فی الدین ہوتا ہے ایسے ہی دعوت سے ایمان میں پختگی نصیب ہوتی ہے"۔

بہت سارے طبقات اُمت کے ہیں جو کہ اسلام میں داخل تو ہوئے لیکن اسلام کو سیکھا نہیں۔ سندھ میں بعض علاقوں میں خدا کو سائیں اور محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو وڈا سائیں کہتے ہیں۔ تو امت کی کثیر تعداد موجود ہے کہ اُن کو دعوت کی بہت ضرورت ہے۔ مغرب نے دہریت کی ایسی ہوا چلائی کہ کچھ لوگ اسلام کی معاشرت سے نکلے اور بعض نے معاملات اور عبادات بھی چھوڑ دیئے۔ اور بعض کے عقائد کفر تک پہنچے۔ ایمان و یقین کو کمزور کرنا اور مادیت پر یقین لانا اس کی طرف مغربیت دعوت دے رہی ہے۔ جیسے کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! ایمان تو لے آئے لیکن دلوں میں ایمان ابھی داخل نہیں ہوا۔ بہر حال اب کمزور ایمان والوں کو بھی دعوت دینی ہے کہ

ایمان اُن کے دلوں میں داخل ہو کر مضبوط ایمان والے بن جائیں۔ اور اس جدید طبقہ کو جو کہ ارتدادِ عقیدہ اور ارتدادِ عمل میں جارہا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کو بھی دعوت دی جائے۔ اب دعوت کا رُخ باہر کو سنبھالنے کے لئے بھی ضرورت ہے اور اندرون والوں کو بھی ضرورت ہے یہ تو ہے دعوت۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا ہے؟

اب امر بالمعروف و نھی عن المنکر جو ہے وہ شیخ کا مرید کے لئے، باپ کا بیٹے کے لئے استاد کا شاگرد کے لئے۔ یعنی جس جس پر آپ کا اختیار چلتا ہے۔ آپ پر اُن کو امر باالمعروف و نھی عن المنکر کی طرف لانا ضروری ہے۔ اور پھر یہی شعبہ بڑھتے بڑھتے من حیث القوم اور من حیث الامت بن جائیگا۔ پھر اِجراء احکام ہو گی۔ اب خارج کے لئے تم نے ہنود و نصاریٰ اور یہود کو دعوت دینی ہو گی کلمہ لا الہ الا اللّٰہ کی۔ اس کے لئے ایک تو تمہارے اندر وہ دینی اعمال ہوں۔ اخلاق ہوں کہ تمارے اعمال اور اخلاق دیکھ کر وہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ دین جتنا عمل اور اخلاق سے پھیلتا ہے۔ اُتنا بات سے نہیں پھیلتا۔ صحابہؓ نے دین اتنا مکمل طور پر اپنایا تھا کہ لوگ اُن کو دیکھ کر اسلام لاتے تھے۔

تبلیغ کا طریقہ کار

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ تبلیغ کا طریقہ کار (Method of Tableegh) کیا ہو۔ فرمایا کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ لٹ ماری کا نام نہیں۔ کیونکہ تبلیغ کا مقصد فیضانِ ہدایت ہے۔ اور ہدایت کی جگہ دماغ نہیں بلکہ دل ہے۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ پہلے دل لو پھر دن لو۔ تو اللہ کی طرف

بلانا نبی ﷺ کے طریقہ پر ہو۔ نبی ﷺ کی بات پر اللہ کو پیار آتا ہے اور نبی ﷺ کی باتیں کچھ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی۔ نبی جب دعوت دے رہا ہوتا ہے تو دھیان خدا کی طرف ہوتا ہے۔ اب نبی کا ایک دعوت کا رُخ ہے اور دوسرا دُعا کا رُخ ہے۔ جب مخلوق کی طرف ہوگا تو دعوت ہے اور خدا کی طرف ہوگا تو دُعا ہے۔ اب دعوت کے وقت ایک زبان اور دوسرا دل کام کر رہا ہے۔ زبان لوگوں کو خدا کی بات پہنچا رہی ہے اور دل خدا سے منوا رہا ہے۔ تو ارادہ ربانی اُس وقت حرکت میں آتا ہے جس وقت دل سر بسجود اور خدا سے مانگ رہا ہو۔ حضرت جی مولانا یوسفؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کام کا مقصد قوت دعا کو بڑھانا ہے۔ لفظ دُعا دعا نہیں بلکہ یہ تو دل کی وہ التجا اور کڑھن ہے کہ خدا سے مخلوق کے لئے ہدایت طے کرادیں تو دعوت کے اصولوں میں یہ ہے کہ داعی کا حال نبی ﷺ کے قدم پر ہو۔ دعوت کی کاٹ تمہاری زبان سے نہیں ہوگی بلکہ تمہارے دل کے اُس التجا (کڑھن) اور کیفیت سے ہوگی جو تمہارے دل میں کسی کے لئے ہوگی۔

فرمایا! کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ عاجزانہ ہو، پیار و محبت سے ہو اور بچھکر ہو۔ ناصحانہ نہ ہو، فقیہانہ نہ ہو، امیرانہ اور حقیرانہ نہ ہو۔ اس سے یہ معلوم نہ ہو کہ تم کچھ ہو۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب دعوت دے رہا ہو مخاطب اتنا سمجھے کہ یہ میرا خیر خواہ ہے۔ اُس کے خیر خواہ بن جاؤ اور سمجھے کہ بات ہماری خیر خواہی کی کر رہے ہیں۔ حضرت جیؒ کا ملفوظ ہے کہ ڈھول جب تک پانی کے اندر جاتا نہیں پانی اُس کے اندر آتا نہیں۔ لیکن ڈول اپنا ڈولا پن بھی ختم نہیں کرتا۔ ورنہ اُس میں پانی کیسے آئے گا۔ جو صفات ہیں داعی کی اُن کو ختم نہ کریں۔ وہ یہ سمجھے کہ تم اُن کے ہو۔ لیکن حقیقتاً تم اُن کے نہیں ہو بلکہ خدا کے ہو۔

انجمن میں بھی میسر رہے خلوت اُس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جُدا سب کا رفیق

اللہ کا بندہ جو ہوتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہے۔ لیکن وہ ایک کا یعنی خدا کا ہوتا ہے تو سب کے لئے جلے اور کڑھے۔ داعی حالات سے متاثر نہیں ہوتا۔ اپنا امتیاز باقی رکھ کر اور اپنی شان پیدا نہ کرے کہ میں کچھ ہوں۔ جس نے ہوں کر دی وہ برباد ہوا۔ بس اپنے کو مٹادو سب کام چلے گا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ایک خاص تعلق رکھنے والے نے حضرتؒ کو تبلیغ والوں سے کچھ شکایت لکھی۔ تو حضرتؒ نے جواباً تحریر فرمایا۔ تبلیغی کام برحق ہے۔ لیکن چونکہ ہر طبقہ اور ہر مزاج کا آدمی آتا ہے۔ وہ اپنی سناتا ہے اور بات تبلیغ کی طرف منسوب ہو جاتی ہے۔ مگر ابوالحال، اکثر مغلوب الحال اور بعض بدحال ہوتے ہیں۔ غلو کی وجہ سے بات کی تاثیر میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور حقوق کی پاسداری بھی کماحقہ نہیں ہو پاتی۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات بعض اعمال پامال ہوتے ہیں۔ تاہم جیسے ہنگامی حالات میں بعض چیزوں کو گوارا کیا جاتا ہے۔ دین کے عمومی بگاڑ کے زمانہ میں الٹی سیدھی بھی برداشت کی جاتی ہے۔ جن بزرگوں نے تبلیغ کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اُن کی نیت خالص، ان کے مجاہدات عظیم الشان، ان کی قربانیاں مقبول اور ان کی راہ سنت کے احیاء کی تھی اور ہے۔ جیسے سفر میں بعض قباحتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں یا جیسے مستحاضہ کی نماز جائز ہے۔ اس طرح یہ کام مقبول اور حق ہے۔ اس لئے شرکت ضرور کرنا چاہیئے۔ اعتراض سے بچے، اصلاح کی فکر کرے اور خود حدود و قیود کی رعایت کے ساتھ چلے چاہے لوہے کے چنے چبانے پڑیں انشاء اللہ ثواب ملتا رہے گا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے اخلاق

حضرت مولانا صاحبؒ کی شخصیت کمالات و صفات فاضلہ کی جامع تھی۔ سخاوت، اکرام اور مہمان نوازی ان کی طبیعت بن چکی تھی۔ ویسے تو 8 – 10 مہمان روزانہ ان کے دستر خوان پر موجود ہوتے تھے۔ رمضان المبارک میں ان کی تعداد 50 تک پہنچ جاتی تھی۔ خود دستر خوان کے سرے پر تشریف فرماہوتے۔ دستر خوان پر نظر دوڑاتے رہتے کہ کہیں مہمانوں کے سامنے کسی چیز کی کمی تو نہیں۔ اور کوئی نووارد مہمان ہوتا اور وہ شرم کی وجہ سے تھوڑا کھاتا تو حضرت بار بار اصرار فرما کر اُسے پورا کھلانے کی کوشش فرماتے۔ ہمارے ایک دوست اور حضرتؒ سے خاص تعلق رکھنے والے شیر حسن صاحب جو زرعی یونیورسٹی پشاور سے بحیثیت پروفیسر ریٹائرڈ ہوئے۔ وہ گرمیوں کی ساری چھٹیاں حضرت کے ساتھ بطور خادم رائے ونڈ اور کراچی میں گذارتے۔ ایک مرتبہ ان کا بڑا بھائی اُن کی شکایت لے کر حضرتؒ کے پاس آیا کہ ہمارا بھائی گرمی کی چھٹیوں میں گھر نہیں آتا اور ساری چھٹیاں باہر گذارتا ہے اور کافی دیر تک بھائی کی شکایت کرتا رہا اور حضرت مولانا صاحبؒ خاموشی سے سنتے رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اندر سے اپنی توجہ اور دل کی قوت سے ان کا دل لے لیا۔ اتنے میں کھانے کا وقت ہو گیا تو حضرتؒ نے اصرار کر کے کھانے کے لئے ٹھہرا لیا۔ اور خوب اکرام والا کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد اُس نے خود عرض کیا کہ مجھے کچھ ذکر اور وظیفہ بتادیں اور پڑھنے کے لئے کوئی کتاب بھی بتادیں۔ اپنے بھائی کو چُھڑانے کے لئے آیا تھا۔ خود حضرتؒ کے اخلاق، اکرام اور توجہ کا شکار ہو گیا۔

ایک مرتبہ کالج میں پڑھائی کے دوران میں نے حضرت سے کچھ رقم بطور

قرض لی تھی۔ جب 1970ء میں حضرت کی کوششوں سے میری پہلی ملازمت رورل اکیڈیمی پشاور میں ہوگئی۔ اُس وقت ایک سال تک حضرت کے تعمیل ارشاد پر میرا قیام بھی اُن کے ہاں تھا۔ جب میں نے پہلی تنخواہ لی اور حضرتؒ کو اُن کا قرضہ واپس کرنا چاہا۔ تو مسکرا کر فرمایا کیا کوئی اپنے بیٹے سے بھی پیسے واپس لیتا ہے۔

نرمی اور تواضع تو حضرتؒ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جب کوئی ملنے آتا تو حضرتؒ نہایت عاجزی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُن سے ملتے۔ اُن کا پورا حال معلوم فرماتے اور خود ہی کام کے بارے میں پوچھتے۔ جب اُن کا کوئی کام ہوتا تو اُسی وقت اُس کی حاجت پورا کرنے کی کوشش فرماتے۔ جب کوئی علیحدگی میں بات کرنا چاہتا۔ تو اُسی وقت مجمع کو اُٹھاتے اور اُس کی ساری بات بڑی تسلی سے سنتے۔ جب کوئی آدمی اپنی پریشانی بیان کرتا تو حضرت اُن کے حالات اور پریشانی سے ایسے متاثر ہوتے جیسے اُن کی اپنی پریشانی ہو۔ اُسی وقت کوئی وظیفہ وغیرہ بتاتے اور نہایت توجہ کے ساتھ ان کے لئے دعا فرماتے۔

حضرت مولانا صاحبؒ مجموعہ پیار و محبت تھے جیسے کہ حضور ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ہر صحابیؓ یہی سمجھتا کہ حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبت اُن سے ہے۔ بالکل اس طرح حضرتؒ سے تعلق رکھنے والے سارے یہی سمجھتے کہ حضرت کو سب سے زیادہ محبت اُن سے ہے اور ہر آنے والے کی طبیعت اور مزاج کے مطابق گفتگو فرماتے اور جیسے حضور ﷺ بعض صحابہؓ کو مزاحاً کچھ خاص الفاظ سے پکارتے اس طرح حضرتؒ بھی بعض ساتھیوں کو اُن کو خوش کرنے کے لئے مزاحاً کچھ خاص الفاظ سے پکارتے۔

حضرت مولانا صاحبؒ بڑوں کے ساتھ بڑے، جوانوں کے ساتھ جوان اور

چھوٹوں کے ساتھ بچوں جیسے کلام فرماتے۔ دیہات سے آنے والوں کے ساتھ اُن کے مزاج کے مطابق بات فرماتے۔ حضرت کی محبت کا ایک واقعہ میرے ساتھ یوں ہوا کہ میں ایک دفعہ کافی عرصہ تک حاضر نہ ہو سکا تو حضرتؒ نے خط لکھا اور خط کے ساتھ ایک پرچہ لکھا جس کی نقل یہ ہے۔

"تلاش گمشدہ"

ہر پڑھنے والے کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مسمی شاہ عبد الرحیم جس کا اتہ پتہ مدت سے نہیں چل رہا۔ حلیہ گندمی رنگ، کالی داڑھی ہے۔ سر پر اکثر کالی پگڑی باندھتا ہے۔ بال بچوں کا والد ہے۔ عمر تقریباً 32-33 سال ہو گی۔ ضرورت پر تصویر مہیا کی جاسکتی ہے۔ اگر کسی نے دیکھا ہو یا پتہ ہو تو مطلع کریں۔ اگر وہ خود اس تحریر کو پڑھ لیں تو اپنے کوائف سے آگاہ کریں۔ کچھ نہیں کہا جائیگا۔ اشتہار دہندہ محمد اشرف

حضرتؒ کے کیا کیا احسانات اور محبت و شفقت بھری ادائیں یاد رکھیں یا تحریر میں لائیں۔

چونکہ گل رفت دگلستان شد خراب
بوئے گل را ازکہ جویم از گلاب

کسی کامل شخصیت کا صرف یہی کمال نہیں ہوتا کہ وہ خود کامل ہے۔ بلکہ شخصیت کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ شخصیت سازی میں اس کا کیا کمال اور تاثیر ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کی تاثیر قلبی، فیض صحبت اور باطنی اثر نے ہزاروں اشخاص (احباب تہذیب جدید کے دلدادہ افسر و پروفیسر صاحبان اور کالج و یونیورسٹی کے نوجوان طلبہ بھی ہیں) کو تقویٰ اور دینی زندگی کا قابل رشک مقام عطا کیا۔

آج ہمیں سینکڑوں اشخاص معلوم ہیں۔ جن کی زندگی کی کایا یکسر پلٹ گئی۔ کل جو ناز و نعمت اور تعیش کی گود میں پھلے تھے۔ آج ان کی زہد و قربانی کو دیکھ کر مصعب بن عمیرؓ کی قربانی کی یاد تازہ کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص موہبت اور انعام تھا جو اس دور کے اشرفؒ کو عطا ہوا۔ یہ بے بصر اشرف زمانہ کے کس کس جمال و کمال کو بیان کرے۔

داماں نِگہ تنگ و گل حُسنِ تو بسیار

وہ مجموعہ کمال واخلاق تھے۔ دین کا ایسا ہمدرد و غم خوار قرنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دعوت حق کا ایسا شیدائی، حمیت دین میں کمالِ غیرت کا جذبہ اور اس کی راہ میں مر مٹنے والا صدیوں میں وجود میں آتا ہے۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرتؒ کا حج پر جانے کا عجیب طریقہ

حضرت مولانا صاحبؒ کا حج پر جانے کا پروگرام ایک عجیب طریقہ سے ہوتا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ حج میں چند دن باقی ہیں اور اچانک حضرتؒ نے رفقاء سے فرمایا کہ چلو حج پر چلیں۔ تیاری کرلو۔ لوگ حیران ہوتے کہ اب اتنی مختصر وقت میں سارے انتظامات کیسے مکمل ہونگے۔ لیکن اللہ پاک بڑی آسانی سے سارے انتظامات مکمل فرما کر لے جاتے۔ ایک مرتبہ اس سلسلہ میں اپنے ایک مرید غازی مرجان صاحب (جو مدینہ منورہ میں مقیم ہیں) کو خط لکھا کہ حضور ﷺ کے روضہ اقدس پر میرا اسلام عرض کردیں اور حاضری کے لئے دعا کی درخواست کردیں تو غازی مرجان نے جواباً خط لکھا جو حسب ذیل ہے۔

مسجد نبوی میں فجر کی نماز کے بعد درود و سلام پڑھ کر اور مولانا محمد اشرف صاحب کا سلام پیش کیا۔ بعد میں ذکر کرتا ہوا اغنودگی طاری ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ تھے فرمایا کہ مجھے پہچانتے ہو۔ میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ تو فرمایا کہ میں آپ سب کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور آپ ہمیشہ محمد اشرف کا سلام پیش کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے مولانا صاحب نے فرمایا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ وہ اس وقت کے قطب ہیں۔ اور میں نے اللہ سے درخواست کی ہے کہ وہ انہیں یہاں لائے اور اللہ پاک مزید اس کا درجہ بڑھائے۔ میں نے کہا کہ میں خط لکھوں تو لکھنے سے منع فرمایا اور فرمانے لگے وہ تو آنے ہی والے ہیں۔ یہاں میرے شہر میں۔ انہیں اطلاع کر دیں۔

باتیں تو بہت یاد آتی ہیں مگر میں اتنے پر اکتفا کرتے ہوئے آخیر میں اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرتؒ کی حضرت شیخؒ سے ملاقات

غالباً 1970ء کی بات ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریاؒ مدینہ منورہ سے پاکستان تشریف لائے تھے اور جناب محمد شفیعؒ قریشی (جو اُس وقت سارے پاکستان کے امیر تھے) کے ہاں قیام تھا۔ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ بھی ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ بندہ اور بھائی شیر حسن صاحب بھی ساتھ تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ صبح ان کے 9-10 بجے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے لئے قریشی صاحبؒ کے گھر کے سامنے دالان (چمن) میں ایک خیمہ میں ایک تخت سا رکھا گیا تھا۔ اور حضرت شیخؒ کو ہم

لوگوں سے باری باری ملاقات کے لئے بٹھایا گیا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے کہنے پر مولوی احسان صاحب نے حضرت شیخ صاحبؒ سے ملاقات کا وقت لیا۔ جب ہم حضرت مولانا صاحبؒ کو حضرت شیخ صاحبؒ سے ملنے کے لئے لے جارہے تھے (لوگ چاروں طرف سے حضرت شیخ صاحبؒ کی زیارت کے لئے انتظار میں کھڑے تھے) تو بھائی عبدالوہاب صاحب کے قریب سے گذرنا پڑا۔ عبدالوہاب صاحب نے مسکراہٹ کے ساتھ مزاحیہ انداز میں حضرت مولاناؒ سے کہا۔ بھائی اشرف کہاں جارہے ہو۔ پیر کے پاس جارہے ہو تو حضرت مولاناؒ نے بھی مزاحیہ انداز میں جواباً فرمایا۔ ہاں بھائی آپ تو وہابی آدمی ہیں ہم تو پیری مریدی والے ہیں۔

بہر حال حضرت مولاناؒ کو حضرت شیخ صاحبؒ کے ہاں بٹھایا۔ حضرتؒ نے پہلے اپنا تعارف کرایا تو حضرت شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ ہاں بھائی میں نے آپ کے مضامین الفرقان میں پڑھے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے اپنی صحت کے بارے میں کچھ معذوریاں بیان کیں۔ تو حضرت شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ بھائی جان میں تو آپ سے بھی زیادہ معذور ہوں۔ مجھے تو آنکھوں سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ پھر حضرت مولاناؒ نے عرض کیا کہ حضرت اصلاح نہیں ہوتی۔ تو اس پر حضرت شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ ”میرے پیارے یہ فکر تو مرتے دم تک کرنی چاہیئے“۔ پھر فرمایا میں نے اس سفر حرمین میں دو نسخے مجرب پائے۔ ایک کثرت استحضار موت دوسرا کثرت درود شریف۔ حضرت مولاناؒ نے بعد میں حضرت شیخ صاحبؒ کے مذکورہ بالا ارشادات مجھ سے تحریراً منگوائے تو بندہ نے تحریراً بھیج دیے۔

حضرتؒ کا بندہ پر آخری احسان

بندہ جب 27 جولائی 1993ء کو سال کی جماعت برائے ملیشیا اور تھائی لینڈ کا سفر کرکے حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر واپس آیا تو کچھ دنوں کے بعد زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ سفر کے حالات سُنکر حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں 9 ستمبر کو مرانشاہ کے اجتماع میں شرکت کروں گا۔ اور ایک رات آپ کے ہاں لکی میں قیام کرونگا۔ اس پر مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ حضرت نے از خود میرے ہاں قیام کے بارے میں فرمایا۔ یہ بڑی سعادت اور قربت و تعلق کی بات ہے۔ بہر حال حضرتؒ حسب پروگرام بذریعہ ہوائی جہاز بنوں تشریف لاکر مرانشاہ تشریف لے گئے۔ بھائی عبد القدوس صاحب نے وہاں ایک بہت بڑے قدردان ملک صاحب کے ہاں قیام کا انتظام کیا تھا۔ اُنہوں نے حد سے زیادہ مہمان نوازی کی۔ دو دن وہاں قیام رہا۔ دعا کے دن بھائی عبد الوہاب صاحب نے خصوصاً دو آدمی بھیجے۔ کہ دعا کے بعد مجھ سے ضرور مل لیں۔ دعا کے بعد دونوں حضرات علیحٰدگی میں تقریباً آدھ گھنٹہ بات فرماتے رہے۔ میں نے بعد میں پوچھا تو فرمایا کہ ایک خواب سنانا تھا اور کچھ راز کی باتیں تھیں۔

حضرتؒ نے اُس کے بعد وہاں پر ایک بہت بڑے مدرسہ (جو افغانستان والوں نے بنایا ہے) میں بیان فرمایا۔ اُس کے بعد ایک تعلق رکھنے والے کے پاس دوپہر کے کھانے پر تشریف لے گئے۔ یہاں تبلیغی مرکز لکی میں مغرب سے کچھ دیر پہلے تشریف لے آئے۔ تھکاوٹ کافی تھی لیکن یہاں کے احباب کے اصرار پر مغرب کے بعد مختصر بیان فرمایا۔ اُس کے بعد بندہ کے گھر تشریف لائے۔ کافی تعلق رکھنے والے احباب ساتھ تھے۔ چونکہ تھکاوٹ اور بے آرامی بہت زیادہ تھی۔ اس لئے حضرتؒ عشاء کی نماز پڑھ کر

کچھ کھائے پئے بغیر سو گئے۔ صبح کی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر پھر سو گئے۔ صبح 9 بجے اٹھ کر استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ تب حضرت نے کچھ کھایا پیا۔ کھانے میں بٹیر اور مکھن ٹوسٹ وغیرہ بڑے شوق سے تناول فرمائے (کیونکہ حضرت کو بٹیر بہت پسند تھے)۔

حضرتؒ میں دوسرے کا لحاظ اور دلجوئی کرنا بہت زیادہ تھا۔ یہاں سے جاتے وقت حضرت پہلے ہمارے گھر کے اندر کرسی پر تشریف لا کر صحن میں خوب دُعا فرمائی۔ واپسی میں ڈیوڑھی میں دوبارہ دعا فرمائی۔ گاڑی میں جب تشریف فرما ہوئے تو پھر جاتے وقت سہ بارہ دعا فرمائی۔ یہ حضرت کی ہمارے گھر میں پہلی اور آخری مرتبہ تشریف آوری تھی۔ حضرت کے کیا کیا احسانات یاد رکھیں۔ وہ تو منبع احسانات واخلاق تھے۔

انجینئر عبد القدوس داوڑ خلیفہ مجاز بیعت

الحمد للّٰہ رب العالمین ○ اللّٰھم صل وسلم علی محمد النبی الامی و علی الہ و صحبہ۔

بندہ عاجز اپنے محبوب و مشفق شیخ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کی ذات بابرکات کے متعلق لکھنے سے پہلے اپنی بے علمی و عملی پر شرمندہ ہے کہ حضرت مولانا صاحبؒ پر بندہ کیا لکھے۔ لیکن حضرت پروفیسر میر حاتم صاحب مدظلہٗ کے حکم پر کچھ نہ کچھ تحریر کرنا پڑا۔

بندہ نے 1973ء میں حضرت مولانا صاحبؒ سے بیعت کی تھی۔ عصر، مغرب اور عشاء کی نماز حضرتؒ کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ اور روزانہ آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کی توفیق ملتی تھی۔ حضرتؒ کی سوز و گداز اور محبت بھری نگاہیں دِلوں کو مسحور کر دیتیں۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ آیا کرو اور لایا کرو۔ لانے سے میری مراد دُنیا کی چیزیں نہیں

بلکہ اپنے ساتھ ساتھی لایا کرو۔

اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضرتؒ نے ایک دن فرمایا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی زیارت ہوئی اور فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو جنت کی خوشخبری دے دو۔ تو فرمایا کہ میں مسجد کی طرف چل پڑا۔ راستے میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ملاقات ہوئی اور انہوں نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو۔ فرمایا کہ نوجوان مسجد میں ہوتے ہیں یا باہر۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد خواب کی تعبیر دِل میں آئی لیکن پھر بھی تصدیق کے لئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے تعبیر پوچھی تو فرمایا۔ اِس سے نوجوانوں میں دِین کی محنت کی طرف اشارہ ہے۔ تو حضرت مولانا صاحبؒ پشاور یونیورسٹی کے لئے خصوصاً اور عموماً تمام نوجوانوں پر محنت کرنے کے لئے مامور تھے۔ اس لئے جو بھی نوجوان حضرتؒ کے پاس جاتا۔ وہ اُنہی کا ہو جاتا۔ حضرت مولانا صاحبؒ میں ایسی عمومیت تھی کہ جس سے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضرتؒ کا سب سے زیادہ تعلق میرے ساتھ ہے۔ علمی شان اتنی اونچی تھی کہ جس کا بندہ ادراک بھی نہیں کر سکتا۔ حضرتؒ کی شاہکار کتاب سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرتؒ ہمارے دادا پیر حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے علمی اور روحانی جانشین تھے۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے دعوتِ و تبلیغ اور تزکیہ نفس اور علمِ کتاب و حکمت کو جس طرح جمع کیا تھا۔ اس کا اندازہ آپ کی شب و روز تبلیغی گشت، بیانات، ذکر و عبادت، شب بیداری اور صبح کی نماز کے بعد اپنے متعلقین کو درس حدیث دینے سے ہوتا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحبؒ کی اجازت سے کتاب فضائل اعمال کا فارسی میں ترجمہ کیا اور حضرت شیخ رحمہ اللہ نے پسند فرمایا۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ جب فضائل اعمال کا فارسی میں ترجمہ کیا تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خواب میں فرمایا کہ میری کتاب کا ترجمہ کر لیا۔ فارسی آ گئی اور پھر فارسی کی جرس والی نظم مجھ سے سُنی اور یہ خواب جب حضرت شیخ رحمہ اللہ کو سُنایا تو بہت خوش ہوئے کہ حضرت تھانویؒ نے میری کتاب کو اپنی کتاب کہا ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ گوناگوں بیماریوں میں مبتلا تھے۔ لیکن چہرہ سے کبھی بھی محسوس نہیں ہوتا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ بیمار بھی ہیں۔ کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

حضرت مولانا صاحبؒ انتہائی خوش پوش اور نظافت پسند تھے۔ مزاج شاہانہ و عاشقانہ تھا۔ ہر طبقہ کے لوگوں کے ساتھ اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق معاملہ فرماتے تھے۔ بوڑھوں کے ساتھ بوڑھا، بچوں کے ساتھ بچہ اور جوانوں کے ساتھ جوان تھے۔ اپنے معاصر علماء اور مشائخ کے ساتھ نہایت قربت تھی۔ سید الکونین حضرت محمد ﷺ کی محبت میں فنا تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ نسبت اویسی تھی۔ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عمل پیرا تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک دن فرمایا کہ میں پنجاب یونیورسٹی میں فارسی کا امتحان دینے کے لئے گیا تھا۔ وہاں مسجد میں عصر کی نماز کے بعد ذکر کر رہا تھا کہ بَیْن نوم و یقظه (نیند اور بیداری کی حالت میں) حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور فرمایا۔ السلام علیکم و رحمة الله وبرکاته! انا خاتم النبیین لانبی بعدی۔ اِس لئے حضرت مولانا صاحبؒ تحریک ختم نبوت کے دِنوں میں اپنے بیانات میں فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے لئے یہ حدیث شریف بالواسطہ ہے اور میرے لئے بِلا

واسطہ ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے اِس خواب کے بعد کچھ اشعار پڑھے ہیں۔ جس کے ہر لفظ سے محبت ٹپکتی ہے۔ مثلاً

نگاہِ نوازش میرے دِل میں اُتری شرابِ محبت کا جام اللہ اللہ

حضرت مولانا صاحبؒ کامِل متبع سنت تھے۔ رمضان المبارک میں ساری رات جاگتے تھے۔ ایک دفعہ رات کے بارہ بجے تراویح سے فارغ ہوئے تو بندہ اندر کمرہ میں چلا گیا اور لیٹ گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک دوسرے نوجوان سے پوچھا کہ عبدالقدوس کدھر ہے۔ بندہ سُن رہا تھا۔ وہ نوجوان آیا اور حضرت مولانا صاحبؒ کا پیغام دیا۔ بندہ حاضر ہوا تو فرمایا کہ بیٹا! یہ راتیں سُونے کی نہیں۔ سخت معذوری کی حالت میں حج کے اسفار اور تبلیغی اسفار نہایت بشاشت سے کیا کرتے۔ مجاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آنے والے مہمانوں کی نہایت قدر کرتے۔ حضرت مولانا صاحبؒ دِن کو آرام فرمایا کرتے تھے۔ جب کوئی مہمان آتا اور خدام حضرت مولانا صاحبؒ کی نیند کی معذرت کر لیتے اور بیداری کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کو بتاتے تو فرماتے مجھے اُٹھا لیتے میں کیا اور میری نیند کیا۔ مروت کے پیکر تھے۔

حضرت مولانا صاحبؒ نہایت زیرک تھے۔ ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان ایک سکول ماسٹر اپنے ساتھ تقریباً 12 سالہ بیٹا لائے۔ جو بول نہیں سکتا تھا۔ بچے کے والد صاحب نے بتایا کہ یہ حفظ قرآن مجید کر رہا تھا۔ بہت اچھی آواز تھی۔ اچانک آواز بند ہو گئی۔ ایک سال سے کافی علاج کیا۔ لیکن بول نہیں سکتا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے جب دیکھا تو فرمایا کہ جنات کا اثر ہے۔ پھر آیات قرآنی پڑھ کر دَم کیا تو بچہ بول پڑا اور اس کا والد رو پڑا۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک دِن فرمایا کہ ہم اٹکل کرتے ہیں۔ بزرگ نہیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ مردان میں میرا تبلیغی بیان ہوا۔ مطالبہ پر ایک نوجوان سہ روزہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا کہ آپ فلاں کے خالہ زاد ہیں۔ چلہ لکھ لو۔ وہ نوجوان بہت حیران ہوا۔ گھر جا کر گھر والوں سے کہا۔ ایک بزرگ آدمی کا بیان ہوا۔ اس کو پہلے میں نے دیکھا بھی نہیں تھا اور مجھے پہچان لیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے پاس اس کا خالہ زاد بھائی آیا کرتا تھا۔ اُن دونوں کی آنکھیں ایک جیسی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا کہ یہ آپس میں خالہ زاد ہیں۔

حضرت مولانا صاحبؒ میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بنوں میں تبلیغی اجتماع تھا۔ ہم حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ واپڈا کالونی میں انجینئر نواز علی خان کے پاس ٹھہرے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے متعلقین کھانے کی دعوت کیا کرتے تھے۔ جب کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھتے تھے تو حضرت مولانا صاحبؒ غیر محسوس طریقے سے روتے تھے۔ بندہ نے اپنے ساتھیوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ سے پوچھا تو فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھتا ہوں اور اپنے کو اِس لائق نہیں سمجھتا تو اس لئے رو پڑتا ہوں۔ حضرت مولانا صاحبؒ خود معذور تھے اور جماعت نہیں کرا سکتے تھے۔ جب جماعت کرانے کے لئے کوئی پڑھا لکھا یا حافظ قرآن نہ ہوتا۔ تو ان پڑھ سے ان پڑھ آدمی کی امامت میں جماعت کی نماز پڑھ لیتے تھے۔ کبھی کسی کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ عالم فاضل ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ بہت ذاکر تھے۔ ایک دِن فرمایا کہ لوگوں میں چشتیہ سلسلے کے بارے جو ساز وغیرہ سے سماع کرنا مشہور ہے۔ یہ غلط ہے۔ جس کو چشتیہ نسبت حاصل ہوتی ہے۔ اُس کے لئے ساز

کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فرمایا میرا یہ حال ہے کہ جب دُور کوئی ڈنڈا کھوٹتا ہے تو ذکر سے میرا جسم بے قابو ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت علامہ سید صاحبؒ کا پاس انفاس "اللہ" تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ کا "اللہ ھو" اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کا "الا اللہ" تھا۔ فرمایا کہ میں معجون مرکب ہوں۔ کبھی اللہ کبھی اللہ ھو اور کبھی الا اللہ جاری ہوتا ہے۔

اِس سلسلے میں حضرت مولانا صاحبؒ کی شادی کا واقعہ یاد آیا۔ بارات پر جانے سے پہلے حضرت مولانا صاحبؒ کے گھر پر حضرت مولانا فقیر محمدؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ موجود تھے۔ روانگی سے پہلے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور حضرت مولانا صاحبؒ اللہ اللہ کے نعرے لگا رہے تھے۔ یہ بھی عجیب منظر تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے خوب اپنے آپ کو سجایا ہوا تھا۔ نئے کپڑے، شیروانی اور قراقلی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا سسرال شبقدر کے ساتھ مزارہ شریف میں ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد دعوت برات کھائی۔ حضرت مولانا فقیر اللہ شاہ صاحبؒ جو کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے سُسر تھے۔ بہت خوش تھے۔ سب مہمانوں کی خوب دِل جوئی کی اور ہر ایک سے خیریت پوچھی یا اللہ تعالیٰ سب کی قبروں کو نور سے بھر دے اور مغفرت فرما۔ آمین

بندہ کا نکاح بھی حضرت مولانا صاحبؒ نے ہمارے گاؤں ہرمز شمالی وزیرستان میں پڑھا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت مولانا صاحبؒ سات مرتبہ ہمارے علاقے میں بندہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ

میواتیوں کا مقولہ ہے کہ تبلیغی میں تین صفات ہونے چاہئیں۔ داعی بولو ہو، ڈولو ہو اور رولو ہو۔ بولو ہو۔ دعوت الی اللہ دینے والا ہو۔ ڈولو ہو گشتیں کرنے والا ہو۔ رولو ہو رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے والا ہو۔ باوجود معذوری کے حضرت مولانا صاحبؒ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ہر طرف جانے کے لئے تیار ہوتے تھے۔ اِس کے لئے کسی آرام دہ سواری کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں سائیکل کے پچھلے سیٹ پر بٹھا کر بیت اللہ صاحب یا کوئی اور خادم بیان کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ بہت مرتبہ سائیکل سے گرے بھی ہیں۔ رات کو تہجد کے لئے اُٹھنا طبیعت ثانی بن چکی تھی۔ گرمیوں کے دِنوں میں رات کو ایک بجے لیٹ جاتے تھے اور دو، ڈھائی بجے اُٹھ جاتے تھے۔

حضرت مولانا صاحبؒ اپنے متعلقین اور رشتہ داروں کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ ان کی خوشیوں، غمیوں اور مصیبتوں میں ضرور شرکت کرتے۔ اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ بندہ عاجز نے حضرت مولانا صاحبؒ کی ایک خصوصیت یہ دیکھی کہ جب بھی کوئی حضرت مولانا صاحبؒ سے دعا کے لئے کہتا۔ حضرت مولانا صاحبؒ فوراً ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ایسا مُستجاب الدعوات بنایا تھا کہ آپ کی دعاؤں سے لوگوں کے مسئلے حل ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحبؒ نے آیت کریمہ سوا لاکھ ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ مارچ کا مہینہ تھا۔ سخت بارش ہو رہی تھی۔ بندہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ بیٹھا تھا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے پوچھا کہ اندازاً کتنے لوگ ہوں گے اور کتنی دیگیں چاول کی پکانی پڑینگی۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بہت بارش ہو رہی ہے۔ کھانا پکانا اور کھلانا مشکل ہو گا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ابھی سے کہہ رہے ہو کہ بارشیں ہو رہی

ہیں۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ نے حضور ﷺ کا خطبہ جمعہ کا واقعہ سُنایا کہ ایک بدو آیا اور اُس نے خطبہ کے دوران حضور ﷺ سے عرض کیا کہ بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے ہم ہلاک ہو گئے۔ ہمارے اور ہمارے جانوروں کے لئے پانی اور خوراک نہیں ملتی۔ دُعا کیجئے یارسول اللہ ﷺ کہ بارش ہو جائے۔ آپ ﷺ نے دعا کی اور بارش شروع ہوئی۔ اگلے جمعہ تک بارشیں ہو رہی تھیں کہ دوبارہ جمعہ کے خطبہ کے دوران وہی آدمی یا کوئی اور کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بارش کی وجہ سے ہمارے گھر گر گئے۔ دعا کیجئے کہ بارش رُک جائے۔ حضور ﷺ نے دُعا کی بارش رُک گئی اور مدینہ منورہ سورج کی روشنی میں چمکنے لگا۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ نے یہ قصہ سُنایا تو بندہ باہر چلا گیا۔ آسمان کو دیکھا تو بالکل صاف تھا اور ستارے چمک رہے تھے۔

ایک مرتبہ بندہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ حج کے سفر میں تھا۔ مدینہ منورہ سے واپسی مکہ معظمہ آرہے تھے۔ راستے میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ایک صحرا میں گاڑی کھڑی ہو گئی۔ بندہ نے خیال کیا کہ جلدی اُتر جاؤں اور آذان دے دوں تاکہ قیامت کے دن یہ ریت کے ذرے بندہ کے ایمان کی گواہی دیں۔ بندہ ابھی گاڑی سے نہیں اُترا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ نے آذان شروع کی۔ بندہ حیران تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کس طرح اس معذوری کی حالت میں دوسرے کے سہارے گاڑی سے اُتر گئے۔ غالباً بندہ کا جو جذبہ تھا۔ وہ حضرت مولانا صاحبؒ کی وجہ سے تھا اور وہ سبقت لے گئے۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تھی۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ بندہ 1973ء سے 1995ء تک سفر و حضر میں رہا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بندہ نے عرض کیا

کہ حضرت آپ سے بندہ نے کبھی عذاب کی باتیں نہیں سُنیں تو فرمایا کہ بندہ میں خود تاب نہیں اور فرمایا کہ میں نے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں باب الخوف کو اِس طرح پڑھا کہ دو تین سطریں پڑھ لیتا تھا۔ پھر خوف کی وجہ سے لیٹ جاتا تھا۔ پھر جب ہمت ہو جاتی تھی تو پھر دو تین سطریں پڑھ لیتا تھا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے مجمعے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کو بیان کیا تو مجمعے میں سے کئی جنازے اُٹھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیوں عبد القادر میری رحمت ختم ہو چکی تھی؟ بہر حال ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ پر رحمتِ الٰہی کا غلبہ تھا اور بَشِّرُوا ولا تنفروا کے اصول مبارکہ کے تحت دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بے پناہ محبت تھی اور بیان میں آپ ﷺ کا ذکر میرے آقا و مولا حبیب خدا ﷺ سے فرمایا کرتے تھے۔ مسجد نبوی میں ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدمین شریفین میں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بندہ اور حاجی ممتاز خان تختی خیل حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ قدمین شریفین میں بیٹھے تھے۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبوی سے باہر نکلے تو حاجی ممتاز خان نے بندہ سے فرمایا کہ آپ نے حضرت مولانا صاحبؒ پر رحمت اُترتے دیکھی۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا صاحبؒ پر بارش کی طرح رحمت الٰہی برس رہی تھی۔ ایک مرتبہ ہاسٹل نمبر2، پشاور یونیورسٹی میں بیان میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہزار سال تک بھی لاالہ الا اللّٰہ پڑھتا رہا اور محمد رّسول اللہ ﷺ نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کو اُس کی لاالہ الا اللّٰہ قبول نہیں اور فرمایا کہ جب تک ایک انسان بھی حضور پاک ﷺ کی نسبت سے اللہ اللہ کہنے والا زمین پر موجود ہو گا تو زمین و آسمان کا نظام چلتا رہے گا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض لوگ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قرآن پاک موجود ہے تو

حدیث پاک کی کیا ضرورت ہے تو حضرت مولانا صاحبؒ نے جوش میں آکر فرمایا کہ قرآن اپنے قرآن ہونے میں قولِ محمد ﷺ کا محتاج ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی عقیدہ جو ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسان کا ایمان اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں ایمان باللہ کے لئے ایمان بالرسالت شرط ہے۔

آخر میں بندہ تحدیث بالنعمتہ کے طور لکھتا ہے کہ ایک سفر حج میں بندہ نے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کی امارت میں خدمت کا شعبہ سنبھالا۔ حج سے واپسی کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے بندہ کو دعا دی کہ یااللہ اِس کو خوش رکھ۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور جو اس کو خوش رکھتا ہے۔ اُسے بھی خوش رکھے (آمین)۔ یااللہ تعالیٰ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرما۔(آمین)

خلیل احمد صاحب خلیفہ مجاز بیعت

خلیل احمد ولد مولانا امیر محمد 4 ستمبر 1946ء کو سرائے نورنگ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول، سرائے نورنگ اور میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول، سرائے نورنگ سے پاس کیا۔ 1961ء میں جب میٹرک کا امتحان پاس کرلیا تو F.A/F.Sc کے لئے اسلامیہ کالج، پشاور میں داخلہ لینے کا ارادہ کیا۔ وہاں پہلے (Theology) B.A (تھیالوجی) میں داخلہ کا پروگرام تھا۔ لیکن ایک رشتہ دار سمیع اللہ خان جو PCSIR لیبارٹریز PF Section انچارج تھا اور سمیع اللہ خان جو ہمارے خاص گاؤں کا تھا۔ ان کے مشورہ سے ایگریکلچر میں داخلہ کا پروگرام طے ہوا اور

اس طرح FER پارٹ ون میں جو اس وقت اسلامیہ کالج میں زراعت کی کلاسیں ہوا کرتی تھیں، داخلہ لے لیا۔ اسی سال اکتوبر / نومبر میں حضرت مولانا صاحبؒ (مولانا محمد اشرف صاحب نوراللہ مرقدہٗ) کلاسوں کے لئے تشریف لاتے تھے اور آرٹس سیکشن جاتے تھے۔ تعارف تو نہیں تھا لیکن اُن کے چہرے کو دیکھتے اور جس مشقّت سے وہ تشریف لاتے تھے۔ دیکھتے تو قدرتی طور پر اُن کی طرف میلان پیدا ہو گیا اور آخرکار 1962ء میں حضرت مولانا صاحبؒ کے گھر آنا جانا شروع ہو گیا۔

حضرت مولانا صاحبؒ ان دنوں 10 نمبر بنگلہ میں رہائش پذیر تھے۔ کچھ مہینوں کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے انہی کوارٹرز میں قرآن پاک کا ترجمہ شروع کر دیا۔ چونکہ ان دنوں قاضی نورالحق ندوی صاحب (ڈین صاحب کے نام سے مشہور تھے) کے ذمے مساجد وغیرہ کا انتظام تھا۔ اس لئے دروازے بند کر کے ہمیں قرآن پاک پڑھاتے تھے۔ یہ سلسلہ چند مہینے چلتا رہا پھر بند ہو گیا۔ کچھ سالوں بعد حضرت مولانا صاحبؒ بنگلہ نمبر 14 میں منتقل ہو گئے۔ پھر وہاں سے بنگلہ نمبر 17 میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اور پنشن تک کا زمانہ یہیں گذارا۔ بنگلہ نمبر 17 کے زمانے میں حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنے لئے اور اپنی ہمشیرہ کے لئے زمین خرید لی۔ اور اس پر اپنے لئے گھر اور ہمشیرہ کے کرایہ کے کوارٹر تعمیر کرائے۔ ان کا انتظام پہلے شاہ ولی خان صاحب کے سپرد تھا۔ بعد میں اس ناکارہ کے ذمے یہ کام لگا دیا۔

بیعت

اس زمانے میں (1962ء سے 1973ء تک) حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس رہا اور ان کی خدمت کرتا رہا۔ مگر بیعت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں حضرت

مولانا صاحبؒ کے ساتھ بے باک تھا اور حضرت کی خدمت میں عرض کرتا تھا کہ میں بات کرنے میں آپ سے آزادی سے بات کرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ بے ادبی ہو جائے اور سب کچھ خراب ہو جائے۔ پھر 1973ء میں حج کے سفر میں حضرت بنوریؒ کے ہاں مدرسہ (بنوری ٹاؤن) میں قیام رہا۔ وہاں حضرت مولانا صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ سے عرض کیا کہ خلیل مجھ سے بیعت نہیں کرتے۔ آپ بیعت کرادیں۔ حضرت بنوریؒ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ سے آزادی سے بات کرتا ہے۔ آپ خود بیعت کرلیں۔ پھر 15 شعبان 1974ء کو میں نے حضرت سے بیعت کی اور اسی سال رمضان شریف میں اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس 1962ء سے لیکر 1975ء تک باقاعدگی کے ساتھ حاضری ہوتی رہی۔ طالب علمی کے زمانے میں 1961ء سے لیکر 1966ء (B.Sc (Hons عموماً عصر سے عشاء تک ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد حاضری عصر سے عشاء تک باقاعدگی سے معمول تھا۔ گھر وغیرہ کا کوئی کام اگر ہوتا تو اس کی سعادت اللہ پاک نے مجھ ناکارہ کو نصیب فرمادی تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ بحیثیت خادم کے کافی سفر ہوئے۔ ماہانہ مشورہ کے لئے رائے ونڈ جانا ہوتا بندہ اکثر اوقات ساتھ ہوتا اور شب جمعہ سے شہر اکثر رات 11:00 بجے واپسی ہوا کرتی تھی۔ بعض اوقات اس سے بھی دیر سے آیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ پانچ دفعہ 1971ء سے لیکر 1980ء تک حج کی سعادت نصیب ہوگئی۔ ان اسفار میں ایک دفعہ مولانا صاحب مکہ مکرمہ میں بہت بیمار ہوگئے۔ حرارت 105 ڈگری تک پہنچ جاتی تھی۔ اس دوران ایک دفعہ بخار بہت زیادہ ہوگیا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ حرم چلے جاؤ اور دو دو رکعت نماز پڑھ لو۔ واپس آئے تو افاقہ ہوا اور

فرمانے لگے بہت کچھ مل گیا۔ ایک دفعہ صبح کی نماز کے بعد مطاف میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً اشراق کا ٹائم تھا۔ فرمانے لگے بیٹا خلیل دیکھتے ہو کہ بیت اللہ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہو رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو کالا غلاف نظر آرہا ہے۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے مولانا صاحبؒ کو ملاقات کے لئے بُلایا۔ بندہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ ملاقات کے لئے بحیثیت خادم چلا گیا۔ جب اِدھر چلے گئے تو حضرت صاحبؒ نے بلایا اور کہنے لگے یہ کون ہیں؟ تو حضرت مولانا صاحبؒ نے جواباً عرض کیا کہ یہ ہمارے اٹھاؤ بھٹاؤ ہیں۔ یہ ملاقات کوئی دس پندرہ منٹ تھی۔ اور جو بات حضرت شیخؒ نے حضرت مولانا صاحبؒ سے کرنی تھی علیحدگی میں کی۔ اور پھر فرمایا اب جاسکتے ہو۔ پھر ہم وہاں سے واپس اپنے مکان چلے آئے۔

ان اسفار میں مدینہ منورہ میں جب حرم مدینہ سے باہر مکان کی طرف جاتے تو اکثر اوقات بازار سے جانا پڑتا تھا۔ تو حضرت کتابوں کی دکانوں پر تشریف لے جاتے تو جب کسی نئی کتاب پر نظر پڑتی تو خریدتے۔ عام طور پر کتابوں کی خریداری پر ہزاروں ریال صَرف ہو جاتے۔ 1980ء میں حضرت مولانا صاحبؒ کا دیوبند کے صد سالہ پروگرام میں شمولیت کے لئے جانے کا پروگرام طے ہوا۔ اس وقت بندہ ڈیرہ اسماعیل خان میں لیکچرر کی پوسٹ پر تعینات تھا۔ اتفاقاً ایک امتحان کے سلسلے میں ان دنوں پشاور آیا ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ دارالعلوم دیوبند جانا ہے۔ بندہ نے عرض کیا۔ حاضر ہوں اور ادھر سے فوراً پروگرام بن گیا۔ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ پروگرام میں کافی شرکاء تشریف لے گئے۔ صوبہ سرحد سے حضرت مفتی محمود صاحبؒ، مولانا عبدالحق صاحبؒ، مولانا آزاد صاحب تقریباً 500 شرکاء کو اجازت دی گئی تھی۔ وہاں حضرت مولانا صاحبؒ نے تقریباً ایک مہینہ گذارا۔ جس میں حضرت مولانا صاحبؒ اور اُن کے

رفقاء نے گنگوہ تھانہ بھون، کی زیارتیں کیں۔ اس کے بعد سہارنپور کا سفر بھی کیا۔ اور حضرت شیخؒ کے گھر میں ایک دعوت کا پروگرام تھا۔ اس میں تقریباً اکثر پاکستانی مندوبین شریک ہوئے۔ اس کے بعد حضرت لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا منظور نعمانی صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ حضرتؒ کے میزبان تھے اور رہائش ندوۃ العلماء میں تھی۔ یہاں (ندوہ) حضرت مولانا صاحبؒ نے تقریباً ایک مہینہ گذارا۔ اس کے بعد بریلی اور آگرہ بھی تشریف لے گئے۔ یہ ایک یادگار سفر تھا۔ ان حضرات کے ہاں حضرت مولانا صاحبؒ کا بہت اونچا مقام تھا۔ اور جو تأثرات ہم نے دیکھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے مقام کا ہمیں اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

شخصیت و اخلاق

حضرت مولانا صاحبؒ بہت نفیس شخصیت کے مالک تھے۔ اور بہت ہی نازوں کے پلے ہوئے تھے۔ بہت صفائی پسند تھے۔ ان کے والد صاحب نے ان کے لئے شملہ میں مکان بنایا ہوا تھا۔ حضرتؒ کے دو بھائی محمد اکرم صاحب اور ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور تین بہنیں تھیں۔ حضرت اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ لیکن وہ سب حضرتؒ کی اس طرح قدر اور عزت کرتے تھے۔ جیسے حضرتؒ بڑے ہوں اور اُن کے بھائی چھوٹے۔ خاندان کے لحاظ سے حضرت کا گھرانہ پشاور کے اونچے درجہ اور متمول گھرانوں میں شمار ہوتا تھا۔ معاملات بہت صاف تھے اور سخی تھے۔ ایک دفعہ ریٹائرمنٹ کے بعد ایک آدمی آئے۔ پہلے سے واقف تھے۔ اور غریب تھے کہنے لگے حضرت مجھے 20 ہزار روپے قرض دیدیں۔ حضرتؒ نے مجھ سے (خادم) فرمایا۔ بیٹا میرا چیک بُک لاؤ۔ اور ساتھ یہ فرمایا۔ میں کیسے انکار کر سکتا ہوں کہ میرے پاس رقم نہیں ہے اور مجھے

یقین بھی ہے کہ یہ رقم (قرض) واپس نہیں کریگا۔ میں چیک بُک لایا اور اس آدمی کو رقم دیدی۔ حضرت کا علماء سے بہت تعلق تھا اور علماء کی بہت قدر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی عالم دنیا سے رخصت ہو چکا ہوتا تو اُس کے دستخط کی زیارت کو برکت کا ذریعہ سمجھتے۔ بعض لوگ انٹرویو کے لئے آتے تو اُن کے استاد کا دستخط دیکھتے تو فرماتے اگر ان کی زیارت نہیں ہو سکتی تو اُن کی دستخط سے زیارت ہو جاتی ہے۔

بزرگوں سے تعلق

ایک دفعہ غالباً 1971ء میں کراچی حج کے لئے جانا ہوا۔ تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی زیارت کے لئے دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ علیل تھے۔ دارالاِفتاء آئے ہوئے تھے۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ دارالاِفتاء کے قریب پہنچ گئے تو حضرت مفتی صاحبؒ اپنی علالت اور کمزوری کے باوجود ننگے پاؤں دروازے تک آئے۔ اکثر اوقات حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ جب پشاور آتے تو حضرت مولانا صاحبؒ کے گھر پر بھی تشریف لاتے۔ اور پشاور یونیورسٹی میں اسلامیہ کالج کی مسجد میں اکثر ان کا بیان رکھواتے اسی طرح حضرت مولانا حافظ شیخ الحدیث عبداللہ درخواستی صاحبؒ تشریف لاتے۔ تو ان کا شام کو اسلامیہ کالج کی مسجد میں بیان رکھتے۔ حضرت مولانا احسان الحق صاحب کے والد جو حاجی بشیر اور بابو بشیر صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ اس زمانہ میں PTCL ویسٹ پاکستان۔ اکثر جب پشاور دورے پر آتے۔ قیام مولانا صاحب کے گھر ہوتا تھا اور کسی نہ کسی مسجد میں یا ہاسٹل میں اُن کا بیان رکھوایا جاتا۔

ایک دفعہ حج کا ارادہ فرمایا۔ غالباً 1971ء میں تو مکہ مکرمہ میں قاری سلیمان صاحب رہتے تھے۔ ان کو خط لکھا کہ کوئی جگہ کا بندوبست کرنا (کیونکہ ان دنوں میں

مکان خود کرایہ پر لینا پڑھتا تھا۔ سرکاری نہیں ہوتا تھا)۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جس نے بلایا ہے۔ وہ مجھ سے اچھا بندوبست کریگا۔

دعوت وتبلیغ

حضرت مولانا صاحبؒ نے اسلامیہ کالج میں تبلیغی کام اس طرح شروع کیا کہ چونکہ اسلامیہ کالج اور یونیورسٹی میں باہر سے اکثر جماعتیں نہیں آتی تھیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی 1957ء کی جماعت کے ساتھ یوگوسلاویہ، جرمنی وغیرہ (بیرون) تشکیل ہوگئی۔ جس میں مولانا ظاہر شاہ صاحب بھی تھے۔ واپسی پر اس طریقہ سے کام شروع کیا کہ لڑکوں کو جرمنی وغیرہ کے حالات بتاتا۔ اور اس میں تبلیغ کی بات بھی ہوجاتی۔ گشتوں کے بارے میں طریقہ سپین جماعت میں طے ہوتا تھا۔ یونیورسٹی میں کام مشکل تھا۔ آخرکار اُٹھان پیدا ہوگئی اور جس وقت 1961ء میں خادم نے ایگریکلچر میں داخلہ لیا تو اس وقت (زمانہ) عام طور پر جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد اسلامیہ کالج کی جامع مسجد میں سارے ہاسٹلوں کے امراء (ذمہ دار حضرات) آتے اور گشتوں کی ترتیب سوچی جاتی کہ کس ہاسٹل والے کس ہاسٹل میں بیرونی گشت کریں۔ اور اس میں ایک ہاسٹل میں حضرت مولانا صاحبؒ کا بیان بھی طے ہوجاتا۔ جس میں عام طوپر نزدیک ہاسٹلوں کے طلباء اور حضرت مولانا صاحبؒ کے تعلق والے آتے۔ جس ہاسٹل میں جس دن مولانا صاحب کا بیان ہوتا۔ اس ہاسٹل میں عجیب منظر ہوتا تھا۔ اگر مولانا صاحب کا بیان کسی ہاسٹل میں نہ ہوتا تو پھر مولانا صاحب کے گھر پر لوگ عصر کو آتے۔ عصر کی نماز کے بعد بات ہوتی۔ کوئی سوال کرتا یا مولانا صاحب پوچھتے کیا بات کریں۔ تو اس پر کوئی بول اُٹھتا تو مولانا صاحب اُس موضوع پر تفصیل سے بات فرمالیتے۔ یہاں تک کہ سوال

کرنے والے کی تشفی ہو جاتی۔ اس زمانے میں ماؤزی تنگ کا بہت زور تھا۔ تو بعض اوقات سوشلزم پر بھی بات ہو جاتی۔ یہ عصر سے مغرب تک بعض اوقات عشاء تک بات چلی جاتی۔ اس میں زیادہ تر طلباء اور پروفیسر حضرات ہوتے تھے۔ اور اس کے ساتھ شہر اور مضافات سے بھی لوگ آتے۔ کچھ لوگ تعویذات اور دم کرنے کے لئے بھی آتے تو حضرت ان کو تعویذ بھی دیتے اور دم بھی کرتے۔ اس واسطے سے بھی حضرت کا بہت ہی بڑا حلقہ تھا۔

اکثر بیعت کے لئے کوئی آتا تو اُن کو صبح کا وقت تجویز فرماتے۔ اور صبح کو بیعت فرماتے۔ بیعت کا سلسلہ تو سفر اور حضر ہر جگہ رہتا۔ ایک دفعہ رائے ونڈ میں اجتماع تھا۔ اُن دنوں اجتماع رائے ونڈ مرکز میں ہوا کرتا تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے حضرت بشیر حسین شاہ صاحب جو بعد میں پروفیسر اسلامیات بھی تھے۔ تشریف لائے مولانا صاحب ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ سوال کیا کہ تبلیغ والے پیروں کو نہیں مانتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خود پیر ہوں اور میرے ہزاروں مُریدہیں۔

اختیار الملک صاحب خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

حضرت اختیار الملک ضلع بٹگرام کے مشہور گاؤں پوڑہ شریف کے رہائشی اور سواتی قبیلے کی مشہور شاخ ملکاں قبیلہ سے تھے۔ والد ماجد کا نام شمروز خان تھا۔ 3 مارچ 1948ء کو بروز بدھ پوڑہ شریف میں پیدا ہوئے۔ حضرتؒ کی پیدائش اُس دور میں اُس علاقے کے مشہور بزرگ ناساپے بابا کی دعا کا نتیجہ تھی۔ حضرتؒ کا نام اُن کے والد ماجد نے اختیار الملوک رکھا تھا جو کہ بعد میں حضرت صاحب کے استاد محترم حضرت ابرار ہاشمیؒ صاحب نے بدل کر اختیار الملک رکھا۔

ابتدائی تعلیم

حضرتؒ نے ابتدائی دینی تعلیم، ناظرہ اور قرآن پاک اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ حضرتؒ کے والد صاحب کو ساری مثنوئی مولانا روم زبانی یاد تھی۔ پرائمری سکول کی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول ٹکری میرہ سے حاصل کی۔ پرائمری سکول میں تعلیم کے دوران غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کی بدولت حضرتؒ کے استاد محترم حافظ محمد یعقوب صاحب نے حضرتؒ کو ایک کلاس آگے کر دیا تھا۔ مڈل کی تعلیم گورنمنٹ مڈل سکول بٹگرام سے اول پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔ پھر بٹل ہائی سکول میں داخلہ لیا۔ جہاں سے میٹرک کی تعلیم اول پوزیشن لے کر حاصل کی۔ میٹرک کے بعد حضرتؒ نے زرعی کالج، پشاور یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ پشاور میں حضرتؒ نے پروفیسر سراج صاحب اور حضرت قاری نور محمد صاحبؒ سے ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر پڑھی۔ مانسہرہ میں حضرت سید ابرار ہاشمی صاحبؒ سے حدیث، فقہ، صرف ونحو، اصول فتویٰ وغیرہ علوم پڑھے۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ سے ملاقات اور بیعت

جب حضرتؒ نے زرعی کالج، پشاور یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو ساتھ والے کمرے میں عبدالرحمان صاحبؒ حضرت مولانا صاحبؒ کے مرید تھے۔ عبدالرحمان صاحبؒ کے اصرار پر وہ اپنے والدین سے اجازت لے کر مولانا صاحبؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ خانقاہ میں پہنچے تو پیر صاحبؒ بیان فرما رہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ یہ پیر صاحب کسی کے عاشق ہیں۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ کس کے عاشق ہو سکتے ہیں کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے قلب مبارک سے بے ساختہ بلند آواز میں لفظ اللہ نکلا اور

سیدھا میرے قلب میں پیوست ہو گیا۔ دِل نے کہا کہ حضرت پیر صاحب اللہ کے عاشق ہیں۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ اللہ کا نام اب بھی قلب میں محسوس کرتا ہوں۔ پھر حضرتؒ نے حضرت مولانا صاحبؒ سے بیعت فرما دی اور روزانہ بلا ناغہ عصر تا عشاء حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت میں رہنے لگے۔

حُبِّ شیخ، اتباعِ شیخ و ادبِ شیخ

یہ اوصاف ان میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ سے حد درجہ محبت تھی۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ وصال فرما گئے تو جب بھی اُن کا ذکر آتا تو آنکھ مبارک پر نم ہو جاتی اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے۔

خدا جانے مجھے کیا گھول کر ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جاچکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

1992ء میں حضرت مولانا صاحبؒ مانسہرہ تشریف لائے۔ حضرت سیدیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر انسان کا گوشت حرام نہ ہوتا تو میں اپنے جسم کے مختلف حصوں سے گوشت کاٹ کر ان کا کباب بناتا اور اپنے شیخ کو پیش کرتا۔ اپنے شیخ کے ساتھ اَدب کا یہ حال تھا کہ کبھی بھی زبانی کوئی بات نہیں کی جو کچھ کہنا ہوتا بذریعہ خط کہتے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا صاحبؒ کی عادت شریفہ تھی کہ سامعین سے اکثر کہا کرتے تھے کہ ہاں بھائی کچھ پوچھنا پاچھنا ہے تا کہ بات آگے بڑھائیں۔ سامعین میں سے کوئی نہ کوئی کچھ سوال کرتا اور مولانا صاحبؒ اس پر بیان فرماتے۔ ایک دن مجھ سے پوچھا کہ مانسہرہ والے تم کوئی سوال نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ حضرت جو پوچھنا ہو تو میں

تحریراً پوچھ لیتا ہوں۔ اس پر مولانا صاحبؒ کا چہرہ پُر نور چمک اُٹھا اور انتہائی خوش ہوئے۔ دوران تربیت خلافت ملنے سے پہلے ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ وضو بنانے پر پورے دو گھنٹے لگ جاتے تھے۔ میں نے مولانا صاحبؒ کو لکھا کہ حضرت وضو بنانے پر دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اگر تہجد کی نماز رہ جائے؟ تو حضرت مولانا صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ بھئی دو گھنٹے پہلے اٹھ جایا کرو یا اللہ کی محبت کا دعویٰ چھوڑ دو۔ پھر حضرت سیدیؒ نے اسی طرح حکم شیخ کی تعمیل کی۔ جب تک حضرت سیدیؒ پشاور اور ترناب فارم میں تھے تو عصر تا مغرب حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور جب مانسہرہ تبادلہ ہوا تو ہر مہینے میں ایک سہ روزہ اپنے شیخ کے ہاں گذارتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی اپنے شیخ کے ہاں کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی وہاں وضو بنایا کہ میرے شیخ پر بوجھ نہ ہو۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو بھی اُن سے بے پناہ محبت تھی۔ فرمایا کہ اوائل سلوک میں میں عمر میں چھوٹا تھا۔ کبھی کبھی میں جب آتا تو مولانا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ھُدھُد آ گیا اور کبھی فرماتے کہ ٹلاچڑ گک آ گیا۔ لوگ مزاح سمجھ کر ہنس دیتے بعد میں پتہ چلا کہ وہ اللہ کا ولی کس طرف اشارہ فرماتے تھے (یعنی ملکہ بلقیس کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ھُدھُد۔

خلافت اور اجازت

1989ء میں مانسہرہ ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ میں بطور ریسرچ آفسر تعینات تھے۔ فرمایا کہ میں اپنے شیخؒ سے ملنے پشاور گیا تاکہ حضرتؒ کو بتادوں کہ حج پر جارہا ہوں۔ جب میں سلیمان اکیڈیمی پہنچا تو اتفاقاً اُس وقت حضرت مولانا صاحبؒ اپنی خانقاہ میں اکیلے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا وعلیکم السلام کہنے کے بعد غور سے مجھے سر سے پاؤں

تک دو تین دفعہ دیکھا۔ میں بہت گھبرا گیا کہ کہیں کوئی غلطی میرے شیخ پر منکشف ہوگئی۔ میں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور مصافحہ کرکے ہاتھ مبارک چومے تو دوبارہ حضرت مولانا صاحبؒ نے دو تین بار سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا اور فرمایا کہ ہاتھ تو آپ کے چومنے کے لائق ہیں۔ فرمایا میں مزید گھبرا گیا پھر حضرت نے کہا پاس بیٹھ جاؤ اور مانسہرہ کے بارے میں بتاؤ۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے غور سے دیکھا اور یہ شعر پڑھا۔

جو میرے دل میں ہے اپنے دل میں سمجھ لیجئے گا
دلوں دلوں ہی میں ہوجائے فیصلہ دِل کا

اور مجھے اپنی کتاب سلوک سلیمانیؒ عطا فرمائی۔

اسی سال 1989ء میں حج سے واپسی کے کچھ دِن بعد حضرت سیدیؒ اپنے دفتر میں ڈیوٹی پر حاضر تھے کہ پوسٹ مین ایک خط لایا۔ خط حضرت مولانا صاحبؒ کی طرف سے تھا۔ جس میں مولانا صاحبؒ نے خلافت اور اجازت کا لکھا تھا اور لوگوں کی اصلاحی تربیت کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ خط پڑھتے ہی حضرت سیدیؒ بے ہوش ہوگئے۔ ساتھی ہسپتال لے گئے بعد میں افاقہ ہوا۔ حضرت سیدیؒ نے بذریعہ خط اپنے شیخؒ سے درخواست کی کہ حضرت جتنا ذکر اور باقی اعمال کا حکم ہو میں تیار ہوں۔ لیکن میں لوگوں کی تربیت کیسے کروں گا۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؒ نے لکھا کہ جب آدمی باپ بن جاتا ہے تو اولاد کی تربیت کا طریقہ اللہ خود بتادیتے ہیں۔

دینی خدمات

خلافت ملنے کے بعد حضرت سیدیؒ نوکری کی وجہ سے مانسہرہ میں مقیم تھے۔

محلہ کے لوگ تو پہلے ہی سے حضرت سیدیؒ کی شرافت، اخلاق اور اتباع سنت سے حد درجہ متاثر تھے اور حضرت سیدیؒ کی انتہائی عزت اور تکریم کرتے تھے۔ خلافت کے ملنے کے بعد حضرت سیدیؒ نے لوگوں کو دعوت دی اور حضرت مولانا صاحبؒ کی سنت مبارک کی طرح اپنے مکان کی بیٹھک میں عصر تا مغرب اصلاحی بیان کرنا شروع فرمایا۔ محلہ مسجد میں صبح کی نماز فجر کے بعد حضرت سیدیؒ قرآن کا درس دیتے۔ مسجد کے خطیب حضرت سید پروفیسر ابرار ہاشمی صاحبؒ جو کہ نقشبندی سلسلے کے بڑے بزرگ تھے نے بھی حضرت سیدیؒ کو خلافت اور اجازت دی۔

پھر انہوں نے اپنے آبائی گاؤں پوڑہ شریف میں اپنے خرچ پر دو تین کمروں کے برابر ایک خانقاہ بنائی اور ساتھ 10-12 غسل خانے وضو کے لئے بنائے۔ اور وہاں لوگوں کی اصلاحی تربیت کے کام کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سیدیؒ نے مانسہرہ میں اپنا گھر بنایا اور اس میں ایک بڑا کمرہ خانقاہ کے لئے مختص کیا۔ بعد میں گھر کے اوپر ایک بڑا ہال بنایا اور اس کے اوپر ایک اور ہال بنایا جو کہ صرف خانقاہ کے کاموں میں مستعمل ہے۔ دونوں خانقاہوں کو اپنے شیخؒ کے نام مبارک سے منسوب فرمایا۔ خانقاہ اشرفیہ مانسہرہ اور خانقاہ اشرفیہ گلشن چشتیہ پوڑہ شریف۔ ہر دو خانقاہیں آباد ہیں اور حضرت سیدیؒ کے فرزند حضرت مولانا بلال صاحب حضرت سیدیؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اُسی طرح اصلاحی تربیت کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کام کے آغاز میں ہر دو جگہوں پر حضرت سیدیؒ کے سخت دُشمن پیدا ہوگئے۔ جن کے بارے میں حضرت سیدیؒ نے اپنے شیخؒ کو لکھا کہ حضرت آپ کے حکم پر کام تو شروع کر دیا ہے مگر دُشمن پیدا ہوگئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک سطر میں جواب لکھا کہ اگر دُشمن پیدا ہوگئے تو دُوست بھی تو اللہ ہے۔

علالت

جب تک صحت تھی حضرت صاحبؒ ہر دو خانقاہوں میں خود ہی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پھر کمر درد، دائمی قبض، گھٹنوں اور جوڑوں کے درد سے حضرت سیدیؒ بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے۔ ویل چیئر پر کمرہ سے برآمدہ میں آتے اور شام کو اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ حضرت حسن خان اور حضرت خلیل احمد صاحبان کے مشورے پر اُن کے فرزند و خلیفہ جناب بلال صاحب نے خانقاہوں کا انتظام خود سنبھالا۔ 29 اکتوبر 2016ء بروز جمعرات مغرب کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد آرام کرنا چاہا۔ سینہ میں درد محسوس کیا اور دَس منٹ کے اندر اندر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ 30 اکتوبر 2016ء بروز جمعہ چار بجے جنازہ پڑھا گیا اور آبائی قبرستان میں دَفن ہوئے۔ ہزاروں مریدین اور پینتالیس خلفاء کو سوگوار چھوڑ گئے۔

پروفیسر میر حاتم صاحب خلیفہ مجاز بیعت

بچپن و خاندان

بندہ ناچیز میر حاتم ابن سید جمال ابن معزاللہ خان قوم مہمند کا تعلق قبیلہ بیزئی کے شاخ اتمر خیل کے شاہی خیل خاندان سے ہے۔ قبیلہ بیزئی مہمند کے چار بڑے قبیلوں (بیزئی، خویزئی، ترکزی اور حلیمزی) میں سے ایک ہے۔ جو مہمند ایجنسی کے افغانستان کے ساتھ بارڈر پر آباد ہے۔ داداصاحب معزاللہ خان وہاں سے ہجرت کر کے صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع و تحصیل چارسدہ کے کئی دیہات میں کاشتکاری کرتے تھے ناچیز کی پیدائش 10 مئی 1942ء کو موضع پلوسہ (چھوٹا) تحصیل و ضلع چارسدہ میں

ہوئی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں پر آج کل باچا خان یونیورسٹی آباد ہے۔ بندہ کا خاندان سات بہنوں اور دو بھائیوں پر مشتمل ہے۔ بندہ کی ولادت پانچ بہنوں کے بعد بڑی دعاؤں، آرزؤں اور مزارات کی حاضریوں کے بعد ہوئی۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم میں اپنی مسجد کے پیش امام سے ناظرہ قرآن شریف خلاصہ اور منیۃ المصلی پڑھی۔ پانچویں تک تعلیم اپنے گاؤں کے قریب (دوڈھائی کلومیٹر) پرائمری سکول ابراہیم زئی میں حاصل کی۔ 1956ء میں آٹھویں جماعت مڈل سکول شکر ڈھنڈ (سرڈھیری) اور میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول، چارسدہ سے 1958ء میں پاس کیا۔ فسٹ ڈویژن ہونے کی بناء پر اسلامیہ کالج، پشاور میں میڈیکل گروپ میں داخلہ بآسانی مِل سکتا تھا۔ لیکن اپنی مرضی سے ایگریکلچر میں داخلہ لیا۔ ایگریکلچر کالج، پشاور یونیورسٹی سے 1963ء میں بی ایس سی (آنرز) ایگریکلچر پاس کیا۔ شوگر کراپس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں بطور منیجر چند ماہ کام کیا۔ یہ بندہ کی خوش قسمتی تھی کہ ایگریکلچر کالج میں ایم ایس سی کلاسز شروع ہوگئیں۔ اس لئے نوکری کو خیرباد کہہ کر کالج میں داخلہ لیا۔

اعلیٰ تعلیم

ایک قابل ترین انسان ڈاکٹر شمس الاسلام خان کو امریکہ سے بلاکر زرعی کالج، پشاور کا پرنسپل لگایا گیا۔ انہی نے قواعد وضوابط کو مکمل کرکے ایم. ایس. سی. کلاسز کا آغاز کیا۔ اُن کے مرتب کردہ اصول و قواعد ابھی تک کارآمد ہیں۔ بندہ نے ستمبر 1963ء میں ایم ایس سی اگرانومی میں داخلہ لیا۔ اور 1965ء میں گولڈ میڈل کے ساتھ صوبے کے

اپنے کالج سے سب سے پہلے پوسٹ گریجویٹ ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ 1967ء میں ایم اے (پشتو) پاس کرکے صدارتی ایوارڈ حاصل کیا۔ 1972ء میں گلف یونیورسٹی کینیڈا سے ایم ایس سی اور 1988ء میں سندھ ایگریکلچر یونیورسٹی، ٹنڈوجام سے پی ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ملازمت

شوگر کراپس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، مردان میں چند ماہ کے سوا بندہ کی باقی تمام عمر پشاور یونیورسٹی اور پھر زرعی یونیورسٹی، پشاور میں پڑھانے میں گذری۔ ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کرنے سے پہلے بندہ اگرانومی ڈیپارٹمنٹ زرعی کالج، پشاور یونیورسٹی میں مارچ 1965ء بطور ڈیمانسٹریٹر بھرتی ہوا۔ ستمبر 1966ء سے باقاعدہ بطور لیکچرر تقرری ہوئی۔ جون 1970ء میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر ترقی ملی اور اگست 1982ء کو ایسوسی ایٹ پروفیسر کے پوسٹ پر فائز ہوا۔ باقاعدہ سلیکشن بورڈ کے ذریعے اپریل 1987ء کو پروفیسر کی پوسٹ پر تعیناتی ہوئی۔ اور مئی 2002ء میں گورنر کے احکامات کی بناپر بی پی ایس-21 میں ترقی دیکر "میری ٹوریس (Meritorious)" پروفیسر بنایا گیا۔ اس کے علاوہ بندہ دو دفعہ نو سال کے لئے ایگرانومی ڈیپارٹمنٹ کا چیئرمین رہا اور جولائی 1999ء فیکلٹی آف گراپس پروڈکشن سائنسز کا تین سال کے لئے ڈین مقرر ہوا۔ اپنی کارکردگی کی بنیاد پر بندہ کو تمغہء امتیاز صدر پاکستان کے ہاتھ سے مارچ 2002ء میں قصر صدارت، اسلام آباد میں دیا گیا۔ آخر زندگی کی ایک رُخ کی تکمیل کے بعد بندہ 60 سال پورے کرکے 10 مئی 2002ء کو اپنے عہدے سے ریٹائرڈ ہوا۔ والحمد للّٰہ علی ذالك

مولانا صاحب سے ابتدائی تعلق

بندہ نے بچپن میں اپنے مسجد کے پیش امام سے قرآن ناظرہ پڑھا تھا۔ چند سورتیں زبانی یاد کی تھیں اور نماز کا پابند تھا۔ بندہ کو نہ دیہاتی کھیلوں میں اور نہ دوسرے کھیلوں میں کبھی مہارت حاصل ہوئی اور نہ رغبت۔ اس لئے آخیر عمر تک کبھی کسی کھیل کا حصہ نہیں رہا۔ دَسویں پاس کرنے تک تو ایسا وقت گذرا کہ بڑوں کا ادب تو تھا۔ لیکن بزرگ بیعت، استفادہ، اصلاح وغیرہ کا نام تک نہیں سُنا تھا۔ میٹرک کے بعد 1958ء میں اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ غالباً 1960ء بندہ قرآن شریف کی تفسیر لینے کا خواہش مند ہوا۔ تو میرے چچازاد محمد اسرار جو مجھ سے ایک سال پہلے کالج آیا تھا، نے کہا کہ مولانا صاحب سے پوچھ لیں گے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا صاحب شیروانی پہنے سر پر قراقلی ٹوپی اور ہاتھ میں لاٹھی لئے عثمانیہ ہاسٹل کے سامنے سے گھر جارہے تھے۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا، تو فرمایا کہ حضرت اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن، یہ میری سب سے پہلی ملاقات تھی۔ اِن دِنوں میں تبلیغی گشتوں اور اسلامیہ کالج کی جامع مسجد میں مولانا صاحب کے بیانات کا سلسلہ نہیں تھا۔ اس لئے اس رُخ سے مولانا صاحب سے ملاقات یا بیان سُننے کا کوئی موقع نہیں آیا۔ البتہ محمد اسرار کی وساطت سے مولانا صاحب کے مکان نمبر 10 میں عصر کی مجلس میں دو تین دفعہ جانا ہوا۔ لیکن نہ کوئی خاص اثر لیا اور نہ کوئی تبدیلی محسوس کی۔ 1963ء میں بی ایس سی (آنرز) پاس کرکے کالج کو چھوڑا۔ اِسی سال گرمی کی چھٹیوں میں تبلیغ میں چلہ لگایا۔

پہلی ملازمت وحالات

ابھی زرعی کالج، پشاور میں ایم ایس سی کلاسز کا اجرا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بامرِ

مجبوری شوگر کراپس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ مردان میں بطور منیجر نوکری شروع کر دی۔ اور رہائش کے لئے ایک کوارٹر بھی ملا۔ بطور منیجر نوکری کی نوعیت ایسی تھی کہ سرکاری پیسہ اور سرکاری سامان وغیرہ تو استعمال ہوتا افسروں کے گھروں میں ان کی بیوی بچوں کے لئے، نوکروں کے لئے اور اُن کی بھینسوں گائیوں کے لئے اور مجھ کو سرکاری کھاتے میں لکھنا پڑتا۔ ایک دفعہ جب میں گاؤں میں چھٹی کا دِن گذار کر واپس آیا۔ دیکھا کہ لیبر جمعدار نے فارم کے درخت کاٹ کر اور اُن کو چیر کر سوختنی لکڑی کا ایک بڑا سارا ڈھیر گھر میں لگایا ہوا تھا۔ جب پوچھا کہ یہ کیوں کیا تو کہنے لگا۔ جی سردی کا موسم آرہا ہے۔ آپ کیا جلائیں گے اگر یہ نہ ہوں۔ سمجھتے ہوئے ایسے کھلے حرام میں مبتلا ہونا طبیعت پر ایک مسلسل بوجھ تھا۔ اس کے علاوہ فارم کی کالونی میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی لیکن نہ اُس میں پیش امام تھا اور نہ پنج وقتہ باجماعت نماز کا کوئی بندوبست۔ طبیعت میں ایک مستقل کدورت بے چینی اور اضطراب کی کیفیت رہتی تھی۔ چونکہ اس سے پہلے مولانا صاحب کی مجلس کی ایک جھلک دیکھ چکا تھا۔ اور کچھ چسکا بھی لگ چکا تھا۔ بلکہ جیسے مشہور قول ہے کہ جو بھی بنا ہے۔ بزرگوں کی نظر سے بنا ہے۔ خواہ اس کو پتہ ہو یا نہ ہو۔ میں کہونگا کہ مولانا صاحب کی نظر مجھ پر بھی پڑ گئی تھی۔ بلکہ سارا کمال اُسی نظر کا تھا کہ میں نے اپنے سے وعدہ کیا کہ اگر اب پھر یونیورسٹی جانا ہوا۔ تو مولانا صاحب کے ہاں سے نہ ہٹوں گا۔ جیسے حضرت اَنسؓ نے فرمایا تھا۔ ایک رات حضرت اَنسؓ نے جب چھوٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے تہجد کو اٹھنے سے پہلے پانی کا لوٹا بھر کر رکھ دیا۔ اور مسواک وغیرہ رکھ دی۔ حضور ﷺ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حضرت اَنسؓ سے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو اُنہوں نے کہا۔

من از تو ہیچ مرادے دِگر نمے خواہم
ہمیں قدر بکنی کز خودم جدا نہ کُنی

ترجمہ: میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتا۔ صرف یہ کہ مجھے اپنے سے جُدا نہ کریں۔

یونیورسٹی میں واپسی اور مولانا صاحب سے قربت

اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش، آرزو یا دُعا قبول فرمائی اور یونیورسٹی میں واپس آنے کے سامان پیدا ہونے لگے۔ وہ ایسے کہ زرعی کالج کے نئے پرنسپل شمس الاسلام خان نے اِسی سال ایم ایس سی کلاسز کا اجرا کر لیا۔ اور بندہ نے نوکری سے استعفیٰ دیکر ایم ایس سی میں داخلہ لے لیا۔ اور ہاسٹل نمبر 6 میں براجمان ہوا۔ بس اب کیا تھا۔ عصر تا عشاء کا وقفہ مستقلاً مولانا صاحب کی مجلس کے لئے وقف تھا۔ بلکہ انتظار رہتا تھا اور حالت حضرت سید صاحبؒ کے اِس شعر کے مصداق تھی۔

اب درِ پیر مغاں چُھوٹے نہیں اُس کی مٹی میں بھی کیف جام ہے

گرمی ہو یا سردی، آندھی ہو یا طوفان، بارش ہو یا اولے، عصر اکثر مولانا صاحب کے ساتھ پڑھنا اور عشاء پڑھ کر واپس آنا روزانہ کا معمول بن گیا۔ مولانا صاحب سے اُنسیت بڑھتی گئی۔ مولانا صاحب کے ساتھ چھوٹے موٹے سفروں پر جانا بھی شروع ہوا۔ اس طرح تقریباً دو سال گذر گئے۔ ابھی میری ایم ایس سی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کالج میں ڈیمانسٹریٹر لگ گیا اور ساتھ ہاسٹل نمبر 7 کا اسسٹنٹ وارڈن بنایا گیا۔ اکثر ہاسٹل کے اندرونی بیرونی گشتوں میں مولانا صاحب کو بیان کے لئے بُلاتے۔ پھر کھانے کی دعوت ہوتی۔ دوست احباب کی مجلس لگتی اور دیر ہونے کی صورت میں مولانا صاحب

ہمارے ساتھ ہاسٹل میں رات گذار لیتے۔ ایک دفعہ تو حضرت مولانا فقیر محمد صاحب بھی رات کو ہمارے ہاں ہاسٹل میں ٹھہر گئے۔

دوست احباب

پڑ گئی تھی اُن پہ بھولے سے نظر بات اتنی سی قیامت ہوگئی

ایم ایس سی کرنے کے لئے جب یونیورسٹی واپس آیا تو ہاسٹل نمبر 6 میں کمرہ ملا۔ اتفاق سے جناب محمد سراج صاحب بھی اسی ہاسٹل میں مقیم تھے۔ اس سے پہلے بندہ اسلامیہ کالج، پشاور کے ٹرائبل ہاسٹل میں رہ چکا تھا۔ اور محمد سراج صاحب بھی اُسی ہاسٹل کے مکین تھے۔ لیکن اُن کے ساتھ کوئی خاص شناسائی نہیں تھی۔ حالانکہ محمد سراج صاحب کے ایک دوست حافظ حسین علی شاہ ہمارے رومیٹ تھے۔ محمد سراج صاحب سے شناسائی اور تعلق ہاسٹل نمبر 6 کی رہائش کے زمانے میں ہوا۔ ایک وجہ تو ہاسٹل کی مسجد میں نمازوں کے اوقات میں ملنے کا تھا۔ اور دوسری حضرت مولانا صاحب کے ہاں کے عصر کی مجلس میں۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مولانا صاحب کے ساتھ تعلق بڑھنے اور بیعت وغیرہ کا سبب بھی محمد سراج صاحب تھے۔ محمد سراج صاحب چونکہ عالم بھی تھے اور مزید علم کے حصول کے بارے میں ہمیشہ جستجو میں رہتے تھے۔ اس لئے اپنے کمرے میں قرآن مجید کی تفسیر کا درس بھی شروع کیا۔ اِسی طرح دو دفعہ انہوں نے پورے قرآن مجید کا ترجمہ ہمیں پڑھایا۔ اس درس میں بندہ کے علاوہ غلام حبیب مروت، شاہ عبدالرحیم شاہ اور دوسرے کئی ساتھی شریک تھے۔ اُن کے ساتھ تعلق اتنا بڑھا کہ جب بندہ فروری 1965ء میں اسسٹنٹ وارڈن بنا تو سراج صاحب کو ساتھ رکھا اور اسی طرح وارڈن بننے کے بعد بھی بندہ کی اپریل 1970ء میں کینیڈا جانے تک ساتھ

رہا۔ تعلق ایسا کہ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا پھرنا، سفر کرنا اور دوست بھی سب ایک ہو گئے۔ سراج صاحب کی دوستی اور مشوروں نے مجھے ہمیشہ فائدہ دِیا۔ دوستی میں نہ کبھی بے وفائی ہوئی نہ تلخی و ناراضگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ آج تک قائم و دائم ہے۔ اِسی زمانے میں جناب شیر حسن صاحب سے بھی تعلق بنا۔ جو تعلق سے بڑھ کر دوستی اور اُس سے بڑھ کر الفت و محبت تک جا پُہنچا۔ حج و عمرے کے بے شمار سفر اکٹھے کئے۔ اندرونی اور بیرونی سفر بھی ہوئے۔ الحمدللہ کبھی تلخی ناراضگی یا بے اتفاقی کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ الحمدللہ کہ اب بھی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ ایک زمانے میں ہم تینوں حضرت مولانا صاحب کی ہمشیرہ کے کوارٹرز میں اکھٹے رہے۔ بندہ اپنے دینی و دنیاوی امور میں انہی حضرات سے مشورہ ور ہنمائی حاصل کرتا رہا۔ سب سے پرانے دوستوں میں فضل و دود بابو صاحب کا نام نمایاں ہے۔ جو پانچویں جماعت سے لیکر اب تک دوستی کا دَم بھر رہا ہے۔ سراپا اخلاص و محبت، ہمدردی و غم گساری کا نمونہ ہے۔ وہ پروفیسر ریٹائرڈ ہوئے۔ لیکن ہمارے لئے ابھی تک بابو صاحب ہیں۔ جو محبت و بے تکلفی کی نشانی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کو دیکھے بغیر آرام نہیں آتا۔ اُن کی محبت میرے لئے سرمایہ آخرت ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے ایسے مخلص دوست عطا کئے۔ جن کی دوستی پر مجھے فخر ہے۔ اور اب تو یہ حال ہے۔

جو ان کی خوشی ہے۔ وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا دِل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم
ہم اور وہ ہوجائیں جدا اب نہیں ممکن
ہیں نکہت وگل، مہر و ضیا، شیر و شکر ہم

حضرت مولانا صاحب سے باقاعدہ بیعت ہونے کی صحیح تاریخ تو مجھے یاد نہیں۔ لیکن اغلب خیال یہی ہے کہ سال 1963ء کے آخری مہینوں میں بیعت ہوئی۔ حضرت مولانا صاحب سے میری پہلی اصلاحی مکاتبت 5 ستمبر 1965ء میں ہوئی۔ لیکن چونکہ روزانہ حضرت مولانا صاحب کے ہاں حاضری ہوتی تھی۔ اس لئے اکثر بالمشافہ جو بات ہوتی پوچھ لیتے۔ نومبر 1967ء میں ناچیز کی شادی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کولمبو پلان کا سکالر شپ ملا۔

بیرون ملک

سکالرشپ کی بنیاد پر کینیڈا کی گلف یونیورسٹی میں داخلہ ملا۔ جو وہاں کی بہترین یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت مولانا صاحب کی تربیت کی بناء پر بندہ اِس عزم کے ساتھ روانہ ہوا کہ انشاء اللہ وہاں کے قیام کے تمام عرصہ میں اپنے لباس میں رہونگا۔ اور دین پر کاربند رہونگا۔ حضرت مولانا صاحب کی ہدایت کے مطابق عورتوں کے اختلاط سے پرہیز کرونگا۔ حضرت مولانا صاحب کی ہدایت کے مطابق جاتے ہوئے عمرہ کرنے کا بھی بندوبست کر لیا۔ حضرت مولانا صاحب نے ازراہ کرم اپنی لاٹھی بھی عطا کر دی۔ اب بندہ قمیص شلوار میں ملبوس سر پر قراقلی ٹوپی اور ہاتھ میں وہی حضرت مولانا صاحب کی لاٹھی لئے جب پشاور ائیر پورٹ سے کراچی کے لئے روانہ ہوا تو اور دوستوں کے علاوہ بابو صاحب فضل ودود زار و قطار رو رہے تھے۔ میری بھی حضرت مولانا صاحب سے اور باقی دوستوں سے جدائی کی بناپر حالت غیر تھی۔ دوسرے دِن کراچی سے جدہ پُہنچا۔ حضرت مولانا صاحب نے ارشد صاحب کے داماد ڈاکٹر اشفاق کو پہلے خط لکھا تھا۔ اس لئے جدہ ائیر پورٹ پر وہ خود تو نہ آسکے۔ لیکن پاکستان سے تبلیغی جماعت

کے امیر کو میرے استقبال کے لئے بھیجا تھا۔ عمرہ بھی جماعت کے ساتھیوں کی سرکردگی میں ادا کیا۔ کعبتہ اللہ شریف کی پہلی دید اور رُعب کی وجہ سے میری نیند اُڑ گئی۔ چونکہ میرا وقت بھی کم تھا۔ اور جماعت والے ساتھی بھی مدینہ منورہ جانا چاہتے تھے۔ اس لئے جماعت کے ساتھ ہی مدینہ منورہ جاکر مسجد نور تبلیغی مرکز میں فروکش ہُوا اور حضرت مولانا سعید خان صاحب کی مہمان نوازی سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ انہوں نے اپنی جیب سے پیسے دیکر میرے ساتھ آدمی بھیج کے سلام پڑھوایا اور زیارتیں کروائیں مدینہ منورہ سے واپسی جدہ اور جدہ سے کنیڈا کے لئے روانگی ہوئی۔

کنیڈا آمد و قیام

جدہ کے راستہ لندن ٹرنٹو اور وہاں سے بذریعہ ریل گلف یونیورسٹی جانا ہوا۔ گلف ریلوے اسٹیشن سے انٹرنیشنل سٹوڈنٹ ایڈوائیزر لینے آیا تھا۔ راستے میں ناشتہ پر پہلی آزمائش ہوئی کہ اُس نے اپنے لئے کافی اور پورک (خنزیر کا گوشت) کا آرڈر دیا۔ اور میرے لئے چائے اور انڈے کا۔ بیرہ نے کافی اور پورک لاکر میرے سامنے رکھ دِی۔ لیکن ایڈوائیزر سمجھ گیا۔ اور فوراً تبدیل کر دی۔ اُس نے یونیورسٹی میں پہلے سے موجود چند پاکستانی مسلمان طلباء سے ملایا۔ جن میں عبد الحق، فیصل آباد اور سومرو، ٹنڈو جام سے تھے۔ انہوں نے میری رہائش اور کھانے پینے کی اشیاء خریدنے میں خوب مدد کی۔ اب بالکل اکیلے رہنا، اکیلے نماز پڑھنا، اکیلے انا، اکیلے جانا، بغیر قید کے قیدیوں والا معاملہ شروع ہو گیا۔ البتہ اتوار کو قصبہ کے مسلمان اکٹھے مل کر ظہر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔ حرام ذبیحہ کی وجہ سے بندہ نے گوشت سے مکمل پرہیز کی ہوی تھی۔ ساتھی فکر مند ہوئے کہ گوشت کے بغیر آپ کیسے گذارہ کر سکیں گے۔ اِس لئے دوسرے اتوار کو پروگرام بناکر

ایک پولٹری فارم پر گئے۔ جن مرغیوں نے انڈا دینا بند کیا ہوا تھا۔ وہ فی مرغی آدھے ڈالر کے حساب سے ملی۔ بازار میں نرخ ڈیڑھ ڈالر فی مرغی تھا۔ ذبح کرنا اور کاٹنا ہم خود کرتے تھے۔ فریج میں صرف دو چار مرغیاں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے بار بار جانا پڑتا۔ ایک ہی دفعہ بہت ساری مرغیاں کاٹ کر رکھنے کا مسئلہ تھا۔ شاید رزق حلال کی طلب کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اُسے خوب حل کیا۔ یونیورسٹی سے ہم نے ایک فریزر رکھنے کے لئے جگہ مانگی۔ انہوں نے ہمیں ایک بڑے کولڈ روم میں جگہ دے دی۔ جس میں بیک وقت دَس گائیں کاٹ کر بھی رکھ سکتے تھے۔

الحمدللہ کہ نماز پابندی سے ادا کرتا تھا۔ خواہ جو بھی حالات ہوں۔ سفر ہو، کانفرنس ہو، کلاس ہو یا اور کوئی مسئلہ، نماز قضا نہیں ہونے دی۔ اسی طرح روزے بھی، جو بھی تبلیغی جماعت آتی۔ اُن کے ساتھ کچھ وقت ضرور لگاتا۔ اور وہ بھی میری سکون اور خوشی کے لمحات ہوتے تھے۔ دین پر چلنے اور حرام سے پرہیز کی برکت تھی کہ یونیورسٹی میں جو بھی دعوت ہوتی۔ مجھ سے پہلے پوچھ لیتے تھے کہ آپ کیا کھائیں گے اور اسی طرح پینے کے لئے، یہاں تک کہ نماز کے وقت میں گاڑی رُکوا لیتے اور نماز پڑھتے وقت سامنے سے گذرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ بلکہ نماز پڑھنے کی یاددہانی کراتے۔ لیکن عورتوں کے اختلاط سے پرہیز اور نظر کی حفاظت سخت مراحل تھے۔ جن کا کنٹرول کرنا مشکل تھا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے کسی بڑی آزمائش سے بچائے رکھا۔ بندہ سمجھتا ہے کہ ان سب کی وجہ اللہ کا فضل اور مولانا صاحب کے ساتھ تعلق تھا۔ ورنہ ایسے سخت اوقات بھی آئے کہ مولانا صاحب کو خط لکھا۔ اور جواب کی اتنی سخت شدت سے انتظار اور تشنگی ہوتی تھی کہ تیسرے دن دوسرا خط روانہ کر دیتا۔ حالانکہ معلوم تھا کہ تین چار دن میں تو

خط پہنچ بھی نہیں پاتا۔ جواب کیسے آجائیگا۔ اور جواب آنے سے ایسی تسلی ہو جاتی تھی۔ جیسے آگ پر پانی ڈالا جائے۔ میرے ساتھ ایک دوسرا پاکستانی ساتھی ہر وقت پریشان رہتا تھا۔ مجھے کہتے۔ میر صاحب آپ اتنے مطمئن کیوں ہیں؟ اُس بے چارے کو پتہ نہیں تھا کہ میرا تعلق ڈائریکٹ گرڈ سٹیشن سے ہے۔ یعنی اپنے حضرۃ الشیخ سے۔

کینیڈا سے واپسی

ان سب کے باوجود میں محسوس کر رہا تھا کہ میری روحانی حالت ایسی گر رہی ہے۔ جیسے کسی پہاڑ سے کسی گول چیز کو لڑھکا دے۔ اللہ اللہ کر کے میرا وقت وہاں پر پورا ہوا اور جب میرے کینیڈین ساتھیوں نے پوچھا کہ میر! آپ کینیڈا میں رہنا نہیں چاہتے۔ تو میں نے برجستہ کہہ دیا کہ یہ دو ڈھائی سال کا جیل کافی تھا۔ جس پر وہ سخت حیران و پریشان ہوتے کہ لوگ تو یہاں رہنے کے لئے جان دینے کو بھی تیار ہوتے ہیں۔ بہر حال بندہ ستمبر 1972ء میں لندن، استنبول، تہران میں کچھ وقت گذار کر سعودی عرب عمرہ کی غرض سے وارد ہوا۔ اس بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی آپ کو سناؤں۔

لندن میں بندہ کا قیام تبلیغی مرکز مشرقی لندن کی مسجد میں تھا۔ عمرہ کے لئے ویزہ لینے کے لئے سعودی عرب کے سفارت خانے جاتے جاتے کافی دیر ہوگئی۔ جب پہنچا تو سفارت خانے کے متعلقہ اہلکار کو کاغذات بغیر فوٹو گراف کے دے دیئے۔ کہنے لگے کہ صرف دَس منٹ باقی ہیں۔ آپ دَس منٹ میں فوٹو گراف لے آئیں۔ ورنہ ہم دفتر بند کر رہے ہیں۔ میری پریشانی کی انتہا نہ رہی۔ ایک دوسرے شخص نے میری پریشانی دیکھ کر کہا کہ نیچے انڈر گراؤنڈ ریلوے سٹیشن میں کیمرے لگے ہیں۔ جا کر فوراً لے آئیں۔ چار فوٹو گراف لے آیا۔ تو فرمایا کہ ویزہ کل دو بجے ملیگا۔ دو بجے میری استنبول جانے کے لئے

فلائٹ تھی۔ اس کا رویہ بھی بہت نامناسب اور تحکمانہ تھا۔ بندہ کو بھی غصہ چڑھا۔ کاغذات اُن سے واپس لیکر اُس کو خوب کھری کھری سنائیں۔ کہ لوگ مکہ اور مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں ہے کیا؟ تبلیغی مرکز جاکر جب دوستوں کو سارا ماجرا سُنایا تو فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفت کا اچھا موقع دیا ہے۔ فلائٹ ایک دن لیٹ کر دیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں تو دوبارہ اُس آدمی کے پاس نہیں جاؤنگا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم ایک دوسری جماعت کے لئے ویزہ لینے جارہے ہیں۔ آپ بھی پاسپورٹ دے دیں۔ انہوں نے میرے لئے ویزہ حاصل کیا۔ بندہ نے پروگرام کے مطابق عمرہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ بھی حاضری دی اور تبلیغی ساتھیوں کو دعائیں دیتا رہتا کہ اتنی عظیم سعادت وبرکت اور نعمت سے محروم نہ رہا۔ سچ ہے کہ خاص کر حج وعمرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ بندے کے اخلاص وطلب کو ٹھونک بجا کر دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ اور توفیق خیر تھی۔ ورنہ بندہ خود ہیچ در ہیچ ہے۔

واپسی مولانا صاحب کے ہاں

کینیڈا میں تقریباً ڈھائی سال گذار کر ستمبر 1972ء واپس وطن آیا۔ کوئی ڈیڑھ ماہ باہر گذار کر آخر مولانا صاحب کے قریب جگہ مل گئی۔ مولانا صاحب کے سرکاری مکان A-17 کے قریب اسلامیہ کالج کی حد سے متصل عبداللہ جان کالونی میں مولانا صاحب کی خرید کردہ زمین میں مولانا صاحب کی ہمشیرہ کے کوارٹر تھے۔ ایک کوارٹر بندہ کو کرایہ پر ملا۔ یہ جگہ مولانا صاحب کے مکان سے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ بس اب کیا تھا۔ پانچوں نمازیں مولانا صاحب کے ساتھ اکٹھے پڑھنا، کالج کی ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ باقی سارا وقت مولانا صاحب کے ساتھ گذرنے لگا۔ مولانا صاحب کی بیٹھک ہماری

مسجد بھی تھی، حجرہ بھی تھا اور تفریح کا میدان بھی۔ رات مولانا صاحب کو سُلا کر گھر آنا اور صبح سویرے پھر جگانے اور اٹھانے کے لئے پہنچنا معمول بن گیا۔

مزے لوٹو کلیم اب بن پڑی ہے
بہت اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

یہ تین کوارٹر تھے۔ جس میں بندہ کے علاوہ پہلے شیر حسن اور پھر خلیل احمد آگئے۔ خلیل احمد کے گومل یونیورسٹی ڈی آئی خان جانے کے بعد محمد سراج سواتی شِفٹ ہوگئے۔ بندہ کو جب سرکاری رہائش J-21 ملی تو بھی مولانا صاحب کے ساتھ پرانا معمول باقی رہا۔ اور اُس کے بعد جب S-10 میں چلا گیا تو بھی یہی سلسلہ جاری رہا۔ کیونکہ یہ دونوں رہائش گاہیں قریب تھیں۔ مولانا صاحب کے ساتھ جہاں بھی چلے جاتے اور واپسی خواہ آدھی رات کو ہوتی تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بھی مولانا صاحب کو جس وقت ضرورت پڑتی۔ ہمیں بلاتے اور ہم حاضر ہو جاتے۔

خدمات

مولانا صاحب کی خدمت کرنے کی کئی شکلیں تھیں۔ پہلے خدمت کرنے کا طریقہ سیکھنا پڑتا تھا۔ مولانا صاحب کی طبیعت نہایت حساس اور نظافت پسند تھی۔ مشہور تو یہ ہے کہ

نازک مزاجِ شاہاں تاب سخن نہ دارد

لیکن میرے خیال میں اگر بزرگوں کی نازک مزاجی کو دیکھ لیں تو شاید شاہانِ دُنیا اپنی نازک مزاجی بھول جائیں۔ حضرت مولانا مظہر جان جاناںؒ کے ہاں ایک نواب صاحب نے پانی کے برتن پر کٹورہ ذرا ٹیڑھا رکھ دیا۔ حضرت نے ٹوکا کہ تمہیں کٹورہ بھی

ٹھیک رکھنا نہیں آتا۔ تم حکومت کیسے چلاؤ گے۔ کٹورہ ٹیڑھا رکھنے سے میرے سر میں درد ہو گیا۔ اِس طرح حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نے قصہ سُنایا کہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بدن دَباتا تھا۔ ایک دفعہ جب گاؤں کچھ وقت گذار کر واپس آیا۔ اور بدن دَبانے لگا تو فوراً چیخ کر فرمانے لگے۔ بھول گئے بھول گئے۔ طریقہ بھول گئے۔ اِس طرح ایک دفعہ مولانا صاحب سے ہم نے کہا کہ بابو صاحب آپ کو پیٹھ پر اٹھالیگا تو فرمانے لگے۔ نابھائی وہ تو مجھے بوری کی طرح اُٹھاتا ہے۔

مہمانوں کی خدمت

مولانا صاحب کے مہمانوں کی خدمت ہمارے ذمہ تھی۔ مہمانوں کا استقبال کرنا، ان کو رخصت کرنا، چائے پلانا، کھانا کھلانا اور اُن کے دوسرے لوازمات پورے کرنا۔ مولانا صاحب کے رشتہ دار بھی مہمانوں سے کم نہ تھے۔ بلکہ مولانا صاحب اُن کا مہمانوں سے بھی زیادہ خیال رکھتے تھے۔ مولانا صاحب کی طرف سے میزبانی کے فرائض ہم انجام دیتے تھے۔ اور اگر کچھ گڑبڑ ہو جاتی تو ذمہ داری بھی ہم پر آپڑتی تھی۔ اِسی طرح حج اور دوسرے سفروں میں مولانا صاحب کے ساتھ جتنے لوگ ہوتے سب کی خدمت کرنی پڑتی۔ خاص کر حج کے سفر میں تو لوگ اپنا پاسپورٹ مولانا صاحب کے حوالے کرتے باقی سب کچھ ہم نے کرنا ہوتا تھا۔ اور اکثر یہ سلسلہ حج کے بالکل آخری دنوں میں شروع ہوتا۔ اس لئے ایک دفعہ بندہ نے مزاحاً مولانا صاحب سے عرض کیا کہ حج پر جانے کا بندوبست ذرا پہلے سے شروع کیا کریں۔ بالکل آخیر میں شروع کر کے ہماری دوڑیں لگاتے اور تیل کیوں نکالتے ہیں؟ دوسرے ساتھیوں کی خدمت کا یہ سلسلہ حج میں بھی چلتا اور ساتھ ہماری شکایتیں بھی لگتیں۔ لیکن برکت سب مولانا

صاحب کی تھی کہ سب کو جُڑے رکھتے۔

اسفار میں شرکت

مولانا صاحب نے کل نو حج کئے اور پشار سے مستقل سفر کرکے دو عمرے کئے۔ بندہ پہلے دو اور آخری حج کے علاوہ باقی سب میں شریک رہا۔ اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات میں بھی ساتھ تھا۔ دیوبند کے علاوہ، سہارن پور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، اجمیر شریف، آگرہ، تھانہ بھون، نانوتہ، گنگوہ، جلال آباد، رائے بریلی کے سفر بھی ہوئے۔ بندہ نے تین حج اور بیس عمرے مولانا صاحب کی شرکت کے علاوہ بھی کئے۔ ان میں وہ عمرے شامل نہیں جو تنعیم مسجد عائشہ، بیر علی مدینہ منورہ یا جعرانہ سے نیت باندھ کر کئے۔ ہر حج کے ساتھ کم از کم چار عمرے کئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

خطوط کے جوابات

مولانا صاحب ہر مرید کو خط لکھنے کا طریقہ بتاتے کہ صفحے کو آدھا کرکے بائیں جانب اپنے سوالات لکھیں۔ دائیں جانب مولانا صاحب جواب لکھتے۔ اول اول کے خطوط کے جوابات مولانا صاحب خود لکھتے۔ پھر جب مریدین کی تعداد بڑھی اور خطوط زیادہ ہوگئے تو مولانا صاحب املا کراتے اور شیر حسن لکھتے۔ شیر حسن کے امریکہ جانے کے بعد یہ خدمت بندہ کے حوالے ہوئی۔ جو مولانا صاحب کی وفات تک باقی رہی۔ عام خطوط پر بندہ لکھتا۔ خادم محمد اشرف۔ بقلم میر حاتم۔ بعض خطوط خاص کر خواتین کے متعلق مولانا صاحب فرماتے کہ اپنا نام نہ لکھیں۔ اور بعض ایسے تھے کہ جن کا جواب

مولانا صاحب خود اپنے ہاتھ سے لکھتے۔ بہر حال خطوط کا سنبھالنا، رکھنا، ڈاک کے حوالے کرنا بندہ کے ذمہ تھا۔ خطوط لکھنے سے بندہ کو بے انتہا فائدہ ہوا۔ کہ مختلف مسائل و سوالات کے جوابات معلوم ہوتے۔ اور سلوک کے بہت ساری گتھیوں کے سلجھنے کا طریقہ معلوم ہو جاتا۔ آخری دنوں میں فرمایا۔ اب تو آپ جوابات لکھ سکیں گے۔ خط کا جواب ضرور دیتے خواہ ایک سال بعد ہو۔ مولانا صاحب پر حاسدین و بہتان تراشوں کی یلغار ہوئی، وائس چانسلر عبد العلی خان کے دفتر میں اُس کے غیض و غضب کا سامنا ہو یا لالہ اکرم کی جائیداد کا قبضہ لینا ہو۔ بندہ نے ہمیشہ اپنے آپ کو مولانا صاحب کے ساتھ کھڑا پایا۔ والحمد اللہ علی ذالك۔

مولانا صاحب کی خدمت

مولانا صاحب کی خدمت میں سب سے مشکل استنجا اور وضو کرانے کی خدمت تھی۔ تہہ بند پہنانا اور اٹھا کر غسل خانہ کے اندر چوکی پر بٹھانا۔ پھر پانی، لوٹا، مسواک وغیرہ کا اس طریقہ پر رکھنا کہ اُن تک پہنچا جائے۔ یہ سب ٹیکنیکل کام تھے۔ سفر میں سب سے اہم غسل خانے اور وضو وغیرہ کا بندوبست ہوا کرتا تھا۔ پھر کپڑے پہنانے کے الگ لوازمات تھے۔ کھانے پینے میں پسند وناپسند کی زیادہ بات نہیں تھی۔ لیکن کھانا اور چائے خوب گرم اور پانی ٹھنڈا ہو۔ کبھی سٹیل کی پلیٹ، ہیٹر کے اوپر رکھ کر کھاتے۔ چائے اتنی گرم کہ چائے پیالی میں ڈال کر دوسرے پیالہ میں انڈیل دیتے۔ تا کہ پیالہ بھی گرم ہو جائے۔ پھر ہماری خواہش تھی کہ ایسا پیالہ مل جائے جس کے پیندے میں ہیٹر لگا ہو۔ سونے میں دائیں کروٹ لٹانا ہوتا تھا۔ باقی بالین پر سر رکھ کر پانچ منٹ میں سو جاتے تھے۔ روشنی کرنے سے جاگ جاتے تھے۔ شور وشغب سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی ﷺ جلد دوم صفحہ 196 پر لکھا ہے کہ ”حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ حضور ﷺ کے خادم خاص تھے۔ جب آپ سفر میں جاتے تو خوابگاہ، وضو، مسواک کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا۔ جب آپ مجلس سے اٹھتے تو جوتیاں پہناتے راہ میں آگے آگے عصا لیکر چلتے، جب آپ کہیں کسی مجلس میں جاکر بیٹھتے تو نعلین مبارک اتار کر بغل میں رکھ لیتے، پھر اٹھنے کے وقت سامنے لاکر رکھ دیتے۔ جلوت وخلوت میں ساتھ رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق وعادات کا نمونہ بن گئے تھے۔ آپ کے راز دار بھی تھے“۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بعینہ وہی سب کام ہم بھی کرتے تھے۔ لیکن صد افسوس کہ نہ تو مولانا صاحب کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن سکے اور نہ راز دار۔ کیونکہ ”چہ نسبت خاک را با عالم پاک“۔

جیسے بزرگوں کے ہاں بڑے بڑے مجاہدات وعبادات کرنے پڑتے ہیں۔ ناچیز کی بے کارگی وناکارگی کی بناء پر نہ تو یہ ہو سکے اور نہ اذکار واشغال۔ اپنے بارے میں تو بس یہ شعر بہت مناسب ہے۔

نہ گل ام نہ یاسمین ام نہ درختِ سایہ دارم
درحیرتم کہ دہقان بہ چہ کار کشت مارا

ترجمہ: کہ نہ تو میں گُل ہوں نہ یاسمین ہوں اور نہ سایہ دار درخت ہوں۔ اِس پر حیران ہوں کہ دہقان نے مجھے کس لئے کاشت کیا ہے۔

مولانا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ڈھیران (کُوڑے کرکٹ کا ڈھیر) پر بھی بارش ہوتی ہے۔ شاید یہ معاملہ ہو یا شاید حضرت شاہ عبد الرزاق بانسویؒ والا معاملہ ہو۔

شاہ عبدالرزاق بانسویؒ، استاد العلماء مولانا نظام الدین فرنگی محلیؒ بانی درس نظامی کے مرشد گرامی تھے اور برعظیم پاک وہند کے نامور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ خود اُمی تھے البتہ بچپن میں قرآن شریف ناظرہ پڑھ لیا تھا۔ عمر کا بیشتر حصہ گھوڑے کے پیٹھ پر سپاہیانہ زندگی میں گذارا۔ شیخ عبدالصمد قادری خدانما کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور چار ماہ ان کی خدمت میں گذارے۔ کسی شخص نے شیخ عبدالصمد سے کہا کہ عبدالرزاق کو چلہ کا حکم دیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا: "چلہ وی بر پشت اسپ است"۔ مولانا نظام الدین فرماتے ہیں کہ جو کشائش دوسرے بزرگوں کو خلوت میں ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شاہ عبدالرزاق کو گھوڑے کی پشت پر ہوگئی۔ میں سوچتا ہوں کہ مولانا صاحب کو پیٹھ پر اُٹھاتے اُٹھاتے شاید میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگیا۔ کیونکہ نہ تو میں نے چلے کاٹے، نہ مجاہدات کئے اور نہ ذکر واشغال اور مولانا صاحب نے اتنی بڑی دولت خلافت مفت میں دے دی۔

تیری رحمت نے پکارا میں تو اِس قابل نہ تھا

مولانا شیخ حسن جان صاحب کے سامنے کسی نے تذکرہ کیا کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ شیر پر سواری کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ شیر تو پھر بھی ایک جانور ہے۔ بڑی کرامت تو یہ ہے کہ مولانا محمد اشرف صاحب بیس گریڈ کے افسروں پر سواری کرتے ہیں۔ اُن کے لئے مسخر ہیں۔ حضرت مولانا صاحب کی عالی ظرفی تھی کہ مجھ جیسے گنوار کی خدمت کو برداشت کرتے تھے بلکہ سراہتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے تھے۔ مولانا صاحب نے زور سے الحمدللہ کہا۔ بندہ نے جب وجہ پوچھی تو فرمایا کہ الحمدللہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ جیسے ساتھی دیئے ہیں۔ بندہ اکثر یہ دُعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! مولانا صاحب کی خدمت سے کبھی تھکا نہ دے۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ خوشی اور

رغبت سے خدمت کرتے رہیں۔ بے رغبتی اور بیگار سمجھ کر نہ ہو۔

کینیڈا کے دوڈھائی سال کے علاوہ تقریباً تیس سال کا عرصہ ایسا گذرا کہ بندہ سفر وحضر میں مولانا صاحب کے ساتھ رہا۔ بلکہ ہم چند ساتھی مولانا صاحب کا ایسا لازمہ بن گئے تھے کہ ہمیں کہیں دیکھ کر لوگ یقین کر لیتے تھے کہ مولانا صاحب یہاں ضرور موجود ہونگے۔ ہماری مثال ہوا اور آندھی کی سی بن گئی تھی جو بارش سے پہلے وارد ہوتی ہے۔

خلافت

حضرت مولانا فقیر محمد نوراللہ مرقدہ کو حج کے لئے رخصت کرنے پشاور کے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ حضرت مولانا صاحب نے مولانا فقیر محمد صاحب سے فرمایا کہ دِل میں آرہاہے کہ میر حاتم اور ڈاکٹر فدا محمد کو خلافت دَے دوں۔ اپنا نام سن کر میں چونک پڑا۔ لیکن خاموش رہا کہ بات اُن کے درمیان ہورہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نے مبارک باد دے دی۔ بندہ نے کچھ خاص محسوس نہیں کیا۔ پھر مولانا صاحب کا 16 رمضان المبارک 1402ھ بمطابق 17 جولائی 1982ء کو خط ملا۔ لکھا تھا۔

"قلب میں آیا کہ توکلاً علی اللہ آپ کو اپنے بزرگوں کے سلسلے میں چاروں سلاسل میں بیعت و تلقین کی اجازت دوں۔ چنانچہ مرشدی و مولائی حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی نوراللہ مرقدہ اور مخدومی و محترمی حضرۃ الشیخ شاہ مولانا فقیر محمد مدظلہم العالی کے واسطے سے چار سلسلوں میں آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں"۔

باقی خط میں پند و نصائح اور ہدایات ہیں۔ خط ملکر جب معاملہ حقیقت میں بدل گیا تو بندہ کے ہوش اُڑے کہ یہ کیا ہوا۔ بندۂ ناکارہ و نابکار اور خلافت۔ اِس بارے میں مولانا صاحب کو ایک خط بھی لکھا۔ کیونکہ جب حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ جیسے

جبال طوال اپنے کو ننگ اسلاف اور حضرت مولانا محمد اشرف خان قدس سرہ اپنے کو کودک نادان، ہیچمدان، ہیچمیرز اور کم مایہ کہتے ہیں تو ہم اپنے کو کیا سمجھیں۔ بحر حال الامر فوق الادب (حکم کا درجہ ادب سے اوپر ہے) چپ ہوگیا۔ بندہ پر مولانا صاحب کے احسانات بے حد و بے حساب ہیں۔ یہ بھی انہی کا احسان ہے کہ 27 رمضان المبارک 1436ھ کو حضرت حسن خان صاحب خلیفہ مجاز مولانا صاحب نے حدیث مسلسل باالمحبت کی تحریری اجازت دے دی۔ یہ اجازت اُن کو حضرت مولانا صاحب سے ملی تھی۔ اور مولانا صاحب کو حضرت علامہ سید محمد یوسف البنوری سے ملی تھی۔ اِس محبت کی کڑی میں بھی مولانا صاحب کے ساتھ پرو دیا گیا۔ یہ جناب حضرت حسن خان صاحب کی انتہائی محبت احسان و مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

مریدین و خلفاء

مریدین کے بارے میں بندہ شیخ احمدؒ کے مسلک پر تھا جن کا شعر ہے:

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ترجمہ: احمد تو عاشق ہے۔ مشیخت کے ساتھ تمہارا کیا کام۔ بس عاشق دیوانہ رہو۔ سلسلہ ہوگیا تو ہوگیا نہیں ہوا تو نہیں ہوا۔ مولانا صاحب بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم مریدین کو شکار کرنے اُن کے پیچھے نہیں پھرتے۔ دو چار بندوں کا مجھ سے اصلاحی تعلق ہے۔ جن میں دو پہلے سے مولانا صاحب سے بیعت تھے اور راہ سلوک کے طے کرنے میں سرگرم تھے۔ مولانا صاحب کی وفات کے بعد بندہ سے تعلق جوڑا۔ دونوں کو توکلاً علی اللہ خلافت دے دی۔ ایک کا نام سراج الحق اَبازئی، شب قدر کا رہنے والا ہے۔ دوسرے کا نام جہانزیب آف آگرہ میانہ، چارسدہ سے تعلق ہے۔ کوئی خانقاہ یا خاص مجلس کا بندوبست نہیں۔

گھر میں خاندان کے افراد کے ساتھ بروز جمعرات مغرب کے بعد ختم خواجگان کا معمول برسوں سے جاری ہے۔ یہ عہد کہ مرتے دَم تک مولانا صاحب کے ہاں عصر کی حاضری اور رمضان کے ختموں میں حاضری جاری رکھونگا۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔

اب کبھی کبھی مزار پر حاضری کی سعادت مِل جاتی ہے۔

رَفت ساقی سوئے ساقی اُف تہی مے خانہ شد
ماند تشنہ ہر بشر گم گشتہ چوں پیمانہ شد

ترجمہ: ساقی اپنے ساقی کی طرف چلے گئے ہائے میخانہ خالی ہو گیا اور پیمانہ گم ہو گیا۔ اس لئے ہر بشر پیاسا رہ گیا۔

وائے ناکامی چمن اُجڑا ہے مالی چل دیا
دوست کب بیٹھیں گے یا اللہ یاروں کی طرح

سید حسن خان صاحب خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

سید حسن خان ولد سید عبد الغنیؒ موضع آبا خیل ضلع لکی مروت ہے۔ ہمارا شجرۂ نسب حضرت امام حسنؓ سے بواسطہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ جا کر ملتا ہے۔

حضرت سے تعلق

1978ء میں احقر ملازمت کے سلسلے میں پشاور آیا۔ چونکہ تبلیغی کام سے وابستگی تھی۔ چند تبلیغی ساتھی جو حضرت مولانا صاحبؒ کے تعلق والے تھے۔ اُن کی وجہ سے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس آنا جانا نصیب ہوا۔

1980ء تک اکثر عصر تا شام اور کبھی عصر تا عشاء حضرت مولانا صاحبؒ کی

صحبت نصیب ہوئی۔ چونکہ تبلیغی تعلق والا تھا۔ پورے مجلس میں التحیات کی ہیئت میں بیٹھا رہتا تھا۔ ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

''کیا مؤدب ہو کر بیٹھے رہتے ہو۔ چھوڑو ان باتوں کو کام کرو''۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی بات نے تکلف کو مبدل بہ اُنس فرمایا اور اپنے قریب فرمایا۔ 1980ء میں قاضی فضل واحد صاحب اور جمیل صاحب کے ہمراہ علی الصبح حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس جا کر بعد از اشراق بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔

خدمت کی سعادت

حضرت مولانا صاحبؒ سراپا محبت تھے۔ جس کو بھی حضرت مولانا صاحبؒ کی محبت کی چاشنی ملی، وہ کہیں اور ٹک نہیں سکتا تھا۔ 1982ء میں میرا نام بھی اُٹھاؤ بٹھاؤ میں آ گیا اور دِن رات حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت سیکھے بغیر کرنا مشکل بلکہ ناممکن تھی۔ لہٰذا یہ کام حضرت مولانا فضل حق صاحب ترنگزئی (جو حضرت مولانا صاحبؒ کے پرانے خادموں میں سے ہیں) نے بتا بتا کر میرے لئے آسان بنا دیا۔ اور الحمد اللہ جب تک حضرت مولانا صاحبؒ حیات رہے، خدمت کی سعادت نصیب رہی۔

انداز تربیت

حضرت مولانا صاحبؒ بہت پیار و محبت سے رکھتے تھے۔ بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ خود عملی نمونہ بن کر ترغیب دیتے تھے۔ ایک رات کو سوتے وقت فرمایا کہ ''بیٹا میں جوانی میں باوضو ہو کر سویا کرتا تھا'' (بعد میں حضرت بیماریوں کی آماجگاہ بن گئے تھے اور وضو بنانے میں بڑا ٹائم لیتے تھے) اس بات سے ہمیں عمل کی ترغیب

دے رہے تھے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو حکیم الامتؒ کے تعلق والے حضرت مولانا قاضی عبد السلام صاحبؒ کے جنازے کے لئے زیارت کا کا صاحب جانا تھا۔ وقت مختصر تھا اور گاڑی پرانی تھی۔ بظاہر جنازہ میں پہنچنا مشکل تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ اگر اس جنازے میں پہنچ گئے تو تم "حسن" نہیں "حسن ابدال" ہو گے۔ اور حضرت مولانا صاحبؒ کی کرامت تھی کہ اُس جنازے میں ہم بروقت پہنچ گئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ احقر کو "حسن ابدال" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت مولانا صاحبؒ سلوک کے منازل محسوس کئے بغیر طے کرا دیتے تھے۔ رات کا اکثر حصہ جملہ بیماریوں کے باوجود خود بھی جاگے رہتے تھے اور خدام کو بھی جگائے رکھتے۔ ایک رات رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سننے کے بعد تقریباً ایک بجے سول کوارٹر سے ساتھی آئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ اُن کی دلداری میں مشغول ہو گئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو شوگر کی بیماری تھی جس کی وجہ سے اکثر پیشاب کا تقاضا ہوتا تھا۔ اور پھر دو بجے سحری بھی ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ دیر ہو رہی ہے۔ فرمایا۔ بیٹا چوتھا نمبر (اکرام مُسلم) بھی تو ہے۔ نفسانی بندہ (میں) غصہ سے جھلملایا لیکن حضرت باوجود تکلیف کے تشریف فرما رہے۔

تصوف کی ایک اصطلاح ہے جسے "مسارقت" کہتے ہیں۔ جیسے اُردو میں مقولہ ہے کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نیک لوگوں کی صحبت عطر فروش کی دکان کی طرح ہوتی ہے۔ بزرگوں کی صحبت میں رہتے ہوئے کچھ خوبیاں لامحالۂ بندے کو حاصل ہو جاتی ہیں۔

1987ء میں حضرت مولانا صاحبؒ کے ہمراہ حج و عمرہ کی سعادت نصیب

ہوئی اور 1995ء بلکہ حضرت مولانا صاحبؒ کے آخری ایام زندگی تک حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت و محبت نصیب رہی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

ایک دفعہ حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ الحمدللہ نیک والدین اور خاندان کی برکت سے شروع ہی سے علماء وصلحاء سے تعلق ہے۔ چلے اور چار مہینے بھی لگ رہے ہیں اور اِتنی اِتنی مدّت سے حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت بھی نصیب ہے۔ لیکن فرق کچھ بھی محسوس نہیں ہورہا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ یہی سوال میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ سے کیا تھا۔ تو اُنہوں نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم پیدا ہوئے تو کتنے تھے؟ میں نے عرض کیا ایک یا دو بالشت۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ جو تمہارا قد پانچ چھ فٹ ہو گیا۔ کوئی پتہ چلا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت نہیں۔ تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ لیکن آدمی کو محسوس نہیں ہوتا۔

تاثرات

جہاں تک حضرت مولانا صاحبؒ کے متعلق تاثرات کی بات ہے۔ ذرّہ سورج کے متعلق کیا بتائے گا کہ سورج کیا ہے؟ اور اس کی خوبیاں کیا ہیں؟ یہی کہ اس کی وجہ سے ذرّہ نمایاں ہوا اور پہچانا گیا۔ چہ جائیکہ ذرّے سے بھی کم حیثیت والا سورج سے بھی زیادہ قدر و قیمت والی شخصیت کے متعلق تاثرات پیش کرے۔

حضرت مولانا صاحبؒ میں بے نفسی وفنائیت، ایمان و یقین، بندگی و ذوق بندگی، تسلیم و رضا، صبر و شکر، علم و عمل، اخلاص وللّہیت، تقویٰ و طہارت، نفاست و نظافت، حب الٰہی جل جلالہ وحبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، امانت و دیانت، شجاعت و صداقت، مہر و محبت و دلداری، معمولات کا ذوق و شوق و استقامت، ادب و حفظ مراتب، حسن

اخلاق، شجاعت و دلیری اور اکابر سے محبت اعلیٰ درجہ کی تھی۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو مخلوقِ خدا سے انتہائی محبت تھی۔ خصوصاً امّت مسلمہ کے لئے انتہائی درد دل میں رکھتے تھے۔ دُنیا کے جس خطے میں بھی مسلمان تکلیف میں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ جسد واحد کی طرح اُن کے لئے یہاں تڑپتے تھے اور دِن رات اُن کے لئے دعا و توجہات میں مشغول رہا کرتے تھے۔

اجازتِ بیعت وخلافت

12 شوال 1410ھ کو اجازتِ حدیث مسلسل بالمحبت عطا فرمائی۔ اور 24 ذیقعدہ 1410ھ کو اجازتِ بیعت وتربیت عطا فرمائی۔

مولوی حسین الرحمٰن خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

بندہ حسین الرحمٰن ابن مولانا رحیم اللہ (مرحوم) ابن قاضی حبیب اللہ دیگان 15 جنوری 1942ء کو سابق ریاست دیر کے علاقہ میدان تحصیل لعل قلعہ کے گاؤں پاڑپتی کے علمی گھرانہ میں پیدا ہوا۔ دادا صاحب فقہ کے جیّد عالم اور معاملاتی فقہ میں اُستاد القضاۃ تھے۔

ابتدائی تعلیم

1945ء میں والد ماجد نے سابق نواب دیر کے علم دُشمنی کی بناء پر ہجرت کر کے ضلع مردان کے بستی لونڈ خوڑ کے مضافات میں قریہ سالاک میں سکونت اختیار کی۔ بندہ نے ابتدائی کتب فقہ و فارسی والد ماجد سے پڑھیں۔ اور والد صاحب کی ذاکرانہ

اور عبادت پسند طبیعت کی وجہ سے ذکر وعبادت کے ساتھ دلی محبت پیدا ہوئی۔ جس میں مرور زمانہ کے ساتھ الحمد اللہ ترقی ہوتی رہی۔ پرائمری تعلیم موضع کٹی گڑھی میں اور میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول لونڈ خوڑ میں حاصل کی۔ اپریل 1960ء میں والد صاحب کی دلی تمنا پر دارالعلوم حقانیہ میں داخل ہوا۔ اور تین سال کے بعد مختلف اعذار کی بناء پر دارالعلوم اشرفیہ مسجد مہابت خان میں داخلہ لیا۔ اور وہاں سے ستمبر 1966ء میں دورہ حدیث سے فراغت ہوئی۔

ملازمت

اکتوبر 1966ء سے اپریل 1971ء تک اے۔جی آفس اور کالج میں ملازمت کی۔ اپریل 1974ء میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رائے ونڈ جاکر علماء کا نصاب سات چلّے لگائے۔ اگست 1982ء میں حضرت والد صاحب کے مشورہ سے پھر ملازمت اختیار کی۔ اور کمیشن نے عربی لیکچرر کی آسامی پر سلیکشن کی۔ جنوری 2001ء میں وہاں سے فارغ ہوا۔ اگست 2004ء میں ایک دوست کے اصرار پر مدرسہ میں تدریسی مشغلہ اختیار کیا۔ اکتوبر 2014ء میں بدنی ضعف اور امراض مختلفہ کی وجہ سے مجبوراً چھوڑنا پڑا۔

تبلیغی اسفار

سال والی جماعت کے ساتھ 87-1986ء میں لندن، تیونس، مراکش اور حرمین شریفین کا سفر کیا۔ 1992ء میں 7 ماہ کا سفر شمالی نائیجریا، کانو، سکوٹو، زاریہ کا سفر کیا۔ 1997ء میں ساڑے چار ماہ انڈونیشیاء میں لگائے۔ 1998ء میں دو ماہ افغانستان، صوبہ ننگرہار میں لگائے۔

حضرت مولانا صاحبؒ سے تعارف اور بیعت

حضرت مولانا صاحبؒ سے تعارف مسجد خواجہ معروف شب جمعہ کے بیانات سننے سے ہوا۔ چونکہ حضرت مولانا صاحبؒ متبع سنت تھے۔ اور قلباً و قالباً حضور اقدس کی مشابہت تھی۔ لہٰذا شمائل کی حدیث کے بموجب کہ جو کوئی بداھتاً حضور ﷺ کو دیکھتا تو ہیبت طاری ہوتی اور جب مخالطت بحیثیت معرفت ہوتی تو عاشق ہو جاتا۔ بندہ بھی رعب کی وجہ سے مصافحہ بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن مناسبت طبعی بے اختیاری پیدا ہوئی۔ باقاعدہ بیعت کا تعلق اپریل- مئی 1971ء میں ہوا۔ چونکہ حضرت مولانا صاحبؒ کی طبیعت مجاہدانہ تھی اور عمر کے آخیر سالوں میں گوشہ نشینی اضطراری تھی۔ اسی گوشہ نشینی میں فکر عالمی تھی۔ لہٰذا میں ذاتی احوال کے اطلاع کے ساتھ تبلیغی حالات سے بھی حضرت مولانا صاحبؒ کو باخبر رکھتا تھا۔ خصوصاً اسفار اور سالانہ چلہ میں اطلاع احوال کرتا تھا۔ بندہ کو حضرت مولانا صاحبؒ کی شخصیت میں جس چیز نے زیادہ متاثر کیا۔ وہ زندگی کے ہر رُخ انفرادی اور اجتماعی میں اتباع سنت تھی۔ جیسا کہ سورۃ توبہ کی آخری آیات میں عَزِيْزٌ عَلَيْهِ سے مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تک حضور کے شمائل کا ذکر ہے۔ اس کا رنگ حضرت مولانا صاحبؒ کی زندگی اور معاملات میں اپنے متعلقین سے خصوصاً اور عام انسانوں سے نمایاں تھا۔ اسی محبت کی بناء پر جب بعض جاہ پسند افراد نے فتنہ کھڑا کیا تو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کے ساتھ دلی لگاؤ اور شغف کے ساتھ ساتھ اپنے مرشد و مربی کے ساتھ محبت و اتباع میں کمی نہ کرائی اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حفاظت فرمائی۔ باقاعدہ خانقاہی نظام سے اصلاح و تربیت اور مجالس ذکر بعض اعذار کی وجہ سے نہ کر سکا۔ کالج و مدرسہ اور تبلیغی رُخ سے الحمد للہ اپنی وسعت کے مطابق کام ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ یہ چند سطور آپ حضرات

کے حکم پر اپنی کم فہمی کے مطابق تحریر کئے۔ ممکن ہے کہ آپ کا مطلوب حاصل نہ ہو۔ جو باتیں پسند اور مطلوب کے موافق ہوں وہ لے لیں۔ یہ فقیر و عاجز آپ حضرات کی یادآوری کا شکر گذار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات اور حضرت کے جملہ متعلقین کے علم و عمل میں برکت فرماویں۔ دعاؤں کا خواستگار ہوں۔

مولوی مبارک شاہ صاحب خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

مولوی مبارک شاہ صاحب کے والد کا نام مولانا گل رخسار ہے۔ کوٹکہ شیر مست محلہ خواجہ خیل ضلع لکی مروت بنوں کے رہنے والے ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے خلیفہ مجاز بیعت ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک میں دورہ حدیث کے طالب علم تھے کہ حضرت مولانا صاحبؒ سے 1978ء کے لگ بھگ کے زمانے میں بیعت کی۔ اصلاح کا تعلق زیادہ تر صحبت پر منحصر رہا۔ مجلس میں حاضری ہوتی رہی۔ اپنی معمولات اور کارگذاری حضرت مولانا صاحبؒ کو سناتے۔ اور ہدایات کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ موجودہ مریدین کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ جن میں دو فارغ التحصیل علماء کو خلافت دی ہوئی ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اعلیٰ مقامات سے نوازا تھا۔ بقول شیخ الحدیث مولانا امان اللہ صاحب، حضرت مولانا صاحبؒ علماء اور اپنے مریدین کے بڑے قدر دان تھے۔ اور حضرت مولانا صاحبؒ کی وجہ سے لوگ ہماری بھی بہت عزت کرتے تھے۔ میرے شاگرد غازی خان آف تجوڑی نے حضرت مولانا صاحبؒ سے خود سنا کہ شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحب اور شیخ الحدیث مولانا امان اللہ صاحب کی دینی

خدمات قابل رشک ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کے طالب العلمی کے زمانے میں حضرت مولانا صاحبؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کا شمار گنے چنے آدمیوں میں سے ہے۔ آج کل کبھی کبھی اصلاحی مجلس ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً نماز جمعہ کے بعد محفل ذکر اور اصلاحی اجتماع ہوتا ہے۔ ہر سال اصلاحی اجتماع ہوا کرتا ہے۔ ارادہ ہے کہ انشاءاللہ اِس کو جاری رکھیں گے۔

مولوی محمد یوسف البرجوی صاحب خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

مولوی محمد یوسف کے والد کا نام مولانا محمد یونس تھا۔ جو کہ ایک جید عالم اور خطیب مسجد تھے۔ اُن کا تعلق علماء، خطباء اور قضاۃ کے خانوادے سے تھا۔ مولوی محمد یوسف برج ناصر خان تحصیل و ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ اِس وجہ سے اپنے نام کے ساتھ البرجوی لکھا کرتے تھے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم مقامی پرائمری سکول سے حاصل کرلی۔ اُس کے بعد ہائی سکول متھرا سے میٹرک پاس کیا۔ میٹرک کے بعد پرائمری سکول میں بحیثیت اُستاد بھرتی ہوئے۔ ملازمت کے ساتھ تعلیمی سلسلہ بھی جاری رکھا اور جب اسلامیہ کالج، پشاور کے ساتھ ملحقہ اسلامیہ کالجیٹ سکول میں ملازمت ملی تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع بھی بڑھ گئے۔ اور آخر کار پشاور یونیورسٹی سے ایم۔اے (عربی)، ایم۔اے (فارسی) اور ایم۔اے (اسلامیات) کی ڈگریاں لیکر چھوڑا۔ 1978ء میں جب حضرت مولانا صاحبؒ

شعبہ عربی، پشاور یونیورسٹی کے چیئر مین بنے تو مولوی یوسف صاحب کو اپنے پاس بُلا کر لیکچرر بھرتی کیا۔ مولوی صاحب نے "شعر الصحابہ" پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھ کر حضرت مولانا صاحبؒ کے زیر نگرانی پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرلی۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد صاحب سے دوسرے طلباء کے ساتھ پڑھ کر حاصل کرلی۔ بعد میں دارالعلوم امدادیہ اسلامیہ، پشاور صدر میں شیخ الحدیث مولانا حسن جان صاحب کے دورہ حدیث میں شامل ہو کر سند حاصل کرلی۔

1972ء میں شادی ہوئی۔ کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ 16 اپریل 2011ء کو وفات پاگئے۔ اہلیہ محترمہ بقید حیات ہیں۔ اُنہوں نے حضرت مولانا صاحبؒ کی رفاقت میں فریضہ حج ادا کیا۔

ابتدائی تعلق وبیعت

حضرت مولانا صاحبؒ سے 63-1962ء میں تعلق قائم ہوا۔ باقاعدہ بیعت ہوئے اور مرتے دَم تک ساتھ رہے۔ تبلیغ کے مرکزی اکابرین نے جب فضائل اعمال کے فارسی میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داری حضرت مولانا صاحبؒ کو سونپ دی۔ تو مولوی یوسف اول سے اس ترجمہ کے عمل میں برابر کے شریک رہے۔ اور بہت تعاون کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے اُن کی اِس خدمت و تعاون کا شکریہ ادا کیا۔ اور مولوی صاحب کی فارسی دانی اور صلاحیت کی بھی تعریف کی۔ مولوی یوسف صاحب حضرت مولانا صاحبؒ کی دوسری تصانیف کی اشاعت میں بھی مدد کرتے رہے۔ بلکہ حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی بعض اصلاحی خطبات کی تصحیح اور تقریظ کا فریضہ انجام دیا۔

دَم درود

جن لوگوں پر جنات کے اثرات ہوتے۔ حضرت مولانا صاحبؒ اعمال قرآنی سے اُن کا علاج کرتے اور دَم کرتے۔ بعد میں قریشی صاحب (جنات والے) نے بھی حضرت مولانا صاحبؒ کو جنات کے علاج کرنے کی اجازت دے دی۔ اِس بات کی اتنی شہرت ہوئی کہ جنات والے مریضوں کا اژدھام ہو گیا۔ اور حضرت مولانا صاحبؒ کے سارے معمولات متأثر ہونے لگے۔ بلکہ جنات بھی رات کو تنگ کرنے لگے۔ اس لئے حضرت مولانا صاحبؒ نے جنات کا سارا کام مولوی یوسف صاحب کے حوالے کیا۔ انہوں نے اس کام کو بڑی خوش اسلوبی سے کافی عرصہ تک سرانجام دیا۔

خوش مزاجی

مولوی صاحب خوش خُلق، ہنس مکھ انتہائی نرم مزاج اور کم گو تھے۔ بظاہر بہت سنجیدہ لگتے تھے۔ لیکن اصل میں مزاح سے بھرے ہوئے تھے۔ اُن کے مزاح کے چند واقعات دلچسپی سے خالی نہیں۔ کالجیٹ سکول کے پرنسپل ولی الدین صاحب نے مولوی صاحب کی مرضی کے خلاف عصر کے وقت لڑکوں کے سپورٹس پر نگرانی کی ڈیوٹی لگائی۔ اور ساتھ فرمایا۔ سپورٹس کِٹ میں آنا ہو گا۔ دوسرے دِن مولوی صاحب گراؤنڈ میں کھڑے ہیں۔ قمیص شلوار کے اوپر سوٹ پہن کر شلوار کے پائنچوں کو پینٹ کے نیچے سے نکالا ہے۔ سر پر ہیٹ ہے اور کندھے پر چادر۔ خوب سنجیدہ ہیں۔ اُس کے بعد ڈیوٹی نہیں لگائی۔ اس طرح ایک دفعہ امتحان کے بعد ابھی ریزلٹ نہیں نکلا تھا۔ لڑکے فارغ تھے اور کلاس میں شرارت کر رہے تھے۔ مولوی صاحب نے کلاس میں دو

لڑکوں کی کبڈی کرادی کہ اتنے میں پرنسپل آ گئے۔ کہنے لگے مولوی صاحب اگر پڑھانا نہیں تو چھٹی دے دیں۔ یہ کہنا تھا کہ مولوی صاحب نے کہا۔ جاؤ چھٹی ہے۔ اور لڑکے سب خوشی خوشی بھاگے۔ پرنسپل کہنے لگا۔ میرا تو یہ مطلب نہیں تھا۔ مولوی صاحب حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ حج پر گئے۔ دیکھا کہ خطیب حرم ایک خاص شان اور طرز سے خطبہ دیتا ہے۔ مولوی صاحب نے اُن کے طرز پر اپنا خطبہ بنایا۔

يَاأَيُّهَاالْحُجَّاجُ۔ اَكَّالُوْنَ الدَّجَّاجَ و يَشْرَبُوْنَ الشَّيْ فِي الزَّجَاجَ۔ مَنْ كَانَ يَأْكُلُ السَّمَكَ۔ بَعْدَہ الضَحَكَ۔

ترجمہ: اے حاجیو! بہت مرغیاں کھانے والو اور شیشے کے پیالوں میں چائے پینے والو۔ جب مچھلی کھالیتے ہو تو پھر ہنستے ہو۔

یہ خطبہ جب عربوں کو سناتے تو مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ جاتے۔ کالجیٹ میں اپنے کلاس کے طلباء کو بتار کھا تھا کہ اگر میری ٹوپی سر کے پیچھے کی طرف ہو تو پھر خیر اگر کلاس میں خوش طبعی کر و لیکن اگر آگے کی طرف ہو تو پھر سنجیدگی دکھانی ہو گی۔ کہا کہ ایک دفعہ میں کلاس میں آیا تو طلباء شور مچارہے تھے اور میرے دھمکانے کے باوجود سنجیدگی کا مظاہرہ مفقود تھا۔ آخر مجھے خیال آیا تو ٹوپی سر کے پیچھے کی طرف تھی تو وجہ معلوم ہوئی کہ ٹوپی نے بے قابو کر رکھا تھا۔

پروفیسر ڈاکٹر میاں بشیر احمد کاکا صاحب خلیفہ مجاز بیعت

پیدائش وابتدائی تعلیم

میاں بشیر احمد زیارت کاکا صاحب میں میاں عبدالقادر کے گھر 12 ستمبر 1933ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق مشہور بزرگ رحمکار کاکا سے ہے جن کو پورے ملک

میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔ ہر دور میں ان کے خاندان میں دین اسلامی کی اشاعت و علمبر دار آتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کے ساتھ اسیر مالٹا رہے۔ جنہوں نے انگریزوں سے بر صغیر کو آزاد کرانے کے لئے جد وجہد کی۔

میاں بشیر احمد نے گورنمنٹ سکول زیارت کاکا صاحب میں آٹھویں تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسلامیہ کالجیٹ سکول میں داخلہ لیا۔ میاں بشیر احمد بہت ذہین، شریف اور اپنے اساتذہ کے فرمان بردار شاگرد تھے۔ انہوں نے اسلامیہ کالجیٹ سکول میں 1949ء میں امتیازی پوزیشن حاصل کی۔ اس وقت اسلامیہ کالجیٹ سکول، لاہور یونیورسٹی آف پنجاب کے ساتھ منسلک تھا۔ اس کے بعد اسلامیہ کالج، پشاور میں داخلہ لیا اور 1952ء میں ایف ایس سی امتحان فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ میاں بشیر احمد کو تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس کا بہت شوق تھا اِس کے بعد (J.A.V) ٹرینگ کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان چلے گئے اور وہاں ٹرینگ مکمل کی۔ اسی دوران ان کے والد محترم جناب عبد القادر صاحب وفات پاگئے اور انہوں نے اپنی والدہ، بہن اور بھائی کی سرپرستی کی۔ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ J.A.V ٹرینگ مکمل کرنے کے بعد میاں بشیر احمد صاحب 1958ء میں گورنمنٹ ہائی سکول، زیارت کاکا صاحب میں استاد مقرر ہوئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد چونکہ اُن پر تمام گھر کی ذمہ داری آئی۔ اس لئے اُنہوں نے نوکری شروع کی اور نوکری کے ساتھ ساتھ تعلیم جاری رکھی۔ 1957ء میں انہوں نے پشاور یونیورسٹی سے .B.A پاس کیا اور پھر .B.T جو اس وقت B.Ed کے برابر تھا ٹرینگ حاصل کی۔ اور اس میں اچھی پوزیشن لی۔ 1960ء میں میاں بشیر احمد

اسلامیہ کالجیٹ سکول میں سائنس ماسٹر بھرتی ہوئے اور چونکہ زیارت کاکا صاحب آنا جانا مشکل تھا۔ اس لئے تمام خاندان کو پشاور لے آئے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ جیسے پہلے ذکر کیا گیا کہ میاں بشیر احمد بزرگوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے دینی علوم کی طرف راغب تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ مرحوم سے بیعت کی اور ان ہی کے ساتھ کئی مرتبہ دعوت و تبلیغ میں چلّے لگائے اور دعوت و تبلیغ کے ساتھ خاص وابستگی ہوگئی ریٹائرمنٹ کے بعد تورائے ونڈ میں مقیم ہوگئے۔

دینی علوم کے حصول کا ایک خاص جذبہ تھا۔ حضرت مولانا سعید اللہ جان صاحب جو اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین و ڈین تھے۔ ان سے علوم فقہ اور ترجمہ قرآن پڑھتے رہے۔ اور حضرت مولانا محمد اشرفؒ خان صاحب سلیمانی کے حکم سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات بھی مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اور یہاں تک جذبہ پیدا ہوا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کو اُجاگر کرنے کے لئے اسی عنوان پر پی ایچ ڈی کرلی۔ جن کے سپروائیزر یعنی نگران حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ تھے۔

1990ء میں محمد نعمان بطور لیکچرر آئی۔ای۔آر میں تعینات ہوئے۔ اس وقت ڈائریکٹر حافظ میاں محمد شاہ صاحب تھے۔ محمد نعمان چونکہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی مرحوم کے خادم تھے اور دینی علوم کے ساتھ وابستگی تھی۔ حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب سلیمانی سے احادیث پڑھنے کے لئے صحیح البخاری شروع کی۔ میاں بشیر احمد صاحب کو اس کا پتہ چلا تو حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی مرحوم سے درس بخاری شریف میں شرکت کی اجازت چاہی۔ حضرت مولانا صاحب نے اجازت

دے دی اور پھر صبح کی نماز میں حضرت مولانا صاحب کے گھر پہنچتے حضرت مولانا صاحب کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد جناب میر حاتم صاحب کو لوگوں کے خطوط لکھواتے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں صحیح بخاری کا درس دیتے۔ اسی طرح پہلی جلد ختم کی اور دوسری جلد کتاب التفسیر تک پڑھی۔ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ نے میاں بشیر احمد کاکا صاحب کو خلافت دی، تاکہ آپ لوگوں کی تربیت و اصلاح کریں۔ جب تک حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب زندہ رہے۔ ان کی صحبت سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ان کے وصال کے بعد دعوت و تبلیغ کو اپنا نصب العین بنایا اور رائے ونڈ میں مقیم ہوئے۔ رائے ونڈ میں آپ کو دل کا دورہ پڑا اور ہسپتال لیجائے گئے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو رائے ونڈ کے مشران منتظمین نے آپ کو مشورہ دیا کہ اب آپ آرام کریں اور صحت کا خیال رکھیں۔ راولپنڈی C.M.H. ہسپتال میں آپ کے دل کا اپریشن ہوا۔ جب کچھ صحت ہوئی تو پھر شب جمعہ میں جایا کرتے تھے اور مریدین آپ کے ہاں آیا کرتے تھے اور فیض و تربیت حاصل کرتے تھے۔ پیر کے دن صبح صادق کے وقت 26 دسمبر 2011ء کو صبح سویرے منیر احمد نے فون کیا کہ والد محترم کا وصال ہو گیا ہے۔ ضروری انتظامات کر لئے۔ نماز جنازہ محمد نعمان صاحب نے پڑھائی اور اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے پہلو میں پشاور یونیورسٹی کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرماویں۔ آمین

میاں بشیر احمد کاکا صاحب ایک اچھے شاعر و ادیب بھی تھے۔ زیارت کاکا صاحب میں سکول ماسٹری کے زمانے سے شاعری میں دلچسپی لیتے تھے۔ کاکاخیل قبیلہ کو اللہ تعالیٰ نے جن انعامات سے نوازا ہے۔ اُن میں زبان دانی، سخن وری اور شاعرانہ

صفات بھی شامل ہیں۔ سکول میں جو بھی نیا واقعہ رونما ہوتا۔ سکول کے اساتذہ اکٹھے بیٹھ کر مشاعرہ منعقد کرتے۔ ایسے کئی واقعات میاں بشیر احمد صاحب نے ہمیں سُنائے۔ کلاس نہم و دہم کے لئے آٹھ گیسوں کے بنانے کے ترکیب کو پشتو میں منظوم کیا اور نام رکھا ''آتہ گیسونہ'' بہت ساری نعتوں کے موجد ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا صاحب کی مجلس کے درباری شاعر تھے۔ مجلس میں یا حضرت مولانا صاحب کے ہاں جو بھی واقعات ہوتے۔ ان کو نظم میں قلم بند کر دیتے۔ مثلاً حضرت مولانا صاحب کے حج پر جانے کے منظر، سلیمان اکیڈیمی کا افتتاح اور حضرت مولانا صاحب کی شادی پر پورا سہرہ لکھ ڈالا۔ ان کا یہ تمام منظوم کلام اِس کتاب کے باب ''شعر و شاعری'' میں موجود ہے۔

حضرت مولانا صاحب کی طبیعت بہت حساس تھی۔ اور کبھی کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن میاں بشیر احمد صاحب سے دِل لگی کے لئے اکثر کہا کرتے تھے کہ میاں بشیر احمد صاحب دعوت کرو۔ اور میاں صاحب ہمیشہ عذر کرتے کہ پیسہ میرے ہاتھ میں ٹھہرتا نہیں۔ ''لاس م سورے دَے''۔ اور جب ایک دفعہ دعوت کی تو ڈاکٹر اجمل ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میاں صاحب تو نے ہمیں لنگڑا مرغا کھلایا۔ پھر دعوت کروگے اور میاں صاحب فوراً جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر کہتے کہ لو جو منگوانا ہے ابھی منگوالو۔ لیکن دعوت کا پھر نہ کہو اور حضرت مولانا صاحب ہنس ہنس کر محظوظ ہوتے۔ میاں صاحب مولانا صاحب کی مجلس کی رونق تھے۔

پروفیسر محمد نعمان صاحب خلیفہ مجاز بیعت

پیدائش

20 جون 1954ء کو خادم علماء و صوفیاء محمد غلام ولد لاہور خان اعوان کے

گھرانے کوٹکہ ابی ذر سرور فتح خیل تحصیل وضلع بنوں میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم

قاعدہ نورانی اور قرآن مجید ناظرہ والد صاحب مرحوم نے پڑھایا۔ اور پھر پرائمری سکول گریڑھا شاہجہان میں اپنے بڑے بھائی محمد عثمان کے ہمراہ داخل کیا۔ سکول میں داخل کرنے کے ساتھ ہی مولوی عبدالکریم صاحب کے پاس لے گئے جو ہمارے گاؤں کے قریب فیروز فتح خیل میں رہتے تھے۔ وہاں ہمیں فارسی کی پنج گنج اور گلستان سعدی پڑھانا شروع کی۔ ہمارے والد صاحب خود کاشت کار تھے۔ اپنی زمین خود کاشت کرتے تھے۔ آپ نے ہمارے استاد مولوی عبدالکریم کی زمین بھی ان کے لئے مفت کاشت کرنا شروع کی۔ وہ بھی ہمارے ساتھ خوب محنت کرتے۔ میرے بڑے بھائی محمد عثمان نے گلستان، بوستان اور یوسف زُلیخا سب کتابیں ختم کیں اور میں نے ان سے صرف پنج گنج اور گلستان پڑھیں۔ پھر فقہ کی کتابیں شروع کیں۔ ہمارے والد صاحب اپنے استاد مولوی میر افضل صاحب کو لائے۔ ان سے میں نے منیۃ المصلی اور قدوری پڑھی۔ مجھے فقہی مسائل سیکھنے کا بہت شوق تھا جو مسائل میں پڑھتا وہ سب بمع عبارت اپنے بڑے بھائی محمد عثمان کو سُناتا۔ ایک یہ مسئلہ آیا کہ اگر نمازی کے سجدے کی جگہ میں کنکریاں ہوں تو نمازی پہلے ان کو ہاتھ سے برابر کریگا اور پھر سجدہ کرے گا۔ ایک طالبعلم نے سوال کیا کہ اگر جنازے کی نماز میں یہ صورت ہو تو کیا کریگا۔ میں نے کہا کہ پہلے ہاتھ سے کنکریاں برابر کریگا پھر سجدہ کریگا۔ انہوں نے قہقہ لگایا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی جنازے کی نماز نہیں دیکھی تھی کہ اس میں سجدہ نہیں ہوتا۔ میں شرمندہ ہو گیا اور اپنے استاد سے اس کا ذکر کیا تو میرے استاد مولوی میر افضل صاحب نے فرمایا کہ کل اس

سے یہ سوال پوچھنا کہ وہ کونسے واجب ہیں جس پر سجدہ سہو واجب نہیں۔ تو میں نے عرض کیا پہلے مجھے بتادیں تب اُن سے پوچھونگا۔ میرے بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ رکوع سے کھڑے ہو کر قیام بمقدار ایک تسبیح واجب ہے اور پہلے سجدے سے اٹھ کر ایک تسبیح کے بعد بیٹھنا (جلسہ) واجب ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ نہ کرے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں۔ اگلے دن میں نے اس طالب علم سے جب یہ سوال پوچھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ اور پھر آئندہ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

جب ہم نے پرائمری پاس کر کے پانچویں جماعت میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1، بنوں میں داخلہ لیا۔ شہر میں والد صاحب کے دوست حکیم مولوی عبداللہ جان صاحب کی دوائیوں کی دکان تھی۔ ان کے پاس لے گئے اور اُنہوں نے ہم دونوں بھائیوں کو فقہ کی کتابیں پڑھانا شروع کیں۔ اور بعد میں ہم دونوں بھائیوں کو خطیب مسجد غلہ منڈی بنوں کے پاس لے گئے۔ ان کا نام زرولی شاہ مرحوم تھا۔ وہ صوفی منش تھے اور قادریہ سلسلہ میں پیر ذین الدین صاحب کے ساتھ تعلق تھا۔ اس وجہ میں نے بھی پیر ذین الدین سے ملاقات کی تھی۔ مولوی زرولی شاہ صاحب سے کنزالدقائق، صلوٰۃ و نکاح پڑھا۔ اسی طرح شرح الوقایہ صلوٰۃ و نکاح پڑھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھتا رہا۔ کبھی کبھی مولوی محمد شیر خان سے بھی یہ کتابیں پڑھتا اور وہ حضرت مولانا مفتی محمد حلیم صاحب کے شاگرد تھے اور ان کے بہت زیادہ علمی مقام کی تعریف فرماتے تھے۔ تو میں مسجد جعفر خان میں مفتی حلیم صاحب کے درس قرآن میں شریک ہونے لگا۔ ایک دن ہم دینی سبق پڑھے بغیر گاؤں آگئے اور اسی دن ہمارے والد صاحب شہر آئے ہوئے تھے۔ جب ہمیں غیر حاضر پایا تو گاؤں واپس

تشریف لائے۔ بڑے بھائی محمد عثمان کو دو تھپڑ رسید کئے کہ کیوں دینی سبق سے غیر حاضر ہوئے۔ میں تم کو خالص انگریز نہیں بنانا چاہتا۔ کل سے سکول جانا بند اور یہ بُھوسہ گھر لے جاؤ۔ تین دن ہمیں سکول نہیں جانے دیا اور زمین سے گندم کا بُھوسہ لے جا کر ختم کروایا۔ پھر فرمایا کہ تمہیں سکول اس لئے پڑھاتا ہوں کہ اس مزدوری سے آپ بچ جائیں اور تم کو اچھی نوکریاں نصیب ہوں اور مثال دے رہے تھے کہ اسلم خان خٹک صاحب گورنر تھے اور مشورے مجھ سے لیتے تھے۔ وہ مجھ سے زیادہ ہوشیار نہیں۔ لیکن میں نے تعلیم حاصل نہیں کی اور اس نے تعلیم حاصل کی اس لئے اس کو سلام کرتا ہوں۔ وہ اچھے عہدے پر ہیں۔ اگر تم لوگوں نے تعلیم حاصل کی تو تم بھی اچھے عہدوں پر ہوگے۔ لیکن دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تاکہ صرف انگریز نہ بن جاؤ بلکہ مسلمان رہ کر ملک وقوم کی خدمت کرو۔

ترجمہ قرآن

حضرت مولانا مفتی محمد حلیم صاحبؒ جو بہت بڑے عالم وصوفی تھے جو مراد آباد ہندوستان میں مولانا مفتی محمود صاحب کے بھی استاد رہ چکے تھے۔ ان سے قرآن کا ترجمہ اور مشکوٰۃ شریف کی احادیث پڑھنی شروع کی۔ ان کی صحبت میں رہ کر تصوّف کی طرف رجحان بڑھا اور کالج کی لائبریری میں تذکرۃ الاولیاء اور مولانا رومؒ کی مثنوی کی شرح مفتاح العلوم کو پڑھنا شروع کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ کے لئے بھی ایک مثنوی کی شرح مفتاح العلوم بذریعہ کالج لائبریری منگوالی اور حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ کے ساتھ تصوّف پر بات چیت ہوتی تھی۔ میں حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ سے درخواست کرتا تھا کہ بیعت کرلیں۔ ایک دن خواب دیکھا کہ حضرت پیران پیر حضرت

عبد القادر گیلانیؒ کے پوتے حسام الدینؒ خواب میں آئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ۔ میں اُن کے ساتھ روانہ ہو گیا اور گاؤں کے مغربی راستے پر ہم جا رہے تھے کہ حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ راستے میں آئے اور ان سے فرمایا کہ میرے شاگرد کو کہاں لے جا رہے ہو۔ تو اُنہوں نے فرمایا کہ اپنے شاگرد کو بلالو تو میں نے عرض کیا کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ آؤ میرے پاس تو میں ان کے ساتھ واپس ہوا۔ اگلے دِن خواب پوچھا تو میں نے خواب بیان کیا اور عرض کیا کہ اب تو مجھے بیعت کریں گے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ نے اس شرط پر بیعت کیا کہ جب تک وہ زندہ ہونگے۔ ان کے بیعت کا اظہار نہیں کرونگا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ نقشبندی تھے اور حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتیؒ کے خلیفہ تھے۔ اس لئے سلسلہ نقشبندیہ میں وظائف دیئے۔ قرآن شریف کے ترجمے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ نے صرف و نحو کی کتابیں بھی پڑھانی شروع کیں۔ جس میں میزان صرف، نحو میر، شرح مائۃ العامل، علم صیقیہ، ہدایت النحو، منطق کی ایساغوجی، شرح تہذیب پڑھائیں۔ حضرت دورہ کے طلباء کو بخاری شریف پڑھاتے اور میں اُن کے درس میں سُننے کے لئے بیٹھتا تھا۔ یہ ساری کتابیں کالج کے ساتھ ساتھ پڑھتا رہا۔ بی اے کا امتحان دیا۔ لیکن انگریزی میں چند نمبروں سے فیل ہو گیا۔ میں نے معراج العلوم بنوں میں باقاعدہ داخلہ لیا اور وہاں میں ہدایہ صلوٰۃ فقہہ میں کافیہ، شرح جامی علم نحو میں قطبی و مختصر المعانی منطق میں شافیہ علم صرف میں اور رمضان شریف میں مکمل قرآن ترجمہ پڑھا۔ ان تمام کتابوں میں امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا اور پانچ روپے انعام حاصل کیا۔ والد صاحب مرحوم نے حضرت مولانا مفتی

محمد حلیمؒ کو عرض کیا کہ محمد نعمان کو کہہ دیں کہ بی اے کا امتحان پاس کریں تو حضرت نے حکم دیا کہ بی اے کے امتحان کے لئے محنت کرو اور پاس کرو تو میں نے امتحان دیا اور پاس ہو گیا۔ اسی سال 1975ء کو حضرت بیمار ہوئے اور وفات پا گئے۔ میرے ساتھ حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر آپ فوت ہو گئے تو میں آپ کے پیچھے ستر ہزار (70,000) مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھوں گا اور اگر میں وفات پا گیا تو میرے پیچھے ستر ہزار (70,000) مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھیں گے۔ ان کے وفات کے بعد میں روزانہ ان کی قبر مبارک کے پاس بیٹھ جاتا اور تین دنوں میں ستر ہزار (70,000) مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مکمل کر چکا تو میرے بھائی محمد عثمان مرحوم کو خواب میں آئے۔ انہوں نے حال پوچھا تو فرمایا کہ کسی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے معاف کیا اور محمد نعمان کو کہو کہ محنت کرے بہت سخت حالات ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد حلیمؒ کے وصال کے بعد میں بہت پریشان حال تھا اور شیخ کامل کی تلاش میں تھا۔ اس لئے لہسن (تھوم) کی تجارت شروع کی۔ تاکہ لاہور میں کوئی شیخ مل جائے اور پھر کراچی تھوم لے گیا۔ وہاں بھی مناسبت نہ ہوئی۔ کیونکہ پنجاب اور سندھ کے پیروں سے میں بہت محتاط تھا کہ کہیں بدعتی پیر کے ساتھ تعلق نہ ہو جائے۔ اسی دوران میرے ایک دوست گل شاہ ضیف خان نے بتایا کہ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی، عربی ڈیپارٹمنٹ، پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور اسی سال عربی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین ہو جائینگے۔ وہ بہت بڑے بزرگ اور نیک شخص ہیں۔ راقم الحروف حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب مرحوم کے کچھ بیانات الحق رسالے میں دیکھ چکا تھا۔ اِن سے بہت متاثر ہوا تھا۔ راقم الحروف نے اپنے والد صاحب سے عرض کیا

کہ میں ایم اے عربی میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ والد صاحب بہت خوش ہوئے کہ میں مزید تعلیم کے لئے آمادہ ہو گیا اور خود میرے ساتھ پشاور یونیورسٹی تشریف لائے اور عربی ڈیپارٹمنٹ میں فارم داخلہ جمع کیا۔ اُس وقت قاضی فضل معبود صاحب عربی ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین تھے۔ والد صاحب نے قاضی مجیب الرحمن صاحب جو اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین تھے۔ ان سے ملاقات کے وقت میں بھی ساتھ تھا ملا تو اُنہوں نے کہا آپ تو اسلامیات میں داخل ہو جائیں کیونکہ آپ اسلامیات میں گولڈ میڈل حاصل کر لینگے۔ لیکن والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ عربی میں داخلہ لے لیں۔ ایم اے اسلامیات آپ کے لئے آسان ہے۔ میرا مقصد بھی اسی میں تھا کیونکہ میں تو حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب کے لئے آیا تھا۔

1977ء میں عربی ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لینے کے بعد آٹھ نمبر ہاسٹل میں کمرہ ملا اور وہاں سے حضرت مولانا محمد اشرف خاں صاحب کے گھر عصر کی نماز کے بعد مغرب تک محفل میں شریک ہوتا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم کا یہ معمول تھا کہ عصر کے وقت حاضرین مجلس سے فرماتے تھے کہ اگر کسی کا سوال ہو تو پوچھ لیں اسی پر بات کر لینگے۔ میں اکثر سوالات کرتا تھا تاکہ میں حقیقت جان لوں کہ حضرت مولانا صاحبؒ کس مکتب فکر کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت سے میں جو سوال کرتا تو آپ وہی جواب عنایت فرماتے جو حضرت مولانا مفتی محمد حلیم صاحبؒ مرحوم سے سیکھ چکا تھا۔

بیعت

میں نے حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم کو ایک تفصیلی خط لکھا۔ اس میں اپنے بیعت اور وظائف کے بارے میں حضرت مولانا صاحبؒ کو آگاہ کیا۔ حضرت مولانا

صاحبؒ نے فرمایا کہ کل اشراق کے وقت آجاؤ۔ میں آیا تو حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ مہمان تھے اور بیعت نہ ہو سکی۔ اور اگلے دن کے لئے فرمایا۔ میں اگلے دِن حاضر ہوا تو حضرت مولانا صاحبؒ اپنے شیخ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مرحوم کے پاس جارہے تھے۔ میں بھی لنڈی ارباب پہنچ گیا۔ وہاں دونوں حضرات کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ اسی دن جب عصر کے وقت محفل میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ کل اشراق کے وقت آجاؤ۔ بیعت کرلونگا تو اگلے دِن حضرت کے ہاں حاضر خدمت ہوا اور بیعت فرمائی اور اسی سلسلہء نقشبندیہ کے وظائف جاری رکھنے کی تلقین یعنی پانچ سو مرتبہ لاالِہ الااللہ ضرب کے ساتھ تصور میں اور ایک ہزار مرتبہ اسم ذات تصور میں قلب پر نقش کرتے ہوئے۔

خدمت میں لگنا

میں ایم اے عربی پریویس میں تھا اور عبدالوہاب مروت ایم اے عربی فائنل میں تھے۔ وہ روزانہ حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم کو ویل چیئر میں عربی ڈیپارٹمنٹ لایا کرتے تھے اور اکثر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ حضرت مولانا صاحبؒ بہت بھاری یعنی وزنی ہیں اور ان کو اٹھانا بہت مشکل ہے۔ میں اُن سے کہا کرتا تھا کہ میرے لئے اٹھانا مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہے۔ اس سے بڑے وزن اٹھا چکا ہوں۔

ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم حاجی غلام نبی کے ہاں جانا چاہتے تھے اور کوئی بھی اٹھانے والا نہیں تھا۔ عبدالوہاب صاحب اُن کو ڈیپارٹمنٹ لائے اور مجھے کہا کہ آج آپ کا امتحان ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو گاڑی میں بٹھانا ہے۔ میں کلاس سے باہر آیا اور ویل چیئر سے حضرت مولانا صاحبؒ کو اٹھا کر گاڑی میں بہت آرام سے بٹھایا۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ بیٹا پاس ہو گئے۔ پھر حاجی غلام نبی صاحب کے گھر ان کے ساتھ گیا۔ وہاں اکیلے گاڑی سے نکال کر کرسی پر بیٹھایا اور پھر وہاں سے روانگی کے وقت بھی آرام سے اٹھایا بٹھایا۔ اسی دِن سے میں ان کی خدمت میں لگ گیا اور آپ اکثر اٹھانے کے لئے مجھے بلایا کرتے تھے اور اس کے بعد تبلیغی اجتماعات اور دوسرے اسفار میں مجھے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

اسفار

بندہ کو حضرت مولانا صاحبؒ کے معیت میں کئی اسفار پہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن کی تفصیل اسفار کے فصل میں مکمل آچکی ہے۔ یہاں پر بندہ اُن واقعات کا ذکر مناسب سمجھتا ہے۔ جو ان اسفار میں میری موجودگی میں رونما ہوئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ میرا پہلا بیرونی سفر 1980ء میں دیوبند ہندوستان کے صد سالہ جشن کے سلسلہ میں ہوا۔ سارے پاکستان سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو علماء وفضلا کا اکٹھا قافلہ تھا۔ اس سفر میں اُن تمام مقامات کی زیارت نصیب ہوئی جو تاریخی لحاظ سے یا ہمارے لئے روحانی لحاظ سے اہمیت کی حامل تھیں۔ اور جن کا ذکر ہم اکثر کتابوں میں پڑھا کرتے یا بزرگوں سے زبانی سُنا کرتے تھے۔ مثلاً حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور حضرت اشرف علی تھانویؒ کا مسکن تھانہ بھون، رشید احمد گنگوہی کا گنگوہ، قاسم نانوتوی بانی دیوبند کا وطن نانوتہ، مولانا مسیح اللہ خانؒ خلیفہ تھانویؒ کا قریہ جلال آباد، شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریاؒ، مولانا خلیل احمد کی تربیت گاہ سہارنپور اور سلسلہ چشتیہ کے سرخیل معین الدین اجمیریؒ کا دربار اجمیر شریف، اس کے علاوہ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی عظیم درس گاہ، حضرت مولانا شبلی نعمانی کی قائم کردہ دارالمصنفین اعظم گڑھ جن کے جانشین سید الملۃ

علامہ سید سلیمان ندوی رہے۔ لال قلعہ، فتح پور، سیکری آگرہ، تاج محل اور قطب مینار مسلمانوں کے شاندار ماضی کی یادگاریں ہیں۔ اجمیر شریف میں مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کو سلسلہ چشتیہ سے مناسبت ہوگئی۔ پشاور جاکر آپ کو چشتیہ سلسلے کی اذکار تلقین کرونگا۔

میرا دوسرا سفر حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ 1981ء میں ہوا۔ مدینہ منورہ میں غازی مرجان صاحب نے بتایا کہ بہت پہلے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کی حج کی منظوری ہوچکی ہے۔ لیکن جب میں نے اطلاع دینے کے لئے اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ جب آجائے تو پھر بتادینا۔ اِس سفر میں یہ بھی ہوا کہ غازی مرجان اپنے گھر اُحد کے پاس سے حضرت مولانا صاحبؒ کے لئے مدینہ کی بکریوں کا دودھ لایا کرتے تھے۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ بیٹا دودھ نہ لایا کریں تو خواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اہل مدینہ کا ہدیہ قبول کیا کریں۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ بہت ہی خوش قسمت ہیں کہ حضور ﷺ نے اہل مدینہ میں سے شمار کیا اور دودھ لانے کی پھر اجازت دے دی۔ اسی سال مکہ مکرمہ واپسی پر اشراق کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کو حجرِ اسود کا بوسہ کروایا۔ بندہ نے پیٹھ پر اٹھایا اور نزدیک جاکر اتنا جھکا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کا چہرہ حجرِ اسود کے سامنے ہوگیا۔ اور میر حاتم نے حضرت مولانا صاحبؒ کے سر کو سہارا دیکر بوسہ کروایا۔ پولیس والے نے بھی ہماری مدد کی۔

تیسرا حج بندہ نے حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ 1984ء میں اپنے والد صاحب کے لئے بطورِ حج بدل کیا۔ اس حج کی تفصیلات اسفار حج میں موجود ہیں۔ مدینہ

منورہ میں ایک واقع ہوا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو ریاض الجنتہ میں ایک ستون کے ساتھ بٹھا دیا اور ہم لوگ سلام پڑھنے کے لئے مواجہ شریف چلے گئے۔ سلام پڑھ کے جب آئے تو حضرت مولانا صاحبؒ اوندھے منہ کے بل پڑے تھے۔ ہمیں افسوس ہوا اور عرض کیا کہ یہ کیا ہوا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے جھجک کر بتایا کہ غنودگی میں حضور ﷺ سامنے تشریف لائے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے جلدی سے ہاتھ چومنا چاہا۔ لیکن جونہی جھکا تو منہ کے بل گر پڑا۔ پھر اٹھنے کی طاقت نہیں تھی۔

رمضان شریف 1987ء کے آخیر دنوں میں حضرت مولانا صاحبؒ نے عمرہ اور پھر حج کا ارادہ فرمایا۔ اہلیہ و سلیمان کے علاوہ سسرال کے رشتہ دار ساس صاحبہ، سلیمان کی والدہ، ہم خدام مع عبد العزیز کشمیری اور بیت اللہ بھی ساتھ تھے۔ یہ سارا قافلہ جناب عبد المنان کے گھر پر فروکش تھا۔ بڑی تگ و دَو کے بعد ڈاکٹر شیر علی مالک ام القراٰ ہسپتال نے ڈپٹی گورنر مکہ کے ایک ریٹائرڈ پی اے کے ذریعے حج ویزوں کا بندوبست کیا۔ بندہ نے یہ حج اپنی والدہ صاحبہ کے لئے کیا۔ ایک دفعہ مقامِ ابراہیم پر حضرت مولانا صاحبؒ نے بہت لمبی دعا کی۔ میرا بھی دِل چاہا کہ اپنے لئے دعا یاد دلاؤں کہ اتنے میں حضرت مولانا صاحبؒ نے خود ہی ختم کرتے ہی فرمایا کہ لیکچرر شپ مبارک ہو۔ حالانکہ ان دِنوں میں سکول میں اُستاد تھا۔ واپسی پر ادارہ تعلیم و تحقیق نے بندہ کو عربی پڑھانے کے لئے ویزٹنگ لیکچرر لیا اور پھر مستقل کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے وائس چانسلر سے سفارش کر کے فرمایا کہ نعمان طلباء، یونیورسٹی اور میرے لئے مفید ثابت ہو گا۔ اِس حج میں مولوی یوسف صاحب کا بھائی محمد ادریس ہمارے ساتھ شوگر کا مریض تھا اور خود انسولین کا انجکشن لگایا کرتا تھا۔ عرفات میں اُن کی طبیعت زیادہ خراب

ہو گئی تو ہسپتال میں داخل کروایا۔ عرفات سے واپسی پر منٰی کے ہسپتال میں ڈھونڈا نہیں ملا تو مکہ کے ہسپتالوں میں تلاش کرنے لگے۔ آخر شیشہ ہسپتال میں مردہ پائے گئے۔ احرام کی حالت میں پیشانی پر نام لکھا ہوا تھا اور عینک ساتھ پڑی تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو فجر کے وقت بتایا۔ فون کر کے بشیر طارق کے ذریعے والد سے وہی دَفن کرنے کی اجازت لی اور جنت المعلّٰی میں دَفن کیا۔ 1987ء کو حج سے تشریف لانے کے بعد مختلف جگہوں پر تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتے رہے اور رائے ونڈ میں سالانہ اجتماع میں حضرت مولانا صاحبؒ ضرور تشریف لے جاتے۔ وہاں خالد حبیب صاحب جو پاکستان ٹیلیفون کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے لئے ٹیلیفون کیمپ رائے ونڈ میں سپیشل خیمہ لگواتے اور وہاں ہم تین دن گذارنے کے بعد جناب انجینئر نسیم صاحب کے پاس گلشن آباد، لاہور میں ٹھہرتے اور پھر آرام سے پشاور آتے۔

1989ء میں میرے سالے سید عفران شاہ کی شادی تھی گھر والے ایک دِن پہلے چلے گئے تھے۔ میں حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں رہ گیا تھا۔ شادی کے دِن میں نے حضرت مولانا صاحبؒ سے صبح کی نماز کے بعد چھٹی لی اور یونیورسٹی پبلک سکول چلا گیا اور وہاں چھٹی لینی تھی۔ اسی دن حضرت مولانا عزیز گل صاحب جو اسیر مالٹا تھے، کا وصال ہو گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو جب اطلاع ملی تو فوراً مجھے فون کیا کہ آپ گاؤں نہ جائیں اور واپس آ جائیں۔ حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے جنازے کے لئے جانا ہے۔ میں فوراً واپس آیا اور حضرت مولانا صاحبؒ کو تیار کر کے سخاکوٹ روانہ ہو گئے۔ حضرت مولانا عزیز گل صاحب کا آخری دیدار کیا اور ان کو سپردِ خاک کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے صبح اشراق پڑھنے سے پہلے مجھے آواز دی۔ میں

حاضر خدمت ہوا تو فرمایا۔ محمد حکیم صاحب کو بھی بلاؤ تاکہ آپ دونوں کو خلافت دوں۔ میں خود حیران رہگیا اور محمد حکیم صاحب کو بھی بُلایا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ”میرے دل پر وارد ہوا کہ آپ دونوں کو چاروں سلسلوں میں خلافت دوں“ ”سنت کی پابندی کرو اور جو طالب حق آئے حسبۃ اللہ بیعت کرو اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے رہو۔ کیونکہ اس میں کافی علم ہے۔ ایک لکیر کھینچی اور فرمایا۔ اس کے دائیں طرف صفر ڈالو تو دَس گنا بڑھتا اور اگر بائیں طرف ڈالو تو ایک درجہ کم۔ 000/000 نیک اعمال کا دَس گنا اجر ملتا ہے اور گناہ ایک لکھا جاتا ہے۔ پھر راقم الحروف کو اجازت دی کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد یہ پڑھو۔ اللّٰھم اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ اس کو حدیث مسلسل بالمحبۃ کہتے ہیں۔ اس حدیث مسلسل بالمحبۃ کی اجازت حضرت مولانا صاحبؒ کو حضرت مولانا یوسف بنوریؒ سے ملی تھی۔

1990ء میں ادارہ تعلیم و تحقیق (آئی۔ای۔آر) میں لیکچرر منتخب ہونے کے بعد راقم الحروف نے حضرت مولانا صاحبؒ سے صحیح البخاری شروع کی تو میاں بشیر احمد مرحوم جو ادارہ تعلیم و تحقیق کے ڈائریکٹر اور حضرت مولانا صاحبؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ انہوں نے بھی درس حدیث میں شرکت کرنی شروع کی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا معمول تھا کہ صبح صادق سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اٹھتے تہجد کی نماز پڑھتے اور صبح کی سنتیں پڑھنے کے بعد وظائف کرتے اور فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد جناب پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم صاحب کو مریدوں کے خطوط کے جوابات لکھواتے۔ پھر ہم صحیح بخاری شریف پڑھتے اور اشراق کے بعد ناشتہ کرتے اور ایک گھنٹہ آرام فرماتے۔

مولانا صاحبؒ کے اخلاق

برداشت و تحمل

حضرت مولانا صاحبؒ بہت برداشت اور تحمل والے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو 1990ء میں نمونیہ ہوا۔ لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں بولٹن بلاک میں کمرہ لیا اور پروفیسر ڈاکٹر مسعود الرحمٰن کے زیر علاج تھے۔ میں ہسپتال میں ان کے ساتھ ہوتا تھا اور دو اور ساتھی بھی ایک دن میں اپنی ضرورت کے لئے گھر آیا اور گھر کا سودا سلف خریدا اور اسی وقت مجھے فون کال موصول ہوئی کہ حضرت مولانا صاحبؒ چوکی پر وضو کرتے ہوئے گر گئے ہیں اور زخمی ہو گئے ہیں۔ میں نے سامان کسی کے حوالے کیا کہ ہمارے گھر پہنچا دیں اور فوراً ہسپتال پہنچا۔ جب میں نے دیکھا تو حضرت مولانا صاحبؒ کے کپڑے خون آلود تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن حضرت تسلی دیتے رہے اور فرمایا۔ ”بیٹا خون نے جوش مارا اور نکل گیا۔ کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی“۔ دَس بیماریاں تھیں لیکن کبھی اپنی زبان سے اُن کا ذکر نہ کرتے۔ جب ڈاکٹر پوچھتے کیا حال ہے؟ تو فرماتے الحمد اللہ اللہ کا شکر ہے۔ ٹھیک ہوں۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ آپ خود بتائیں تو ناراضگی کی حالت میں فرمایا۔ ”مجھ سے کیوں کہلواتے ہیں۔ آپ بتا دیں“۔ وجہ یہ تھی کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری نہ ہو جائے۔

حق گوئی

قادیانی فرقے کو جب اسمبلی میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ تو انہوں نے اسلامی شریعت کورٹ میں اس کے خلاف رِٹ پٹیشن دائر کی۔ شریعت کورٹ نے مختلف

شہروں کے بڑے بڑے علماء کرام کو بُلایا اور ان کے بیانات قلم بند کئے۔ ان ہی میں حضرت مولانا صاحبؒ کو بھی بُلایا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم کے ساتھ ہم بھی شریک سفر تھے لاہور میں ہم حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم کے ایک مرید انجینئر نسیم صاحب کے ہاں ٹھہرے تھے وہاں عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا اور حضرت مولانا صاحبؒ نے زبانی املاء کرانا شروع کی۔ احمد خان صاحب جو ایڈیشنل سیکرٹری رولز ریٹائرڈ ہوئے۔ انہوں نے لکھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی اور حضرت مولانا صاحبؒ نے عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی اور فرمایا۔ تھوڑا آرام کروائیں۔ پھر عدالت جانا ہے۔ اور تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرمانے کے بعد وضوء کیا ناشتہ کیا اور عدالت گئے وہاں بیان شروع کیا تو فرمایا۔ ''ایک مسیلمۃ الکذّاب تھا جس پر شیطان نے اتنی وحی نہیں کی تھی جتنی مسلیمہ پنجاب پر شیطان نے وحی کی ہے''۔ اور ظہر تک بہت پرجوش تقریر فرمائی۔ ظہر کی نماز اور کھانے کے بعد پھر تقریر شروع کی اور تقریباً چار بجے تک تقریر فرمائی۔ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم جامعہ اشرفیہ آئے۔ وہاں مغرب کی نماز پڑھی۔ قادیانیوں نے تعاقب کیا۔ ہم آگے نکل گئے تھے اور سرکاری وکیل پر انہوں نے فائرنگ کی اور اللہ نے اُن کو بچالیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مرحوم نے دو دن عدالت میں بیان دیا اور پھر اپنا لکھا ہوا مقالہ عدالت میں جمع فرمایا اور اپنے دلائل اور تمام ملک کے علماء کی کوششوں سے قادیانیوں کا کیس خارج ہوا اور اسمبلی کے فیصلے کو برقرار رکھ کر صراحتاً کہا کہ قادیانی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت کے طور پر رہینگے۔

صدر مملکت جناب ضیاء الحق صاحب نے جب حدود و قصاص ارڈیننس جاری کیا تو رجم کی سزا کو شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کو عدالت میں

اس پر بحث کرنے کے لئے بلایا گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ بھی اس میں شریک تھے۔ آپ بیمار تھے اور ہسپتال میں تمام کتابیں منگوالیں اور مدلل مقالہ تحریر فرمایا اور عدالت میں بیان کر کے جب پیش کیا گیا تو عدالت نے اس پر فیصلہ دیا کہ رجم (سنگسار کرنا) شادی شدہ زانی کی شرعی سزا ہے۔ بعد میں حضرت مولانا صاحبؒ نے اس مقالے کی کتابت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس کو شائع کر سکیں۔ گستاخ رسول اللہ ﷺ کی شرعی سزا کے تعین کے لئے شرعی عدالت میں کیس آیا۔ اس میں حضرت مولانا صاحبؒ کو مدعو کیا گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے جو بیان عدالت میں فرمایا۔ اس پر گستاخ رسول اللہ ﷺ پر شرعی سزا قتل قرار دی گئی۔ اسی عدالت کے بیان کو راقم الحروف نے شائع کیا ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ عاشقِ رسول اور صاحب دل و درد مبلغ تھے۔ جب تک صحت تھی پشاور کے تبلیغی مرکز کے امیر رہے اور ہر شب جمعہ کو وہاں بیان فرماتے تھے۔ جب کمزور ہو گئے پھر بھی رائے ونڈ کے اجتماع اور صوبہ سرحد میں جہاں کہیں اجتماعات ہوتے۔ آپ ان میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ پشاور میں اجتماع ہوا اس میں حضرت جی انعام الحسنؒ تشریف لائے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو ان کے پاس لے گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے عرض کیا۔ حضرت آپ پشاور تشریف لائے ہیں۔ کوئی خدمت نہیں کی۔ حضرت جی نے فرمایا۔ آپ نے بہت خدمت کی ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ ہمارے لئے دعاء فرمائیں۔ آپ کی دعاء کی ہمیں ضرورت ہے۔ شام کو عمومی بیعت ہو رہی تھی۔ راقم الحروف نے چادروں اور رومالوں کو باندھ کر تسلسل برابر کیا۔ پھر واپس آ کر حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ بیٹا

حضرت جی سے بیعت کرلو۔ کیونکہ حضرت جی مرحوم اپنے مریدوں کے لئے دعاء کرتے ہیں۔ آپ بھی ان کی دعاؤں میں شریک ہو جائیں گے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے حکم سے میں نے بھی بیعت کی۔ اگلے دن حضرت جی اور حضرت مولانا سعید خان صاحبؒ کی رخصتی کے لئے حضرت مولانا صاحبؒ ریلوے سٹیشن تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سعید خان صاحبؒ موٹر سے اُترے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے سلام کیا۔ وہ جلدی ریل کے ڈبے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے اور حضرت مولانا صاحبؒ سے ملے اور فرمایا کہ مجھے تقاضا تھا۔ اس لئے ریل میں جلدی چلا گیا۔ ورنہ میں آپ کے پاس پہلے آتا۔ حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ ان کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت جی تشریف لائے ان کو احمد گل صاحب نے ریل میں بٹھایا تو احمد گل صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو کہہ دیں کہ حضرت جی صاحب سلام فرما رہے ہیں۔ میں نے اس کو کہا کہ مجھے نہیں کہا آپ کو کہا ہے۔ آپ حضرت مولانا صاحبؒ کو خود کہہ دیں پھر انہوں نے خود حضرت مولانا صاحبؒ کو کہا کہ حضرت جی صاحب آپ کو سلام فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے وعلیہ وعلیکم السلام فرمایا۔ ان حضرات کو رخصت کرنے کے بعد ہم واپس آ گئے۔

حق گوئی

ایک دن حضرت مولانا صاحبؒ مسجد درویش میں خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کے بیٹے عبد الرحمٰن آئے اور عرض کیا کہ شیعہ عالم عارف الحسینی کو کسی نے قتل کیا ہے۔ آپ ان کے لئے دعاء فرمائیں حضرت مولانا

صاحبؒ نے فرمایا کہ میں ان کے لئے دعاء نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ صحیح عقیدے والے نہیں اور جس نے اس کو قتل کیا ہے یہ ملک کے خلاف سازش ہے اور فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لئے ایسا کیا ہے جو بہت بڑا ظلم ہے۔

ایک دفعہ میری موجودگی میں مولانا راحت گل صاحب جو اس وقت جماعت اسلامی میں شامل تھے۔ آئے اور حضرت مولانا صاحبؒ کو راحت آباد مدرسہ کی افتتاح کے لئے بطور مہمان خصوصی مدعو کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے عذر کیا۔

پروفیسر ڈاکٹر انور خان، وائس چانسلر، پشاور یونیورسٹی تھے۔ ان کو اقلیتی اسمبلی ممبران نے سفارش کی کہ یونیورسٹی آف پشاور میں اقلیتی برادری کے لئے ایک گرجا بنائیں۔ تمام اخراجات ہم دینگے۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے راقم الحروف کو ایک خط وائس چانسلر کے نام دیا۔ جس میں مضمون اس قسم کا تھا کہ پشاور یونیورسٹی آپ کی جاگیر نہیں کہ آپ اس میں گرجا بنانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ اسلامی مملکت میں نئے گرجے بنانا جائز نہیں اور پرانے گرجے ختم کرنا نہیں۔ آج اگر آپ عیسائیوں کے گرجا بنائیں گے تو کل شعیوں کے لئے امام باڑہ بنائینگے اور پھر ہندوؤں کے لئے مندر بنانے ہونگے۔ لہٰذا یہ کام آپ شروع نہ کریں۔ جب میں نے خط وائس چانسلر صاحب کو دیا اور ساتھ ہی دینی کتابوں کے حوالے بھی دیئے تو پروفیسر ڈاکٹر انور خان صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ریلیجس کمیٹی کے سپرد کرتا ہوں وہ فیصلہ کرینگے اور انہوں نے گرجا نہ بنانے کا فیصلہ فرمایا۔

راقم الحروف یونیورسٹی پبلک سکول، پشاور یونیورسٹی میں بطور .T.G.T خدمات سرانجام دے رہا تھا کہ ایم۔ایڈ میں داخلے کے لئے یونیورسٹی ماڈل سکول کے

کوٹے پر مجھے داخلہ ملا اور سکول سے بغیر تنخواہ کی چھٹی ملی۔ ہمارے انسٹیٹیوٹ کے ایک لیکچرر سنڈیکیٹ کے ممبر تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھے درخواست دے دیں۔ میں آپ کی چھٹی کو تنخواہ کے ساتھ سنڈیکیٹ سے منظور کروادونگا۔ میں نے حضرت مولانا صاحبؒ سے اس بارے میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ آپ کو جماعت اسلامی کا دست نگر نہ بنائے۔ میں نے درخواست دینے کا اِرادہ ترک کیا۔ آپ ہمیشہ حق پر قائم رہتے اور مال ودولت کی کوئی پروانہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک جاننے والے آئے تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ چودہ پندرہ سال کے بعد آئے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں وہ اپنے ساتھ سیب کی ایک پیٹی لائے تھے اور حضرت مولانا صاحبؒ کو ہدیہ پیش کیا۔ تھوڑی دیر بعد عرض کیا کہ فلاں سیکرٹری کے ساتھ کام ہے۔ آپ ان کے نام خط دے دیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ اپنی سیب کی پیٹی واپس لے لو تو خط لکھ دوں گا۔ کیونکہ اس طرح خط دوں تو یہ رشوت ہو جائے گی وہ بہت منت کرتا رہا لیکن حضرت نہ مانے اور جب اس نے پیٹی واپس لی تو حضرت مولانا صاحبؒ نے سفارش کا خط لکھ دیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ اتنے محتاط تھے۔

1995ء میں لوگ حج پر جارہے تھے۔ لکی مروت کے گروپ کا ایک آدمی حاجی کیمپ پشاور سے حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس آیا۔ وہ نعت پڑھ رہا تھا اور اس کا ایک مصرعہ پشتو میں مجھے یاد ہے وہ یہ ہے۔

دَ تور بلال غوندے په زړه باندے داغلے نه ئے
څکـــه هلتـــه تلے نه ئے

یہ نعت سننا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کا اللہ کا نعرہ لگنا شروع ہو گیا اور دیار

حبیب کے دیدار کے لئے بے تاب ہوگئے۔ اسی دن حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مرحوم کے بیٹے سینیٹر عبدالرحمٰن صاحب آئے اور حضرت مولانا صاحبؒ سے بات کرنے لگے کہ سعودی سفیر نے فون کیا ہے کہ آپ اپنے خاص ساتھیوں کے پاسپورٹ بھیج دیں جو حج پر جانا چاہتے ہیں اور حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ تو حج پر جانا نہیں چاہتے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے کب کہا ہے کہ میں نہیں جانا چاہتا۔ تو حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے کہا کہ آپ اپنا اور اپنے ساتھیوں کے پاسپورٹ میرے حوالے کر دیں تو اس وقت حضرت مولانا صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ اپنا پاسپورٹ لاؤ اور محمد تیسیر کو بھی کہا کہ پاسپورٹ لے آؤ۔ اگلے دن حضرت مولانا صاحبؒ اپنے پاسپورٹ کے ساتھ راقم الحروف کے پاسپورٹ اور محمد تیسیر کے پاسپورٹ عبدالرحمٰن کے حوالے کئے اور ایک ہفتہ کے بعد حج کے ویزے لگا کر پاسپورٹ واپس کئے اور ہم نے فوری طور پر حج کی تیاری کی۔ کیونکہ پہلے سے حج فلائیٹ شروع تھیں۔

اس دفعہ حج پر حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ ہم دو ساتھی تھے۔ ایک راقم الحروف اور ایک محمد تیسیر صاحب چونکہ اٹھانے والا صرف میں تھا۔ اور محمد تیسیر صاحب مولانا صاحب کو نہیں اٹھا سکتے تھے۔ پشاور سے ہماری فلائیٹ پی ائی اے لاہور روانہ ہوگئی۔ ہم احرام باندھ چکے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ابھی نیت حج یا عمرہ کی نہ کرو بعد میں کرلینگے۔ جب ہم لاہور ائیر پورٹ پر پہنچے تو جہاز میں فنی خرابی واقع ہوئی اور پی آئی اے والے ہمیں ہوٹل لے گئے۔ چونکہ نیت نہیں کی تھی۔ احرام کھول دیا اور حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت کے لئے مستعد ہوگیا۔ اگلے دن پھر غسل کر کے احرام باندھ لیا اور پی آئی اے والے ہمیں ائیر پورٹ پہنچا

گئے۔ وہاں حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلۂ العالی کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ پھر عرفات کے میدان تک ہم اکٹھے رہے۔ حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد ہم مکہ مکرمہ میں کچھ دن رہے اور حضرت جیؒ عزیزیہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت مولانا صاحبؒ کو فرمایا کہ حضرت جی انعام الحسن صاحبؒ مشورہ میں ہیں اور پاکستان میں VIP جماعتوں کی سرزنش فرمارہے ہیں کہ اس سے فتنہ پیدا ہو جائیگا۔ لہٰذا سب مسلمانوں کو ایک ہی طرح کی جماعت میں بھیجا جائے تا کہ کوئی فرق نہ ہو اور احساس کمتری میں غریب مبتلا نہ ہوں اور نہ امیر تکبر و غرور میں مبتلا ہوں۔ جب مشورہ ختم ہوا تو ہمیں ملاقات کا موقع دیا اور حضرت جی سے مصافحہ کیا اور ان کی صحت کے بارے میں پوچھا تو حضرت جی نے فرمایا۔ الحمد اللہ حال اچھا ہے۔ احمد لاٹ صاحب جو حضرت جی کے خادم تھے، فرمانے لگے کہ حضرت جی کو دَس بیماریاں ہیں تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو بھی دس بیماریاں ہیں تو دونوں سواء سواء برابر ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے حضرت جی کو دوسو ریال ہدیہ بدست راقم الحروف پیش کیے۔ حضرت جی نے قبول فرمائے اور دعائیں دیں اور پھر ہم حضرت جی سے رخصت ہوئے۔ حج کی ادائیگی کے بعد ہم مدینہ منورہ حاضری کے لئے گئے۔ ہم حبیب الرحمٰن صاحب کے مکان میں ٹھہرے تھے اور مسجد نبوی سے 8 نمبر گیٹ سے آتے اور وہاں قریب باجماعت نماز ادا کرتے یہی ہمارا معمول تھا۔ ایک دن شام کی نماز کے بعد غازی مرجان صاحب تشریف لائے اور حضرت مولانا صاحبؒ سے کچھ کہا حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ نعمان سے پوچھ لو میں نماز

نوافل پڑھ رہا تھا اور غازی مرجان صاحب میرے قریب بیٹھ گئے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ روضہ مبارک پر حاضری کے لئے جانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حج کے آیام میں میں اکیلا ہوں۔ کہیں حضرت مولانا صاحبؒ کو تکلیف نہ ہو جائے۔ کیونکہ تیسیر صاحب مولانا صاحب کو اٹھا نہیں سکتے۔ غازی مرجان صاحب نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''مولانا محمد اشرف خان مجھ سے ناراض ہیں کہ قریب نہیں آتے''۔ تب حضرت مولانا صاحبؒ کو روانہ کیا اور باب النساء کی طرف سے صفہ کی طرف آرہے تھے وہاں کچھ ترک بزرگ پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے۔ مجھے حضرت مولانا صاحبؒ کا حکم تھا کہ اگر راستہ ملے تو آگے چلو ورنہ کھڑے رہو اور انتظار کرو کہ چلنے کے لئے راستہ مل جائے۔ کسی کو یہ نہیں کہنا کہ ہٹ جاؤ۔ غازی مرجان صاحب ان ترک بزرگوں کے پاس گئے اور کچھ فرمایا جب انہوں نے دیکھا تو سب اٹھ کر آئے اور حضرت مولانا صاحبؒ کو ماتھے پر چوم رہے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ کیسے پہچانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ''ولی را ولی مے شناسد'' ہم صفہ پر پہنچے میں نے عشاء کی نماز صفہ پر اور حضرت مولانا صاحبؒ نے صفہ کے ساتھ نیچے صف پر ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر نبی کریم ﷺ پر سلام عرض کرنے کے لئے قدمین شریف گئے۔ وہاں حضرت مولانا صاحبؒ اور روضہء مبارک کے درمیان ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہاں کے منتظم نے اس آدمی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور دوسری طرف ہٹا دیا اور عربی میں کہا ''خَلِّ لِھٰذا الشَّیخ'' اور مجھے کہا ''تَفَضَّلْ'' میں نے حضرت مولانا صاحبؒ کو روضہ پاک کی دیوار کی جالی کے ساتھ بالکل قریب کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ بہت دیر تک درود و سلام

پڑھ رہے تھے۔ اس دوران اس منتظم نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ جواب میں عرض کیا کہ یہ جامعہ پشاور کے عربی ڈیپارٹمنٹ کے مدیر ہیں اور بہت بڑے عالم دین ہیں۔ اس نے کہا کہ اس صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''الحبة السوداء دواء لكل داء الاالموت'' یعنی کلونجی ہر بیماری کی دواء ہے سوائے موت کے۔ ان کو کلونجی کھلا دو۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ نے قبلہ کی طرف منہ کرنے کو کہا اور بہت لمبی دعاء کی۔ اس دوران سب لوگوں کو نکالا سوائے ہم دونوں کے۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ دعاء سے فارغ ہوئے تو واپس ریاض الجنۃ آئے وہاں اہم مقامات پر دو دو رکعت نفل نماز پڑھی اور پھر مواجہ شریف پر آئے اور وہاں سے بھی سلام کیا اور اپنے مکان پر آ گئے۔

اگلی صبح جب ہم مسجد نبوی صبح کی نماز کے لئے آئے تو باب السعود 8 نمبر گیٹ پر ایک آدمی نے اندر جانے سے روکا اور کہا کہ اس کرسی کی اندر جانے کی اجازت نہیں۔ میں 5 نمبر گیٹ پر آیا وہاں بھی نہیں چھوڑا پھر سیدھا باب الرحمۃ پر آیا اور حضرت مولانا صاحبؒ کو جلدی صف کے ساتھ کھڑا کیا۔ انہوں نے بھی سنت نماز کی نیت باندھی اور میں نے بھی نماز پڑھنے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کو باب السلام کے ساتھ کھڑا کیا اور میں اندر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھا اور معافی مانگی۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ کو باہر کی طرف سے باب جبریل علیہ السلام پر لے آیا اور وہاں سے حضرت مولانا صاحبؒ نے سلام کیا۔ اس وقت وہ آدمی جس نے روکا تھا ہمارے پیچھے آیا اور کہا کہ اس کرسی کے لئے بواب (دربان) سے اجازت لے لو۔ ظہر کی نماز کے لئے ہم آئے اور غازی مرجان صاحب نے بواب سے ایک رقعے پر اجازت نامہ لے لیا اور پھر ہم نے

سلام کے لئے روضہ ءمبارک پر حاضری دی۔ اگلی صبح پھر وہی منتظم کھڑا تھا اور ہمیں روکا کہ اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے وہ رقعہ اجازت نامہ دِکھایا۔ اس نے وہ اجازت نامہ میرے ہاتھ سے لیا اور کہا کہ یہ اس بڑی کرسی کے لئے نہیں ہے اور واپس دینے سے انکار کیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا ''هَذَا ظُلْمٌ عَظِيم '' میں نے پھر اسی طرح حضرت مولانا صاحبؒ کو باب الرحمۃ میں صف کے ساتھ کھڑا کیا۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ بہت غمگین تھے۔ میں نے روضہ ءپاک پر حاضری دی معافی مانگی اور رویا اور اجازت طلب کی اور پھر حضرت مولانا صاحبؒ اور ہم مکان پر آ گئے۔ ہمارا ہمیشہ معمول یہ ہوتا تھا کہ جب مسجد نبوی سے صبح کی نماز کے بعد واپس ہوتے تو حضرت مولانا صاحبؒ کو آرام کرواتا اور میں وظائف پڑھ کر ناشتہ تیار کرتا تھا۔ اس دن میں بھی لیٹ گیا۔ جب آنکھ لگ گئی اور سو گیا تو نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور اندر مسجد نبوی میں جانے سے روکنے کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے کچھ اس طرح فرمایا: ''انتظام وانصرام کا احترام کرنا چاہیئے''۔ میں نے روتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مولانا صاحبؒ معذور ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس دروازے سے اندر آنے کی مرضی ہو آتے رہو اجازت ہے۔ میں جاگ گیا اور فوراً حضرت مولانا صاحبؒ کو جگایا اور خواب بیان کر کے عرض کیا کہ اجازت مل گئی۔ حضرت مولانا صاحبؒ بہت خوش ہوئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد میں خود بواب کے پاس گیا وہ میٹنگ میں تھے اور فرمایا کہ پانچ منٹ انتظار کرو۔ میں خود آپ کے پاس آ جاؤں گا۔ مجھے قہوہ دیا جو بہترین عربی خوشبودار قہوہ تھا۔ اور پھر میرے ساتھ آیا اور حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ ملا اور ماتھے پر چوما اور کہا حج مبروک اور مجھے

دفتر لے گیا اور خط لکھ کر دیا کہ مسجد نبوی میں اس خصوصی کرسی کے ساتھ جس دروازے سے آئیں اجازت ہے۔ اور اس کے بعد ہمیں کسی دروازے پر کسی نے نہیں روکا۔

مدینہ منورہ میں جب ہمیں ہر دروازے سے اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ اس کے اگلے دِن جناب ڈاکٹر شوکت صاحب نے حضرت مولانا صاحبؒ کو اپنے گھر رہنے کی فرمائش کی اور ہمیں اپنے گھر لے گئے اور علیحدہ دو (2) کمرے ہمیں دیئے۔ غازی مرجان صاحب ادھر ملاقات کے لئے آتے تھے ایک دن مجھ سے کہا کہ حضرت جی حج کے بعد ہندوستان تشریف لے گئے تو وہاں پر دل کا دورہ پڑھ گیا اور وفات پاگئے۔ میں نے کہا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو فوراً نہ بتانا۔ وہ خود بھی بیمار ہیں کہیں زیادہ تکلیف نہ ہو جائے۔ پھر رات کو کھانا کھایا اور حضرت جی کا تذکرہ شروع کیا۔ ان کے مناقب اور مجاہدے کے بارے میں کہا اور پھر بیماری کے بارے میں بات ہوئی اور آخر میں کہا حضرت جی کو ہندوستان میں دل کا دورہ پڑا اور وفات پاگئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ بہت غمگین ہوئے اور ان کے لئے مغفرت وبلندی درجات کی دعاء کی اور پھر فرمایا کہ حضرت جی کے نہ ہونے سے ہمارے لئے اجتماع میں جانا بے مزہ ہو گا۔ حضرت مولانا صاحبؒ پر حضرت جی کی وفات کا بہت اثر ہوا اور بیمار ہوئے۔ مدینہ منورہ سے جب ہم واپس مکہ مکرمہ آئے تو ڈاکٹر شیر علی صاحب جو ام القرائ ہسپتال کے مالک ہیں، نے حضرت مولانا صاحبؒ کے تمام ٹیسٹ کئے اور پورا ریکارڈ لے آئے۔ اور فرمانے لگے کہ یہ ریکارڈ میرے پاس رہے اور میں حج کے بعد عمرے پر حضرت مولانا صاحبؒ کو بلاؤنگا۔ پھر اس ریکارڈ کے ساتھ چیک اپ کرنے میں آسانی ہو گی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا واللہ اعلم۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ریکارڈ مجھے دے دیں تاکہ پاکستان میں حضرت مولانا

صاحبؒ کی تشخیص کے لئے آسانی ہو۔ ریکارڈ میں نے اس سے لے لیا اور مکہ مکرمہ سے ہم پشاور واپس آئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ بیمار ہوئے اور ان پر غنودگی طاری رہتی تھی۔

ابتداء میں لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں داخل کیا۔ کچھ افاقہ ہوا اور پھر گھر لائے ڈاکٹر مسعود الرحمٰن صاحب علاج کر رہے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے پھیپھڑوں میں پانی ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن صاحب اس کے حامی تھے کہ دوائی کے ذریعے پھیپھڑوں کا پانی خشک ہو سکتا ہے۔ کچھ ڈاکٹر پانی نکالنے کو صحیح علاج سمجھ رہے تھے۔ اب مختلف مشورے ہو رہے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے گھر والے اس پر زور دے رہے تھے کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو اسلام آباد PIMS ہسپتال میں داخل کریں اور ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب بھی یہی کہہ رہے تھے۔ میرا کہنا یہ تھا کہ پشاور میں تقریباً تمام ڈاکٹرز تعلق والے ہیں۔ اس لئے یہاں علاج کرنا چاہیئے کیونکہ ڈاکٹر کو ہر وقت بلانے میں تکلیف نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ نے مجھے کہا کہ اِسلام آباد میں سپیشلسٹ ڈاکٹرز ہیں۔ ہر فیلڈ میں ماہر ہیں وہاں لیجانا ضروری ہے۔ وہ انگریزی میں بات کرتے تھے۔ آخر میں نے جذباتی ہو کر کہا:

You want to bring the dead body of Maulana from PIMS جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے اس لئے بار بار آمادہ کرنے کے لئے کہہ رہے تھے کہ جب حضرت مولانا صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ اسلام آباد کون کون خدمت کے لئے جائینگے تو حضرت مولانا صاحبؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ نعمان میرے ساتھ جائیں گے اور جو محمد نعمان لے جانا چاہیں وہی جائینگے۔ اگلے دِن ڈاکٹر مسعود الرحمٰن صاحب آئے اور انہوں نے بھی اسلام آباد جانے کا مشورہ

دیا اور خود ہمارے ساتھ اسلام آباد گئے اور حضرت مولانا صاحبؒ کو داخل کیا۔ جس ڈاکٹر سے ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کی بات ہوئی تھی۔ وہ اسی دِن حضرت مولانا صاحبؒ کو داخل کرنے کے بعد امریکہ چلا گیا اور ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ اسی ہسپتال میں ڈاکٹر اقبال سیف اللہ مروت DMS تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور سارا واقعہ سُنایا۔ اُنہوں نے آکر حضرت مولانا صاحبؒ کا معائنہ کیا اور ڈاکٹروں کو ہدایت کی کہ اس کو میرا مریض سمجھیں اور ان کی خوب خدمت کریں۔ اس سے پہلے ڈاکٹر نے حضرت مولانا صاحبؒ کے پھیپھڑوں سے پانی نکالنے کی ہدایت کی تھی اور ڈاکٹروں نے آپ کے پھیپھڑوں سے پانی نکالا۔ اس سے حضرت مولانا صاحبؒ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ راقم الحروف نے حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا صاحبؒ اتنی مدت آپ کی خدمت میں رہا۔ آپ کا کھایا پیا اور خرچ کیا میری طرف آپ کو کچھ تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمائیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یاروں کے درمیان حساب نہیں ہوتا سب معاف ہے اور اتنی لمبی دعاء فرمائی کہ بس حضرت مولانا صاحبؒ کو تھکا دیا۔ اظہار صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا کہ کرنے دو۔ یہ میری سعادت تھی کہ حضرت مولانا صاحبؒ نے معافی دی اور دعاء فرمائی۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو جب سخت درد ہونے لگا تو ہم نے ڈاکٹر کو بُلایا تو انہوں نے حضرت مولانا صاحبؒ کو C.C.U شفٹ کیا۔ شام کا وقت تھا ہم نے C.C.U کے کمرے میں باجماعت نماز ادا کی اور حضرت مولانا صاحبؒ ہوش میں آجاتے تو فرماتے کیا بات ہے تو میں تسبیح دِکھاتا۔ لاالہ الا اللہ کہتا تو آپ بھی ذکر کرنا شروع کرتے۔ اسی طرح صبح کی نماز پڑھانے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ تھوڑی دیر

آرام کریں۔ جب میں کمرے میں آیا تو حضرت مولانا صاحبؒ کی طبیعت بہت خراب ہوگئی اور فرمایا کہ نعمان کو بلاؤ جب میں آیا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے میری طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ہوگئے۔ اس وقت C.C.U کے ڈاکٹروں نے آپ کو وینٹی لیٹر پر ڈال دیا۔ میں نے ڈاکٹر اقبال صاحب کو بُلایا تو اُس نے حضرت مولانا صاحبؒ کا مکمل معائنہ کیا اور کہا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کا Mind dead ہو گیا ہے۔ اگر بچ بھی جائیں تو پھر بھی کچھ کام نہیں کرسکے گا۔ میں نے عرض کیا کہ مصنوعی نزع کی حالت میں نہ رکھیں۔ وینٹی لیٹر زان سے ہٹالیں۔ تاکہ اپنی طبعی موت واقع ہو جائے۔ انہوں نے بھی مشورہ مان لیا اور وینٹی لیٹر ز ہٹا دیئے پھر تقریباً گیارہ بجے 19 ستمبر 1995ء کو یہ عاشق رسول واصل بحق ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ہسپتال سے ان کا ڈیتھ سرٹیفیکٹ تیار کرنے کے لئے راقم الحروف کو ان کا بیٹا لکھا اور حضرت مولانا صاحبؒ کو میرے حوالے کیا اور ڈاکٹر اقبال سیف اللہ نے کہا کہ گاڑی کا بندوبست میں کرلونگا اور جتنی رقم کی ضرورت ہو میں دے دونگا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس فلائنگ کوچ ہے اور رقم کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے اتنی خدمت کی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی بھانجی کے بیٹے عامر صاحب ہمارے ساتھ تھے اور ان کے فلائنگ کوچ میں حضرت مولانا صاحبؒ کو پشاور لے آئے۔ عامر صاحب پر حضرت مولانا صاحبؒ کے وصال کا بہت گہرا اثر ہوا اور اسی وقت تبلیغ میں نکلنا شروع ہوئے۔ جب ہم پشاور پہنچے تو حضرت مولانا صاحبؒ کی وصیت کے مطابق میں نے غسل دیا اور ڈاکٹر فدا محمد صاحب پانی ڈالتے رہے۔ جب کفن پہنایا تو حضرت مولانا صاحبؒ کو حضور ﷺ نے عطر کی

شیشی عنایت فرمائی تھی جو حضرت مولانا صاحبؒ پہلے سے مجھے وصیت کر چکے تھے کہ یہ وفات کے بعد میرے بدن پر لگانا وہ عطر میں نے آپ کے سجدے کی جگہ پر لگا دی اور جو بچ گیا تو آپ کے کفن پر چھڑک دیا اور وہ شیشی اپنے پاس رکھ لی۔

اس کے علاوہ روضہ ء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک کی مٹی بھی آپ کے سجدے کی جگہوں پر لگا دی اور خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا آنکھوں میں رکھ دیا۔ عشاء کی نماز کے بعد جنازہ مقرر ہوا۔ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام احمد حنبلؒ کے بیٹے فرمایا کرتے تھے کہ ہم اپنے جنازے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس وقت اِتنی کثیر تعداد میں لوگ جنازے میں شریک ہوئے کہ عربی و اسلامیات کے پرانے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے تین بڑے بڑے گراؤنڈ لوگوں کو کم پڑ گئے۔ حضرت مولانا ایوب جان بنوریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پشاور یونیورسٹی کے قبرستان میں اس عظیم عالم باعمل مبلّغ دین عاشق رسول کو سپرد خاک کیا گیا۔

محمد حکیم (فرشتہ) خلیفہ مجاز بیعت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔

ترجمہ: اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا۔ اپنی اولاد میں تا کہ وہ رجوع رہیں۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا مکمل فرمانبردار بنالے اور ہماری نسل سے بھی ایسی امت پیدا کر جو تیری پوری تابعدار ہو۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔

ترجمہ: اور رکھ میرا ذکر خیر پچھلوں میں۔

یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے یعنی ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے رستہ پر چلیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور امت ہو اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دُنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور ان کی نسل سے خاتم الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور فرمایا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں۔ دعائے خلیل علیہ السلام ونوید مسیحا علیہ السلام۔ آج بھی ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور امت محمدیہ علی صاحب الصلوٰۃ والسلام ہر نماز میں کما صلیت علی ابراہیم اور کما بارکت علی ابراہیم پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذکر خیر مقبولیت عند اللہ کی خاص نشانی ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے۔

اِن اللّٰہ اِذا اَحَبَّ عَبۡدًا دعٰی جِبۡرَائیل فقال اِنی اُحِبُّ فُلانًا فَاَحِبّہُ قَال فَیُحبُّہُ جبرائیل ثُم یُنادی فِی السَّمآء فَیَقُولُ اِن اللّٰہ یُحِبُّ فُلانا فَاَحِبُّوۡہُ فَیُحِبُّہُ اھل السمآء ثم یوضع لہ القبول۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنا محبوب بناتا ہے تو جبرئیل کو آواز دیتا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اسے دوست رکھتے ہیں پھر یہی اعلان تمام آسمانوں میں کر دیتے ہیں حتیٰ کہ زمین میں بھی اس کے واسطے قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَھُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیگا۔

اس اعلان کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پہلے اولیاء کے دلوں میں قبولیت و محبوبیت ہو جاتی ہے۔ بعد میں قبول عام ہو جاتا ہے اور مرجع خلایق بن جاتا ہے۔ لوگ پروانہ وار اس پر گرے پڑتے ہیں۔

ہر کجا چشمۂ شیرین باشد   مردم و مُرغ و مور گرد آیند

ترجمہ: جہاں بھی میٹھا چشمہ ہو گا۔ انسان، پرندے اور چیونٹیاں اس پر جمع ہونگے۔

حدیث قدسی میں ایسے حضرات کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ

کُنت سَمْعُهُ الّذِی یسْمَعُ بَهِ وَبَصَرَهُ الّذی یُبْصِرُ بِهِ وَیَدَهُ الّتی یَبْطِشُ بها و رِجْلَهٗ یَمْشِی بها۔

ترجمہ: میں اس کے کان ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے یعنی ان کا دیکھنا، سننا اور ہر حرکت اللہ کے لئے ہوتی ہے۔

چشم و گوش و دست و پائم او گرفت   من بدر رفتم سرایم او گرفت

ترجمہ: میری آنکھیں، کان، ہاتھ، پاؤں چھینے۔ میں باہر چلا میری سرائے اس نے قبضہ کی۔

پہلے محبت ہوتا ہے۔ پھر محبوب بن جاتا ہے جو بھی اسے دیکھتا ہے۔ فریفتہ ہو جاتا ہے۔ جس پر بھی نگاہ ڈالتا ہے۔ شکار کر لیتا ہے۔

بزم میں دیکھا کئے اس ناز سے   جس طرف دیکھا نشانہ دل ہوا

لوگوں کے قلوب اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔ عوام و خواص صرف زیارت و مصافحہ کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ان کی نورانی گفتگو سے دل تسکین پاتے ہیں۔

جہاں فانی سے پردہ فرمانے کے بعد لوگ اس کے نشان قدم ڈھونڈتے ہیں۔

جو تھے نوری دہ گئے افلاک پر　　　مثل تلچھٹ رہ گئے ہم خاک پر

ان کی سوانح، ان کی تعلیمات، ان کے مصاحبین، ان کے خلفاء کا کھوج لگاتے ہیں۔ ان محبوبین کے تذکرہ سے نزول رحمت ہوتی ہے۔ ان کے ذکر کے ساتھ ذکر اللہ و تعلق باللہ نصیب ہوتا ہے۔ مریدوں کے دلوں کو تقویت ملتی ہے۔ اولیاء مرتے نہیں ہیں زندگی میں صحبت کے ذریعہ لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد ان کی محبت عقیدت اور ان کی اتباع کے ذریعے، ان کے سوانح اور خلفاء ومجازین کے ذریعہ۔

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ　　　یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائیگا

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب ہم سے پردہ فرما چکے ہیں۔ لیکن اس سے قبل ہمارے دل میں گھر کر چکے ہیں۔

رفتید ولے نہ از دل ما

ترجمہ: چلے گئے لیکن ہمارے دل سے نہیں۔

الحمدللہ مولانا صاحب کے کافی خلفاء ہیں باہمت باصلاحیت۔ ان میں میر حاتم صاحب مولانا صاحب کے معتمد خاص اور مرید باختصاص ہیں۔ ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت کے سوانح لکھی جائے۔

نام نیک رفتگان ضائع مکن　　　تابماند نام نیکت پائدار

ترجمہ: نیکوں کا نام ضائع مت کر۔ تا کہ تیرا نام بھی زندہ رہے۔

مرشد گرامی مولانا محمد اشرف خان صاحب کے سارے خلفاء کے نام مراسلہ جاری کیا کہ اپنے تعارف اور مختصر حالات کے ساتھ مرشد کامل کے بارے میں اپنے

مشاہدات و تاثرات قلم بند کریں تا کہ حضرت کی حیات، حالات، واقعات محفوظ ہوں اور فیض جاری وساری رہے۔

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواراں راچہ شد

ترجمہ: توفیق وسعادت کا گیند میدان میں پھینکا ہے۔ کوئی آتا کیوں نہیں۔ سواروں کو کیا ہو گیا ہے۔

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں ہمت مردانہ کر
گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک
ابتدا کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

خلفاء کے فہرست میں بندہ کو جگہ ملی ہے۔ فالحمدللہ حمدا کثیرا۔

بندہ اعلی تقریر و تحریر کے استعداد سے عاری ہے۔ طبعی کم گوئی، کم آمیزی کی وجہ سے مشاہدات، تاثرات اور قوت اظہار بھی کماحقہ نہیں ہیں۔

سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اپنی نااہلیت کے لئے معذرت خواہ ہوں بہر حال

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

دوسری طرف فہرست خلفا میں باصلاحیت صاحب قلم اور عاشق صادق بھی ہیں۔ جو انشاء اللہ کمی کو پوری کرینگے اور تشنگی نہیں رہے گی۔ بعید نہیں کہ کوئی مرید رشید ایسا نکل آئے جو مولانا صاحب کے علوم و افادات کا شارح اور ان کے طریقہ اصلاح و

تربیت کا حامل ہو۔

گرچہ خوردیم نسبتی ست بزرگ ذرۂ آفتاب تا با نیم

مولانا صاحب اردو کے بلند پایہ ادیب تھے۔ فرماتے تھے کہ ترتیب دی ہوئی بنی بنائی کتابیں سینہ میں محفوظ ہیں۔ قرطاس پر نقل کرنے کی دیر ہے اگر کوئی مرید صادق مولانا صاحب کے اس صفت کمال کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہو۔

نورِ معشوقِ ازل دردِلم از یار اُفتاد عکس خورشید ز آئینہ بدیوار افتاد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے فضل سے محبت کا نور شیخ کے دل سے میرے دل سے منعکس ہوا جیسا کہ سورج کا عکس آئینہ کے ذریعہ دیوار پر پڑا۔ کیا بعید ہے کہ مولانا صاحب کے قلم کا فیض آگے منتقل کر دے اور طالبین کے قلوب اس کے نور سے جگمگا ڈالے۔

جناب دریا آبادیؒ کے الفاظ میں "غرض ایک چھوٹا آئینہ ایک بڑے آئینہ کے مقابل آ گیا اور کمال و جمال کے جو بھی نقش اِس بڑے آئینہ میں ابھرے ہوئے موجود تھے وہ سب اس چھوٹے آئینہ نے اپنے اندر جذب کر لیے مثلیت اصل صورت سے کیونکر جھٹلائے: "کیا عجب کہ مولانا محمد اشرف صاحب کا کوئی مسترشد سعادت مند تصویر کی تصویر کی ایک اور تصویر کھینچ ڈالے۔

بندہ کو مرشد گرامی محمد اشرف خان صاحب سے تعارف 1965ء میں ہوا۔ جب بندہ نے پشاور یونیورسٹی کے شعبہ ایم۔اے اسلامیات میں داخلہ لیا۔ مولانا صاحب کو جمعہ کے دن جامع مسجد اسلامیہ کالج میں نماز کے بعد تبلیغی حلقہ میں دیکھا کہ یونیورسٹی کی مساجد میں پورے ہفتہ کے لئے گشتوں کی تشکیل فرما رہے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت کے گھر پر بھی عصر سے عشاء تک مجلس ہوتی ہے۔ جس میں اصلاحی

بات چلتی ہے۔ مولانا صاحب کسی خاص موضوع پر بات شروع فرماتے اور عشاء تک چلاتے۔ مولانا صاحب چلنے سے معذور تھے لہٰذا جماعت گھر پر کراتے۔ میں نے بھی اس مجلس میں آنا جانا شروع کیا۔ مولانا صاحب سے اپنا تعارف کرایا تو حضرت نے ساتھیوں سے فرمایا۔ اِنہُ طَالبٌ حَقٌ وزیرستان میں میر علی کے نزدیک ہرمز گاؤں میں حضرت تھانویؒ کے خلیفہ عبدالحمید صاحب تھے۔ بندہ ان سے بیعت تھا۔ شاید اس نسبت کا ادراک فرما کر مولانا صاحب نے یہ حوصلہ افزا بشارتی الفاظ فرمائے۔

مولانا صاحب خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ خواب میں سید اشباب اہل الجنۃ میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا۔ مولانا صاحب نے تعبیر یہ سمجھی کہ نوجوان طبقہ میں دین کی دعوت چلائی جائے۔ ابوالحسن علی ندویؒ نے تعبیر ارشاد فرمائی اور پشاور شہر اور یونیورسٹی دونوں میں اصلاح کا کام شروع فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے نہج پر کام کے تینوں فرائض بخوبی سیکھ چکے تھے۔ دینی تعلیم اور حدیث شریف کی کتابیں اپنے آبائی محلہ مقرب خان پشاور شہر کی مسجد کے درس میں امام حضرت الاستاذ مولانا قاضی نورالاعظم باجوڑی سے پڑھیں۔ دیگر کتب کا ان کی نگرانی میں خود مطالعہ کیا۔ عربی، فارسی ادب کی تکمیل کالج میں کی۔ سلوک و طریقت کی تربیت سید سلیمان ندویؒ سے حاصل کی۔ ان کے وصال کے بعد تبلیغی بزرگ شاہ عبدالعزیز دُعاجوؒ دہلوی سے تجدید کی اور خلافت ملی۔ تبلیغی چلہ شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ کے ساتھ گذارا۔ ان کی برکت سے ظاہراً و باطناً تبلیغ کا رنگ چڑھا جم کر کام کرنے لگے۔ زیادہ وقت دینے لگے۔ آخرکار پشاور مرکز کے امیر مقرر ہوئے۔ اندرون و بیرون ملک لمبے سفر کئے۔ یونیورسٹی میں تبلیغ کے لئے ماحول سازگار نہیں تھا۔

ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ مغربی تہذیب و تعلیم سے مرعوب ہے۔ دین سے وحشت اور خوف محسوس کرتا ہے۔

ناقصان منکر زخود مومن بغیر خشت بند از خاک شاں معمار دیر

اسلامی اقدار کو اپنانے یا پھیلتا دیکھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ تبلیغ کی مخالفت کی جاتی رہی۔ طلبہ کو تبلیغ کے لئے مسجد میں جمع کرنے کی کھلی اجازت نہیں تھی۔ حضرت مولانا یونیورسٹی سے باہر زرعی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کی مسجد میں طلبہ کو جمع کرتے یا اپنے مکان پر پس پردہ بیان فرماتے۔ رفتہ رفتہ لوگ مانوس ہونے لگے۔ رُجحان بڑھنے لگا۔ شب جمعہ میں کافی طلبہ مرکز جانے لگے۔ رائے ونڈ کے لئے طلبہ وقت دینے لگے۔

مولانا صاحب پاؤں سے معذور تھے۔ سائیکل کے کیریئر پر بیٹھ کر ہاسٹلوں میں تشریف لے جاتے، بیان فرماتے، شراب معرفت لٹاتے۔ شب جمعہ کا بیان دیکھنے کا ہوتا تھا۔ توحید رسالت پر بیان ہوتا۔ معارف کا دریا بہتا تھا۔ مضامین کی آمد ہوتی تھی۔ سامعین سراپا گوش ہوتے تھے۔ بعض موقعوں پر تو بالکل الہامی بیان ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ دوران بیان فرمایا کہ روس کی وسیع سلطنت ایسی لپیٹ دی جائیگی۔ جیسے برطانیہ جسے The Great کہتے تھے۔ جس کی نو آبادیات پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ یکا یک اپنے جزیرہ تک محدود ہوگئی۔ Great Briton کی بجائے G.B. 'گوری بڑھیا' بن گئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ روس کی طاقتور سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

مولانا صاحب سلوک میں شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ اور فقیر محمدؒ صاحب کے خلیفہ تھے۔ یونیورسٹی میں تبلیغ کے ساتھ تزکیہ کا کام بھی جاری رکھا۔ کثرت ذکر کی وجہ سے بے اختیار منہ سے 'اللہ' کا نعرہ اس زور سے نکلتا تھا کہ سارے مجمع کے قلوب پر ضرب لگ

جاتی تھی۔ بعض مرتبہ توزبان بند فرما کر لطیفہء قلب سے ذکر سُنوا دیتے۔

گھر پر عصر تا عشاء سلوک کی مجلس ہوتی تھی۔ اس کا حال تو دیدنی تھا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبین کے شیریں تذکرے ہوتے تھے۔ نزول رحمت ہوتی تھی۔ ان کے ذکر کے ساتھ ذکر اللہ و تعلق باللہ نصیب ہوتا تھا۔

اَنَّ اَحَبَّ عِبَادَاللّٰہِ اِلیٰ مَنْ حَبَّبَ عِبَادَاللّٰہِ اِلیٰ اللہِ وَحَبَّبَ اللّٰہَ اِلیٰ عِبَادِہٖ۔

الحدیث

یعنی بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو بندوں میں اللہ کی محبت ہونے کا اور بندوں کے عند اللہ محبوب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مولانا صاحب محبت وشفقت کے پیکر تھے۔ محب تھے۔ محبوب ہیں۔ دل میں عشق الٰہی کا مادہ بھرا ہوا تھا۔

کہیں کون ومکان میں جو نہ رکھی جاسکی اے دِل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

طلبہ میں ایسی دعوت چلائی کہ کوئی بھی اثر لئے بغیر نہ رہا۔ کوئی قائل ہوا۔ کوئی مائل ہوا تو کوئی گھائل ہوا۔

رہےاس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

یونیورسٹی تبلیغ کا مرکز بن گئی۔ ہر ہاسٹل میں گشت ہونے لگا۔ ہر ہاسٹل میں مسجد کا بندوبست کیا گیا۔ پنج وقتہ جماعت ہونے لگی۔ شب جمعہ کے لئے ہر ہاسٹل سے طلبہ بسترے اور کھانے کے ساتھ یونیورسٹی بسوں میں جانے لگے۔ سہ روزہ کے لئے یونیورسٹی

سے مضافات میں جماعتیں نکلتیں۔ اجتماعات میں یونیورسٹی سے بسیں جاتیں۔ رائے ونڈ کے لئے تشکیلیں ہوتیں۔

کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔

ترجمہ: جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹی ہوگئی۔ پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکاروں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔

شب جمعہ میں پشاور مرکز میں تقریباً ایک تہائی تعداد یونیورسٹی والوں کی ہوتی تھی۔ مولانا صاحب کے ذریعے تبلیغ میں لگے کئی طلبہ جیسے احمد گل صاحب، شاہد صاحب وغیرہ بعد میں شوریٰ کے رکن بنے۔ مولانا صاحب خود تقریبا 25 سال تک مرکز کے امیر رہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پودا نہی کی لگائی ہوئی ہے

یونیورسٹی میں انقلاب آیا۔ کایا پلٹ گئی۔ ایک وقت تھا کہ کوئی طالب علم داڑھی والا آتا تو لڑکے بال کھینچ کھینچ کر نکال لیتے تھے اور الحمد اللہ اب یہ کہ داڑھی سے مزین نورانی چہرے والے طلبہ اسلامی حلیہ کے ساتھ یونیورسٹی ہاسٹلوں میں اور باہر دین کی دعوت دیتے ہوئے پھر رہے ہیں۔

آئے کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے خطہ کو آباد کرگیا

مولانا عدنان کاکا خیل کے بقول یونیورسٹی کا دینی انقلاب مولانا صاحب کا تجدیدی کارنامہ تھا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُجالا کردے

وقت فرصت ہی نہیں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مولانا صاحب اس شعر کی صحیح تصویر تھے۔ دل میں عشق کا سوز و گداز ہو، ہمت و عزیمت ہو۔ سینے میں ہدایت کا چراغ روشن ہو۔ مخلوق پر شفقت ہو۔ زبان پر توحید و رسالت کا بیان ہو۔ پروانے بلا توقف پہنچ جائیں گے اور فدا ہونے کے لئے بے قرار ہونگے۔ چنانچہ مولانا صاحب کی دعوت پر طلبہ کی زندگیاں بدل گئیں، حلیے بدل گئے۔ نورانی چہروں پر داڑھیاں سج گئیں۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمعیل(علیہ السلام) کو آداب فرزندی

مولانا صاحب کے اتباع سنت کا ایک واقعہ ہے۔ جمعہ کے غسل کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے۔ اُس کا مفہوم ہے ''پس اس دِن غسل کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو، وہ خوشبو لگائے اور مسواک کو اس دن لازم کرلو''۔

اس ارشاد کی تعمیل میں مولانا صاحب جمعہ کے دِن غسل ضرور فرماتے تھے۔ آپ تو معذور بھی تھے۔ غسل خانے میں بہت زیادہ وقت لگاتے۔ سردی کے دِن تھے۔ کوئلہ کی انگیٹھی غسل خانے میں رکھ دی۔ کوئلہ سے تو گیس بنتی ہے۔ گیس بنی آپ کو اندازہ نہ ہوا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ عین اس وقت مولانا صاحب کا مرید وہاں آپہنچا اور مولانا صاحب کو بے ہوشی میں بیٹھک میں لے آیا۔ مولانا صاحب بڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ ہوش میں آنے کے ساتھ موت سے بچنے پر افسوس کرنے لگے کہ اگر مر جاتا تو قبر میں آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نکیرین کے سوال کے سلسلہ میں

حضور ﷺ کا دیدار ہو جاتا۔ 'سُبْحٰنَ اللّٰہ' ایک لمحہ دیدار کے لئے پوری زندگی قربان کرنا سستا سودا سمجھے تھے۔

سنتا ہوں نکیرین کراتے ہیں زیارت
نکلے گا مگر قبر میں ارمان محمد ﷺ

حسب موقع یہ شعر بھی وردِ زبان ہوتا تھا۔

بلا سے تکلیف نزع میں ہے سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھُٹنے کا غم نہیں ہے

جیسے کہ حضرت بلالؓ کی جب وفات کا وقت قریب تھا۔ ان کی بیوی کہہ رہی تھی وَاَہ حُزْناہ ہائے افسوس تم جارہے ہو اور وہ کہہ رہے تھے۔ واطرُباہ غداً نَلْقَی الاحِبَّـۃ مُحَمّدًا و حزبہ۔ ترجمہ: کیسے مزہ کی بات ہے کل کو دوستوں سے ملیں گے۔ حضور ﷺ سے ملیں گے ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔

تصنیفات

مولانا صاحب تقریر کے ساتھ تحریر کے بھی بادشاہ تھے۔ نادرہ روزگار، سلطان القلم واللسان تھے۔ اللہ پاک نے روان قلم عطا فرمایا تھا۔ تبلیغ، تزکیہ اور تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیفی سلسلہ بھی جاری رہا۔ 'البیان' کے نام سے ماہوار رسالہ بھی نکالتے تھے۔ جو کئی سال جاری رہا۔ بعد میں مالی مشکلات کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔ مولانا صاحب کی شاہکار تصنیف شاہراہ معرفت یا سلوک سلیمانی ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ سید صاحب کے سلوک پر لکھی ہے۔ ادبی لحاظ سے بھی بلند پایہ تصنیف ہے۔ ہندوستان میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ پاکستان میں مولانا صاحب کی

'سلیمان اکیڈیمی' سے شائع ہوئی۔ کتاب کی رونمائی تقریب خیبر یونین ہال اسلامیہ کالج، پشاور میں ہوئی۔ تقریب میں بندہ موجود تھا۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ فقیر محمد صاحبؒ تشریف لائے۔ اسلامیہ کالج کے ڈین نورالحق ندوی صاحب کا بیان 'ندوہ' کی نسبت سے دلچسپ رہا۔ ندوہ کا ایک مزاحیہ ادبی لطیفہ بھی سنایا۔

مولانا صاحب تصنیفی ذوق رکھتے تھے۔ 'شاہراہ معرفت' میں ایسی جاذبیت ہے کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ مولانا صاحبؒ پر الفاظ کی بارش ہوتی ہے۔ ہر لفظ موزوں ترین جگہ پر جڑا ہوا ہوتا ہے۔ مولانا صاحب کی روحانیت اس میں صاف جھلکتی ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

ترجمہ: میں اپنے کلام میں چھپا ہوا ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پتی میں۔

ع خدا جانے مجھے کیا دے کے ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جا چکا لیکن نظر آتا ہے محفل میں

تبلیغی نصاب کا فارسی ترجمہ

مولانا صاحب نے فارسی میں بھی ایم اے کیا تھا۔ رائے ونڈ والوں کے مشورہ سے آپ نے تبلیغی نصاب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ مولانا صاحب کے خلیفہ محمد یوسف برجوی صاحب بھی ترجمہ میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ ترجمہ مکمل فرمایا۔ مولانا صاحب نے خواب میں حضرت تھانویؒ کی زیارت کی۔ حضرت تھانویؒ نے مولانا صاحب سے فرمایا۔ آپ کو فارسی آگئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا؟ پھر استفسار فرمایا۔ آپ کو عربی آتی ہے؟ مولانا صاحب نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت تھانویؒ

نے پوچھا 'جرس' کے کیا معنی ہیں۔ مولانا صاحب نے معنی بتا دیئے تو حضرت تھانویؒ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور حافظ صاحب کی وہ پوری غزل سنائی۔ جس کا ایک مصرعہ ہے۔ "جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا"۔

پورا شعر ہے!

مرا در منزل جانان چہ امن وعیش چوں ہر دَم
جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

یہ پوری غزل حضرت تھانویؒ کی تصنیف 'التکشف عن مہمات التصوف' میں بمع تشریح موجود ہے۔ 'جرس' سے مراد یہ کہ عادت تھی کہ کاروان کے کوچ کے وقت گھنٹی بجاتے تھے تو لوگ جانے کی تیاری کرتے اور کجاوے کستے۔

تشریح

مجھے سلوک کے پڑاؤ میں سکون کیونکر حاصل ہو جبکہ ہر وقت شوقِ دل تقاضا کرتا ہے کہ کجاوے کسو سفر کرو۔ اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ ہر دم مزید ترقی باطن کا طالب ہو۔

اے برادر بے نہایت در گہیست ہر چہ بروی می رسی بروی مایست
(تکشف ص: 63)

مولانا صاحب کا خواب ترجمہ کی مقبولیت کا واضح اشارہ تھا۔ خواب مبشرات ہیں۔ کسی چیز کے بارے میں خوشخبری مل جاتی ہے۔ دل کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ انہیں رؤیائے صادقہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا بہت بڑی نعمت اور اللہ تعالیٰ کا خاص فضل

ہے۔ اس کا شکر یہ یہ ہے کہ آدمی حضور ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھے اور سنت کا اتباع کرے۔ مولانا صاحب کو یہ نعمت حاصل تھی اور خواب اور بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت ہوتی اور سلام اور کلام سے مشرف ہوتے۔ ایک مرتبہ بندہ نے مولانا صاحب کو نماز کے لئے جگایا۔ افسوس کیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کی زیارت ہورہی تھی۔

آتے ہیں نگاہوں میں خیالوں میں دِلوں میں

خیالك فی عینی و ذکرك فی فمی و مثواك فی قلبی فاین تغیب

ترجمہ: تری صورت مری نگاہ میں جمی رہتی ہے۔ تیرا ذکر میری زبان پر ہر وقت رہتا ہے۔ تیرا ٹھکانا مرے دل میں ہے۔ پس تو کہاں غائب ہوسکتا ہے۔

حضور ﷺ کی محبت ایمان کے لئے لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے لئے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

مولانا صاحب عشق رسول ﷺ سے سرشار تھے۔ حضور ﷺ کی یاد۔ ان کا تصور آپ کے ریشے ریشے میں رچا بسا تھا۔ حضور ﷺ کے بھی چہیتے تھے۔ کرم فرماتے تھے۔ حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں حاضری ہوتی تو زیارت سے مشرف ہوتے۔ ایک بار فرمایا کہ حضور ﷺ کی مسجد میں جگہ روضہ مطہرہ سے ذرا دور ملی تو خیال آیا کہ مسجد میں تو حضور ﷺ درود شریف خود سُنتے ہیں۔ میں آج دُور ہوں سُنتے ہونگے یا نہیں یکایک حضور ﷺ کا دیدار ہوا اور فرمایا کہ ہاں وہاں سے بھی سنتا ہوں۔ ماشآء اللّٰہ والحمدللّٰہ حمدا کثیرا۔

وہ چشم محبت تو جو پائے محبت ہے دیکھے تو ذرا کر کے اُس سے کوئی یارانہ

ابو الحسن علی ندویؒ کو مدینہ منورہ میں خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عطر کی شیشی مولانا اشرف کو دیدو۔ جب بیدار ہوئے تو وہ شیشی ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت علی میاںؒ نے یہ شیشی حضرت مولانا صاحبؒ کو عطا فرمادی۔ مولانا صاحب نے اپنے پاس مخصوص ڈبہ میں محفوظ کرلی۔ کبھی کبھی زیارت کرتے چوم لیتے۔ وفات کے وقت حسب وصیت کفن پر چھڑکی گئی۔

مولانا صاحب اپنے شیخ سید سلیمان ندویؒ کی محبت میں سرشار تھے۔ اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور بڑی عظمت وعقیدت سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔ انہیں فنا فی الشیخ کا مقام حاصل تھا۔ اپنے شیخ کا ایک ایک ملفوظ، ایک ایک حکم اور ایک ایک نصیحت ان کو یاد تھی اور اس پر عمل فرماتے تھے۔ اپنا سب کچھ حضرت کے نام سے منسوب کرنے میں لذت محسوس کرتے تھے۔ اپنے نام کے ساتھ سلیمانی لکھتے۔ اپنی شاہکار تصنیف کا نام سلوک سلیمانی رکھا۔ اپنے دارالاشاعت کا نام ”سلیمان اکیڈمی“ رکھا۔ سید صاحب کا ذکر آتا تو دھڑکن تیز ہو جاتی۔ حضرت کے صاحبزادے سید سلمان صاحب تشریف لاتے تو دیکھنے سے سیر نہ ہوتے۔ ایک مرتبہ عالم جذب و سرور میں مولانا صاحب نے حضرت سید صاحب سے عرض کیا کہ کیا کسی کا یہ کہنا صحیح ہے۔

نگاہ مست ساقی نے میری دنیا بدل ڈالی

فرمایا جی ہاں سچ ہے۔ آگے سلوک سلیمانی جلد اول میں اپنے حسب حال ایک اور شعر کا حوالہ دیا ہے۔

شراب دیتے ہوئے اس پہ چشم ساقی تھی
سرور مئے میں کہاں سب نشہ نگاہ میں ہے

گویا مولانا صاحب نگاہ مست ساقی کے شکار تھے۔

سید صاحب کی تعلیم و تربیت اور مولانا صاحب کے جذبہء "اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد" نے ان کو مقام رفیع پر پہنچا دیا تھا۔

کیمیائیست عجب بند گی پیر مغان　　　خاک او گشتم وچندیں در جاتم دادند

ترجمہ: میکدہ کے بوڑھے کی غلامی بھی عجیب چیز ہے کہ اس کا خاکپا بن کر بلندیوں پر جا پہنچا۔

حضرت تھانویؒ کے خلیفہ فقیر محمد صاحبؒ مولانا صاحب کے بارے میں فرماتے کہ 'سنگ پارس' ہے۔ ان کی صحبت کو غنیمت جانو اور فائدہ اٹھاؤ۔ (سنگ پارس ایک پتھر ہے جس کے لگنے سے لوہا سونا بن جاتا ہے)۔

ہو گیا پارس پہنچتے ہی وہاں　　　دل اگر پتھر سے بھی بڑھ کر ہوا

مولانا صاحب اصلاح کے لئے ہمت و عزیمت کو لازمی قرار دیتے تھے۔ اصلاح کے پختہ ارادے کے بغیر صرف بیعت اور محبت شیخ کے سہارے بیٹھ کر راہ کا قطع کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ　　　راہ چلنا راہرؤں کا کام ہے

لے چلے گا تجھ کو راہبر دوش پر　　　یہ تیرا راہرو خیال خام ہے

خواہش نفس کی مخالفت میں محنت و مشقت ہے جو بغیر مجاہدہ کے نہیں ہو سکتا۔

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰه حَقَّ جِهَادِهِ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہئے اس کے واسطے محنت۔

جہاد کے لفظی معنی جدوجہد اور کوشش کے ہیں اور یہ لفظ دین کے راستے میں ہر کوشش میں شامل ہے۔ اس میں مسلح جدوجہد یعنی اللہ کے راستے میں جنگ کرنا بھی

داخل ہے۔ پر امن جدوجہد بھی اور اپنی اصلاح کے لئے جو محنت کرے وہ بھی۔ لفظ مجاہدہ میں ہر قسم کی زبانی، قلمی، مالی، بدنی کوشش شامل ہے اور جہاد کی تمام قسمیں۔ جہاد مع النفس، جہاد مع الشیطان، جہاد مع الکفار اس میں مندرج ہیں۔

مولانا صاحب ایک صاحب عزیمت شخص تھے۔ سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دیا سلوک میں قدم رکھا۔ مجاہدوں کے لئے کمربستہ ہوئے۔ ذکر و شغل، ریاضت و عبادت میں مشغول ہوئے۔ بہت جلد حلاوت پانے لگے۔ تصور جانان کے مزے لوٹنے لگے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دِن
بیٹھے رہیں تصور جانان کئے ہوئے

حضرت اپنا حال بیان فرماتے ہیں۔

؎ جنون کا اپنے وہ بھی ایک دور تھا کہ
جگر کے زخم کو دیکھ کر سر شام سر کو جھکا لیا

؎ یہ دیئے ہیں کس نے جلادیئے

کبھی فرمایا

ہر رگ جان میں پھر چراغاں ہو   سامنے پھر وہ بے نقاب آئے

کبھی فرمایا

ہر قدم پر جنوں بڑھتا ہے   کون بیٹھا یہاں ہے ستانے

جادۂ محبوب میں مشقت اٹھانے میں لذت و حلاوت پاتے تھے۔

کَیْفُ الْوُصُول اِلیٰ سعادَ وَ دُونہا   قُلَلُ الجِبَالِ وَ دُوْنَھُنَّ خیوفٌ

ترجمہ: محبوبہ سُعاد تک کیسے پہنچوں گا۔ جبکہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں میں گھری

ہوئی ہے۔

مولانا صاحب برق رفتاری کے ساتھ کام میں لگے رہے۔

جاوداں پیہم رواں ہر دم دواں ہے زندگی

کا پیکر بن کر منازل سلوک طے فرمائے۔ دیوانہ وار، پروانہ وار محنت کی۔

وعدہ وصل چوں شود نزدیک   آتش شوق تیز تر گردد

کسی نے خواب میں دیکھا کہ مولانا صاحب دوڑ رہے ہیں۔ تعبیر یہی تھی کہ راہ حق میں سعی فرما رہے ہیں۔

عارفین کا قول ہے 'لاتقف عند حد'

ترجمہ: کسی حد پر ٹھہراؤ نہیں۔

کہیں بھی راہ میں منزل سے پہلے دم لینا
شعار توسن عمر رواں نہیں ہوتا

ترقی کے جس مقام پر پہنچے۔ ان کے کانوں میں یہی صدا آئی۔

'مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں'

انتھک محنت جاری رکھی۔

عبادت و مجاہدہ میں مولانا صاحب کا پایہ بلند تھا۔ رمضان شریف میں تلاوت، ذکر و عبادت کا انہماک و یکسوئی بزرگوں کا ہر دور میں خصوصی شعار رہا۔ ماہِ مُبارک میں مولانا صاحب کا مجاہدہ عروج پر ہوتا۔ تقریباً ساری رات تراویح میں قرآن پاک سنتے۔ دِن کو روزہ رکھتے۔ آرام فرماتے۔ آخری عشرہ میں دو یا تین ختم ہوتے۔ پانچ دِن کا، تین دِن کا اور تیسرا سرما کی لمبی راتوں میں ایک رات کا۔ بلکہ ایک مرتبہ تو حافظ حسین علی شاہ

صاحب نے پہلی رکعت میں سارا قرآن پاک سنایا تھا۔ مولانا صاحب پاؤں سے معذور تھے۔ آپ کو نماز کے لئے دوزانوں بٹھا دیا جاتا۔ تو آخیر تک اس ہئیت پر قعود فرماتے۔ جس سے مجاہدہ اور بھی بڑھ جاتا۔ لیکن آپ ہشاش بشاش بغیر کسی تھکاوٹ کے اظہار کے شریک جماعت رہتے۔ حدیث شریف میں ہے۔

قال رسول اللّٰه ﷺ ان اللّٰه فَرَضَ صیام رمضان و سَنَنْتُ لکم قیامة فمن صامَهُ و قَامَهُ ایمانًا وَاِحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذَنُوْبِهٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے رمضان کا روزہ فرض کیا ہے اور میں نے اس میں قیام کو سنت کیا۔ پس جس نے اس کے روزے رکھے اور جس نے اس کی راتوں میں قیام کیا۔ محض ایمان اور طلب ثواب کی وجہ سے وہ گناہوں سے ایسا نکل جاوے گا کہ جیسا اس دِن تھا جس دنِ اس کی ماں نے جنا تھا۔

رمضان شریف کا مہینہ گویا سالانہ تطہیر اور اوورہالنگ کے لئے ہے۔ تمام مصلحین اور اکابرین اس ماہ کے اعمال، تلاوت، ذکر، صیام و قیام کو مریدین کے قلبی اصلاح و نفوس کی پاکی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اللہ اللہ ذوق و شوق آمد ماہ صیام
مصحف حق کی تلاوت روز و شب اور صبح و شام
صحن مسجد میں ہزاروں ذاکروں کا اژدھام
وقت افطار و سحر ہر تشنہ لب بادہ بجام

مولانا صاحب کے مریدین دور دور سے آخری عشرہ میں آتے۔ کافی تعداد میں ہوتے۔ مولانا صاحب میزبانی فرماتے۔ وسیع دستر خوان ہوتا۔ متنوع کھانا ہوتا۔

ویسے بھی رمضان شریف میں مومن کا رزق بڑھ جاتا ہے۔ عمل بھی بڑھ جاتا ہے۔ گویا کہ جسمانی وروحانی دونوں طعاموں کا چل چلاؤ ہوتا ہے۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

اللہ پاک کی رحمتوں، برکتوں کا مینہ برستا۔ صائمین و قائمین پورے سال کے گند وزنگ کو قلوب سے جھڑا کر سینوں کو انوار سے معمور کرتے۔

حَبَّذا پیرمَغاں دریا دل و دریا نوال
جمع ہیں میخوار میخانہ میں ناؤ نوش ہے

بے خوابوں کا، شب زندہ داروں کا گویا کہ ایک میلہ لگتا۔

خواب راںگذار اِمشب اے پسر
یک شبے در کوئے بے خواباں گذر
ویقرا القرآن قائماً و قاعداً
ولا یبیت اللیل عندہ راقداً

ترجمہ: اور پڑھتے قراں کھڑے بیٹھے اور نہ گذارتے رات کو سونے کے پاس

ختم کے دوران چائے اور آخیر میں سحری کا بندوبست ہوتا۔ قرآن کی سالگرہ طاعات کی بہار اور روحانیت کا جشن عام کا منظر ہوتا۔ وہ باطنی دولتیں جو اپنے اکابر سے پائی تھیں۔ حضرت کے ظاہر وباطنی مجاہدات سے کندن بن کر چمکیں۔ مجاہدات کے بعد فتوحات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

ترجمہ: اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سُجھا دینگے۔ ان کو اپنی راہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ساتھ ہے نیکی والوں کے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب و رضا یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات و مجاہدات میں ترقی کرتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔(شبیر احمد عثمانیؒ)

جو لوگ دین پر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے لئے عظیم بشارت ہے کہ اللہ پاک ان کو ضرور منزل تک پہنچا دینگے۔ لہٰذا مشکلات سے گھبرا کر فرار و قعود اختیار نہ کریں۔ بلکہ عزم و ہمت کے ساتھ کوشش جاری رکھیں۔ (تقی عثمانی صاحبؒ)۔

مولانا صاحب کے مجاہدات چلتے رہے۔ آپ کی شخصیت، ظاہر و باطن میں نکھار آتا رہا۔ مولانا صاحب ظاہراً بھی وجیہہ دلاویز شخص تھے۔

چمکتی ہیں آنکھیں دمکتا ہے چہرہ
بڑھاپے میں وہ جان جان ہورہا ہے

باطن بھی مُتجلیّ ہوتا رہا، حکمت و بصیرت، فہم و فراست میں ترقی ہوتی رہی، فکر و نظر دونوں نورانی بنتے گئے۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہی

ترجمہ: حقیقی فکر وہ ہے جو راستہ کھول دے۔ حقیقی راستہ وہ ہے جو اللہ تک پہنچا دے۔

خواہشیں قربان کردے سب رضائے دوست پر
پھر میں دیکھوں دل کا جی چاہا تمہارا کیوں نہ ہو
میری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مجاہد میں اسی لئے نمازی

چنانچہ مولانا صاحب نے اپنا سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کردیا۔ اللہ پاک نے قبول فرمایا۔ ان کی سعی قبول فرمادی۔ انشاءاللہ دنیا و آخرت میں بے حساب اجر ملے گا۔

نیم جان بستاند و صد جان دھد
آنچہ در وہمت نیاید آن دھد

ترجمہ: نیم جان لیتا ہے سو جان دیتا ہے۔ جو تیرے وہم وخیال میں نہیں آتا اتنا دیتا ہے۔

مولانا صاحب کی محنت ٹھکانے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں سید اشباب اہل الجنۃ حسن، حسین رضی اللہ عنہما کو مسجد میں لانے کا ارشاد فرمایا تھا۔ مولانا صاحب نے تمام طبقہ نوجوانان کو دین کی طرف بُلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر شفقت و محبت و اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ، حضرت جی (الیاسؒ) کے طریق تبلیغ کے ذریعہ، تصوف کے ذکر و تذکیہ کے ذریعہ، تصنیف و تالیف کے ذریعے، ماہ ہدایت رمضان میں حضرت شیخ زکریاؒ کی ترتیب پر مساجد کے اعمال کے ذریعہ، عدالت سے مدلل بیانات کے ذریعہ ثابت کیا کہ رجم شرعی سزا ہے۔ ججوں کے شبہات رفع ہوگئے۔ شاتم کی سزا قتل ہے۔ قادیانی مسلمانوں کے شعایر اور ان کے نام استعمال نہیں کرسکتے۔ خانقاہ، مساجد، مکاتب، مدارس، دارالعلوم کے قیام و نظام کے ذریعہ۔

خانقاہ و مدرسہ قائم نمودہ جابجا
تربیت کردہ فرستد کارواں درکار رواں

ان تمام مجاہدوں کے ذریعہ حق کی حقانیت و اشاعت و دعوت اور محبت الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوں میں اُجاگر کیا اور جوانوں کو فیض یاب ہونے کی دعوت دی۔ سب نے لبیک کہا کوئی تبلیغ میں نکلا۔ کسی نے بیعت کی کسی نے علم حاصل کیا کسی نے ذکر و شغل شروع کیا۔ مساجد جوانوں سے بھر گئے اور بھرے چلے جا رہے ہیں۔

مؤذن مرحبا بر وقت بولا تری آواز مکے اور مدینے

اور یہ پر رونق منظر آج بھی رمضان کے آخری عشرہ میں یونیورسٹی کے چیدہ مساجد میں پوری آب و تاب کے ساتھ قائم و دائم اور روبہ ترقی ہے۔

ھنوز آں ابر رحمت درفشان است
خم و خمخانہ بامہر و نشان است

ترجمہ: یہ ابر رحمت تاحال اسی طرح موتی بکھیر رہا ہے۔ مٹکے اور میکدے اسی طرح مہر زدہ بھرے ہوئے پڑے ہیں۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

مولانا صاحب کے جانے کے بعد بھی فیض جاری و ساری ہے۔ خلفاء بھی اپنی ذمہ داری نباہ رہے ہیں اور اس طریقہ حسنہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

جواناں رادِگر گون کرد یک مرد حق آگاہے

ترجمہ: ایک مرد حق آگاہ نے جوانوں کا حال یکسر بدل ڈالا۔

مولانا صاحب گویا بزبان حال فرمارہے ہیں۔

حاصلِ عمر نثارِ رہ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

ترجمہ: میں نے اپنی عمر کی کمائی محبوب کے راستے میں قربان کر دی۔ اپنی زندگی سے خوش ہوں کہ الحمدللہ کام کر دیا۔ ماشآء اللّٰہ لاقوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم۔

ہیچ مدان راقم کو اپنی کم مائیگی کا اعتراف ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

در نیا بد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

لہٰذا ان چند صفحات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فالحمدللّٰہ علی التوفیق و استغفر اللّٰہ علی التقصیر۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرماوے اور ہمیں آپ کے طریقہ حسنہ کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عنایت فرمادے تاکہ سلسلہ کا فیض جاری رہے۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی اٰلہٖ و صحبه و بارك وسلم تسلیما۔ کثیرا کثیرا۔

محمد حکیم، 24 شعبان 1438ھ مطابق 21 مئی 2017ء، پشاور

پروفیسر ڈاکٹر فدا محمد خلیفہ مجاز بیعت

فقیر فدا محمد ولد میر داد کا تعلق ڈوڈیال مانسہرہ ہزارہ سے ہے۔ اپنے علاقائی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج، پشاور میں داخلہ لیا۔ اور ایف ایس سی پاس کرنے کے بعد خیبر میڈیکل کالج میں داخل ہوا۔ ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اُسی کالج میں نوکری ملی۔ تمام زندگی پڑھنے پڑھانے میں صرف ہوئی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد پرائیویٹ میڈیکل کالجز میں بھی ڈیوٹی انجام دیتا رہا۔ یونیورسٹی ٹاؤن والے نہر کے

کنارے اپنے دو عدد مکان ساتھ مسجد اور خانقاہ بنائی۔ جس میں بحمد اللہ خانقائی نظام چل رہا ہے۔ غزالی کے نام سے ایک ماہنامہ بھی مستقل یہاں سے شائع ہو رہا ہے۔ ایک بیٹا خیبر میڈیکل کالج میں پڑھا رہا ہے۔ دوسرا پاکستان فارسٹ انسٹی ٹیوٹ میں ملازم ہے۔ یہ سارا فیض وبرکت حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمت اللہ علیہ کا ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تعلق

بندہ اسلامیہ کالج میں مئی 1964ء میں ایف ایس سی فرسٹ ائیر میں داخل ہوا۔ ایک طالب علم نے اسلامیہ کالج کی مسجد میں بیان میں بٹھا دیا۔ ایک بزرگ ایک ہاتھ میں لاٹھی لئے دوسرا ہاتھ ایک آدمی کے ہاتھ میں دیئے لڑکھڑا کر چلتے ہوئے آکر کرسی پر بیٹھ گئے۔ بیان فرمایا۔ لڑکپن تھا کچھ سمجھ نہیں آئی، البتہ انہوں نے لطائف سنائے وہ پسند آگئے۔ چھٹیاں ہونے پر انہی بزرگوں کے مریدوں نے بندہ کو دس دن کے لئے رائیونڈ کے لئے تیار کر لیا۔ ان ساتھیوں نے ہم چھ طلباء کو انہی بزرگوں کے گھر پر پہنچا دیا کہ ان کے ساتھ گاڑی میں آپ مرکز جائیں اور وہاں سے رائیونڈ روانہ ہوں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ مرکز میں ہمارے کھانے کا کیا بندوبست ہو گا۔ اس پر ان بزرگوں نے میری طرف منہ پھیر کر فرمایا۔ آپ کھانے کی فکر نہ کریں۔ آپ کے شام کے کھانے کا مرکز میں بندوبست ہے۔ یہ بزرگ ہستی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو اسلامیہ کالج پشاور کے شعبہ ء عربی کے صدر، تبلیغی جماعت کے پشاور کے امیر اور اس جماعت کی مرکزی شوریٰ کے رکن تھے۔ رائیونڈ سے واپسی پر بندہ نے تبلیغی کام میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ خیبر میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا اور ہاسٹل کی جماعت کا مجھے امیر بنا دیا گیا۔

تبلیغی جماعت کے دوسرے عالمی امیر حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی 1965ء میں وفات ہو گئی۔ ان کے بعد کچھ لوگوں نے تبلیغی تحریک میں ایک اپنا طرز شروع کر دیا۔ جس میں باقی دینی کام جیسے بیعت کے سلاسل اور دیگر دینی تحریکیں جو دین کی حفاظت اور فروغ کے لیئے اشد ضروری ہیں ان کے ساتھ تقابل اور تنقید کی ترتیب شروع کر دی۔ یہ لوگ چونکہ تحریک میں کافی آگے آ گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے مختلف مراکز میں اپنے ہم خیال لوگ پیدا کر لئے۔ چنانچہ پشاور مرکز کے ایک صاحب نے بندہ کے ساتھ رابطہ کیا اور سمجھایا کہ تبلیغ نبیوں والا کام ہے جبکہ مولانا اشرف صاحب نے بیعت کا سلسلہ چلانا شروع کر دیا ہے۔ یہ چیز انبیاء علیہم السلام والی ترتیب کے لئے رکاوٹ بن رہی ہے۔ جو لوگ ان کے پاس بیٹھتے ہیں۔ کام سے رہ جاتے ہیں۔ یہ آدمی اور اس کے ساتھ حضرت مولانا صاحبؒ کی حیثیت کا خیال رکھتے ہوئے صرف شف شف کر کے مخالفت کرتے تھے۔ بندہ ایک نوعمر ناسمجھ طالب علم تھا۔ اس لئے خوب دھڑلے سے مخالفت شروع کر دی۔ اس کی شکایت حضرت مولانا صاحبؒ تک پہنچی۔ انہوں نے بجائے ناراضگی کے ہماری صحیح راہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ادھر انہوں نے دعا فرمائی اُدھر ہمارے ہاسٹل کے طلباء نے مل کر مشورہ کیا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو بیان کے لئے بلاتے ہیں۔ مزید یہ مشورہ ہو گیا کہ انہیں کھانے کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ دونوں کاموں کے لئے مجھے ہی بھیجا گیا۔ میں نے بات عرض کی۔ آپ نے فرمایا۔ تطیب قلبِ مؤمن برائے رضائے الٰہیٰ عبادت ہے۔ بندہ کو اتنے مشکل الفاظ سمجھ میں نہ آئے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا یعنی مسلمان کے دل کو اللہ کے راضی کرنے کے لئے خوش کرنا عبادت ہے۔

آپ تشریف لائے۔ بندہ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورہ والتین والزیتون پڑھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے اسی سورۃ پر بیان فرمایا۔ بیان کیا تھا۔ بس ہاسٹل کی کایا پلٹ دی۔ طلباء نے نماز شروع کرکے ہمارے ساتھ تبلیغ کا کام شروع کردیا اور ہمارا ہاسٹل پوری یونیورسٹی میں نمایاں ہوگیا۔ طلباء کا آپ کے ساتھ محبت کا تعلق ہوگیا۔ ہم نے آپ کی مجلس میں جانا آنا شروع کردیا۔ آپ نے بھی شفقتِ پدرانہ سے نوازا۔ اس بات کا تجربہ ہوا کہ تبلیغی تحریک میں ایک خاص سطح تک دین کا فائدہ ہوتا ہے جبکہ کاملین کی صحبت میں اس سطح سے کچھ آگے بڑھ کر فائدہ ہوتا ہے۔ جس میں خاص طور پر اپنی اصلاح اور اپنا ضبطِ نفس آدمی کو حاصل ہوتا ہے جو گناہوں سے بچنے کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔

بندہ ایم بی بی ایس کے آخری سال میں تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ اللہ کے مقبول اور خاص بندوں کی سنت کے مطابق درجات کی ترقی کی بہت سی آزمائشوں سے گذر رہے تھے۔ جس کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ اَشَدُّ الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالا مثل۔

ترجمہ: سخت آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں پھر جو ان کے قریب اور پھر جو ان کے قریب ہو۔

چنانچہ حضرت مولانا صاحبؒ کئی جسمانی بیماریوں کی آزمائش میں تھے۔ ٹانگوں کی معذوری، دمہ کی تکلیف، شوگر، معدے کا السر، کانوں کی معذوری، بلڈ پریشر، دل کی تکلیف۔ ان سب تکالیف کا علاج چل رہا تھا۔ ایک انجکشن آپ کو کچھ وقفے کے ساتھ باقاعدہ لگتا تھا۔ جس کے لئے ایک عیسائی کمپاؤنڈر آتا تھا۔ جو انجکشن کی دو روپے فیس لیتا

تھا۔ اس وقت کے دو روپے آج کل کے سو، ڈیڑھ سو روپے کے برابر تھے۔ بندہ کے بہت قریبی دوست مسرت حسین شاہ صاحبؒ جو اس وقت ایم اے انگلش کے طالب علم تھے، نے مجھ سے کہا کہ انجکشن کی خدمت اگر تم شروع کر دو تو بہت اچھا ہو۔ میں نے کہا حضرت فرمائیں تو میں حاضر ہوں۔ مسرت صاحب نے کہا۔ بزرگ بہت بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ کسی سے خود نہیں کہتے۔ تم خود حاضر ہو کر عرض کرو۔ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ انجکشن کی خدمت تو میں کر سکتا ہوں لیکن تجربہ کم ہے۔ اس لئے رف (Rough) ہوں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ رف نہیں ہو۔ رف رف ہو۔ رف رف اس سیڑھی کا نام ہے جس پر حضور اقدس ﷺ نے معراج کے سفر میں صدرۃ المنتہیٰ سے آگے عرشِ معلیٰ تک سفر کیا۔ خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا صاحبؒ نے میری درخواست منظور فرمالی۔ بندہ جب ڈاکٹر بنا تو حضرتؒ نے اپنے گھر کی مستورات کا علاج بھی بندہ کے ذمے لگایا۔ اب تو اتنی شفقت فرمانے لگے گویا ان کے گھر کا فرد ہوں۔ بندہ کے والد صاحب پشاور تشریف لائے، حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی محبت اور شفقت سے ایسے متأثر ہوئے کہ مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ والد صاحب اپنے پاس سے مجھے دیتے تھے، مجھ سے کبھی پیسوں کا مطالبہ نہیں کیا۔

باہر ممالک کی اعلیٰ تعلیم اور نفع بخش ملازمتوں کے کئی مواقع آئے لیکن حضرت کی کشش نے جانے نہ دیا اور خیبر میڈیکل کالج میں ہی صرف گذر اوقات کی تنخواہ کے ساتھ ملازمت جاری رکھی اور ڈیوٹی کے بعد کا سارا وقت حضرتؒ کی خدمت اور تبلیغی جماعت کو دے دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو، تمہاری روزی اللہ تمہیں پشاور میں ہی دے گا۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ میری ریٹائرمنٹ کے قریب پرائیویٹ کالج

کھلنے پر ہماری ڈگری کی اتنی مانگ بڑھی کہ منہ مانگے معاوضے پر ایک پرائیویٹ کالج والے مجھے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا کہ بندہ نے اپنے دو گھر، مسجد اور خانقاہ بنائی۔ حضرتؒ کے ساتھ بندہ کے اکتیس سال مسلسل گذرے۔ 1975ء میں ان کے ساتھ حج کا سفر ہوا۔ 1980ء میں دیوبند کی صد سالہ تقریبات کا سفر ان کے ساتھ ہوا اور کئی تبلیغی سفر مختصر اوقات کے ہوئے۔

بندہ نے تبلیغ کے جس مخصوص طبقے کا ذکر کیا تھا وہ کوشش کرتے تھے کہ تبلیغ والے صرف تبلیغی تحریک کے عالمی امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے ہی بیعت ہوں۔ اس کا فائدہ ان حضرات کو یہ ہوتا تھا کہ حضرت جیؒ کی سخت مصروفیات کی وجہ سے ان سے رابطہ نہیں ہو سکتا تھا اور یہ حضرات آدمی کو اپنی مرضی اور طرز پر آسانی سے چلا سکتے تھے۔ حالانکہ بانی تحریک حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف تھا کہ ساتھی مختلف مشائخ سے بیعت ہوں تاکہ مکمل تربیت ہو سکے اور ان سب مشائخ کی توجہ اور دعا تبلیغ کے کام کے ساتھ ہو سکے۔ چنانچہ بندہ کو بھی مارچ 1969ء میں حضرت جیؒ سے بیعت کروا دیا۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کو پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا۔ مبارک ہو لیکن ملتا وہیں سے ہے جہاں سے مقرر ہو۔ 1971ء کی پاکستان ہندوستان کی جنگ کی وجہ سے رابطہ مشکل ہو گیا۔ اس وجہ سے حضرت جیؒ نے ہمیں اجازت دی کہ ہم ضروری اصلاحی باتیں حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے پوچھ لیا کریں۔ میں نے حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ سے ہی بیعت ہو جاؤں۔ انہوں نے فرمایا۔ بیعت حضرت جیؒ کی ہی رہے۔ مجھ سے اصلاحی باتیں پوچھ لیا کرو۔

آپ کی خدمت میں وقت گذرتا گیا۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا

فقیر محمد صاحبؒ کی آمد و رفت حضرت مولانا صاحبؒ کے ہاں شروع ہوئی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے ہاں نماز میں ہی پڑھایا کرتا تھا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے مغرب کی نماز بندہ کے پیچھے پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ سے فرمایا۔ ڈاکٹر فدا کو اجازت دے دو۔ یہ 1979ء کا واقعہ ہے۔ اس بات سے بندہ کو بہت شرمندگی محسوس ہوئی اور اپنے عیوب لکھ کر حضرت مولانا صاحبؒ کے سامنے پیش کرکے اپنی اصلاح شروع کی اور بارہ تسبیحات کا جہری ذکر باقاعدہ شروع کیا۔ 1980ء میں حضرت مولانا صاحبؒ نے تحریری خلافت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس اعتبار اور اعتماد کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور دُنیا و آخرت میں اپنے اکابر کا نام بدنام کرنے سے محفوظ فرمائے۔ اٰمین

پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

سکول کے سرٹیفیکیٹ کے مطابق تاریخ پیدائش 13 جولائی 1943ء ہے۔ غالباً داخلے کے وقت ایک سال عمر کم لکھی گئی ہے۔ میری پیدائش ضلع صوابی کے ایک گاؤں زروبی میں ہوئی۔ یہ میرے آباؤ اجداد کا گاؤں ہے جو دریائے سندھ کے کنارے تربیلہ ڈیم سے 6-7 کلومیٹر نیچے کی طرف اور ٹوپی سے بسمت جنوب مغرب 6-7 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ آبادی کے لحاظ سے ضلع صوابی کے دو تین بڑے گاؤں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس گاؤں کی شہرت کی ایک بڑی وجہ علماء کی موجودگی اور علم و فضل کا رحجان ہے۔ حضرت مفتی محمد فرید صاحبؒ مفتی دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا

عبد الحلیم صاحبؒ، صدر مدرس دار العلوم حقانیہ اسی گاؤں سے تعلق رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم

دینی تعلیم صرف ناظرہ قرآن شریف تک ہے۔ پانچ سال کی عمر میں گاؤں کے مڈل سکول میں داخل کروایا گیا۔ 1957ء میں اسی سکول سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ جبکہ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول صوابی سے 1959ء میں پاس کیا۔ اسی سال یعنی 1959ء میں ہی اسلامیہ کالج، پشاور کے شعبہ زراعت میں داخلہ لیا۔ چار سال تک اسلامیہ کالج سے پڑھا۔ اس دوران دو سال بٹلر ہاسٹل میں اور دو سال چیمسفورڈ ہاسٹل میں سکونت رہی۔ 1963ء میں جب ایگریکلچرل کالج کی اپنی مستقل عمارت بن گئی تو اسلامیہ کالج پشاور سے شعبہ زراعت علیحدہ ہو گیا۔ یوں ہمیں ایک جداگانہ حیثیت ملی۔ 1964ء میں بی ایس سی آنرز ایگریکلچرل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اس سے پہلے ایگریکلچرل کالج میں ایم ایس سی کی کلاسیں شروع نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن جس سال میں نے بی ایس سی آنرز کیا، اسی سال ایم ایس سی کی کلاسوں کا اجراء ہوا۔ اسی اثناء میں مجھے ڈیمانسٹریٹر کی ملازمت کی پیشکش ہوئی۔ لیکن میں نے اس وجہ سے قبول نہیں کی کہ پھر تمام عمر ڈیمانسٹریٹر ہی رہوں گا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک ڈیمانسٹریٹر کو سروس کے ساتھ ساتھ ایم ایس سی کرنے کی اجازت نہیں تھی لیکن بعد میں یہ اجازت مل گئی۔ بہر حال میں نے پلانٹ بریڈنگ جینٹکس کے شعبے میں ایم ایس سی میں داخلہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈیڑھ سال میں ایم ایس سی کی ڈگری فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن میں حاصل کی۔ یوں ایم ایس سی میں گولڈ میڈل مل گیا۔ ایم ایس سی کے دوران میں نے اپنا کورس ورک بھی ختم کیا اور ریسرچ بھی کرتا رہا۔ ابھی ریسرچ کر ہی رہا تھا کہ پاکستان

فارسٹ انسٹیٹیوٹ میں ریسرچ آفیسر کی پوسٹ پر تقرری ہوگئی۔ تقریباً ایک سال اس پوسٹ پر کام کیا اور پھر یکم مارچ 1967ء کو پلانٹ بریڈنگ جینٹکس ڈیپارٹمنٹ میں بطور لیکچرار تقرری ہوئی۔ 1970ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کے درجے پر ترقی ہوئی۔ فروری 1980ء کو گورنمنٹ کے وظیفہ پر مزید تعلیم کے لئے امریکہ چلا گیا۔ 1980ء تا 1984ء واشنگٹن سٹیٹ یونیورسٹی سے امراض نباتات (Plant Pathology) میں ایم ایس اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ امریکہ میں قیام کے دوران 1982ء میں بغیر انٹرویو اور سلیکشن بورڈ کے سامنے پیش ہوئے ایسوسی ایٹ پروفیسر بن گیا۔

1984ء نومبر میں جب پاکستان واپسی ہوئی تو زرعی یونیورسٹی میں Department of Plant Pathology کی بنیاد رکھی۔ یہ شعبہ پہلے اس یونیورسٹی میں نہیں تھا۔ یوں آتے ہی ڈیپارٹمنٹ کا چیئرمین بن گیا اور 1997ء تک اسی عہدے پر فائز رہا۔ 1985ء میں پروفیسر کی پوسٹ پر ترقی ہوئی۔ 1991ء میں تین مہینے کے لئے TIPAN پروجیکٹ کے پروگرام میں دوبارہ امریکہ گیا۔ جبکہ 1992ء میں Full Bright ایوارڈ ملا اور دوبارہ ایک سال کے لئے امریکہ Post Doc کے لئے گیا۔ یوں واشنگٹن سٹیٹ یونیورسٹی سے ملحقہ ایک ریسرچ سٹیشن میں تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا۔ 1993ء میں واپس پاکستان آیا۔ 1997ء میں تین سال کے لئے Faculty of Plant Protection کا ڈین مقرر ہوا۔ 2000ء میں دوسرے ٹرم کے لئے دوبارہ ڈین کی حیثیت سے تقرری ہوئی جو جولائی 2003ء ریٹائرمنٹ تک برقرار رہی۔

ہائیر ایجوکیشن کمیشن نے 2003ء میں پہلی بار ایک نیا پروگرام Re-employment of Distinguish Professors متعارف کیا۔ پورے پاکستان سے

کل 12 ممتاز پروفیسر منتخب ہوئے۔ ان میں ایک میں بھی تھا۔ یوں دو سال کے لئے ملازمت میں مزید توسیع مل گئی۔ اس سے پہلے غالباً 2000ء میں Best Teacher Award ہائیر ایجوکیشن کمیشن سے ملا۔ بحمد اللہ یونیورسٹی میں یہ ایوارڈ بھی پہلی مرتبہ مجھے ملا۔ 2002ء میں صدارتی ایوارڈ تمغہ حسن کارکردگی ملا۔ بالآخر دسمبر 2005ء میں یونیورسٹی ملازمت سے مکمل طور پر فارغ ہو گیا۔

خاندانی حالات

میرے والد صاحب سرکاری سکول میں مدرس رہے۔ 1947ء میں شیخان (باڑہ) سے ریٹائر ہوئے۔ دو بھائی اسلامیہ کالج پشاور سے 1943ء اور 1948ء کے درمیان پڑھے۔ اسلامیہ کالج سے گریجویشن کرنے کے بعد ایک بھائی محکمہ تعلیم کے ساتھ وابستہ ہوئے اور اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو کر 1982ء میں ریٹائر ہوئے۔ جبکہ دوسرے بھائی پاکستان آرڈیننس فیکٹری میں ملازم ہوئے۔ وہ بھی اعلیٰ عہدہ پر کام کرتے ہوئے ریٹائر ہوئے اور واہ ہی میں رہائش پذیر ہیں۔ تیسرے بھائی بھی اسلامیہ کالج سے 1952ء میں گریجویشن کر کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہو کر 1995ء میں بطور DIS ریٹائر ہوئے۔ چوتھے بھائی اٹک کالج سے بی ایس سی کر کے پاکستان آرڈیننس فیکٹری میں ملازم رہ کر ریٹائر ہوئے۔ وہ بھی واہ ہی میں رہائش رکھتے ہیں۔

والد صاحب کا جون 1982ء میں (جبکہ میں امریکہ میں زیر تعلیم تھا) انتقال ہوا۔ میں نے اسلامیہ کالج سے متصل کینال کالونی میں 1979ء میں اپنا مکان تعمیر کیا تھا۔ جس میں 1999ء تک رہائش پذیر رہا۔ اسی باعث حضرت مولانا صاحبؒ سے قربت رہی۔ 1999ء کے بعد حیات آباد پشاور میں اپنے نئے مکان میں منتقل ہوا۔ جس میں

تادم تحریر رہائش پذیر ہوں۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تعلق

بندے کا حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ باقاعدہ بیعت و ارادت کا تعلق 31 جنوری 1964ء رمضان کے مہینے میں قائم ہوا۔ یوں تو حضرت مولانا صاحبؒ سے 1959ء سے ہی میری (جبکہ میں فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا) واقفیت تھی۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کا باقاعدہ بغیر کسی ناغہ کے پیر کے دن بعد از نماز مغرب جامع مسجد اسلامیہ کالج میں تبلیغی بیان ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی میں بھی بیان سننے بیٹھ جایا کرتا تھا۔ عجیب پُر اثر بیان ہوتا تھا۔ اگر کہوں کہ اس سے پہلے اس قسم کے بیان میں نے کبھی نہیں سنے تھے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ہر بات جیسے دل میں اُتر جاتی۔ یہ بیانات کالج کے طلباء کے مزاج اور رحجانات کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ بیان کے اختتام پر طلباء سے اللہ کے راستے میں وقت لگانے کا مطالبہ بھی ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تبلیغ کے لئے 40 دن یا چار مہینے کے لئے نکلو۔ یہ مطالبہ نہایت اصرار سے ہوتا۔ اسی لئے کبھی کبھی طبیعت پر گرانی محسوس ہوتی کہ خواہ مخواہ مجبور کرتے ہیں۔ اور کھینچا تانی کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں ہر پیر کو بیان میں نہیں بیٹھا کرتا تھا لیکن جب کبھی بھی بیان سننے کا موقع ملتا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ لیکن اپنی کم نصیبی کی وجہ سے تبلیغی کام کے لئے وقت نہ دے سکا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا یہ بھی معمول تھا کہ بیان کے بعد طلباء کو دعوت دیتے تھے کہ جس کا جی چاہے، عصر تا عشاء میرے مکان واقع اسلامیہ کالج بھی تشریف لاسکتے ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا اپنے دولت خانہ پر یہ معمول ہوتا کہ جو طلباء اور اساتذہ وغیرہ عصر کو گھر پر مجلس میں آتے، ان کے ساتھ دینی گفتگو کیا کرتے۔

حاضرین مجلس سے پوچھتے کہ کوئی سوال ہے؟ اگر حاضرین میں سے کوئی سوال کرتا تو حضرت اس کا کافی و شافی جواب دیتے۔ اکثر یہ دینی بات چیت مغرب کی نماز تک اور بعض اوقات عشاء کی نماز تک جاری رہتی۔ کبھی مغرب کی نماز کے بعد دوسرے دینی موضوعات پر بات چیت ہوتی۔ کبھی خود ہی کسی دینی موضوع پر بات شروع کر دیتے اور بعض اوقات باتوں ہی باتوں میں کوئی دینی موضوع نکل آتا۔ بہر حال یہ مجلس عصر تا عشاء جاری رہتی۔

1962ء میں (جبکہ میں اسلامیہ کالج میں تھرڈ ائیر ایگریکلچرل کا طالب علم تھا) ایک دن اسلامیہ کالج کے کتب خانہ سے اردو کا ایک ناول اپنے نام جاری کرانے کے لئے کتب خانہ گیا۔ کتابوں کی الماریوں میں ناولوں کو تلاش کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ کی تین جلدیں (دنیا و آخرت، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علم و عمل مرتبہ منشی عبدالرحمان ملتان والے) اتفاقیہ ہاتھ لگیں۔ وہاں کھڑے کھڑے ہی کھول دیکھا تو مقناطیس کی طرح دل کو کھینچا۔ بہت ہی لطف آیا اور دل پر ایسا اثر ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ ”ہر چہ از دل خیز و بر دل ریزد“ کے مصداق۔ ان مواعظ کے مطالعے سے دین کی طرف رُغبت بڑھ گئی۔ ایک دن میں سیدھا اسلامیہ کالج کے لائبریرین کے پاس گیا اور ان سے پرزور درخواست کی کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تمام مطبوعات اور کتابوں کو لائبریری کے لئے خریدیں۔ اسی قسم کی درخواست میں نے حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب، صدر، شعبہ اسلامیات کی خدمت میں بھی پیش کی کہ حضرت تھانویؒ کی تمام تصانیف لائبریری میں ہونی چاہیئے۔ بہر حال حضرت تھانویؒ کے مواعظ کے مطالعے سے یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ انسان کی اصلاح بغیر کسی کامل

شخص کے جوتے سیدھے کئے محال ہے یعنی اپنی اصلاح کے لئے کسی کامل بزرگ کے ساتھ اصلاح کا تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔ بہر حال یہ حقیقت تو دل میں جم گئی لیکن دو سال تک اس سلسلہ میں کوئی عملی قدم نہ اُٹھاسکا کہ اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے کسی اللہ والے کے ساتھ تعلق قائم کروں۔

دسمبر 1963ء میں ہمارے B.Sc (Hons) کے آخری سال کے طلباء کا مطالعاتی دورہ لاہور، فیصل آباد، حیدرآباد، کراچی اور کوئٹہ کا ہوا۔ اس دورہ میں میرے رفیق سفر میرے ہم جماعت محترم محمد سراج سواتی صاحب تھے۔ جن کا حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ بیعت و اصلاح کا تعلق تھا۔ موصوف کا حضرت کے ہاں باقاعدہ آنا جانا اور نہایت خصوصی تعلق تھا۔ حالانکہ حضرت مولانا صاحبؒ کا اس زمانہ میں حلقہ نہایت محدود تھا۔ محمد سراج صاحب کالج کے شروع زمانہ سے بہت دین دار اور متشرع تھے۔ دینی علوم کا مطالعہ بھی کافی وسیع تھا۔ اسی دورے میں حیدرآباد سندھ میں ہمارا دو دن کا قیام اور حیدرآباد سے ایک دن کے لئے میرپور خاص جانا ہوا۔ تمام طلباء تو میرپور خاص چلے گئے مگر سراج صاحب میرپور خاص کے بجائے اکیلے ٹنڈوآدم چلے گئے۔ ٹنڈوآدم میں ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دعاجوؒ قیام پذیر تھے۔ سراج صاحب ان سے ملاقات کے لئے وہاں گئے تھے۔ واپسی پر میں نے سراج صاحب سے حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق پوچھا۔ سراج صاحب نے حضرت شاہ صاحب کے واقعات خصوصاً ان کی مہمان نوازی اور سخاوت کی بابت سنائے۔ باتوں باتوں میں میں نے سراج صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اصلاح کے لئے کسی

محقق شیخ کامل کا تعلق بہت ضروری ہے تو میں اپنی اصلاح کے لئے کس سے تعلق قائم کروں؟ سراج صاحب نے فوراً کہا کہ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے۔ چونکہ وہ یونیورسٹی میں ہوتے ہیں اس لئے رابطے اور صحبت کے مواقع زیادہ میسر ہیں۔ دوسرے وہ خود کالج کے طالب علم بھی رہ چکے ہیں اور اب پروفیسر بھی ہیں۔ اس لئے طلباء کے حالات اور نفسیات سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ مزید کہا کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ سے زیادہ موزوں دوسرا شیخ آپ کے لئے نہیں ہو گا۔ میں نے پوچھا کہ پھر بیعت اور تعلق کے قائم کرنے کی کیا صورت ہو گی؟ انہوں نے کہا کہ واپسی پر میں آپ کو ان کے پاس لے چلوں گا۔ میں نے اُن سے کہا کہ اگر مجھے ساری رات نفل پڑھنے اور سارا سال روزہ رکھنے کا حکم دیا تو یہ تو میں کر لوں گا۔ لیکن اگر مجھے داڑھی رکھنے کا کہا تو یہ میرے بس کی بات نہیں۔ سراج صاحب نے مجھے تسلی دی کہ داڑھی رکھنے کا نہیں کہیں گے نہ اشارۃً نہ کنایۃً۔ چنانچہ 31 جنوری 1964ء جبکہ جمعہ المبارک کا دن اور رمضان کا مہینہ تھا، میں اسلامیہ کالج میں مولانا صاحب کے دولت خانہ پر بعد از نماز جمعہ حاضر ہوا۔ حضرت گھر کے لان میں دھوپ میں تشریف فرما تھے۔ میں نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ بڑی شفقت سے سُنا اور مجھے چاروں سلاسل چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں بیعت فرمالیا۔ پھر میں روزانہ بعد از نماز عصر دولت خانہ پر مجلس میں حاضر ہوتا رہا۔ افطاری بھی حضرت کے ہاں کیا کرتا۔ حضرتؒ اپنی جیب سے تیس سے پچاس طلباء اور دیگر حاضرین مجلس کی افطاری کا انتظام فرماتے۔ مجلس میں اتنی کشش اور تاثیر ہوتی کہ اگلے دن عصر تک کا وقفہ بہت مشکل سے کٹتا اور بے چینی سے انتظار رہتا کہ کب عصر کا وقت آئے اور حضرتؒ کی مجلس میں حاضری ہو۔ حالانکہ ان دنوں میں ہاسٹل نمبر 6 (جو کہ

حضرتؒ کے گھر سے تقریباً دو تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے) میں رہائش پذیر تھا۔ سراج صاحب مجھے عادی کرنے کے لئے چند روز تک میرے ہمراہ مجلس میں جاتے رہے۔ لیکن جب میرا دل لگ گیا تو پھر وہ اپنی سہولت کے مطابق حضرتؒ کی مجلس میں جایا کرتے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ پشاور کے تبلیغی جماعت کے امیر بھی تھے۔ ان دنوں پشاور کا تبلیغی مرکز گور گٹھڑی تحصیل کے متصل مسجد خواجہ معروف علاقہ گنج میں تھا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تعلق قائم ہو جانے کی بدولت باقاعدہ شب جمعہ میں بھی جانا شروع کیا۔ شب جمعہ کے اکثر بیان حضرت مولانا صاحبؒ دیا کرتے جو ڈھائی تین گھنٹوں پر مبنی ہوتے تھے۔ عجیب بیان ہوتے تھے۔ توحید اور رسالت کو مختلف پیرایوں میں ایسا کھول کھول کر بیان کرتے کہ میں بیان ہی نہیں کر سکتا۔ صحابہ کرامؓ کے واقعات بھی ایسے پُر درد انداز میں بیان کرتے کہ سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔

سلوک وحالات

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خصوصی فضل و انعام ہے کہ جنوری 1964ء سے ستمبر 1995ء یعنی حضرت مولانا صاحبؒ کے وصال تک حضرت مولانا صاحبؒ سے انتہائی قربت، معیت اور خدمت کے مواقع میسر آئے۔ اس کے لئے میں اللہ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ بیعت کے ابتدائی دو تین سال تو عصر سے لے کر عشاء تک حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی۔ ان دنوں میں ہاسٹل نمبر 6 میں رہائش پذیر تھا۔ وہاں سے روزانہ عصر کے وقت حاضر ہوتا اور عشاء کی نماز پڑھ کر رخصت ہو جاتا۔ مارچ 1967ء میں زرعی کالج میں لیکچرر کے طور پر تقرر کے بعد سکونت بطور وارڈن ہاسٹل نمبر 2 میں رہی۔

ہاسٹل نمبر 2 چونکہ نزدیک تھا۔ اس لئے حاضری کے مواقع اور بھی بڑھ گئے۔ 1969ء سے 1971ء تک میں ایس ٹی سی میں رہا۔ چونکہ اب ہاسٹل کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس لئے دن رات کا اکثر حصہ حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں گزارتا رہا۔ اکثر رات کو بھی حضرت مولانا صاحبؒ کے ہاں ٹھہر جاتا۔ ایس ٹی سی زیادہ تر کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے یا کسی ضروری کام کے سلسلے میں آتا۔ 1971ء سے 1975ء تک میں ہاسٹل نمبر 6 میں بطور وارڈن قیام پذیر رہا۔ اس دوران بھی حسب معمول حضرت کی مجلس میں باقاعدگی کے ساتھ حاضری رہی۔ اس عرصے میں عصر سے عشاء تک حضرت مولانا صاحبؒ کے جو بیانات ہوتے اُن کو قلم بند کرتا رہا۔ الحمد اللہ در جنوں کاپیاں بیانات کی مکمل ہوئیں جس میں سے دو جلدیں ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے چھپ چکی ہیں اور تیسری جلد بھی انشاء اللہ جلد شائع ہو جائے گی۔

فروری 1975ء کو میں حضرت مولانا صاحبؒ کے سرکاری مکان کے متصل حضرت کی ہمشیرہ کے کوارٹر میں منتقل ہوا اور اب بحمد اللہ پانچوں نمازیں حضرتؒ کے ہمراہ ادا ہو جاتیں۔ عشاء کے بعد میر حاتم صاحب حضرت کی ضروریات سے فراغت کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور تہجد کے وقت میں جاکر حضرت کو اُٹھا کر وضو کرا دیتا۔ اس وقت سے فجر کی نماز کے بعد تربیتی خطوط کے جوابات بھی حضرتؒ مجھ سے ہی لکھواتے تھے۔ یہ ذمہ داری فروری 1980ء تک (میرے امریکہ جانے کے وقت تک) پوری کرتا رہا۔ 1980ء کے بعد یہ خدمت میر حاتم صاحب کے سپرد ہوئی۔ 1967ء سے لے کر 1978ء تک حضرتؒ کے ساتھ بغیر ناغہ کے رائے ونڈ میں تبلیغی چلہ میں بھی میں ساتھ رہا۔ چلہ کے اختتام پر کراچی بھی دو چار ہفتے کے لئے ہر سال بغیر ناغہ کے حضرت کی معیت اور خدمت کی سعادت حاصل رہی۔ کراچی میں ہمارا قیام حضرت مولانا

محمد یوسف بنوری صاحبؒ کے مدرسہ جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہوا کرتا۔ حضرت مولانا صاحبؒ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے خصوصی مہمان ہوتے۔ ایک دفعہ ہم نے عرض کیا کہ حضرت اب ہم اپنا خرچہ خود کریں گے۔ تو جلال میں آکر فرمایا کہ اگر ڈیڑھ سال بھی آپ لوگوں کا قیام ہو تو آپ اپنا خرچہ ہرگز نہیں کریں گے۔ آپ لوگ میرے مہمان ہیں۔ عرض انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ جتنے دن ہمارا قیام رہتا۔ صبح کا ناشتہ ہمارے ساتھ ہی کرتے تھے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اپنے علوم اور ملفوظات سے روحانی ناشتہ بھی کروادیتے۔ کراچی کے قیام کے دنوں میں تبلیغی مرکز مکی مسجد میں شب جمعہ کا بیان حضرت مولانا صاحبؒ فرمایا کرتے۔ ایک دو بیان مکی مسجد میں مستورات کے لئے بھی کرتے۔ اسی طرح بعض صاحبان اپنے ہاں بلایا کرتے تو وہاں بھی حضرت مولانا صاحبؒ کے بیانات ہو جاتے۔ کراچی میں قیام میں ہر دفعہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفیؒ سے ملاقات کے لئے بھی موقع نکالا جاتا۔ دونوں حضرات ہمارے مولانا صاحبؒ کے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ غلام محمد صاحبؒ مرشد خاص سید سلیمان ندویؒ کے ہاں بھی اکثر جاتے رہتے اور وہ بھی اکثر ملاقات کے لئے تشریف لایا کرتے۔

1973ء میں ہمارا چلہ کوئٹہ میں گذرا۔ حضرت کے دو ساتھی ایک میں اور ایک طلعت اقبال بطور خادم ساتھ رہے۔ واپسی پر کراچی جاتے ہوئے تین دن کے لئے ٹنڈو آدم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے چھوٹے بھائی حضرت عبدالرشید صاحب کے ہاں قیام کیا۔ ٹندو آدم میں ایک رات جب تہجد کے وقت حضرت وضو سے فارغ ہو کر مصلّے پر تشریف فرما ہوئے تو نماز کی نیت باندھنے سے پہلے مجھے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ بیٹا! دل میں اس وقت یہ بات آئی کہ میں تم کو توکل علی اللہ اجازت دوں۔ اس لئے

میری طرف سے اجازت بیعت ہے۔ جو بھی طالب رجوع کرے گا، انکار نہ کرنا۔ میرے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور عرض کیا کہ میں اس قابل نہیں۔ جو خدمت کی توفیق اللہ دے رہے ہیں۔ یہی میرے لئے کافی ہے۔ فرمایا یہ من جانب اللہ ہے۔

اسی طرح 1967ء سے لے کر 1978ء تک باقاعدہ شب جمعہ کے لئے حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ جاتا رہا۔ رات کبھی مسجد خواجہ معروف میں گذارتے اور کبھی بیان کرنے کے بعد رکشہ کرکے واپس کالج آجاتے۔ ستّر کی دھائی کے ابتدائی چند سالوں میں حضرت مولانا صاحبؒ رائے ونڈ کے ماہوار مشورہ کے لئے بھی تشریف لے جایا کرتے۔ پشاور سے بذریعہ GTS رات کو لاہور جاتے۔ وہاں سے نسیم یا خالد صاحب بذریعہ موٹر رائے ونڈ پہنچا دیتے تھے۔ واپسی پر بھی یہی ترتیب رہتی۔ ان سفروں میں بھی میں بطور خادم ساتھ رہتا۔

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ خصوصی فضل رہا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت اور رفاقت کا بہت زیادہ موقع ملا۔ 1964ء سے 1995ء تک (بیعت سے لے کر) حضرت کے ساتھ پانچ سالوں کے علاوہ 1980ء سے 1984ء تک جب میں امریکہ میں تھا) انتہائی قربت اور ساتھ کے مواقع میسر آئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانچ حجوں (1971ء، 1973ء، 1975ء، 1978ء اور 1987ء) میں حضرت مولانا صاحبؒ کی رفاقت اور خدمت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دو عمروں (1976ء اور 1987ء) میں رفاقت رہی۔ غالباً کوئی بھی سفر اندرون ملک یا بیرون ملک حضرت مولانا صاحبؒ نے ایسا نہیں کیا ہوگا جس میں میں ساتھ نہ رہا ہوں۔ البتہ 1980ء میں حضرت مولانا صاحبؒ نے ہندوستان کا جو سفر کیا تھا اس میں، میں ساتھ نہیں تھا کیونکہ میں ملک میں موجود ہی نہیں تھا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کی رفاقت کی برکت کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے چوٹی کے علماء اور بزرگوں کی زیارت اور ان کی مجالس میں شرکت اور بہت دفعہ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یوں ان بزرگوں کو بہت قریب سے دیکھا۔

چند بزرگ جن کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا محمد یوسف حضرت جیؒ، حضرت مولانا انعام الحسنؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ، حضرت مولانا اسجد مدنیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا منظور نعمانیؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ ابرارالحقؒ، حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد رابع صاحبؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا نافع گل صاحب، حضرت مولانا عزیر گل صاحب (اسیر مالٹا)، حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ، حضرت مفتی زین العابدینؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد تقی مدظلہٗ عالی، حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ، حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ، مولانا عبدالحق صاحبؒ حقانی اور رائے ونڈ کے جملہ بزرگان اور اکابر۔

تربیت وسلوک

جنوری 1964ء میں بیعت ہو جانے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے اذکار و نوافل اور زندگی کے دیگر معمولات اور اشغال بتائے۔ الحمد اللہ میں ان کو باقاعدگی کے ساتھ کرتا رہا اور اپنے حالات سے بذریعہ خط حضرت کو مہینے دو مہینے کے بعد مطلع کرتا رہتا۔ کاغذ کے بائیں طرف میں اپنے حالات لکھتا اور دائیں طرف حضرت مولانا صاحبؒ

نمبر وار جوابات لکھ دیتے۔ کبھی کبھی زبانی بھی اپنے حالات عرض کرتا اور حضرت مولانا صاحبؒ ہدایات سے نوازتے رہتے۔ وقت گذرنے کے ساتھ معمولات اور اذکار میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ الحمد اللہ حضرت مولانا صاحبؒ کے فرمودہ معمولات پر ہمیشہ کاربند رہا۔ ان حالات کی تفصیل حضرت کے نام میرے مکتوبات سے مل جائے گی۔

1985ء تک کے تمام حالات مکتوبات میں درج ہیں۔ امریکہ کے پانچ سالہ قیام میں بھی باقاعدہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ خط و کتابت جاری رہی اور حضرت اپنی قیمتی ہدایات سے برابر میری رہنمائی فرماتے رہے۔

1980ء کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ یگانگت اور بے تکلفی کی وجہ سے خط و کتابت تو جاری نہ رکھ سکا۔ البتہ جو بھی معاملہ درپیش ہوتا، ان سے زبانی عرض کرتا اور وہ حل بتادیا کرتے۔ اسی طرح گرتے پڑتے حضرت مولانا صاحبؒ کے پرشفقت سایئے میں تربیت ہوتی رہی اور سلوک کے منازل طے ہوتے رہے۔ تیس سال پر مبنی انتہائی قریبی تعلق میں کبھی بھی حضرت مولانا صاحبؒ نے غصّہ نہیں کیا۔ نہ کبھی ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ کبھی جھڑکا۔ بس پیار ہی پیار۔ جب میں کبھی کہتا کہ آپ ہماری کوتاہیوں اور غلطیوں پر غصہ نہیں کرتے۔ نہ تنبیہ کرتے ہیں تو فرمایا کرتے کہ "کار خود کن کار بیگانہ مکن" اور کہتے کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ بہر حال حضرت نے اس انداز سے تربیت فرمائی اور سلوک طے کروایا کہ اب کسی پر نظر ہی نہیں ٹکتی اور نہ کسی اور کے ساتھ چلنے کی ہمت اور طاقت اپنے میں پاتے ہیں۔

مریدین اور خلفاء

مریدین کا معاملہ "دو ڈھائی بوٹے اور پتُّو باغبان" والا ہے۔ چند ایک مرید

ہیں۔ اکثر جب کسی نے مرید ہونا چاہا تو اپنی نااہلی کی وجہ سے ان کو حضرت مولانا صاحبؒ کے دوسرے کامل اور اہل خُلفاء سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ صرف پروفیسر عالم خان صاحب کو اجازت بیعت دی ہے۔

موجودہ ترتیب زندگی

آج کل دُنیوی مشغلہ کوئی نہیں۔ زیادہ تر وقت گھر پر رہتا ہوں۔ اپنے وظائف، معمولات اور دینی کتب کے مطالعے میں وقت گزارتا ہوں۔ دینی کتب میں زیادہ تر حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب، مفتی مختار الدین صاحب اور حضرت مولانا تقی عثمانی کی کتابیں زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد مصطفیٰ فیز 3 حیات آباد، پشاور میں ہوتا ہوں۔

پروفیسر محمد یوسف ہزاروی خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

میرا نام محمد یوسف ولد محمد سعید ہے۔ والد صاحب کا سردار عبدالقیوم صاحب سے قریبی تعلق تھا۔ دونوں اکٹھے پڑھے تھے۔ غالباً سردار عبدالقیوم صاحب کے وساطت وسفارش پر نواب حیدر آباد دکن نے والد صاحب کا سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا تھا۔ جو 1948ء میں ریاست کے ختم ہونے تک والد صاحب کو محمد سعید افغانی کے نام سے ملتا رہا۔ ہمارے آباؤ اجداد تقریباً تین سو سال پہلے افغانستان سے ہجرت کر کے سوات میں آباد ہوئے۔ کچھ رشتہ دار چکیسر کے بمبریہ ٹرائبل بیلٹ میں منتقل ہوئے۔ وہاں تیس چالیس چھوٹے گاؤں ملا کر اِن کو ایک حیثیت دے دی۔ جن کے وہ بڑے بن

گئے۔ اور آخیر تک ان دیہات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ بعد میں یہ لوگ ریاست اُمب میں منتقل ہوگئے۔ والدین کا انتقال بھی اُمب ہی میں ہوا۔ اُمب کی ریاست بھی ختم ہوگئی۔ اُس وقت ہم تینوں بھائی بہت چھوٹے تھے۔

تعلیم وملازمت

چونکہ بڑے بھائی مشتاق پہلے سے اسلامیہ کالج پشاور میں تھے۔ اس لئے بندہ نے بھی میٹرک پاس کرنے کے بعد 1957ء میں اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد بندہ حضرت مولانا صاحب کی اجازت وتعاون سے پاکستان ایئر فورس میں بطور وارنٹ انسٹرکٹر ایجوکیشن اور ریلجس (religious) ٹیچر بھرتی ہوا۔ ایک سال تک پشاور سٹیشن پر ہی رہا۔ یہاں پر ایک کٹر قسم کے شیعہ افسر سے میری نوکری کا تعلق رہا۔ جو مجھے عُریاں فوٹو دکھا کر پوچھتا کہ ان کو پہچانتے ہو۔ اور ایک دن کہنے لگا کہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ایک عیسائی ملازم ہے۔ اس کا بھائی گانے بجانے میں بڑا ماہر ہے۔ آپ اس کا ٹسٹ لے لیں۔ اور جب میں نے بتایا کہ میں سٹیشن کمانڈر سے بات کرلونگا تو ڈر گئے اور کہنے لگا۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بہرحال جب یہ حالات مولانا صاحب کو بتائے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پرسنل گراؤنڈ پر واپسی کی درخواست دیکر واپس آجاؤ۔ درخواست پر کارروائی کرکے ماڑی پور میں ریکارڈ افسر نے مجھے ریلیز دے دی۔ حالانکہ اُس وقت انڈیا کے ساتھ 1971ء کی جنگ شروع تھی۔ اور سب لوگ ریلیز دینے پر حیران تھے۔ لیکن یہ مولانا صاحب کی کرامت تھی۔ میں مولانا صاحب کے حکم پر ائیر فورس میں گیا تھا اور انہی کے حکم پر واپس آگیا۔ میرے liaison میں ابھی گیارہ دن باقی تھے۔ کہ اپنا ڈیپارٹمنٹ rejoin کرکے غازی میں سی ٹی پوسٹ پر تعینات ہوا۔

اس لئے سروس میں بریک نہیں آئی۔ کچھ عرصہ بعد صدیق نامی اُستاد کی خواہش پر تبادلے کی بنیاد پر غازی سے اوگی آ گیا۔ اوگی میں میری کالج کیڈر میں سلیکشن ہو گئی۔ پہلے ایڈہاک پر اور پھر پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ہری پور کالج میں لیکچرر بن گیا۔ یہ سب حضرت مولانا صاحب کی دعا کی برکت تھی۔ پورے دس سال ہری پور کالج ایبٹ آباد میں اور باقی وقت حسہ کالج بالا کوٹ میں گذار کر ریٹائر ہوا۔ اس طرح دس سال سکول کیڈر میں اور تیس سال کالج کیڈر میں گذارے۔ شکر ہے کہ اتنے کچھ واقعات یاد آ گئے۔ ورنہ 2006ء میں فالج کا حملہ ہونے کے بعد اپنے بچوں کے نام بھول جاتا ہوں۔

حضرت مولانا صاحب سے تعارف و تعلق

جب بندہ 1957ء میں اسلامیہ کالج میں بطور فسٹ ایئر سٹوڈنٹ داخل ہوا۔ تو مولانا صاحب جرمنی وغیرہ سے اپنا بیرونی تبلیغی دورہ مکمل کر کے واپس آ گئے۔ جن میں مولانا ظاہر شاہ صاحب رائے ونڈ والے اور دوسرے ساتھی بھی تھے۔ میرے بھائی مشتاق احمد اور فدا محمد صاحب نے رحیم شاہ وارڈ ہاسٹل میں ایک چار سیٹر کمرے میں پندرہ بیس طلباء کو جمع کیا اور مولانا صاحب نے جرمنی سے واپسی کے بعد اپنا پہلا بیان کر کے تبلیغی کام کا آغاز کر دیا۔ یہ فدا محمد صاحب طالب العلم وہی تھے۔ جو بعد میں اسلامیات ڈیپارٹمنٹ اور پھر ایئر فورس میں چلے گئے اور وہاں سے پھر شریعت کورٹ کے جج بن گئے۔ اُسی مجلس میں مولانا صاحب سے تعارف ہوا۔ اس تعارف کے بعد 10 نمبر مکان تھا، وہاں پر آنا جانا شروع ہوا۔ عصر کے بعد بیان ہوتا۔ جہاں پر بیان ہوتا ہم پہنچ جاتے۔ پھر مولانا صاحب نے بیعت کے سلسلے میں خود ہی فرمایا۔ ڈاکٹر اجمل صاحب بیعت ہو چکے تھے، انہوں نے بیعت کا کہا تو ہم تو پہلے سے ذہنی طور پر تیار تھے۔ حضرت سے بیعت کر لیا۔ بیعت کے بعد اور زیادہ آنا

جانا ہو گیا۔ ابتدا میں تو زیادہ خادم نہیں تھے۔ حضرت کی ہمت تھی کہ جب بھی کہیں دعوت ہوتی تو سائیکل پر کوئی نہ کوئی لے جاتا۔ بشیر طارق صاحب اللہ ان کو بخشے خدمت کرتے رہے۔ زیادہ تر شیر حسن صاحب خدمت کرتے رہے سائیکل پر آنا جانا ہوتا۔ پابندیاں بھی تھیں۔ اسلامیہ کالج میں بیان نہیں کرنے دیتے تھے، ہاسٹل میں بھی بیان پر پابندی تھی۔ اللہ نے کرم کیا اور قربانیوں کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہ پابندیاں ختم ہو گئیں۔ اور جو ہاسٹل بھی بنتا تو مسجد بھی اس کے ساتھ ہوتی۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ ڈاکٹر اجمل صاحب تھے، میں تھا اور ڈاکٹر ظفر صاحب بنوں والے آئی سپیشلسٹ ہم تینوں نے وائس چانسلر چوہدری محمد علی (جو آٹھ سال وائس چانسلر رہے اور انہوں نے بڑا کام کیا) کے پاس گئے۔ اس وقت ہاسٹل نمبر 1 اور ہاسٹل نمبر 2 کی جو مسجد تھی وہ کچی تھی اس کے اوپر ترپال ہوتا تھا جو کہ گر جاتا تھا۔ انہوں نے ہماری بات غور سے سنی اور فوراً جا کر مسجد کو دیکھا اور مسجد کی تعمیر نو کا حکم دیا۔ ابتداء میں ہاسٹل میں افطاری بھی بھیجتے رہے۔ بہر حال یہ کہ اُن کے دور میں جو بھی ہاسٹل بنتا تو ساتھ اس کے مسجد کی جگہ مختص ہوتی۔ آٹھ سال وہ رہے اور زیادہ تر ہاسٹل ان کے دور میں ہی تعمیر ہوئے۔ ان تمام کاموں کے پیچھے حضرت مولانا صاحب کی دعائیں اور توجہات تھیں اور ڈاکٹر فدا صاحب کو اللہ پاک زندگی دیں کہ وہ مسجد میں خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہ کہ مولانا صاحب، ان کے کہنے پر گئے اور اللہ پاک نے راستے کھول دیئے تو اسلامیہ کالج کی جو پابندی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے ختم کر دی اور بیانات وہاں بھی ہونے لگے۔ حضرت کے ساتھ مرکز میں جانا ہوتا تو ترتیب یہ تھی کہ GTS میں آنا جانا ہوتا تھا۔ چار آنے کرایہ ہوتا تھا۔ پہلے گنج علی خان میں پھر خواجہ معروف میں اور پھر سخی چشمہ میں۔ میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ میرے دماغ پر بہت دباؤ تھا۔

مسجد درویش کے سلسلے میں۔ پہلے اس کا نام درویش نہیں تھا۔ شاہ فیصل مسجد نام رکھا تھا۔ قطر سے ایک آدمی آیا۔ اس کا نام درویش تھا۔ ڈیڑھ کروڑ کا چیک دے دیا۔ مولانا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے۔ ہم شاہوں کی طرف نگاہ کیے ہوئے تھے۔ اللہ نے اپنی مرضی کے درویش بھیج دیئے۔ اس وقت دماغ پر بڑا دباؤ تھا۔ میں اور مولانا صاحب اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ کمشنر کا فون آیا۔ فرمانے لگے۔ I will fix you۔ حضرت فرمانے لگے میں نے ان سے کہا کہ تم مجھے کیا فِکس کرتے ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ تجھے پہلے فِکس کر دے۔ اور ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ اس پر ایسا کیس نکلا کہ وہ سروس سے ہی ڈسمس ہو گیا۔ وہ کمشنر جس نے دھمکی دی تھی وہ ڈسمس ہو گیا۔ اس مسجد پر اتار چڑھاؤ لگا ہوا تھا۔ اِدھر سے پولیس قبضہ کرنے آتی تو اُدھر سے قبائل مقابلہ کرنے کے لئے آتے۔ پھر پولیس واپس چلی جاتی۔ یہ سلسلہ کئی مہینے تک چلتا رہا۔ بلکہ سال سے بھی اوپر کا عرصہ لگا۔ حضرت پر کافی آزمائش رہی اور کافی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اللہ پاک ان کے صدقہ جاریہ میں اس مسجد کو آباد رکھے۔ آمین

حج کا سفر

حج کا سفر تو حضرت کی کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ حج کا ارادہ کرو۔ میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو وسائل نہیں ہیں۔ فرمایا ان کو چھوڑو، ارادہ کرو۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جی ارادہ ہم کر لیتے ہیں۔ جو بھی بیٹھے ہوئے تھے، غضنفر تھا، میں تھا، احمد گل تھا اور اس کا چچازاد بھائی تھا۔ سب جو بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ارادہ کر لیا۔ دو دن بھی نہیں گذرے تھے کہ انہوں نے کہا کہ یہ فارم فِل اَپ (Fill up) کرو۔ پھر کہا کہ آپ پیسوں کو چھوڑو۔ حضرت کی فیاضی کہ سب کا داخلہ انہوں نے خود کیا۔ اس وقت یعنی 1963ء میں بحری جہاز کا کل کرایہ 1100

روپے تھا۔ ہمارا گیارہ کا گروپ تھا۔ دو آدمیوں کے حضرت کی معرفت نام نکل آئے تھے جو کہ ہمارے گروپ میں بھی نہیں تھے۔ لیکن ان کا کام حضرت کی برکت سے ہو گیا۔ ہم سب موجود تھے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ بچہ (قرعہ اندازی میں) بڑے بڑے لفافے نہیں اٹھا سکتا ہے۔ ہمارا تو بہت بڑا لفافہ تھا۔ گیارہ آدمیوں کی فائل تھی۔ بچے کو کہا کہ اس میں سے نکالو۔ ہماری فائل سب سے نیچے تھی۔ جیسے فرشتہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر نیچے لے جاتا ہے۔ اس نے ہاتھ نیچے کر کے نکال دی جو مولانا اشرف صاحب رحمہ اللہ اور ان کے گیارہ ساتھیوں کی فائل۔ ٹوٹل بارہ تیرہ سیٹیں تھیں۔ بہر حال یہ حضرت کی کرامت تھی۔ تقریباً ایک سال بعد حضرت کو پیسے لوٹائے۔ باقیوں کا مجھے پتہ نہیں کہ انہوں نے لوٹائے یا نہیں لیکن میں نے لوٹائے۔ حضرت نہیں لے رہے تھے لیکن زبردستی دیئے۔ تو یہ بھی حضرت کی کرامت تھی۔ اس زمانے میں 12000 ٹوٹل سیٹیں تھیں۔ لیسٹ ٹرسٹ پاکستان (Least Trust Pakistan) کی اور آٹھ آٹھ نو نو دس دس سال سے لوگ اپلائی کرتے تھے اور نام نہیں نکلتا تھا۔

اسی دوران میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کا انہوں نے قصہ سُنایا کہ جامعہ اشرفیہ میں تھے اور اتفاقاً حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء بھی اکٹھے تھے۔ مفتی شفیع صاحب بھی تھے اور جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی حسن صاحب بھی تھے اور بہت سے حضرت کے خلفاء اکٹھے تھے۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پر کوئی حالت طاری ہو گئی۔ کبھی ایک کو کلمہ سناتے کبھی دوسرے کو اور کبھی تیسرے کو کہ مجھے اپنے بارے میں منافق ہونے کا خدشہ ہے۔ اتنے سالوں سے میں حج کے لئے اپلائی کر رہا ہوں اور میرا نام نہیں نکلتا۔ وہ دن تھا کہ اس کے بعد ہر سال حضرت کا رمضان مبارک مکمل یا کچھ دن حرم شریف میں ہوتے

تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ آزمائش دور ہوئی اور جو بھی رکاوٹیں ہوتیں، حضرت کے لئے اللہ تعالیٰ راستہ کھول دیتے تھے۔ ساری رکاوٹوں کے باوجود وہ ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے اور جس سال ہم گئے۔ اس سال بھی حج میں ہمارے ساتھ ہی تھے۔ دستر خوان اکٹھا تھا۔ درمیان میں یاد آگیا کہ مولانا ادریس صاحب مردان والے کے والد صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ان کی تقریباً پچاسی (85) سال عمر تھی۔ ہم رمضان المبارک میں گئے تھے اور پندرہ (15) پارے ہمارے رہتے تھے۔ یہ ہمارے ساتھی تھے اور حافظ تھے۔ ہم نے کہا ہمارے 15 پارے باقی ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا! 15 پارے باقی ہیں۔ نماز کے لئے آگے ہوئے تو پہلی دو رکعت میں 15 پارے قرآن مجید کے پڑھ لیے۔ پیچھے جو ہماری حالت تھی وہ ظاہر ہے۔ ان کو پرواہ ہی نہیں تھی۔ اتنا صاف پڑھتے تھے کہ ابھی بھی مجھے یاد ہے (حسین علی شاہ صاحب وہ بھی صاف پڑھتے تھے)۔ پھر باقی تراویح وہی ہمیں پڑھاتے رہے (لیکن پہلی رات انہوں نے جو کہا کہ اچھا! 15 پارے رہتے ہیں، میں پڑھا دیتا ہوں اور جو حال ہوا)۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔

حضرت کی برکت سے سفر پر گئے اور مولانا بنوری صاحب رحمہ اللہ کے پاس ٹھہرے وہاں پر مولانا بنوری صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مولانا ابو الحسن علی ندویؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور بہت سے بزرگوں کی زیارت حضرت کی برکت سے ہوئی۔ خاص طور پر ابو الحسن علی ندویؒ جو عظیم شخصیت تھے۔ دعوت میں بلایا۔ ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی نو نو گلاس پی لیتے اور پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ ان کے لئے خاص طور پر پانی ٹھنڈا کیا جاتا۔ ہمارے شیخ کہنے لگے کہ ان کی کیفیت ایسی ہے جیسی امیر خسرو کی تھی۔ اندر کی جلن سے باہر کا کپڑا جل جاتا تھا۔ بہت سے بزرگوں کو حرم میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے لیکن ان کو جب بھی میں دیکھتا تو میرا دل کہتا کہ ان کا رابطہ ہو گیا ہے۔ ان کی نماز ایسی تھی کہ

محسوس ہوتا کہ اللہ میاں سے رابطہ ہو گیا ہے۔ بہت عجیب شخصیت تھی۔ ویسے تو مدینہ منورہ میں عام طور پر آٹھ دن کا قیام ہوتا ہے۔ لیکن حضرت کی برکت سے ہمارا بیالیس (42) دن کا قیام ہوا۔ اسپیشل اقامہ دیا تھا۔ ہر سال ویزٹنگ پروفیسر کے طور پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے لیکچر مدینہ یونیورسٹی میں ہوتے تھے۔ ان کی دعوت پر ہم بھی گئے تھے اور لیکچر سنا تھا۔ غالباً مدینہ منورہ میں ہی حضرت نے چائے پر ہماری دعوت کی اور صبح ناشتے میں ہم گئے۔ انہوں نے ایک شعر پڑھا تو میں لکھنے لگا۔ حضرت کہنے لگے لاؤ میں خود لکھتا ہوں۔ تو حضرت نے اپنے ہاتھ سے وہ شعر لکھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

خط و کتابت

خط و کتابت ابتداء میں ہوئی۔ لیکن میں نے زیادہ خطوط ہی نہیں لکھے۔ ایک یا دو خطوط کے علاوہ نہیں لکھے۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو بالمشافہ ان سے بات کر لیتے تھے۔ ایک طالب العلم سمیر ہوتا تھا۔ اُردن والا سمیر عبداللہ۔ وہ حضرت کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ فرمایا کہ سمیر میرے پاس آیا اور کہا کہ وہ میرا دوست ہے۔ تین دن سے اُس کا پیشاب بند ہے۔ ایک عرب طالب العلم لایا گیا۔ جس وقت وہ لایا گیا۔ تو سرکش جن نے اس کی شرم گاہ پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ جِن نے کہا حضرت مجھے اس سے محبت ہے۔ حضرت نے ڈانٹا اسے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اس کو مارتا ہے۔ بہت کوشش کی لیکن اس کو چھوڑا نہیں۔ کھڑکیاں اور دروازے سارے بند کر دیئے۔ اپنا حصار کرنے کے بعد جب اس کو جلانے کا فیصلہ کر لیا تو اس وقت کبھی کھڑکی سے ٹکر مار کر روشن دان سے ٹکر مار کر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن سارے راستے بند کر دیئے تھے۔ لیکن اس وقت تک اس نے نہیں چھوڑا۔ جب جل گیا تو اس وقت اس کا قبضہ ختم ہوا تو پھر پیشاب جاری ہوا۔ اتنا پیشاب نکلا کہ سارے

قالین و بسترے دھونا پڑے۔ یہ آپ کے علم میں ہو گا۔ جنات بھی اتنے ظالم ہوتے ہیں کہ بس اللہ ان کے شر سے بچائے۔ بہر حال حضرت کی سخاوت اور دوسری چیزیں آپ کے سامنے ہیں۔ آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ اور رمضان شریف میں بلا مبالغہ 15، 20 آدمی تو افطار میں ہوتے ہی تھے۔ آزمائشوں کا دور بھی بزرگوں پر آتا ہے جو لوگ بہت ہی قریبی تھے وہ بھی مخالف ہو گئے۔ بس اللہ کی شان اللہ ہی معاف کرے بس۔ وہ دور بھی ایسا کہ کبھی کبھار مجھے سنا دیتے تھے۔ بہر حال آپ کا صبر و تحمل مجھے یاد نہیں کہ کبھی آپ نے اُن کے لئے بد دعاء کی ہو۔ اُن کے لئے ہمیشہ دُعا کرتے۔

خلافت واجازت بیعت

مجھے حضرت نے جو اجازت نامہ دیا تھا۔ بہت سے ناموں کے بعد آخر میں میرا نام بھی تھا۔ اب مجھے صحیح یاد نہیں پڑتا کہ حضرت کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ہی مجھے ملا۔ میاں بشیر صاحب اور میرا نام اکٹھا لکھا گیا۔ اب یہ پتہ نہیں کہ یہ سب نام اکٹھے لکھے گئے ہیں یا آخر میں لکھے ہیں۔ اب مجھے صحیح تاریخ یاد نہیں ہے اور میں نے ابھی تک گھر میں کسی سے اظہار نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ میری مثال چھلکے کی ہے میں نے کسی کے سامنے اس کا اظہار ہی نہیں کیا نہ گھر میں نہ باہر۔

ڈاکٹر محمد اجمل خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

ڈاکٹر محمد اجمل وانا شمالی وزیرستان سے تعلق رکھتے تھے۔ خیبر میڈیکل کالج، پشاور سے ایم بی بی ایس کیا۔ قیام زیادہ تر یونیورسٹی کے ہاسٹل نمبر 1 میں رہا۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد سعودی عرب چلے گئے۔ سعودی عرب کے علاقہ جیزان میں بطور ڈاکٹر

ملازمت اختیار کی۔ اپنی پوری ملازمت کے دوران جیزان میں رہ کر وہاں سے ریٹائر ہوئے۔ جیزان یمن کے ساتھ لگا ہوا بہت پسماندہ اور بے آب و گیاہ ریگستانی علاقہ ہے۔ وہاں سے آکر حیات آباد پشاور میں ایک بڑے بنگلے میں رہائش پذیر ہوئے جو نانو ہاؤس کے نام سے مشہور تھا۔ دوبارہ ملازمت یا کلینک کے بغیر آرام سے ریٹائر زندگی گذارنے لگے۔ اسی دوران دوسری شادی کرلی۔ جس کی وجہ سے پہلی بیوی اور بچوں سے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ کئی بار اُن کے گھر جانا ہوا اور بعض اوقات ختم قرآن کے سلسلے میں انہوں نے خود بلایا۔ آخیر میں فالج کا حملہ ہوا، اور بات کرنے سے معذور ہوگئے۔ نانو ہاؤس کو چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوگئے۔ وہیں وفات پاگئے۔ وفات کے متعلق وقت پر اطلاع نہیں ہوئی، بلکہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں پتہ چلا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرماویں۔ آمین

ڈاکٹر اجمل مولانا صاحبؒ سے اولین بیعت کرنے والوں میں سے تھے۔ مجلس میں اُن کی عجیب حالت ہوا کرتی تھی۔ روتے بھی جاتے تھے اور ساتھ ساتھ ہنستے بھی جاتے تھے۔ خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ مولانا صاحبؒ کا شباب اور دینی و روحانی جوش کا زمانہ تھا۔ اس لئے ہمیں کچھ زیادہ ہی پلا گئے۔ نہایت ہی ملنسار، مخلص اور متواضع تھے۔ بشیر احمد کاکاخیل کو اکثر چھیڑ کر کہا کرتے تھے کہ آپ نے دعوت میں ہمیں لنگڑا مُرغا کھلایا تھا۔ پھر دعوت کرو۔ مولانا صاحبؒ کے پاس حج کے مواقع پر تشریف لاکر دعوتیں کیں اور مہمانداری کا فریضہ انجام دیا۔ میر حاتم اور عبدالقدوس داوڑ صاحب کی کوشش کے باوجود اُن کے ایسے کوئی رشتہ دار یا قرابت دار نہ مل سکے۔ جن سے مزید معلومات حاصل کر لیتے۔

حاجی عبدالودود خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

حاجی عبدالودود عبدالرحمٰن فقیر کے چھوٹے بھائی تھے۔ مہمند ایجنسی علاقہ

خویزئی میں مولانا فقیر محمدؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ دینی و دُنیاوی علوم دونوں ہی نامکمل رہے، بلکہ اوائل جوانی میں سعودی عرب مدینہ منورہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ اور زیادہ وقت وہاں مقیم رہے۔ مولانا فقیر محمدؒ چونکہ ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے اور پھر کافی عرصہ قیام کرکے واپس آتے۔ اس لئے حاجی عبدالودود کو حضرت مولانا فقیر محمدؒ کی خدمت کے مواقع خوب ملے۔ جس سے اُنہوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے حج کے مواقع پر بھی وہ خدمت بجالاتے رہے۔ سعودی عرب سے واپسی کے بعد چوک یادگار پشاور میں مختلف کاروبار کرتے رہے۔ افغان مہاجرین ڈائریکٹریٹ میں بطور سپلائر ٹھیکیدار خدمات انجام دیئے۔ لنڈی ارباب منک راؤ میں اپنے ہاں حفظ و تجوید کے مدرسہ کے منتظم اعلیٰ رہے۔ افسوس ہے کہ اپنے خاندانی چپقلش کے نتیجے میں موضع جھگڑا چمکنی میں شہید ہوئے۔ یہ بات تو ثابت ہے کہ مولانا محمد اشرف صاحبؒ نے اُن کو خلافت سے نوازا تھا۔ باقی اُن کے مولانا صاحبؒ سے روحانی تعلق اور بیعت کے بارے میں معلومات فراہم نہ ہوسکیں۔

محمد قاسم (پیر حقانی) خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

پیر حقانی نریاب ضلع ہنگو کوہاٹ کے رہنے والے تھے۔ چونکہ ایک ٹانگ سے معذور تھے۔ اس لئے بیساکھی کے سہارے چلا کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے گڈ پیر کے نام سے مشہور تھے۔ تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق تھا۔ شاید شاہ عبدالعزیز دُعاجوؒ فرمایا کرتے تھے، کہ گڈ پیر سے مطلب انگریزی کا Good ہے۔ آپ اوائل ایام میں مولانا صاحبؒ

کے ہاں تشریف لاکر دوچار دِن کے بعد واپس چلے جاتے۔ خاموش طبیعت کے مالک تھے۔ کسی سے زیادہ شناسائی نہیں تھی۔ مولانا صاحبؒ کی زندگی میں ہی وفات پاگئے۔

عبدالرحمٰن فقیر خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

عبدالرحمٰن ہمارے دادا پیر اور حضرت اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے بڑے بیٹے ہیں۔ جن کی پیدائش علاقہ خویزئی مہمند ایجنسی میں ہوئی۔ بچپن وہیں گذرا۔ جب تک مہمند ایجنسی میں رہے۔ عسرت و تنگدستی کے حالات میں وقت گذارا۔ جس کا ذکر وہ خود بھی کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔ میٹرک کرنے کے بعد اسلامیہ کالج، پشاور میں داخلہ لیا۔ لیکن تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ اپنے گھریلو اور علاقائی وجوہات کی بناء پر اپنا وطن چھوڑ کر پشاور شہر میں کرایہ کے مکان میں سکونت اختیار کی، چونکہ ارباب فرید صاحب مہمند ایجنسی میں پولیٹیکل ایجنٹ رہ چکے تھے اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے بیعت تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے ہاں لنڈی ارباب میں حضرت صاحب کو مکان بنانے کے لئے اپنی زمین پیش کی، جو حضرت صاحب نے قیمتاً خرید کر وہاں مکان بنایا۔ جہاں ابھی تک حضرت کا خاندان مقیم ہے۔ حضرت صاحب کے یہاں منتقل ہونے کے بعد یہ جگہ مرجع خلائق بن گئی۔ اکناف واطراف کے لوگ آنے لگے، اور فتوحات کے ایسے دروازے کُھلے چونکہ حضرت تھانویؒ کے آخری خلفاء میں سے رہ گئے تھے۔ اس لئے تمام پاکستان بلکہ ہندوستان سے بھی مہمانوں کی آمد جاری رہی، اور حضرت صاحب مہمانوں کی مہمانداری میں حد درجہ سخاوت و فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے۔

ان کی اس سخاوت وفیاضی کو دیکھ کر ایک دفعہ مولانا محمد اشرف صاحب نے فرمایا کہ اس سخاوت وفیاضی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظر اپنے جیب پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر ہوتی ہے۔

بڑا بیٹا ہونے کے ناطے عبدالرحمٰن سارے معاملات و انتظامات کو چلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست بھی دی تھی کہ کسی مہمان کی کیسی مہمانی کرنی ہے۔ اس لئے حضرت صاحب عبدالرحمٰن کے دین و دنیا دونوں کے لئے ہر ہر موقع پر ڈھیر ساری دُعائیں کیا کرتے تھے۔ دُنیا کے لئے دعاؤں کی قبولیت کا مشاہدہ تو ہم نے دنیا ہی میں کر لیا، کہ عبدالرحمٰن خود کہتا ہے کہ اگر مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتا ہے۔ اُن کا کاروبار پشاور سے لے کر کراچی اور سعودی عرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی دے اور دین و آخرت کے لئے دعاؤں کو بھی قبولیت بخش دے۔ بیچ میں جو ناشگوار واقعات پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کے سارے خاندان کو اُس کے بُرے اثرات سے محفوظ رکھے اور حضرت کے مدرسہ وخانقاہ کو آباد رکھے۔ آمین

عبدالرحمٰن کا حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ خصوصی تعلق رہا۔ بہت سارے امور میں مولانا صاحبؒ اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور بعض اہم امور بھی اُن کے حوالے کیا کرتے تھے۔ مسجد درویش کی تعمیر کے سلسلہ میں اول سے اخر تک شریک کار رہے۔ دارالعلوم امدادیہ کے بنانے اور افزائش میں مولانا صاحبؒ کے زیر نگرانی خدمات انجام دیں۔ یہاں تک کہ حضرت مولا نا صاحبؒ نے اپنی زندگی میں عبدالرحمٰن کو دارالعلوم امدادیہ کا مہتمم بنایا، جو مولانا صاحبؒ کی وفات اور اس کے بعد تک چلتا رہا۔ مولانا صاحبؒ کے آسائش و

ضروریات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ 1995ء میں خصوصی پیکج پر دو معاونوں کے ہمراہ حج پر بھجوایا۔

حکومتی سطح پر وسیع تعلقات رکھتے ہیں۔ قبائلی علاقہ جات سے سینٹ کے ممبر رہے، اکثر وزیروں اور مشیروں کے ساتھ ذاتی تعلقات ہیں۔ قبائلی تنازعات ومعاملات میں اب بھی حکومتی سطح پر ثالثی کا کردار ادا کرتے ہیں۔

پروفیسر محمد سراج سواتی صاحب خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

بندہ مسمی محمد سراج ولد شیر علی خان ولد محمد علی خان کا آبائی علاقہ کوٹہ ضلع سوات ہے۔ نسلاً ہمارا تعلق افغان قبیلہ یوسفزئی کی شاخ موسیٰ خیل کے ذیلی شاخ برہ خان خیل سے ہے جو تحصیل بریکوٹ میں آباد ہے۔ والد صاحب نے دینی تعلیم مختلف علماء کے زیر نگرانی حاصل کی۔ 1938ء میں آپ نے اپنا گاؤں چھوڑ کر سخاکوٹ، ملاکنڈ ایجنسی میں سکونت اختیار کی۔ یہاں پر پیر گل بادشاہ صاحب موضع خانگڑھئی (سخاکوٹ) سے تعلق جوڑ کر جمعیۃ العلماء میں شامل ہوئے اور علاقہ سمرانیزئی کے ناظم بنے اور اس کی ایک تاریخی کتاب مرتب کی۔ جمعیت سے تعلق رکھنے پر آپ دو مرتبہ جیل گئے۔ پہلی دفعہ 1948ء کو گرفتاری ہوئی اور ایک سال کا عرصہ گذار کر 1949ء میں رہائی ملی۔ دوسری دفعہ 14 مارچ 1977ء کو گرفتاری عمل میں آئی اور تقریباً دو ماہ جیل میں رہ کر 13 مئی 1977ء کو رہا ہوئے۔ بندہ کی پیدائش 19 رجب 1358ھ بمطابق 4 ستمبر 1939ء کو ہوئی۔ سات سال کی عمر میں بندہ کی والدہ یکم

جنوری 1946ء بمطابق 6 محرم 1365ھ کو بقضائے الٰہی فوت ہوئیں۔

میری مروجہ دُنیوی تعلیم کی ابتداء 1949ء میں سوات کے نویکلی (علاقہ کوٹہ) سے ہوئی وہاں سے ماموں مسمی غلام محمود خان دولت خیل کے گھر میں رہ کر 1955ء میں چھٹی جماعت پاس کرکے والدین کے پاس رہائش اختیار کی۔ دو سال اسلامیہ مڈل سکول خانگڑئی میں گذار کر 1957ء میں مڈل کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کرکے سکول میں فرسٹ پوزیشن رہی۔ میٹرک کے امتحان میں سکول درگئی (ملاکنڈ ایجنسی) میں سیکنڈ رہا۔ جبکہ سکول کا فسٹ آنے والا محمد زمان صوبہ بھر میں سیکنڈ پوزیشن پر تھا۔ 1959ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا، اور 1964ء میں بی ایس سی ہانرز ایگریکلچر کی ڈگری سیکنڈ ڈویژن میں حاصل کی اور اسی سال یعنی 1964ء میں ایم ایس سی پلانٹ بریڈنگ میں داخلہ لیا۔ جبکہ ایم ایس سی کی ڈگری 1970ء میں فرسٹ ڈویژن کے ساتھ ملی۔ دسمبر 1981ء میں زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد میں داخلہ لیا، اور وہاں سے 1990ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری انتہائی اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ ستمبر 1974ء میں فرنچ زبان میں ڈپلومہ لیا اور 1981ء میں عربی پریویس کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ جبکہ عربی فائنل کے امتحان کا موقع فیصل آباد یونیورسٹی میں داخلہ کی وجہ سے نہیں مل سکا۔

17 اکتوبر 1967ء کو مولانا صاحب کی دعاؤں کوششوں اور دوستوں کی مہربانی سے زرعی کالج پشاور یونیورسٹی میں ڈیمانسٹریٹر کی آسامی پر پلانٹ بریڈنگ میں تقرری ہوئی۔ جولائی 1970ء میں لیکچرار اور 1979ء میں اسسٹنٹ پروفیسر بنا۔ یکم جنوری 1989ء کو ایسوسی ایٹ پروفیسر اور مئی 1990ء کو پروفیسر کی آسامیاں ملیں۔

دو دفعہ اپنے شعبہ کا چیئر مین بنا اور دوسری دفعہ چیئر مین کے ساتھ ڈائریکٹر ایڈوانس سٹڈیز کا عہدہ بھی سنبھالنا پڑا اور یونیورسٹی سے ملحقہ طلباء و طالبات کے دو سکولوں کی نگرانی بھی سُپرد رہی۔ اپریل 2004ء میں سبکدوش ہوکر پروفیسر کالونی میں اپنے نئے گھر میں سکونت اختیار کی۔ اور ابھی تک اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے مجمع میں بخیر وسلامت موجود ہوں۔ دُعاہے کہ اللہ خیر وعافیت سے رکھے اور ایمان کے ساتھ حسن خاتمہ نصیب فرمائے اور اپنی رضائے خاص سے اپنے فضل وکرم سے نوازے۔ آمین

15 رمضان 1380ھ بمطابق 3 مارچ 1961ء کی ڈائری کے مطابق مولانا صاحبؒ کا بیان سننے کا اتفاق ہوا اور 29 مارچ 1961ء کو مولانا صاحبؒ کے ساتھ رائے ونڈ کے اجتماع میں جانے کا شرف نصیب ہوا۔ یکم جون 1961ء کو مولانا صاحبؒ کی معیّت میں گنج علی خان مسجد جانا ہوا اور پھر وہاں سے چلہ کے ارادہ سے آپ کے ساتھ محمد شفیع قریشیؒ کی حویلی میں جبکہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ بھی وہیں مقیم تھے۔ دو تین دن گذار کر آپ سے رخصت ہوکر چلّہ کاٹنا پڑا۔ 2 مئی 1962ء کو حضرت الشیخ مولانا محمد اشرفؒ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت ملی۔ 21 اگست 1962ء کو ارشد صاحب پشاوری (انجینئر) کی تقریر کے چیدہ چیدہ نکات نوٹ کئے اور ساتھ مولانا صاحبؒ کے بیانات کے لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اسی طرح 3 ستمبر 1962ء کو پہلی بار بیان لکھنے کا موقع ملا۔ جس کا سلسلہ 1965ء تک باقاعدگی سے چلتا رہا، پھر ناغے شروع ہوئے۔ بعد میں شیر حسن صاحب جو فسٹ ائیر سے میرے کلاس فیلو رہے اور پھر پیر بھائی اور پڑوسی رہے اس کارِ خیر کو انتہائی استقامت سے چلاتے رہے۔ اور جس کام کی ابتداء ضُعف سے ہوئی تھی اس کو قوت ملی۔ مولانا صاحبؒ کے بیانات کی کچھ جلدیں تو

چھپ گئیں لیکن اب بھی بہت کچھ رہتا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی سوانح عمری اور مکتوبات کے ساتھ یہ سلسلہ بھی رواں دواں رہے۔ آمین

بیعت کے بعد کمترین کو صحبت کے مواقع میسر آتے رہے۔ لیکن اپنی کم قسمتی اور کم ظرفی کہئے کہ باوجود قرب ظاہری کے اور مولانا صاحبؒ کی محبت، اور التفات کے میں وہ نہ بن سکا جو آپ بنانا چاہتے تھے۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اور میری حالت وہی رہی کہ بقول کسے

ع ڈوبے ہم آب خضر میں اور نیم جان رہے

نووارد قریب و بعید سے، تھوڑے اور زیادہ وقت کے لئے آتے رہے اور آپ کے دریائے فیض سے سیر اب ہوتے رہے، اور میں تشنہ لب ساحل کے ساتھ ساتھ اپنی ناکامی کا رونا روتا رہا۔

نہ گویم کہ برآب قادر نیند
کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

گناہوں کے بوجھ تلے یہ بے قدرا حضرت کی قدر دانیوں کو دیکھتا رہا۔ اور آپ کے چشمہ فیض سے اثرات کو محسوس بھی کرتا رہا۔ اور وقتی طور پر مستفید ہوتا رہا۔ لیکن جسے استقامت اور دوام کی دولت کہتے ہیں۔ اُس سے حضرت الشیخؒ کے کرم نوازی کے باوجود کوسوں دور رہا، اور اس شعر کا مصداق بنا رہا۔

ہم تو مائل بکرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

بندہ کا حال بھی عجیب تھا، کہ نہ تعلق کو چھوڑ سکتا تھا، اور نہ اپنی خودداری کو توڑ

سکتا تھا۔ نہ ہجران کی تاب تھی اور نہ وصل کی قوت۔ بس بین بین رہا۔ ایک بات ضرور رہی کہ سنگ فساں بن کر بہت ساروں کے دھار کو تیز سے تیز تر کرتا رہا، لیکن خود وہی پتھر کا پتھر۔ گویا چکنا گھڑے والا معاملہ رہا کہ انجذاب کی قوت بہت کم یا برائے نام رہی، میرا سلوک زیادہ ترفنی اور شوق علمی رہا، اور وہ بھی برائے نام اور بقول کسے بجائے آدمی کتاب کی طرف کشش زیادہ رہی جبکہ ہونا یہ چاہیئے تھا۔

کتاب دیکھ چکے اب ذرا ادھر دیکھو

لیکن اس دوران بھی اس بے قدرے کی قدر دانوں کی کمی نہ رہی اور ہر ایک اپنی بساط کے مطابق اس خالی کشکول میں اپنا حصّہ ڈالتا رہا۔ کسی نے دینی علم کی افزائش کا طریقہ سنبھالا، جن میں بڑے نام، والد محترم شیر علی خان، پیر گلباد شاہ صاحب، ناظم عمر زمان صاحب، حضرت الشیخ مولانا صاحب، مولانا عبد القدوس صاحب، مولانا محمد اسلام اجملی صاحب، مولانا عبد الشکور صاحب، مولانا سید سعید اللہ شاہ صاحب، مولانا عبّاد الرحمان صاحب، کے آتے ہیں، تو کسی نے اس بے علم کو عملی تحریک پر ڈالا، اور اسے مجبور کیا، کہ اپنی بے بضاعتی کے ہوتے ہوئے کلام اللہ کا درس دے۔ یہ سلسلہ سالوں تک چلتا رہا، اور اس کے اول اور آخری محرک محترم میر حاتم صاحب رہے۔ گو بعض دوسرے لوگ بھی اُن کے حامی ہو کر شرکت کا باعث بنے۔ اسی طرح دو دفعہ ہاسٹل کی رہائش کے زمانے میں ترجمہ قرآن اختتام تک پہنچایا اور ایوب ہاسٹل (ہاسٹل نمبر6) کے کمرہ نمبر 151 سے لیکر ہاسٹل نمبر 7 کے "Prayer Hall" تک چلتا رہا۔ پھر ایک وقفہ ضروری کے بعد مسجد وسطیٰ میں سرفراز مروت صاحب، لائبریرین اور دوسرے حضرات کی تحریک پر وہاں یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اور آخری بار پروفیسر

کالونی (پرائیویٹ) میں ختم قرآن پر مستقلاً اپنے ضعف بدنی اور علمی کی وجہ سے یہ سلسلہ اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور دوسروں کی ہدایت کا سبب بنائے اور میری کم مائیگی کو کسی کی خطاکاری کا ذریعہ نہ بننے دے۔ آمین

دوران درس بندہ کو بہت ساری اُردو اور عربی تفاسیر کی ورق گردانی کرنی پڑی اور بقدر استطاعت ان سے بعض اقتباسات لیکر حسب ضرورت لکھنے کی جرأت بھی کی، جو بندہ کے قرآنی مطالعہ کے ثمرہ کی شکل میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے باقیات صالحہ میں شمار کرے۔ آمین

نیز قرآنی آیات کا مختلف موضوعات پر انتخاب پراگندہ صورت میں فائلوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ حضرت الشیخ مولانا صاحب سے تعلق کے بعد کچھ نہ کچھ تبلیغ سے بھی واسطہ رہا۔ اور اس کے اجتماعات، اور مقامی کام میں ابتداء میں کچھ سرگرمی دکھائی، اور پھر باسی کڑی کا یہ ابال زوال پذیر ہوا۔ جس میں خود اپنی کمزوری کے ساتھ کچھ بیرونی عوامل بھی شامل ہوئے، اور اس طریقہ انبیائی کام کا جو تقاضا تھا وہ بھی اپنا دم خم کھو گیا، گو اس کی حقانیّت اور ضرورت اپنے عقیدہ کا ایک جزو لاینفک بنا ہوا ہے۔

درمیان میں کبھی کبھار ڈاکٹر فدا محمد صاحب کی غیر موجودگی میں مدینہ مسجد میں خطابت کے مواقع ملتے رہے، پھر مسجد فردوس سے بھی دو چار دفعہ تقاضا ہوا، لیکن ہر کام بغیر ہمت کے کب ہو سکتا ہے۔ یہ سلسلہ بھی آخر چُھٹ ہی گیا۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق ‎ ‎ ‎ باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

مولانا صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد اندرون ملک مختلف بزرگوں کی زیارت کے مواقع میسّر رہے، جن میں حضرت شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ (ہمارے دادا

پیر)، مولانا علامہ محمد یوسف بنوریؒ، مفتی محمد شفیعؒ، ڈاکٹر عبدالحیؒ، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ امیر تبلیغ، حضرت مفتی زین العابدینؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق حقانیؒ، مولانا عُزیر گل صاحب اسیر مالٹاؒ اور خاص طور پر حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ اور بہت سارے اور اکابر جیسے مولانا قاری طیب صاحبؒ اور مولانا خیر محمد صاحبؒ ملتان والے شامل ہیں۔ آخری دو حضرات کا چوک یادگار میں تقریر سننے کا موقع ملا۔ بزرگوں کی صحبت واقعی مشک کی دوکان کی ہوتی ہے، کہ مشک نہ ملے تو خوشبو تو ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ان صالحین کے فیض اور برکات سے اس عاجز کو مع سارے متعلقین کے مالامال فرمائے۔ آمین

خاندانی زندگی

اپنے والد صاحب کا بڑا فرزند ہونے کے ناطے اور والد صاحب کی ضعیف العمری اور امراض کی وجہ سے خاندان کی ذمہ داری اس عاجز کے سر پر آگئی۔ جس میں بہنوں کی شادی اور بھائیوں کی تعلیم اور مناسب گھر کی آبادی اور زمین کا سنبھالنا چند اہم امور تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان سب امور کو بحسن خوبی انجام تک پہنچایا۔ سوات میں زمین کا تبادلہ کر کے مناسب رہائش گاہ بالکل برلب سڑک بنائی، کھیتوں میں پھلدار درخت لگانے سے زمین کی آمدنی بڑھ گئی۔ بہنوں کو اللہ تعالیٰ نے مناسب رشتوں کے ساتھ اپنے گھر بسانے کا بندوبست کیا اور بھائیوں کو یہاں لا کر اُن کے لئے مناسب حصول تعلیم کے مناسب مواقع فراہم کیے، اور ہر ایک بقدر ظرف فیض یاب ہوا۔

1974ء میں میر حاتم صاحب کے اطلاع اور مشورے سے مولانا صاحبؒ کا کوارٹر کرایہ پر لیا، اور خاندان کے اکثر افراد کو یہاں لے آیا، 1975ء میں شادی کی جس میں مولانا صاحبؒ نے شرکت کر کے نکاح خوانی کے فرائض انجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے فضل اور مہربانی سے چار بچیوں اور تین بیٹوں سے نوازا۔ بیٹیوں میں سے ایک عابدہ چودہ سال کی عمر میں وفات پاگئی اور باقیوں کی شادی بحسن وخوبی سرانجام پاکر اپنے گھروں کی مالک بن گئیں۔ بڑا بیٹا محمد امین الیکٹریکل انجینئرنگ کرکے سعودی عرب میں موبائیل کمپنی میں منیجر کے عہدے پر فائض ہے اور دو بچوں کا باپ ہے۔ دوسرا یعنی منجھلا محمد اسماعیل فوج میں میجر کا عہدہ سنبھالے ہوئے ہیں اور تیسرا محمد صادق کمپیوٹر سسٹم کے بھول بھلیوں میں مصروف عمل ہیں۔ محمد اسماعیل کی شادی بھی 12 ستمبر 2018ء کو انجام پاکر محمد امین کے ہم زلف بنے۔ اللہ تعالیٰ سب کو خیر کے ساتھ سلامت رکھے۔ آمین

مولانا صاحبؒ کے زیر سایہ رہ کر اس نخل ثمر بار سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن جو کچھ ملا وہ بھی بسا غنیمت ہے اس کے علاوہ آپ کے پانچ خلفاء خلیل احمد، میر حاتم، شیر حسن، ڈاکٹر فدا محمد اور عبد القدوس صاحبان کے مختلف اوقات میں پڑوسی بننے کا شرف ملا، ہماری طرف سے اُن کو اگر کچھ تکلیف پہنچی ہو دانستہ یا نادانستہ۔ سب سے معافی کا طلب گار ہوں۔ اپنا تو حال یہ ہے۔

تیری بندہ پروری سے میرے دن گذر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

وقت گذرتا گیا، اور کمترین مولانا صاحبؒ کی آخری بیماری کے دوران آپ کے در دولت پر آپ کے روبرو بیٹھا ہوا تھا، کہ آپ نے اپنے نحیف آواز سے یوں ہدایت فرمائی کہ ان دنوں آیا کرو۔ خیال تو شاید یہی تھا کہ اِس دوران سرکاری دعوت نامہ پر Maize Travelling Seminar پر جانا پڑا، واپسی ہوئی تو آپ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کئے ہوئے تھے، اور جنازہ کے بجائے مزار پر حاضری ہوئی۔

ع بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

کیا بتاؤں وہ نگاہیں کیونکر رگ جان ہو گئیں

ع دل میں نشتر بن کے ڈوبیں اور پنہاں ہو گئیں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مجاہدات کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو آپ کے محبوب خاص کا قرب خاص عطا فرمائیں اور آپ کے جملہ پسماندگان اور پوری اُمت مسلمہ کی دستگیری فرمائے۔

ع این دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

نسب وسکونت

بندہ مسمی محمد سراج سواتی کا آبائی علاقہ ضلع سوات ہے۔ نسلاً ہمارا تعلق افغان قبیلہ یوسفزئی کے شاخ موسیٰ خیل کے ذیلی شاخ بَرہ خانخیل سے ہے۔ والد صاحب شیر علی خان ولد محمد علی خان گاؤں نوے کلے (کوٹہ) تحصیل بریکوٹ کے باسی تھے۔ والد صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے اساتذہ سے شروع کی۔ فارسی میں دسترس حاصل تھی، اُن کے اساتذہ میں قابل ذکر مولانا حضرت سعید صاحب (کوٹہ-سوات) تلمیذ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، پیر گلباد شاہ صاحب (سخاکوٹ-ملاکنڈ ایجنسی)، تلمیذ مولانا عبد المالک صاحب (ٹکر علاقہ تخت بھائی) فاضل دیوبند اور مولانا سید گلباد شاہ مردان (طورو) ہوئے۔ دادا جان کا خیال ان کو دیوبند بھیجنے کا تھا، لیکن ابھی آپ کی عمر صرف تیرہ سال کی تھی کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور یہ خواب ادھورا رہ گیا۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

ملاکنڈ سے صوبیدار میجر کے عہدے پر فائز، بختہ (تھانہ- ملاکنڈ ایجنسی) کے اصلی باشندے سید فقیر باچا کی تحریک پر والد صاحب نے اپنا گاؤں چھوڑ کر 10 جولائی 1938ء کو فقیر آباد (سخاکوٹ)، ملاکنڈ ایجنسی میں سکونت اختیار کی۔ یہاں پر 19 رجب 1358ھ بمطابق 4 ستمبر 1939ء کو بندہ کی ولادت ہوئی۔ 19 صفر 1363ھ مطابق 14 فروری 1944ء کو میری تعلیم کی ابتدا ہوئی اور خود والد صاحب استاد بنے۔ بعد میں میرا داخلہ 17 جمادی الاول 1365ھ مطابق 19 اپریل 1946ء کو مہر دی (درگئی) کے اسلامی مدرسہ میں عمل میں آیا۔ 26 محرم 1365ھ مطابق یکم جنوری 1946ء کو والدہ کی وفات ہوئی اور میں اکیلے والد صاحب کے ساتھ رہنے لگا۔ 11 مارچ 1948ء کو جمیعۃ العلماء سے تعلق کی وجہ سے والد صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اور نتیجتاً مجھے سوات (کوٹہ) جاکر اپنے ماموں غلام محمود خان دولت خیل کے زیر کفالت رہنا پڑا۔ ایک سال جیل میں گذار کر والد صاحب کی رہائی ہوئی اور اسی سال یعنی 1949ء کو ہمارے گاؤں میں پرائمری سکول کی داغ بیل ڈالی گئی۔ جس میں مجھے پہلی جماعت میں داخلہ ملا، اور سکول کی تعمیر مکمل ہونے تک شہتوت کے ایک بڑے درخت کا سایہ ہمارا مدرسہ بنا۔ 1955ء میں یہاں سے چھٹی جماعت پاس کر کے مجھے ماموں صاحب کے گھر سے والد صاحب کے پاس سخاکوٹ منتقل ہونا پڑا۔ اور مڈل کا امتحان اسلامیہ مڈل سکول خانگڑئی (سخاکوٹ) سے فرسٹ ڈویژن میں اعلیٰ نمبروں سے پاس کر کے 1957ء میں ہائی سکول درگئی میں داخلہ لیا۔ خانگڑئی کے دوسالہ قیام کے دوران مجھے عصری تعلیم کے ساتھ فارسی کے گلستان، بوستان، عربی کے ابتدائی کتب، میزان الصرف، ابواب

الصرف، مُنیۃ المصلی، کنز، اور قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور اسی طرح مذہبی تعلیمات کا دروازہ کُھلا۔ لیکن اس کے ساتھ شومئ قسمت سے یہاں کے جمیعت کا تعلق بعض خاص وجوہ سے دیوبندی حضرات کے بجائے لاہور کے بریلوی حضرات سے ہوا۔ اور اسی دوران مجھے ان کے رسائل، اخبارات اور کتب کا خوب پڑھنے کا موقع ملا، بعد میں جمیعت تو اپنی ڈگر پر آئی، لیکن میری ذہنی ساخت کافی متأثر ہوئی۔

حضرت مولانا صاحبؒ سے تعارف اور تبلیغ

درگئی سکول میں دو سال گذار کر 1959ء میں میٹرک اعلیٰ نمبروں سے پاس کر کے سکول میں سیکنڈ رہا، جبکہ فرسٹ آنے والا محمد زمان پورے صوبہ میں سیکنڈ رہا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہم سے ایک سال پہلے اس سکول کا فرسٹ آنے والا طالب علم مسمی حفیظ الرحمان حافظ قرآن اور طوطاکان (بٹ خیلہ) کے ساکن تھے، اس نے اسلامیہ کالج میں انجینئرنگ میں داخلہ لیا اور غالباً ایف ایس سی میں فرسٹ آئے اور مولانا صاحبؒ کے ہاں رمضان میں شبینہ سنانے والے حفاظ میں سبقت کا درجہ رکھتے تھے۔ بعد میں اور حفاظ کے ساتھ ڈاکٹر صوفی حافظ حسین علی شاہ صاحب کا نام لیا جاسکتا ہے۔ جون 1959ء میں اسلامیہ کالج میں فرسٹ ائیر ایگریکلچر میں داخلہ لیا۔ یہاں ایک نئی دُنیا تھی اور لائبریری سے ہر قسم کی کتابیں لیکر رات دن ایک کر کے شوقِ مطالعہ پورا کرتا رہا اور ہر قسم کی رُطب ویابس پڑھنے لگا، صحیح طور پر تو یاد نہیں کہ مولانا صاحبؒ سے میری شناسائی کب اور کیسے ہوئی، لیکن ڈائری میں 15 رمضان 1380ھ بروز جمعہ بمطابق 3 مارچ 1961ء کو یہ روئداد ملتی ہے۔ سحری کھائی اور تقریباً چھ بجنے والے تھے کہ مسجد گئے۔ نماز پڑھی اور مولانا محمد اشرفؒ نے نہایت دلکش وعظ فرمایا گویا یہ حضرت

مولاناؒ کے بیان سننے کا پہلا موقع تھا، جس نے دل پر نقش بٹھادیا اور بقولِ حضرت سید سلیمان ندویؒ یہ نقشِ اولین کچھ ایسا تھا کہ

اُدھر کہتا گیا وہ اوراِدھر آتا گیا دل میں[82]
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

اس کے بعد 10 شوال 1380ھ مطابق 28 مارچ 1961ء بروز منگل بعد از نماز عصر مولانا صاحبؒ کا اسلامیہ کالج کی مسجد میں معمول کا بیان تھا۔ اُس میں شرکت ہوئی اور رائے ونڈ کے اجتماع پر حاضری کے لئے نام لکھوایا، بظاہر اتنے تھوڑے وقت میں اتنا بڑا فیصلہ کرنا خصوصاً میری محتاط طبیعت کے لئے ایک عجیب کرشمہ ہے اور حضرت مولانا صاحبؒ کی صداقت کی واضح دلیل۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھینچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

29 مارچ 1961ء کو عشاء کی نماز پڑھ کر مولانا صاحبؒ کی معیت میں خیبر میل سے لاہور روانہ ہوئے، ڈبے میں کافی بھیڑ تھی، میں نے اُٹھ کر کسی سواری کو ازراہ ہمدردی اپنے سیٹ پر بٹھانا چاہا، لیکن مولانا صاحبؒ نے منع کیا، مطلب یہ تھا کہ سفر لمبا ہے اور پھر کھڑے رہ رہ کر اپنے کئے پر پچھتاؤ گے۔ اس لئے میں نے بھی آپ کے جذبہء خیر خواہی کو شرف قبولیت بخش کر اپنی سیٹھ سنبھالی۔ صبح لاہور پہنچے اور پھر وہاں سے

---

82 مولانا صاحبؒ کے بیان کی تاثیر کا بھی ایک عجیب لطیفہ ہے کہ ہمارے ایک دوست جہانگیر خان دیروی کو اگر کوئی بیان کر کے وقت کا مطالبہ کرتے تو وہ فوراً جواب دیتے کہ ہم نے مولانا محمد اشرفؒ کے بیان سننے پر وقت نہیں دیا، تو آپ کے بیان پر کیسے دیں۔

رائے ونڈ کا راستہ لیا مغرب کی نماز کے بعد مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے ڈھائی گھنٹے تک بیان کو جاری رکھا، رات کا کھانا کھا کر سو گئے۔ اگلے دن جمعہ کی نماز کے بعد پھر مولانا محمد یوسفؒ نے کوئی ڈھائی گھنٹہ کی تقریر کی، چائے پی لی اور بیان سننے کے بعد اپنی جگہ پر آ کر سو گیا، جب اُٹھا تو اپنے ارد گرد بڑا مجمع پایا، اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو چارپائی پر کھڑے ہو کر سرحد والوں کو بیان دیتے ہوئے سُنا۔ گلا بیٹھا ہوا تھا، اور کئی آدمی آپ کے الفاظ کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ شام کو پھر مولانا محمد یوسفؒ کی تقریر تھی۔

اس زمانے میں میں نہ تو تبلیغی سلسلے سے واقف تھا اور نہ اُن کے افراد سے اچھا گمان تھا، لیکن مولانا صاحبؒ کی کرامت تھی کہ یہاں کھینچ لائے۔ اس سال تقریباً چار ہزار سے زیادہ کا مجمع تھا، چھوٹے بڑے زمین پر دریاں بچھائے ہوئے کسی خاص فکر میں مگن تھے، اور ان کے ساتھ یہ بے فکرا بھی کبھی بیان سنتا اور کبھی یوں ہی چکر لگا لیتا، اکثر اوقات بیان اتنا لمبا ہوتا کہ مجھے نیند آ جاتی اور سو جاتا، رخصتی کے وقت آپ جماعتوں کو جو ہدایات دے رہے تھے۔ اُن میں سے بعض باتوں کو نوٹ کیا، جو علیحدہ تقاریر کی صورت میں پیش کی جائینگی، انشاء اللہ لیکن اُن میں سے بعض باتوں کو یہاں استفادے کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔

”بغیر دل کے پھرنے کے اعمال صالح نہیں رہتے، اور دل کا پھیرنا کوشش اور محنت کے بعد خشوع اور خضوع سے دُعا مانگنے سے ہوتا ہے۔ مسجد میں آنے کی تعداد بڑھاؤ اور اُن سب کو بُھلاؤ جو کہ تم چھوڑ کر آئے ہو۔ اپنا جُزیہ بدل ڈالو اور اوروں کو کلیات پر لاؤ۔ دوسرے کو بڑا اپنے کو چھوٹا سمجھ تو بڑے بن جاؤ گے“۔

2 اپریل 1961ء کو اجتماع سے واپسی ہوئی۔ ریل گاڑی میں ایک آدمی سے

جھگڑا کی صورت پیدا ہوئی، لیکن معاملہ رفع دفع ہوا اور پھر باتیں کرتے کرتے سفر کے دوران مولانا صاحبؒ نے بیان شروع کیا جو نہایت بااثر ثابت ہوا۔ نوشہرہ میں مغرب کی نماز ادا کی عشاء کے وقت تقریباً ساڑھے نو بجے جمرود والی بس میں بیٹھ کر کالج پہنچے۔

بندہ کو اسلامیہ کالج کی مسجد میں مولانا صاحبؒ کے بیانات سننے کی سعادت نصیب ہوتی رہی، جو ہفتے میں ایک دن اور اکثر منگل کو بعد از نماز مغرب ہوا کرتی تھیں۔ ان میں مولانا صاحبؒ اپنے گھر میں آنے کی دعوت بھی دیتے اور وہ بھی اس انداز سے "ہمارا گھر عثمانیہ ہاسٹل کے نزدیک سڑک پر واقع ہے۔ مکان نمبر 10 ہے مشہور نمبر ہے۔ اس لئے اگر ہو سکے تو وہاں آیا کرو"۔ چنانچہ وہاں بھی آنا جانا رہا۔ گھر پر مولانا صاحبؒ کی مجلس بعد از نماز عصر تا مغرب اور عشاء تک جاری رہتی اور مختلف موضوعات زیر بحث آجاتے۔ ابتدائی دور میں فتح محمد مرحوم (جو بعد میں اسلامیہ کالجیٹ سکول کے استاد رہے) اور الطاف (جو ہمارے ساتھ محمد حسین خان کے ٹیوٹوریل گروپ میں شامل تھے، اسلامیہ کالج میں طلباء کے صدر رہے اور پھر CSS کرکے ڈاکخانہ جات چلے گئے) کے ساتھ کچھ دنوں تک مولانا صاحبؒ سے ترجمہ قرآن مجید پڑھا جو بعد میں چُھوٹ گیا، مولانا صاحبؒ کے گھر کے پاس کچھ فالتو زمین تھی، اُس میں شلغم اور آلو بھی کاشت کئے، اور دوسرے چھوٹے موٹے کاموں میں لگا رہتا، خصوصاً کتابوں کے خریدنے اور اُن کی بائنڈنگ کے کام میں شہر وغیرہ کے چکر لگے رہتے، اور آپ کے ساتھ شب جمعہ وغیرہ کے لئے وقت نکالنا پڑتا۔ گھر پر مہمانوں کے لئے چائے وغیرہ کی خدمت کا بھی موقع ملتا، ایک دفعہ جبکہ میں مکان نمبر A-17 کی چار دیواری کے اندر زمین داری کے کام میں مشغول تھا، کہ مولانا صاحبؒ گھر کی طرف سے وارد ہوئے اور

مُسکرا کر گویا ہوئے:

ہر ضربِ تیشہ لذتِ کیف وصالِ دوست
فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

16 مئی 1961ء بروز منگل ہمارا سیکنڈ ائیر کا امتحان ختم ہوا، مولانا صاحبؒ کے پوچھنے پر بتایا کہ کیمسٹری کا پرچہ اچھا نہیں ہوا، آپ نے فرمایا "ایسا مت کہو، خدا اچھا کرے"۔ چنانچہ اللہ کا فضل اور آپ کی کرامت اور دعا کہئیے کہ باوجود میری مکمل نااُمیدی کے اللہ تعالیٰ نے کامیاب کیا، اور کامیابی کی نوید بھی آپ نے سُنائی۔

تبلیغ میں پہلا چِلّہ

یکم جون 1961ء بروز جمعرات مطابق 16 ذی الحجہ 1380ھ کو سخاکوٹ سے روانہ ہو کر نماز عصر مولانا صاحبؒ کے ساتھ پڑھی اور پھر وہاں سے آپ کی معیت میں مسجد گنج علی خان روانہ ہوئے، اور انجینئر ارشد صاحب پشاوری کے بیان میں شامل ہوئے۔ ارشد صاحبؒ ان مبارک ہستیوں میں شامل ہیں، جو سب سے پہلے پشاور سے جماعت کی شکل میں حضرت مولانا الیاسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور 10 اپریل سے 14 اپریل 1944ء تک قیام بستی نظام الدین میں رہا۔ یہ جماعت پانچ افراد یعنی ارشد صاحب، مولانا احسان اللہ صاحب ندوی (مردان والے، جن کا مولانا صاحبؒ کے پاس آنا رہتا تھا اور اس طرح ہمیں بھی زیارت کا موقع فراہم ہو جاتا) مستری عبدالقدوس صاحب اور دو بچوں پر مشتمل تھی۔ جب جماعت حضرت سے رخصت ہونے لگی، تو بچے ساتھ نہ تھے، فرمایا، بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟ عذر پیش کرنے پر

فرمایا: بھئی تم خود بچوں کو سمجھانے سے قاصر ہو، اور قصور کو محمول کرتے ہو، بچوں کی ناسمجھی پر، بچوں کے لئے کسی چیز کا سمجھنا ضروری نہیں ہے، ان کے کان میں ڈالنا، انہیں دکھانا اور احساس دلانا اصل چیز ہے۔ اگر یہ نہیں تو بچے کے کان میں اذان کا کیا مطلب ہے ؟(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ص: 117-123) بہرحال میں (بارادۂ چلہ) اور میرے کلاس فیلو محمد زمان (دس دِن) مولانا صاحبؒ کی معیت میں پنڈی جاکر محمد شفیع قریشی صاحب کی حویلی میں ٹھہرے۔ مولانا صاحبؒ انتہائی خاموشی سے دبے پاؤں اندر داخل ہوئے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ یہاں پر حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ بہت سارے تبلیغی اکابرین کے ساتھ شاید بیماری کی وجہ سے آرام فرماتھے۔ تبلیغی بزرگوں میں حاجی میاں عبداللہ صاحب میواتیؒ (رائے ونڈ کے مرکز کے لئے ابتدائی طور پر زمین کے وقف کرنے والے) اور حضرت مولانا احمد جان مروتؒ بھی تھے، جوکہ امامت کے ساتھ خدمت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے (جس کا ذکر ان کے حالات میں مذکور ہے)۔

قریشی صاحب میزبانی کے فرائض بڑے پُر تکلف انداز میں بجالاتے تھے۔ تبلیغی سرگرمیاں، تعلیم، دعوت اور باوجود بیماری کے حضرت جیؒ کے بیانات بھی ہوا کرتے تھے، لیکن مجھ جیسے ناسمجھ کو اُس کی قدر کہاں؟ ایک صاحب نے بنگال جانے کا تقاضا کیا تو میں بول اُٹھا کہ میں نے اتنا وقت دیا ہے، اس کو جہاں بھی گذارنا ہو آپ لوگوں کی مرضی لیکن اتنی رقم موجود نہیں کہ بنگال جاسکوں۔

یہاں کے قیام کے دوران میں بخاری کی اُردو شرح (فیوض البخاریؒ جو مولانا ابوالبرکات بریلوی کی تصنیف ہے) ایک درخت کے سایہ کے نیچے پڑھ رہا تھا کہ مولانا صاحبؒ کی

متجسس طبیعت نے یہاں کا رُخ کیا، اور کتاب کا معائنہ کیا، لیکن کچھ کہا نہیں۔ بندہ کی نارسا طبیعت ان فرشتہ صفت جماعت کی صحبت کی قدر سے قاصر تھی، اس لئے بنی اسرائیل کی طرح مولانا صاحبؒ سے یوں گویا ہوا کہ ہم یہاں پلاؤ کھانے نہیں آئے بلکہ تبلیغ پر بھیج دیا جائے۔ حالانکہ مولانا صاحبؒ کا ارادہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم ان لوگوں کی صحبت میں رہ کر اُن سے فیض یاب ہوں۔

ہم ہی نادان تھے سمجھتے ہی نہ تھے
ناصحان پاک طینت لاکھ سمجھاتے رہے

آخر ہمارے تقاضے سے مجبور ہو کر مولانا صاحبؒ نے ایک جماعت کے ساتھ بھیجنے کا انتظام کیا، لیکن ازراہ لطف وعنایت کسی سے کہہ کہلوا کر حضرت جیؒ سے مصافحہ کی ترتیب کروادی۔ جب میں مصافحہ کے لئے گیا تو حضرت جیؒ تکیہ لگائے ہوئے شمال کی طرف پاؤں پھیلائے لیٹے تھے، بندہ نے اپنی کم علمی کے سبب شمال کو قبلہ حقیقی کا درجہ دے کر دل ہی میں اس پر اعتراض کا مرتکب ہوا، خیر حضرت جیؒ کے انگشت ہاتھ کو لگے تو اتنا کرنٹ اندر چلا گیا کہ دو تین دن اپنے رونے پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس ابتدائی دور میں کراچی کے ایک متعلم نوجوان شاید شمیم نام کے بھی کچھ دن ساتھ رہے، جن کی ادائگی بیان، عادات اور اطوار کا بندہ شیدائی رہا اور جب وہ چند دن ساتھ گذار کر چلنے لگے، تو گویا دل کا ایک حصہ بھی ساتھ لے گیا۔

برما کہ بگذ رد ببر دتیشہ ہائے دل
من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم

ابھی ان کا جانا تھا، کہ محمد زمان صاحب جس سے طبیعت سکول کے زمانے سے

مانوس تھی، اس کے وعدے کے دس دن پورے ہوئے اور وہ بھی رختِ سفر باندھنے لگا، اب میرے لئے تنہائی کے دن شروع ہوئے جن کے گذارنے کے لئے سوائے عزم راسخ کے اور کوئی نسخہ کارگر نہ رہا، اور بقول کسے ؟

راہ محبت پہ ہم تنہا پہنچے کوئی تمنّا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر ایک ایک ساتھی چھوٹ گیا

خیر وقت گذرتا رہا، اور نرم و گرم ہر قسم کے حالات و اشخاص سے پالا پڑا۔ میں سوات کا اور علاقہ پنجاب کا، اور ماہ جون جولائی کا، ساتھیوں میں کبھی میوات جیسے جفاکش امیر جن کو سختی سختی نظر نہ آئے اور ایسی حالت میں کوچ کا حکم دیں کہ سورج سر پر اور بستر کمر پر، مسجد اکثر اجاڑ اور نمازی نایاب اور صفائی کی حالت ابتر۔ بہر حال دن گذرتے رہے کہ ایک دفعہ ہماری تشکیل تلونڈی کو ہوئی۔ جہاں اہل حدیث کی مسجد میں ہمارا قیام رہا۔ لوگ خوش اخلاق لیکن مسلکاً مخالف اور ہم اس کوچہ سے ناواقف۔ چنانچہ جب ہم نماز کے انتظار میں بیٹھے تو ہر طرف سناٹا تھا، لیکن جوں ہی نماز کی نیت باندھی تو گویا سب کے گلوں میں کانٹے چُبھے اور لگے زور زور سے کھنکارنے گویا یہ کوئی واجب کی ادائیگی تھی، اور وہ سماں باندھی جو میرے جیسے دیہاتی ماحول والے کو سخت ناگوار گذری۔ نتیجتاً میں نے نماز کی نیت توڑ کر مسجد کے ہال کے اندر جاکر رونا شروع کیا کہ یہ کس آفت میں گرفتار ہوئے۔ ساتھیوں نے ہمت بندھائی اور ہم لگے پھر چکر لگانے کہ اتنے میں قصور کے پاس ایک بریلوی مسجد میں جانا پڑا جو کہ پہلے تو چھوڑتے نہ تھے نہ جانے ہم نے کس طرح سینگ سمائے۔ لیکن جب ہمارا کوئی عمل ہوتا، تو وہ گھٹلیاں چادر پر ڈال کر اُن پر کلمہ پڑھوانے میں لگا لیتے، بہر حال اِن دنوں میں ہم نے بہت کچھ سیکھا

اور ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا، سختی بھی سہی اور آرام بھی پایا، مجاہدوں کو بھی دیکھا اور اپنا بھرم بھی کُھلا، یہاں تک کہ قرأت میں اپنی اغلاط ایک عام نوجوان کے ذریعہ معلوم ہوئیں، اور اصلاح کی گنجائش نکل آئی، اور تخت بھائی (مردان) کے ایک امیر بالکل اُمیؔ کو دیکھا، جو کہ وقت بڑھانے اور خرچہ نکالنے کے لئے گائے وغیرہ بیچنے کے لئے تاکیدی خط لکھوا رہے تھے، ہندوستان کے بارڈر کے بالکل قریب ایک گاؤں ہلّہ میں وقت گذارنا پڑا، وقت تو خیر ایک چلّہ تھا، لیکن سرکش طبیعت کو خوب رگڑا پڑا۔ اور اپنا نام چلّہ والوں میں شامل ہوا۔

گل اُس نگاہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

3 جولائی 1961ء کو جب رائے ونڈ کے مرکز میں واپسی ہوئی، تو حضرت الشیخ مولانا صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، ایک اُن کی زیارت اور ایک اُن کی برکت، دُعا اور کرامت کہ مکمل طور پر پاس ہونے کی نوید سنائی اور بتا گئے کہ میں کیمسٹری میں بھی پاس ہو چکا ہوں۔ جس کو میں خالصتاً اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور آپ کی دُعاؤں کی برکت سمجھتا ہوں۔ نیز مولانا صاحبؒ کا اتنا خیال کہ ہر ایک عزیز کی چھوٹی بڑی غمی اور خوشی میں شراکت آپ کے ہی اخلاق فاضلہ کے لئے سزاوار ہے، یہ سب اُن کی نگاہ کرم تھی ورنہ ہم جیسوں کو کون خاطر میں لاتا۔

ع اے آمدنت باعث خوشنودئ ما
ان کے کرم کے ہم نثار اُن کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

دا مان نگہ تنگ و گل حُسن تو بیسار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

چلّہ کے ایّام پورے ہوئے اور 10 جولائی 1961ء کو ریل گاڑی میں ایسے سوار ہوئے کہ ہم بستر کے ساتھ ڈبہ میں گھسنے کی کوشش کرتے رہے اور ڈبہ والے ہمیں باہر دھکیلتے رہے۔ آخر اتنی کامیابی ہوئی کہ ڈبہ کے اندر گئے، لیکن بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی، میرے ایک تنومند ساتھی کو سیٹ پر بیٹھنے کا موقع ملا، لیکن مجھے تو شاید نوشہرہ تک کھڑا رہنا پڑا، یہ ہے ہمارے عوام کا حال اور اس پر حکومت کو خسارہ، گرمی کی وجہ سے سارا چمڑا اُتر رہا تھا، لیکن اِن سب مشکلات کے باوجود کبھی کبھی مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ بھی اُبھر آتا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے زُمرے میں شامل فرمائے۔

ہر وقت خوش کہ دست دھد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

اِس چلّہ کے بعد بندہ کو مقامی تبلیغ کے مختلف مشاغل یعنی گشت، سہ روزہ اور اجتماعات میں جڑنے کے مواقع کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا صاحبؒ کی مجلس میں عصر کی حاضری اور شب جمعہ کا جانا ہوتا رہا، 1965ء میں ایک بار پھر چلّہ کے لئے نکلا، شام کی تاریکی میں جب رائے ونڈ پہنچے تو ایک عالم جو مرکز میں تبلیغ کے مستقل حضرات میں تھے، نے دیکھتے ہی پہچانا، اس پر حیرت ہوئی، کہ یہاں تو روزانہ سینکڑوں نئے لوگ آتے رہتے ہیں، تو چار سال کے وقفہ کے بعد آنے والے کو کیسے پہچان گئے۔ اسی چلّہ میں شاہ عبد الرحیم مروت اور غالباً مولوی محمد یوسف ہزاروی کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا موقع ملا۔ یہاں پختون خواہ سر بند (علاقہ پشاور) میں 1965ء کے اجتماع میں مفتی زین العابدینؒ

کی تشریف آوری ہوئی۔ مفتی صاحبؒ نے اپنے گفتگو میں امھات المؤمنین اور حضرت فاطمۃ الزہرہؓ وغیرہ کے نکاح، مہر اور شادی پر اخراجات کا ذکر کر کے سوال کیا، کہ آسان ہے یا مشکل؟ تو مجمع پُکار اُٹھا۔ ''آسان ہے''۔ پھر سوال کیا؟ کہ ''کر سکو گے'' تو جواب ''نہیں'' میں پا کر فرمایا۔ جب آسان ہے تو مشکل کیوں بن جاتا ہے؟ یہی کہ رسم ورواج آڑے آجاتی ہے، چارسدہ کے اجتماع میں مولانا شمس الحق افغانیؒ کا سورۃ العصر پر عجیب انداز میں بیان ہوا، جس کے نوٹس نہ لینے کی ابھی تک حسرت ہے۔ اس طرح شاہ عبدالرحیم مروت صاحب کی دعوت پر اس کے بچے کی شادی کی تقریب میں 1995ء میں لکی مروت گئے وہاں مولانا احمد جان صاحبؒ نے تبلیغ کے بارے میں آیات واحادیث کی روشنی میں ایسی مدلّل گفتگو کی کہ یہی افسوس رہا کہ کاش نوٹ کر لیتا۔ 18 جولائی 1990ء میں کالوخان (صوابی) میں اجتماع ہوا۔ بعد میں کالج کے اساتذہ کے ایک جوڑ اور رائے ونڈ کے ایک اجتماع میں جانے کا موقع ملا، تو معلوم ہوا، کہ لوگوں کا ایک سمندر اکٹھا ہوا ہے اور جماعتوں میں نکلنے والوں کی تعداد شاید 1961ء میں اجتماع میں شرکت والوں سے زیادہ ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کام کو اتنا پھیلا دیا کہ اب اجتماعات کا انعقاد اور کنٹرول کرنا مشکل پڑ گیا۔ واقعی اخلاص کی بڑی برکت ہے۔

اجتماع سے واپسی پر ہم یونیورسٹی کی بس سے مغرب کی نماز کے لئے اُترے، ساتھیوں نے جلدی جلدی نماز پڑھی اور بس میں آگے بیٹھ گئے، لیکن ایک ساتھی ڈائریکٹر سپورٹس (بیگ صاحب) خوب آرام کے ساتھ اوابین کی ادائیگی میں لگے رہے اور یہ تصور تک نہیں کیا، کہ اُس کی وجہ سے لوگوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔

ٹل کا اجتماع

17 مارچ 1965ء کو بندہ ٹل کے اجتماع میں مع اپنے ساتھیوں کے جن میں

میر حاتم، قاضی محمد حنیف، محمد پذیر اور دوسرے احباب شامل تھے روانہ ہوئے، راستہ میں معلوم ہوا کہ سائیکل کالج کے سٹینڈ میں چھوڑ آیا ہوں، چنانچہ راستہ میں شاید کوہاٹ سے ہاسٹل کو فون کیا، لیکن فون اُٹھانے والا اتنا سادہ تھا کہ بات سُنتا ہی نہ تھا، ادھر سے آپ ہلو کہتے اور اُدھر سے بھی برابر "Hello" کا جواب آتا۔ آخر معاملہ توکّل پر چھوڑ کے آگے بڑھے ان دنوں میں حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ تشریف لائے ہوئے تھے، آپ نے صبح دوپہر شام کو خوب لمبے بیان فرمائے اور مغرب کے بعد تھوڑا سا وقت مولانا مفتی زین العابدینؒ کو دیا گیا۔ بیانات مسلسل تھے لیکن روانی ایسی تھی کہ گویا آپ خوب آرام فرما کر تازہ دم بول رہے ہیں، اور اس کے ساتھ آپ نے نماز اور اَوراد اور دوسری ضروریات کے لئے بھی وقت دینا تھا، یہاں بندہ کے مشاہدہ میں ایک بات آئی کہ ظہر کا وقت تھا، اور لوگ سنتیں پڑھ رہے تھے، مسجد کا فرش مٹی کا تھا اور اُس پر ٹاٹیں بچھی ہوئی تھیں، لیکن ایک جگہ بالکل خالی جہاں کوئی کھڑا ہونا نہیں چاہتا تھا، چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو اُس جگہ پر کھڑے ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کی اور اس کا خیال ہی نہیں کیا کہ نیچے کچھ ہے یا نہیں۔

میں پنڈی میں بھی ساتھ رہا، وہاں پر عشاء کی نماز کے وقت پر دیری کی ایک شخص نے شکایت کی تو آپ نے بغیر کسی رکاوٹ کے دوران تقریر جواب دیا۔ "اگر سمجھو تو یہی نماز ہے" دوران تقریر آپ نے پانی مانگا، اور مٹی کے لوٹے میں پانی لایا گیا اور آپ نے خوب غٹ غٹ کے پیا۔ بعد میں جب پنڈی سے پشاور واپس آیا تو 2 اپریل 1965ء کو لاہور کے بلال پارک میں آپ کے انتقال پُر ملال کی خبر پہنچی تو میں نے جنازہ میں پہنچنے کی کوشش کی، لیکن آپ کو ہندوستان لے جایا گیا، اور آپ کی آخری تقریر کو لوگ دہرا رہے تھے۔ ٹل والے بیانات کو میں نے حسب توفیق لکھ لیا تھا، اس کو برکت اللہ (تبلیغ والے)

نے بھی مطالعہ کے لئے مانگا، اور پھر مولانا صاحبؒ نے اپنے مقالہ میں اس کا تقاضا کیا۔

حضرت جی کی تقریر کی روانی، تازگی، تاثیر حاضرین کے قلب و ذہن کو بالکل گھیرے رکھتی، اور عمل کے لئے برابر اکساتی رہتی۔ لیکن بہر حال بندہ بندہ ہوتا ہے اور اللہ کے حکم کا تابع اُس نے چاہا تو اپنے پاس بلایا اور بظاہر کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ بقول کسے

ع خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

چِلّہ کے بعد کا حال

ایک دفعہ اسلامیہ کالج میں مولانا صاحبؒ بیان فرمارہے تھے کہ میں وضو کے لئے اُٹھا، تو آپ نے آواز دی، میں نے وضو کا عذر کیا، تو مسکراتے ہوئے فرمایا: آپ کا وضو سب سے پہلے ٹوٹ جاتا ہے، اس سے ایک گونہ اپنائیت اور آزادی کا پتہ چلتا ہے۔

آپ سے تم، تم سے تو ہونے لگی

مارچ 1962ء جب ہماری کلاس پروفیسر ڈاکٹر سید کمال (مرحوم) کی قیادت میں لاہور کے "Horse and Cattle show" میں شرکت کی غرض سے گئی تھی، تو مولانا صاحبؒ سے آسٹریلیا مسجد میں اتفاقی ملاقات ہوئی، 16 شوال 1381ھ مطابق 23 مارچ 1961ء بروز جمعہ کو آپ کے گھر پر ختم قرآن مجید میں شرکت ہوئی، جس سے پتہ لگتا ہے کہ مولانا صاحبؒ کے ہاں اس وقت سے جمعہ کے دن ختم قرآن مجید کا سلسلہ چل پڑا تھا۔

مولانا صاحبؒ سے بیعت

ان ایّام میں مولانا صاحبؒ کی طرف انجذاب کی کیفیت پیدا ہوگئی، اور ایسی

حالت ہوئی کہ عصر کی مجلس کا انتظار رہتا، اور دلی کیفیت کچھ ایسی رہی، کہ آبادی سے نکل کر اسلامیہ کالج سے مغرب کی طرف نکل کر جہاں آبادی بالکل مفقود تھی، کئی نالے (خوڑ) پار کرکے رقت طاری ہو جاتی، اور اپنے چھوٹے بڑے گناہ سب اُبھر کر سامنے آجاتے، اور میں اپنے آپ کو گھنٹوں تک اس بے قراری کے عالم میں پاتا۔ نصابی مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا، اور میں کبھی مولانا رومؒ کی مثنوی کا شرح مفتاح العلوم مصنفہ محمد نذیر عرشی اور کبھی امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا ترجمہ (مذاق العارفین) پڑھتا رہتا، اور کبھی کیا اور کبھی کیا۔ یہ بے قراری بیعت کے بعد بھی ایک عرصہ تک جاری رہی۔ پھر ختم ہوئی۔

بے قراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ
اب وہ اگلی سی درازی شب ہجران میں نہیں

یکم مئی 1962ء بروز بدھ مولانا صاحبؒ کے مکان پر حاضری دی، اور بیعت کے موضوع پر نہایت جامع بحث ہوئی، اور مغرب کے نماز کے بعد انہوں نے فرمایا، کہ بعد میں، ''اُمور اختیاری'' اور ''غیر اختیاری'' کے بارے میں پوچھنا۔ چنانچہ جب لوگ چلے گئے تو میں پیچھے رہ گیا اور اس موضوع پر خوب اعلیٰ پیرائے میں بیان ہوا، اور نیز یہ بھی فرمایا کہ ''اگر تو بیعت ہونا ہی چاہتا ہے'' تو پھر کل صبح 10 بجے کے وقت آجانا۔ چنانچہ اگلے دن یعنی جمعرات کو مولانا صاحبؒ کے بابرکت ہاتھ میں ہاتھ دیکر جو حالت ہوگئی۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ میں مولانا صاحبؒ کے بیانات کافی دنوں سے سنتا رہا، تبلیغ میں تھوڑا بہت جڑتا بھی تھا، آپ کے ہاں آنا جانا بھی رہتا اور آپ کی طرف کشش بھی رہتی، لیکن یہ پتہ نہیں تھا، کہ آپ روحانی سلسلہ بھی چلاتے ہیں، جس کا انکشاف مجھے اپنے دوست ڈاکٹر حافظ حسین علی شاہ کی وساطت سے ہوا، نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ ڈاکٹر اجمل صاحب اُن سے بیعت ہیں۔

ان ہی دنوں میں ایک صاحب نے مولانا صاحبؒ کی مجلس میں سید و بابا اور پیر بابا پر الزامات لگانے شروع کئے۔ مولانا صاحبؒ تو ضبط کرتے رہے، لیکن مجھ سے رہا نہ گیا، اور اُس کو تُر کی بتُر کی جواب دینا شروع کیا، آپ نے نصیحتاً فرمایا، کہ بڑے ہیں لحاظ رکھیں۔ لیکن میں نے بھی منطقی بن کر عرض کیا کہ جن کے اوپر یہ الزامات لگاتے ہیں، وہ بھی تو اِس سے بڑے ہیں، چنانچہ اس پر وہ آدمی خاموش ہو گیا، اور مولانا صاحبؒ کے صبر کا پتہ لگا، کہ بڑا تو خیر بڑا اپنے ایک کمسن مرید کو بھی نہ ڈانٹا۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

شوقِ مطالعہ

مجاہدہ تو مجھ سے ہو نہ سکا، لیکن مطالعہ کی عادت والد صاحبؒ اور حضرت شیخؒ کی نہج پر گئی ہے، گو اس کے رُخ بدلتے رہتے ہیں، ان دنوں تصوف کی طرف میلان تھا، لائبریری گیا، مثنوی کے دس بارہ ورق پڑھنے کے بعد حکیم الامتؒ حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں "حقوق و فرائض" کو پڑھنا شروع کیا، بہت کام کی باتیں لکھی ہیں، فرماتے ہیں: "طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں"۔ "خوش ہوتے ہیں کہ بچہ طوطے کی طرح پڑھتا ہے، سو اطمینان رکھئے طوطا ہی رہے گا، انشاء اللہ آدمی نہیں ہو گا۔ آدمی ہوتا ہے علم سے اور علم صرف الفاظ کا نام نہیں ہے"، "غفلت کا انجام حسرت و ندامت ہے"۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور ملفوظات بڑی کام کی چیز ہے اور بقول حضرت سید سلیمان ندویؒ "ان میں حضرت تھانویؒ کا فیض بند ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا مقام عطا فرمایا تھا اور مجدد وقت کے مقام پر فائز تھے۔

تربیتی خطوط اور مولانا صاحبؒ کا برتاؤ

اپنے شیوخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خطوط کے بارے میں حضرت الشیخؒ فوری طور پر اور باقاعدگی سے جواب دیتے، اور اگر کبھی کسی خاص وجہ سے دیر ہو جاتی، تو عذر بھی کر جاتے، آپ کو اپنے متعلقین سے محبوبیت اور عشق کا درجہ حاصل تھا، دلسوزی کی انتہا تھی، کہ اگر اُن سے خط یا میل ملاپ میں تساہل ہو جاتا، تو آپ خود پہل کر کے بذریعہ خط (دور ہونے کی صورت میں) پوچھ لیتے، اور یا بہ نفس نفیس جا کر (قریب ہونے کی صورت میں) اُن کی حیرت اور استعجاب کا باعث بنتے۔ چنانچہ بندہ کی تساہل، غفلت اور بے پرواہی اور نادانی کئی بار آپ کی تکلیف کا باعث بنی، اور آپ نے خود تشریف لا کر اس بے سروسامان کی قدر افزائی کی۔

ع اے آمدنت باعث خوشنودئ ما
کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

میری طرف سے پہلا خط آپ کو 22 جولائی 1962ء مطابق 19 صفر 1382ھ کو گیا، جواب آپ نے 23 صفر، 1382ھ کو مرحمت فرمایا۔ میرے پاس آپ کے مکتوبات کا حجم جیسا کہ چاہیئے تھا، بڑا نہیں۔ لیکن اس میں ایک طرف اگر بندہ کی غفلت، کوتاہی، ناسمجھی اور ناقدری کو دخل ہے تو دوسری طرف آپ سے بالمشافہ گفتگو کے مواقع، کی فراہمی تھی، کیونکہ میری عمر کا اکثر حصہ یہاں پشاور یونیورسٹی کی کیمپس میں گذرا، جہاں آپ سے ملنا اور وقت لینا کوئی مشکل نہ تھا، بہر حال جو ہوا، اللہ تعالیٰ اسے خیر کے رُخ سے اپنی رضا کے لئے جانبین سے قبول فرمائے۔ آمین

مکاتبت میں آپ اسلامی کیلینڈر کا اتباع کرتے اور اپنے متعلقین اور متوسلین

کو اس کی پے روی کی دعوت دیتے۔ سہ ماہی المظاہر میں 1337ھ کو آپ نے ''اسلامی تقویم قمری کی اہمیت'' پر مقالہ بھی لکھا ہے۔ آپ کے مکتوبات نہایت پُر مغز، دلنشین، بامقصد اور تیر بدف نسخے ہوتے، آپ کی ذاتی خاکساری اور تواضع کی جھلک آپ کے خطوط میں بھی پائی جاتی تھی، اور فخر و مباہات سے انتہائی بعد رہتا، لیکن متوسلین کے تأدیب میں نہایت جری تھے، اور مدافعت سے احتیاط برتتے اور شریعت کے معاملہ میں ''لایخاف لومۃ لائم'' پر عمل کا ثبوت دیتے۔ اپنے مریدین اور متعلقین سے برابری کا برتاؤ کرتے اور بڑائی اور تعلّی کے اظہار سے کوسوں دور رہتے۔ جس کا نتیجہ مجھ جیسے کوڑھ مغزوں کی خرابی کا باعث بن جاتا۔

مہربانیہائے تو کرد مارا گستاخ

لیکن آپ بھی اپنے طریق پر قائم رہتے۔

وہ اپنی خو نہ بدلینگے تو ہم اپنی وضع کیوں بدل ڈالیں

غلطی پر تنبیہ کے ساتھ قنوطیت اور یاس کو آنے نہیں دیتے۔ اور غلطی کے ازالہ پر توبہ استغفار اور نئے عزم کا سبق دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی غفاری، رحمانی اور رحیمی شان پر آپ کی نظر رہتی اور ہر لغزش پر استقلال اور جرأت کا درس دیتے، غرض آپ شریعت اور طریقت کے پُل صراط پر انتہائی متوازن چال چلنے کے عادی تھے، اور اس سے سرمو انحراف کے خوگر نہ تھے، مجاہدہ آپ کی عادت اور مشقت کی برداشت آپ کی جبلّت اور طبیعّت بن چکی تھی، لیکن جہاں متوسلین کا حال تھا، تو عزائم الامور کی طرف بلاوے کے ساتھ ساتھ رخصت پر عمل کرنے پر چین بجبین نہ ہوتے، غرض آپ ''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ'' کی عملی تصویر تھے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن
ھزار نکتہء باریک تر زمواینجاست
نہ ھر کہ سر بتراشد قلندری داند
غلامِ ہمت آن رند عافیت سوزم
کہ درگدا صفتی کیمیا گری داند

بیانات کا لکھنا

3 ستمبر 1962ء سے بندہ نے مولانا صاحبؒ کے بیانات لکھنے شروع کئے، اس سے پہلے میری معلومات کے بقدر کسی نے یہ کام نہیں کیا، البتہ میرے بعد میرے کلاس فیلو، پڑوسی اور پیر بھائی جناب شیر حسن آف زروبی (صوابی) نے اس کارِ خیر کو بجالانے کا بیڑا اٹھایا اور اس سلسلہ میں بہت کچھ کر گُذرے۔ 6 ستمبر 1962ء کو مولانا صاحبؒ نے میرے لکھے ہوئے مواد کو دیکھ کر فرمایا کہ غلطیاں بہت ہیں لیکن بعض مواد اچھے بھی ہیں"۔ میں نے گستاخی کر کے جواب دیا۔ جناب اُردو ہماری مادری زبان تو ہے نہیں، اور نہ میری خواہش ہے کہ قصداً غلط لکھوں۔ اور پھر واعظ بن کر آپ کو آہستہ بولنے کی جرأت کی، آپ نے اخلاقِ عالیہ کا مظاہرہ کر کے بندہ کی سرزنش نہیں کی، اور دوسرے دن لکھائی کے متعلق کہا کہ "نوے (90) فیصد ٹھیک ہے، صرف کا، کے، کی غلطیاں رہ گئی ہیں"۔ جس پر میں نے عرض کیا کہ "اگر یہ بھی نہ ہوں، تو پھر میں پٹھان کیسے رہوں؟"۔

مولانا صاحبؒ کے بہنوئی کا حادثہ اور خاندانی زندگی

9 ستمبر 1962ء مطابق 19 ربیع الثانی 1382ھ بروز بدھ مولانا صاحبؒ کے

بہنوئی شوکت صاحب حادثہ کا شکار ہو کر وفات پا گئے اُن کے گھر والوں کو بھی زخم آئے۔ موصوف ریڈیو پاکستان پشاور کے ڈائریکٹر اور نوشہرہ کے رہنے والے تھے، آپ مع اہلیہ کے مولانا صاحبؒ کے پاس آرہے تھے، یہ بلّو کے والد صاحب تھے اور بلّو کی پیدائش ان کی وفات کے بعد ہوئی، اور آخر ماں بیٹی دونوں مولانا صاحبؒ کے ساتھ رہنے لگیں، یہاں تک کہ بہن کا آپ کے ہاں نومبر 1983ء میں انتقال ہوا، اور بیٹی کی شادی ہوئی، مولانا صاحبؒ کے ساتھ آپ کی والدہ اور چھوٹی بہن بھی سکونت پذیر تھیں، والدہ صاحبہ کا انتقال 15 نومبر 1981ء کو آپ کے گھر ایسی حالت میں ہوا جبکہ آپ حج پر گئے ہوئے تھے، اور چھوٹی بہن آپ کے گھر سے رخصت ہو کر مطلوب صاحب کی زوجیت میں آگئی۔ شوکت صاحب کے حادثہ فاجعہ کے پانچ دن بعد بروز پیر آپ نے ایک مختصر بیان فرمایا کہ "ابتلاء یا آزمائش اصلی چیز ہے اور اُن سے بچا نہیں جاسکتا، اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو لیتے ہیں تو وہ آزمائش، دیتے ہیں تو بھی آزمائش، لیکن وہ جو لیتے ہیں، دینے کے لئے لیتے ہیں، اپنے فائدے کی خاطر نہیں لیتے۔ اسی حادثہ کے غمرازی کے لئے مولانا صاحب کئی دفعہ نوشہرہ تشریف لے گئے اور دو دفعہ مجھے بھی جانا پڑا۔ اس سے قبل مولانا صاحب نے اسلامیہ کالج کے زوالوجی "Zoology" کے پروفیسر عزیز احمد کی وفات کے دن ایک بیان میں فرمایا: "انسان یہاں ہمیشہ کے لئے رہنے والا نہیں، ہمیں ماں کے پیٹ سے دھکا دیا گیا اور دنیا میں آئے اور یہاں بھی وقت مقررہ کے بعد دھکّا دیا جائے گا اور بس ختم"۔ موصوف غالباً قادیانی گروپ سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے فن میں خوب ماہر۔ چنانچہ میری خواہش رہی کہ اس کے کلاس میں بیٹھ کر اس کا لیکچر سنوں، لیکن ایسا موقع نہیں مل سکا۔

تبلیغ میں مولانا صاحب کے مجاہدات

15 اکتوبر 1962ء بروز پیر مولانا صاحبؒ کو ہاسٹل نمبر 2 میں بیان کرنا تھا،

غضنفر صاحب (جو اس وقت انجینئرنگ کے طالب علم تھے) نے ایک آدمی کو سائیکل دیکر آپ کو لینے بھیجا۔ لیکن وہ مولانا صاحبؒ کو لے جانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور مجھ جیسا اناڑی آپ کو سائیکل پر بٹھا کر چلنے کے لئے تیار ہوا، جب اُتارنے کا وقت آیا تو خود تو اُتر گیا اور مولانا صاحبؒ کو سنبھال نہ سکا، چنانچہ وہ زمین پر گر پڑے، واپسی پر پھر سائیکل تھام کے ڈرائیور بنا، مولانا صاحبؒ نے بار بار کہا، کہ بچ بچ کی آواز لگایا کرو، لیکن کہے کون؟ سامنے کالج کے نوجوانوں کا ایک گروہ اپنی باتوں میں مست افقی لائن میں سڑک پر پھیلا ہوا تھا، کہ اتنے میں ایک بس آئی اور انہوں نے اپنی لائن کو توڑ کر کناروں کا رُخ کیا، سائیکل بھی قریب پہنچ گئی، بچانے کے خاطر جو میں نے کنارے کا رُخ کیا، تو سائیکل قابو سے نکل گئی، اور جو دیکھا تو میں تو صحیح سالم اور مولانا صاحبؒ ایک جگہ پر پڑے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور وہ نوجوان آپ کو اُٹھانے میں مدد دے رہے ہیں ،جب میں قریب پہنچا تو فرمایا: ”کہ تجھ کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی“ یعنی جو بات مجھے پوچھنی تھی، وہ آپ نے پوچھی۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ کی ران پر چوٹ آئی ہے، اور یہی بتایا گیا جو کچھ اور تکلیف پہنچی ہوگی، وہ تو آپ کو ہی پتہ ہوگا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن کو ہم باتیں سمجھتے ہیں، اس کے پیچھے کتنا مجاہدہ پنہاں ہے۔ مگر عقل سلیم کہاں، جو اِن موتیوں کو چُن لے اور اپنی زندگی کے لئے سنگ میل اور راہ عمل بنائیں۔

قطرۂ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل
فطرتِ دیدۂ خونبار کہاں سے لاؤں
موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

22 ستمبر 1962ء کو مولانا صاحبؒ کو وائس چانسلر صاحب نے مصر کے ایک عالم عبدالفتاح صاحب کے آنے کی تقریب میں مدعو کیا تھا، اُس نے اسلامیہ کالج کی

لائبریری میں کافی وقت گذارا، وی سی کے ساتھ ظہرانہ ہوا۔ پھر گنج علی خان مسجد اور چارسدہ گئے اور وہاں سے اکوڑہ خٹک جانے کا ارادہ ہوا۔ 18 اکتوبر 1962ء کو عصر کے وقت اورنگزیب شنواری مولانا صاحبؒ کے پاس آئے۔ یہ سیکنڈ ائیر کے طالب علم تھے، ہمارے ساتھ ٹرائبل ہاسٹل میں رہ چکے تھے۔ تبلیغ میں جُڑتے تھے، پھر سبق چھوڑ گئے اور کاروبار میں لگ گئے۔ مولانا صاحبؒ کے ساتھ فریدی صاحب پروفیسر آف باٹنی کی کار میں شب جمعہ گئے، فریدی صاحب مولانا صاحبؒ کے پاس اکثر آتے مولانا صاحبؒ کو چھیڑتے اور مختلف موضوعات پر بحث کراتے[83]۔ بڑے مذاق والے تھے۔ مجھے امام الائمۃ کہتے اور وجہ یہ بتلاتے کہ مولانا صاحبؒ ہمارے امام ہیں اور یہ اُن کے۔ ابتدائی دور میں کافی عرصہ تک مجھ ناچیز کو مولانا صاحبؒ کے ہاں امامت کرانی پڑتی۔ بعد میں ڈاکٹر فدا صاحب نے مصلیٰ کو سنبھالا۔ خدا سب کو خیر کے ساتھ سلامت رکھے، اور دین کی خدمت سے بہرہ ور فرما کر اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین

25 اکتوبر 1962ء کو ہندوستان سے نسیم احمد فریدی صاحب (تبلیغ والے) تشریف لا رہے تھے، مولانا صاحبؒ مع اورنگزیب شنواری کے اُسے لینے گئے، اُس نے اسلامیہ کالج میں بیان کیا، بیان اچھا تھا، لیکن مجھے ذاتی طور پر وہ مزہ نہ آیا جو تاثیر مولانا

---

83 آخری وقت میں فریدی صاحب کو گلے کا اپریشن کرنا پڑا۔ جس نے اِس بلبل خوش گفتار کی زمزمہ سنجی پر قدغن لگا کر خاموشی پر مجبور کیا۔ ''وکان اللّٰہ علی کل شئی مقتدراO۔۔۔'' فریدی صاحب۔ ہم لوگوں سے بحث کرتے ہوئے ہم کو اپنے منطق کی رو سے گھٹیا پٹھان بناتے۔ اُن کا کہنا تھا کہ جو لوگ قوت والے تھے وہ تو حملہ آور ہو کر سیدھے دہلی وغیرہ پہنچتے اور جو کمزور قسم کے ہوتے، وہ راہ میں اِدھر اُدھر ہمت ہار کر اپنا بسیرا بنا لیتے۔ یوں وہ اپنے لئے ایک عالی مقام کے متلاشی رہتے۔ اور بابا فرید الدین گنج شکر سے نسبتی تعلق پر انہیں ایک ناز بھی رہتا۔

صاحبؒ کے بیان میں پاتا۔

2 نومبر 1962ء بروز جمعہ جناب بانی ریاست سوات میاں گل عبدالودود صاحب نے جامع مسجد ایگریکلچر کالج (فارسٹ کالج) کی بنیاد رکھی، مولانا صاحبؒ بھی اس تقریب میں شریک تھے، آپ نے واپسی پر ہمیں وہ مٹھائی بانٹ دی جو آپ کو وہاں ملی تھی۔

مولانا صاحبؒ کی فہمائش اور حاجی غضنفر صاحب

8 دسمبر 1962ء کو مولانا صاحبؒ نے کھانا کھلایا، دو قسم کے چاول پکائے تھے، اپنے حصہ سے جو کھایا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے حصہ سے کھاتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا، کہ جس پر آپ کا نام لکھا ہو، اُسے کیسے کھاؤں؟ بعد میں افسوس ہوا، کہ مولانا صاحبؒ کا حکم کیوں نہیں مانا۔

12 دسمبر 1962ء بروز بدھ شام کو مولانا صاحبؒ کے ہاں کھانا کھایا، غضنفر صاحب ساتھ تھے، دراصل ایک وسوسہ جو کہ دل میں پیدا ہوا تھا، کہ غضنفر صاحب کے ساتھ مولانا صاحبؒ کی محبت کیوں زیادہ ہے؟ سمجھانا چاہتے تھے، تو فرمایا کہ ''حضور ﷺ نے مصعبؓ کے ظاہر کو نہیں دیکھا، بلکہ جو کچھ اس کے اندر پر گذر رہا تھا، اس کو دیکھا۔ آپ اور کچھ کہنا چاہتے تھے، کہ میں نے کہا'' ہاں جی! سمجھ گیا''۔

غضنفر صاحب اس سال گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے مولانا صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ موصوف دل کے نرم مجاہدہ میں سخت اور خاموش طبیعت کے مالک ہیں، مولانا صاحبؒ کے حاضر باشوں اور مخلصوں میں ہیں۔ دل کی نرمی کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ بیعت کے چند ہی دنوں کے بعد کسی بات پر مجلس میں رو پڑے اور مولانا صاحبؒ کی ٹوپی حاصل کی، غرض وہ کام جو مجھ جیسے سخت دل برسوں میں نہ کر سکے۔ وہ غضنفر صاحب چند

ہی لمحوں میں کر گئے۔ آپ کا تعلق پنجاب سے ہے اُن کے والد صاحب کوئٹہ میں رہ چکے تھے، اور کوئٹہ کے مشہور زلزلہ میں متأثر بھی ہوئے۔ انہوں نے یہاں انجینئرنگ کالج میں داخلہ لیا، اور مولانا صاحبؒ سے تعلق جوڑا، پہلے یہ میری طرح بریلوی حضرات سے متأثر تھے، اور کسی شیخ سے سہروردیہ سلسلہ میں بیعت بھی کی تھی، ابھی اُن کی زندگی کی نئی شباب تھی۔ معصوم سا چہرہ اور نرم دل، لیکن لاہوریوں کی طرح نئی تہذیب سے متأثر اور کیمرہ وغیرہ کے دلدادہ۔ لیکن حضرت مولانا صاحبؒ سے تعلق جوڑ کر کچھ ایسے پلٹے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اُن کے ہو رہے۔ آپ کی شخصیت میں کشش تھی، اس لئے اپنے ساتھ بہت سارے ساتھیوں کو بھی مولانا صاحبؒ کے ساتھ جوڑ دیا۔ جیسے نسیم، خالد، افضل اور قربان (اسرار کی طرح مولانا صاحبؒ کے سائیکل ڈرائیور)۔ اس کے برعکس میں کتابی کیڑا، دل کا پراگندہ، گنوار لیکن ساتھ کچھ اپدیشک کہ خود تو کچھ کر نہ سکا لیکن بہت سارے لوگوں کو جن میں اکثریت ایگریکلچر والوں کی تھی، کو مولانا صاحبؒ کی طرف کھینچ لایا۔ اُن میں سے بعض بڑے کام کے نکلے۔ سو اس ناپختگی میں وسوسہ کا دل میں آنا، ایک فطری امر تھا، لیکن اللہ کا احسان رہا، کہ یہ وسوسہ وسوسہ تک رہا اور مولانا صاحبؒ کی صحبت کی برکت تھی، کہ کسی کی ایذا دہی تک نہ پہنچ سکا۔ فللّٰه الحمد علی ذلك

من ازان حُسنِ روزافزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بیرون آرد زلیخارا

یاران تیز گام نے منزل کو جالیا
ہم محو نالۂ جرس کاروان رہے

ہمت نہ ہار دے کوئی منزل کے سامنے
پروردگار یوں ہی کوئی ناتوان نہ ہو

کوہاٹ کا سہ روزہ

30 نومبر 1962ء کو مولانا صاحبؒ کے ساتھ کوہاٹ میں ایک سہ روزہ لگایا۔ ان دنوں کافی جوش وخروش تھا، اور کالج کے کافی لڑکے ساتھ رہے۔ بشیر قریشی صاحب (انجینئر) بھی ساتھ تھے۔ مولانا صاحبؒ کے چار بیانات ہوئے، پہلا بیان مسجد حاجی بہادر صاحب میں خطبہء جمعہ کے قبل ہوا، اور دو بیانات چشمہ مسجد (چینہ جماعت) میں ہوئے اور ایک بیان کوہاٹ کے کالج ہال میں رکھا گیا، مجموعی تاثر خصوصاً سہ روزہ لگانے والوں کا بڑا اچھا رہا۔ میرے لئے اس میں ایک نئی بات یہ تھی کہ اس میں قریشی صاحب کا بیان بھی سُنا، جو اس آیت کی تشریح بیان فرمارہے تھے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ○

(سورۃق: 50 آیت: 37)

ترجمہ: ”اس میں ہر صاحب دل کیلئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دِل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو“۔

قریشی صاحب پرانے تبلیغی اور انجینئر تھے، وہ طبیعت کے بڑے خاموش اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، وہ اپنے دوکان پر موٹروں کی مرمت کا کام کرتے تھے، اور اپنے اصولوں کے بڑے پکّے تھے۔ ٹھیک وقت پر حسب وعدہ کوشش کرکے گاہک کو اپنی چیز تسلّی کے ساتھ حوالہ کرتے۔ دوکان صدر میں تھی۔ مولانا صاحبؒ کے پاس آتے جاتے۔ پستہ قد ھلکا پھلکا بدن قراقُلی ٹوپی سر پر، مولانا صاحبؒ ان کے اصولوں اور تقویٰ سے متأثر اور آپ کی عزت کرتے تھے اور وہ بھی بڑے احترام سے پیش آتے۔ مجھے بھی ذاتی طور پر اُن کی شخصیت کا اندازہ ہوا اور قرآنی تأثیر کے لینے کے لئے کون سی شرائط ہیں، اُن کا پتہ لگا، اور یہ بات تو عملاً نہ سہی ذہناً دماغ میں مرتسم ہوئی، جس کا نظارہ

پچپن سال کے گذرنے پر بھی ذہن کے دریچہ میں تر و تازہ ہے۔ دُعا ہے کہ خدا مرحوم کو مغفور و مأجور بنا کر جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

سوشل ورک سرٹیفیکیٹ

19 اکتوبر 1962ء جمعہ کا مبارک دِن تھا۔ اور ہمارے صدرِ محترم اُن سماجی خدمات کے بدلے میں اسناد تقسیم کرنے آئے تھے، جو کہ پشاور یونیورسٹی کے طالب علموں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں سر انجام دی تھیں۔ نیز ایگریکلچر کالج کی رسم افتتاح بھی۔ اس تقریب میں ہماری وزیر تعلیم محترمہ محمودہ بیگم صاحبہ اور قانون ساز اسمبلی کی ممبر بیگم زری سر فراز صاحبہ بھی تشریف لاچکی تھیں۔ اس کے علاوہ صوبائی گورنر ملک امیر محمد خان، دوسرے بے شمار عہدہ داران اور عمائدین ملک و مشیر تشریف لاکر رونق بزم بنے ہوئے تھے، ہمارے مولانا صاحبؒ بھی تشریف لا چکے تھے۔ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد ساتھیوں نے کہا کہ تجھے بھی صدرِ پاکستان کی طرف سے سوشل ورک کی سرٹیفیکیٹ ملنا ہے اور وقت 3 بجکر 45 منٹ بعد از دوپہر بتایا گیا، میں تیار تو ہو گیا، لیکن وہاں گیا، تو پہلے وہ ٹکٹ جیب پر نہیں تھا، پوچھا، تو کہا کہ بس سوشل ورکر ہیں، اور پھر جوان کی نگاہ اِدھر ہو گئی تو اندر جا گھسا وہاں کرسی پر بیٹھا اور ٹکٹ بھی حاصل کیا، اب جنہوں نے ریہرسل کرائی تھی، تو وہ اُس قدر تھی کہ اُن کو اپنی کرسی معلوم تھی اور مجھے بھی معلوم ہوئی، لیکن جب انعامات تقسیم ہونے لگے تو نام ندارد۔ مجھے بہت خفت اُٹھانی پڑی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا، کہ مجھے بھی مل جائے گا لیکن اِس موقع پر نہیں۔

بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

مولانا صاحبؒ کی بیماری اور ارشد صاحب

21 اکتوبر 1962ء بروز اتوار عصر کے وقت مولانا صاحبؒ کے ہاں گیا، تھوڑی دیر ٹھہرا اور پھر اندر جانے کی اجازت مل گئی، اور عام طور پر آپ ملنے سے کبھی انکار نہیں کرتے تھے۔ لیکن بیماری کے دوران جب تکلیف بڑھنے لگی تو ساتھیوں کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ بعد از عصر تا مغرب کے اوقات لوگوں کی ملاقات کے لئے مخصوص کئے جائیں اور اس غرض سے ایک بورڈ بھی لگایا گیا۔ بورڈ تو موجود رہا، لیکن اس پر عمل مفقود۔ کبھی کبھار مولانا صاحبؒ کے خادم عزیز کشمیری (مرحوم) ڈنڈا اُٹھا کر، چیخ چلا کر لوگوں کو اٹھا دیتے لیکن حالت وہی اوروں کی تکلیف سے بے توجہی کی رہی گو کہ بزعم خود اسے کار ثواب سمجھتے رہے۔

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ مولانا صاحبؒ سخت بیمار ہوئے لیکن حاضرین کا جمگھٹا رہتا، اور بات چیت برابر چلتی رہتی۔ خصوصاً ڈاکٹر فریدی صاحب (باٹنی والے) کے سوالات کی بھرمار رہتی۔ ایک دن آپ پر غشی کی حالت طاری تھی۔ اور ہم آپ کے معالجین ڈاکٹر انور اور ڈاکٹر ظفر (جو ان دنوں ایم بی بی ایس فائنل کے سٹوڈنٹ تھے) کی طرف چلے۔ مولانا صاحبؒ بول بھی نہیں سکتے تھے کہ فریدی صاحب نے سوال کیا، آپ نے لیٹے لیٹے زبان کی لکنت کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کی، اور پھر جوشِ بیانی میں آکر آپ بیٹھ گئے اور مسلسل تقریر شروع کی۔ ڈاکٹر صاحبان نے آکر حیرانی کا اظہار کیا، تو آپ نے فرمایا کہ ”ان لوگوں سے پوچھئے کہ اب میری کیا حالت تھی“۔ آپ کی بیماری شدید تھی، لیکن چہرے سے اُس کے برعکس آثار صحت نمودار ہوتے، جس پر غالب کا شعر دہراتے۔

اُن کے آنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ایک بات اس حالت میں پائی جاتی تھی وہ آپ پر خوف کے بجائے رجا کا غلبہ تھا، موت کا ڈر اور وہاں کی باز پُرس عدم کے برابر تھے۔ اکثر مسکراتے اور فرماتے کہ کیا تو کچھ نہیں۔ لیکن اس کی رحمت سے اُمید ہے کہ بخشے جائیں گے، بقول اقبال حالتِ نزع میں مؤمن کی نشانی آپ پر ہویدا تھی، اور آپ ان کے اس شعر کے بین تصویر تھے۔

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم
چوں مرگ آید تبسّم برلب اوست

آپ کو تو جانے کی فکر تھی اور مجھ جیسے نئے اور جو شیلے مریدوں کو اپنی فکر پڑی تھی کہ اگر اِنہوں نے اتنا جلدی رختِ سفر باندھا تو ہمارا کیا ہو گا؟ اللہ بھلا کرے ارشد صاحب (چیف انجینئر) کا، کہ فرشتہ غیب بن کر وارد ہوئے۔ آپ کی حالت دیکھی اور شوقِ آخرت کی تمنّا۔ تو فرمایا، "اللہ سے صحت کی دُعا کیوں نہیں مانگتے۔ آپ سے اللہ تعالیٰ نے بہت کام لینا ہے"۔ وجہ ظاہر کچھ بھی ہو، ہماری ڈھارس بن گئی اور مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ صحت یاب ہو کر بعد میں عازمِ سفرِ حج ہو گئے۔ جو آپ کا پہلا حج تھا، جس میں طلباء اور شہری آپ کے ساتھ رہے، سوائے اِس نابکار کے جس کو ایک خاص تعلق کے باوجود آپ کی معیت میں ایک دفعہ بھی حج کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ اپنی ستاری اور غفاری شان سے ہر دوجہاں میں پردہ رکھے اور بخشش فرمائے اور اپنے خصوصی رحمانی اور رحیمی شان کے صدقے اپنی رضا سے نوازے۔ آمین ورنہ میں نے تو اپنی خرابی اور بگاڑ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

میں نے تو کچھ کمی نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

مولانا صاحبؒ کا پہلا حج اور غزل الغزلات

مولانا صاحبؒ نے 1963ء میں پہلا حج کیا، حج سے پہلے جانے کے لئے مذاکرات ہوتے رہے، میں بھی سنتا تھا اور جی کچھ نہ کچھ جانے کے لئے للچائے رہتا، لیکن مالی کمزوری آڑے آتی۔

وان جو جائیں گرہ میں مال کہاں

اگر ارادہ لکھتا، تو مولانا صاحبؒ قرض کا بھی بندوبست کرالیتے۔ لیکن مجھے اپنی حیثیت کا پتہ تھا، اور شاید وہاں سے بلاوا بھی اس وقت نصیب نہیں تھا، کہ آپ کی ہمرکابی کی سعادت حاصل ہو جاتی۔ یہ حج بحری راستہ سے تھا، اور آپ کے ساتھ چار طلباء حاجی غضنفر صاحب، حاجی محمد یوسف صاحب ہزاروی، حاجی احمد گل صاحب وزیر اور اُن کے چچازاد حاجی رسول منان صاحب، حاجی شفیق صاحب (نور سنز والے) اور حاجی عبدالواحد صاحب ((شہر والے) رفقائے سفر تھے۔ کراچی پہنچ کر آپ نے حضرت سید صاحبؒ کی غزلیں اور نعتیں بھیجنے کے لئے ایک رقعہ بھیج دیا، اور اپنے بڑے بھائی محمد اکرم صاحب، سکوارڈن لیڈر کا پتہ دیا۔ چنانچہ حضرت سید صاحبؒ کے کلام کا وہ حصہ جو ''غزل الغزلات'' کے نام سے موسوم ہے، آپ کو روانہ کیا گیا۔ اور آپ نے اس کی وصولی کا خط بھی 18 رمضان 1382ھ بمطابق 13 فروری 1963ء کو لکھ کر بندہ کے نام روانہ کیا۔ حضرت سید صاحب کا کلام ''ارمغان سلیمانی'' کے نام سے جناب غلام محمد صاحب نے چھاپا جس میں غزل الغزلات بھی شامل ہے۔ نیز اس کی افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو شاہراہ معرفت کی جلد 3 میں ایک حصہ کے طور پر رکھا گیا۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا صاحبؒ نے ''ارمغان سلیمانیؒ'' پر تین قسطوں میں اپنے

تاثرات بہ عنوان "ارمغان سلیمانی پر ایک نظر" میں بیان کئے ہیں جو قابل دید ہیں۔

مولانا صاحبؒ بخیر وعافیت 27 مئی 1963ء کو پشاور پہنچے۔ اس وقت آپ کو جو روحانی بلندی حاصل ہوئی وہ تو اللہ جانتے ہیں۔ لیکن بظاہر جسمانی قویٰ پر جو آثار نظر آئے اور مجھ جیسے ظاہر بینوں نے دیکھے وہ آپ کے ثقل سماعت میں کمی تھی کہ اب بغیر آلہ سماعت لگائے ایک عرصہ تک آپ باتوں کو سُن سکتے اور دوسری بات کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت پیدا ہوئی۔ اسے حج کی برکات کہئے یا مولانا صاحبؒ کی کرامات میں شمار کیجئے۔ مرضی آپ کی لیکن یہی ہمارا مشاہدہ رہا۔ بعد میں یہ دونوں کمزوریاں لوٹ آئیں۔ اسی سفر میں آپ کو مولانا عبد الغفور عباسیؒ مدنی سے بھی خصوصی فیض حاصل ہوا جن کا آپ بعد میں تذکرہ فرماتے رہتے۔

مولانا صاحبؒ اور کشف حال

چونکہ حج کا ذکر چل رہا ہے۔ اس لئے یہاں ایک اور بات کہنی ہے کہ مولانا صاحبؒ نے حج کے لئے یونیورسٹی سے کچھ رقم نکلوانے کے لئے بندہ کو "مین آفس (main office)" بھیجا۔ میں نے متعلقہ شخص سے پوچھ گچھ کی اور پھر اپنے "سوشل ورک" کے سرٹیفیکیٹ کے پوچھنے کا خیال آیا اور وہاں بھی گیا۔ تھوڑے سے وقفے میں یہ سب کچھ کرکے مولانا صاحبؒ کے پاس رقم کے بارے میں عرض گوش گذار کی۔ آپ نے بغیر کسی تمہید کے فرمایا اور "اپنے سوشل ورک کے سرٹیفیکیٹ کا بھی پوچھا"۔ میں نے بغیر سوچے جواب دیا، "نہیں"۔ اس واقعہ سے نہ صرف آپ کا صاحب کشف ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنی کم مائیگی اور آپ کے اخلاق عالی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے کشف پر اعتماد کرتے ہوئے میری تذلیل نہیں کی، اس سے ملتے جلتے کئی واقعات ہیں،

ایک واقعہ مہربان صاحب بنوسی کا بھی ہے کہ اُس نے شاہ ولی خان کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ مولانا صاحبؒ نے اُن باتوں کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ تو وہ جھٹ بولے آپ کو کس نے بتایا، آپ نے مذاق میں جواب دیا۔ "کوّے نے"۔ کوّے پر بات آئی تو مولانا صاحبؒ اکثر کہا کرتے تھے، کہ کوّا عقل والوں کا استاد ہے، اور ثبوت میں ہابیل و قابیل حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ پیش کرتے تھے۔ جس نے قاتل کو اپنے مردہ بھائی کی لاش کو دفنانے کا طریقہ بتلایا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

(المائدة: 5 آیت: 31)

ترجمہ: "اب خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کُریدنے لگا، تاکہ اُسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے"۔

حج کی برکات کے متعلق مولانا صاحبؒ اکثر کہا کرتے کہ اُن کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں آتا لیکن کوئی کہاں چھوڑتا ہے اور کوئی کہاں۔

اُن کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسے قابل ہوتا

کشف کے بارے میں مولانا صاحبؒ نے خود اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ سید صاحبؒ کے پاس اُن کے گھر گیا، حضرت سید صاحبؒ حسب دستور کتابوں میں مشغول تھے، اور بولنے پر بظاہر توجہ نہ دیتے۔ میں نے دل میں کہا کہ عجیب آدمی ہے کہ بات ہی نہیں کرتے، سید صاحبؒ نے کتاب رکھ کر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "لوگ کہتے ہیں تقریر کر اور اکبر کہتا ہے۔" "تاثیر دکھا تقریر نہ کر"۔

احذروھم، ھم جواسیس القلوب۔

مولانا عبدالغفور عباسیؒ کی زیارت اور اسباب غیب

دسمبر 1963ء کو ہم کالج کی طرف سے مطالعاتی دورہ پر روانہ ہوئے۔ اخبار میں پڑھا کہ مولانا عبدالغفور عباسیؒ مدنی پاکستان آئے ہیں۔ اُن کے ساتھ اپنے دوست صوفی ڈاکٹر حسین علی شاہ کی وساطت سے تعارف حاصل ہُوا تھا لیکن زیارت نہیں ہوئی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ ملاقات ہو جائے لیکن بظاہر معاملہ مشکل نظر آرہا تھا، کہ اُن کا اپنا پروگرام تھا اور ہم اپنے پروگرام میں بندھے ہوئے تھے۔ لیکن قدرت کا کرشمہ کہ عین اُس وقت جب ہم لاہور پہنچ کر نماز جمعہ کے لئے ایک قریبی مسجد جارہے تھے، تو معلوم ہوا کہ مولانا عبدالغفور صاحبؒ یہیں آرہے ہیں، چنانچہ انہوں نے جمعہ کی نماز سے قبل وعظ فرمایا اور بعد میں بیعت عامہ شروع ہوئی، اور پھر ہر ایک خواہش مند کے سینہ پر کچھ ہاتھ لگانے کا رسم بھی ادا کیا، جس میں بندہ بھی شریک ہوا، اور پھر ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جس ہوٹل میں ہمارا قیام تھا، اُسی ہوٹل میں اُن کی دعوت بھی کرائی گئی تھی، جہاں اُن کی دوبارہ زیارت ہوئی۔

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا صاحبؒ کے شیوخ

حیدر آباد پہنچنے پر مولانا صاحبؒ کے شیخ ثانی عبدالعزیز دُعاجو دہلویؒ سے ٹنڈو آدم جا کر ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کسی نسخہ کے اجزاء لکھوانے چاہے۔ میں نے لکھ کر پرچہ اپنے ہاتھ میں رکھا کہ تقاضا کرنے پر دے دونگا، کہ آپ نے رُعب دار آواز سے فرمایا۔ ''دیدونا''۔ واپسی پر آپ نے ''اللہ ہادی اور اللہ نور'' کے وظیفہ کی تلقین کی، اللہ

ہدایت پر مستقیم رکھے اور اپنے نورِ خاص سے نوازے۔ آمین

اسی سفر میں کراچی گئے اور حضرت مولانا صاحبؒ کے شیخ قیّم اور مربّی اول حضرت سید سلیمان ندویؒ کے مزار پر حاضری دی۔ ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی اسلامیہ کالج کے احاطہ میں آرام فرماہیں۔ کراچی میں حضرت بنوریؒ کے مدرسہ واقع نیوٹاؤن گئے اور تبلیغی مرکز کی مسجد میں بھی کچھ دیر ٹھہرے۔

شیر حسن صاحب کی رفاقت، تعلق اور داڑھی رکھنے کا مسئلہ

اسی سفر میں شیر حسن صاحب آف زروبی صوابی جو میرے کلاس فیلو بھی ہیں، سے رفاقت بڑھی، اور ان کے دل کو تصوف کی طرف راغب پاکر حضرت مولانا صاحبؒ کا پتہ دیا، جن کے ساتھ اُن کے تعلقات بڑھے اور اپنے مجاہدات اور صفائی قلب کی وجہ سے آپ کے خواص میں شامل ہوئے۔ بندہ کا یہ وطیرہ رہا کہ خود تو کچھ کر نہ سکا لیکن مرغ قفس کی طرح بہت ساروں کو جال میں پھنسایا، گویا میری مثال سنگ فساں کی رہی، کہ اوروں کو تو تیز کرتا رہا لیکن خود پتھر کا پتھر رہا۔

سوسائٹی کے عام افراد کی طرح شیر حسن صاحب کو بھی داڑھی کا رکھنا بڑا دشوار دکھائی دیتا تھا، مغربی تہذیب کا اثر ہے کہ اُس نے ہمارے لئے مذہبی شعائر کو ''ہوا'' بناکے رکھ دیا، اب ان بالوں کو بھی قدرت نے ہمارے لئے عجیب ابتلا کا سامان بنایا ہے، کہ ہم کو وہ سب کچھ بھلا لگتا ہے جو کہ شریعت کے خلاف ہو، خواہ وہ بالوں کا رکھنا ہو یا مونڈھنا، گھٹانا ہو یا بڑھانا، اور یورپ کی نقالی میں وہ سب کچھ کر گذرتے ہیں، جو اُن کی تصدیق شدہ ہو، خواہ اپنی شکل اور حُلیہ کیسے ہی بن جائے؟ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ ہوا یہ کہ شیر حسن صاحب جب مولانا صاحبؒ کی آغوش تربیت میں چلے گئے تو

داڑھی کے بال بڑھائے۔ جس پر بندہ نے خوش ہو کر اُن دنوں کی عظیم ڈش کباب کھلائی۔ چند دنوں کے بعد جب چہرے کو صاف دیکھا تو بہت خفا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر ہمت دی اور مجاہدات کی بھٹی سے گذر کر حضرت مولانا صاحبؒ کے خاص خلفاء میں اپنا مقام بنایا۔

خدا کرے کہ ملے بندہ کو بھی یہ توفیق

این سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یاران تیز گام نے منزل کو جالیا — ہم محو نالہء جرس کارواں رہے

یہاں بے جانہ ہو گا کہ اگر مولانا صاحبؒ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جائے، کہ جوانی کے زمانہ میں مولانا صاحبؒ کی ملاقات امیر جماعت تبلیغ محمد شفیع قریشی کی معیت میں حاجی محمد امینؒ (جو ظاہری حلیہ کو شریعت کے مطابق بنانے میں بڑے سخت گیر تھے) سے ہوئی، حاجی صاحبؒ کو آپ کے بالوں پر شبہ ہوا کہ شاید انگریزی طرز کے بنائے ہوئے ہیں (جبکہ حقیقت حال اس کے برعکس تھی)۔ اس لئے قریشی صاحب کو خط لکھ کر اس کی شکایت کی۔ اس کے بعد مولانا صاحبؒ بالوں کو بنانے میں مبالغہ آرائی سے کام لینے لگے تا کہ شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ خود ہندوستان کے ایک شاعر بیدل کا ذکر کرتے کہ ان کے نعتیہ کلام سے متأثر ہو کر ایک ایرانی آپ کی زیارت کے مشتاق ہو کر ہندوستان پہنچے۔ طلب کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ حجام کے پاس بیٹھے داڑھی کٹوا رہے ہیں، بولا ”آغا ریش می تراشی؟“ شاعر نے اُس کا مطلب سمجھ کر جواب دیا۔ ”ریش می تراشم ولے دل کسے رانمی تراشم“۔ اس پر اُس نے تڑپ کر کہا۔ ”دلِ رسولِ خدا را می تراشی و گوئی کہ

دل کسے رانمی تراشم"۔ شاعر سمجھدار تھا، حق گوئی کا اثر ہوا اور داڑھی تراشنے سے توبہ کی۔ بہرحال مولانا صاحبؒ کا اپنا طریقہ ایسا تھا، کہ ظاہر پر زیادہ معترض نہ ہوتے، اُن کے خیال میں دل و دماغ کی صحت کی ضرورت سب سے بڑھ کر تھی، اس لئے وہ ظاہر حلیہ پر زیادہ زور نہ دیتے، اور فرماتے کہ جب دل پر داڑھی آجائے گی تو چہرے پر خود بخود نمودار ہو گی، اور حقیقت بھی یہی تھی کہ آپ کی مجلس میں رہ کر بہت ساروں کے حُلیے بدل گئے۔ لیکن آپ کا حقیقی کام دل و دماغ پر محنت تھی، کیونکہ واسطہ ہی ایسے لوگوں سے تھا، جن کے عقائد اور اخلاق سنوارنے کی ضرورت اسی کی متقاضی تھی۔

وہ جو دیتے تھے دوائے دل دُکان اپنی بڑھا گئے

تعلیمی دورے کے بعد شیر حسن صاحب سے روابط بڑھتے رہے، دونوں نے ایک مضمون پلانٹ بریڈنگ میں داخلہ لیا، اور جون 1964ء میں ایک ساتھ سوشل ورک میں ایک ہی گروپ میں دیر (علاقہ رباط) میں ایک مہینہ گذارا۔

مولانا عبدالرزاق صاحبؒ کے پاس آنا جانا

رباط کے زمانہ قیام میں مولانا عبدالرزاق صاحبؒ (جو حاجی محمد امین صاحبؒ کے پیر بھائی تھے) کے پاس آنا جانا رہتا۔ موصوف ضعیف العمر اور انتہائی کمزور تھے، نماز کے لئے آدمیوں کے سہارے اُٹھ جاتے لیکن پھر معمول کے مطابق سب ارکان ادا کرتے، آپ نے اعمال پر دوام کی ایک عام فہم مثال دی کہ ایک آدمی ہو اگر اس کا پہلی دفعہ مہمان آجاتا ہے تو اس کے لئے وہ اہتمام کی غرض سے ٹرے میں برتن رکھ کر اُس پر خوش نما کپڑا ڈال کر خود لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب یہ عمل تواتر اختیار کر جاتا ہے تو رومال کو سرکا دیتا ہے اور آخر روٹی وغیرہ کو بغیر کسی اہتمام اور دکھاوے کے

بچّے کے ہاتھ بھیجنے کا عادی بن جاتا ہے۔ گویا دوام عمل سے ریا کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مولانا صاحبؒ کو اُن کی صحبت میں جانے کا ذکر کیا، تو فرمایا۔ ''صلحاء کی صحبت غنیمت اور باعث برکت ہے، لیکن اصلاح کا تعلق ایک ہی سے رہے کہ تعدد میں تشتت ہے اور وحدت میں یکجائی وسکون۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں۔

تھی جو آزادی تو ہر سو دوڑ تھی   قید میں آرام ہی آرام ہے

اگر محض صحبت صالح کی نیت سے جانا ہو، تو کوئی حرج نہیں۔

تمتع زہر گوشہ یافتم (مکتوب 28 جولائی 1964ء)

شیر حسن صاحب کے ساتھ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں سروس کے زمانہ میں رہے، پڑوسی بھی بنے اور اللہ کا احسان ہے کہ تعلق اور مودّت کا رشتہ ہنوز باقی ہے۔ گو وہ حیات آباد میں ہیں اور میں پروفیسر کالونی میں لیکن دل باہم جُڑے ہوئے ہیں کہ

بُعد منزل نہ بود در سفر روحانی

ڈاکٹر شمس الاسلام

1963ء میں ڈاکٹر شمس الاسلام صاحب پرنسپل ایگریکلچر کالج مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے فن میں طاق، انتظامی اور درسی امور کے ماہر، ذہنی کشادگی کے مالک، مذہب سے وابستہ، خوش رو وخوش اخلاق، اور مجاہدہ کے برداشت کرنے والے انسان تھے۔ اُنہوں نے ایم ایس سی سٹارٹ کی اور چلائی اور اس کے ایسے قوانین بنائے، جو ابھی تک قابل عمل ہیں، اس کا ایک زبردست فائدہ یہ ہوا کہ پہلے ہم لوگ ایم ایس سی کے لئے باہر جاتے تھے۔ اب پی ایچ ڈی کے لئے جانے لگے، نیز اس سے پنجاب وغیرہ سے براہ راست لیکچرار بھرتی کرنے کا راستہ رُک گیا، کیونکہ لیکچرار کے لئے ایم ایس سی

درکار تھی، اور ایم ایس سی خود پیدا ہونے لگے۔ آپ پی ایچ ڈی کی بھی اجرا کا ارادہ رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کے حبیب الرحمن صاحب سے "Synopsis" بھی تیار کروایا۔ لیکن اس کا موقع نہ ملا۔ بشمول انتظامی امور کے ہمارے ساتھ ایم ایس سی کی باقاعدہ "Genetics" کی کلاس لیتے رہے۔ ذہنی وسعت اور دلیل پر یقین کا حال یہ تھا کہ نظریہ ارتقاء پر کلاس کے دوران میری ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ کے لگ بھگ بحث ہوئی۔ لیکن اُن کے ماتھے پر شکن نہیں آئی۔ کالج میں سرمن کے لئے مختلف علماء اور محققین کو بُلانے کا رواج ڈالا۔ جس میں مولانا صاحبؒ کو خصوصی طور پر کئی دفعہ بُلایا گیا، رمضان میں ختم کے لئے کالج کے ہال میں انتظام ہوا۔ تو دو حافظ جن میں ایک کم عمر لیکن حفظ کی پختگی کا عامل تھا اور دوسرا بالغ لیکن حفظ میں کمزور۔ انتظام چونکہ ہمارے ہاتھ میں تھا، تو میری خواہش رہی کہ دونوں کو رقم دینے کے لحاظ سے یکساں درجہ پر رکھا جائے لیکن وہ بڑے کو زیادہ دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ مولانا صاحبؒ سے پوچھ لیں۔ میں نے کہا لیکن جانا ایک ساتھ ہوگا۔ آخر میں نے اپنا فیصلہ لاگو کیا۔ اُن کو پتہ لگا تو سوائے گلِہ کے اور کچھ نہیں کہا۔

مولانا صاحبؒ کے پاس اُن کی آمد رہتی تھی، اور شبینہ کے ختم میں شرکت فرما کر اپنی قوت برداشت کا ثبوت دیتے رہے۔ اور اپنے گھر پر بھی ختم قرآن مجید کرواتے۔ میرے ایم ایس سی ایڈوائزر تھے، اور مکئی پر تحقیق دی گئی۔ کچھ میٹریل تو یہاں پیر سباک کے ریسرچ سٹیشن سے ملا، اور کچھ وہ اپنے ساتھ چائینا کا دورہ کرکے لائے تھے۔ "Cytology" کے کام کی ابتداء ان کی مرہونِ منت ہے۔ باہر کے وفود کو ہینڈل کرنا بھی اُن کے لئے مشکل نہ تھا، اپنے وقت میں زراعت کے لئے خاکی رنگ "Camel

"Colour" کا کوٹ رائج کیا، کالج کے لئے Insignia بنایا، اور اس کو خوب استعمال میں لائے۔ غرض وہ اپنے دور میں بہت کچھ کر ڈالا اور شاید اور بھی کچھ کر جاتے۔ لیکن یہاں کے لوگ اُسے دیر تک برداشت نہ کرسکے اور آخر کار اُن کی امریکہ واپسی ہوئی۔ موصوف میرے محسن اساتذہ میں ایک عالی مقام رکھتے ہیں، اور یہاں کے ادارے کے لئے ایک بہترین منتظم کا کردار ادا کیا۔ اللہ جزائے خیر دے۔ اُن کے اعلیٰ معیار اور اپنی انتہا پسندی سے میری ایم ایس سی طول پکڑ گئی لیکن اُن کی شخصیت اور اداؤں کو طول زمانہ نہ مٹا سکی، اور آج بھی اپنے ذہنی سانچہ میں اُن کی شخصیت مع دل رُبائی کے محفوظ ہے اور دل اُن کی خوبیوں اور احسانات کا معترف اور مرہون منت ہے۔

میر حاتم اور قرآن مجید کا درس

ڈاکٹر شمس الاسلام صاحب کی کوششوں سے ایم ایس سی ہانرز کی کلاسیں شروع ہوئیں۔ جس میں بہت سارے بڑے بوڑھوں کے علاوہ میر حاتم صاحب نے بھی 1963ء میں سروس چھوڑ کر کالج میں داخلہ لیا، موصوف ہم سے ایک کلاس سینئر تھے اور گوناگوں روابط کے باوجود ہم ابھی تک ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ تھے۔ بندہ نے 1964ء میں داخلہ لیکر ایم ایس سی پلانٹ بریڈنگ کا سٹوڈنٹ بنا۔ اس دوران کچھ معلوم اور کچھ نامعلوم وجوہات سے تھوڑے وقت میں تعلقات اتنے بڑھے کہ گویا ہم عمر بھر کے ساتھ رہے ہوں اور بقول کسے:

ہزاروں سال سے جس طرح شناسائی ہو
اس طرح آکے ملے ہم سے بیابان والے

باوجود اپنی علمی کم مائیگی اور کم استعدادی کے میر حاتم صاحب کی تحریک پر میں نے 1965ء میں قرآن مجید کا درس ہاسٹل نمبر 6 کمرہ نمبر 151 میں شروع کیا۔ میر حاتم کے ساتھ چند اور طلباء مثلاً شاہ عبدالرحیم مروت، غلام حبیب مروت، سید فضل احد اور خورشید علی وغیرہ بھی آملے۔ ان لوگوں کی برکت تھی کہ ترجمہ دو دفعہ ختم کر کے سہ بارہ شروع کیا گیا۔ اسی اثناء میں میر حاتم صاحب کو یہاں ڈیمانسٹریٹری کا عہدہ ملا اور پھر ہاسٹل نمبر 7 میں 1966ء میں اسسٹنٹ وارڈن بنے۔ تو مجھے بھی ساتھ کھینچ لے گئے۔ پھر وارڈن کی حیثیت سے ترقی ہوئی تو بھی میں ساتھ چمٹا رہا اور درس قرآن خواص سے نکل کر عوامی سطح پر جا پہنچا۔ اور نماز کے ہال میں ہونے لگا۔

نوکری کی تگ ودو اور ایم ایس سی کا حصول

اسی دوران مالی مشکلات سے تنگ آکر بندہ نے نوکری کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کئے جس میں میر حاتم صاحب، شمس الاسلام صاحب، دوستوں اور رشتہ داروں سب نے حصہ لیا۔ اور سب سے بڑھ کر مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ دُعا، تدبیر اور سفارش کو کام میں لاتے رہے۔ آخر کار ان سب لوگوں کی کاوشیں رنگ لائیں اور شاہ ولی خان آف گالوچ (سوات) کی حسن تدبیر اور تقریر اپنا کام کر گئی۔ اور مجھے 16 اکتوبر 1967ء کو انتہائی نامساعد حالات میں اپنے ہی شعبہ (پی۔بی۔جی) میں ڈیمانسٹریٹر کی آسامی پر کام پر لگا دیا گیا۔

ع ملے ہیں مجھے مہرباں ایسے ایسے

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

نوکری تو ملی لیکن ایم ایس سی کا حصول میری گوناگوں مصروفیات، ڈھیلے پن، انتہا پسندی اور پراجیکٹ کی نوعیت "Cytology" کہ یہاں پر ایک نئی

Technique ہونے کی وجہ سے طول پکڑ تا گیا، یہاں بھی دوستوں اور خصوصی طور پر استاذ محترم حبیب الرحمٰن صاحب کے تعاون اور رہنمائی ڈاکٹر محمد حنیف قاضی صاحب کا فوٹو گرافی میں تعاون اور شمس الرحمان ہزاروی کی حوصلہ افزائی کام آئی۔ میر حاتم صاحب نے بھی ترجمہ کے عارضی طور پر بندش کی صلاح دی اور شاگردوں کو آنے سے منع کیا۔ آخر کار 16 جولائی 1970ء کو وہ لمحہ بھی آیا جبکہ مجھے اپنی محنت کا ثمرہ انتہائی تحسین کے ساتھ فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے کی صورت میں ملا۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے بقدر چارہ جوئی کی اور کسی سے کوئی گلہ نہیں رہا۔ کہ یہ کہنا پڑے:

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

اپریل 1970ء کو میر حاتم صاحب اعلیٰ تعلیم کے لئے کینیڈا گئے۔ اس دوران اُن سے برابر خط و کتابت جاری رہی۔ ان دنوں ہمارا موضوع بحث کالج کے حالات اور بابو فضل ودود صاحب کے کارنامے ہوتے۔ اکتوبر 1972ء کو میر حاتم صاحب ایم ایس کی ڈگری کے ساتھ واپس ہوئے اور بندہ نے ایس ٹی سی میں ان کی ضیافت کی تقریب میں حضرت مولانا صاحبؒ کو مع اپنے رفقاء کے دعوت دی۔ جس کو آپ نے ازراہ کرم شرف قبولیت بخشی۔

مولانا صاحبؒ کے کوارٹرز میں سکونت اور مختلف واقعات

اکتوبر 1974ء کو میر حاتم صاحب کے مشورہ پر میں مولانا صاحبؒ کے

زیر تحویل کوارٹرز میں آکر والدہ صاحبہ اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ اُن کا پڑوسی بنا۔ جبکہ شادی اگست 1975ء میں ہوئی۔ اسی سال یعنی 1975ء کو مجھ سے پہلے مولانا صاحبؒ کی شادی ہوگئی تھی۔ آپ کا خطبہ نکاح جناب عبدالحق حقانی شیخ الحدیث اکوڑہ خٹک نے پڑھایا۔ ایک دفعہ مجھے مولانا صاحبؒ کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے گھر پر جانے کا موقع ملا۔ بالکل عام سا گھر اور بیٹھک میں ایک پرانی دری بچھی ہوئی تھی، جبکہ آپ کے زیر نگرانی دارالعلوم حقانیہ کا عظیم مدرسہ اور مسجد اپنے بانی کے علمیّت اور اخلاص کی زندہ تصویر بن کر کھڑے تھے۔ میری شادی کی تقریب سخاکوٹ میں ہوئی اور حضرت مولانا صاحبؒ نے اس میں شرکت فرما کر نکاح پڑھایا اور منکوحہ کے لئے حسب معمول کچھ رقم دی۔ اور اس کے نام کو بھی بدل دیا۔ پہلا نام کچھ مہمل قسم کا تھا۔ لیکن ساتھ ہی تاکید کی کہ ایسے طور پر اظہار کیا جائے کہ اُسے بُرا نہ لگے۔ حالانکہ وہ بُرا ماننے والی کب تھی!! لیکن آپ کی انتہائی احتیاط اس بات کی متقاضی رہی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض احباب نے بندہ کو رشتہ دینے کی پیشکش کی، لیکن مولانا صاحبؒ نے دوریٔ مسافت کے سبب سے اس کے خلاف مشورہ دیا۔ جو میرے خیال میں انتہائی مناسب ثابت ہوا۔ والعلم عنداللہ

29 جولائی 1977ء کو مولانا صاحبؒ کے گھر کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں مولانا فقیر محمد صاحب کو مدعو کیا گیا، چائے کا انتظام ہم تین ساتھیوں یعنی میر حاتم، شیر حسن اور سراج نے کیا، چنانچہ کافی دعاؤں کے بعد اینٹ رکھی گئی اور یہ محفل برخاست ہوئی۔ ان کوارٹرز میں پانی کا انتظام نہیں تھا، اور باہر سے ٹین کے ذریعے پانی لانا پڑتا تھا۔ اس لئے مولانا صاحبؒ سے اجازت لے کر 11 فروری 1977ء بروز جمعہ اس کے لئے دوڑ دھوپ

شروع کی، سوات سے آدمی لایا گیا، اُس نے اپنے مرضی کے مطابق دیہاتی طرز کا ایک تنگ کنواں کھودنا شروع کرکے بارہ دن کے بعد پانی کی سطح پر پہنچا اور مولانا صاحبؒ سے 650 روپے نقد مزدوری اور دو جوڑے کپڑے بطور بخشش کے حاصل کئے۔ پانی تو نکل آیا، لیکن کنویں کی تنگی کی صورت میں ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس لئے نئی کوشش شروع ہوئی، جس میں میر حاتم صاحب، شیر حسن، خلیل احمد صاحب، حاجی لشکر خان صاحب، حیدر زمان صاحب (میرے بہنوئی) اور بہت سے دوسرے حضرات نے اپنی طاقت بھر کوشش اور مشوروں سے مدد کی، اور آخر کار یہ پورا منصوبہ نومبر 1977ء کو انجام کو پہنچا۔ اس منصوبے میں دو باتیں بڑی عجیب ہوئیں، ایک وقت اس میں اتنی گیس بھر گئی، کہ لالٹین تو لالٹین جلتی بوری جس پر مٹی کا تیل ڈالا گیا ہو وہ بھی فوراً بجھ جاتی۔ مولانا صاحبؒ سے پانی دم کروایا گیا تو گیس ندارد۔ اسی طرح ایک دفعہ اپنے بھائی محمد حسین کو نیچے رسی کے ذریعے اُتار رہے تھے کہ رسی اُس جگہ سے ٹوٹی جہاں سے اوپر کے آدمیوں نے پکڑی تھی اور اسی طرح ایک بڑے حادثہ سے اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ اس منصوبے کو سر کرنے پر ہماری کام سے ناواقفی اور ناتجربہ کاری سے مولانا صاحبؒ کو کافی مالی نقصان اُٹھانا پڑا، لیکن آپ نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔

ان ہی کوارٹرز میں حضرت مولانا صاحبؒ کے پانچ خلفاء خلیل احمد، میر حاتم، شیر حسن، ڈاکٹر فدا محمد اور عبد القدوس صاحبان کے پڑوسی ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بندہ سے اُن کے حق میں جو کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ استدعا ہے کہ وہ ان کو اپنے اخلاقِ کریمانہ سے معاف فرمائینگے۔

مولانا صاحبؒ اور قوتِ برداشت

یہاں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ جن کوارٹرز میں ہم رہتے تھے۔ یہ دراصل

مولانا صاحبؒ کی بہن بلّو کی والدہ کی ملکیت تھی، جن کا کرایہ مولانا صاحبؒ کو با قاعدہ دینا ہوتا تھا، جبکہ میرا یہ حال تھا کہ مہینوں کرایہ چڑھ جاتا اور دینے کی نوبت نہ آتی۔ چنانچہ مئی 1977ء کو چھ مہینوں کا کرایہ مبلغ سات سو بیس (720) روپے مع طالب علمی کے زمانہ کے دو سو اسی (280) روپے ذاتی قرضہ کے جو غالباً 1966ء میں لئے تھے یعنی کل ایک ہزار روپیہ جو دینے لگا، تو آپ نے کرایہ لیا اور قرضہ معاف کرکے واپس لینے سے انکار کرکے فرمایا: "جو اوروں کو میرے اتنے پیسے رہ گئے، تو آپ کو رہ گئے تو کیا"۔ اور پھر فرمایا کہ "اس کو اپنے دل سے نکال دو"۔ فروری 1978ء میں میر حاتم صاحب کو سرکاری رہائش گاہ ملی، تو میں نے اُن کے گھر میں اُترنے کی ٹھان لی، مولانا صاحبؒ اور ہمارے گھر والوں کا بھی یہی ارادہ تھا کہ اوپر ہی رہا جائے لیکن میں نے مالک مکان کی رائے کو فوقیت دے کر نیچے آنا پسند کیا، دوسرا پڑوسی گھر جو شیر حسن صاحب نے خالی کیا، اس کے متعلق بات ہوئی تو باجی (مولانا صاحبؒ کی بہن) کی طرف سے جواب ملا، کہ تمہارے لئے گھر کا کرایہ ایک سو پچاس اور اُن کے لئے دو سو پچاس یعنی کل چار سو روپے دینے ہونگے۔ آخر عبد البصیر بھی ہمارے پڑوس میں آئے، اور جب میں دسمبر 1981ء کو پی ایچ ڈی کے لئے فیصل آباد جانے لگا تو ہر دو گھر خالی کرائے گئے۔ اور 7 فروری 1982ء کو مولانا صاحبؒ کو ان الفاظ میں خط لکھا۔ "میرے بے ڈھنگے کاموں میں سے ایک یہاں کا آنا بھی سمجھ لیں کہ آپ کو نہ مناسب وقت پر اطلاع دی اور نہ خصوصی مشورہ کا اہتمام کیا، بلکہ جلدی میں سب کچھ سمیٹ کر یہاں آیا۔ میں مدّتوں آپ کے صبر و تحمّل اور کریمانہ اخلاق کے بھروسے آپ کے لئے اذیت کا سبب بنا رہا، جن میں مدت دراز سے آپ کو کرایہ نہ ملنے کی صعوبت میں مبتلا کرنا بھی ہے۔ تو اب میں نے محمد اسرار (بھائی) کو ہدایت کی ہے، شاید ہفتہ دو میں کرایہ چکانے کا بندوبست کرے گا۔ امید ہے

کہ آپ میری اور بداخلاقیوں کی طرح اس سے بھی درگذر کرینگے اور سنبھلنے کی دُعا کرینگے"۔ اس کا جواب مولانا صاحبؒ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے باین الفاظ دیا۔ "آپ نے اگر کچھ بے ڈھنگا پن کیا، تو بندے نے دل سے سب کچھ معاف کیا، اصل میں اپنے میں آپ جیسے صلاحیتوں والے اشخاص کو سنبھالنے کی کماحقہ صلاحیت نہیں۔ تاہم دل سے دُعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم رکھے، اور دین کی بیش از بیش خدمات آپ سے لے، اور آپ کو ضائع نہ فرمائیں۔

سعدی وظیفہء تو دُعا گفتن است وبس

اسرار صاحب آکر رقم دے گئے تھے جو کچھ جانبین میں کمی بیشی ہوگئی ہو، بندہ کی طرف سے معاف ہے آپ بھی معاف کریں"۔ یہ ہیں وہ اخلاق کریمانہ آپ اپنے ایک نالائق مرید کے ستانے کے بدلے دُعا دیتے تھے، اور اپنے آپ کو صاحب تقصیر جانتے تھے، یہی ہے خاصانِ خدا پر خدائی عکس کہ بقول سعدیؒ

کرم بین ولطف خداوند گار   گناہ بندہ کردہ است واو شرمسار

پی ایچ ڈی میں داخلہ

مولانا صاحبؒ کے زیر تحویل کوارٹرز میں سات سال کا عرصہ گذارا، جب میں دسمبر 1981ء میں فیصل آباد پی ایچ ڈی کرنے گیا، تو سارا خاندان سوات کو منتقل کیا گیا، ستمبر 1985ء تک پانچ سال کا عرصہ کچھ فیصل آباد اور کچھ یہاں ایس ٹی سی اور ہاسٹل نمبر7 میں گذرا۔ آخر میں اگست 1985ء میں مسجد وسطیٰ کے قریب F-3 میں یونیورسٹی کی طرف سے رہائش گاہ ملی۔ یہاں پر سرفراز صاحب مروت اور دوسرے قدر دانوں کی درخواست پر پھر ترجمہ قرآن مجید شروع کرکے اختتام تک پہنچایا۔ ترجمہ کا

تیسرا اور آخری دور یہاں پر پروفیسر کالونی (پرائیویٹ) میں پھر میر حاتم صاحب کے تحریک پر ہوا، جس میں مقامی حضرات کے علاوہ پروفیسر ہدایت الرحمان اور پروفیسر ظاہر شاہ صاحبان باقاعدہ شرکت کرتے رہے، اور آخر یہ دور بھی بخیر وعافیت انجام تک پہنچا۔ دوران ترجمہ ایک دفعہ میرے استاد محترم جناب پیر گلباد شاہ صاحب (خانگڑھئی۔ سخاکوٹ) نے شرکت فرماکر میری حوصلہ افزائی فرمائی، اور ایک بار مولانا صاحبؒ خود بہ نفسِ نفیس تشریف لاکر آسمان کے بارے میں میری تقریر کی اصلاح کی۔ بعض قابل قدر حضرات نے ریکارڈنگ کا مشورہ دیا۔ لیکن بندہ نے اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھا۔ اس بارے میں خیر کے رُخ سے جو کچھ کہلوایا گیا۔ اللہ تعالیٰ اُسے شرفِ قبولیت بخشے اور جو لغزشیں ہوئیں اُسے معاف فرماکر کسی کی گمراہی کا سبب نہ بننے دیں۔ آمین

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ

کنویں پر بات چلی تو اسی طرح حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے بھی اپنے علاقے میں کنواں کھودنا شروع کیا تھا اور اس کے لئے بار بار مولانا صاحبؒ کی مجلس میں دعا کا تقاضا کرتے رہے، کنواں تو کیا بنا؟ بلکہ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے وہاں سے لاکر ارباب لنڈی (علاقہ پشاور) میں آباد کیا، جہاں پر آپ نے خانقاہ کی بنیاد ڈالی، اور اسی طرح اہل پشاور اور خصوصاً مولانا صاحبؒ کے متعلقین کو ایک بڑی نعمت خود بخود غیر متوقع طور پر مل گئی، اُن کا مولانا صاحبؒ کے پاس کافی آنا جانا رہتا تھا، اور ہر دو بزرگ مجلس کو اپنے فیض خاص سے گرماتے رہے اور طالبانِ تشنہ کام کے لئے سیر ابی کا باعث بنے رہے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات کی روئیداد کچھ اس

طرح ہے کہ میں مولانا صاحبؒ کے گھر میں بیٹھا تھا اور آپ نے ٹھہرایا کہ حضرت آرہے ہیں، کافی انتظار کے بعد جب آپ کی تشریف آوری نہ ہوئی تو میں ہاسٹل کی طرف چل نکلا، کہ اتنے میں ایک شخص تن تنہارات کو سادہ لباس میں ملبوس مولانا صاحبؒ کے گھر کی طرف بڑھ رہے ہیں، دل میں یہ خیال بھی نہ گذرا کہ یہ بھی کوئی بزرگ ہوسکتے ہیں کہ اتنے میں جب داخل ہوئے اور اندر سے گرمجوشی کے اظہار کے لئے شور اُٹھا تو میں واپس ہوا اور جاکر پتہ لگا کہ جن کا انتظار تھا وہی ہستی اندر جلوہ افروز ہے۔ واقعی بزرگی کسی شان کی محتاج نہیں اور بقول کسے

چې ئې خلق وړاندې وروستو په داخه شو
په تنها وجود چه شان دے شان هغه

ترجمہ: ''لوگوں کے آگے پیچھے چلنے سے کیا عزّت ہوگی؟ عزت تو یہ ہے کہ آپ کو ذاتی خوبیوں کی وجہ سے حاصل ہو اور ظاہری شان وشوکت کی محتاج نہ ہو''۔

مولانا فقیر محمد صاحبؒ ہر قسم کی بناوٹ سے نفور انتہائی سادہ، ذکر زبان پر اور فکر آسمان پر ہر وقت کسی گہرے فکر میں محو یہاں تک کہ بات کرنے کے لئے اُن کو جگانا پڑتا تھا، دیوبند کے فارغ التحصیل لیکن نہ تقریر نہ تحریر یہاں تک کہ دُعا کے لئے اگر ہاتھ اُٹھائے تو رونا ایسے غالب ہوتا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دھاڑیں مار کر روتے، نماز پڑھتے وقت سینہ ہانڈی کی طرح ابلتا رہتا، اور سلام پھیرتے ہی زور زور سے رونا شروع کرتے اس لئے حضرت تھانویؒ کے ہاں ''بکاء'' کے لقب سے ملقب تھے اور علم کے اخفا کا تو یہ حال تھا کہ گویا کچھ پڑھا ہی نہیں اور بقول شاعر

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

بھرے مجلس میں آپ تنہا نظر آتے، اور باہمہ بے ہمہ کی مجسم صورت ہوتے۔ گویا وہ ان اشعار کے مصداق تھے۔

ہمہ شہر پُر زخوبان منم د خیال ماہے
چہ کند کہ چشم خوش بین نکند بہ کس نگاہے
ہم بھرے شہروں میں تنہا ہیں نہ جانے کس طرح
لوگ ویرانوں میں کرلیتے ہیں پیدا آشنا

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ جب گاؤں میں تشریف رکھتے تو گاہے گاہے آنا ہوتا، اور جب لنڈی ارباب کو مسکن بنایا، تو حاضری کی کثرت رہی، مولانا صاحبؒ اُن کو اپنے شیخ کے درجہ میں رکھتے اور آپ کو اُن سے اجازت بھی حاصل تھی، لیکن حضرتؒ کے برتاؤ سے ایسے معلوم ہوتا کہ گویا دونوں پیر بھائی ہیں، مولانا صاحبؒ آپ کی بڑی قدر کرتے اور حضرتؒ اُن کو دعائیں دیتے رہتے، اور فرماتے کہ "آپ سنگ پارس ہیں"۔ "خدا تعالیٰ اُن کی تقریر اور تحریر میں اثر ڈالے وغیرہ وغیرہ"۔

آپ انتہائی متواضع تھے اور بندہ کے حق میں بعض کلمات خیر کہتے خدا تعالیٰ اُن کو قبول فرمائے۔ اکثر نماز میں مجھے امامت کے لئے آگے بڑھاتے اور فرماتے "کہ یہ دل سے قرآن پڑھتا ہے"۔ ایک دفعہ دُعا دیتے ہوئے فرمایا۔ "خدا آپ کے سینے کو روشن کرے"۔ ایک دفعہ معانقہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "خورشید ہے خورشید" اور پھر دُعا دی "اللہ آپ کے سینہ کو نورانی بنادے"۔

سماع اور حضرت مولانا صاحبؒ

5 جون 1978ء کو مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی میر حاتم صاحب کے گھر میں

دعوت تھی۔ آپ کے ساتھ ایک مست قلندر عالم بھی آئے تھے، وہ بڑے مزہ کی باتیں اپنے خاص انداز میں فرماتے تھے، اور مستانہ وار حافظ شیرازیؒ کے اشعار بڑی لے سے سناتے تھے، ایک غزل یہ بھی تھی۔

ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما
مستی بچشم شاہد دلبند ماخوش است
زان رو سپردہ اند بمستی زمام ما

اسی طرح جون 1977ء کو مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی معیّت میں کراچی سے دو عمر رسیدہ بزرگ تشریف لائے۔ ان میں سے ایک حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے صحبت یافتہ تھے اور حضرت مجذوبؒ کے کلام کے کافی حصے یاد تھے۔ چنانچہ ہر دو اصحاب نے کلام سُنایا اور اس کو ریکارڈ کیا گیا، لیکن اِن دونوں صحبتوں میں حضرت الشیخؒ پر بظاہر وجد کی وہ کیفیت طاری نہ ہوئی، جو کراچی میں دیکھی گئی، بظاہر اشعار مؤثر اور کلام انتہائی موزوں اور متکلم خوب پُرجوش رہے، خصوصی طور پر جنہوں نے حافظ صاحب کا کلام پیش کیا۔ اب بظاہر حالت یہ لگ رہی تھی۔

ہے میرا جذب جنون جوش جنون سے بڑھ کر
ننگ ہے میرے لئے چاکِ گریبان ہونا

اور یا بقول کسے

''وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ''۔

(سورۃ النمل: 27، آیت: 88)

ترجمہ: "اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو، تو خیال کرتے ہو، کہ (اپنی جگہ) پر کھڑے مگر وہ (اُس روز) اُڑتے پھرینگے جیسے بادل"۔

1970ء میں مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے فرزند اکبر کی شادی کی تقریب میں حاضری کا موقع ملا، اور بہت ساری دعائیں لیں۔ حضرتؒ نے اپنے چھوٹے فرزند عبدالجبار (بعد میں محمد اسحاق کے نام سے موسوم ہوئے) کی منگنی پر مولانا صاحبؒ اور ان کے متعلقین کی ضیافت کا انتظام کیا تو ظہرانے میں بندہ کو بھی اس مبارک محفل میں شرکت کی توفیق ہوئی۔ آپ کی وفات کے بعد اس خاندان کے افراد سے قربت کا تعلق رہا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جانبین کو اپنے فضل سے نوازے اور ہر دو جہاں کی کامیابی اور کامرانی سے سرفراز فرمائے۔ آمین

آپ کی دلسوزی کا ایک واقعہ آپ کے فرزند محمد اسحاق سے سنا کہ ایک رات سردی سے کتے کا ایک بچہ باہر پڑا فریاد کر رہا تھا کہ آپ نے اس کو اندر لا کر اس کے گرمائش کا انتظام کیا تو جن سے کتے کی فریاد سُنی نہ جاسکے تو انسانوں پر ان کو کتنا ترس آتا ہوگا۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

مفتی زین العابدینؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے محبت

یہ غالباً اگست 1968ء کی بات ہے کہ ہم مولانا صاحبؒ کے ساتھ رختِ سفر باندھ کر کراچی روانہ ہوئے، پہلے تو فیصل آباد پہنچے اور مفتی زین العابدینؒ کے ہاں ڈیرہ ڈال دیا، دو تین دن وہاں رہے، مفتی صاحبؒ نے بھینس پال رکھی تھیں اور ہم ان کے ہاں مہمانی سے خوب لطف اُٹھا رہے تھے، اِن کے سُسر صاحب جانوروں کی خدمت پر مامور تھے، مولانا صاحبؒ تو اپنی روحانیت میں گم اور ہم ظاہر بینوں کے لئے ظاہری نعمتوں کی فراوانی۔

آنکھ والے تیرے جوبن کا تماشا دیکھے دیدۂ کور کو نظر آئے کیا اور کیا دیکھے

یہاں پر بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاں محبت کی ایک شکل مشاہدہ میں آئی کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ (تبلیغ کے امیر ثانی) سے اپنی بے حد محبت کی وجہ سے اپنے بچوں کے نام محمد یوسف اول، محمد یوسف ثانی، محمد یوسف ثالث کے قافیہ بندی میں رکھنے پڑے۔ ایک بات اور یاد آئی کہ مولانا صاحبؒ سے سُنا تھا کہ پشاور کو دو ہستیاں: شاہ عبد العزیز دُعاجو دہلویؒ اور مفتی زین العابدینؒ کی صورت میں ملنی تھیں، لیکن ہم اہل پشاور اپنی ناقدری کی وجہ سے ان کو حاصل نہ کر سکے۔

مولانا یوسف بنوریؒ کے مجالس

خیر یہاں سے جو کوچ اختیار کیا، تو سیدھے کراچی مدرسہ بنوری ٹاؤن میں قیام اختیار کیا، وہاں کئی دن رہے۔ مدرسہ کے عام لنگر سے کھانا ملتا رہا، اور وہاں کے حالات کو دیکھتے رہے، اُن دنوں میں مدرسہ میں الیکٹرک کولر لگے ہوئے تھے، ہر جگہ صاف سُتھرا، اور عمدہ کھانا، اور اس پر طلباء کی کڑی نگرانی جاری رہتی، صبح کی نماز کے لئے بچوں کو اُٹھانے کے لئے چوکیدار مقرر، اساتذہ کی حاضری اور طلباء کے اسباق جاری۔ شام کو اُن کا مذاکرہ سب کچھ جاری رہتا۔ اور ہمیں حضرت بنوریؒ اور اساتذہ کے ساتھ پُررونق محفلیں بھی ملتی رہیں۔ حضرت بنوریؒ کے درس بخاری میں بیٹھنا بھی نصیب ہوا، ایک دفعہ قاری قرأت کررہے تھے، کہ بجائے ''جُمُعہ'' کے ''جمْعہ'' کہہ گئے، یعنی ''م'' کے ضمہ کے بجائے ''ساکن'' کہہ گئے، کہ آپ نے گرجدار آواز سے ٹوک کر کہا، متواتر قرأت جُمُعہ ہے۔

مدرسہ کے ایک پُرانے اُستاد نے اپنا دکھڑا یوں سُنایا کہ میں درسیات میں حضرت الشیخ مولانا زکریاؒ سے بہتر تھا، لیکن سرکاری نوکری کی وجہ سے میں ایک عام اُستاد

رہا اور اُن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی شہرت اور عزت دی۔ گویا علماء حضرات کے لئے مدرسہ کے بجائے سرکاری نوکری اختیار کرنے پر تنزل کے اثرات تھے، جو وہ خود اپنی زبان سے ادا کرتے تھے۔ اِن دنوں ایوب خان کا دور تھا اور اُس نے فضل الرحمان کو بُلایا تھا، جو جگہ جگہ پر تقاریر کر رہے تھے اور یہودیوں کے رٹے رٹائے سبق دہرا رہے تھے، اُن کا خیال تھا کہ قرآن کو ترتیب نزول کے ساتھ ترتیب دینی چاہیئے اور اسی طرح چند خیالات تھے، یہ حضرت یہاں پشاور یونیورسٹی بھی آئے تھے لیکن کسی جگہ بھی اُن کے خیالات کو پذیرائی نہیں ملی، اور حضرت بنوریؒ تو اُن کے واہیات پر آگ بگولہ ہو رہے تھے۔ حضرت بنوریؒ اپنے بیٹے محمد کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے اور ہمیں بھی گاہے گاہے اپنی مجالس سے سرفراز فرماتے رہے، جمعہ کے دن مولانا صاحبؒ سے تقریر کروائی، ہم لوگوں کی طرح آپ کو اپنی تنخواہ کی بڑھوتری کی فکر نہیں تھی فرماتے کہ میں چار سو روپے بڑے فخر سے لیتا ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ بڑھاؤ بڑھاؤ اور میں کہتا ہوں کہ گھٹاؤ گھٹاؤ۔

فرمایا مدرسہ کو زکوٰۃ کی مد سے خوب رقم ملتی ہے اس لئے طلباء کی تو عیش ہے اور وہ شاہانہ زندگی گذارتے ہیں، جبکہ اساتذہ کے لئے رقم کی تنگی رہتی ہے۔ اس لئے میں لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے منع کرتا ہوں اور اساتذہ کے لئے تقاضا رہتا ہے۔ ایک دن آپ نے اپنی طرف سے ہماری دعوت کی اور فرمایا کہ کھانا بالکل سادہ ہوگا۔ دعوت پر ہمارے ساتھ اساتذہ کو بلایا ہوا تھا، اور فرمایا کہ جیسا کہا تھا ویسا ہی ہے۔ حالانکہ جو کچھ تھا انتہائی صفائی کے ساتھ سب کچھ موجود تھا، اور پھر اس بارے میں ایک لطیفہ سُنایا، کہ ایک آدمی نے ایک مہمان کو ضیافت پر بُلایا، اور کہا کہ کھانا بالکل سادہ ہوگا، مہمان آیا اور خیال تھا کہ کچھ تکلف تو خواہ مخواہ ہوگی، یہ تو ویسے لوگ بحیثیت بحث آرائی کے کہتے ہیں، لیکن جب دستر خوان پر بیٹھ گئے، تو جیسا کہا تھا، ویسے ہی پایا، اس دوران ایک کُتا حاضر ہوا

تو میزبان نے دھمکی دے کر کہا کہ ”ہٹو، ورنہ ابھی سر پھاڑ دیتا ہوں“۔ مہمان تو اپنی توقع کے خلاف حالات دیکھ کر ویسے جُلا بُھنا ہی بیٹھا تھا، کتے سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”ہٹو، یہاں سب کچھ حقیقیت چلتی ہے، مجاز کا یہاں دخل نہیں“۔ بہر حال آپ گفتگو سے مجلس کو بڑے پُر لطف بنائے ہوئے تھے۔ اِن دنوں حضرت بنوریؒ نے معارف السنن کے بھی کچھ جلد تیار کئے تھے، بندہ نے اُن کو خریدا۔ مولانا صاحبؒ کے علم و تقویٰ پر حضرت بنوریؒ کو انتہائی اعتماد کی وجہ سے آپ نے ان کو حدیث کی اجازت دی اور اس کی سند اپنے ہاتھوں سے لکھ کر دی جو حضرت مولاناؒ کے لئے ایک بڑے اعزاز کی حیثیت رکھتی ہے۔

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ اور دوسرے بزرگوں کی زیارت

اسی سفر میں حضرت مولانا صاحبؒ کی برکت سے دارالعلوم بھی گئے اور حضرت مفتی شفیعؒ کی زیارت ہوئی، آپ نے ازراہ کرم سب حاضرین کو ”مناجات مقبول“ کی چھوٹی تقطیع ہدیہ دے کر نوازا۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت ڈاکٹر عبد الحئیؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا، اور مولانا صاحبؒ کے شیخ ثانی حضرت شاہ عبد العزیز دُعاجوؒ کے پاس حاضری دی۔ دوران گفتگو آپ نے بندہ سے نام پوچھا۔ عرض کیا کہ سراج۔ فرمایا سراج کے کیا معنی؟ میں نے کہا کہ دیا، آپ نے فرمایا: ”سورج“ میں نے جسارت کر کے عرض کیا، کہ بقول حضرت مولانا کے دیا سے دیا روشن ہوتا ہے جبکہ سورج کی یہ خاصیت نہیں۔ دوران گفتگو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ لوگ نماز میں اِدھر اُدھر سے پڑھتے ہیں، حالانکہ چھوٹی سورتیں مکمل ہوتی ہیں۔ اُن کے پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔ آپ کے نزدیک عام تشریح کے خلاف سورۃ اخلاص کا ثواب قرآن کے ایک تہائی کے برابر ہے۔ اور یہی نہیں کہ تین

دفعہ پڑھنے سے پورا قرآن کا ثواب ملے گا، گو یہی حصہ بڑھتا رہے گا۔ آپ نے مولانا صاحبؒ سے محلّہ کے گشت میں بیان بھی کروایا، اور ہم سب کو ایک ایک تولیہ بطور ہدیہ عنایت فرمایا۔ مولانا صاحبؒ نے ان کو نوٹ دیکر حضرت شاہ صاحبؒ کی بقایا رقم بغیر دیکھے جیب میں ڈالنا چاہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر تو کمزور تھی، لیکن مولانا صاحبؒ کی رقم کو بغیر گنے جیب میں ڈالنے پر فوراً بولے "گنو" مسئلہ یہی ہے۔ ویسے مولانا صاحبؒ فرماتے کہ شاہ صاحبؒ کو کشف بہت ہوتا ہے۔

مہربان پر مہربانی اور محفل سماع

اسی سفر میں مہربان بھی ساتھ تھے، انجینئرنگ کے سٹوڈنٹ اور بنوں کے باسی۔ انہوں نے حفظ شروع کی اور ستائس دن میں ستائیس پارے یاد کئے، جو کہ ان کے قوت حافظہ کی دلیل اور بزرگوں کی کرامت تھی۔ مولانا صاحبؒ کے پیر بھائی حضرت غلام محمد صاحبؒ کے ہاں دعوت ہوئی، کھانے کے بعد محفل سماع سجایا گیا، جس میں اُن کے بوڑھے والد صاحب فارسی کلام سُنارہے تھے، جس میں خوش آوازی تو نام کو نہیں تھی، لیکن مولانا صاحبؒ کی وجد کی یہ حالت تھی کہ ہر دفعہ لفظ اللہ کے ساتھ اتنی زور کی چیخ نکلتی کہ مجھے جان نکلنے کا ڈر لگا رہتا اور دل ہی دل میں ان کو کوس رہا تھا، کہ وہ بس کرے تو اچھا ہو، لیکن اس کو بھی ایسا چسکا پڑا تھا کہ برابر کہے جارہے تھے، اور میں اِن دنوں حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا محمد [84] حسین الٰہ آبادیؒ کی

---

84 کہتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین احمد الٰہ آبادی محفل سماع میں حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اس شعر

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا   خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

کی تشریح کر رہے تھے کہ اجمیر شریف میں 8 رجب 1322ھ مطابق 1904ء کو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللّٰھم اغفرہ و ارحمہ (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور اُن کے خلفاء۔

(ڈاکٹر حافظ فیوض الرحمان۔ ص: 185)

محفل سماع میں وفات پانے کا واقعہ پڑھ چکا تھا اور یہی ڈر رہا کہ ایسا نہ ہو کہ حضرت مولانا صاحبؒ کو ایسی حالت پیش آئے۔ بہر حال یہ سفر اپنی گونا گوں برکات کے ساتھ بخیر و عافیت تمام ہوا، اور مجھے تو خیال پڑتا ہے کہ میں نے شاید اِس سفر میں یا ہو سکتا ہے، کوئی اور ہو مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے درس میں بیٹھنے کی سعادت بھی حاصل کی، اور اُن کے مدلل، اور مسلسل تقریر سے انتہائی مسرور ہوا، حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ اِن دنوں بقید حیات تھے، اور اُن سے ملاقات کی آرزو بھی تھی، لیکن قسمت کی بات کہ اُن کو نہ دیکھ سکا، اور یہ آرزو تشنہء تکمیل رہی۔ **والخیر فیما وقع**

مولانا صاحبؒ اور مسجد درویش

مولانا صاحبؒ کے اور بڑے کاموں میں ایک مسجد درویش اور مدرسہ امدادیہ کا عین صدر کے دل میں کھڑا کرنا ہے، ہوا یہ کہ یہ فری میسن لاج تھا، اس کی قانونی حیثیت کے ختم کرنے کے بعد بعض ممبران نے اس کو مسجد کے لئے دیا، ان حضرات میں مولانا صاحبؒ کے ایک معتقد غلام نبی صاحب بھی تھے، بات تو ہو گئی لیکن حکومت اس کے لئے تیار نہیں تھی، کہ اس کو اس دینی مقصد کے لئے رکھا جائے، لیکن دوسری طرف مولانا صاحبؒ کی عزم راسخ تھی کہ کسی طرح اس کو چھوڑنے والے نہیں تھے۔ 2 ستمبر 1977ء کو جب یہ 23 کنال زمین کلیسا کے بالکل پڑوس میں مسجد کے لئے وقف کرنے کی خوشخبری سنائی گئی۔ یہ حکم بحکم مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سوار خان کے ہوا تو مولانا صاحبؒ بڑے خوش تھے، اور انہوں نے اس خوشی سے بشمول بندہ کے حاضرین کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ "اس خوشی میں اُس نے صرف پندرہ منٹ میں وضو توڑا بھی اور پھر غسل کر کے جمعہ کی نماز کے لئے تیار ہو گئے"۔ آپ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

4 ستمبر 1977ء کو قبضہ لیا گیا، اس کے مین ہال میں بڑا اندھیرا اور ڈراونی چیزیں تھیں، شاید یہ وہی ہیکل سلیمانی اور تخت سلیمانی کا منظر تھا جو فری میسن لاج میں ہوا کرتا تھا، 6 ستمبر مولانا صاحبؒ کے نام چیف مارشل ایڈ منسٹریٹر کی طرف سے منظوری کا خط آیا، آپ نے بڑی خوشی کے عالم میں ہمیں پڑھ کر سُنا دیا۔

زمین تو مل گئی لیکن اس کو صحیح رُخ سے استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، چنانچہ مولانا صاحبؒ اور ان کے متعلقین کا یہ دن رات کا مشغلہ بنا کہ کیا کیا ہو، نقشے اور منصوبے تیار ہوتے رہے اور مخیّر حضرات کی کھوج شروع ہوئی۔ اس بارے میں مسجد کا نام مسجد فیصل رکھ کر اُن تک رسائی کی کوششیں ہوئیں، لیکن قدرت کو وہاں سے اس کا فیصلہ کرنا منظور نہیں تھا، چنانچہ اب مولانا صاحبؒ کے ساتھ حضرت مولانا فقیر محمدؒ نے دُعا اور دوا سے کام لیکر ایک مرد حق بنام درویش کو اس کام کے لئے آمادہ کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے جس زمین پر یہودیت کی نحوست چھائی ہوئی تھی، وہاں سے اذانیں اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اللہ اس کو ہمیشہ کے لئے آباد رکھے، اور ہماری بداعمالیوں کو اس کے ضائع ہونے کا سبب نہ بنائے۔

تو چنین خواہی خدا خواہد چنین　　　رد ندارد حق مراد متقین

مسجد کی بات ہوئی تو ایک زمانہ تھا کہ پوری یونیورسٹی میں سوائے اسلامیہ کالج کے کسی اور مسجد میں جمعہ پڑھانے کی اجازت نہ تھی، بلال مسجد بنی تو تھی، لیکن اس کو بھی یہ درجہ حاصل نہیں تھا، جب مولانا صاحبؒ کے ذریعے دین کی فضا بنی اور چودھری محمد علی جیسے لگن والے آدمی وائس چانسلر بنے، تو فارسٹ مسجد (ایگریکلچر مسجد)، مدینہ مسجد، کافی شاپ کی مسجد اور ہر ایک ہاسٹل میں نماز کے لئے

ہال مخصوص کئے گئے اور نئے ہاسٹلوں میں محراب تک بھی بنائے گئے۔ واقعی خدا کی مرضی شامل حال ہو تو ایک ہی آدمی کی محنت سے دریاؤں کے رُخ تبدیل ہوسکتے ہیں اور بنجر صحرا کو ملکہ سبا والی پھلدار اور سایہ دار درختوں کی لڑی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، آج جس یونیورسٹی کو ہم دیکھتے ہیں، اس کے بدلنے میں آپ جیسے لوگوں کی کتنی قربانیاں شامل ہیں۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
این سعادت بزور بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا صاحبؒ ایک امتحان میں

بڑے لوگوں کی زندگی سراسر امتحانوں سے مرکب ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی 1977ء کے اواخر میں مولانا صاحبؒ کے خلاف ایسے ایسے الزامات لگائے گئے۔ جن کے نہ سر نہ پیر، اور جو آپ کی مثالی ذات پر تو کیا چسپاں ہوتیں، ایک بہت گرے ہوئے انسان کے بھی شان شایان نہ تھیں، اور جس کے تانے بانے میں وہ لوگ شریک رہے، جن کی آبیاری خود آپ کے ہاتھوں ہوئی تھی، اور جن میں چھوٹوں کا تو کیا کہنا بڑے بڑے قدرآور لوگ اپنا اپنا حصّہ ڈال گئے۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانہ کو مری　　جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
من از بیگانگان ہرگز نہ نالم　　کہ با من ہر چہ کرد آن آشنا کرد

لیکن یہ الزامات اتنے بھونڈے تھے کہ جن کو مولانا صاحبؒ کے مخالفین بھی برداشت نہ کرسکے، اور خود اُن کو رسوائی کے سوا اور کچھ نہ ملا، اور اُلٹا معافی مانگنا پڑی، لیکن شیطان کی آرزو پوری ہوئی، اور تبلیغی کام کو بڑا دھچکا لگا۔ یہاں پر بھی مولانا صاحبؒ کے عالی ظرفی اور خوف خدا اور خشیتِ الٰہی کا ایک واقعہ ذکر کروں کہ کسی نے الزام تراشوں میں

سے ایک لڑکی کا نام لیا، تو مولانا صاحبؒ نے سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ "ایسی بات مت کہا کریں۔ اس میں بچّی کی زندگی خراب ہونے کا خدشہ ہے"۔ ایک طرف تو ہر قسم کا بہتان اور دوسری طرف اتنی احتیاط۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق　　ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

اوروں نے جو کردار ادا کیا، وہ اپنی جگہ، لیکن حضرت مولانا صاحبؒ جب احمد جان صاحبؒ مروت کی معیت میں حضرت شیخ الحدیث سے ملے تو آپ کی خوب ہمت بندھائی اور تسلّی دی، اور بعد میں ایسا موقع آیا کہ آپ کو اپنی طبع شدہ کتابیں دیں اور جو بعد میں چھپیں تو اُن کے متعلق آپ کے حق میں وصیت کر گئے کہ وارثوں سے مانگنا واقعی بے کمال کو باکمال آدمی کی پہچان بڑی مشکل سے ہوتی ہے کہ یہ بڑا ادق مسئلہ ہے اور ہر ایک دوسرے کو اپنے پر قیاس کر کے فیصلہ کا عادی ہوتا ہے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند　　اولیاء را ھمچو خود پنداشتند
گفت اینکما بشر ایشان بشر　　ما و ایشان بستۂ خوابیم و خور
این نہ آنستند ایشان از عمٰی　　ھست فرقی درمیان بی منتھا

(مثنوی ص:١٦، دفتر اول)

ع　　ازدام و دَدْ ملولم انسانم آرزوست

ایک اور امتحان وائس چانسلر علی خان کا یہ الزام تھا کہ آپ نے گھر میں یونیورسٹی کی زمین شامل کی ہے۔ یہ معاملہ بھی خوب چلتا رہا، لیکن مولانا صاحبؒ کب اپنے آپ کو داغدار کرنے والے تھے، اور برابر مقابلہ ہوتا رہا، علی خان صاحب کیسے بھی سہی، لیکن پشتون والی صفات پھر بھی موجود تھیں اور وہ یہ کہ کرنل قذافی کی اسلامیہ کالج کے گراؤنڈ میں آمد تھی اور بھٹو صاحب بھی ساتھ تھے۔ کرنل قذافی ان دنوں

ایک اسلامی ہیرو کے طور پر ابھرے تھے، تو مولانا صاحبؒ بھی ان کو دیکھنے کے لئے عام لوگوں کی طرح گراؤنڈ میں بیٹھے ہوئے زمین پر موجود تھے۔ میں ساتھ تھا کہ علی خان کا ادھر گذر ہوا، اور خیر خواہانہ لہجہ میں فرمایا، کہ آپ باوجود اتنے معذوری کے کیوں آئے"۔ خیر یہ معاملہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔ مولانا صاحبؒ کا تو بال بھی بیکا نہ ہوا، اور علی خان صاحب کو حیات شیرپاؤ کے واقعہ کی وجہ سے بصد حسرت ویاس یہاں سے جانا پڑا۔

بس تجربہ کردیم دریں دہر مکافات باڈُرد کشان ہر کہ دراُفتاد براُفتاد
تا دلے صاحبدلے نامد بدرد ھیچ قومے را خدا رُسوانہ کرد

تقویٰ اور احتیاط

مولانا صاحبؒ نوجوانی میں سرحد مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے، اور ہندوستان میں آپ کے والد ماجد کا بڑا کاروبار تھا، آپ کلیم کرکے اپنی وجاہت سے بہت کچھ حاصل کرسکتے تھے، لیکن آپ نے اپنے دامن کو اس قسم کے داغ سے صاف رکھا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو لوگ آپ کے ذاتی گھر میں کرایہ پر رہتے تھے وہ اپنے کو مالک ظاہر کرنے لگے اور فرط احتیاط یہ کہ مولانا صاحبؒ اُن کے اِس پر فریب دعوؤں پر بھی اہل حق علماء سے استفتاء طلب کرنے لگے۔ والدہ ماجدہ، بیوہ بہن مع اپنی بیٹی اور چھوٹی بہن آپ کے ساتھ رہائش پذیر باوجود یہ کہ آپ کے بھائی خوب اونچی آسامیوں پر براجماں تھے۔ گھر میں کسی بھی تنازع کو آپ اپنے اوپر لیتے اور کسی کو بھی ذرا زحمت اُٹھانے نہ دیتے۔

احتیاط کا پہلو آپ پر اتنا غالب تھا کہ ایک دفعہ ہم گنج علی خان مسجد سے نکلنے لگے، تو آپ نے کہا کہ بیٹا دیکھو! کہیں مسجد کا گھاس لگا نہ ہو، ٹانگوں کی معذوری کے باوجود آپ کو مسجد سے تنکا اُٹھانے کا اتنا خیال رہا تو انسان سوچے کہ باقی بڑی چیزوں کا

آپ کتنا خیال کرتے ہونگے۔

مولانا صاحبؒ کے بہت سارے جھگڑوں اور تنازعات کی ایک بڑی وجہ یہی آپ کی احتیاط کا پہلو تھا، کہ وہ باوجود انتہائی نرم مزاجی کے یہ برداشت نہ کرسکتے تھے، کہ کسی طرح کسی کا جائز حق اُس سے چھین لیا جائے خواہ بزور خواہ بحیلہ۔ اور اس بات پر بڑے بڑے لوگ آپ سے نہ صرف خفا بلکہ دشمن بنے رہے۔ گو ابتدا میں وہ حلیف ہی کیوں نہ ہوں۔ اور حق کے برملا بیان میں آپ اس شعر کے مصداق تھے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلا ہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اس بات کے کھولنے کے لئے بہت ساری مثالیں موجود ہیں، لیکن یہ ایک نیا پنڈورا باکس کھولنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے جن پر یہ مخفی ہے تو مخفی رہنے میں ہی مصلحت ہے اور گڑھے مردے اکھیڑنے سے سوائے تنازعات کے اور کیا حاصل۔

اند کے باتو گفتم و از دلت تر سیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بیسار است
آن راز کہ در سینہء گنجینہ نہان است
بردار توان گفت بہ منبر نہ توان گفت

اللہ کے امتحان اپنے دوستوں کے لئے بڑے سخت اور صبر آزما ہوتے ہیں اور ہر ایک کا کلیجہ نہیں کہ اُن کو برداشت کرسکے۔ چنانچہ ابتلائے خداوندی بھی حصہ بقدر جثہ ہوتی ہے اور الفاظ حدیث اس پر دال ہیں۔

اشد النّاس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالا مثل۔

(بخاری، مسند امام احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ الجامع الصغیر)

ماپروریم دشمن و مامی کشیم دوست   کس را رسد نہ چوں وچرا در قضائے ما

مولانا صاحبؒ اور بزرگان دین احیاء وموتیٰ کے متعلق برملا اظہار

حضرت مولانا قدس سرہ بعض دفعہ اپنے اس مکاشفہ کا برملا اظہار فرماتے۔ مثلاً مولانا عزیر گل صاحب اسیر مالٹا کے متعلق یہ کہنا کہ ''وہ تجرّد کے مقام پر فائز ہیں اور ارشاد والے ہیں'' اور حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندہلویؒ کے متعلق لکھتے ہیں: ''قطب الارشاد، صدیق وقت'' جس کی تائید حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریاؒ کے بیان اور اس شعر سے ہوتی ہے۔

کان مملوکی فاضحی مالکی ان ھذا من اعا حبیب الزمن

مزید تفصیل کے لئے مولانا صاحبؒ کے تبلیغی سفر 1957ء کی ڈائری میں موجود مواد ملاحظہ ہوں جو آپ نے مختلف بزرگوں کے مزارات پر حاضری کے وقت بیان فرمائے۔

بندہ خود اس کوچہ سے بالکل نابلد ہے اور یہ جو کچھ لکھا اُن کے لئے اشارہ ہے، جو اس راہ کے راہی اور شہسوار ہیں۔ ورنہ

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک بط قوی در بحر و مرغ خانہ سُست

اسی طرح مولانا تقی عثمانی مدظلہٗ العالی اور مولانا سمیع الحق صاحب حقانی مدظلہٗ العالی کے ابتدائی دور میں البلاغ اور الحق کے مطالعہ سے ہر دو حضرات کے متعلق فرمایا کہ دونوں جوان ہیں اور خوب لکھتے ہیں اور شاید دُعا بھی دی۔ اب جب اُن کا بڑھاپا ہے، تو دونوں حضرات اپنے کارناموں کے لئے پوری دُنیا کے لئے آفتاب عالم تاب کا مظاہرہ پیش کرتے ہیں۔

واقعی: بزرگان ہرچہ گویند دیدہ گویند
تو چنیین خواہی خدا خواہد چنین
رد ندارد حق مراد متقین

مولانا صاحبؒ اکابرین کی نظر میں اور ان کا اپنا حال

ایک دن مولانا صاحبؒ نے خود بزرگوں کا اُن پر خصوصی توجہ کا ذکر کیا۔ مثلاً سید صاحب کا فرمان:

"میرا کوئی ایسا حق نہیں جس کو آپ نے ادا نہ کیا ہو"۔ آپ کے شیخ ثانی حضرت شاہ عبد العزیزؒ دعاجو دہلوی کا بار بار قول "میں تم سے راضی ہوں" اور حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کا ایک مرتبہ غضنفر علی کے سامنے کعبۃ اللہ میں ہاتھ چومنے کی اجازت اور پھر ہاتھ چومنا اور پیشانی پر بوسہ دینا اور شیخ ازہر کے لئے بحیثیت طبیب روحانی کے پیش کرنا۔ مولانا عبد الغفور مدنیؒ کا آپ سے بیعت کی درخواست اور پھر کوئی خاص بات کہنا۔ مولانا عزیر گل صاحبؒ اور مولانا خیال محمد صاحبؒ کا فرمان کہ "مولانا صاحبؒ اپنے آپ کو پہچانتے نہیں"۔

ایک دفعہ جنوری 1978ء میں آپ کے پاس آیا، آپ لیٹے ہوئے تھے، شیر حسن صاحب نے بتایا کہ باٹنی کے فریدی صاحب نے کہا کہ سردی کے دو مہینوں میں ہمیں کراچی میں رہنا چاہیئے۔ جس پر آپ نے فرمایا۔ "کراچی تو ہماری آرزوؤں کا قبرستان بن گیا"۔ خیر ڈاکٹر انور صاحب نے ابتدائی علاج شروع کیا اور ہمیں کہا کہ سات دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھیں جس کو ہم نے پڑھنا شروع کیا، تو مولانا صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ "قرآن کا دل پڑھ کر پھونک دو"۔ اس پر میں نے سورۃ یٰس پڑھ کر پھونک دی۔ مولانا صاحبؒ مسکرائے۔ بعد میں مغرب کی نماز پڑھی اور خاموش رہے، پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ "قریب ہو جاؤ"۔ میں قریب ہوا، تو اس پر فرمایا کہ "آرزو رہتی تھی کہ ایسا کروں، تو چلو کر ہی دیتا ہوں" اس کے بعد شہادتیں پڑھیں۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ پڑھا،

استغفر اللہ من کل ذنب اذنبتہ واتوب الیہ پڑھا اور ادخل اسلاما جدیداً کے الفاظ ادا کئے پھر اپنے حالات کو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ”بعض لوگ جمع الجمع کے مقام پر فائض ہوتے ہیں اور اُن پر تجلّی ذات ہوتی ہے اور ہر ایک چھوٹے بڑے سے ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، خواہ وہ اپنے کو ظاہر کرے بحکم الٰہی یا چُھپائے۔ لیکن ان کے خلاف زبان کھولنا اپنی عاقبت کو خراب کرنا ہے“۔

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ھنوز
خواندہ باشی تو کہ از غیرت درویشاں است
حافظ اینجا بأدب باش کہ سلطان وملک
ہمہ در بندگئی حضرت درویشان است

ابتدائی دور میں آپ پر جذب کا غلبہ تھا، چنانچہ اس کا اثر مریدین پر بھی پڑتا تھا، چنانچہ ڈاکٹر اجمل وزیرستانی تو ہنسی پر قابو نہ پاسکتے تھے، اور تھے بھی سادہ فرمایا، کہ مولانا صاحبؒ نئے شیخ تھے اس لئے کرنٹ زیادہ چھوڑ کے اس کو بے قابو کرلیا، سوات ڈھیرئی ”ملاکنڈ ایجنسی“ جہاں ایک نقشبندی بزرگ صاحب الحق کے عرف سے مشہور تھے اور بندہ نے بھی اُن کے ہاں ایک رات گذاری تھی، انجینئرنگ کے محبوب الرحمٰن اُس جگہ سے تعلق رکھتے تھے، وہ بھی اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے، اور بڑی لمبی پھونکیں مارتے اور دماغ پر بھی اثر ہوا، یہاں تک کہ بجلی کے جھٹکے دینے پڑے اور ایک رات تو نکل کر غائب ہوگئے اور بڑی کوششوں سے ملے۔ یہاں بھی ایک عجیب لطیفہ ہوا کہ محبوب تو اپنے حال میں سرگردان لمبی پھونکیں مارتے رہے اور ادھر میاں بشیر صاحب کاکاخیل (مرحوم) بزرگی کے شوق میں اُن سے بڑی لجاجت سے سوال کرتے رہے کہ ہمیں بھی کچھ توجہ ہو جائے۔

اُن کا ایک لطیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے ساتھ بھی ہوا کہ بار بار کے توجہ کی درخواست پر وہ جلال میں آئے اور جب کہا۔ ''بناؤں مجذوب'' تو منت سماجت کر کے جان چھڑائی۔ میری اپنی حالت بھی ابتدائی دور میں قابو سے باہر تھی، اور صحرا پیمائی کے ساتھ خوب آہیں بھرتے اور توبے نکالتے، لیکن یہ توفیق نہ تھی کہ مولانا صاحبؒ کو اپنی حالت سے آگاہ کیا جائے۔ بعد میں تو ایسے سرد ہوئے کہ آہ نہ واہ، نہ حرارت نہ حرکت بلکہ جسم و روح پر ایسی برودت چھا گئی کہ حسِ طلب بھی اپنے گوناگوں بے اعتنائیوں اور خرابیوں سے مفقود ہوئی اور بقول غالب صحبت سے بھی ڈر لگنے لگا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور راہ مستقیم پر قائم رہنے کی توفیق ارزاں فرمائے یا تو وہ حالت تھی۔

با تو سایہ نمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

اور یا یہ نوبت آئی!

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسمان سے ہم

حضرتؒ تو اپنی شفقت اور محبت سے کھینچتے رہے اور ہم تھے کہ نہ پکڑائی دیتے، اور نہ رشتہء محبت کو توڑتے، بین بین کی حالت تھی، آپ کے اخلاقِ عالی تھے اور شفقتِ خاص کہ آخر تک سنبھالتی رہی۔ ورنہ میں نے تو اپنی بگاڑ میں کچھ کسر نہ چھوڑی تھی۔ اللہ اپنے فضل اور رحمتِ خاصہ سے اِس بے ادبی کو معاف فرمائے، اور سنبھلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حضور ﷺ کے رحمت للعالمینی شان کے صدقے خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت از بیرون قدرت حق کے گریخت

حضور ﷺ کی بات چلی تو ایک واقعہ گوش گذار کئے دیتا ہوں، اللہ اللہ

کر کے پی ایچ ڈی کی تھیسس (Thesis) تیار ہوئی، اپنے میجر ایڈوائزر کو دے گیا، فرمایا کہ چیئر مین رانا صاحب کو دے دیں، اُس نے اس پر پانچ چھ مہینے گذار دیئے واپس کر کے اغلاط کی تصحیح کی اور پھر اپنے ایڈوائزر جناب چودھری عبد الرحمان صاحب کے پاس گیا اور کاپی پکڑا دی، جو پہلے تو ڈین تھے اور اب وائس چانسلر بن گئے تھے تو اُس نے کہا کہ ”میں بھی تو دیکھ لوں“۔ اب زمین پاؤں سے باہر نکلی، کہ یہ حضرت کتنی مدت کے لئے لٹکائے رکھے گا، لیکن اس کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا کہ

حکم حاکم مرگ مفاجات

بزرگوں کی صحبت کی بھی عجیب تاثیر ہوتی ہے، کچھ نہ ہو تو کچھ کلیے تو انسان کو یاد ہی رہ جاتے ہیں۔

کیمیائے است عجب بندگئی پیر مغان خاک در گشتم چندین در جاتم دادند

صبح جو نماز پڑھی تو ذہن میں ایک بات آئی کہ حضور ﷺ کے توسط سے دُعا کیوں نہ مانگی جائے۔ خیر دُعا مانگ لی اور چودھری صاحب سے اجازت کی غرض سے حاضری دی، تو آپ نے فرمایا کہ ”ٹھیک ہے کاپیاں بنا کر دفتر کے حوالہ کی جائیں“۔ اب مجھ میں کچھ جرأت پیدا ہوئی، کہ ”سر آپ نے پڑھا بھی“ تو فرمایا کہ ہاں ”Results and Discussion“ کے Chapters پڑھ لئے۔ غرض Thesis حوالہ دفتر کی اور ریفریز (Referees) کی طرف سے بڑے اچھے ریمارکس کے ساتھ واپس ہو کر میں ڈاکٹر بنا۔

ایک دوسرا قصہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ہمارے ایک بڑے مہربان مہربانی فرما کر مہمان بن کر آئے اور جیب میں تواضع کے لئے اب کچھ نہیں کسی سے مانگنا بھی

آسان نہیں تھا، کہ اتنے میں نماز ظہر کا وقت آیا اور نماز کے بعد میں نے یہ دُعا پڑھی۔ ''رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خیر فقیر''۔ اب میں ہاسٹل کے "Prayer Hall" میں تھا اور دُعا میں مشغول کہ ڈاکیہ نے دروازہ کھٹکھٹا کے آواز دی، کہ تیرا منی آرڈر آ گیا ہے، انسان سر تا پا شکر بن جاتا ہے جب اُن کی مہربانیاں دیکھتا ہے۔ اب مہمان صاحب جانے کے بہانے بنا رہا تھا، میں نے دل میں کہا کہ اب کہاں بھاگتا ہے۔ تمہاری خاطر تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میری لاج رکھ لی۔ واقعی سچ ہے۔

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

بزرگی نہ سہی دُنیا میں کچھ لاج تو رکھی جاتی ہے اور ویسے یہ بھی اس کے کرم سے دور نہیں کہ آخرت میں کسی کی جوتیوں کے صدقے مہربانی ہی فرمائے۔

ان کے کرم کے ہم نثار، ان کی عطا کا کیا شمار
دیدیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

اسی طرح ''اَللّٰهُمَّ اكْفِنِی بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِی بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ'' رزق حلال اور رشتہ کے لئے ایک مجرب نسخہ ہے، غرض دُعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لئے ایک زبردست ہتھیار ہے۔ جس سے بندہ اپنے خالق سے رشتہء بندگی استوار کر کے اپنے ضروریات کو منواتا ہے کلام ربانی کا دیباچہ سورۃ الدعاء سے ہوتا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی ہے کہ نماز کے لئے جزو لازم قرار دیا گیا، اور اس کی انتہا اپنے صفات (سورۃ اخلاص) اور ایک کے بجائے دو دعائیہ سورتوں سے فرمائی اور درمیان کو جملہ پیغمبروں کے حکایات کے ساتھ دُعاؤں سے بھر دیا، لوگ فقیر سے بھاگتے ہیں، اور اللہ میاں فرمائیں ''اِنِّی قریب'' کہ میں اُس کے قریب ہوتا ہوں، اور لوگ کسی

کے مشکل سے خوب فائدہ اٹھا کر اپنی بات منوانے کی کوشش میں ہوتے ہیں اور اللہ فرمائیں ''اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ'' کہ میں بے قرار کی قرار بن کر اس کی حاجت روی کرتا ہوں اور اس کی مشکل کو اس کی راہ سے ہٹاتا ہوں، غرض جس پر دُعا کا دروازہ کُھلا، اُس پر اللہ تعالیٰ کی عطایا کے ابواب کھلے، جو بغیر طلب کے دیتا ہے اور بغیر غرض کے دیتا ہے تو مانگنے پر کیوں نہ دے۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود — لطف تو ناگفتہء ما می شنود

بے طلب جو ملا، ملا، مجھ کو — بے غرض جو دیا دیا تو نے

لائق تو نہیں احسان کے ہم — پر بھی جو ملے احسان تیرا

عرض یہ کر رہا تھا کہ مولانا صاحبؒ کے کیمیا اثر صحبت کی وجہ سے باوجود اپنی خرابیوں کے دُعا کی طرف توجہ رہی، اور گاہے گاہے دُنیا میں بغیر کسی بڑی تاخیر کے شرف قبولیت بھی حاصل ہوئی، خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ یہ تاثیر استدراج کی نہ ہو، اور آخرت میں بھی بیڑا پار ہو، غرض بزرگوں کی صحبت مٹی کو سنگ پارس بنانے کی تاثیر رکھتی ہے۔

کیمیائے است عجب بندگئ پیر مغان — خاک در گشتم وچندین در جاتم دادند

مولانا صاحبؒ کی کوشش، جہد و مشقت اور دُعاؤں نے یونیورسٹی کو خانقاہ کی حیثیت دی، جہاں سے کالج کے طلباء تو کیا مدرسوں کے علماء و فضلاء تک سیراب ہوئے، اور آپ نے نہ صرف یونیورسٹی کی فضا کو یکسر بدل ڈالا، بلکہ دور دور علاقوں میں اپنے متعلقین اور خلفاء کے ذریعے مذہب کے فروغ اور شریعت و طریقت کے ابلاغ کا کام جاری رکھا، اور تو اور آپ کے فیض رسان حرمین کے مکین بن کر دین حقہ کے ترجمان بنے۔

مولانا صاحبؒ صرف صاحب طریقت بزرگ نہ تھے، بلکہ اسلام کے ایک بڑے داعی تھے، اور کئی سال تک سرحد کے امیر تبلیغ رہے اور اپنے بیانات سے لوگوں کے دلوں اور سینوں کو گرماتے رہے، آپ ایک مرد مجاہد بھی تھے، اور جوانی کے ایام میں سرحد سے مسلم لیگ کے سیکرٹری رہے اور اُس زمانے میں توکّل کا یہ عالم تھا، کہ آٹھ آنے پر بنگال گئے بھی اور آئے بھی اور اٹھنی پھر بھی ساتھ رہی۔ فرمایا کہ میں جب حضرت سید صاحبؒ کے پاس جاتا تو کچھ سیاست کی باتیں بھی کرلیتا، بعد میں آپ سے معافی مانگ لیتا۔ ایک دن حسب عادت جب میں نے وہی بات دُہرائی تو فرمایا، خیر ایک دن تے ہو جائے گی، اللہ کا کرنا کہ حضرت کی توجہ سے پھر وہ بات نہ رہی اور سیاست سے عدم دلچسپی پیدا ہونے لگی۔

مطالعہ شروع کیا، تو سیرۃ النبی سے والہانہ شوق پیدا ہوا، اور یہ نہ صرف مصنف سیرت سے عشق و محبت کا باعث بنا، بلکہ صاحب سیرت سے وہ رشتہ قائم رہا کہ اکثر حالات بیان کی ابتداء آپ کے نام سے ہوئی، اور خطبہ کے لئے سورۃ الجمعہ کی آیت هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کو پوری زندگی کے لئے چُنا گیا، اور بیانات میں بھی آپ کی سیرت پاک کی وضاحت اور تشریح کو اپنا موضوع بنایا، یہاں تک کہ محبین تک کو آپ کے بیان سے کسی غیر کا خیال نہ آیا اور آپ کو اپنے آپ میں سے سمجھتے رہے، ایک چلّہ میں آپ کی تشکیل ایسے علاقے میں ہوئی، تو بندہ نے ایک خط میں لکھا:

”معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اکثر تشکیلیں میرے دیرینہ متعلقین (بریلوی حضرات) کے علاقے میں ہوا کرتی ہیں، اور نتائج ہمت افزا ہیں، اور ہونے بھی چاہئیں

کیونکہ وہ لوگ آپ کو اپنے سے غیر نہیں پاسکتے"۔ جواب میں حضرت الشیخ نے لکھا: "فقیر تو تمام مسلمانوں کا خادم ہے اللہ تعالیٰ انہیں کجی وزیغ سے نکال کر حقیقی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع نبوت نصیب فرمائے آمین"۔ پھر دلیل کے طور پر لکھا: "ہر طبقہ میں تبلیغ ان کے ماحول کو دیکھ کر مابہ الاشتراک سے شروع کرنی پڑتی ہے، نص قرآن "تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ الاية اِس پر شاھد ہے"۔

تبلیغ میں بھی آپ کا عقیدہ صرف دین کا پہنچانا نہیں تھا بلکہ آپ تبلیغ کو "ختم نبوت" کا فریضہ سمجھ کر کر رہے تھے، کہ جب نئی نبوت ملنے والی نہیں، اور دین کا پہنچانا لازم تو تبلیغ ختم نبوت کے صدقہ سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ اور منصب ٹھہرا اور اس فریضہ کی عدم ادائیگی گویا ختم نبوت کو ناقص گرداننا ہے۔ ختم نبوت کی عالمگیریت اور اس کا تقاضا کافی تفصیل کے ساتھ آپ کے اپنے قلم سے آپ کی ڈائری میں سے بیرونی سفر 1957ء کے ابتدائی خطبہ سے ملتا ہے، جو کہ جامع اور مرتب انداز میں بیان فرمایا گیا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جب معلوم ہوا، کہ اُن کا تعلق ارادت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے، تو سلوک کے لائن سے خط وکتابت شروع کی اور بیعت کی رسم بھی بذریعہ خط کے ہوئی۔ بیعت کے وقت اپنی حالت کا ذکر یوں لکھا: "دیکھتا ہوں کہ میری پرانی ٹوپی کو اُتار کر ایک دوسرے شخص کی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی گئی ہے، اور تعریف کی جارہی ہے کہ یہ ٹوپی تمہارے ساتھ زیادہ اچھی

معلوم ہو رہی ہے"۔ جواباً حضرت سید صاحب نے فرمایا: "قدیم صوفیہ میں یہی رواج تھا کہ مرید ہوتے وقت شیخ اپنی کلاہ مرید کو عنایت کرتے تھے"۔ جب یہی غائبانہ بیعت کی ابتداء ہو تو انتہاء کیا ہو گی۔

عام تبلیغی حضرات کے مذاق کے بالکل برعکس آپ نہ صرف مجاہد تھے اور مقرر بلکہ ان کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی تھے، اس کا اعتراف "تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ کے ایک مرتّب مولانا عتیق الرحمان سنبھلی نے ان الفاظ میں کیا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو لوگ فکری اور عملی اعتبار سے اس تبلیغی کام میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان کے یہاں مضمون نگاری کا کوئی خانہ نہیں۔ ہمارے علم میں صرف ایک صاحب ہیں، جو اس عموم سے مستثنیٰ ہیں (یعنی محترم مولانا محمد اشرف صاحب، ایم۔اے عربی، اسلامیہ کالج، پشاور"۔ "اُن کا مضمون بھی آگیا، جو بلاشبہ قلم برداشتہ ہے مگر ہماری توقع کے مطابق"۔ اور بعض حضرات کے خیال میں گویا پورے نمبروں کے لئے ایک انتہائی اہم مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا صاحبؒ نے تبلیغی کام کے تعارف کے لئے مضامین لکھے جو الفرقان وغیرہ میں شائع ہوئے، آپؒ نے کب لکھنا شروع کیا۔ بظاہر آپ 16 اگست 1950ء کے حضرت سید صاحب کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت الیاس کاندھلویؒ کے طریقہ دعوت پر کتاب و سنت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے احسان سے کچھ لکھ رہا ہوں، گو کتاب کی تکمیل نہیں ہوئی، لیکن تقریباً دو سو صفحات تک جا پہنچی ہے، اشاعت سے پہلے آپ کی کیمیا اثر سے گذارنا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو تو جب حاضری میسر آئے، مسودہ ساتھ لے آؤں کہ اپنی نفسانی گندگیاں دوسروں کے گمراہی کا سبب نہ بن جائیں"۔

اپنے گوناگوں اور متضاد مشغولیت کے باعث بھی آپ تصنیف سے الگ نہیں رہے، اور کئی کتابیں اعلیٰ معیار پر تصنیف فرمائیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے فی البدیہہ بیانات بھی سنجیدہ تصانیف کا مقام حاصل کر گئے۔

10 مارچ 1978ء کو ڈاکٹر فدا محمد صاحب کی غیر موجودگی میں بندہ نے مدینہ مسجد میں جمعہ کے دن تقریر کی، موضوع تھا ''قلب اور اس کے خواص قرآن و حدیث کی رو سے'' سامعین میں مولانا صاحبؒ بھی موجود تھے، مولانا صاحبؒ نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''آج بہت اچھے طرز پر تقریر ہوئی اور خطبہ بھی اچھا رہا''۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ ''ہم ایک اچھا گروپ بنا سکتے ہیں، جو چند کتابوں کے کورس کے ختم کرنے سے اچھی طرح قابلیت حاصل کرکے ایک اکیڈیمی کی صورت اختیار کر سکتا ہے''۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ''بہت پہلے سید صاحبؒ اور ایک بزرگ نے قرآن و حدیث کی رُو سے قلب پر لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا، یا کہا تھا، اب ہو سکتا ہے کہ یہ کام میں مکمّل کروں یا شاید تم کرلو''۔ بندہ کا اب جو کچھ حال ہے اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ''قلب'' تو کیا ''کلب'' پر بھی کچھ نہ لکھ سکے، البتہ مولانا صاحبؒ نے ''شاہراہ معرفت'' تصنیف فرما کر اصلاح قلب کے لئے بہت کچھ سامان مہیّا کیا۔ آپ نے اپنی ہمت کی بلند پروازی سے سلیمان اکیڈیمی کی بنیاد ڈالی اور ''البیان'' رسالہ بھی جاری کیا، لیکن ہم متعلقین پر باوجود بہت کچھ ساتھ ہونے کے ایسی جمود چھائی تھی، کہ یہ رسالہ جو چند شماروں میں شہرت پائے ہوئے تھا، مالی کمزوری اور رجال کار کی بے حسی اور غفلت کے باعث چل نہ سکا۔ اب بسا غنیمت ہے کہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب کی سعی اور کوشش سے ''غزالی'' چل نِکلا اور آپ کے دم خم سے ایک اچھے نام سے قائم ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر مزید

وسعت دے اور مسلمانوں کے لئے راہ پر لانے کے لئے پُر اثر بنائے۔ اور اسے بقاء اور دوام کی صورت بخش کر جملہ ساتھیوں کو اس فیض عام سے مالا مال فرما کر اپنی رضائے خاصہ کا سبب بنائے۔ آمین۔ اور مولانا صاحبؒ کے دیگر متعلقین کے لئے اصلاح کار کے راستے کھول دے اور آپ کے فیض کو عام کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین یارب العالمین

عطائے خلافت

مولانا صاحبؒ مع اپنے اہل و عیال کے سلطان حنیف اور کزئی (جو ملیشیا کے کمانڈر ہیں، اور جو اصلی علاقہ تیراہ کے ہیں، لیکن فی الحال ہزارہ ایبٹ آباد میں سکونت پذیر ہیں، ان کے والد صاحب فوج میں رہ چکے ہیں، اور تاہنوز بقید حیات ہیں) کی درخواست پر سوات آئے ہوئے تھے، اور ان کے ہاں سیدو شریف میں قیام پذیر تھے۔ میرے بھائی محمد حسین کو جو بی۔اے کا امتحان دے رہے تھے، پتہ لگا از واسطہ محمد نعمان اعوان کے جو اُن کے ممتحن تھے کہ مولانا صاحبؒ یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں اور عبدالکبیر (میرے بہنوئی) نے آپ کی مہمانی کی غرض سے درخواست کی جس کو شرف قبولیت حاصل ہوئی۔ اور وعدہ ہوا کہ وہ تشریف لائینگے۔ چنانچہ 15 اگست 1991ء مطابق 2 صفر المصفر 1412ھ بروز جمعرات جبکہ میں بال بچوں کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنے گاؤں کوٹہ (سوات) میں مقیم تھا، مولانا صاحبؒ مدظلۂ العالی مع نعمان، سلطان حنیف، اُن کے والد، بونیر کے ایک مہمان (جو بونیر کے صوبائی اسمبلی کے منتخب ممبر کے چچا تھے) اور ایک خادم اور اہل و عیال مع سلیمان کے (جو ابھی چھ سات سال کے تھے) تقریباً 3 بجے ظہر تشریف لائے۔

میں اور عبدالکبیر صبح سے انتظار میں تھے، دوپہر کا وقت ہوا، پھر ظہر کا وقت

آیا۔ کھانے کا وقت گذر رہا تھا، اور ہم بمع سارے گھر والوں کے شدت سے انتظار کر رہے تھے، یہاں تک کہ مایوسی شروع ہونے لگی، ہم نے ظہر کی نماز پڑھی، اور کھانا بھی کھایا اور گھر والوں کو بھی کھلایا، لیکن کچھ احتیاط کے رُخ سے مہمانوں کے لئے رکھا گیا کہ اتنے میں بعد از انتظار بسیار اچانک اس خوش بخت قافلہ کا ورود ہوا، کھانا کھایا گیا، اور سلطان حنیف صاحب کے والد صاحب نے ہمارے گھر اور اس کے ماحول اور ہر چیز کی تعریف کی، اپنے گاؤں سے بچھڑے اور اپنی گذشتہ زندگی پر ہر لحظہ افسوس کرتے رہے۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد بات چیت ہوئی، اور پھر عصر کی نماز کے بعد مولانا صاحبؒ نے مجھے بُلا کر کہا کہ دل میں وارد ہوا ہے کہ آپ کو چاروں سلاسل چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ میں اجازت دوں، چنانچہ ان سلاسل میں بیعت کی ذمہ داری لیں۔ مجھے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گُل نسیم صبح تیری مہربانی

میں نہ تو اس ذمہ داری کے لئے تیار تھا اور نہ اپنے کو اس کا اہل سمجھ رہا تھا، کیونکہ مدتیں ہوئیں اور تو اور بندہ سے وہ معمول کی اوراد بھی چُھٹ گئی تھیں، چنانچہ اس خلاف توقع ذمہ داری کو اپنے لئے کچھ تعجب خیز سمجھ رہا تھا، مگر پھر بھی جی میں سوچا کہ شاید کہ اس وجہ سے اجازت ملی ہو، کہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے کچھ تیاری کرلے۔ بہر حال یہ ایک خلاف توقع خبر تھی، جو خدا کے فضل سے ان دنوں نصیب ہوئی۔ جس کا میں اپنے کو کسی صورت بھی اہل نہیں سمجھتا۔ ہاں! ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بندہ گو نہایت بداعمال اور گناہ گار ہے لیکن اللہ کے فضل و احسان سے قرآن سے ایک شغف حاصل ہے، اور اس کے مطالعہ اور درس میں وقت گذر رہا ہے، شاید یہ اُسی کا فیض ہو، کہ دینی اور دنیوی عنایات مل رہے ہوں۔ کہ "کلام الملوک ملوک

الکلام'' اور ''خیرکم من تعلّم القرآن و علّمہ''۔ پھر اس کے بعد جب یہاں گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد پشاور آنا ہوا، تو چند دنوں کے بعد خلاف توقع اور خلاف مرضی ایک اور تبدیلی رونما ہوئی کہ سعید الحسن کے بجائے میرا نام PBG کے چیئرمین کی حیثیت سے اُبھر آیا اور مجھ پر روحانی ذمہ داری کے ساتھ اب ایک دنیوی ذمہ داری بھی ڈال دی گئی۔ خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مجھے اپنی جملہ ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی توفیق نصیب فرمائے اور میری لغزشوں پر خط تنسیخ پھیر دیں۔

قلم عفو بر گناہم کش

بندہ کی دینی تعلیم کا حال

بندہ کو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے ساتھ وابستگی حاصل رہی، ابتداء تو اپنے گھر میں والد صاحب سے ہوئی جنہوں نے فارسی اور منیتہ المصلی پڑھائی، مڈل سکول خانگڑئی میں میزان الصرف، ابواب الصرف، گلستان، بوستان، کنز اور قرآن مجید کا ترجمہ مع تفسیر کے پڑھا۔ کالج کے زمانہ میں مولانا صاحبؒ سے ابتداء میں کچھ زمانے تک الطاف اور فتح محمد کی معیت میں ترجمہ قرآن پڑھا اور پھر آپ کی عربی کلاس میں ایم۔اے کی تفسیر کے پیریڈ میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ اور بعد میں آپ سے مولوی یوسف، میاں بشیر وغیرہ کے ساتھ مشکوٰۃ شریف کا درس لیا۔

فارسٹ کے مولوی صاحب سے فقہ میں قدوری پڑھی۔ اور سعید اللہ شاہ آف مزارہ سے فوز الکبیر مکمل اور ہدایا کے کچھ اسباق پڑھے۔ مولانا عبد القدوس صاحب کے درس قرآن میں مدتوں تک بیٹھنے کا موقع ملا، اور آپ کی کلاس میں ہدایہ اور مولانا عبد الشکور صاحب سے شرح وقایہ کے اسباق لئے۔ آخر میں مولانا عبد القدوس صاحب

سے مولوی محمد یوسف برجوی کی معیت میں بخاری کا درس لیا۔ ایک دفعہ آپ نے اذان کا حکم دیا تو اختتام پر فرمایا کہ "تمہاری آواز میں سوز ہے"۔ ایک دفعہ میری بخاری کا حاشیہ دیکھا جس پر میں نے بعض الفاظ کے معانی لکھے تھے، فرمایا: کہ الفاظ کا چناؤ اچھا ہے۔ یہاں پروفیسر کالونی میں جب B-11 کو منتقل ہوئے تو مولانا عبّادالرحمٰن فارغ التحصیل دارالعلوم کراچی سے ترمذی اور ابوداؤد کا درس لیتا رہا۔ غرض بندہ اپنے آپ کو عصری علوم کے ساتھ دینی علوم سے وابستہ رکھتا رہا، خواہ بحیثیت متعلّم ہو یا معلّم یا خود کتاب وغیرہ پڑھ کر یا بحث مباحثہ کے ذریعے۔ اسی طرح مولانا صاحبؒ کی مجالس اور آپ کے بیانات سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ جس کا سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔ غرض بندہ اپنی ظرف کے بقدر مختلف جہات سے استفادہ علم کرتا رہا۔ گو عمل کی جہت سے بڑا ابوداثابت ہوا، خدا اپنے فضل سے ایمان کے ساتھ حُسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ اللّٰھم آمین

گر بریزی بحر را در کوزۂ — چند گنجد قسمت یک روزۂ

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد — تا صدف قانع نشد پُر در نشد

لیکن بقول کسے!

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

گو مثال یہ ہو!

چار پائے برو کتا بے چند

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مولانا صاحبؒ اسلامیات کی بجائے عربی پڑھاتے تھے۔ اس بنیاد پر کہ دین سے کمانے والا نہ ہو۔ آپ نے عربی کلاس میں سورۃ القدر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ لیلۃ القدر کے نشانات مختلف ہوتے ہیں،

چنانچہ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اُس وقت تک آپ کو شب قدر کی دو مرتبہ حصول کا اتفاق ہوا۔ اور اس کے بعد بھی کافی مدت تک تقریباً تیس سال تک حیات رہے۔ واللہ اعلم۔ نیز آپ کے درس میں ایک مولوی صاحب تو ڈگری لینے کی حیثیت سے شریک تھے لیکن توجہ زیادہ نہ دیتے تو مولانا صاحبؒ نے ناراضگی کے لہجے میں فرمایا کہ حضرت سید صاحبؒ کا قول ہے کہ "علم و عمل کے جس مقام پر بھی پہنچو، ہنوز سمجھو کہ ابھی ابتدا ہے"۔ آخر میں اُس مولوی صاحب کو آپ کی زیر نگرانی پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ خود مولانا صاحبؒ کسی سے علم حاصل کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے، میں جب فقہ پڑھتا تھا تو کوئی مسئلہ آگے آپ کے سامنے بیان کرتا تو توجہ سے سنتے، ایک دفعہ میں نے امامت کا حقدار کون؟ کے مسئلے میں بیان کیا کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو، تو آپ نے فوراً فرمایا کہ لوگ امام صاحب کی بیوی کی خوبصورتی کی بھی تحقیق کرینگے۔ قاری الیاس صاحب آپ کے ہاں قرأت کا درس دیتے تھے، تو آپ ہمارے ساتھ درس میں آکر بیٹھتے اور سب لوگوں کی طرح آپ بھی قرأت کی تصحیح کے لئے سبق دہراتے رہتے۔ کتاب سے آپ کی بڑی محبت تھی، اور مطالعہ میں تیز بھی تھے اس کے حریص بھی اور فرماتے کہ کسی کو کبوتر بازی کا شوق ہوتا ہے اور کسی کو کوئی اور، اور ہمیں کتاب بازی کا شوق ہے۔ کتابوں کے رکھ رکھاؤ اور جلد بندی کا خیال رکھتے اور ان کی جگہوں کو یاد بھی رکھ لیتے۔ اس لئے آپ نے کافی لائبریری اکٹھی کر رکھی تھی، اس کے برعکس مولانا عبدالقدوسؒ مطالعہ کے بڑے شوقین تھے، لیکن زیادہ لائبریری کی کتابیں پڑھتے، بعد میں آپ کو کتابی ذخیرہ کی کمی کا افسوس رہا۔ گو علم میں خصوصی طور پر فقہ میں آپ کی مہارت کو حضرت بنوریؒ تسلیم فرماتے

تھے، اور اُن سے یوں سُنا کہ اُن کو کہا کہ یہاں آکر فقہ کی تخصص شروع کرے پہلے تو سروس کا بہانہ تھا، لیکن سبکدوشی کے بعد بھی جانے پر راضی نہ ہوئے۔

پۓ علم چوں شمع باید گداخت   کہ بے علم نتوان خدارا شناخت
علم بود آن کہ راہ بنمایدت   زنگِ گمراہی ز دل بزدایدت

مولانا عبدالقدوس صاحب نے اپنے بڑے بیٹے کی شہادت کے صدمہ کو انتہائی تحمل سے برداشت کیا یہاں تک کہ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ بیمار پڑ جائیں۔ چنانچہ واقعی آپ کو گردوں کی بڑی سخت تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ جسم سوجھ کر فوت ہونے کا خطرہ ہوا، اِسی حالت میں بھی کتاب آپ کے سینہ پر رہتی اور پڑھائی کی کوشش کرتے۔ بعد میں اللہ نے صحت دی اور ایک مدت تک بقید حیات رہے۔

مولانا عبدالقدوس صاحب کی معیت میں مولانا عزیر گل صاحبؒ کے پاس سخاکوٹ جانا تھا، راستہ میں جو بعض چیزیں لینی پڑتیں، تو آپ پیسے دینے پر اصرار فرماتے۔ چنانچہ میں نے کہا کہ حضرت! ابھی تو آپ کی سروس بھی نہیں اور میں نوکری پر ہوں۔ اس لئے مجھے بھی خدمت کا موقع عنایت ہو، تو فرمایا کہ بات نوکری اور غیر نوکری کی نہیں، اللہ تعالیٰ جسے دینا چاہے وہ دیکر دیتا ہے اور ابھی حالت پہلے سے بھی اچھی ہے، مجھے تو یقین نہیں آرہا تھا اور اس کو مبالغہ پر محمول کرتا رہا، لیکن تھوڑے دنوں کے بعد مولانا صاحبؒ کو شریعت کورٹ کے جج کی آسامی کی پیشکش ہوئی اور اپنے ساتھ انجینئرنگ کے مولانا انوار اللہ کو بھی بطور رجسٹرار کھینچ لے گئے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے پاس بڑے بڑے علماء جن میں حضرت یوسف بنوریؒ بھی شامل تھے کہ حضرتؒ نے کوئی مسئلہ اُٹھایا، باقی علماء نے جو کچھ کہا سو کہا لیکن مجھے ایسے لگا، کہ حضرت کی تشفی مولانا عبدالقدوس صاحب کے جواب

سے ہوئی۔ ایک دفعہ میں نے آپ کے سامنے کہا کہ مولانا صاحبؒ نے یوں فرمایا، تو سوال کیا کونسا مولانا؟ مولانا تو بہت سارے ہیں تو میں نے حضرت الشیخ مولانا اشرفؒ کا نام لیا تو کہا کہ نام ساتھ کہو، حالانکہ ہمارے لئے تو مولانا صرف مولانا صاحبؒ تھے بغیر کسی قید کے۔ مولانا صاحبؒ، عبدالقدوس کی علمیت کے سب قائل تھے لیکن ملکہ تحریر وہ نہ تھا جو چاہیئے تھا، چنانچہ قاضی نورالحق صاحب ایک خطبہ ہمارے مولانا صاحبؒ کے پاس لے آئے کہ اُن سے لکھوایا تھا لیکن پسند نہیں آیا، چنانچہ بعد میں حضرت مولانا صاحبؒ کا وہ لکھا ہوا خطبہ معمولی اضافے کے ساتھ پڑھا گیا۔ اُس وقت ڈین صاحب نے اپنے مطالعہ کی کمی کا بھی اعتراف کیا کہ میں توجمعہ کی تقریر کے لئے سید صاحبؒ کی سیرۃ النبی کا کوئی خاص جلد پڑھ کر اپنا کام چلاتا ہوں۔

مولانا عبدالقدوس صاحب میں فیاضی کی صفت موجود تھی اور جب ہم آپ سے گھر پر بخاری کا درس لیتے تھے، تو آپ چائے مع بسکٹ کی تکلف ضرور کرلیتے اور اس ضعیف العمری میں برتنوں کا لانا خود ایک کارے دارد۔ ہم نے منع کرنے کی کوشش کی تو فرمایا کہ پھر گھر والوں کی عادت بگڑ جائے گی، چنانچہ اِس تکلیف سے بچنے کا راستہ ہم نے یہ اختیار کیا کہ سبق کو گھر کے بجائے مسجد میں دینے کی استدعا کی۔

مولانا صاحبؒ کبھی ظرافت بھی فرماتے۔ چنانچہ کئی دنوں سے میری غیر حاضری پر فرمایا کہ اِس میں حقیقی طالب کے خواص بالکل پورے ہوتے ہیں: ”بے رخصتہ، بے پتہ اور بے مروتہ“۔

24 مارچ 1979ء کو آپ سے اتفاقاً ملاقات ہوئی اور پھر آپ کے ساتھ مسجد وسطیٰ میں نماز پڑھی، بعد میں آپ کے ساتھ سائد صاحب (چیئرمین جغرافیہ، پشاور یونیورسٹی) کے گھر گئے، تو مولانا عبدالقدوسؒ نے فرمایا کہ ”یہ میرے ایسے شاگرد ہیں

کہ یہ جان چھڑانا چاہتا ہے، اور میں اس کو پکڑتا ہوں"۔ پھر فرمایا کہ ایسے دیوبند میں میرے ایک قاری صاحب اُستاد تھے، جس کے ساتھ میں نے صرف الحمدللہ میں دو تین ہفتے گذارے، لیکن ہر بار وہ اس کو دہرانے لگتے، میں نے سوچا کہ آخر یہ اس میں کیا کرنا چاہتے ہیں، میں اُس سے چھپنے لگا، اب میں دُعا کرتا ہوں، بندہ بھی آپ کو دُعا دیتا ہے اور دُعا کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے۔

خدا خوش رکھے ہم دُعا کر چلے
سب کہاں، کچھ لالہ وگل میں نُمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پہناں ہوگئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقشِ و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

بے جانہ ہوگا اگر یہاں پر مولانا عبدالقدوس صاحبؒ کا ایک رقعہ رکھا جائے جو انہوں نے شہد کے ایک معمولی ہدیہ کی وصولی پر لکھا تھا۔

پلوسی روڈ۔ڈاکخانہ فارسٹ کالج، پشاور

محبی زیدت معالیکم

السلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ!

عزیزی محمد حسین سلمہ کے ہاتھ آپ کا گراں قدر تحفہ پہنچا۔ حدیث کے الفاظ "تھَا دوا تحابوا" جس کا مفہوم یہی نکلتا ہے کہ محبت ہدیہ سے خود بخود پیدا ہوگی، اگرچہ محبت کے اسباب اور بھی بہت سے ہیں۔

اس ہدیہ کے ساتھ رمضان المبارک کی برکت بھی شامل ہے، اور عزیز

محمد حسین کی شاق محنت بھی، بے اختیار۔ دل سے جزاکم اللہ فی الدارین خیراً کی دُعائیں نکلتی ہیں۔ حضرت والد صاحب کی خدمت میں میری طرف سے السلام علیکم کا ہدیہ پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو دین و دنیا کی برکتوں سے نوازے۔ والسلام خیر الختام

نیاز مند دُعا گو محمد عبد القدوس

مؤرخہ 16 رمضان المبارک 1402ھ یوم الثلاثاء مطابق 6 جولائی 1982ء بروز منگل

مولانا صاحبؒ کا اپنے متعلقین کے ہاں غمی وشادی میں شرکت اور دیگر مصروفیات

حضرت الشیخؒ کو قدرت نے ایسا دل دیا تھا کہ ہر مسلمان کی خوشی پر خوش اور اس کے غم میں درد مند تھا، اور جن کے ساتھ تعلق ہو جاتا تو اُن کے ساتھ دل معلّق رہا کرتا، جو اُس کو اپنی فریاد سناتا وہ ان کا مسئلہ بن کر دردِ دل بن جاتا، یہاں تک ہوتا کہ فریادی تو بے فکر لیکن مولانا صاحبؒ فکر مند، جو اُن سے روٹھتا خواہ حق پر ہو نہ ہو لیکن مولانا صاحبؒ کو اُن کو منانے کا خیال تو کیا غم لگ جاتا۔ جس کے متعلق کچھ مدت تک خبر نہ آتی تو مولانا صاحبؒ کو خود فکر کھائے جاتی اور ہر ذریعے سے اُس کی خیریت دریافت کرنے کی کوشش جاری رہتی۔ اگر کوئی عام آدمی اُن کو اپنے ہاں دعوت پر بُلاتا، تو انکار نہ فرماتے، آپ کے بہت سارے متعلقین اور مریدین تھے، اس کے علاوہ بڑی رشتہ داری اور دوست و احباب تھے، اور ہر شخص چاہتا کہ آپ کو اپنی خوشی میں رونق محفل بنائے لیکن باوجود اپنی انتہائی معذوریوں کے آپ لوگوں کی خواہشات کی اپنے کو پابند پاتے۔ چنانچہ میری شادی سے سخاکوٹ آنا ہوا، بھائی محمد اسرار کی شادی کی تقریب میں سوات تشریف لائے، قربان کی شادی میں لاہور جانا ہوا، اسی طرح حاجی

صاحب غضنفر کی شادی میں لاہور کا سفر ہوا، میاں بشیر کاکا خیل کی والدہ کی وفات پر کاکا صاحب گئے۔ اسی طرح مولانا عبدالقدوس صاحب کے بچے کی شہادت پر کاکا صاحب جانا ہوا، خلیل احمد صاحب کی شادی پر لکی مروت کا سفر کیا، اسی طرح بزرگوں اور علماء کے پاس جانے کے لئے مستقل سفر جاری رہتے، کراچی میں اپنے شیوخ اور دیگر اکابرین کے لئے سالانہ سفر ایک مجبوری کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، سالانہ تبلیغی چلّہ کاٹنا لازمی تھا، کئی دفعہ مولانا عزیر گل صاحبؒ کی زیارت کے لئے سخاکوٹ تشریف لائے، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے پاس اکوڑہ خٹک کا دورہ بھی اپنے ساتھ یاد ہے۔ تبلیغی اجتماعات اور مشوروں میں شرکت یہاں تک کہ بیرونی سفر باوجود اعذار کے آپ کی قوت برداشت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ دیوبند کے اجتماع میں آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ نہ صرف شرکت کی بلکہ وہاں مختلف مقامات کے دورے بھی ہوتے رہے۔ حج اور عمرہ کے اسفار جو جوانوں سے نہ ہو سکیں وہ آپ نے ادھیڑ عمر میں ہر قسم کے عوارض کے باوجود ایک معمول سمجھ کے سرانجام دیئے۔ دینی تڑپ آپ کو بحالت انتہائی کمزوری اور بیماری آزاد کشمیر اور اسلام آباد کے شریعت کورٹ لے گئی۔

آپ کی اس قوتِ برداشت کو دیکھ کر بندہ نے خود حضرت مولانا عزیر گلؒ اسیر مالٹا سے سُنا: "کہ مجھے دو آدمیوں پر رشک آتا ہے جو کہ باوجود معذوری کے ہر جگہ موجود رہتے ہیں، ایک آپ کا نام لیا اور دوسرا حضرت شیخ الحدیث غور غشتویؒ کا"۔ اور یہ اُس شخص کی گواہی ہے جو خود ہمت کے پہاڑ تھے، اور جس نے قید و بند کی ہر قسم کی مشقتیں برداشت کیں۔ پھر اس پر مزید کہ آپ کے جوان عمر اور جوان ہمت مرید بھی تھک جاتے، لیکن آپ ہر قسم کی صعوبت برداشت کر کے اپنی معمول کی عبادات میں

سر گردان تو کیا سر گرم نظر آتے، گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں، گویا آپ مولانا روم صاحب کے اس شعر کے مصداق تھے۔

خود قوی تر می شود خمر کہن　　　　خاصا آن خمرے کہ باشد من لدن

اور یا بقول حضرت سید صاحب!

ساز گار اب گردش ایّام ہے　　　　دور میں ہشتاد سالہ جام ہے

عہد پیری شباب کی باتیں　　　　جیسی ہوتی ہوں خواب کی باتیں

قوت برداشت کے متعلق آپ کی حالت یہ تھی کہ روشن دین جیسے دیوانے جن کو شاعری کا زعم بھی تھا، لمبی لمبی تحریریں لا کر آپ کو سناتے اور آپ ایسے غور سے سنتے کہ جیسے کسی بڑے پائے کا شاعر اپنا کلام سحر انگیز سنا رہا ہو۔ ایک قاری صاحب نے ایک لمبا خط بے ادبی سے بھرا ہوا آپ کو لکھا لیکن آپ نے اس کا لحاظ بھی برقرار رکھا۔ خود آپ کے خادم عزیز کشمیری جوش میں آکر اپنی بے تکی سُناتے لیکن پرواہ نہ کرتے اور اسے اپنی اصلاح کا ذریعہ خیال کرتے۔ اِسی وجہ سے تو آپ کے بعض متعلقین کہتے کہ اگر بزرگی ایسی ہو تو ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتی۔

عزیز کشمیری کی بھی عجیب شخصیت تھی۔ مولانا صاحبؒ سے محبت کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر آپ کے در پر پڑے رہے، آخر میں ایک بڑا گیراج آپ کا آشیانہ بنا، جس میں بے شمار برتن اور قسم قسم کی ٹوکریاں لٹکتی ہوتیں، کسی میں مٹھائی اور کسی میں کیا اور کسی میں کیا، جب جی چاہا تو کسی کو دیا کسی کو نہ چاہا تو محروم رکھا، کبھی دعوت میں پائے اور مچھلی بھی پکاتے اور اِس پر اپنے من پسند لوگوں کو بلاتے، اور اپنا ٹیکس بھی لگاتے۔ کبھی کسی سے خفا ہو کر برملا اس کا اظہار کرتے۔

ان کے اپنے خاص مقولے بھی تھے جو وہ اپنے خاص انداز سے سناتے۔ مثلاً

اللہ کے نام دے گنگڑیاں اور یار دے نام دے پراٹھے۔

حلویٰ الذین گُکڑ الذین سیوئیاں کنڈ بَرُوراً۔

بزرگا بزرگی بڑی دور ہے، یہ بڑی اوچھی وڈی کھجور ہے جو گرا تو پاؤں چکنا چور ہے۔

آپ کی موت بھی عجب شان سے ہوئی کہ مسجد درویش میں کمرہ ملا تھا، اچانک موت واقع ہوئی۔ اتفاق سے سلطان حنیف اور کزئی کو پتہ لگا۔ مدرسہ والوں نے غسل دیکر شان سے جنازہ پڑا اور مولانا صاحبؒ کے قدموں میں یونیورسٹی کے ملازم ہوئے بغیر جگہ پائی۔

تن بوقت جان سپر دن اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

خلیل احمد مروت کی شادی پر مولانا صاحبؒ کی معیت میں لکی جانا

6 اپریل 1972ء کو خلیل احمد مروت کی شادی تھی۔ اور مولانا صاحبؒ کی مروّت کب یہ برداشت کر سکتی تھی کہ بلاوے کے باوجود وفانہ ہو، اعذار تو آپ کے ہمت اور عزم کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی، بس آپ کا ارادہ ہی وجود عمل تھا، اور بقول کسے!

تو چنین خواہی خدا خواہد چنین رد ندارد حق مراد متقین

بس کیا تھا لکی مروت کا لمبا سفر اور مولانا صاحبؒ کا مضبوط عزم، رخت سفر تیار اور مسرت کے بھائی معظم کی کار اور ساتھ یہ بندہ ناہنجار۔ راستے میں معظم کے چٹکلے کہ

اُستاد نے ڈرائیونگ سکھاتے ہوئے کہا: کہ انسان کے بچے اور گدھے کے بچے اور بھینس کے بچے سے ہوشیار رہنا۔ عزم کے سامنے کوہ بھی رائی چنانچہ کوہاٹ کے سلسلہ ہائے کوہ کو پار کر کے مروت کے ریگستان میں داخل ہوئے، اور ریت کا یہ نہ تھمنے والا سلسلہ بھی آخر اختتام کو پہنچا اور فرحان و شادان خلیل احمد صاحب کے گھر پہنچ ہی گئے۔ کھانا کھایا گیا اور گپ شپ ہوتی رہی کہ اتنے میں مجھے اپنے ایک دوست عبدالاکبر کے پاس دلوخیل جانے کی سوجھی۔ کارپرائی اور مرضی اپنی آخر ریت کے دریا کو بصد دقت عبور کر کے منزل مقصود پر پہنچ ہی گئے۔ تھوڑی دیر ٹھہرے اور پھر واپسی کی راہ لی۔ کیونکہ رات کا وقت تھا اور ٹھہرنے والے ہم نہ تھے۔ صرف اپنی حاضری لگوانا چاہتے تھے اور اس کے لئے وہ کسی والی بات ''دیدن لږ هم هغه او ډیر هم هغه'' (یعنی دوست کے ساتھ ملاقات اگر طویل بھی ہو تو سیری نہیں ہوتی)۔ اور مولانا صاحبؒ کے پاس واپس پہنچنا ضروری تھا۔ معظم حسین بڑے سادہ طبیعت کے آدمی، ہمارے ساتھ کچھ وقت ایس ٹی سی میں گذار چکے تھے، بڑا معصومانہ انداز تھا، اپنے منجھلے بھائی مسرت حسین صاحب (مرحوم) کے بالکل برعکس چنانچہ اُن کی باتوں سے ہمارے ساتھی کافی حظ اٹھاتے۔ آپ کے بڑے بھائی مکرم شاہ صاحب مولانا صاحبؒ کے معالج رہے، سجیلے نوجوان، با سلیقہ مہذب اور ہمدرد، اور اِس ہمدردی کے باعث سُنا ہے کہ اُس نے ایک مریض کی خیر خواہی میں اس کی ''Biopsy'' اس طرح لی کہ خود اپنی جان چلی گئی۔ گویا اس شعر کے مورد بن گئے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی　　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اُس کی اس انتہائی درجہ کی قربانی اور نوخیز جوانی پر ہسپتال والوں نے ایک کمرہ

اُن کے نام پر معنون کیا۔

قریب ہی کے دنوں میں معظم حسین کے کسی لڑکے کی شادی کا کارڈ آیا۔ مجھے اور میر حاتم صاحب دونوں کو بُلایا تھا، لیکن کسی وجہ سے ہماری حاضری نہ ہو سکی۔ ورنہ اُس نے تو اپنا حق دوستی ادا کرتے ہوئے ہمیں بُلایا۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے اُس کی جھولی بھر دے۔ آمین

مولانا صاحبؒ کی طرف سے کمترین کی عزت افزائی اور کئی بار غریب خانہ پر تشریف آوری

مولانا صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بندگان خدا کی اصلاح اور تربیت کے لئے مبعوث فرمایا تھا، چنانچہ یونیورسٹی کے اُس ماحول میں جہاں کوئی پروفیسر کسی طالب علم سے بات کرنے کا روادار نہ تھا، اور پروفیسر کا کام صرف لیکچر دیکر اپنے فرائض سے سبکدوش ہونا تھا، چنانچہ اس فاصلے کو کم کرنے کے لئے چودھری محمد علی، وائس چانسلر، پشاور یونیورسٹی نے ایک تو Teacher Student Centre یعنی T.S.C کی بنیاد رکھی اور دوسری خود تقاریر کے ذریعے سٹوڈنٹس سے براہ راست مہم کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ طلباء کے ہاسٹلوں میں پروفیسر حضرات کی ڈیوٹی لگوائی تاکہ وہ ان کے ساتھ ڈائیننگ ہال میں کھانے میں شرکت کرکے اُن سے میل ملاپ کا باعث بنے۔ اور اس کام کو اُس نے بڑی سختی سے نباہنے کی کوشش کی اور باقاعدہ ہاسٹل وارڈن سے پروفیسروں کی حاضری کی رپوٹ لیتے رہے۔ لیکن جس بات کو عملی طور پر چودھری صاحب نے بہت دیر میں محسوس کرکے اُس پر دوسروں کو ڈالنے کی کوشش کی، مولانا صاحبؒ نے یہی کام

اپنے ابتدائی تقرر سے اپنالیا تھا، خدا تعالیٰ نے اُن کو محبت والا اور انسانیت کا درد دکھ محسوس کرنے والا احساس دل دیا تھا، جو بھی اُن کے پاس آیا مولانا صاحبؒ نے اپنی محبت دلسوزی اور خیر خواہی سے اس کو مسخّر کر کے رکھ دیا۔ خود بندہ کا کام یہ ہوتا تھا کہ جب کسی کے دل میں دین کی کوئی تڑپ دیکھی تو مولانا صاحبؒ کے درِ دولت پر اُس کو پہنچا کر ایسا سمجھا کہ اب میں اُس سے فارغ ہوا اور آپ کی مقناطیسی شخصیت کی کشش اُس کو پھر اپنے پاس سے جانے نہیں دیتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس دربار عالی کا ایک فرد بن جاتا۔ شاذونادر ایسا نہ ہونا ایک عام بات ہے۔ اور اسے کوئی قاعدہ کلیہ بنایا نہیں جاسکتا۔

خود اس عاجز کی یادداشت کے مطابق 1961ء میں آپ کی طرف انجذاب ہوا، اور بہت کم وقت میں آپ نے اپنے حضر وسفر کا ساتھی بنایا، اور اس وقت تک نہ چھوڑا جبکہ خود میری سیاہ کاریاں، سُستیاں اس راہ میں حائل نہ ہوئیں، مولانا صاحبؒ چونکہ معذور تھے اور معذوری کی وجہ سے نماز اپنے گھر پر پڑھتے، تو پہلے تو امامت کا اعزاز بخشا گیا، اس کے ساتھ کبھی کبھی کھانے کے لئے ٹھہراتے، جب یہاں کے ہاسٹلوں سے ہمارا تبادلہ زرعی کالج کے ہاسٹل نمبر 6 میں ہوا، تو شاذونادر ہمیں بھی اعزاز بخشتے کہ ہمارے ہاں گشت والے دن ہمارے ساتھ ماحضر تناول فرمائیں، آپ کو اپنے متوسلین سے حد درجہ محبت رہتی اور کبھی جب ہماری طرف سے سستی ہوتی تو آپ خط، ایلچی اور آخر میں خود حاضر ہونے کی تکلیف فرماتے، ایک دفعہ آپ سے تعلق جوڑنا گویا آپ کے ہاں ایک مستقل جگہ پیدا کرنے کے مترادف ہوتا۔ جب ہم سخاکوٹ میں سکونت رکھتے تھے، تو وہاں پر مجھے آپ کے ساتھ کم از کم دو دفعہ مولانا عزیر گلؒ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک دفعہ بھائی محمد اسرار ساتھ ہوئے، اور واپسی پر محمد اسرار کے ساتھ نہ

ہونے کے باوجود ہمارے لئے اپنے عالی اخلاق کی وجہ سے ہمارے گھر سے ہمیں کچھ سامان خورد ونوش لائے۔ اگست 1975ء کو میری شادی میں شرکت کی اور نکاح پڑھایا، چلّے پر یا حج کے اسفار میں اپنی محبت آمیز دُعاؤں میں یاد رکھتے اور کبھی خط بھی لکھ جاتے، جب میں ایس ٹی سی آیا تو بھی آپ نے ہمارے کمرے میں خود آکر ہمارے ساتھ میر حاتم صاحب کی آمد کی ضیافت پر شرکت فرمائی۔ اور مجھے بھی باقاعدہ دعوت ناموں کے ذریعے خصوصی اوقات میں بلاتے رہے۔

جب ہمارا ٹھکانہ سوات کو تبدیل ہوا تو دوبار اس لمبے سفر کے متحمل ہوئے پہلی دفعہ اپریل 1984ء بھائی محمد اسرار کی شادی میں شرکت فرمائی، اور دوسری دفعہ 16 اگست 1991ء کو جب آپ محمد حنیف اور کزئی کے پاس مقیم تھے، اور مجھے پتہ لگا تو ہمارے بلانے پر مع اہل خانہ اور دوسرے حضرات کے غریب خانہ پر تشریف آوری ہوئی، اور اسی طرح اِس مورِ بے مایہ کی عزت افزائی کا سامان کیا۔ جب ہم اُن کے زیر سایہ کوارٹرز میں رہے تو پھر کبھی کبھار آپ کا مع ساتھیوں کے آنا جانا رہا۔ اور دونوں گھروں کی مستورات کا بھی آنا جانا رہتا۔ اس وجہ سے ہم آپ کے ساتھ اتنی قربت کے باعث الزام تراشوں کے الزام کو ہضم نہ کرسکے۔ اگر اتنی قربت نہ ہوتی تو شاید ہم پروپیگنڈا کے اُس منحوس سیلاب میں بہہ جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی ممنون احسان ہیں، کہ آپ نے اُس فتنہ کا حصہ بننے سے بچایا۔ غرض میں تو یہ کہوں کہ مولانا صاحبؒ کے متوسلین بلکہ اقربا وغیرہ کو بھی شامل کرکے اگر تجزیہ کیا جائے، تو تعلق کی رسّی مولانا صاحبؒ کی طرف سے جُڑی رہتی۔ گویا آپ کی مثال وہ کمبل نہ چھوڑنے والی بات تھی، کہ آپ چھوڑیں بھی تو وہ آپ کو جدا نہ ہونے دیں۔ اور پھر اس میں اس کا کوئی طمع

اور لالچ نہ ہو، بلکہ دینی جذبہ اور اخلاقِ نبوی اس کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو انتہائی قرب سے نوازے اور ہمیں اپنی خرابیوں کے باوجود بخشش فرما کر آپ کے کفش برداروں میں شامل رکھے۔ اور اپنے فضل سے ایمان اور اپنی رضا کی دولت سے نوازے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اُن کے مبارک ہاتھوں سے جامِ کوثر نوش کرنے کی سعادت بخشے۔ اللھم آمین یارب العالمین

مابدان مقصد عالی نتوانیم رسید
ہم مگر پیش نہد لطف شما گامے چند
حضوری گر ھمی خواہی اُزو غائب مشو حافظ
متی ما تلق من تھویٰ دع الدنیا وامھلھا
مہربانیہائے لیلیٰ کرد مجنون را خراب
ورنہ این بیچارہ رامیل گرفتاری نہ بود
طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

مولانا صاحبؒ میں خدمت خلق کا جذبہ انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ ایک دفعہ اگر کوئی سرسری طور پر آپ کو اپنا دُکھڑا سناتا، تو وہ آدمی تو شاید بھول جاتا لیکن مولانا صاحبؒ کے قلب و ذہن کا حصہ بن جاتا، اگر کوئی کام ہوتا تو اس کے حل کرنے کی کوشش کرتا اور اپنی پوری کوشش اُس میں صرف کر ڈالتا، اور اُس آدمی کو بھی تدابیر بتاتا۔ اپنے متعلقین کے ذریعے بھی اس کی مدد کرتے، اور دُعائیں بھی دیتے کہ اس کا مسئلہ حل ہو۔ غرض بہت سارے تو اپنا حال بتا کر بے فکر ہو جاتے اور مولانا صاحبؒ کو روگ لگ جاتا۔

ایک دفعہ شہر والوں میں سے شاید مرتضیٰ صاحب نے بتایا کہ کھجور کی تجارت میں اتنا نقصان ہوا، مولانا صاحبؒ فوراً فکر مند ہوگئے، تو ساتھیوں نے بتایا کہ حضرت پوچھتے نہیں کہ نقصان کیسے ہوا۔ پھر بتانے لگے کہ ان صاحب کا خیال تھا کہ اتنا نفع ہوگا اور وہ Target پورا نہ ہوا، گویا اس کے متوقع نفع میں نقصان ہوا، نہ کہ اصل سرمایہ میں۔

مولانا صاحبؒ کے پاس لوگوں کی حاجات کے انبار ہوتے، کسی کے رشتے کا مسئلہ، کسی کی نوکری کا مسئلہ، کسی کے امتحان کا مسئلہ، کسی کے مال کا مسئلہ، کسی کی ترقی کا مسئلہ، اور ان سارے مسائل کا ڈھیر اور مولانا صاحبؒ کی اکیلی جان۔ لیکن ہر ایک کے لئے دُعا اور توجہ اور سعی و کوشش اور مناسب تدابیر کا بتلانا مولانا صاحبؒ کا وظیفہ تھا۔ گویا مولانا صاحبؒ کی فقیری اور طریقت کوئی ٹھاٹ بھاٹ اور شاہانہ طرز کی نہ تھی، بلکہ اوروں کی حاجت روائی، خدمت گذاری کے ساتھ کمال شفقت اور ہمدردی اور عزت افزائی سے پیش آتے، اور اس عزت افزائی پر یاد آیا کہ مولانا صاحبؒ کو ٹانگوں کی تکلیف تھی پٹھے کمزور تھے، لیکن اس کے باوجود آپ عام مجلس میں پاؤں نہ پھیلاتے، اور التحیات کی صورت میں بیٹھے رہتے۔ جبکہ ہم بے فکرے کروٹیں بدل بدل کے اور کبھی کیسی اور کبھی کیسی شکل اختیار کر جاتے اور پھر بھی تھک جاتے۔ دُعائیں بھی اتنی لمبی کہ ایک دفعہ ایک پروفیسر صاحب بھی موجود تھے، اس سے اتنی دیر تک ہاتھ اُٹھانے کی تکلیف برداشت نہ ہو سکی اور کہتے جاتے کہ یہ تو ابھی کہا تھا اور دوبارہ کہا، حالانکہ مولانا صاحبؒ کو مسنون دُعائیں اتنی یاد تھیں کہ وہ بھی ختم نہ ہوں۔ اور پھر اُن پر دُعائیہ الفاظ کا جو ورود ہوتا وہ آپ ہی لوگوں کا خاصا تھا، اور دُعا بھی پوری الحاح اور دل کے یقین کو لئے

ہوئی ہوتی اور ایک ہمہ گیر شان رکھتی۔

کونسی تیری ادادل کی طلب گار نہیں

تقریر بھی آپ کی پُر مغز مدلل اور قرآن و حدیث سے مزین ایک الہامی شان اور پُر تاثیر ہوتی، اگر گھنٹوں جاری رہتی تو الفاظ اور مواد کی کمی نظر نہ آتی، جابجا موزون اشعار اپنے مناسب مواقع پر موتی کی لڑی کی طرح چمکتے نظر آتے اور فی الفور اور موقع کے حسب حال اور شرعی دائرے کے اندر رہتی۔ اس میں کسی کا خوف، طمع لالچ، خوشامد جیسے عناصر کی آمیزش نہ ہوتی لیکن پھر بھی جب آخر میں دُعا فرماتے تو یوں کہتے کہ اے اللہ! ہم نے جو بات کی اس میں جو حق ہے اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور جو غلط ہے اُس سے درگذر فرما۔ حالانکہ آپ کی تقاریر سوچ اور دماغی فکر سے زیادہ الہامی طرز کو لئے ہوئے ہوتیں۔ لیکن عام لوگوں کی طرح پھر بھی یہ نہ کہتے کہ جو کچھ کہا اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، بلکہ دُعا میں بھی احتیاط کا پہلو اختیار فرماتے اور اپنے اوپر خوش اعتقادی سے گریزاں رہتے اور کبھی کبھار پوچھ بھی لیتے کہ بیان کیسے رہا، اور مجھ جیسا بے مایہ بے دھڑک جو کچھ زبان پر آتا کہہ جاتا۔ لیکن آپ اس کو مخلصانہ طور پر قبول فرمالیتے۔ اور چین بجبین نہ ہوتے۔ غرض آپ کی ایک ایک ادا سنت طیبہ سے مستفاد تھی، اور اس شعر کے مصداق

حال حالِ مصطفٰے ہو قال قالِ مصطفٰے ہے حقیقت میں وہی شید اجمال مصطفٰے

مولانا صاحبؒ کے پاس علماء اور بزرگان دین کی آمد

بزرگان دین میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ کی پہلے گاہے گاہے اور ارباب لنڈی میں سکونت اختیار کرنے کے بعد کثرت سے آمد رہتی

اور پھر حضرتؒ کی وجہ سے بھی بہت سارے متعلقین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا، اسی طرح مولانا خیال محمد صاحبؒ جو حضرت تھانویؒ کے صحبت یافتہ اور آپ کے خلیفہ حضرت عبدالحمید ہر مزیؒ کے اجازت یافتہ تھے، کا بھی آنا رہتا تھا، مولانا خیال محمد صاحب جو تکوینی سلسلہ کے ساتھ متصل تھے، مولانا عبدالمعبود صاحب بشامی کے ساتھ مربوط رہتے اور ان کو باباجی کہتے، باباجی کو اللہ تعالیٰ نے لمبی عمر دی تھی اور حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی کی صحبت اٹھائی ہوئی تھی۔ آخر میں انہوں نے اسلام آباد کو اپنا ٹھکانہ بنایا۔ خیال محمد صاحبؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے ایک بار مولانا زکریا صاحبؒ کا پیغام (شاید) اشرف علی تھانویؒ کی جانب سے پہنچایا تھا۔ جس پر اُس نے اپنے ساتھ قیام کا کہا، لیکن میں نہ ٹھہرا، جب باہر آیا تو مجھے احساس ہوا کہ کیوں نہ ٹھہرا فرمایا کہ "چه څه غُلم اوخوړل" (یعنی کیا گوہ کھایا)۔ مولانا خیال محمد صاحبؒ، حضرت مولانا صاحبؒ کی بڑی قدر فرماتے، اور لوگوں کی توجہ بھی اسی طرف مبذول کراتے کہ اُن کی قدر کو پہچانیں اور ان کے وجود کو غنیمت جانیں، آپ نے کئی پیش گوئیاں کیں۔ جن میں سے ایک وی سی پشاور علی خان کے جانے کے بارے میں تھی، جو کہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور ایسے حالات میں عمل میں آئی کہ بظاہر آپ کے جانے کے کوئی آثار محسوس نہیں ہوتے تھے۔

اسی طرح تبلیغی اکابرین کا مستقل آنا جانا اور آپ کے ہاں ٹھہرنا جیسے مفتی زین العابدین صاحبؒ، حاجی عبدالوہاب صاحب مد ظلہ، جناب عبدالقادر صاحبؒ، جناب بابو بشیر صاحبؒ ٹیلیفون والے اور اسی نہج کے دوسرے حضرات، جناب فریدی صاحب ہندوستان والے، جناب حکیم عبدالقوی صاحب برادر زادہ عبدالماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، ایوب جان بنوریؒ، مولانا صاحبؒ کے

پیر بھائی غلام محمد کراچوی، عبدالکریم صاحب کلاچی والے، مولانا محمد تقی عثمانی مد ظلہٗ العالی، مولانا احمد جان صاحب لکی مروت والے اور یہاں کے بڑے چھوٹے، مریدین اور متعلقین کی آمد کا مستقل سلسلہ رہتا، اِن تمام لوگوں کا کھانا پینا، رہنا سہنا، خدمت گذاری اور خیال رکھنا اتنا بڑا کام تھا، جس کو ایک ادارہ آسانی سے نہ کرسکے، لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے ایک معذور اور محدود تنخواہ دار ملازم سے انجام پاتے تھے۔ مولانا صاحبؒ کے اپنے رشتہ دار خوب صاحب ثروت اور ذی وجاہت لوگ تھے، لیکن بہت دفعہ اُن کا بوجھ بھی مولانا صاحبؒ کو اُٹھانا پڑتا اور ہر ایک کی دلداری کرنی پڑتی۔ اور ان کے ناز و نخرے اُٹھانے پڑتے۔ اسی وجہ سے مولانا صاحبؒ کے بعض متعلقین کو کہنا پڑتا کہ اگر بزرگی اس کو کہتے ہیں، تو ہم سے تو یہ ہو نہیں سکتی، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خلفاء حضرات میں بڑے صاحب کمال اور دل گردے والے لوگ آپ کے کام کو کماحقہ آگے نہ بڑھاسکے۔

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا صاحبؒ کی پوری زندگی اس سفر کی ایک زندہ تصویر تھی کہ اوروں کی راحت و آرام کے لئے خود اپنے راحت کی قربانی کرے خود نقصان اٹھائے۔ لیکن کسی کو معمولی تکلیف نہ پہنچے۔

اس نفع و ضرر کی دُنیا سے میں نے لیا ہے درسِ جنون
خود اپنا زیان تسلیم مگر اوروں کا زیان منظور نہیں

کرک کا اجتماع جو 16 نومبر 1963ء کو ہوا۔ اس اجتماع کے دوران ایک دفعہ یہاں پر ایک واقعہ یاد آیا کہ اجتماع میں مولانا صاحبؒ تبلیغی اکابرین سے ملنے گئے، جن

میں مفتی زین العابدین صاحبؒ اور دیگر اصحاب تھے، جب ہم ان کی اقامت گاہ پر گئے، تو وہ آرام فرمارہے تھے، اور بعض جو اُٹھے تو چہرے پر بشاشت کے بجائے کچھ سختی اور تُرشی کے آثار نمایاں تھے، ہم جیسے لوگ جو مولانا صاحبؒ کے نرم روئے کے عادی تھے، اس کو محسوس کرنے لگے، لیکن مولانا صاحبؒ اُلٹے پاؤں پھرے اور فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کی راحت کو نقصان پہنچایا، یہ لوگ تو ساری رات عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اب یہ اُن کے آرام کا وقت تھا، ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ دوسرا ہوتا تو کہتا کہ ہم اُن کی عزت افزائی کے لئے آئے اور انہوں نے خواہ مخواہ ترشی دکھائی۔

اسی اجتماع میں پہنچ کر مجھے اپنے ساتھیوں کا امام بنایا گیا، جن میں مولانا صاحبؒ بھی شریک تھے۔ میں نے سفر کے دوگانہ کے بجائے چار رکعت پڑھ ڈالیں، تو مولانا صاحبؒ سخت پریشان ہوئے کہ اپنے مسلک کی خلاف ورزی ہوئی۔ ایسے ایک دفعہ میں نے نماز پڑھا کر درود کے بجائے کسی اور دُعا پر اختتام کیا، تو مولانا صاحبؒ نے ٹوک دیا کہ ایسا نہیں چاہیئے کیونکہ آپ کے دل میں جو عظمت نبوی تھی وہ آڑے آرہی تھی[85]۔ اسی

---

85 درود شریف سے مولانا صاحبؒ کی بے پناہ محبت کا ثبوت ''ماہنامہ الرشید'' لاہور کا نعت نمبر ہے۔ جس کے اکتوبر 1995ء کے شمارے کے صفحہ نمبر 29 پر آپ نے اپنے جوابی خط میں شکریہ کے ساتھ بڑی عرق ریزی سے درود شریف اور اس کے متعلقات کی گنتی کر کے اسے چھاپنے کی استدعا کی ہے۔ ''اس مجموعہ نعت میں دونوں جلدوں میں متن کی عبارات کے علاوہ اوراق کی برکت و زینت کے لئے اسم مبارک محمد ﷺ اٹھارہ ہزار نوسو اسی بار (18980) اور کلمہ مبارک درود شریف ﷺ ایک لاکھ چھپن ہزار دوسو بیس بار (156220) کا دلکش حاشیہ آیا۔ یارب صلی و سلم دائمًا ابدًا علی حبیبك خیرالخلق کلهم چودہ سو چھتر (1476) بار آیا۔ (بعض جگہ یارب کی جگہ مولای) وما ارسلنك الّا رحمة اللعالمین کی آیت مبارکہ ایک ہزار چار سو اسی (1480) بار آئی ہے''۔

طرح مولانا صاحبؒ کے ایک خادم عبد المجید نے روٹی کے ٹکڑے کو شاید گرایا یا کچھ بے اعتنائی کی تو مولانا صاحبؒ نے ڈانٹا اور کہا کہ روٹی کے لئے تو پھرتے ہو اور اس کے ساتھ یہ بے اعتنائی۔ یہاں پر مجھے اپنے فیصل آباد کے چیئر مین ڈاکٹر منظور صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ یہاں آئے تھے اور ہم نے گھر پر اُن کے لئے ناشتے کا بندوبست کیا، ناشتہ تیار ہوا اور ہم نے دستر خوان پر نیچے رکھا، جبکہ آپ صوفہ پر بیٹھے تھے، فوراً نیچے اُترے اور فرمایا کہ رزق کی بے قدری ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایک ایئر فورس والے مہمان کو جو ہاسٹل میں آیا ہوا تھا، جب وہ روٹی سے انگلیاں اور مونچھیں وغیرہ صاف کرنے لگا، تو بہت بُرا لگا۔ واقعی طعام کی بے قدری بڑی خرابی کی بات ہے اور منعم کی ناشکری، اور ہم نے تو یہاں تک سُنا ہے کہ دستر خوان پر جو روٹی کے ذرات گریں ان کو چُن کر کھانے سے آنکھوں کا نور بڑھتا ہے، اور پھر حضرت تھانویؒ کا ریل کا قصہ یاد آیا کہ کس طرح جب ایک بوٹی گری اور ایک جنٹل مین نے اُس کو جوتے سے مسل دیا تو حضرت تھانویؒ نے حضرت خواجہ مجذوبؒ کو صاف کر کے خود کھانے کا کہا لیکن مجذوب الحسنؒ نے باجازت حضرت تھانویؒ خود کھالیا اور اسی عملی مظاہرے سے جنٹلمین کی حالت سدھر گئی۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے کسی کا خیال نہ رکھتے ہوئے اپنے حبیب پاک ﷺ کی سنت کی پیروی کو ترجیح دی، اور فرمایا: عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنـه كان يأكل فى بلادالشام فسقطته لقمة فاراد بن مسعود أن يميط الأذى عنها ويأكلها فلامه اصحابه لأنه فى بلاد الشام فقال أترك سنة جيبى علشان لِهٰؤلاء الحمقاء؟ فأخذ اللقمة وأكلها۔

اور اسی طرح کا واقعہ حذیفہ بن الیمانؓ کا اہل فارس کے رؤسا کے ساتھ واقع ہوا۔ تو آپ نے بھی یہی جواب دیا۔ أترك سنة حبيبى لاجل هؤلاء الحمقى؟

مولانا صاحبؒ ذاتی طور پر انتہائی نفاست پسند اور رکھ رکھاؤ والے آدمی تھے، وہ اپنے کسی چیز کو بے سلیقہ نہیں دیکھنا چاہتے، نشت گاہ میں قالین اور بستروں پر جو چادر بچھائے گئے تھے، ان کی سلوٹوں تک کو بھی وہ سلیقہ سے دیکھنا چاہتے، لیکن عام لوگوں سے واسطہ پڑتا، کہ ایسے بیمار آجاتے کہ قالین پر پیشاب تک کر جاتے، لیکن یہاں پر کوئی تلخی نہ دکھاتے۔ حالانکہ قالین کا دھونا اور صاف کرنا کارے دارد۔

بعض ایسے نابینا غربا حفاظ اور علماء آجاتے، کہ کپڑے گندے اور اپنا خیال نہیں رکھ سکتے، دستر خوان پر ساتھ بٹھاتے اور اُن کا خیال رکھتے کہ کہیں اُن کو کسی قسم کی کمی اور تکلیف نہ ہو، اب یہاں پر آپ کی وہ ساری نازک مزاجی اور نفاست پسندی بُردباری اور برداشت میں بدل جاتی۔ یہیں آپ کی بزرگی اور آپ کے اخلاق عالی کا امتحان ہو جاتا، کہ طبیعت کو احکام شریعت پر قربان کر کے اپنے کو ان کی ہمدردی اور خیر خواہی پر لگا لیتے اور جو کچھ آپ سے ہو سکتا تھا۔ مالی مدد بھی فرماتے اور حوصلہ بڑھاتے، تو جو کچھ آپ کا رکھ رکھاؤ تھا وہ ایک خاص طبقہ کے لئے تھا۔ معذوری اور مجبوری کے لئے آپ بالکل ایک دوسرے طرز کے آدمی نظر آتے اور اس وقت آپ اعانت اور جذبہ خیر خواہی سے لبریز ہوتے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

کرک میں پانی کا بڑا مسئلہ تھا، اور لوگ ایک کنویں سے گدلا پانی نکال کر استعمال میں لاتے تھے، میرے لئے پانی کی ایسی حالت کافی حد تک خلاف تصور تھی کہ سوات کا باسی اور پشاور یونیورسٹی میں وقت گذار کر ایسی حالت بھی آسکتی ہے، خیر ایک دن میں باہر حاجت کے لئے نکلا، تو دیکھا کہ صاف پانی بہہ رہا ہے، حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس قسم کے پانی کی موجودگی میں اس کنویں پر اتنا انحصار کیسے ہے۔ چنانچہ ہاتھ دھوئے اور استنجاء کیا،

لیکن جب منہ میں پانی ڈالا تو اس کی تلخی اور کڑواہٹ ایسی کہ جدا ہونے کا نام نہیں لیتی، تب جا کر معلوم ہوا کہ لوگ پگلے نہیں ہوتے بلکہ پگلا وہ ہوتا ہے جس کو کسی چیز کا تجربہ نہ ہوا ہو، اور صرف ظاہر کی چمک دھمک سے تأثر لے اور اندرون کا پتہ نہ لگائے۔

اسی طرح میں نے ایک دفعہ مولانا صاحبؒ کے پاس حاضر ہو کر اندر جھانکا کہ آپ موجود ہیں یا نہیں، آپ نے دیکھ لیا اور ڈانٹ پلائی اُسے خلاف ادب اور سنت ٹھہرایا، اور سنت میں اس پر جو وعید آئی ہے اُسے سُنایا۔ مطلب یہ ہے کہ آداب سکھانے میں مولانا صاحبؒ ایک خاص حد تک دریغ نہ کرتے، لیکن خواہ مخواہ کسی کے پیچھے بھی نہ پڑتے اور موقع محل اور آدمی کالحاظ کر کے اُسے مناسب طریقے سے سمجھاتے۔

اپنے متعلقین کی حوصلہ افزائی اور کام کرنے کی صلاحیت کو بڑھانا

اپنے متعلقین کے ساتھ آپ کا تعلق ہمیشہ مشفقانہ رہا، جو بھی آپ سے جُڑنے کی تھوڑی کوشش کرتا، تو آپ اُسے مضبوطی سے پکڑنے کے لئے بیتاب رہتے، اور جہاں سہارے کی ضرورت ہوتی، تو اس کے لئے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرتے، جو آپ کے پاس ایک قدم بڑھتا تو آپ اُس کے لئے میلوں چلنے کے لئے تیار رہتے۔ آپ کا دل انسانی ہمدردی اور محبت سے لبریز تھا اور سختی اور درشتی کے نام سے بالکل ناآشنا تھے، جب تک اُس کا دین پر زد نہ آتا، ورنہ وہ پھر آپ کے برداشت سے باہر ہو جاتا، آپ اقبال کے اس شعر کانمونہ تھے:

ھو حلقہ ءیاران تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

اور کلام اللہ کے اس قول کے عملی تفسیر: اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ

ایک خط میں بندہ کو لکھا، ”دل میں آپ کی محبت پاتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو

اپنی عطایا سے نوازے اور اصلاح کامل نصیب فرمائے آمین"۔ رائے ونڈ سے ایک خط میں تو یہاں تک فرمایا: "امید ہے مزاج بعافیت ہونگے، اور شاید یہ نابکار یاد بھی آتا ہو گا، ہمارا تو بقول شاعر یہ حال ہے:

گو میں رہا رہین ستمھائے روز گار لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری آرزوں کے مطابق اپنا بنائے، اپنی مرضیات کا متبع بنا کر سنت کا نمونہ اور لوگوں کے لئے خیر کی مثال بنائے آمین"۔ ایک اور خط میں ارقام فرماتے ہیں: "آپ سے فقیر کو دلی تعلق اور محبت ہے اور آپ کی قدر کرتا ہوں، اور ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں"۔

اِس سے بڑھکر اور کیا میرے لئے انعام ہے

کہ شیخ اپنے ایک مرید ناہنجار کی اتنی قدر افزائی کرے۔ ایک بار مولانا فقیر محمد صاحبؒ کو فرمایا: "کہ اِس پر توجہ ڈالو، کہ یہ مٹھ قور ہو گیا ہے" اور پھر فرمایا: "اچھے صلاحیت کے آدمی ہیں"۔

اسسٹنٹ پروفیسر شپ کے انٹرویو کے بارے میں مولانا صاحبؒ سے دُعا کی درخواست کی، چنانچہ انہوں نے دُعا فرمائی، صبح کو جب دوبارہ دُعا کے لئے عرض کیا تو فرمایا کہ "میں نے تہجد میں دُعا کی ہے"۔ چنانچہ اللہ کی مہربانی اور آپ کی دعاؤں کی برکت سے انٹرویو اچھا رہا اور اس میں میرا انتخاب ہو گیا۔ 2 نومبر 1979ء کو ڈاکٹر فدا صاحب کی غیر موجودگی میں مدینہ مسجد میں جمعہ پڑھایا تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ "دوران تقریر میں نے آپ کے لئے دُعا کی"۔

ڈاکٹر فدا صاحب نے مدینہ مسجد میں ترجمہ قرآن مجید شروع کرنے کا کہا تو

مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ''اگر سنبھال سکو تو اچھا ہے''۔ ایک مکتوب میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: ''یہ درس ترجمہ اللہ تعالیٰ کی توفیقات سے ہے۔ ایک بات ذہن میں رہے کہ نیت محض رضائے الٰہیٰ اور اپنی اصلاح کی ہو، ثواب کے لئے اور قرآن کے سمجھنے کے لئے اس عمل کو کیجئے، ترفع اور اپنی بڑائی کا شائبہ تک نہ آئے، کہ وہ شیطانی کام ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین''

ایک دفعہ مجھے مخاطب کرکے فرمایا: ''تمہیں اللہ پاک نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں، لیکن تم نے ان کو کام میں نہیں لایا، اس بات کی مجھے کافی فکر ہے۔ اور اب سامنے کہتا ہوں''۔ میں نے عرض کیا کہ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ہمت دے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ''آج ختم قرآن مجید کے بعد دُعا بھی تم کرلینا''۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک دفعہ فرمایا: '' کہ خدا تمہیں سراج الملۃ والدین بنائے''۔

ایک دفعہ مدینہ مسجد میں جمعہ کی تقریر میں بنی اسرائیل کے واقعات پر بات ہوئی۔ بعد میں مولانا صاحبؒ نے تعریف فرمائی اور کہا کہ ''آپ کچھ لکھ بھی لیں''۔ اور فرمایا: ''ہمیں کیا پتہ کہ آپ چھپے رُستم ہیں''۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ''ایک دو خطبے سنے، سنکر محسوس ہوا کہ اچھا بولتے ہیں۔ اللہ کرے زور بیان اور زیادہ''۔ ایک دفعہ جب میں مولانا صاحبؒ کی مجلس سے اُٹھ کر آپ سے مصافحہ کرنے لگا، دوران مصافحہ میرے ہاتھ چومے، میں نے تو آپ کے ہاتھ چومنے کی جرأت نہیں کی، البتہ اپنا ہاتھ چوما۔

ھر کس کہ دید روئے تو بوسید چشم من
کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نکرد

ایک دفعہ مولانا فقیر محمد صاحبؒ آپ کے ہاں تشریف لائے، ہم سبق سے فارغ ہو کر شام کے قریب آئے، تو آپ نے ناراضگی کے انداز میں فرمایا: ''ہم حضرت کو آپ کے لئے بلاتے ہیں، اور آپ کا یہ حال ہے کہ کتابوں کے پیچھے لگے ہوئے ہو، اور آدمیوں کی قدر نہیں''۔ جس پر ہم نے سبق کے اوقات کو بدلنے کا ارادہ کیا۔

غرض مولانا صاحبؒ نے موقع بہ موقع وقت کی مناسبت سے بندہ کی اصلاح اور ترقی خواہ دنیوی ہو یا اُخروی، کے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی اور وہ تراکیب استعمال کیں، اور ترغیب و ترہیب ہر رُخ سے اس ناکارہ کو کارآمد بنانے کے لئے کسی بھی سعی سے دریغ نہیں کیا، ہمارے معمولی کام کو مبالغہ آرائی کے ساتھ سراہا اور تعریف فرمائی، اور بہت ساری ایذاؤں کو برداشت کیا، اور نرمی کے ساتھ دین کے صحیح رُخ پر لانے کی وقتاً فوقتاً اپنی تدبیروں سے کام لیتے رہے۔ غرض آپ نے وہ کچھ کیا جو شاید اپنا باپ بھی اپنے بچے کے لئے نہ کر سکے۔

خدا تعالیٰ ان کی سعی، کوشش اور دُعاؤں کو میرے سمیت سب منتسبین اور جملہ مسلمانوں کے لئے بارآور بنائے اور سب کو دنیوی تکالیف سے بچا کر اُخروی درجات سے نوازے اور اپنی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنائے۔

یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت مولانا صاحبؒ معمول کے مطابق اسلامیہ کالج میں منگل کے دن بیان فرمایا کرتے۔ ایک دن کسی وجہ سے آپ تشریف نہیں لائے اور لوگ انتظار میں بیٹھے تھے۔ میں نے جرأت کرکے بات چلانا چاہی۔ اول تو خوب چل پڑا، لیکن درمیان میں پتہ نہیں (شاید) کوئی غرور سا پیدا ہوا ہو کہ بالکل چھپ اور مضمون ذہن سے بالکل غائب۔ تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا کہ آخر میں سلطان محمود صاحب کوہاٹ والے اور سیر (Over sear) پشاور یونیورسٹی حالات کو

بھانپ گئے اور اُٹھ کر بات کو جاری رکھا۔ یہاں سے بندہ کی قلعی کھل گئی کہ جو کچھ کہلوانا ہوتا ہے وہ اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے ورنہ بندہ کا حال تو یہ ہے کہ

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں

کے باوجود کچھ بول نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے توفیقات خیر سے نوازے۔ آمین

مولانا خیال محمد صاحبؒ

19 نومبر 1977ء کو مولانا خیال محمد صاحبؒ ہمارے مولانا صاحبؒ کے ہاں آئے۔ وہ آج کل زیادہ حضرت مولانا عبد المعبود صاحب بشام والے کے پاس رہتے ہیں۔ جن کو وہ باباجی کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ سیٹھ اسماعیل (سوات) نے آپ کے لئے اسلام آباد میں ایک مکان خریدا ہے۔ اور یہ بھی انکشاف کیا کہ اُن کے بیٹوں کے کپڑے ایوب خان وغیرہ کے گھر والے دھوتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باباجی جانے والے ہیں۔

مولانا عبد المعبود صاحبؒ کی زیارت بندہ کو خود نصیب ہوئی۔ وہ محمد حسین خان کے گھر آئے ہوئے تھے، ساتھ اپنا ایک نوجوان بیٹا بھی تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کو دیکھ چکے تھے۔ ابھی تک چل پھر سکتے ہیں (یعنی 1978ء میں) اور آہستہ آہستہ بولتے ہیں۔ فرمایا کہ شاہ عبد الغفور عباسی مدنیؒ کی پیدائش کے وقت میں وہاں موجود تھا اور اس کے کان میں اذان دی۔ اُن کی وفات پر حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے ''بینات'' میں مضمون لکھا۔

بندہ نے والد صاحب کی طرف سے اُن کو (یعنی مولانا خیال محمد صاحبؒ) کو ایک تعویذ کی اجازت دی۔ جن کی وہ خاص قدر کرتے رہے اور مجھے خان بہادر مروت

صاحب کے ذریعے اپنی ایک کتاب ہدیۃً بھیج دی۔

سید صاحبؒ کا کسی کو خلافت نہ دینا اور حضرت الشیخؒ

حضرت مولانا صاحبؒ شاہراہ معرفت، جلد 3 ص: 20-21 پر فرماتے ہیں:" حضرت والا قدس سرہٗ نے رسمی اور مروجہ اعتبار سے اپنا کوئی بھی خلیفہ نہیں چھوڑا۔ اور اپنے انتہائی اونچے معیار کی بنا پر کسی کو اپنا جانشین، خلیفہ یا نائب نامزد نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت والا نوراللہ مرقدہٗ کے مسترشد خاص حضرت مولانا غلام محمد صاحب حیدرآبادی ثم کراچوی دامت برکاتہ، اپنی کتاب "تذکرہ سلیمانؒ" (مطبوعہ 1960ء) میں حضرت سید صاحبؒ کے وسعت فیض کا تذکرہ فرماتے ہوئے واضح طور پر ارقام فرماتے ہیں: "یہ عجیب بات ہے کہ اس وسعتِ فیض کے باوجود حضرت والا نے کوئی خلیفہ نہیں چھوڑا۔ حالانکہ بھوپال، حیدرآباد اور پاکستان کے بعض علاقوں میں ان کے دست گرفتہ ایسے ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئے۔ جو تقویٰ وطہارت اور ان میں بعض فن دانی کے اعتبار سے بھی شاید اور جگہ خلافت کے ہر طرح مستحق ٹھہریں۔ مگر حضرت والا کا معیار اتنا بلند تھا کہ اس پر کسی کا پورا اُترنا دشوار ہی تھا۔ اور دوسری بات جو ڈاکٹر صاحب[86] مدظلہٗ سے سنی وہ یہ ہے کہ حضرت والا پر تواضع کا اتنا غلبہ تھا کہ انہوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ یہی خیال مولانا محمود الغنی صاحب مدظلہٗ کا ہے جن کا خود یہ عالم ہے کہ غایت تواضع سے کسی کو مرید بھی نہیں کرتے"۔ (تذکرہ سلیمان ص: 248)

---

86 حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفیؒ خلیفہ و مجاز بیعت حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ

حقیقت حال جو بھی ہو، مولانا صاحبؒ کی دِلی تڑپ نے آپ کو بے قرار کئے رکھا، یہاں تک کہ حضرت شاہ عبد العزیز دُعاجو دہلویؒ کے دست حق پرست پر دوبارہ بیعت کرکے اپنے دل کی پیاس بجھاتے رہے۔ سلوک و مجاہدہ کے ساتھ آپ کی تبلیغی سرگرمیاں بھی خوب عروج پر رہیں، دل دردمند اور دماغ ہوشمند کے ساتھ قدرت نے آپ کو تقریر اور تحریر کی خوبیوں سے نوازا تھا، شاہ صاحبؒ تو پہلے ہی سے اس شہباز کے شکاری اور ان کے ملکات سے واقف تھے، پیری مریدی کے باعث آپ کے جوہر مزید نمایاں ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو "خرقۂ خلافت سے نوازا گیا"۔ جس پر بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ "شاہ صاحبؒ نے کس لونڈے کو خلافت دی" بعد کے حالات اور آپ کی زندگی کی پوری تصویر نے یہ واضح کیا کہ "بزرگی بعقل است نہ بہ سال"۔ اور

قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری

اور ہر کہ ومہ کو اس راستہ کی شناوری کا حق نہیں پہنچتا اور اس کی آواز صدائے صحرا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ وارد قوی کے نزول کی تاب نہ لاتے ہوئے حضرت مولانا صاحبؒ اچانک لفظ "اللہ" کی ایک زوردار چیخ مارتے۔ جس کی وجہ سے قریب بیٹھنے والا گھبرا جاتا۔ حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا: "کسی کے چنگاڑنے سے اللہ میاں کا کیا ہوتا ہے"۔ گویا یہ بھی تربیت کی ایک شاخ تھی، کہ دل میں اپنی بزرگی کا شائبہ نہ رہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کو حضرت مولانا فقیر محمد خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے خلافت کی اجازت تھی، اور آپ دونوں ایسے عجیب انداز سے بیٹھے ہوتے کہ کسی کو پیر و مرید کے درمیان پہچان مشکل ہوتی اور حضرت مولانا صاحبؒ آپ کی عزت فرماتے اور مولانا فقیر محمد صاحبؒ آپ کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے، آپ کو

دعائیں دیتے اور بار بار فرماتے کہ "سنگ فارس دے سنگ فارس دے" (یعنی سنگ فارس ہے سنگ فارس ہے)۔

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا عبد الغفور عباسیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریاؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ، اور حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ۔ اور دوسرے حضرات کے ہاں آپ کی خصوصی قدر و منزلت تھی، آپ اِن سب حضرات کی قدر فرماتے اور وہ آپ کی عزت افزائی فرماتے۔

گل است سعدی ولیکن در دستِ دشمنان خار است

حضرت شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ

حضرت شاہ عبد العزیز دعاجو دہلویؒ کا سلسلہ حضرت شاہ محمد یٰسین نگینویؒ کے ذریعے حضرت مولانا رشید گنگوہیؒ سے ملتا ہے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم اور ایک ماہر مناظر تھے، تبلیغ میں آئے تو اسی کے ہو رہے، ہجرت کے بعد پاکستان میں ٹنڈو آدم کو تقریباً پانچ سال تک اپنا ٹھکانہ بنایا اور پھر کراچی ساڑھے چار سال گذار کر آخر میں پھر ٹنڈو آدم کا رُخ کیا اور چند دن بعد 13 ذی الحجہ 1388ھ مطابق 2 مارچ 1969ء بروز اتوار راہی فنا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ میاں جی حاجی عبد اللہ صاحب میواتی جو کہ تبلیغ کے ابتدائی لوگوں میں ہیں اور رائے ونڈ مرکز کی ابتداء اُن کی زمین سے ہوئی کے بقول تبلیغی مرکز کی بنیاد حضرت شاہ صاحب کے ہاتھوں سے رکھی گئی۔ حضرت شاہ صاحب کا اکرام مسلم اور مہمان نوازی اپنی مثال آپ تھی۔ غلبہء توحید کے ساتھ عشق نبوی ﷺ آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے

تھا۔ اور خود حضرت مولانا اشرفؒ کو فرمایا کہ اگر اور لا الہ الا اللہ کا بیان کریں تو آپ محمد ﷺ کو کھولا کریں۔ چنانچہ آپ (مولانا صاحبؒ) بیان کی ابتداء اِسی آیت سے فرماتے تھے۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۃ الجمعہ آیت:2-4) آپ کے اقوال غریبہ کے چند نمونے ذیل میں پیش خدمت ہیں:

"گشت میں تمام ساتھی، آنکھ، کان، ناک کی طرح خاموش رہیں، اور متولی کلام زبان کی طرح گویا ہو"۔

"لفظ علم ساکن ہے اور سکون چاہتا ہے مگر اس کے برعکس عمل میں حرکت ہے اور تحریک چاہتا ہے"۔

"دل بڑھاؤ کہ دن بڑھے"۔ "تبلیغ کے پہلے چلّے میں زنگ اُترتا ہے، دوسرے چلّے میں رنگ چڑھتا ہے اور تیسرے چلّے میں ڈھنگ پڑتا ہے"۔ "دُنیا کو چھوڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی ہے، بلکہ دین کو دنیا پر غالب رکھنا مطلوب ہے، جیسے داہنا ہاتھ اوپر اور بایاں ہاتھ نیچے رکھا جائے، یعنی فکر آخرت بڑھایا جائے اور فکر دنیا گھٹایا جائے"۔ "خود نیک ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے تندرست ہونا، دوسروں کو نیکی کی دعوت دینے کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب ہونا"۔

تبلیغ سے آپ کو جو والہانہ محبت تھی، اُس نے خود کو تو بے قرار رکھے ہوئے تھا، جو بھی ساتھ آتا، اس کو بھی قرار نہ ہونے دیتا۔ ایک دفعہ ہم مولانا صاحبؒ کے

ساتھ آپ کی صحبت میں کراچی پہنچے تو فرمایا کہ فلاں محلّہ میں گشت ہے، وہاں جاکر بیان فرمادینا۔ ہر بات سے اس کو تبلیغ کا عمل نکالنا سوجھتا تھا،"چنانچہ ایک دفعہ فرمایا، درود میں تعدیہ ہے،اِسی طرح تبلیغ میں بھی تعدیہ ہے"۔

ایک دفعہ ہم آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ آپ نے فرمایا: مفتی زین العابدین صاحبؒ آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ تبلیغ والے آدمی کو بے وقوف بناتے ہیں، آپ حیران ہو کر کہنے لگے۔ حضرت وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ وقوف کے کیا معنی "ٹھہرنا" اس کے ساتھ "بے" لگاؤ۔ تو معنی کیا ہوئے "وہ جو نہ ٹھہرے"۔ اس پر مفتی زین العابدین صاحبؒ خوب ہنسے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے متعلق فرمایا کہ "دو بھائی فوجی اور ایک موجی"۔

اُن کا ایک قول ہے: تبلیغ کیا ہے؟"راہ خدا پر چلنا چلانا اور راہ ہویٰ سے بچنا بچانا"۔ تبلیغی ساتھیوں کو فرماتے: "اپنے سامان کی احتیاط رکھو، کسی مسلمان کو گناہ گار نہ ہونے دو"۔ کراچی کے سفر میں ایک دفعہ فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ قرأت نماز میں ادھر اُدھر سے لیتے ہیں، حالانکہ زیادہ ثواب چھوٹی سورتوں کو پڑھنے میں ہے، کہ مکمل مضمون سامنے آجاتا ہے۔ مسائل کا اس حد تک خیال تھا کہ مولانا صاحبؒ کو کچھ ریزگاری دینے لگے، مولانا صاحبؒ نے بغیر گنے جیب میں ڈال دیا، آپ نے فوراً فرمایا: "گنو، مسئلہ یہی ہے"۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے خلیفہ خاص حاجی غضنفر لاہوری کو کسی زمانہ شاید 64-1965ء ہو آپ کے ملفوظات کے بارے میں لکھا تو آپ نے ازراہ کرم مندرجہ ذیل جو ہر پارے بھیج دیئے جو ہدیہ ناظرین ہیں:

فکر غالب کونسا ہے؟ آخرت کا زیادہ ہے یا دُنیا کا؟

اللہ سے خوش گمانی ہونی چاہیئے اور اپنے سے بد گمانی، اپنے نفس کو تہمت دیا کرو۔

ذکر غالب کے بڑھے ہوئے ہونے کی ایک علامت ہے کہ اللہ سے ملنے کو دل چاہتا ہو، موت محبوب ہو، عقلاً ہو، اعتقاداً ہو، طبعاً ہو تو یہ کسی گنتی میں نہیں۔

ذکر کا منشا تو غفلت کا علاج ہے، پس غفلت سے ذکر نہ ہو، چاہے تھوڑا ہو، ذکر کی جو ضد ہے اسی کا نام غفلت ہے اب اجتماع ضدیں ہو رہا ہے۔

غفلت سے بھی اللہ کا نام نکل جاتا ہے تو یہ بھی اثر رکھتا ہے۔ آگے پیچھے کام آتا ہے، ایک بات تو یہ ہے کہ ذکر کرتے وقت جلدی نہ کرو، شمار کرنے کا جذبہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ جذبہ رکھو کہ اس وقت کا اللہ جو میں نے کہا ہے، یہ قبول ہو، اس میں وقفہ چاہیئے۔ چاہے اسم ذات کا ہو، یا نفی اثبات کا تصور دھیان کی ضرورت ہے، اور یہ تمیز اُٹھ جائے کہ زبان نے ذکر کیا ہے یا دل نے۔ ورنہ اس میں خلجان پیدا ہو جائے گا۔

ذکر کی تین کیفیتیں ہیں: ذکر زبان کرے اور قلب غافل ہو، قلب سے ذکر ہو اور زبان ساکت ہو، اور زبان بھی ذاکر ہو اور قلب بھی۔ اس کے ساتھ شامل ہو، زبان اور دل دونوں ملے ہوئے ہوں۔

اس سے آگے ایک مقام ہے کہ یہ تمیز نہ رہے کہ آیا زبان نے ذکر کیا ہے یا دل نے کیا ہے۔ بس ذکر ہی ذکر ہو، اس سے آگے ایک اور مقام ہے کہ ذکر ہی ذکر ہو اور مذکور پر نظر جم جائے۔ پھر جیسے بھی ذکر کریں۔ استغفار، ندامت سے کمی کو پورا کریں۔

استغفار کی تین قسمیں ہیں: ایک استغفار ہو، گناہوں پر، ایک استغفار ہو، نیکیوں

سے (یعنی نیکی کا حق ادا نہ کرنے پر) اور ایک استغفار، استغفار کے اندر جو ندامت چاہیئے تھی وہ نہیں ہوئی، اس کے لئے استغفار کریں۔

یہ عام بات ہے مگر توجہ نہیں کہ کلمہ شریف پڑھا جائے عظمت کے ساتھ، درود شریف محبت کے ساتھ اور استغفار ندامت کے ساتھ۔

سلوک میں مجاہدہ زیادہ مفید نہیں ہے۔ پہلے زمانہ میں قویٰ بُہت قوی تھے۔ اثر دیر سے ہوتا تھا۔ محنت زیادہ لی جاتی تھی۔ اس زمانے میں جو شیخ ایسا کرے گا، غلطی کرے گا بہت بڑی۔ برکت کا ایک عمل ہے، شکایت کو شکر سے بدل دیں، زبانی نہیں بلکہ قلبی بھی، جو کچھ عطا فرمایا ہے، اُس پر شکر کریں۔

سب سے بہتر مال وہ ہے جو کسی مخلص کے ذریعے ہدیتاً آیا ہو، باقی جتنی صورتیں ہیں، دوسرے درجے کی تیسرے درجے کی ہیں، یعنی ملازمت، محنت مزدوری وغیرہ۔ دلیل بڑی لطیف ہے میرے پاس۔ ''انما الصدقات للفقراء'' زکوٰۃ بھی اسی طرح ہے۔ حضور پاک ﷺ کو صحابہ ہدیہ ہی پیش کرتے تھے۔ اب آپ جو قبول کریں اور دینے والے صحابہ کرامؓ تو وہ کیسا پاک مال ہوگا، جسے حضور ﷺ قبول فرمائیں۔ ہدیہ میں نور زیادہ ہے، سرور بھی ہوتا ہے، بعض دفعہ نفس کی یہ شرارت ہوتی ہے کہ دو تین روپے کیا دیئے جائیں یہ تو کم ہیں، نبی کریم ﷺ کی شان کے مطابق جسے آپ قبول کرلیں۔ مالیات میں اس کی شان کے برابر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

(**نوٹ:** شاہ صاحبؒ کے ایک معتقد ماسٹر ظہور محمد ہلال، مدرسہ عربیہ مدینتہ العلوم ٹنڈو آدم والے نے نکات عزیزیہ کے نام سے آپ کے ملفوظات اکھٹے کئے ہیں۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ ضرور دیکھ لئے جائیں)۔

دُنیا کے تعلق کو گھٹانا چاہیئے اور فکر آخرت کو بڑھانا چاہیئے اور زیادہ کام ندامت سے لینا چاہیئے۔ ذکر کے وقت پہلے سوچا جائے، پیچھے ذکر کیا جائے، یہ سوچنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں بار بار ذکر کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے میں حکم کو پورا کر رہا ہوں، ذاکرین کی یہ نیت نہیں ہوتی۔

میں ذکر کس کے لئے کر رہا ہوں؟ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں، اور ذکر کے دوران بار بار ذہنی تکرار ہو، کہ وہ خوش ہو رہے ہیں، اور میں ذکر کر رہا ہوں، اور جو کچھ مانگنا ہے دُعاؤں میں مانگے۔ ذکر سے اونچا درجہ سوچ کا ہے، اپنی حقیقت کو سوچ لے۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو سوچ لے، تھوڑی دیر کی سوچ بہت نافع ہے۔

تلاوت کی بھی اتنی مقدار ہو کہ تعب نہ ہو، اور حضور ہو، چاہے ایک پاؤ ہو، شوق بڑھا ہوا ہو، جتنا بھی ہو۔

بعض لوگ وسعت کے ہوتے ہوئے کھانے میں تنگی کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں، گھی، دودھ، کھانا، خوش رہنا، تاکہ طبیعت پر بوجھ نہ ہو۔

ماں باپ کی خدمت کو کون ذکر سمجھتا ہے۔ حالانکہ ان کی خدمت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔

مولانا صاحبؒ کے بیان میں خطبہ والی آیت

حضرت مولانا صاحبؒ بعد کی زندگی میں سورۃ جمعہ کی پہلی آیتیں بطور خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت سید صاحبؒ سے ایک خط میں ان کے بارے میں استفسار فرماتے ہیں۔ سورۃ جمعہ میں جہاں یہ الفاظ آتے ہیں۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ان سے میرے دل میں یہ خیال جمتا جاتا ہے کہ آخرین میں امت کے قیامت تک آنے والے تمام طبقات شامل ہیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات تلاوت کتاب و تزکیہ و تعلیم کتاب و حکمت کا فیض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات عالی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس وقت بھی جاری فرمائے ہوئے ہیں۔ گویا صاف لفظوں میں یوں کہئے کہ آپ کا فیض اب بھی امت کے قلوب کو پاک کر رہا ہے اور آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ علوم نبوت کو بانٹ رہے ہیں۔ حضرت سید صاحبؒ کا جواب: بے شک شامل ہیں اور بے شبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے ہر امتی بقدر استعداد بہرہ ور ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا، مگر اس کو منصبِ نبوت سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ بند ہو چکا۔ نبوت کے منصب کا دروازہ بند ہو چکا۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کے سمجھنے میں غلام احمد قادیانی نے غلطی کی اور گمراہ ہوا اور ہزاروں کو گمراہ کیا۔ مولانا صاحبؒ آگے وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ بات اس لئے میں نے تحریر کی کہ اکثر اوقات جب بیان کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیزیں قلب پر وارد ہو رہی ہیں گو فاعل حقیقی اللہ ہیں۔ حضرت سید صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”خیر یہ تو ایک خیال ہے۔ اس کو دل سے نکال دیں اور صرف یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ باتباع شریعت محمدی میرے دل میں یہ ڈال رہے ہیں“۔ شاہراہ معرفت کے جلد 3 کے مکتوب نمبر 47 ص: 892، مکتوب نمبر 48 مؤرخہ 27 اپریل 1953ء کو سید صاحبؒ مزید تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جو چیز ختم ہے وہ منصب نبوت ہے اور جو چیز باقی ہے وہ کمالات و مراتب نبوت ہیں“۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ”ایک روز مجلس میں سورۃ جمعہ اور

اس کی آیات کے باہمی ربط اور نظام پر ایسی فاضلانہ تقریر فرمائی اور ایسے علمی نکتے بیان کئے کہ ہم لوگ یہ سمجھے کہ سید صاحب کا اصل موضوع تفسیر اور تدبر قرآن ہی ہے۔ اس تقریر کو قلم بند نہ کرنے کا اب تک افسوس ہے۔(پرانے چراغ حصّہ اول ص: 34)

16 اکتوبر 1962ء بروز منگل اسلامیہ کالج میں بیان فرماتے ہوئے ، اِن آیات کے متعلق فرمایا: یہ آیات جو میں نے پڑھیں ان میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حضور ﷺ کی ذات بابرکت کو بھیج کر اپنے فضل کا اظہار فرماتے ہیں: ان میں حاضرین سے لیکر تاقیامت آنے والے انسانوں کے لئے حضور ﷺ کی ذاتِ مبارک کو ذریعہ ہدایت فرمایا ہے، تاکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کو پہنچانیں، اور آپ کی ذات بابرکت کی تعلیمات سے استفادہ کریں اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں سمیٹ کر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے ذریعہ خیر بنیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اس کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔

وہ اللہ کی ذات جس نے اپنوں میں سے ایک رسول کو مہیا کیا، یعنی وہ کتابی علم لینے والے نہیں، بلکہ اللہ کی ذات کی طرف سے اِن کو ایک چیز عطا ہوئی ہے اور وہ اِن علوم کو یعنی آیات کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سناتے ہیں۔ پہلے تو الفاظ اور پھر معنی اور بقول بعض معنی کے اندر معنی۔ ایسا نہیں کہ انہوں نے لفظوں کو سمجھایا، بلکہ اللہ نے حضور ﷺ کی زبان کو اپنے قول پہنچانے کا ذریعہ بنایا۔ اب وہ فرماتے ہیں کہ میری زبان بولے گی لیکن اپنی نہیں اللہ کی بات بولے گی۔ حضور ﷺ جو عمل بھی کریں۔

اپنی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے یعنی حضور ﷺ آلہ ہیں، قرآن اور اس کے جملہ علوم کے منتقل کرنے کا، اور العیاذ باللہ العیاذ باللہ ایسا نہیں جو کہ بعض پگلے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صرف الفاظ کے پہنچانے والے تھے اور ایک ڈاکیے کی حیثیت سے قرآن کو دیکر چلے گئے۔ ایسا نہیں بلکہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دل پر اُتارا۔ ''انزله علی قلبه'' اور پھر ہو بہ ہو وہی الفاظ تھے جو آپ کی زبان سے نکلے۔ حضور ﷺ اپنی ذات سے نہیں کہتے تھے۔ بلکہ کہنے والے اللہ تھے اور آپ بطور آلہ کے مستعمل ہوتے۔ جیسے کہ ریڈیو تو بولتا ہے کیا یہ اپنی ذات سے بولتا ہے بلکہ بولنے والا تو کوئی اور ہوتا ہے اور یہ تو صرف پُہنچانے کا آلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی اپنی ذات سے نہیں کہتا اپنی من مانی نہیں کرواتے: بلکہ

گفتن او گفتن اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مولانا صاحبؒ کی پوری تقریر میں اس آیت کی وضاحت ہے، جو 16 اکتوبر 1962ء کو بروز منگل اسلامیہ کالج کے مسجد میں ہوئی اور ابھی تک چھپی نہیں، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کا سامان فرمادیں۔ آمین

فنا فی الشیخ

حضرت تھانویؒ حضرت سید سلیمان ندویؒ سے اپنی پہلی ملاقات کا تأثر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا دریابادیؒ کو ارقام فرماتے ہیں: ''مولانا سید سلیمان صاحب دفعتہً تشریف لے آئے میں مکان پر تھا۔ سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا جبثہ طویل وعریض تھا۔ ملا تو معتدل الخلقت پاکر قلب کو بہت اُنس ہوا۔ پھر ملاقات و مکالمت سے ان کی تواضع و سادگی و رعایت جلیس دیکھ کر تو مسخر ہی ہوگیا''۔ اور آخر کار مرشد

تھانویؒ نے اپنے "مرید باصفا" کے جمال وکمال روحانی کی داد دیتے ہوئے بے اختیار کہہ دیا:

از سلیمان گیرً اخلاص عمل داں تو ندوی را منزہ از دغل

اے دلت پر نور از انوار حق اے دلت مسرور از اخبار حق

اے دلت معمور از اسرار حق اے دلت مخمور از آثارِ حق

دوسری طرف حضرت سید صاحبؒ اپنے ہمدم دیرینہ حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ کو لکھتے ہیں: "لکھنؤ میں چار روز صحبت رہی۔ مگر مولانا کی شفقت میری عقیدت کو بڑھاتی رہی، اور آخر ان کی ہدایت کے بموجب، اور آپ کا مشورہ تو پہلے سے یہی تھا۔ باب مکاتبت واہے اور اب تو وہ ہی ہیں۔

؎ آتے ہیں نگاہوں میں خیالوں میں دلوں میں

معائنے سے بڑھ کر تصوّر میں مکالمہ تک نوبت آتی ہے۔

؎ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ حضرت سید صاحبؒ کے فنا فی الشیخ ہونے کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "(سید صاحبؒ پر) آخر میں تصوّف بہت غالب آگیا تھا۔ حکیم الامت و امام طریقت تھانویؒ کا آخر زمانہ تھا کہ ان سے عقیدت پیدا ہوئی اور والہانہ حد تک پہنچ گئی۔ بیعت ہوئے اور مرشد کے اندر ایسے جذب ہوئے کہ ایک لفظ فنا فی الشیخ جو سننے میں آرہا تھا۔ اس کا ایک عملی نمونہ پیش کر دیا"۔ (صدق جدید لکھنؤ 4 دسمبر 1953ء ص: 6) بحوالہ: شاہراہ معرفت جلد اول ص: 65-68۔

حضرت تھانویؒ کے ہاں چلے جانے پر جو لوگ معترض تھے، اُن کو آپ نے اُن الفاظ میں جواب دیا: "لوگ مجھ کو کہتے تو محقق اور علامہ ہیں، مگر در حقیقت بے عقل

جانتے ہیں، آخر یہ لوگ اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اگر ان کے خیال کے مطابق میں واقعی محقق اور علامہ ہوں، تو کیا بے وجہ میں نے مولانا تھانویؒ کا دامن تھاما۔ ان لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ میں نے اپنے اندر کوئی کمی پائی جس کی تکمیل کے لئے وہاں گیا"۔(علامہ سید سلیمان ندویؒ، شخصیت وادبی خدمات ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی ص: 124-125)

واقعی سید صاحبؒ نے تصوف کا رُخ اُس وقت کیا جب کہ وہ اپنے علمی اور ادبی کارناموں کے لحاظ سے بام عروج پر تھے، اور دینی زندگی بھی آپ کی بے داغ رہی، لیکن اپنے اندر آپ نے جس کمی کو محسوس کیا، اُس کی دوری کے لئے آپ نے اپنے نفس کی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی اور کو خاطر میں لائے بلکہ وہ کیا، جو آپ کے دل کی آواز تھی۔ بقول شاعر!

خلق می گوید کہ خسروبت پرستی می کند
آرے آرے می کنم باخلق و عالم کار نیست

اور اس سے آپ کے شان اور مرتبے میں کچھ کمی نہیں ہوئی، بلکہ تصوّف کے مقام ارفع پر فائز ہو کر خود تو چمکے ہی بہت ساروں کے لئے صیقل کا کام کر کے اُن کو چمکایا، جن میں ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کی ذاتِ اقدس بھی تھی، جن سے اللہ تعالیٰ نے باوجود گوناگوں معذوریوں کے وہ کام لیا، جو جماعت کی جماعت نہ کر سکے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

"ارمغان سلیمان" کے "غزل الغزلات" میں حضرت سید والا صاحبؒ خود اپنے دلی ترجمانی کرتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں:

پاکر تجھے اپنے کو میں کیا بھول گیا ہوں
ہر سو دو زیان دوسرا بھول گیا ہوں

جس دن سے مرے دل میں تری یاد بسی ہے
ہر ایک کو میں تیرے سوا بھول گیا ہوں
آتا ہے خدا بھی ترے صدقے میں مجھے یاد
گویا کہ بظاہر میں خدا بھول گیا ہوں
ہر سمت نظر آتے ہیں ہر وقت وہ مجھ کو
دورئ مسافت کا گلہ بھول گیا ہوں
اب مسئلہ وحدت و کثرت کو میں سمجھا
پاکر تجھے سب تیرے سوا بھول گیا ہوں
سجدہ طرفِ کعبہ ہے دل تیری طرف ہے
اب قبلہ بھی اے قبلہ نما بھول گیا ہوں

''غزل الغزلات'' حضرت سید صاحبؒ کے الہامی شاعری کا مجموعہ ہے۔ جس میں نظم کے انداز میں آپؒ نے اپنا ''روحانی سفر نامہ'' مرتب کیا ہے۔ اس کا ایک ایک شعر عشق و محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور جابجا اپنے شیخ حضرت تھانویؒ سے اپنے دلی محبت کا اظہار کیا ہے اور دیکھ دیکھ کر آپ کے ایک ایک ادا کی تعریف کی ہے اور اپنی خوبیوں کو آپ کے فیضان کا اثر بتایا ہے۔ اس شاعری کی ابتداء حضرت تھانویؒ کے ہاتھوں بیعت سے ہوئی اور انجام بھی آپ کی رحلت پر ہوا۔ بجز چند مخصوص نظموں کے۔ بطور نمونہ چند شعر پیش خدمت ہیں:

فیض ہے یہ کس ولی وقت کا — اب مرا جو شعر ہے الہام ہے
ساز گار اب گردش ایام ہے — دَور میں ہشتاد سالہ جام ہے
اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار — آج ہی آغاز کا انجام ہے

آج ہی پایا مزہ ایمان کا جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
ایسے کچھ انداز سے تقریر کی پھر نہ پیدا شبہء باطل ہوا
بزم میں دیکھا کئے اس ناز سے جس طرف دیکھا نشانہ دل ہوا

جو شعر بھی سُپرد قلم کررہا ہوں میں
سب واردات عشق رقم کررہا ہوں میں
تری ساقی کرامت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی
زبان میری لگی اک گھونٹ میں کرنے بیان دل
دوراہے سے خرد کے جب سے آیا ہوں رہِ دل پر
یقین کی شکل بنتا جارہا ہے، ہر گمانِ دل
ذرہ ذرہ عالم محسوس کا خاموش ہے
یار ہے گرمِ سخن محفل سراپا گوش ہے
اب تو مے نوشی ہے عین شرع برفتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہ شہر جومے نوش ہے

اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کی رحلت پر مرثیہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

داغ فراقِ یار مٹایا نہ جائے گا اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
حرفِ دمِ وداع "خدا کے سپرد ہو" تا آخر حیات بھلایا نہ جائے گا

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد اشرفؒ "حدیث ناگفتنی "یعنی" علمی اور مطالعاتی زندگی" میں اپنا حال یوں بیان فرماتے ہیں: "الفاروق پڑھی، شبلی کی تحقیق و تاریخ نگاری نے مسخر کرلیا۔ الفاروق کے مطالعہ نے شبلی کی عظمت و محبت پیدا کردی اور شبلی کی ایک

ایک کتاب و مقالہ مزے لے لے کر پڑھتا رہا۔ المامون، الغزالی، الکلام جزیہ، موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم مقالات (آٹھ جلدیں) نظر سے گذریں تاریخ و ادبیت و علم کا ایک عظیم مجسمہ شبلی دل و دماغ پر چھا گیا اور ان کی علمی و تحقیقی فتوحات نے اس وقت تک کے دیگر تمام نقوش ماند کر دیئے۔ سیرت النبی (اول و دوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھکر سوتا تھا۔ مجھ پر شبلی کا سب سے بڑا احسان ہے کہ ان کی سیرت نے شغف بخشا اور اسی مطالعہ سیرت کے سلسلہ میں جب سیرت النبی (جلد چہارم) کی ”صفات الٰہیہ“ کی بحث پر پہنچا تو قلب و دماغ شدّت تاثیر سے دگرگوں تھے اور اسی کا اثر تھا کہ آخرش سیرت نگار نبوی کے جانشین اپنے شیخ قیّم و مربّی اوّل حضرت سید الملّت علامہ سید سلیمان ندویؒ نور اللہ مرقدہ کو غائبانہ اپنا دل دے بیٹھا۔

اتانی ھواھا حین لم ا عرف الھویٰ
فصادف قلباً خالیاً فتمکنا

”میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اک نظر
جس نے دُنیا ہی بدل دی عشق کی میرے لئے“

گویا شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک رسائی کا سبب اوّل بنے۔ ان کی سیرت نہ ہوتی تو فقیر کو چہ سلیمانی کی گرد کو سرمہء چشم نہ بنا سکتا۔ فجزا ھما اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے در سے کیا ملا۔ یہ الگ داستان ہے جس کا یہ عجالہ متحمل نہیں ہو سکتا گو جی چاہتا ہے۔

باز گو از نجد و از یاران نجد   تا در و دیوار را آری بوجد

(علمی و مطالعاتی زندگی، ترتیب مولانا عبد القیوم حقانی، ص: 171-172)

اس حکایت کی کڑیاں یوں ملتی ہیں کہ 29 اکتوبر 1943ء کو مولانا صاحبؒ محلہ مقرب خان پشاور سے حضرت سید سلیمان ندویؒ کے نام خط ارسال فرماتے ہیں اور اپنا تعارف بی۔ اے فائنل ائیر کے متعلّم سے فرما کر کہتے ہیں:

''جن دنوں حکیم الامت امام تھانویؒ کا انتقال ہوا۔ ان دنوں روزنامہ ''Dawn'' دہلی میں بندہ نے یہ پڑھا تھا کہ آنجناب بھی حکیم الامت کے روحانی خلیفہ ہیں''۔ اس کے جواب میں حضرت سید صاحبؒ لکھتے ہیں: ''آپ نے ڈان میں جو پڑھا وہ صحیح ہے کہ مجھے حضرت والاؒ سے تعلق خدمت ہے''۔ اور آپ کو چند ہدایات دیگر ہر نماز کے بعد استغفار کو چند بار پڑھنے کی تلقین فرمائی اور یوں حضرت سید صاحب سے براہ راست تعلق کی ابتداء ہوئی۔ 19 ستمبر 1950ء کے مکتوب میں حضرت سید صاحبؒ نے مولانا صاحبؒ کو غائبانہ بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور طریقہ بھی بتلایا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے بیعت کے وقت اپنی حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ''دیکھتا ہوں کہ میری پرانی ٹوپی کو اُتار کر ایک دوسرے شخص کی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی گئی ہے۔ اور تعریف کی جارہی ہے کہ یہ ٹوپی تمہیں زیادہ اچھی معلوم ہورہی ہے''۔ جواباً حضرت سید صاحبؒ نے فرمایا: ''قدیم صوفیہ میں یہی رواج تھا کہ مرید ہوتے وقت شیخ اپنی کلاہ مرید کو عنایت کرتے تھے''۔

1950ء کو جب حضرت سید صاحبؒ پاکستان ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے۔ تو حضرت مولانا صاحبؒ کو ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور باہمی موانست اپنی حدیں پھلانگ کر عشق و محبت تک جا پہنچی۔ ملاقات کے وقت کیا ہوا؟ اس کا حال خود مولانا صاحبؒ سے سنئے: ''سینہ سے لگایا اور فرمایا: آپ نے خواب دیکھا تھا۔

ہم آ ہی گئے''۔ پھر فرمایا: ''بہتر ہے کہ پہلے ملاقات نہ ہوئی ورنہ میرے عیوب آپ پر ظاہر ہو جاتے۔ ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے میرے عیوب عرصہ پوشیدہ رہے''۔ پھر جامی کا شعر پڑھا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کز لذت گفتار خیزد

بن دیکھے محبت اچھی ہوتی ہے۔ عیوب کا پتہ نہیں لگتا۔ شاہراہ معرفت ج: اول، ص: 222-223۔

اس ملاقات کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کا کیا حال تھا؟ اپنے ایک تبلیغی سفر کا حال لکھتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: ''جدائی کے بعد عمومی حالت یہ ہوگئی ہے کہ

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
می گویمت دعا و ثنا می فرستمت

اور حضرت سید صاحبؒ کسی سفر میں غالباً لائل پور (فیصل آباد) آپ کے ساتھ ہونے پر یوں قدر افزائی فرماتے ہیں: ''سفر میں آپ کی خدمت سے خوش ہوا۔ اللہ جزائے خیر دیں''۔ اور 29 مئی 1953ء کے نامہ مبارک میں مولانا صاحبؒ نے اپنی حالت یوں بیان فرمائی ہے: ''حضرت والا کا خیال بہت مستولی رہتا ہے۔ نمازوں تک میں یاد آجاتی ہے۔ گو اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ ذات کے تصور کے ساتھ یا ان کے ذکر کے علاوہ غیر کا استحضار مناسب نہیں''۔ اسی طرح ایک اور خط میں جو 30 اگست 1953ء کو لکھا گیا، آپ فرماتے ہیں: ''بندہ کراچی سے جہلم ہوتے ہوئے پشاور پہنچا اور پھر کچھ دن کے لئے چترال گیا۔ اس متواتر سفر نے گو عملاً خدمت اقدس میں حاضری کا موقع نہ دیا، لیکن قلبی حاضری اکثر میسر رہی۔''

خدا جانے مجھے کیا دے کے ساقی نے پلایا ہے
وہ جتنا دور ہو پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

حضرت سید صاحبؒ کے رحلت فرمانے کے بعد بھی مدتوں تک نقوش سلیمانی کی چھاپ آپ کے ذہن و قلب میں تازہ رہی اور آپ کے اقوال کو تاریخ اور موقع و محل کے ساتھ ذکر فرماکر مندرجہ بالا شعر کو کبھی کبھی مع تغیر کے مزہ لے لے کر دہراتے تھے۔

خدا جانے مجھے کیا گھول کے ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جاچکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

اور کبھی یہ شعر پڑھتے:

جو آگ کی تاثیر ہے سو عشق کی تاثیر
اک خانہ بخانہ ہے اِک سینہ بہ سینہ

گویا حضرت مولانا صاحبؒ کو اپنے شیخؒ سے مناسبت تامّہ حاصل تھی اور یہ خاصّہ آپ کی تحریر میں بھی پایا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ کے علوم کو "شاہراہ معرفت" کی صورت میں اپنے شیخؒ کے طرزِ نگارش پر صفحہ قرطاس میں منتقل کر دیا۔ جس کی گواہی خود حضرت سید صاحبؒ کے دانش کدۂ فکر کے شناساؤں نے اِن الفاظ میں دی:
"اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے مصنف کے انداز بیان میں ان کے مرشد کے اسلوب نگارش کی جھلکیاں ہیں، پھر حضرت سلیمان اشرفیؒ کو راہ سلوک میں جو کیف آگینی حاصل تھی، وہ خود مصنف کی ذات میں سرایت ہو کر اس کتاب کی ہر سطر اور ہر لفظ میں منتقل ہو گئی ہے"۔(شاہراہ معرفت، ج: 3ص:154)

حضرت سید صاحبؒ کے منظوم کلام ”غزل الغزلات“ کی محبت آپ کے رگ وپے میں سرایت کرگئی تھی، اپنی عام گفتگو اور نوشتوں میں اس کلام سے استشہاد لیتے، آپ کے کلام سے محبت کا اندازہ اس سے بھی ہوجاتا ہے، کہ جب آپ اپنے پہلے حج پر تشریف لے جارہے تھے، توجب کراچی پہنچے تو آپ نے راقم کو خط بھیجا کہ اس کی ایک کاپی آپ کو بھیجی جائے۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی تکمیل کی گئی۔ سید صاحبؒ کے کلام کے علاوہ آپ کو مولانا رومؒ، علامہ اقبال اور حافظ شیرازی وغیرہ کے کلام سے بھی ایک گونہ موانست رہی اور موقع کے مناسبت سے آپ اشعار کا استعمال فرماتے۔

دعوت تبلیغ اور حضرت مولانا قدس سرّہٗ

حضرت سید سلیمان ندویؒ مولانا محمد الیاسؒ سے اپنی ایک ملاقات کا حال ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ”مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ سٹیشن آیا۔ دیکھا کہ ایک دُبلے پتلے نحیف سے میانہ قد، بڑی داڑھی، کچھ کچّی اور کچھ پکّی، ہاتھ میں چھڑی، سر پر عمامہ، مگر وہ کبھی سر سے اُترا اور کبھی سر پر رکھا ہوا، اسی طرح جسم پر لمبے کرتے کے اوپر ایک عباسا، مگر وہ کبھی دربر اور کبھی باہر۔ ایک کمبل بچھائے درخت کے نیچے بیٹھے ہیں، ہم دونوں بھی سلام کے بعد جاکر بیٹھ گئے۔ مولانا نے فوراً اپنی تبلیغ کی تقریر شروع کردی۔ میں اُن کی باتوں کو چُپ سُنتا رہا، آخر میں عرض کی کہ حضرت! ایسے لوگوں کو جو صرف دو چار دن آپ کی صحبت میں رہے۔ اُن کو تزکیہ اور تصفیہ کے بعد مبلّغ بناکر بھیجنا کیونکر مفید ہوگا، فرمایا، مکتوبات مجدّد الف ثانی پڑھیے، معلوم ہوجائے گا، دوبارہ عرض کی، میں نے اُن کو پڑھا ہے۔ مگر اُن سے تو اِس مشکل کا حل معلوم نہ ہوا۔ اُن کی زبان میں لکنت تھی، تقریر پر قادر نہ تھے، تقریر بھی الجھی ہوئی ہوتی تھی، مگر جوش وخروش کا

سمندر ان موانع کے سارے خس وخاشاک کو بہائے لئے جاتا تھا، تھوڑی گفتگو کے بعد

واہ ری تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا وہ بھی میرے دل میں ہے

جسمانی کمزوری اور ضعفِ سینہ کے باوجود اُن کے پھیپھڑے ان کی پُرزور تقریر اور پُرجوش گفتگو کے تسلسل اور تواتر کے سبب سے ہر ہر وقت اس طرح اُبھر اُبھر کر اُٹھتے تھے کہ مجھے تو ڈر لگتا تھا کہ کہیں پھٹ نہ جائیں، یا گلے کی رگیں جو بار بار پھول پھول جاتی تھیں پھٹ نہ جائیں"۔

جب مولانا الیاسؒ لکھنؤ آئے تو حضرت سید صاحبؒ بھی ایک ہفتہ تک دن رات ساتھ رہے۔ فرماتے ہیں: "جیسے جیسے ملتا جاتا تھا، اُن کی تاثیر بڑھتی جاتی تھی، مولانا کی تقریر گو اُلجھی ہوئی اور بیان ژولیدہ بدستور تھا، مگر میں نے دیکھا کہ جو آیا وہ اثر سے خالی نہ گیا۔

اُدھر کہتا گیا وہ اور اِدھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

لکھنؤ کے قیام میں ایک دن عصر کی نماز پڑھائی: "نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رُخ کرکے فرمایا، بھائیو! میں ایک ابتلاء میں گرفتار ہوں دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اِس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہونے لگتا ہے کہ مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے، میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلا سے سلامتی کے ساتھ نکال لیں، آپ بھی میرے حق میں دُعا فرمائیں"۔

(یادرفتگان: تصنیف سید سلیمان ندویؒ، ص: 287-290)

اِن دنوں میں حضرت سید صاحبؒ حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے وابستہ رہے اور آپ کے ساتھ تبلیغی سرگرمیوں میں حصّہ لیا، اور معارف ستمبر 1943ء کے شذرات میں ان دنوں کی روئداد کچھ اس انداز سے لکھی کہ بقول حضرت الشیخ مولانا محمد اشرف صاحب "زندگی ان کی تحریک کی گردبن کر رہ گئی"۔

(علمی اور مطالعاتی زندگی، مرتبہ عبدالقیوم حقانی ص: 184)

بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے انتقال کے بعد سید صاحبؒ نے ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" کا مقدمہ لکھا اور پاکستان جانے کے بعد بھی تبلیغی کاموں میں جُڑتے رہے، اپنے سفر حجاز میں بھی آپ تبلیغی کاموں میں شرکت کرتے رہے۔ اس پر تبلیغی اکابرین نے آپ کی سعی کو سراہتے ہوئے شکریہ ادا کیا، اس کے ردِ عمل میں آپ نے مندرجہ ذیل کلمات ارقام فرمائے:

"میری شرکت کو جو جماعت تبلیغ کے کاموں میں حجاز میں ہوئی، آپ صاحبوں نے بڑی اہمیت دی۔ مولانا یوسف صاحب، اور مولانا زکریا صاحب تک نے اس کے لئے شکرئے ادا کئے اور دُعائیں دیں۔ دُعائیں تو ٹھیک ہیں کہ میں ان کا محتاج ہوں، مگر شکریہ کس بات کا۔ کوئی نماز پڑھے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ بعض صاحبوں نے ایسا کیا ہے۔ (ابوالحسن علی ندویؒ کو سید صاحب کا خط مورخہ 24 جنوری 1950ء، بحوالہ: شاہراہ معرفت ج: 3، ص: 79)

سید صاحب کے تبلیغ میں لگاؤ کا اثر آپ کے مرید باصفا پر کیا پڑتا ہے۔ اس کی ایک جھلک تو آپ نے اوپر دیکھ لی۔ اس کی چند جھلکیاں اور ملاحظہ ہوں۔

تبلیغ

یکم دسمبر 1947ء کے مکتوب بنام حضرت سید صاحبؒ سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اپنے خلفاء میں سے چند پُرجوش مبلغین کو پاکستان بھیج دیں، تاکہ یہاں عام لادینی کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت سید صاحبؒ جواب میں فرماتے ہیں: "آپ کے ہاں بھی کام شروع ہوگا، کچھ لوگ کراچی میں کر رہے ہیں، تبلیغ کی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے کو درست کرلے پھر دوسروں کی طرف توجہ کرے، ایک بیمار دوسرے بیمار کی مدد نہیں کرسکتا۔ آپ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے دین اور دینداری کی باتیں کیا کیجئے۔ انشاء اللہ نافع ہوگا۔

(مکتوبات ص: 740،، شاہراہ معرفت جلد 3)

15 جولائی 1948ء کو ارشاد فرماتے ہیں: "گذشتہ چار پانچ ماہ سے اپنے لادینی ماحول سے کچھ دن نکال کر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور اپنی اصلاح کی نیت سے مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی مبلغین کی جماعتوں کے ساتھ جاتا ہوں۔ دینی کافی فائدہ محسوس ہوتا ہے۔ جواباً حضرت سید صاحبؒ فرماتے ہیں: اس صحبت کو جاری رکھئیے۔

(مکتوبات ص: 743)

مکتوب نمبر 13: "اصلاحِ خلق سے مقصود پس پردہ خود اپنی اصلاح ہونی چاہیئے۔ ورنہ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتا"۔ (شاہراہ معرفت جلد 3)

"حق گوئی ہو مگر اس طرح کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام دیکھیں تو اسی موقع پر حق گوئی مفید ہے۔ جب لوگ آپ کی بات سننے کو آمادہ ہوں ورنہ قلب سے اُس کو بُرا سمجھیں"۔ (مکتوبات ص: 772)

مکتوب نمبر15، 16 اگست 1950ء: ''تبلیغ میں دیگر حضرات کے متعلق یہ خیال کہ وہ صحیح کام نہیں کر رہے ہیں، کی وجہ سے ایک کڑھن پیدا ہونے پر حضرت سید صاحبؒ بطور علاج فرماتے ہیں: ''اپنے نفس کا حق دوسروں کے حقوق سے اہم و اقدم ہے 'ولنفسك عليك حق' اس لئے پہلے اپنی بہی خواہی کیجئے پھر دوسروں کی۔ استادی تک پہنچنے سے پہلے استاد بننے کی غلطی سے محفوظ رہئے۔ آپ جماعت کے ساتھ کام تو کریں، مگر نظر اپنے اوپر اور اپنی درستی کی نیت ہو''۔(مکتوب نمبر22، ص: 797)

یہ بات حضرت مولانا صاحبؒ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی کہ وہ دوسروں کے غم کو اپنا غم بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ اگر کسی نے اُن کو اپنا حال بتایا وہ بھول بھی جاتا لیکن حضرت مولانا صاحبؒ کو یاد رہتا اور برابر پوچھتے رہتے کہ کیا ہوا؟ خطوط میں بھی وہ حضرت سید صاحبؒ کو اہل خانہ کے علاوہ مختلف اشخاص کے لئے دعاؤں کے لئے ملتجی ہوتے۔ ان میں داؤد سرحدی، محمد اسلم صاحب اور غلام مرتضیٰ صاحب کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

12 ستمبر 1952ء کو مولانا صاحبؒ اپنے مکتوب حضرت سید صاحبؒ کے نام یوں لکھتے ہیں: ''تبلیغی بیانات اور دوسروں کو ترغیبات کو جی نہیں چاہتا کہ ''خود اپنی کوتاہیوں کو نہیں دیکھتے اور دوسروں کو دعوت دیتے ہو''۔ گو احباب کے تقاضے پر جب کچھ کہنے لگتا ہوں تو اللہ تعالیٰ خوب علوم کا ورود فرماتے ہیں اور جس کے کہنے کا یہ نالائق قابل نہیں وہ کہلواتے ہیں لیکن پھر بھی پریشانی اور ندامت کا غلبہ رہتا ہے کہ کہتے ہو اور اس کا حق خود ادا نہیں کرتے''۔ حضرت سید صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''سوء ظن اپنی نسبت عین مطلوب و محمود ہے''۔(مکتوب نمبر40، ص: 867)

4 اپریل 1953ء کے مکتوب میں حضرت مولانا صاحبؒ اپنی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”شب جمعہ حضراتِ تبلیغ کے کہنے پر بیان و تقریر کر دیتا ہوں۔ جب دعوت دینے پر کھڑا ہوتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور سامعین کی برکت سے ایسی باتیں بیان ہوتی ہیں، جن پر عمل سے بندہ عاجز عاری ہے۔ طبیعت کو کوفت ہوتی ہے کہ وہ کیوں کہتے ہو، جو کرتے نہیں۔ جواب میں حضرت سید صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں: کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسروں کو اس خیر کی دعوت دینا جس پر گو آپ کا اب تک عمل نہ ہو، مگر نیت میں ہو۔ بُرا نہیں۔ کیا عجب آپ کے لئے محرک بن جائے۔ جو کہتے ہو وہ کرتے نہیں کہ یہ معنی نہیں کہ جو خود تم نہ کرو وہ دوسرے سے نہ کہو۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ جو نہیں کرتے، اُس کا دعویٰ نہ کرو۔ غرض اس کا دعویٰ کرنا منع ہے۔ دعوت کرنا منع نہیں۔(مکتوب نمبر 46، ص: 888)

30 جولائی 1953ء کو حضرت مولانا صاحبؒ کا چالیس دن کے لئے تبلیغ کے لئے نکلنا: ”مقصد یہ ہے کہ کسی طرح میرا گندہ نفس سنور جائے اور ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پوری پوری پابندی حسن نیت و دھیان الٰہی کے ساتھ نصیب ہو جائے“۔ اس پر حضرت سید صاحبؒ فرماتے ہیں: ”اس مقصد کی خاطر گھر سے نکلنا مبارک باد کے قابل اور اپنے نفس کے متعلق یہ خیالات بھی مناسب ہیں، لیکن اپنی کمیوں اور اپنے نقائص کے متعلق مجمل و مہمل بیان علاج کے لئے کافی نہیں ہے۔ آپ اپنے نفس کے متعلق غور کیجئے اور متعین کیجئے کہ وہ نقائص کیا ہیں؟ تاکہ اُن کا علاج کیا جاسکے۔ جس طرح طبیب سے صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ میں بیمار ہوں۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیا کیا بیماریاں اور کیا کیا تکلیفیں ہیں یعنی کھانسی ہے، دردِ سر ہے، ضعف معدہ ہے، بے خوابی

ہے"۔(مکتوب نمبر50، ص: 902)

حضرت سید صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ کے شیخ ثانی حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کا سلسلۂ طریقیت حضرت شاہ محمد یٰسین نگہینویؒ کے ذریعے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ملتا ہے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم اور ایک ماہر مناظر تھے۔ تبلیغ میں آئے تو اس کے ہو کے رہے۔ ہجرت کے بعد ٹنڈو آدم میں تقریباً پانچ سال تک اپنا ٹھکانہ بنایا، اور پھر کراچی میں ساڑھے چار سال گذار کر آخر میں پھر ٹنڈو آدم کا رُخ کیا، اور چند دن بعد 13 ذی الحجہ 1388ھ مطابق 2 مارچ 1969ء بروز اتوار راہی بقا ہوئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

بیعت سے پہلے مولانا صاحبؒ آپ کے ساتھ تبلیغ میں کافی وقت گذار چکے تھے اور تبلیغ کے ساتھ آپ کو انتہائی لگاؤ اور عشق و محبت تھی کہ آپ ایک لمبے عرصے تک پشاور میں تبلیغ کے امیر رہے اور شب جمعہ کے علاوہ اسلامیہ کالج اور یونیورسٹی ہاسٹلوں میں آپ کے مسلسل بیانات ہُوا کرتے تھے، یہ مشغلہ آپ کا مدت العمر رہا اور یہی آپ کا اُوڑھنا بچھونا رہا۔ اور خدا نے زبان میں تاثیر بھی دے رکھی تھی، کہ دل آپ کی طرف بے تابانہ کھنچتے رہے۔ رورل اکیڈیمی والوں نے آپ کو سرکاری طور باضابطہ اپنے مقررین میں رکھا، اور اسی طرح زرعی یونیورسٹی، ہمدرد ٹرسٹ اور مختلف جگہوں پر آپ کو بُلایا جاتا۔ آپ کے فی الفور بیانات کو ضبط تحریر میں لایا گیا اور انہوں نے زبردست دلکش اور پُر اثر مقالوں کی شکل اختیار کرلی۔ آپ کے بیانات نے بہت ساروں کی زندگیاں بدلیں۔ اور آپ کی ذات بابرکت پشاور یونیورسٹی اور بہت سارے مقامات میں عظیم تبدیلی کا باعث بنی۔ آپ کی زبان حق کی ترجمان تھی، اور اس کلمہء قرآنی کی

وجدانی حقیقت کہ ''اَلْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ'' اور نتیجتاً بہت سارے وہ حضرات جن کا شروع میں آپ کے ساتھ اختلاف تھا وہ ائتلاف اور محبت میں بدل گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کے بیانات الھامی اثر لئے ہوئے وقت موقع اور حاضرین کے حسب حال ہوا کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ مخالف مسلک کے لوگوں میں آپ کی انتہائی کامیابی کا معلوم کرکے آپ سے حقیقت حال معلوم کرنے پر جواب ملا، ''فقیر تو تمام مسلمانوں کا خادم ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کجی اور زیغ سے نکال کر حقیقی حب رسول ﷺ اور اتباع نبوت نصیب فرمائے۔ آمین۔ ہر طبقہ میں تبلیغ ان کے ماحول کو دیکھ کر مابہ الاشتراک سے شروع کرنی پڑتی ہے۔ نص قرآن '' تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اس پر شاہد ہے''۔(مکتوبات)

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

آپ کا زیادہ واسطہ یونیورسٹی کے جوان طبقے سے تھا بعض اوقات وقت اور موقع کی مناسبت سے لطائف بھی سناتے۔ چنانچہ ایک دفعہ اپنے شہر والے کسی ساتھی کے متعلق ایک لطیفہ سنایا، کہ وہ ایک لڑکی سے محبت کی وجہ سے شادی کرنا چاہتے تھے، جبکہ والدین اس کے خلاف تھے اور انہوں نے کسی اور جگہ اُن کی شادی کا انتظام کیا، عرصہ گذرا اور ان کے بچے ہوئے۔ ایک دن وہ اپنے بچوں کے ساتھ خوشگوار موڈ میں مشغول تھے کہ ماں نے آواز دی۔ ''بیٹا وہ ڈائن بھول گئی کہ نہیں'' تو بیٹے نے جواب دیا کہ ''اماں! کیا وہ بھلن والی شے ہے''۔

اسی طرح دین کے کاموں میں ہماری کمزوری اور صرف خواہش کی دنیا میں رہ کر اس کے چاہنے پر بعض دفعہ مولانا رومؒ کے مثنوی کے قزوینی کا اپنی کمر پر شیر کی تصویر گودنے کی مثال دیتے جو حجّام کے پاس جاکر جب گودنے کا عمل شروع ہوا، تو پوچھا کہ کیا بناتے ہو، اُس نے کہا کہ "کان" اُس سے سوئی چھبوانے کا درد برداشت نہیں ہو رہا تھا، تو کہا کہ بغیر کان کے بناؤ ، اسی طرح دُم وغیرہ کا وقت آیا، تو یہ حجّام کو منع کرتا رہا۔ آخر میں اُس نے ایک اور جگہ سوئی چھبوئی تو اُس نے درد سے کراہ کر پوچھا کہ "اب کیا بناتے ہو"، تو حجام نے جواب دیا کہ "پیٹ" قزوینی نے اس پر بھی یہی کہا۔ "اَجی بغیر پیٹ کے بناؤ" تو حجّام نے سوئی ایک طرف ڈال کر اُس کو ایک دھکا دیکر نکالا اور کہنے لگا۔

این چناں شیرے خدا ہم نافرید

غرض مولانا صاحبؒ کا تبلیغی بیان مختلف قسم کے تلخ وترش اور میٹھے مصالحوں کا ایک معجون مرکّب ہوتا جس میں لپیٹ کر وہ دین وشریعت کے مہمّات اور اغراض و مقاصد کو سمجھانے کی کوشش کرتے، تاکہ سامعین کا دل اور دماغ آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ اور دین کی پُڑیا کے ہضم ہونے میں مشکلات حائل نہ ہوں اور اس شعر کا اکثر استعمال کرتے۔

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

تبلیغ کے داعی ہوتے ہوئے آپ اعتدال کے قائل تھے، اور بعض طلباء جو جوش میں آکر اپنی تعلیم چھوڑنے کا اظہار کرتے یا اپنے اسباق کی تیاری میں سستی کرتے، تو آپ ان کو سمجھاتے اور کسب رزق حلال کی اہمیت بتاتے، ایک طالب علم جو زرعی کالج میں پڑھتے تھے۔ ایک دن آئے اور عرض کیا کہ میں زراعت چھوڑ کر دینی مدرسہ میں

داخل ہونا چاہتا ہوں تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، تاکہ بعد میں اپنے اس عمل پر پریشانی کا سبب نہ ہو۔

چرا عاقل کند کارے کہ باز آرد پشیمانی

وہ تبلیغ کے مؤئید اور داعی تھے، لیکن وقتی جوش میں آکر پھر ساری عمر اپنے کئے ہوئے نیک عمل پر پشیمانی کے اثرات کو بھی سمجھتے تھے۔ اور جو بھی انتہاپسندی کی راہ پر آتا تو آپ ایک عام مقولہ کو دہراتے کہ "چڑھ بیٹا سولی، اللہ بھلی کردے گا"۔ وہ جوش کو ہوش پر غالب ہونے کے روادار نہیں تھے، خود کمترین کو جو مذہبی مطالعے کا چسکا لگا اور آپ سے اپنی حالت عرض کی تو جواب میں لکھا: "کالج کی پڑھائی کی طرف سے غفلت کسی حال میں نہ برتیں، اسے کسب حلال کی محنت سمجھیں جو فرائض کے بعد فریضہ ہے"۔

18 دسمبر 1977ء کی بات ہے کہ شاہد صاحب کے بھائی ڈاکٹر گل بادشاہ نے آپ سے مشورہ لینا چاہا، کہ آیا وہ "Neurosurgery" میں تخصص میں پیش کش قبول کرے یا نہیں، شش و پنج اس وجہ سے ہو رہی تھی کہ دماغی اپریشن میں صحت یابی کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا صاحبؒ نے قبول کرنے کا مشورہ دیا کہ جب وقت کے ماہر آپ کی تائید کرلیں تو پھر علاج معالجہ ٹھیک ہے، اور ذمہ داری اُسی صورت میں ہے کہ نیم حکیم ہو اور شاید آپ کے ذریعے آپریشن کی ایسی صورت ظاہر ہو جس سے اس کام میں آسانی ہو جائے۔ غرض مولانا صاحبؒ اعتدال کے ساتھ ترقی یافتہ ذہن کے مالک تھے، وہ نرے جمود کے حامی نہ تھے، اور کسی کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتے تھے۔ گو خود بعض دفعہ اپنے حق کے حصول میں چشم پوشی کرتے اور فرماتے کہ "دیکھتے ہیں کہ دھوکا دیتے ہیں لیکن دھوکا کھاتے ہیں"۔ ایک صاحب نے اپنی ترقی کی

درخواست میں آپ کا ریفرنس دیا، تو مولانا صاحبؒ کے پوچھنے پر کہا کہ "میں اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتا تھا"۔ آپ نے جواب دیا کہ "اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے ہمارا اُلّو کیوں ٹیڑھا کرنے کی کوشش کی"۔ غرض آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، اور آپ کی ہر ادا اپنے وقت اور حال کے مناسب پیاری لگتی۔

کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

اسی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں کبھی کبھی آپ کو اپنے متعلقین کے ہاں ٹھہر کر ان کے دل بڑھانے کے لئے ضیافت بھی قبول کرنا پڑتی، چنانچہ ایک موقع شائد 1965ء ہی یاد پڑتا ہے کہ بندہ کمرہ نمبر 151 ہاسٹل نمبر 6 میں ایم ایس سی کے طالب علم کی حیثیت سے رہ رہا تھا، مولانا صاحبؒ کے تبلیغی بیان کے سلسلہ میں ہاسٹل میں تشریف آوری ہوئی، تو کمترین کی ضیافت قبول کر کے کمرہ میں تشریف لائے، اِدھر کھانا لگ گیا، اور اُدھر احمد گل صاحب بلاوے کے باوجود موقع سے غیر حاضر۔ چنانچہ ہم لوگ اُن پر غصّہ ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ اِدھر سے زور کا زلزلہ آیا، اور ہمارا کمرہ چونکہ ہاسٹل کے بالکل کونے پر دوسری چھت پر تھا۔ یوں محسوس ہوا کہ زلزلہ کے جھٹکے سے گویا ہم زمین پر آرہے، اللہ نے سب کی جان بچائی اور کچھ حادثہ نہیں ہوا، اور مولانا صاحبؒ مدظلہ العالی کے ساتھ باقی ساتھی بھی کمرے میں رہے۔ احمد گل صاحب کی آمد پر مولانا صاحبؒ نے شاید یوں بتایا کہ "ابھی آپ کی غیبت ہو رہی تھی"۔

میر حاتم صاحب کے وارڈن اور ساتھی ہونے کے باعث تو آپ کی آمد اور ضیافت اور بڑھ گئی اور ایک دفعہ تو یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ شام کے تبلیغی حضرات کو مع رائے ونڈ والوں کے اکابر کے ایک رہنما کے ہاسٹل نمبر 7 میں وارڈن لاج میں رات بھی

گزارنی پڑی۔ میر حاتم صاحب کو میری دوستی کافی مہنگی پڑی کیونکہ کبھی کوئی دوست، کبھی اُستاد وغیرہ بھی صرف میرے تعارف پر اپنا ٹھکانہ بنالیتے اور اکثر امتحان کی تیاری اور پرچوں کے لئے رہائش کا مسئلہ ایک بہانہ بن جاتا، چنانچہ اس سلسلہ میں جہانگیر خان دیروی، فضل محمد صاحب (تھانہ) اور قاضی محمد حنیف صاحب کے بھائی پروفیسر عبدالواسع صاحبان کے نام بطور نمونہ کے پیش خدمت ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ ہر ایک کے لئے الاماشاء اللہ یہی رہا۔

اے آمدنت باعث خوشنودئی ما

اس میں کبھی لطیفے بھی ہوئے۔ مثلاً غلام حبیب صاحب مروت (مرحوم) جو کہ میرے ایک سادہ، خدمت گذار اور محبوب طلباء میں سے تھے۔ جس کی شادی میں یہ عاجز شرکت کے لئے اکیلا تتر خیل اور کلاچی کا چکر لگا کر حاضر ہوا تھا، چنانچہ رات کی تاریکی میں وہاں پہنچا اور پھر ایک بہت بڑے مفتی کی طرح ''ضاد'' اور ''ظاد'' کے مسئلے پوچھنا شروع ہوئے۔ خیر وہاں بھی عجیب تجربات ہوئے ایک تو پانی کی قدر کا احساس ہوا کہ وضو کا پانی بھی بالٹی وغیرہ میں جمع کرکے کام میں لاتے تھے۔ دوسرا یہ کہ ریت کی بھرمار کی وجہ سے روٹی بھی اس سے خالی نہ ہوتی، بلکہ دانتوں میں اس کی چھبن محسوس ہوتی رہی۔ پانی مروت کے علاقہ کا بڑا مسئلہ رہا۔ ایک دفعہ دلوخیل اپنے ایک ساتھی شاگرد کے گھر پہنچا، پانی کے انتظار میں رہا اور وہ میٹھا پانی لانے کے لئے تگ ودَو کررہے تھے، پانی جو لایا گیا تو وہ بھی بس ایک عام سا پانی تھا، گو کرک والے پانی کی طرح نہیں، بلکہ مروت کے ایک شاگرد نے اپنی سادگی سے ایک عجیب لطیفہ سنایا، کہ ہمارے مالداروں کے گھروں میں پکے اور غرباء کے ہاں کچے تالاب ہوتے ہیں، جس میں پانی جمع

رہتا ہے، اور جب موسم سخت ہو جاتا ہے تو پانی کی قلت رہتی ہے، یہاں تک کہ ہماری ایک پڑوسن یہ دُعا کرتی کہ خدا خیر کرے جیون ساتھی کو احتلام نہ ہو ورنہ پانی کہاں سے لائینگے۔ پانی کی نایابی کی صورت میں خشک موسم میں بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ انہوں نے پیز وجہاں کہ پانی میسر ہے کے پاس ڈیرے ڈال دیئے۔

اسی غلام حبیب صاحب کا ایک دفعہ رمضان میں عین افطاری کے کچھ دیر بعد ہمارے پاس ہاسٹل آنا ہوا، ابھی ہم کھانا کھا کر دستر خوان اُٹھائے ہوئے تھے کہ یہ آپہنچے۔ ہم نے ہر چند کہ کھانے کا کہا لیکن ان کا یہی رٹ کہ وہ کھانا کھا چکے ہیں۔ کچھ دیر بعد ہم فارسٹ کالج مسجد میں لمبی تراویح کے لئے اُن کو بھی ساتھ لے گئے، کافی دیر کے بعد واپسی پر یہ اِدھر اُدھر کینٹین کی طرف دیکھتے رہے، لیکن بے سود۔ بعد میں پتہ لگا کہ اُس نے روزہ افطار کئے بغیر ہمارے ساتھ رات گذاری۔ لیکن شرما شرمی سے زبان تک یہ لفظ نہیں آئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا۔ مروت صاحب کے کئی خطوط بڑی عزت و احترام کے میرے پاس آتے رہے۔ آخر ماضی قریب میں شاہ عبدالرحیم کے ساتھ حج پر گئے اور وہاں ہی انتقال فرما گئے اور شاہ صاحب کے بقول وہاں کے لوگوں نے کہا کہ اُن کے بدن سے نہلاتے وقت نور کے شعلے اُٹھتے رہے۔ اور بظاہر وہ اس کے مستحق بھی تھے۔ کیونکہ خدمت، سادگی، تواضع اور دینداری سب کچھ اس میں موجود تھا اور پھر سفر بھی حج کا رہا کہ پہلے سے پاک صاف اور حج کا دُھلا دُھلایا اپنے خالق حقیقی کے پاس جا پہنچا۔

آسماں اس کے لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس در کی نگہبانی کرے

این سعادت بزور بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

پانی پر بات چلی، تو ہم جب یہاں 1959ء میں کالج میں داخل ہوئے، تو یہاں بھی باڑہ ندی کا پانی پیا جاتا رہا، اور مساجد کے تالابوں میں بھی اس کا استعمال رہا۔ یونیورسٹی نے ٹیوب ویل بنائے تھے، اور ہم لوگ جب مولانا صاحبؒ کے کوارٹرز میں تھے تو اس سے چھ آٹھ ٹین کرایہ پر لا کر دن رات اس پر اپنا کام چلاتے۔ اس لئے کنویں کی ضرورت پڑی۔ موجودہ مشینی دور سے یہ فائدہ عام ہوا کہ کنویں کے پانی کا استعمال بڑھ گیا، لیکن اس نئے تہذیبی چکر نے ندی نالوں، چشموں اور دریاؤں کو گٹر کے پانی سے اتنا آلودہ کیا کہ وہ انسان تو کیا جانوروں کے استعمال کا بھی نہ رہا۔ نہ تو اب وہ نہانے کا رہا اور نہ پینے کا۔ پہلے آپ جہاں جاتے تو خوڑ، ندی، نالہ، دریا، چشمہ صاف پانی کا ایک بہترین ذریعہ تھا اور اُس میں پردیسی اور مقیم کی قید نہیں تھی، اب تو ایک ایسا مسئلہ پیدا ہوا، جو ہماری نادانی کی وجہ سے لوگوں کے لئے، جلد (Skin) پیٹ اور دوسری قسم کی بیماریوں کی جڑ بن گئی۔ واقعی ہر ایک چیز کو بنانے سے پہلے اس کے صحیح استعمال پر سوچنا اور اس کو عمل میں لانا اور مناسب طریق کار وضع کر کے معاشرے کو اس کا پابند بنانا انتہائی اہم اور ضروری عنصر ہے۔ طریق استعمال کی قید اُٹھ جائے تو مفید سے مفید ترین چیز خیر کے بجائے شر اور مضرت کا باعث بن جاتی ہے۔ اور یہی کہنا پڑتا ہے کہ

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کے سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

واقعی اللہ کی اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں ہیں جن میں ایک بڑی نعمت پانی کی بھی ہے، خود فرماتے ہیں:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاۗؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَاۗءٍ مَّعِيْنٍ○

(سورۃ الملک، آیت: 30)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے (پینے کا) پانی زمین میں اُتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا پانی لائے؟

غرض اس ایک پانی کی نعمت کو اُجاگر کرنے کے لئے قرآن مجید کی بہت ساری آیات اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کر کے اللہ کی اس عام نعمت کی انسان کو قدر کرنے اور اس کے منعم حقیقی کا احسان مند ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت سے نوازے اور اس کی نعمتوں کے شکر کا سلیقہ بخش کر ازدیاد نعمت کا ذریعہ بنائیں۔ ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ''۔ آمین

کشف والہام مبشرات اور مقامات اولیاء اللہ

حضرت مولانا صاحبؒ سید صاحبؒ کو 21 دسمبر 1950ء کے مکتوب میں اپنا حال یوں لکھتے ہیں:

انوارالٰہی کے نزول کو محسوس پاتا ہوں، پہلے مراقبوں میں اکثر کشف ہو کر بعض آئندہ ہونے والے واقعات متمثل ہو جاتے تھے، قلب میں کچھ ڈال دیا جاتا تھا۔ اب عموماً اللہ کی مہربانی سے اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ بعض صحابہ کرام اور (جہاں تک میرا غالب گمان ہے کہ میں یوں سمجھتا ہوں) دو مرتبہ سرور عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے۔ جواب: ”یہ بھی ذہن میں رہے کہ کشف والہام وغیرہ محض محمود ہیں مقصود نہیں۔ ان باتوں کو قرب الٰہی میں کوئی دخل نہیں۔ قرب الٰہی ایمان و عمل

صالح کا نتیجہ ہیں، اس لئے دوام ذکر اور کثرت اعمال صالحہ کی فکر میں رہنا چاہیئے"۔
(مکتوب نمبر 11، ص: 751-752)

16 دسمبر 1950ء کے مراسلے میں مولانا صاحبؒ اپنے شیخؒ کو اپنا حال یوں بیان فرماتے ہیں: "الحمد للہ کیفیات واحوال کی طرف توجہ نہیں رہی، بلکہ ابتداء میں کشف وغیرہ کا جو عموم تھا اب نہیں ہے اور نہ ہی اس کی طرف رغبت ہے"۔ اس پر حضرت سید صاحبؒ جواب دیتے ہیں: "بحمد اللہ کہ آپ نے اس گھاٹی کو پار کر لیا"۔ (مکتوبات ص: 783)

29 جنوری 1951ء کو حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ میں مرقوم ہے: "چند دن ہوئے مولانا تھانویؒ کو خواب میں دیکھا کہ سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک بڑی روٹی جس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس میں سے توڑ کر بندے کو عنایت کر رہے ہیں۔ کچھ ارشاد بھی فرمایا لیکن یاد نہیں رہا"۔ تعبیر میں حضرت سید صاحبؒ کا جواب: "یہ خواب مبارک کہ روزی ظاہری و باطنی کی بشارت اس میں معلوم ہوتی ہے"۔ (مکتوب نمبر 20 ص: 788)

8 مارچ 1951ء کے خط میں کتاب و سنت کے متعلق باطنی و قلبی علوم کا وارد ہونا اور معاشی طور سکون قلب کے حصول کا بیان ہے۔ (مکتوب نمبر 21، ص: 791)

19 مارچ 1951ء کے مراسلہ میں حضرت مولانا صاحبؒ اپنا حال یوں بیان فرماتے ہیں: "نماز میں بعض اوقات اسرار وغیرہ منکشف کرائے جاتے ہیں۔ واردات صحیحہ کا بعض اوقات بہت زیادہ نزول ہوتا ہے۔ علوم عجیبہ و قرآن و حدیث کے حقائق خود بخود وارد ہو جاتے ہیں"۔ جواباً حضرت سید صاحبؒ کا ارشاد ہے: "نماز کشف اسرار اور واردات صحیح کا محل نہیں ہے یہ صرف عبودیت و عبدیت و تواضع اور حضور کی

کیفیت کا محل ہے۔ آپ ان شعبدوں کی طرف التفات نہ کریں۔ یہ امور قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتے اور نہ اس سے حصول ثواب ہوتا ہے۔ کیا ریل میں راستہ کے مناظر پر نظر منزل مقصود کو قریب کر دیتا ہے؟۔(مکتوب نمبر22، ص: 797)

15 مئی 1952ء تین چار دن ہوئے کہ رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ پہلے آپ نے (گویا تعلیم دینے کے لئے) جماعت کی نماز پڑھائی پھر دُعا فرمائی اور اس کے بعد کچھ ارشاد فرمایا: جس کے الفاظ تو یاد نہیں رہے۔ لیکن مدعا یہ یاد رہ گیا، کہ امام اور مقتدی وغیرہ اپنی اپنی جگہ جس طرح آداب ظاہری و باطنی کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھینگے۔ ان کا ذاتی طور پر انہیں ویسا ہی ثواب ملے گا۔(واللہ اعلم)۔ پھر اس کے بعد آپ نے مقتدی کی نماز کا طریقہ بتانے کے لئے پہلی صف میں آکر نہایت خشوع سے نیت باندھی۔ آگے امامت والا کوئی نہیں تھا، لیکن حضور ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کر دی"۔ سید صاحبؒ کا جواب: خواب مبارک ہے۔ نماز کی ترکیب خضوع و خشوع پر عمل کیجئے۔(ص: 850)

کشف و الہام اور اچھے خواب

مکتوب نمبر40 مؤرخہ 12 ستمبر 1952ء میں حضرت مولانا صاحبؒ یوں لکھتے ہیں: "روحی فداہ ﷺ کو پانچویں بار خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ اسی خواب میں یا اس کے فوراً بعد آنکھ لگنے پر لاضار و لانافع الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کو پایا"۔ جواب میں حضرت سید صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں: "بلاشبہ رویا نبوی ﷺ موجب خیر و برکت اور باعث بشارت ہے۔ لیکن اس کا شکر یہ بھی اتباع نبوی کے ذریعہ سے ادا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ سلب نعمت کا خوف ہے۔(ص: 828)

29 مئی 1953ء کو حضرت مولانا صاحبؒ اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں:
"رمضان سے پیشتر خواب میں شاہ عبد القادر جیلانیؒ کو دیکھا کہ وہ ایک نہایت عالی شان لباس میں ایک دوسرے شخص کے ساتھ ایک پہاڑی و پتھریلی دشوار زمین پر چڑھ رہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے جارہا ہوں۔ یہاں تک کہ ایک خطرناک پل سا آتا ہے۔ اس پر سے وہ دونوں حضرات گذر کر ایک میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور میں ادھر کھڑا انہیں صاف دیکھ رہا ہوں۔ وہ بیان فرمارہے ہیں۔ بات کوئی یاد نہیں رہی لیکن چند باتوں کے کہنے کے بعد بار بار سجدے میں گر جاتے ہیں اور پھر اُٹھ کر بیان شروع کر دیتے ہیں"۔(مکتوب نمبر 49، ص: 908)

"خوابوں پر اعتبار مبشرات کی حد تک ہے"۔ جیساکہ احادیث میں آیا ہے۔"لهم البشریٰ فی الحیاة الدنیا والاٰخرة" کی تفسیر میں وارد ہے۔ اس کے علاوہ خوابوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ھمہ ز آفتاب جویم

(مکتوبات، ج: 3، ص:1023)

اپنے بیرونی تبلیغی سفر میں آپ نے مختلف صحابہؓ اور اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دی اور اپنے مکاشفات کا ذکر کیا، جن کا تفصیلی ذکر آپ کے ڈائری 1957ء میں موجود ہے[87]۔ چنانچہ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ حضرت مولانا عزیر گل اسیر مالٹاؒ کے متعلق

---

87 مولانا صاحبؒ کی یہ ڈائری جو کہ آپ نے سفر کے دوران لکھی ہے۔ آپ کے علوم مختلفہ پر عبور کی عکاسی کرتی ہے اور آپ کی شخصیت کے گوناگوں پہلو اس کے پڑھنے سے سامنے آتے ہیں۔ اُمت محمدیہ علی

فرمایا:'' کہ وہ تجرید کے مقام پر فائض ہیں اور ارشاد والے ہیں، حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندہلویؒ کے متعلق لکھتے ہیں: ''قطب الارشاد و صدیق وقت۔ جس کی تائید حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے بیان اور اس شعر سے ہوتی ہے:

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی ان ھٰذا من اعاجیب الزمن

اور مولانا منظور نعمانیؒ نے اُسے نمبر کا سب سے وزنی مضمون قرار دیا۔ اور حضرت شاہ صاحب دعاجو دہلویؒ نے فرمایا: کہ مضمون کلیتاً القائی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ پر نوے صفحات کا طویل مضمون لکھ کر آپ کے مقام عالی کی نشاندہی کی ہے اور مضمون کا عنوان ''حکیم الامت تھانویؒ کے علمی جانشین'' رکھ کر حضرت تھانویؒ سے اس نسبت کو خصوصی طور پر اُجاگر کیا۔ آپ نے حضرت مفتی صاحب کی مختلف کتابوں پر اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ فرمایا ہے اور حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابرین کو آپ کے فتاویٰ پر اعتماد کی مثالیں دی ہیں۔ اور اپنے شیخ اول حضرت سلیمان ندویؒ کے پاکستان میں قیام اور جمعیت العلماء اسلام کی صدارت کو قبول کرنے میں آپ کی رائے کو فتویٰ کی حیثیت دے کر قبول فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ مقالہ کے آخر میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ اپنے سیاسی دور کا واقعہ بیان فرما کر آپ کو اپنی کتب مطبوعہ کو ہدیۃً دینے کا ذکر فرمایا، جو آپ کے آخری دور تک باقی رہا۔ آخری عمر میں باوجود امراض اور کمزوری کے اپنی ملاقاتوں کا ذکر فرمایا۔ اور ایک دفعہ بندہ خود اگست

صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا درد و غم اور اُن سے والہانہ محبت، حالات موجودہ پر درد و کرب اور آئندہ کی امیدیں، مغربی استحصال اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی کہانی اور بہت سارے مواد کو انتہائی ہنر مندی سے ایک لڑی میں پرو دینے کی ایک کامیاب کوشش ہے، اور آپ کے پُر تشتت حالات میں ذہنی استحضار کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ حضرت مولانا عبد الباری نے اس پر یوں تبصرہ فرمایا: ''آپ کی طائرانہ نظر تو مبصرانہ رہی''۔

1967ء کو دوسرے رفقاء کے آپ کے ساتھ تھا کہ حضرت مفتی صاحب بڑے تپاک سے ملے اور ہر ایک کو مناجات مقبول کی چھوٹی تقطیع کی ایک ایک کاپی مرحمت فرمائی۔ **فجزاهم الله خير الجزاء۔**

سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت

"شاہراہ معرفت" پر معارف اعظم گڑھ نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا: "یہ دونوں جلدیں ہاتھ میں آئیں تو ندامت سے گردن جھک گئی کہ جو کام دارالمصنفین کے اندر ہونا چاہیئے تھا وہ یہاں سے دور برصغیر کے سرحدی علاقے پشاور میں انجام پایا۔

تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

اس شرم کے باوجود کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس میں رشد وہدایت کا خزانہ عامرہ کھلا ہوا ہے۔ روحانی معلومات کے سیم وزر کا انبار لگا ہوا ہے، سلوک و معرفت کی مے ارغوانی کے شیشہ وساغر کھنکھناتے ہوئے دل وجان کو سرشار کر رہے ہیں، اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے مصنف کے انداز بیان میں ان کے مرشد کے اسلوب نگارش کی جھلکیاں ہیں، پھر سلیمان اشرفی کو راہ سلوک میں جو کیف آگینی حاصل تھی، وہ خود مصنف کی ذات میں سرایت کر کے اس کتاب کی ہر سطر اور ہر لفظ میں منتقل ہوگئی ہے"۔ مکتوبات، ج: 3، ص: 1053۔ جناب عبدالباری ندویؒ فرماتے ہیں: "اگر قلم "اشرف" سے "اشرفی سلوک" کا ایک مرقع تیار ہو جائے، تو انشاء اللہ اپنی جامعیت و احاطت کی بدولت نہ صرف اصطلاحی شیوخ وسالکین سب ہی کے لئے بے بہا دولت بلکہ آپ کے جدید قلم کی روشنی میں باقاعدہ تربیت سے بدکنے والوں کے ہاتھ میں ایسی چیز پہنچ جائے گی کہ پڑھنے والے بطور خود اپنی اخلاقی و باطنی اصلاح میں بشرط طلب فائدہ اٹھا

سکینگے۔(شاہراہ معرفت،ج:1،ص: 24)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفیؒ خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتؒ اپنے مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں: ”مجھے تو اس کے مطالعہ سے بے حد نفع ہوا۔ جی چاہتا تھا کہ تمام مضامین دل و دماغ میں جذب کرلوں۔ اور اپنی روح کو ان کے کیف سے مسرور و مخمور کرلوں۔ کاش مجھ میں اس کی صلاحیت و استعداد ہوتی۔ بہر حال اس کے مطالعہ کا اثر رگ وپے میں جاری وساری محسوس کرتا ہوں، اور آپ کے اس کارنامے پر جو میری نظر میں علوم وفنونِ تصوف کا ایک یادگار شہکار ہے۔ دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔(مکتوب، مؤرخہ 19 جون 1972ء شاہراہ معرفت ج: اول، ص: 38)

حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ ”شاہ معرفت“ کو نئی نسل کے لئے خصوصی فوائد کا حامل گردانتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اب وہ دور حاضر کے لئے تصوّف کے تعارف کا ایک ایسا ذریعہ بن گیا ہے۔ جس سے ان ذہنوں کی تشفّی کی بھی اُمید ہے۔ جن کو تصوّف کے منہاج نبوی سے منحرف ہونے کا بار بار شبہ ہوتا ہے۔ اور وہ قدیم اصطلاحات اور تصوف وسلوک کی پرانی ”ٹیکنیک“ سے متوحش ہیں، ساتھ ہی ساتھ اس کو مولانا اشرف خان صاحب کا فطری جوہر کہیئے یا سید صاحب کی ارادت وصحبت کا فیض کہ تحریر کی شگفتگی اور شیرینی کہیں ساتھ نہیں چھوڑتی۔ اس طرح امید ہے کہ یہ کتاب ایک بڑے طبقہ کے لئے قابل مطالعہ و استفادہ ہوگی اور وہ اس کو دلچپسی کے ساتھ پڑھے گا جو تصوف و حقائق کی عام کتابوں کے پڑھنے سے گھبراتا ہے اور اُن کے زبان اور طرز بیان سے مانوس نہیں۔ اِس طبقہ کے لئے یہ بات بھی موجب اطمینان ہے کہ اس کتاب کا مصنف اسی نسل اُسی طبقہ اُسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے۔ جس سے اُس کا تعلق ہے اور نہ صرف

تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ اپنی ممتاز علمی صلاحیتوں اپنے طویل تعلیمی تجربے اور علمی و تصنیفی ذوق کے لحاظ سے ایک بلند مقام پر فائز ہے''۔ پیش لفظ ''شاہراہ معرفت''، ج: اول، ص: 47-48۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے ارقام فرمایا: ''معارف'' میں سلسلہ مضامین (سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر) کو لفظ لفظ پڑھا۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ، بڑے سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے لکھا ہے۔ کوئی مسترشد اس سے بہتر طریقے پر اپنے مرشد کے کمالات و فضائل کو ظاہر نہیں کر سکتا''۔(شاہراہ معرفت،ج: اول،ص: 73)

یہ ہیں اُن بزرگوں کے آراء جو اپنے وقت میں نہ صرف راہ سلوک کے شہسوار تھے، بلکہ دوسری صفات کے ساتھ سید صاحب کے ہم نشین اور واقف کار اور اپنے دور میں قلم کے بادشاہ تصور کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد ایک مورِ بے مایہ کو جانشین سلیمانؒ کی شاہراہ معرفت'' کے بارے میں کچھ کہنا اس کی قدر افزائی نہیں بلکہ آفتاب کے سامنے چراغ جلانے کے مترادف ہو گا۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مولانا صاحبؒ اور مولانا عزیر گل کاکاخیلؒ کے پاس آنا جانا

ہمارے سخاکوٹ میں رہائش کے دوران حضرت الشیخؒ نے بندہ کو مولانا عزیر گل صاحبؒ کے پاس وقت لینے کے لئے بھیجا۔ جب میں نے حضرتؒ کے پاس آکر مولانا صاحبؒ کی آنے کی خواہش کا ذکر کیا، تو آپ نے فرمایا، کہ وہ بزرگ آدمی ہیں۔ صاحب کشف ہیں، خواہ مخواہ ہمارا پول کھل جائے گا۔ اس کے بعد فرمایا: پیر مریدوں کا شکار کرتے ہیں، راحت خان (سخاکوٹ) ایک اچھے ملکات کے آدمی ہیں، تہجد گذار ہیں،

اس کا شکار کرنا چاہیئے۔ طریقہ یہ ہو کہ جائیں اُن سے مل لیں۔

بندہ کی نظر میں راحت خان میں واقعتاً بعض خصوصیات تھیں کہ وہ متواضع تھے، مہمان نواز تھے، اکثر اُن کے حجرہ میں لوگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ شریعت کے نفاذ کی کوشش کرتے رہے، اور ایسی حالت میں جبکہ اور خوانین غریبوں کی تعلیم کے مخالف تھے اور سخاکوٹ میں سکول بن جانے کے حامی نہ تھے، لیکن راحت خان نے اس کے لئے کوشش کی اور اُن کے حجرہ کے سامنے اور گاؤں کے بالکل قریب پہلے سکول بنا اور پھر گرلز (Girls) کالج تعمیر ہوا۔ آپ غریبوں سے جُڑتے تھے اور علماء کی قدر کرتے تھے، چنانچہ ہمارے اُستاد پیر گل بادشاہ صاحب آف خانگڑئی (جو جمعیۃ العلماء سمرا نیزئی کے صدر اور ایک مخلص اور خدا پرست عالم تھے) کو ایک چُغہ ہدیتاً پیش کیا۔ سلام کا جواب بڑے خندہ پیشانی سے دیتے تھے۔ عید اور رمضان کے چاند میں کوشش اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اپنے خاندان میں بزرگ اور باوقار سمجھے جاتے، باوجود یہ کہ آپ کے ایک بھائی آپ سے بڑے موجود تھے۔ غیر ضروری باتوں سے مجتنب رہتے اور کپڑے کی مشین کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے، بھائی چارے اور جوڑ کے حامی تھے، کانگریس کی تحریک میں سرگرم رہے اور اس میں تکالیف برداشت کرتے رہے۔ دینی علم سے دلچسپی رہی، اور مولانا عُزیر گلؒ سے دوستی اور اُن کے قدردان رہے۔ چنانچہ حضرتؒ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آپ کی مسجد آتے اور دونوں کی بات چیت رہتی۔

حضرت مولانا اسیر مالٹا نے یوں فرمایا، کہ دو آدمیوں پر رشک آتا ہے، جو باوجود اعذار کے پھرتے ہیں، ایک تو حضرت مولانا محمد اشرفؒ اور دوسرے مولانا غور عشتویؒ کہ باوجود بڑھاپے کے ہر جگہ نظر آتے ہیں۔

چنانچہ وقتِ موعودہ پر ہم لوگ مولانا صاحبؒ کی معیت میں ظہر کے وقت سوا ایک بجہ آپ کے گاؤں سیرئی (علاقہ سخاکوٹ) پہنچ گئے۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، میں وضو بنانے گیا، کہ حضرت سیرئی میاں صاحب (جناب عزیز گل کاکاخیلؒ) سامنے سے آرہے تھے۔ اُن سے مصافحہ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے میرے متعلق پوچھا کہ تم میں سخاکوٹ کا لڑکا کون ہے؟ جواباً عرض کیا گیا۔ اور پھر راحت خان اور کتاب ''مخزن اخلاق'' پر گفتگو ہوئی کہ اِس میں معلومات اکٹھی کی گئی ہیں اور اسی طرح ''کشکول'' کا ذکر آیا جو شاید حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی تصنیف کی طرف اشارہ تھا۔

فرمایا: مجھے تو سفر میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، محمد یوسف بنوریؒ نے بیٹی کے نکاح پر بُلایا، مجھ سے وعدہ لیا، جہاز کا ٹکٹ بھیج دیا اور میں راضی ہوا، چنانچہ وہاں حاضری ہوئی، چند دن کے بعد میں بیمار ہوا، اُن کو خط لکھا کہ تم نے اسراف کیا، اور میں اس کا موجب بنا، جواب میں آپ نے کہا کہ میں اپنی رائے میں اب بھی اس کو اسراف نہیں سمجھتا۔ زیارت کاکا صاحب سے کسی آدمی نے دعوت پر بُلایا۔ بھتیجے نے درگئی سے کسی موٹر کا انتظام کیا، موٹر میں خرابی پیدا ہوئی اور دیر ہونے کی وجہ سے میں نہ جاسکا، اور اس کو کچھ لکھا بھی نہیں کہ اسی وجہ سے ہم رہ گئے۔

رشتہ ازدواج(1) پہلی اہلیہ: ابھی آپ دیوبند میں طالب علم تھے، کہ زیارت کاکا صاحب میں آپ کے والد صاحب کی موجودگی میں آپ کے اور آپ کے بڑے بھائی کی شادی کا انتظام ہوا، آپ دیوبند سے حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے یہاں بالکل عام کپڑوں میں گھر آئے۔ بھائی کی شادی ایک دن پہلے اور آپ کی ایک دن بعد قرار پائی۔ ایک دیوبندی مولوی صاحب نے نکاح پڑھایا۔ نکاح پڑھاتے وقت مولوی

صاحب نے سوال کیا کہ ولیمہ کس کا ہے ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ بڑے بھائی کا۔ کیونکہ ولیمہ نکاح کے بعد ہوتا ہے۔ اور یہ جواب دیا کہ میں غریب آدمی ہوں، میرا ولیمہ نہیں۔ والد صاحب کی نصیحت کہ تایا کے گھر پر جانا اور اگر وہ کچھ آگے کرے تو انکار نہ کرنا، بلکہ قبول کر کے واپس مجھے دے دینا۔ شادی کے بعد آپ گھر پر زیادہ دیر تک نہ رہے، بلکہ چند ہی دنوں میں دیوبند کو واپسی ہوئی، اس پر لوگوں کو خفگی ہوئی۔ آپ کی پہلی اہلیہ بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہی اور وفات پاگئی۔

(2) دوسری اہلیہ: دیوبند واپسی پر تحریک میں منہمک ہوگئے۔ اسی عرصہ میں آپ کو پانچ جگہوں سے رشتے آئے، لیکن آپ نے انہیں رد کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بھی تو خسر دیکھنا ہے، اور آخر میں شیخ الہندؒ کی نواسی (بھانجی کی لڑکی) سے رشتہ کا انتخاب کیا۔ اس پر لوگوں کی مخالفت اور سخت مشکلات کا سامنا ہوا، حسین احمد مدنیؒ (جو ان دنوں کراچی میں قید تھے) نے جواب بھیجا کہ ٹھیک نہیں کیا، لیکن آپ اپنی بات پر اڑے رہے اور خفیہ طور پر نکاح کر کے کھجور کو ایک بزرگ ایک حلوائی اور ایک اور صاحب تشہیر کو دیئے اور اسی طرح شادی کی شہرت ہوئی۔ اس بیوی سے آپ کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں اور پھر وہ خود چل بسیں جبکہ آپ مالٹا میں اسارت کی زندگی گذار رہے تھے۔

(3) تیسری اہلیہ: رُڑکی کا مدرسہ رحمانیہ صدر مدرس سے محروم تھا، تو حضرت مولانا حسین مدنیؒ کے وساطت سے آپ اس مدرسہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ رُڑکی میں ایک ذی علم یورپین خاتون تھیں، جن کا اصل وطن لندن تھا اور انگلستان کے شاہی خاندان سے ان کا تعلق تھا، اسلام کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ اور عام لوگوں کو اُن کے ساتھ بحث کی ممانعت تھی۔ اُن کے شوہر کا (جو ہندوستان میں کسی

اعلیٰ منصب پر فائز تھا) انتقال ہو گیا تھا۔ اُن کا اپنا بنگلہ اور نوکر چاکر تھے۔ خاتون اپنے ذہنی اشکالات کو رفع کرنے کے لئے حضرتؒ کے پاس آتی جاتی رہی، مشرف بہ اسلام ہو کر تصوف کی جانب اُن کا میلان بڑھ گیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ نکاح کے بغیر انہیں تصوف کی راہ میں مشکلات در پیش ہیں۔ انہوں نے اس پریشانی کا حضرت مولانا عزیر گلؒ سے تذکرہ کیا اور اُن سے نکاح کی خواہش ظاہر کی جسے آپ نے قبول کیا۔ بیوگی کی حالت میں آپ کو ہر طرف سے نکاح کے مطالبے آتے رہے، لیکن آپ انہیں ٹھکراتی رہیں اور آخر میں خود حضرتؒ کو اپنی طرف سے پیشکش کی جسے حضرت میاں صاحب نے شرف قبولیت بخشی۔

آپ کی آخری اہلیہ ذہنی لحاظ سے بڑی تیز تھی، اخبار کے صفحے کے کالم کو یاد کر لیتی۔ سورۃ یٰسین کو محض سننے سے یاد کر لیا۔ گلستان وغیرہ کو خود دیکھ کر یاد کر لیا، صرف تصحیح کی ضرورت ہوتی۔ حضرت میاں صاحبؒ اہلیہ کو پڑھاتے وقت شیخ الہندؒ کا ترجمہ سامنے رکھ کر پڑھاتے۔ آپ کی اہلیہ نے پھر خود قرآن کا انگریزی ترجمہ لکھا اور دوسری انگریزی تفسیروں پر یوں تبصرہ فرما گئیں:

یوسف علی کے ترجمہ کے متعلق بتایا کہ محض شاعری ہے قرآنیت اس میں کم ہے، پکتھال آزاد ہے۔ اور تفسیر ماجدی کی انگلش ایسی ہے جیسے پٹھانوں کی اُردو۔

آپ کی اہلیہ کو انگلش ادب میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ یہاں تک کہ انگلینڈ والے آپ کی تحریروں سے تاثر لیتے، آپ کی بیٹی اُن سے انگلش کی تعلیم لیتی رہی اور اس میں ایک خاص ملکہ پیدا کیا، اور دونوں کے درمیان خط و کتابت جاری رہی۔ بہن پنجاب کے گورنر کی بیوی تھی اور آپ کی سخت مخالف۔ لیکن بیٹے کا ماں سے تعلق رہا۔ پہلے باقاعدہ خط و کتابت رہی پھر آنا جانا رہا، اور یہاں پر رہ کر آپ سے تاثر لیا، اُن کی بیوی

کو موسیقی سے خاص شغف تھا، لیکن آپ کے تہجد میں قرآن کے پڑھنے میں موسیقی سے زیادہ اثر لیا، اور خوش ہو کر واپس چلی گئی۔ اس پر مولانا اشرف صاحبؒ نے فرمایا: کہ ڈاکٹر حمید اللہ کا موسیقی کے بیان کو قرآن کے بارے میں اُن کا تفرد خیال کرتا تھا، لیکن آپ کی بات سے اُن کی تائید ہو گئی۔

میاں صاحبؒ اور بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیوں کا غیر رسمی طریقہ

بیٹی کی شادی:

کپڑوں کا ٹھیک طور پر فٹ نہ کرنا، چنانچہ واپسی ہوئی اور سلائی میں اتنی دیر ہوئی کہ وقت پر نیا جوڑا ہی نہ مل سکا۔ جوتیاں بھی برابر نہ ہوئیں، اور زیورات بروقت نہ پہنچ سکے۔ پہلے تو سنار سے دیر ہوئی، اور راستے میں ندی آئی وہ نہ پہنچ سکیں۔

بیٹے کی شادی:

آپ کو بیٹی کے سرپرست نے درخواست کی کہ آپ خود آجائیں۔ میری عزت افزائی ہو گی، آپ گئے تو دودھ کو رواج کے مطابق لایا گیا، پہلے آپ نے پینے سے انکار کیا، اور پھر اصرار پر سارا پی کر برتن میں رواج کے خلاف سونا ڈالے بغیر واپس کر دیا۔ اس عمل پر اُن کی حالت غیر ہوئی اور آخر میں نکاح ویسے پڑھ کر ڈولی لے آئے۔ یعنی رسومات ادا نہیں کیئے۔

شیخ الہندؒ کے ساتھ طریقۂ بیعت

پہلے تو بیعت کے لئے ایک شخص کو وکیل بنایا، وہ آپ کا مدعا پوری طرح بیان کرنے میں کمزور نکلا، اور آپ کی وکالت صحیح طور پر نہ کر سکا۔ اس لئے آپ نے معاملہ

خود اپنے ہاتھ میں لیا اور شیخ الہندؒ سے درخواست کی کہ بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کیوں؟ اور اس سے کیوں نہیں؟ اِس پر آپ نے جواب دیا: "یہ مجھ سے کیوں نہیں بیعت ہوتا؟" اس پر آپ نے استخارہ کرنے کا کہا تو آپ نے عرض کیا کہ استخارہ کیوں؟ اس پر جواب ملا، کہ شام کے وقت تک سوچ کی مہلت ہے، لیکن آپ شام سے پہلے جلدی جاکر ان کے پاس پہنچے۔ شاید حضرت شیخ الہندؒ کو بذریعہ کشف معلوم ہو گیا اور آپ کو بیعت کر کے اجازت دے دی۔

آپ کو اپنے شیخ سے بے تکلفی رہی اور شیخ الہندؒ بھی آپ سے محبت کی وجہ سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ لوگوں کو خیال ہوا اور اُن کو بتایا کہ آپ کا خاتمہ خراب ہو گا۔ ایک دفعہ جب آپ اپنے شیخؒ کے پاؤں دبا رہے تھے تو آپ نے ان کو لوگوں کے خیال کے متعلق بتایا۔ شیخؒ جو لیٹے ہوئے تھے تو بیٹھ کر جواب دیا کہ "تسلّی رکھو، کہ خاتمہ بالخیر ہو گا"۔ انشاء اللہ۔ آپ نے پھر شیخ سے پوچھا کہ "تم بڑے کہ مجدد الف ثانیؒ؟" شیخؒ کا جواب کہ "وہ"۔ شیخ الہندؒ سے سوال کہ علم میں حسین احمد مدنیؒ بڑے ہیں یا شاہ انور شاہ کشمیریؒ؟ آپ کا فرمانا کہ "انور شاہ کشمیری"۔ اس پر آپ نے سوال کر ڈالا کہ "محبت کس سے زیادہ ہے" تو فرمایا: "حسین احمد مدنیؒ سے" آپ نے پھر عرض کیا کہ جب علم میں انور شاہ کشمیری صاحبؒ بڑھے ہیں تو محبت حسین احمد مدنیؒ سے زیادہ کیوں؟ شیخ کا جواب: کہ "محبت کے لئے علم شرط نہیں"۔

شیخ الہندؒ کی آپ کے ساتھ محبت رہی اور آپ ان کے خادم خاص رہے۔ فرمایا کہ میں نے سوچا کہ میرے ساتھ محبت ہے، لیکن پھر خیال آیا کہ یہ محبت عارضی نہ ہو کہ اِس وقت حسین احمدؒ مدینہ میں ہیں۔ اگر وہ آگئے تو پھر تمہارا کچھ بھی نہ ہو گا۔ مگر اِس کے

بعد معلوم ہوا کہ حضرت الشیخؒ کا برتاؤ ہر ایک کے ساتھ نرالا ہے۔ اور ہر ایک کا اپنا علیحدہ مقام ہے، کوئی کسی کے راستے میں مُخِل نہیں۔ باورچی خانے کا کام سُپرد ہوا تو ہر ایک سے لڑتا جھگڑتا رہا، تاکہ خدمت میں کروں اور اچھے طریقے سے کروں۔ لنگر میں مہینے کے ابتداء میں بچت ہوئی تو مہینہ کے آخر میں خرچ کر ڈالا۔ اس پر شیخ الہندؒ نے فرمایا: "مال قیمتی یا مسلمان کا دِل" یعنی جب لوگوں کے دلوں میں رنجش پیدا ہوا تو مالی بچت سے کیا فائدہ؟۔

حضرت تھانویؒ کے ایک وعظ میں حاضری ہوئی۔ اور تقریباً ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ تک پنکھا جھلاتا رہا۔ خدمت میں مشغول لیکن پھر بھی آپ کے الفاظ کی طرف خیال نہ رہا، بلکہ آپ کے اداؤں کو دیکھتا رہا، اس پر فرمایا، کہ "میرا طریق بزرگی نہیں محبت ہے"۔ ایک سفر میں بزرگوں کی ہمراہی ہوئی، آپ اپنی باتوں کو آزادانہ طور پر فرماتے رہے۔ اس پر رحمت علی صاحب نے کہا کہ اگر آپ خیال کریں، تو ہم آپ کی عزت کریں، تو میں نے جواب دیا، کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔

مولانا صاحبؒ کو راحت خان سے ملنے کا کہا اور پھر اس شرط کو ذرا نرم کیا، شاید بارش کی وجہ ہو، یا مولانا صاحبؒ کی طبیعت کا اندازہ ہو گیا ہو، کیونکہ مولانا صاحبؒ اپنے شیخ سید صاحبؒ کا قول نقل فرماتے کہ "ہم مریدین کے شکار کے لئے نہیں پھرتے"۔ آپ (میاں صاحبؒ) اپنے سے بزرگی کی نفی فرماتے اور بزرگوں کے ساتھ محبت کا اظہار فرماتے۔ اور مولانا صاحبؒ (محمد اشرفؒ) کے ساتھ اپنی محبت کا رشتہ بتایا اور یہ فرمایا: کہ "جب ضرورت ہو، تو مجھے بُلایا کریں" اور مولانا صاحبؒ نے جب ہدیہ میں عطر، اپنا کتابچہ اور مضمون دیا، تو آپ نے مضمون کی تعریف کی اور اس کو واپس کرتے

ہوئے کہا کہ میں اس کو سنبھال نہ سکوں گا۔ اور یہ میرے ساتھ ہے بھی "البیّنات" میں۔ اور پھر پوچھنا کہ فی البدیہہ ہے یا تیار شدہ۔

واپسی پر آپ انتہائی خلوص کے ساتھ ملے۔ اور وہاں پر بھی مولانا صاحبؒ کو بڑی عزت کے ساتھ چارپائی کے سرہانے تکیہ لگا کر بٹھایا اور خود پائنتی کی طرف بڑی بے تکلفی کے ساتھ دیر تک بیٹھے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز تقریباً ڈھائی بجے پڑھی۔ باتوں میں انتہائی شغف اور توجہ رہی، اور اپنے محبوب نواسے کو باتوں سے منع کر کے اُٹھایا۔ نماز کے لئے خود آگے نہ بڑھے اور خود اس بندہ حقیر کو آگے کیا۔

چائے کی تقسیم میر حاتم صاحب کے ذریعے کرائی اور بڑی بے تکلفی سے میز اُن کی طرف سرکائی۔ نوکر کو پیالیاں لانے کے لئے دوڑایا، آپ اپنی اہلیہ اور شیخ کے ساتھ انتہائی محبت کا اظہار کرتے رہے، اور اُن کی حکایات بیان کرتے وقت آپ غمگین نظر آئے اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بڑی بے تکلفی خوشی اور شوق کے ساتھ دو ڈھائی گھنٹہ تک مسلسل گفتگو کرتے رہے۔ مصطفٰے صاحب کے پوچھنے پر طبیعت میں پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور اُن سے تفصیل طلب کی۔ غرض آپ نے اپنی دوستی کا خوب حق ادا کیا اور مہمانوں کی عزت واحترام کا خیال رکھا۔

آپ کی آخری اہلیہ یورپین ہونے کے باوجود پردے کا اہتمام کرتی۔ عوام کی خدمت اور فیاضی میں اپنے علاقہ میں مشہور تھی۔ گھی کے ڈبے اور دوسری قسم کے سامان خورد ونوش غرباء میں تقسیم کرتی۔ قرآن مجید سے انتہائی شغف رکھتی۔ اور اقرباء کا لحاظ رکھتی۔ یہاں تک کہ اپنے سوتیلے بیٹے کی دکان جلنے پر زیورات بیچ کر اُس کی مدد کی۔ یہ 24 جولائی 1966ء کا واقعہ ہے جبکہ حاجی ولی محمد ولد حاجی دور انشاء

صاحب ساکن شہر روشن (سخاکوٹ) کے اسلحہ کی دوکان میں آگ لگی۔ جس میں ہر قسم کا آتش گیر مادہ تھا، اور اُس کی وجہ سے وہ دوکان مع دونوں اطراف کے ایک ایک دوکان کو اپنے ساتھ خاکستر کر گئی۔ مولانا عزیز گل صاحبؒ کے بیٹے قاسم باچا (عُرف بوٹانو باچا، کیونکہ آپ کا جوتوں کا کاروبار تھا) کی دوکان بالکل ساتھ تھی۔ اس لئے وہ بھی اسی حادثہ کا شکار ہوئی۔

حضرت میاں صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات شاید اکوڑہ خٹک کے جلسہ میں ہوئی تھی، جبکہ میں حضرت الشیخ مولانا صاحبؒ کے ساتھ وہاں گیا ہوا تھا، مہمانوں کا قیام حجروں میں تھا اور حجروں پر مختلف تختیاں لگی ہوئی تھیں اور ایک حجرہ کی تختی پر دو نام لکھے ہوئے تھے۔ مولانا عزیز گل صاحبؒ اور مولانا نافع گلؒ (آپ کے برادر محترم)۔ اِس وقت آپ کے ساتھ بھائی کے بجائے آپ کے زمیندار موجود تھے، جن کی ظاہری پوشاک کو دیکھتے ہوئے آپ پر خادم کے بجائے مخدوم کا دھوکا ہوا، یہ آپ کی سادگی کی پہلی جھلک تھی۔ بعد میں جب اکابرین سٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے، اور ہر ایک کو ایک جھلک دکھانے کے لئے مائیک کے پاس کھڑے ہو کر حاضر ہونے کا کہا جاتا۔ جن میں مولانا غور غشتیؒ بھی موجود تھے۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوئے۔ جب آپ کی باری آئی تو آپ کو بار بار بُلایا گیا، لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔

اس دفعہ مولانا صاحبؒ کی معیت میں جو آپ کو دیکھا، تو لباس میں خوش پوشی، قد و قامت موزون، گورا رنگ، گھنی سفید لمبی داڑھی، واسکٹ پہنے اور صحت ظاہراً مضبوط اور توانا۔ شہرت سے نفور یہاں تک کہ اپنی تہجد کا ذکر بھی نہیں کیا جبکہ موقع ضرورت کا تھا اور آپ کی آخری اہلیہ اور بہو کا ذکر آیا۔ اذان کے وقت آپ پر

انتہائی خاموشی چھائی رہی، اور کافی وقت دُعا میں مشغول دکھائی دیئے۔

حضرت الشیخ مولانا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے مضبوط نسبت کو لئے ہوئے ہیں، گویا کہ آپ طریق ملامتیہ کو اپنائے ہوئے ہیں، مولانا عبد القدوس صاحبؒ کا بیان کہ: اگر کوئی بزرگ ہو سکتا ہے تو میں اِن کو سمجھتا ہوں۔ میرے استاد جناب پیر گل بادشاہ صاحب ساکن خانگڑئی (سخاکوٹ) نے آپ کے متعلق بیان فرمایا: کہ بیوی اور والدہ صاحبہ کی وفات کا آپؒ پر ظاہری طور پر کوئی اثر نہیں۔ لوگوں سے زیادہ میل ملاپ کا خواہاں نہیں، اور گوشہ ءگمنامی میں بیٹھ جانا آپ کو پسند ہے۔ پہلے پان کی عادت تھی اور یہاں سرحد آکر نسوار کی عادت ڈالی، جو کہ عوام کی نظر میں معیوب ہے۔ شہرت سے اجتناب اور اسی حالت پر خوش کہ پیر آخر کِس کِس کا خیال رکھے۔ لوگ تو مزے اڑائیں اور یہ ایک جگہ بیٹھا کبھی اس کا خیال اور کبھی اس کا خیال۔ آپ پر مادّیات اور سانحات کا کچھ اثر نہیں، شیخ الہندؒ کے چہیتے اور بزرگانِ دیوبند کے پیارے ہیں۔

مارچ 1969ء جب میں اور میر حاتم صاحب زیارت کے لئے گئے، واپسی پر میر حاتم صاحب نے جب دُعا کے لئے عرض کیا، تو فرمایا: کہ میں نہ بزرگ ہوں اور نہ مجھ سے بزرگی ہو سکتی ہے، اور ویسے ان لوگوں کو اچھا سمجھتا ہوں، اور یہ لوگ دین کی بڑی خدمت کرتے ہیں، لیکن جب ہندو لوگ باوجودیکہ اُن میں بڑے بڑے عقلاء موجود ہیں، باوجود عقل کے گائے کو پوجتے ہیں، تو میں تو آخر پھر بھی مسلمان ہوں۔ اس لئے آپ اپنے آنے کو بے فائدہ نہ سمجھ لیں۔ پھر آپ نے باوجود اپنی بزرگی اور بڑھاپے کے رخصتی کے وقت ہماری مشایعت کی اور نیز یہ کہنا (جو کہ مجھے آپ کا کشف معلوم ہوتا ہے) کہ آپ سوات جارہے ہیں؟ اُسی وقت میرا سوات جانے کا ارادہ تھا اور باقی

ساتھیوں کا بھی اگرچہ ارادہ ارادہ ہی رہا۔ اور اس وقت پورا نہ ہو سکا۔

اسی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو کہا: کہ میں پیر نہیں ہوں، میں تو نمبر 10 ہوں، تو جواب ملا کہ "ہمیں ایسا پیر چاہیئے"۔ آپ ذوالفقار علی بھٹو کے طرف دار دکھائی دیئے۔ اور صدر ایوب خان پر موجودہ حالات کے آجانے کو آسمانی اثر سمجھتے تھے۔ آپ سرمایہ داری کے مسلّط شدہ طریقوں کو غلط جانتے تھے اور ان کی اصلاح کے خواہاں، مودودی صاحب کے متعلق بھی آپ کا ذہن مثبت نہیں تھا۔ راحت خان پر بھی عبدالغفار خان کے معاملہ میں چوٹیں لگاتے، لیکن جب وہ کہتے کہ "پھر تم میدان میں نکلو تو اپنی کم ہمتی کا عذر کرتے"۔

دسمبر 1977ء میں جب حضرت الشیخ مولانا صاحبؒ اور شیر حسن کے ساتھ میرے بھائی محمد اسرار بھی شامل ہوئے۔ شیر حسن صاحب نے بتایا کہ حضرت میاں صاحبؒ ان دنوں آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے ظہر سے مغرب اور عشاء تک مسجد ہی میں رہتے ہیں، اور یوں فرمایا کہ "آنا جانا نہیں ہو سکتا، اس لئے یہاں ہی رہتا ہوں"۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ "وہ تجرید کے مقام پر فائض ہیں، اور وہ ارشاد والے ہیں، اُن کی مثال آئینہ کی طرح ہے، کہ خالق سے فیض پا کر اس کے مخلوق پر چمکائے۔ لیکن شہرت کی لائن سے نہیں، بلکہ مخلوق سے پردہ میں رہ کر"۔

اپنے لڑکپن کے زمانہ میں بھائی محمد اسرار گھر کی گائے بیچنا چاہتے تھے، قربانی کے دن تھے، حضرت مولانا عزیز گل صاحبؒ قربانی کے لئے جانور خریدنے میلہ گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے دونوں کا ایک دوسرے سے سامنا ہوا تو فرمایا: کہ اس بچے سے خریدتے ہیں، کہ اس میں دلال وغیرہ کا معاملہ نہ ہو گا اور اسی طرح ایک عام سی گائے

اپنی قربانی کے لئے پسند فرما کر لے گئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے ہاں ملنے کا اپنا مخصوص طریقہ کار رہا۔ شائد مولانا عزیر گل صاحبؒ کے کسی عزیز کو وہاں ملنے میں تکلیف پیش آئی۔ اس پر آپ نے فرمایا، کہ جی چاہتا ہے کہ حضرت شیخ کے پاس جاکر باہر بیٹھوں اور ایک رقعہ پر یہ آیت لکھ کر آپ کے پاس بھیجوں۔

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ O

ترجمہ: پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائیگی، جس میں ایک دروازہ ہوگا، جو اس کی اندرونی جانب ہے۔ اُس میں تو رحمت ہے اور جو جانب بیرونی ہے اُس طرف عذاب واذیت۔

حضرت بنوریؒ کی آپ کے ساتھ خصوصی محبت رہی اور جب بھی آپ پشاور آتے تو آپ کے پاس حاضری ضرور دیتے، ایک دفعہ حضرت الشیخ مولانا صاحبؒ کے ساتھ ہم آپ کے پاس گئے۔ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا عبدالقدوسؒ بھی موجود تھے، اوران اکابرین کی مجلس میں آپ خوب چہچہا رہے تھے۔

بالب دمسازِ خود گر جفتمی ہمچو نے من گفتنیھا، گفتمی

ہر کہ او از ہم زبانے شُد جُدا بے زباں شُد گرچہ دارد صد نوا

راحت خان صاحب کے بیٹے ابوالحسن خان سے ایک دن میری بات ہو رہی تھی، تو آپ نے کہا کہ ایک دن ہم آپ کے پاس سیری گئے ہوئے تھے، کہ خلاف معمول آپ نے ہمیں رخصت کرنا چاہا، جب ہم گاؤں آئے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا حادثہ پیش آیا تھا، غالباً گل محمد خان انجینئر کے والد حبیب خان، جو کہ راحت خان کے

چھوٹے بھائی تھے، کی اچانک موت واقع ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

سخاکوٹ میں ایک ایسے شخص کی موجودگی کہ اہل علاقہ آپ سے بالکل ناآشنا نظر آئیں اور چراغ تلے اندھیرے کی صورت ہو، جبکہ ہندوپاک کے دور دراز علاقوں سے آپ کے قدر شناسوں کی آمد آمد ہو، یہ بذات خود ایک عجیب نظارہ ہے اور قدرت کے عجائبات میں شمار ہو سکتا ہے۔ وہی شعر یہاں پر صادق ہوتا ہے۔ جس کا ذکر ہمارے شیخ مولانا صاحبؒ بار بار کرتے رہتے۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے　　　دیدۂ کور کو نظر آئے کیا اور کیا دیکھے

اس لئے تو کہا جاتا ہے:

دِل زندہ بھی کر خدا سے طلب　　　آنکھ کا نور دِل کا نور نہیں

''فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ''۔

ترجمہ: بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔ (سورۃ الحج: آیت نمبر: 46)

سید مسرت حسین شاہ خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

آپ کا تعلق شکردرہ ضلع کوہاٹ کے مشہور سادات گھرانے سے ہے۔ آپ کے اجداد میں میاں جی گل بابا کا مزار شکردرہ جاتے ہوئے شوکی نامی گاؤں میں واقع ہے۔ میاں جی گل بابا (سید عبدالرحیم بخاری) حضرت حاجی بہادر بابا (سید عبداللہ شاہ بخاری) کے خلیفہ مجاز بیعت تھے۔ سید مسرت حسین شاہ سید پیر معصوم شاہ کے ہاں پیدا

ہوئے۔ پیر معصوم شاہ صوبہ سرحد کے معروف قانون دان تھے۔ ان کا خاندان تین بھائیوں اور ایک ہمشیرہ پر مشتمل تھا۔ رہائش شعبہ بازار کے پشت پر رحمان بابا کالونی پشاور میں تھی۔

تعلیم

آپ نے میٹرک کیڈٹ کالج حسن ابدال سے کیا اور بی اے گورنمنٹ کالج لاہور سے۔ آپ کو والد صاحب نے بیرسٹری کی تعلیم کے لئے لندن بھجوا کر مشہور لنکن اِن لاء کالج میں داخل کروایا۔ ڈیڑھ سال زیر تعلیم رہنے کے بعد اُسے ترک کر کے وطن واپس آ گئے اور پشاور یونیورسٹی میں داخلہ لیکر ایم اے انگلش کی ڈگری حاصل کر لی۔

ملازمت

ایم اے انگلش کرنے کے بعد مشہور تعلیمی ادارے اسلامیہ کالج پشاور میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ جو بعد میں وہاں کے پرنسپل لگ گئے۔ کچھ عرصہ پشاور یونیورسٹی کے ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن اور وائس چانسلر سیکرٹریٹ کے نگراں بھی رہے۔ اپنے عہد میں بہت سارے مفید اور اہم منصوبے پایہء تکمیل تک پہنچائے۔

بیعت وسلوک

سید مسرت حسین شاہ کے پہلے شیخ ڈاکٹر محمد امیر صاحب تھے۔ اُن کے بقول یہ ویٹنری ڈاکٹر تھے، جو حضرت سید احمد شاہ صاحب المعروف کابلی بابا کوہاٹی کے مرید و خلیفہ تھے۔ کابلی بابا نے حالت کشف میں ڈاکٹر محمد امیر کو دیکھا، اور پھر ایک ریلوے سٹیشن پر

اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ اور جب ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ بابا سفر پر کیسے آنا ہوا۔ تو آپ نے جواباً کہا کہ اپنے مرید اور خلیفہ کے تلاش میں آیا ہوں، اور امیر محمد کو پہچان لیا۔ امیر محمد صاحب اُن سے بیعت ہو کر سلوک طے کر کے خلیفہ بنے۔ پیر معصوم شاہ صاحب کی ملاقات بھی امیر محمد صاحب سے اتفاقی تھی لیکن تعلق بن جانے کے بعد بیعت ہو کر اکیس سال اُن کی تربیت میں گذارے۔ پیر معصوم شاہ نے اپنے گھر پر ڈاکٹر صاحب کے رہنے کا بندوبست بھی کیا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بہت مجاہد، نفاست پسند اور مضبوط توجہ کے مالک تھے۔ مجھ پر اُن کی توجہات بہت زیادہ تھیں۔

ڈاکٹر امیر محمد صاحب کی وفات کے بعد چونکہ تبلیغ میں میرا آنا جانا ہوتا تھا۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی کافی شہرت سنی تھی۔ اس لئے اُن سے بیعت کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا کہ استخارہ کر کے پھر لکھنا۔ دوبارہ لکھنے پر فرمایا کہ مدینہ پاک آجاؤ۔ میں نے وہاں جاکر بیعت کرلی۔ یہ 1969ء میں تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا وصال 23 مئی 1982ء کو ہوا۔ اُس کے بعد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب جو سید سلیمان ندوی کے تربیت یافتہ اور مولانا عبدالعزیز دعاجو دہلوی اور مولانا فقیر محمد کے خلیفہ مجاز بیعت تھے، کی صحبت سے وابستہ ہوئے۔ آخر کار مولانا صاحبؒ نے خلافت سے نوازا۔ خلافت سے نوازنے کا حال فرمایا، کہ بندہ شب جائزہ میں خدمت میں حاضر تھا۔ مولانا صاحبؒ نے کاغذ مانگا، اُس پر ایک تحریر لکھ کر مجھے پڑھنے کو دیا۔ اُس میں چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت درج تھی۔ بندہ نے خوشی سے ہنس کر کہا کہ یہ اجازت نامہ واپس تو نہیں لیں گے۔ مولانا صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ نہیں اب تو لکھ کر دے دیا۔ سید مسرت شاہ صاحب کے

ایک مرید کا دعویٰ ہے کہ شاہ صاحب کو حضرت مولانا فقیر محمد صاحب، حضرت مفتی مختارالدین صاحب، حضرت صوفی اقبال صاحب، حضرت سید یونس شاہ بادشاہ صاحب، حضرت مولانا خیال محمد صاحب اور صندل بابا جی صاحب سے بھی اپنے اپنے سلسلے میں خلافت ملی تھی۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت جی انعام الحسن صاحب سے اور سید مسرت حسین شاہ صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ سے بیعت تھے۔ اُس وقت بھی اپنی تفصیلی تربیت اور ذکر اذکار ان حضرات کی طرف سے حضرت مولانا محمد اشرف کی نگرانی میں کیئے۔

سید مسرت حسین شاہ صاحب نے 1975ء میں اپنی ہمشیرہ اور اہلیہ کے ہمراہ مولانا صاحبؒ کے ساتھ اکٹھے حج کا فریضہ ادا کیا۔ دونوں خواتین اور مسرت صاحب نے ساتھیوں کی خوب خدمت کی اور حج کے دوران کھانے پکانے کا نظم اپنے ذمہ رکھا۔ ہمشیرہ اکثر اُن کو ''مسرت جی'' پکار کر بلاتی تھیں۔ جس کے بعد ساتھیوں نے بھی ''مسرت جی'' کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ اِس کے علاوہ 1979ء میں بھی سعودی عرب کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کام کرنے کے لئے تبلیغی سفر کیا۔ رائے ونڈ کے تبلیغی اکابرین کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ پشاور میں اکثر ان کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ اہم معاملات میں مولانا صاحبؒ اکثر اُن کو مشورہ کے لئے بلاتے۔ اور اُن کے مشورہ کو اہمیت بھی دیتے۔ مدرسہ امداد العلوم مال روڈ پشاور صدر کا نائب مہتمم بنایا۔ مولانا صاحبؒ نے اپنے مکان کا نقشہ، تعمیر اور نگرانی اُن کے حوالے کی تھی۔ جو احسن طریقے سے نبھا گئے۔ فہم و فراست اُن میں بہت تھی۔ طلباء کے مسائل اور یونیورسٹی کے اہم پیچیدہ معاملات میں اہم کردار ادا کیا۔ چونکہ ہر محفل و مجلس میں فِٹ ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس لئے اکثر مختلف الخیال طلباء کا جمگھٹا اُن کے گرد جمع رہتا تھا۔

جن میں ٹامی قسم کے طلباء زیادہ ہوتے تھے۔

مجلس ذکر وتربیت مریدین

ہفتے میں دو دفعہ اجتماعی مجلس ذکر کا اہتمام فرماتے تھے۔ اسلامیہ کالج کی مرکزی جامع مسجد میں بعد از نماز مغرب اور اپنی رہائش گاہ معصوم لاج رحمان بابا کالونی پشاور میں شب دوشنبہ کو ذکر اور اصلاحی مجلس منعقد کرتے تھے۔ جس میں دوازدہ تسبیح کا بھی ذکر ہوا کرتا تھا۔ نظام الاوقات کا خاص خیال رکھتے اور موسم کے مطابق گرمی سردی سے بچاؤ کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ دور سے آنے والے مہمانوں کے لئے کھانے کا بندوبست بھی فرماتے۔ اس کے علاوہ مختلف بزرگوں کے مروجہ ختموں کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔ مثلاً ختم خواجگان، ختم سیدنا غوث پاک، ختم حضرت خواجہ معصومؒ، ختم سیدنا ابو بکرؓ، ختم حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ۔

آپ کی تربیت کا انداز بہت نرالہ تھا۔ آپ کی مجلس وصحبت سراسر تعلیم ہوتی تھی۔ آپ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے مُریدوں کی اصلاح فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ پیری بہت مشکل کام ہے۔ مریدوں کے ناز نخرے اور لاڈ اُٹھانے پڑتے ہیں۔ ہم سے کسی نے مجاہدے اور ریاضتیں نہیں کرائیں، تو ہم کسی سے مجاہدے کیوں کرائیں۔ اپنے شیخ کے پاس عقیدت کے راستے سے نہیں بلکہ محبت کے راستے سے جانا چاہیئے۔ اپنے مریدین کو اکثر اپنے بزرگوں کی لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی سفارش کیا کرتے تھے۔

بیماری ورحلت

سید مسرت شاہ صاحب ایک سخت جان لیوا بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے۔ یہ

ایک قسم کی کینسر کی بیماری تھی، جو کسی سے ہاتھ بھی نہیں ملا سکتے تھے۔ کیونکہ قوت مدافعت کم تھی۔ خود ہی ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ دور سے بس "ہائے" کافی ہے۔ علاجِ اس کا بہت مہنگا ہوتا ہے اور دوائیوں کے اثرات اتنے ناگوار کہ انسان چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ بہر حال تین سال اِس بیماری میں مبتلا رہ کر آخر بروز اتوار 8 رمضان المبارک 1427ھ بمطابق یکم اکتوبر 2006ء بوقت ظہر اِس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اور دوسرے دِن بروز پیر پشاور یونیورسٹی کے قبرستان متصل لالہ زار میں حضرت مولانا صاحبؒ کے جوار میں تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت مفتی مختارالدین صاحب نے ہاسٹل نمبر 2 کے گراؤنڈ میں پڑھائی۔

بہت روئیں گے کر کے یاد اہل میکدہ مجھ کو
شراب دردِ دِل پی کر ہمارے جام و مینا سے

خلفاء

آپ کے خلفاء میں قابل ذکر نام یہ ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر خان بہادر مروت، سابق وائس چانسلر، زرعی یونیورسٹی، پشاور، پروفیسر ڈاکٹر غلام ناصر مروت، سابق چیئرمین، شعبہ فارسی، پشاور یونیورسٹی، ڈاکٹر ارشد تقویم کاکاخیل، ڈاکٹر محمد امجد تقویم کاکاخیل، ڈاکٹر اطہر تقویم کاکاخیل، جناب حسن تقویم کاکاخیل، جناب عبدالوحید، پشاور شہر، مولانا فضل حق ترنگزئی، مولانا سلیم مروت پیزو، جناب سلطان محمود مسقط، پروفیسر ضیاء الرحمان، محمد اسرار (دوآبہ)، پروفیسر عبدالاکبر، بشیر احمد طارق صاحب، ڈاکٹر فدا محمد صاحب۔

انجینئر عبد المنان خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

بندہ عبد المنان ولد عبد الرزاق 20 اگست 1952ء کو کلاچی ڈی آئی خان میں پیدا ہوا۔ آباؤاجداد کا یہ پرانا قصبہ تھا اور اب بھی جائیداد وغیرہ یہیں پر ہے۔ شادی اپنے بڑوں کی نسبت سے ماموں کی بچی سے 1974ء میں ہوئی۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنے محلّے کے امام حاجی عبد الرحیم صاحب سے حاصل کی۔ یہ حضرت حسین احمد مدنی کے شاگردوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت قاضی عبد الکریم صاحب اور قاضی عبد اللطیف صاحب کا بھی شاگرد رہا۔ میٹرک کرنے کے بعد ایف ایس سی گورنمنٹ کالج، گلیلی جامشورو، سندھ سے کی۔ 1971ء میں انجینئرنگ کالج، پشاور یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ چونکہ میں کالج شروع ہونے سے دو مہینے لیٹ آیا تھا۔ اس لئے رہائش دور ہاسٹل نمبر 6 میں مِل گئی۔ جو زرعی کالج کے پاس تھا۔

ملازمت

انجینئرنگ کرنے کے بعد میں نے بطور لیکچرار اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس کو چھوڑ کر میں سی این ڈبلیو سرکاری ڈیپارٹمنٹ میں چلا گیا۔ اور وہاں سے واپڈا میں چلا گیا۔ واپڈا سے کچھ عرصہ بعد دوبارہ سی این ڈبلیو میں آ گیا، اور 1981ء تک اِسی ڈیپارٹمنٹ میں رہا۔ اس دوران مجھے عصر تا عشاء حضرت مولانا صاحبؒ کے ہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہمارے افسر فقیر پراچہ صاحب نے میرا تبادلہ پاڑا چنار

کر دیا۔ میں پاڑاچنار جانا نہیں چاہتا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ سے شکایت کر دی۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ نہیں رہے گا اور آپ حرمین چلے جائیں گے۔ انہی دنوں میں بندہ نے ایک درخواست طارق سعید کی وساطت سے سعودی عرب میں ملازمت کے لئے دِے دی، جو کہ میری خوش قسمتی سے فقیر پراچہ صاحب نے فارورڈ کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت مولانا صاحبؒ کی دعاؤں سے میری سلیکشن ہوگئی اور میں 21 نومبر 1981ء کو حرمین شریفین پہنچ گیا۔ کچھ عرصہ مجھے اِدھر اُدھر کام کرنا پڑا، لیکن آخر کار اللہ پاک نے اپنے فضل سے مجھے حرم مکہ کے اندر مرمت کے کام پر انجینئر لگایا اور میرا سارا وقت حرم کے اندر گذرنے لگا۔ صبح سے عصر تک اپنے ڈیوٹی کے لئے اور عصر تا عشاء حاجیوں اور معتمرین کی خدمت کے لئے۔ میری رہائش اول دِن سے مکہ مکرمہ میں رہی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے 37 سال خدمت کا موقع دیا۔ پہلے 13 سال میں بندہ مکہ مکرمہ سے کسی دوسرے ملک میں نہیں گیا۔

مولانا صاحبؒ سے تعلق

جیسے میں عرض کر چکا ہوں کہ 1971ء میں انجینئرنگ کالج میں داخلہ لیا، اور ہاسٹل نمبر 6 میں رہائش ملی۔ ایک دن شیر حسن صاحب نے کمرے میں آکر پیغام دیا، کہ آج مولانا صاحبؒ کا بیان ہے۔ بندہ بھی شریک ہوا۔ یہ سب سے پہلی ملاقات تھی۔ پھر جتنا عرصہ یونیورسٹی میں رہا یا پھر سی این ڈبلیو پشاور میں رہا۔ عصر تا عشاء مولانا صاحبؒ کے مجلس میں حاضری رہی۔ سعودی عرب جانے کے بعد جب بھی مولانا صاحبؒ حج یا عمرہ پر تشریف لاتے تو بندہ ساتھ رہتا تھا۔ مولانا صاحبؒ کا قیام کبھی بھی ایک ماہ سے کم نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر مہینہ سے زیادہ ہوا کرتا تھا۔ حرم شریف میں مولانا صاحبؒ کے ساتھ

حاضری کے علاوہ اُن کے تمام اُمور میں ممد و مددگار ہوتا۔ مثلاً ٹکٹوں اور پی آئی اے کا مسئلہ، ویزوں کا مسئلہ، مدینہ آنے جانے، جدہ ائیرپورٹ پر استقبال، مدینہ کے لئے وقت بڑھانا، بزرگوں کا پتہ کرنا، اُن سے ملانا وغیرہ سب بندہ کے ذمہ ہوا کرتا تھا۔

ایک دفعہ مولانا صاحبؒ معہ رفقاء، اہلیہ، سلیمان، خادمان عزیز کشمیری اور بیت اللہ اور سسرال والے رمضان میں تشریف لے آئے۔ یہ کل 13 بندے تھے۔ میں نے سب کو اپنے مکان سوق المجانین شارع منصور میں ٹھہرایا اور حج تک تقریباً تین مہینے میرے گھر پر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میری اہلیہ کو بھی یہ سعادت نصیب کر دی۔ اس طرح حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی، دس سال خدمت کی، اور دوسرے بزرگوں کی بھی۔ میں چونکہ حرم شریف میں عصر تا عشاء میزاب رحمت کے سامنے برآمدہ میں مستقلاً بیٹھتا ہوں۔ اس لئے اکثر ساتھی وہاں آکر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ بلکہ اب تو دوسرے ملکوں کے حضرات کے لئے بھی یہ جگہ ایک فوکل پوائنٹ کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ مولانا فقیر محمد صاحب کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

ایک دفعہ مولانا صاحبؒ، قاضی عبدالکریم کی دعوت پر اُن کے مدرسہ کے تاسیس کے سلسلے میں کلاچی تشریف لائے تو تین چار دِن قیام ہمارے ہاں رہا۔ آپ کے آنے سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ جماعت ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ اور پھر ہو بہو اُسی طرح مولانا صاحبؒ کا ورود ہوا۔ مولانا صاحبؒ کے جانے کے بعد میں اُس چارپائی پر سویا تو دیمک نے کاٹ کر جگا دیا۔ مولانا صاحبؒ سے بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ انشاء اللہ آپ کا فیض دیمک کی طرح اثر کریگا۔ اور اس کا مظاہرہ میرے حرمین کے قیام کے دوران ایسا ہوا، کہ مختلف ممالک سے لوگ آکر خدمت کا موقع دیتے رہے۔

میں نے 1984ء میں مولانا صاحبؒ کے حکم پر ہندوستان کا سفر کیا۔ بستی نظام الدین تبلیغی مرکز میں وقت گذارا۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب اور دوسرے بزرگوں سے ملاقاتیں کی۔ اس کے علاوہ برما، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، ملائیشیا کے بھی دینی و تبلیغی دورے ہو چکے ہیں۔ سارے یونیورسٹی کے ماحول کو دینی بنانا، فری میسن لاج کو جامع مسجد درویش بنانا، رجم اور شاتم رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سزا شریعت کورٹ سے منوانا، قادیانیوں اور کمیونسٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا مولانا صاحبؒ کی اہم مہمات میں سے ہیں۔

خلافت

1983ء میں مولانا صاحبؒ نے خلافت سے نوازا اور بیعت کرانے کی اجازت دے دی۔ مریدین کے اصلاح و تربیت کے علاوہ پچیس تیس سال سے عصر کے بعد اپنے ہاں حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کے پڑھنے اور اُن کی تشریح کا معمول قائم ہے۔ اس کے علاوہ حرم شریف میں افطاری اور سحری کے لئے دستر خوان لگانے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ خصوصی رفقاء اور مہمانوں کے لئے گھر پر دعوت طعام کی بھی توفیق ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کے فیوض و برکات سے تاحیات و بعد ممات مستفید فرمائے۔

انجینئر غازی مرجان صاحب خلیفہ مجاز بیعت

تعارف

اور خلفاء کی طرح غازی مرجان صاحب سے بھی ایک سوالنامے کی وساطت سے درخواست کی گئی کہ اپنے حالات قلمبند کر کے بھجوادیں۔ کافی عرصہ جواب نہ ملنے کے باعث میر حاتم نے پشاور میں آمد کے موقع پر بالمشافہ بات کی۔ لیکن جواب ملا کہ

مجھے کچھ یاد نہیں۔ اس لئے جناب عبد القدوس صاحب کے ذریعے جوابات حاصل کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ جناب غازی مرجان صاحب جب ہر سال پاکستان میں چلّہ لگاتے ہیں۔ تو عموماً عبد القدوس صاحب بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حالات غازی مرجان صاحب کے صاحبزادے احمد اور کچھ دوسرے رفقاء کے ذریعے حاصل کئے گئے ہیں۔ کمی بیشی کے لئے معافی کے خواستگار ہیں۔

غازی مرجان یکم اگست 1947ء کو موضع ڈیلی میلہ تحصیل و ضلع کرک، خیبر پختونخوا پاکستان میں خٹک قبیلہ کے فرد جناب محمد دین صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ چوتھی جماعت تک تعلیم اپنے گاؤں ڈیلی میلہ کے پرائمری سکول میں حاصل کی اور پانچویں سے لیکر میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول صابر آباد کرک میں حاصل کی۔ ایف ایس سی گورنمنٹ کالج بنوں سے کیا۔ یہ غالباً 1965ء کا سال ہو گا۔ کیونکہ جب غاری مرجان نے انجینئرنگ کالج پشاور میں داخلہ لیا تو اُن کو ہاسٹل نمبر 7 میں رہائش ملی۔ جہاں جناب میر حاتم فروری 1965ء سے بطور اسسٹنٹ وارڈن تعینات تھے۔ 70-1969ء میں انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرلی۔ پاکستان میں چند ماہ ملازمت کر کے چھوڑ دی۔ پہلی شادی 1973ء میں اپنے مرحوم بھائی کی بیوہ سے ہوئی۔ دوسری شادی کچھ عرصہ ہوا، اُس وقت کی جب آپ مدینہ منورہ سعودی عرب میں مقیم تھے۔ اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

مولانا صاحبؒ سے تعلق

حضرت مولانا صاحبؒ سے تعلق اور تبلیغ سے وابستگی اُنہی دنوں کی بات ہے

جب آپ کو انجینئرنگ کالج پشاور میں داخلہ ملا۔ اور ہاسٹل نمبر 7 میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اُن دِنوں ایگریکلچر کالج اور ہاسٹل نمبر 6 اور ہاسٹل نمبر 7 میں تبلیغ والوں کا بڑا زور تھا۔ جناب احمد گل صاحب، جناب شاہد صاحب، جناب شیر حسن صاحب، جناب محمد سراج سواتی، اِس کے علاوہ طلباء میں بڑے پکے کارکن مثلاً شاہ عبدالرحیم، فضل اَحد سواتی اور شبیر احمد کاکاخیل سب یہاں پر موجود تھے۔ میر حاتم ہاسٹل نمبر 7 کے اسسٹنٹ وارڈن تھے۔ اس لئے ہر دوسرے تیسرے ہفتے مولانا صاحبؒ کا بیان ہاسٹل میں ہوا کرتا تھا۔ پھر کھانے پر سب کی شرکت اور کبھی کبھی مولانا صاحبؒ رات کو بھی یہاں ٹھہر جاتے تھے۔ اس طرح کے ماحول میں غازی مرجان کا متاثر ہونا یقینی تھا۔ لیکن پھر بھی ہم نے دیکھا کہ غازی مرجان اپنے طالب العلمی کے زمانے میں کلین شیو، خوبصورت نوجوان تھے۔ تبلیغ میں شرکت اور مولانا صاحبؒ کے ہاں آنے جانے میں بھی ہمیں اُن کی داڑھی رکھنا یاد نہیں۔ وہ پروفیسر محمد سراج سواتی کے درس ترجمہ قرآنِ پاک میں شرکت کرتے تھے اور دینی سوالات بھی پوچھا کرتے تھے۔ جس کی بناء پر پروفیسر محمد سراج اس کی مزید تسلی کے لئے مولانا صاحبؒ سے ملنے اور پوچھنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ اس طرح سے مولانا صاحبؒ سے تعلق بڑھتا رہا۔ آخر کار اُن سے بیعت ہو گئے۔ اور اپنی فطری دینی صلاحیتوں کی وجہ سے خلافت سے نوازے گئے۔

تبلیغ میں شرکت و سرگرمی

انجینئرنگ کالج کے طالب العلمی کے زمانے میں حضرت مولانا صاحبؒ سے تعلق، پروفیسر محمد سراج صاحب کے درس میں شرکت اور ہاسٹل کا تبلیغی ماحول، تبلیغ کے ساتھ تعلق و شرکت کا سبب بنا۔ صلاحیت موجود تھی اور ماحول مِل گیا۔ اس لئے ترقی کے

منازل بہ آسانی طے کئے۔ چلّے تین چلّے اور دیگر اوقات لگانے کے علاوہ تبلیغ کو اپنا کام سمجھ گئے۔ اور 1975ء میں پہلی بار ڈیڑھ سال کے لئے بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے سفر کا آغاز کیا۔ اُن دِنوں میں بیرونی جماعتوں کا حج کے بعد مدینہ منورہ میں اجتماع ہوا کرتا تھا۔ اُس میں شرکت کی۔

مدینہ منورہ کو ہجرت واقامت

سُنا ہے کہ پیاز کے موسم میں کچھ پیاز خرید کر اُس کی تجارت میں اتنے پیسے کمائے کہ عمرے پر جانے کا خرچہ پورا ہو گیا۔ عمرے پر جاکر انہوں نے جو کچھ مانگا یا کیا یہ تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے یا خود اس کو پتہ ہو گا۔ لیکن مدینہ منورہ میں اُن کے قیام کے حالات پیدا ہونے لگے۔ مدینہ منورہ میں مسجد نور تبلیغی مرکز تھا۔ اور مولانا سعید خان صاحب مہاجر مدنی تبلیغ کے امیر تھے اور اُن کا نواسہ مسجد کا امام تھا۔ یہ مسجد جنت البقیع کی پشت پر ایک پسماندہ علاقے باب العوالی میں ہے۔ حضرت مولانا سعید خان صاحب تبلیغ کی غرض سے ہجرت کرنے والوں کی اوّلین صف میں تھے۔ جنہوں نے بے انتہا قربانیاں دیں۔ فاقے برداشت کئے، دین کو پھیلایا اور آخر دَم تک جم کر کام کیا۔ صحت و بیماری میں حرم کی حاضری جاری رکھی۔ یہاں تک کہ وفات پاکر جنت البقیع میں دَفن ہوئے۔

غازی مرجان کچھ عرصہ تو اکیلے رہے۔ پھر اپنے تمام خاندان، والدین اور بھائیوں کو بلا کر احد کے میدان میں سکونت اختیار کرلی۔ احَد مسجد نبوی سے تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ لیکن وہ پانچوں نمازیں مسجد نبوی ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ تبلیغ میں مشغولیت بھی رہتی۔ غازی مرجان مولانا سعید خان صاحب کے

دست راست مددگار و معاون تھے اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے جانشین بنے۔ مقامی کام کے علاوہ آپ ایک چلّہ ہر سال پاکستان میں لگاتے ہیں اور کچھ مزید وقت پشاور یونیورسٹی کے مسجد وسطیٰ میں عصر تا عشاء گذارتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے مُریدین و دوست احباب سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔

حرمین شریفین میں حج وسلام کے مواقع پر عجیب وغریب واقعات و مناجات کتاب میں جگہ جگہ پر درج ہیں۔ جو کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ایک مرید مقیم مدینہ منورہ کے نام سے منسوب ہیں۔ وہ سب غازی مرجان صاحب کے ہیں۔ بقول حضرت مولانا صاحبؒ کے اُن کو حضور ﷺ کے منہ مبارک سے اہل مدینہ کا درجہ مِل چکا ہے۔ غازی مرجان صاحب ابتدا ہی سے خاموش طبیعت کے مالک تھے اور یہی حالت اب بھی برقرار ہے، مجاہدہ میں سخت، دوستوں کے قدردان اور قدرشناس ہیں۔ کوئی کاروبار نہیں اور زندگی گذارنے کے لئے توکل علی اللہ کے راستہ پر گامزن ہیں اور اس حال میں خوش نظر آتے ہیں اور شکوہ اور شکایت کا کوئی اثر موجود نہیں۔ سفر وحضر میں اپنی استطاعت اور توفیق کے بقدر فیاضی برتنے سے گریز نہیں کرتے۔ تقریر کے بجائے زیادہ توجہ ذکر اور شکر پر رہتا ہے۔ چنانچہ کھانے کے ہر نوالے پر اکثر الحمد للہ کہنے کی عادت ہے۔ چائے کا تھرماس ہر جگہ یہاں تک کہ حرم مدینہ میں بھی ساتھ رہتا ہے۔ خود بھی پیتے ہیں اور ملنے والوں کو بھی بڑے شوق سے پلاتے ہیں۔ علماء سے مسائل کے دریافت میں اور اُن سے کچھ سننے میں زیادہ راغب ہوتے ہیں، بجائے اُن کے کہ خود اُن کو سنائیں۔ طبیعت میں عاجزی کے ساتھ ملنساری اور دوسروں کی خدمت گذاری کا مادہ انتہائی درجہ تک موجود ہے خدا اُن کی زندگی میں برکت دے اور اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اُن کی برکات سے تادیر مستفید فرمائے۔ آمین

انجینئر حاجی غضنفر علی سہروردی خلیفہ مجاز بیعت

بچپن وخاندان

میری پیدائش 4 مارچ 1942ء کو ضلع جہلم میں ہوئی۔ پیدائش کے چند سال بعد میرے والد صاحب نے بسلسلہ ملازمت چمن (کوئٹہ) میں رہائش اختیار کی۔ میں نے پرائمری اور مڈل تک تعلیم چمن میں حاصل کی اور میٹرک کی تعلیم میں نے گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول، کوئٹہ سے حاصل کی۔ میرا خاندان تین بہنوں اور دو بھائیوں پر مشتمل ہے۔ اور میں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔ میٹرک میں فرسٹ ڈویژن میں کامیابی کے بعد گھر والوں کے مشورہ سے میں نے ایف ایس سی گورنمنٹ کالج لاہور سے کی۔

اعلیٰ تعلیم

ایف ایس سی لاہور سے کرنے کے بعد میں نے اعلیٰ تعلیم کے لئے 1961ء میں انجینئرنگ یونیورسٹی، پشاور (سول انجینئرنگ) میں داخلہ لیا۔

ملازمت

انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپڈا میں ملازمت اختیار کی۔ سب انجینئر کی حیثیت سے لاہور میں پوسٹنگ ہوئی۔ 1974ء میں واپڈا کی ملازمت ترک کرکے سعودی عرب میں ملازمت اختیار کرلی اور سولہ سال سعودی عرب میں گذارے۔ سعودی عرب سے واپسی پر مختلف پرائیویٹ اور سرکاری اداروں میں بحیثیت کنسلٹنٹ کام کیا۔ جن میں خصوصی طور پر راولپنڈی ڈیولپمنٹ اتھارٹی کنویشن

سنٹر، اسلام آباد اور سکر دوڈیم شامل ہیں۔

حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ سے تعلق

2 مئی 1962ء کو میں اور شیخ نسیم صاحب ہاسٹل نمبر 2 (پشاور یونیورسٹی) سے ہاسٹل نمبر 5 خالد حبیب صاحب کو ملنے آئے۔ عصر کے وقت شیخ نسیم صاحب نے مجھے کہا کہ آپ ہاسٹل واپس چلے جائیں اور ہم کسی کو ملنے جارہے ہیں۔ میں نے کہا آپ لوگ کس سے ملنے جارہے ہیں تو اُنہوں نے کہا کہ یہاں ایک مولانا صاحب ہیں، وہ سخت بیمار ہیں۔ ہم اُن کی عیادت کے لئے جارہے ہیں۔ میں نے کہا کیا وہ بزرگ ہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ ہاں! وہ بزرگ ہیں۔ (میرا تعلق ایسے خاندان سے تھا، جو بریلوی مسلک سے تعلق رکھتا تھا اس وجہ سے ہمیں بزرگوں سے عقیدت تھی) اس لئے میں بھی ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوا۔ حضرت مولانا صاحبؒ دس نمبر کوارٹر میں رہتے تھے۔ میں حضرت مولانا صاحبؒ سے مِلا۔ حضرت مولانا صاحبؒ سے مصافحہ کیا، اور حضرت مولانا صاحبؒ کے ہاتھ چوم لیے۔ دوسرے دِن پھر عصر کو حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس آیا۔ مصافحہ کرتے ہوئے میں نے پھر حضرت مولانا صاحبؒ کا ہاتھ چوما، تو حضرت مولانا صاحبؒ نے آہستہ سے کان میں کہا۔ بیٹا! روز روز تو نہیں چومتے۔ "اب میں بیٹھا" اور رونا شروع کیا۔ جب واپس جانے لگا، تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا: بیٹا! یونیورسٹی کا ماحول ہے روز روز تو ہاتھ نہیں چومتے۔ پھر فرمایا کچھ ذکر کرتے ہو۔ میں نے کہا۔ جی ہاں! کرتا ہوں۔ فرمایا، اچھا کل آکر بتانا۔ تیسرے دِن میں پھر حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس آیا۔ یہ 4 مئی 1962ء کا دِن تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ وضو کرکے کمرے میں آئے۔ ہمیں عصر کی نماز حضرت مولانا صاحبؒ نے کھڑے ہو کر پڑھائی۔ ہم پیچھے دو مقتدی

تھے۔ بعد از نماز حضرت مولانا صاحبؒ نے پوچھا کیا ذکر کرتے ہو۔ میں نے کہا۔ یا حیُّ یا قیوم اکیس دفعہ پڑھتا ہوں فرمایا۔ اچھا ہر نماز کے بعد پڑھتے رہو۔ میں نے کہا حضرت مجھے بیعت کر لیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے کچھ نہیں کہا اور بیعت کر لیا۔ میں نے کہا حضرت میں تو نام کے ساتھ سہروردی لکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا لکھتے رہو۔ چونکہ بچپن میں ایک بزرگ سے بیعت ہوا تھا۔ جب میری عمر گیارہ سال تھی۔ اِن بزرگ کا نام ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ تھا۔ ان کی نسبت سے میں اپنے نام کے ساتھ سہروردی لکھتا ہوں۔ میرے بڑے بھائی جان ان کو لاہور سے ہمارے گھر چمن لائے تھے۔ اور یہ قلعہ گجر سنگھ میں رہتے تھے۔ میری امی اور میرے بہن بھائی سب ان سے بیعت تھے۔ میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا، تو بھائی نے پھولوں کا ہار مجھے دیا، کہ یہ حضرت کو پہناؤ اور حضرت سے بیعت ہو جاؤ۔ میں حضرت کو ہار پہنانے لگا تو اس کا دھاگہ ایسا گنجل ہوا کہ میں نے اس کو کھولنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ مجھ سے کھولا نہیں گیا۔ ان بزرگوں نے بھی اسے کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ہار نہیں کھلا۔ پھر حضرت نے ہار مجھے ہی پہنا دیا، اور مجھے بیعت کیا۔ مزید اکیس مرتبہ یا حیُّ یا قیوم پڑھنے کو دیا، کہ نماز کے بعد اکیس مرتبہ یا حیُّ یا قیوم پڑھتے رہو۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے مجھے چار تسبیحات درود شریف، کلمہ طیبہ، استغفار اور کچھ اللہ اللہ پڑھنے کو کہا۔ میں سالوں تک یہ ذکر کرتا رہا۔

سلوک کے منازل

بیعت کے ابتدائی ایام میں حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس روزانہ آنے کا معمول جاری رہا اور انہی ایام کی برکت اور حضرت مولانا صاحبؒ کی محبت، شفقت اور پیار کی وجہ سے 18 دِنوں کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ داڑھی جیسی عظیم سنت کی توفیق ملی۔ 22

مئی 1962ء کو جب میرے دوست ڈاکٹر مقصد صاحب نے جب حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ غضنفر نے داڑھی رکھ لی ہے۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؒ خوش ہوئے اور مجھے پیار کیا۔ احمد گل صاحب نے ہمیں کہا کہ چھٹیاں ہو رہی ہیں۔ ہاسٹل میں کیا کرو گے، ہمارے ساتھ پکنک پر چلو میں اور شیخ نسیم صاحب نے آپس میں کہا۔ چلو چلتے ہیں۔ مولویوں کا مذاق اُڑائیں گے۔ اس طرح احمد گل صاحب ہمیں سہ روزے کے لئے لے گئے۔ ہماری تشکیل پشاور کے ایک مضافاتی علاقے متھرا میں ہوئی۔ جب مسجد پہنچے تو مسجد میں داخل ہونے سے پہلے احمد گل صاحب نے مسجد کے آداب بتائے اور کہا کہ مسجد میں وضو کے لئے لوٹے بھر کر رکھ دو۔ جو بھی اُن سے وضو کرے گا اس کا ثواب تمہیں ملے گا۔ مسجد میں جانے کے بعد سب سے پہلے میں نے لوٹے بھرے ایک کنویں سے پانی نکالنا ہوتا تھا۔ جو بہت گہرا تھا۔ میں نے اس سے ڈھول کھینچ کھینچ کر پانی نکالا اور نمازیوں کے لئے لوٹے بھرے۔

اس کے بعد دوسرا سہ روزہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ لگایا۔ ہماری تشکیل چمکنی پشاور میں ہوئی۔ چمکنی میں گشت کے دوران باقی ساتھی گشت پر چلے گئے۔ میں اور مولانا صاحبؒ مسجد میں رہے۔ مولانا صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا، کہ بیٹا! کچھ بات کرلو۔ میں بیان کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ تو میری زبان بالکل خشک ہوگئی۔ میں ایک لفظ بھی ادا نہیں کرسکا۔ زبان منہ میں پھراتا تھا کہ لعاب حلق میں چلا جائے، لیکن منہ میں بالکل لعاب نہیں تھا۔ مولانا صاحبؒ نے ایک دفعہ پھر کہا کہ کچھ کہو۔ میں خاموش تھا اور رونا شروع کیا۔ اس واقعہ کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ بہت سارے دینی اور دنیاوی امور کے سلسلے میں جب بھی بات کرنے کا موقع آیا تو کبھی بھی بات کہنے میں کوئی رکاوٹ پیش

نہیں آئی۔

تھوڑے عرصے کے بعد گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ بھائی احمد گل صاحب نے کہا کہ دس دِن کے لئے تبلیغ میں جاتے ہیں۔ اسی دوران ہماری تشکیل گجرانوالہ میں ہوئی۔ اسی دوران میرے بڑے بھائی کا خط بھی ملا، اور انہوں نے لکھا کہ "دیکھو وہابیوں سے بچ کر رہو، یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں"۔ اور یہ بات انہوں نے مجھے ٹیلی فون پر بھی کی۔ بہرحال گجرانوالہ کی جس مسجد میں ہماری تشکیل ہوئی۔ اس مسجد میں ایک مولانا عبدالواحد صاحب تھے اور ہمیں کہا دیکھو کہ یہ دس دِن اگر تم صحیح گذار لو تو یہ دس سال سے زیادہ ہیں، ورنہ دس دِن ہی ہیں۔ اور مجھے یہ بات پسند آئی اور یہ بات میں نے مولانا صاحبؒ کو خط میں لکھی۔ اس کے علاوہ بھی جو بات مجھے پسند آتی میں اُسے لکھ لیتا اور پھر مولانا صاحبؒ کو خط میں لکھتا تھا۔ اس تشکیل کے بعد ہم رائے ونڈ پہنچے تو بھائی جان کا ٹیلی گرام ملا، کہ والدہ صاحبہ سخت بیمار ہیں کہ گھر (چمن کوئٹہ) پہنچو۔ احمد گل صاحب مجھے بھائی مشتاق صاحب کے پاس لے گئے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا تمہارے گھر میں والدہ کی خدمت کے لئے کوئی اور ہے۔ میں نے کہا۔ جی میرے بڑے بھائی ہیں، وہی سب کچھ کرتے ہیں۔ بھائی مشتاق صاحب نے فرمایا۔ یہ سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ گھر میں علاج تو بھائی ہی کروائے گا۔ تم نے کیا کرنا ہے۔ تم یہاں رہ کر اُن کے لئے دعا کرو۔ اللہ کے راستے کی دعا بڑی مقبول ہے۔ مجھے یہ بات بڑی پسند آئی اور میں نے دس دن اللہ کے راستے میں اور بڑھائے۔ 20 دِن کے بعد گھر گیا تو ریلوے سٹیشن پر بھائی لینے کے لئے آئے۔ لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے کہ تم نے میری بات نہیں مانی۔ بہن بھی کہہ رہی تھیں۔ یہ تم نے کیا کیا۔ اور تم نے داڑھی بھی رکھ لی ہے۔ میں نے

جواب میں کہا یہ تو سنت ہے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، لیکن شادی کے بعد رکھ لیتے، میں نے کہا یہ تو دھوکہ ہے کہ دکھاؤ کچھ اور ہو کچھ اور میں نے حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں لکھا اور عرض کیا کہ گھر میں سب ناراض ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے جواب میں یہ دعا پڑھنے کے لئے بتلائی۔

''اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واھدنا سُبل السلام''۔
اس دُعا کی برکت سے میری بڑے بھائی جان کے ساتھ صلح ہوئی اور مزید یہ بھی کہا کہ میں آپ کو دینی تعلیم کے لئے جامعۃ الاظہر (مصر) بھیجوا دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ میں اپنی انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرلوں۔ اس کے بعد جہاں آپ چاہیں، بھیج دیں۔

حج سال 1963ء

گرمیوں کی تعطیلات سے جب واپسی ہوئی تو شروع کے چند ایام میں حضرت مولانا صاحبؒ نے حج کا ارادہ فرمایا اور اپنے ساتھیوں سے نام لکھوانے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ چند روز تک جاری رہا۔ جس میں حضرت مولانا صاحبؒ کا واضح اشارہ میری طرف تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے بار بار مطالبے سے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ میری خاموشی کی وجوہات دو تھیں۔ ایک پیسوں کا نہ ہونا، چونکہ طالب علمی کا زمانہ تھا اور دوسری گھر والوں سے اجازت ناممکن تھی۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا صاحبؒ نے میرے حج کے سفر کے لئے اپنے ذاتی جی پی فنڈ سے پیسے نکلوائے اور میرا داخلہ فارم بھی حضرتؒ نے اپنے ہاتھ سے بھرا۔ یہ رقم حضرت مولانا صاحبؒ نے بطور قرض مجھے دی، جو کہ میں نے ملازمت کے بعد واپس ادا کی۔ اس سفر حج میں 14 ساتھیوں کی جماعت تھی۔ جس کے

امیر فقیر اللہ شاہ صاحب تھے۔ ہم 27 رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ حج کے لئے پہنچے اور عمرہ ادا کیا۔ اس مبارک سفر میں حضرت فقیر اللہ شاہ صاحب احادیث کی بہت ساری کتابیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ جس میں سے انہوں نے 50 طواف کی ادائیگی کی فضیلت بھی بیان کی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے 35 طواف ادا کئے۔ اور میں ہر طواف میں حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ سہارے کے طور پر شامل رہتا تھا۔ ان 50 طواف کی فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے 15 مزید طواف کیے اور اس کا ثواب حضرت مولانا صاحبؒ کو بخش دیا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے بعد مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ شروع میں جو رہائش ملی۔ مسجد نبوی سے کافی فاصلے پر تھی۔ کھانے پینے کے انتظام اور ساتھیوں کی تکلیف کی بناء پر حضرت مولانا صاحبؒ نے روزہ رکھ لیا۔ اس کی اطلاع جب امیر صاحب (حضرت فقیر اللہ شاہ صاحب) کو ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور آئندہ کے لئے حکم فرمایا کہ بغیر اجازت کے روزہ نہ رکھا جائے۔

رہائش کی دوری کو ختم کرنے کے لئے حضرت فقیر اللہ شاہ صاحب نے کافی تگ ودو کی جس کے نتیجے میں باب جبریل کے بالکل سامنے سڑک کے اُس پار مکان مل گیا۔ یہ مکان بظاہر برآمدہ نما جگہ تھی جس کے ایک حصے میں حضرت مولانا صاحبؒ اور مجھے جگہ ملی اور دوسرے برآمدے میں جماعت کے اور ساتھیوں کو جگہ ملی۔ ساتھیوں میں سے کسی نے بتایا اسی مکان پر حضرت جی (مولانا یوسفؒ) کا بھی قیام رہا ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ کا زیادہ وقت ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کا ہوتا تھا اور اس دوران میں ہی حضرتؒ کی خدمت میں موجود رہتا۔ اس پر چند ساتھیوں نے مولانا فقیر اللہ شاہ صاحب سے شکایت کی کہ غضنفر ہی کی ہر وقت تشکیل مولانا اشرف صاحبؒ

کے ساتھ کیوں ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں امیر صاحب نے اگلے دن کے لئے کسی اور ساتھی کی حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ تشکیل کی۔ لہٰذا میں حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ ریاض الجنۃ میں ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد تشکیل والے ساتھی نے مجھ سے کہا کہ آپ حضرت مولانا صاحبؒ کا خیال رکھیں میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ اس کے بعد مجھے ہی حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ اور کسی نے بھی کسی قسم کے کوئی اشکال ظاہر نہیں کئے۔ اس سفر میں بہت سارے بزرگوں سے حضرت مولانا صاحبؒ کی برکت سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن میں حضرت مولانا عبد الغفور مدنیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نمایاں ہیں۔ جب ہم 14 آدمیوں کی جماعت مدینہ منورہ میں حضرت مولانا عبد الغفور مدنیؒ سے ملاقات کے لئے گئی۔ تو فرداً فرداً تعارف ہوا۔ جب ہماری جماعت کے امیر حضرت فقیر اللہ شاہ صاحب کا تعارف ہوا، تو حضرت عبد الغفور مدنیؒ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ عمر کے اس حصے میں صرف دو آدمیوں کو اُٹھ کر ملتا ہوں۔ اس میں اگر کوئی سید یا حافظ قرآن ہو۔ اسی مجلس میں حضرت مولانا عبد الغفور مدنیؒ نے اس خواب کا ذکر کیا۔ جس میں انہوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے پایا۔ اس خواب کی تعبیر حضرت مولانا عبد الغفور مدنیؒ کے ہاں یہ تھی کہ حضرت تھانویؒ کے متعلقین مجھ سے بیعت کریں گے۔ لہٰذا ہم 14 ساتھیوں کی طرف چادر بچھائی گئی۔ اسی بیعت توبہ کے سلسلے میں سب ساتھیوں نے حضرت مدنیؒ کی چادر کو پکڑ لیا۔ حضرت مولانا صاحبؒ اور میں آخر میں تھے۔ لہٰذا میں نے چادر کے بجائے حضرت مولانا صاحبؒ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بعد میں جب میں نے اس بات کا تذکرہ

حضرت مولانا صاحبؒ سے کیا کہ میرا دل آپ کے سوا کسی سے بیعت کے لئے نہیں مان رہا تھا۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؒ بہت خوش ہوئے۔ اسی مجلس میں حضرت مدنیؒ نے انگلی کے اشارے سے لطیفہ قلبی کے لئے اللہ اللہ کا ذکر کروایا۔ جب حضرت مولانا صاحبؒ کی طرف حضرت مدنیؒ نے توجہ فرمائی تو حضرت مولانا صاحبؒ اچھل اچھل کر کہتے اللہ اللہ۔ اسی مدینہ منورہ کے قیام میں ڈاکٹر غلام محمد صاحب جو حضرت سید سلیمان ندویؒ کے شاگرد تھے، نے فرمایا کہ جب ان کی ملاقات حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ سے ہوئی تو ان کی توجہ کا یہ اثر تھا کہ ملاقات کے کئی روز گذرنے کے باوجود حضرت مدنیؒ ہی ہر جگہ ہر طرف دھیان اور آنکھوں کے سامنے رہتے، جس کی وجہ سے طبیعت پر بہت بے چینی کا اثر تھا۔ مزید فرمایا کہ میں نے بہت دعائیں کیں، لیکن کچھ اثر نہیں کیا۔ آخر کار میں روضہ رسول ﷺ پر گیا اور وہاں جاکر دعا کی اور عرض کی کہ حضرت سید سلیمان ندویؒ کے علاوہ میرا دِل کسی طرف مائل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس توجہ کا اثر ختم ہوگیا۔ مدینہ پاک کے قیام میں دو مرتبہ حضرت علی میاںؒ نے ہماری جماعت کی دعوت کی۔ پہلی دعوت میں ناشتے پر ہمیں مدعو کیا گیا اور خاص طور پر فرمایا۔ آج کے دور میں اول دین کی طرف کوئی آتا نہیں۔ لیکن جو آتے ہیں۔ وہ اس طور سے آتے ہیں کہ ان کی طرح لوگ چل نہیں سکتے۔ جو کہ دین سے دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی قیام میں حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ صاحب سے ملاقات ہوئی۔

مدینہ پاک کی آمد کے چند روز بعد حضرت مولانا فقیر محمد صاحب بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے، اور حضرت مولانا صاحبؒ سے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ہر سال حج کی توفیق مل جائے اور میری یہ بات قبول ہوگئی۔ اس پر حضرت مولانا

صاحبؒ نے ان کو مبارک باد پیش کی۔ اس سفر کے دوران حضرت مولانا صاحبؒ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بار خواب میں زیارت ہوئی۔ ایک خواب کے سلسلے میں فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سفید رنگ کی بہت ساری بطخ دی ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ ایک تو میں ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ آج مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم دیا ہے اور عطر بھی اسی جگہ دیا۔ اشراق کا وقت تھا۔ لیکن مجھے شیشی نہیں دکھائی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا معمول تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد سب سے آخیر میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلتے تھے۔ راستے میں ایک کونے پر ایک دُکان تھی۔ جس سے میں حضرت مولانا صاحبؒ کے لئے ضرور کچھ پھل خرید لیتا تھا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے بعد جب مناسک حج کے لئے منٰی میں قیام تھا، تو ایک روز حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا: کہ حضرت عبد الغفور مدنیؒ سے ملاقات کے لئے چلتے ہیں۔ لہٰذا ان کے خیمے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کو اپنی کمر پر اُٹھالیا۔ پتھریلی زمین کی وجہ سے حضرت مولانا صاحبؒ کے لئے خود چلنا مشکل تھا۔ لہٰذا جب میں تھوڑا سا کمر پر اُٹھا کے چلتا، حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے کہ بیٹا مجھے اتار دو تھوڑا آرام کرو۔ حضرت مولانا عبد الغفور مدنی صاحبؒ کے خیمے میں حاضری ہوئی اور حضرت نے مدینہ پاک کی طرح یہاں بھی لطیفہ قلبی کی جانب اللہ اللہ کا ذکر کروایا۔

خلافت

حضرت مولانا صاحبؒ نے بندے کو خلافت 27 رمضان المبارک 1387ھ مطابق 29 دسمبر 1967ء بوقت ایک بجے شب رائے ونڈ میں عطا فرمائی اور فرمایا توکلاً علی

اللہ قلبی داعیہ پر آپ کو سلسلہ عالیہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ چشتیہ میں خصوصاً اور چاروں سلسلوں سہروردیہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور قادریہ میں عموماً اجازت ہے۔ مزید فرمایا اس بیعت واجازت کی تقویت و تاکید حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ فرما چکے ہیں۔

خلفاء ومریدین

حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت کے بہت سارے مریدین و متعلقین نے مجھ سے اصلاحی تعلق جوڑا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد اُن کے گھر والوں نے گھر کی ایک جگہ مسجد کے لئے وقف کر دی۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد ہر سال یہاں پر رمضان المبارک میں اعتکاف کے سلسلے میں حاضری ہوتی ہے۔ الحمدللہ ہر سال 20 سے 25 افراد اعتکاف کے لئے آتے ہیں۔ اعتکاف کے دوران تراویح میں 7 راتوں کے ختم قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعد از نماز ظہر ختم خواجگان کی پابندی بھی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے اور خلفاء جن میں حضرت حاجی خلیل صاحب، حاجی حسن خان صاحب، حضرت حاجی عبدالقدوس صاحب بھی شرکت فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی زندگی میں ہر جمعہ کو عصر تا مغرب ختم قرآن کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے کچھ عرصے کے بعد اس اہتمام کا تسلسل باقی نہ رہا۔ اس ترتیب ختم قرآن کی بحالی کے لئے گذشتہ 5 برس سے بندے کے مریدین و متعلقین نے ختم قرآن کے سلسلے کا دوبارہ سے اہتمام کیا ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے اور حضرت مولانا صاحبؒ کے درجات کی بلندی اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ مزید اسی مجلس میں حضرت مولانا صاحبؒ کے ملفوظات بھی پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ میری رہائش مستقل طور پر لاہور میں ہے اور یہاں پر کوئی اصلاحی مجلس یا

خانقاہ کا نظام نہیں ہے۔ البتہ میرے بہت سے متعلقین ملاقات کے لئے میرے پاس لاہور آتے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھر میں گھر کے افراد کے ساتھ ہفتے میں ایک مرتبہ ختم خواجگان کی مجلس کا معمول کئی سالوں سے جاری ہے۔

بندے نے توکلاً علی اللہ کچھ ساتھیوں کو خلافت دی ہے، جن میں ڈاکٹر کلیم اللہ صاحب، انجینئر لطف الرحمٰن صاحب، حاجی جمیل صاحب، احسان الرحمٰن صاحب، ڈاکٹر اسحاق صاحب، ڈاکٹر مفتی محمد التماس خان صاحب، انور خان (یو ایس) والے، فضل ودود صاحب، ڈاکٹر اظہار الحق صاحب شامل ہیں۔

خطوط کا سلسلہ

انجینئرنگ کی تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد جب بسلسلہ ملازمت ملک اور بیرون ملک قیام کے دوران حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ خطوط کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا شفقت و محبت اور احسان رہا کہ ہر خط کا جواب اپنے ہاتھ سے تحریر فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں سو کے لگ بھگ خطوط حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں لکھے گئے۔ ان اصلاحی خطوط کی اشاعت پر کام جاری ہے اور انشاء اللہ عنقریب کتابی شکل میں شائع ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت مولانا صاحبؒ کا خلیفہ حضرت حاجی میر حاتم صاحب مستقل طور پر کام کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ مختلف اسفار

حضرت مولانا صاحبؒ سے بیعت کے بعد آپؒ کے ساتھ مختلف اسفار میں شرکت کی۔ اس سلسلے میں پہلا سفر حج کا تذکرہ گذر چکا۔ اس کے علاوہ سعودی عرب کے

16 سال قیام کے دوران جب بھی حضرت مولانا صاحبؒ حج کے لئے تشریف لاتے۔ بندہ اپنی ملازمت سے چھٹی لے کر مولانا صاحبؒ کے ساتھ حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوتا رہا۔ ان اسفار میں حضرت مولانا صاحبؒ کی برکت سے مختلف اکابر بزرگوں کی زیارت و صحبت نصیب ہوئی۔ جن میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ خاص طور پر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دعاجوؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت بارہا نصیب ہوئی۔ ایک مرتبہ غالباً ٹل کے تبلیغی اجتماع میں حضرت جی (مولانا یوسف صاحبؒ) سے بھی ملاقات نصیب ہوئی۔ واقعہ کچھ یوں ہوا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے اُن کی قیام گاہ میں حاضر ہوئے حضرت جیؒ مکان کی اُوپر والی منزل سے نیچے کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ میں نے حضرت مولانا صاحبؒ کو اُن کے بائیں ہاتھ سے تھاما ہوا تھا۔ جونہی حضرت مولانا صاحبؒ نے حضرت جیؒ سے مصافحہ کیا۔ تو ایک بجلی کی سی چمک کا مشاہدہ ہوا، اور یہ چمک اتنی زور دار تھی کہ میرا پورا جسم کانپ اُٹھا، اور یہ منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

فرمایا کہ اہل اللہ کے دل اللہ کے محبت کے بھٹیاں ہیں۔ اہل محبت کے صحبت سے محبت آجائیگی۔ دوسری اہلِ محبت کے تذکرے پڑھو۔ تیسری بات اللہ کا ذکر کیا کرو۔ چوتھی اللہ سے اللہ کی محبت مانگو۔ پانچویں ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے کرو۔ اور اسکے بدلے میں اللہ کی محبت مانگو۔

باب۔14

متعلقین و متوسلین کے تاثرات

مولانا صاحبؒ کے متعلقین و متوسلین کا دائرہ بہت ہی وسیع تھا۔ جس کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ البتہ جن حضرات کا زیادہ تعلق اور آنا جانا رہا۔ اُن کا ذکر ضرور کریں گے۔ ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے تعلق اور تاثرات کو خود قلم بند کیا ہے۔ اُس کو انہی کے الفاظ میں اُسی طرح شامل کیا گیا ہے۔ ان میں ایک گروہ ان شرفاء و معززین کا ہے، جو مولانا صاحبؒ کے عام مجلس میں آیا نہیں کرتے تھے۔ لیکن خصوصی وقت میں گھنٹوں مولانا صاحبؒ کے ساتھ اکیلے یک بیک گذار لیتے تھے۔ ان میں سردار عبدالرشید صاحب کا نام سرفہرست ہے، جو ہمیشہ یک بیک ملاقات کرتے اور کئی گھنٹے گذار لیتے۔ کونسا مسئلہ زیر بحث ہوتا اور کیا بات چیت ہوتی۔ اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ البتہ عالمی اور قومی معاملات پر مولانا صاحبؒ اُن کے تدبر و فہم کے معتقد تھے۔ چونکہ وہ پشاور یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہے۔ اس لئے یونیورسٹی کے بعض معاملات بھی زیر بحث آجاتے۔ وہ مغربی پاکستان کے آئی جی پولیس ریٹائر ہوئے تھے، صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں، اور یحیٰ خان حکومت میں مغربی پاکستان کے وزیر داخلہ بھی رہے۔ اس کے علاوہ پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحکیم خان صاحب جو صوبہ سرحد کے گورنر بھی رہے۔ علیحٰدہ ملاقات کیا کرتے تھے۔ چیف جسٹس عثمان علی شاہ جو گورنر صوبہ سرحد بھی رہے، مخصوص اوقات کے علاوہ عام مجلس میں بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ خاص کر جمعہ کے دِن عصر کے

وقت ختم قرآن میں شرکت ضرور کیا کرتے تھے۔ مولانا خیال محمد صاحب جو تکونیات کا بندہ تھا، کی ملاقات ہمیشہ ون ٹو ون ہوا کرتی تھی۔ وہ اچانک وارد ہوتے۔ لوگوں کو ہٹا کر ملاقات کر کے سیدھے واپس چلے جاتے۔ بعض اوقات جاتے جاتے کوئی بات کہہ دیتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں فیلڈ کا بندہ اور ورکر ہوں۔ مولانا صاحبؒ دفتر والا ہے۔ اس کا درجہ بڑا ہے۔

مولانا صاحبؒ کے دونوں بڑے بھائی محمد اکرم خان اور محمد اسلم خان بھی مولانا صاحبؒ کے ساتھ خصوصی نشست کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جو بھی بندہ خصوصی وقت مانگ لیتا۔ مولانا صاحبؒ کو اپنے دِل کے راز اور وہ باتیں جو وہ مجمع میں یا کسی اور کو کہہ نہیں سکتا تھا۔ دِل کھول کر بیان کر دیتا۔ کیونکہ اُس کو معلوم تھا کہ اولیاء کے سینے رازوں کے مدفن ہوا کرتے ہیں۔ وہ کسی اور کو نہیں بتاتے۔ مولانا صاحبؒ کا عام مجلس عصر تا عشاء ہر خاص وعام کے لئے کھلا تھا۔ کسی کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ عوام الناس کے علاوہ جو خصوصی لوگ یونیورسٹی شہر اور مضافات سے آکر مجلس میں شریک ہوتے۔ بعض کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

جناب حاجی محمد حسین خان، پرنسپل زرعی کالج، پشاور، جناب مغنی صاحب، چیئرمین شعبہء سائیکالوجی، پشاور یونیورسٹی (جو بین الاقوامی شہرت کے نامور سیکالوجسٹ تھے)، جناب فریدی صاحب، شعبہء باٹنی، پشاور یونیورسٹی، جناب علاؤ الدین خلجی صاحب، پرنسپل اسلامیہ کالجیٹ سکول اور پرنسپل ایمبسی سکول شارع مدارس جدہ، پروفیسر ڈاکٹر شیر بہادر خان، چیئرمین پیتھالوجی، خیبر میڈیکل کالج، پشاور، جناب خالد منصور پراچہ، سیکرٹری زراعت، جناب مسعود پراچہ، ڈی آئی جی سپیشل

برانچ، ڈاکٹر جمیل خلافتی اور پروفیسر بشیر احمد طارق، مجلس کے آخیر میں مولانا صاحبؒ کو عالمی اور ملکی خبروں سے آگاہ کرکے تبصرہ کرتے، اور دِن بھر کے مقامی حالات و واقعات کی اطلاع دیتے۔ پشاور شہر کے شرفاء میں سے حاجی غلام نبی روزانہ عصر کی مجلس میں شرکت کرتے۔ اس کے علاوہ حاجی فضل حسین، حاجی شفیق، حاجی ایوب، حاجی مختار اور حاجی مرتضٰی کبھی کبھی تشریف لاتے۔ حاجی طلعت اقبال اور اُن کے دوسرے رفقاء حلیم ساتھ لاکر ناشتے کا بندوبست کرتے اور ہمیں بھی شرکت کی دعوت دیتے۔ اس طرح ان کا اپنا ایک الگ خصوصی وقت لگتا۔ حاجی مرتضٰی صاحب آخیر میں روزانہ تشریف لایا کرتے تھے۔

مولانا صاحبؒ کی عصر کی مجلس میں تقریباً ہر طبقہ اور معاش کے لوگ شامل ہوتے، جو طلباء، علماء اساتذہ سے لیکر ملازمت پیشہ تجار، کسب گر، مزدور، سرمایہ کار، خوانین اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے ہوا کرتے تھے۔ جن حضرات نے اپنے تأثرات خود قلم بند کرکے بھیجے۔ وہ ذیل میں ملاحظہ کے لئے پیش خدمت ہیں۔

سسرالی حضرات کے تأثرات

حضرت مولانا اشرف صاحب کے سسرال والوں نے اپنے تأثرات اجتماعی شکل میں قلم بند کئے ہیں۔ ضلع چارسدہ تحصیل شبقدر میں ماہزارہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہاں حسینی سادات کا ایک مشہور علمی گھرانہ صدیوں سے علوم نبوت کی ترویج اور خلق خدا کی روحانی تعلیم و تربیت کا مرجع اور مرکز رہا ہے۔ حضرت مولانا کے سسر محترم حضرت مولانا سید فقیر اللہ شاہ صاحب کے والد محترم سید عبداللہ شاہ المعروف میاں صاحب ماہزارہ گذشتہ پونے صدی سے اس خاندان کی علمی، روحانی اور سیاسی و سماجی

اقدار کے روح رواں اور مسند نشین رہے۔ ممتاز عالم دین اور تحریک آزادی ہند کے عظیم مجاہد کی حیثیت سے میاں صاحب ماہز ارہ کا نام تاریخ آزادی اور تحریک پاکستان کا ایک تابندہ اور روشن باب ہے۔ وہ نصف صدی تک نہ صرف آزادی ہند کے لئے بر سر پیکار رہے، بلکہ مسلسل 7 سال تک انگریزوں کے زندان میں بھی رہے۔ حضرت میاں صاحب نے اس دوران جیل میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، اور سینکڑوں سیاسی قیدیوں نے قید خانے میں ان سے کسب فیض کیا۔ حضرت مولانا سید فقیر اللہ شاہ صاحب جید عالم دین، صاحب نسبت بزرگ اور اپنے والد کے علوم کے صحیح وارث اور جانشین تھے۔ حضرت میاں صاحب کے چھوٹے بھائی سید روح اللہ شاہ صاحب بھی دارالعلوم دیوبند سے فیض یافتہ اور تفسیر قرآن مجید (سراج القرآن) کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف رہے۔ سینکڑوں علماء کے استاد اور مرجع خلائق رہے۔

موجودہ دور میں حضرت مولانا صاحبؒ کے سسر محترم کے عم زادہ سید سعید اللہ جان صاحب، پشاور یونیورسٹی شعبہء عربی واسلامیات کے سابقہ ڈین، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مسترشد اور حضرت علامہ زاہد الحسینیؒ کے مجاز بیعت ہیں اور قصبہ ماہز ارہ میں آل سید المرسلین کے نام سے ایک قائم شدہ عظیم الشان دینی درس گاہ کے سرپرست ہیں۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے برادران نسبتی میں سید سعید الرحمان صاحب، مکتبہ آل سید المرسلین کے مہتمم اور حکومت خیبر پختونخواہ کے ڈائریکٹر فوڈ رہے ہیں۔ سید مجیب الرحمان کئی اضلاع کے ڈپٹی کمشنر اور ایک دیندار اور خدا ترس سرکاری افسر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ سید لطف الرحمن وفاق المدارس عربیہ سے فارغ التحصیل،

انجینئر اور پشاور کی زرعی یونیورسٹی کے ڈائریکٹر ورکس ہیں۔ چھوٹا برادر نسبتی ڈاکٹر سید شفیق الرحمان حافظ، عالم و مستند فزیشن اور امریکہ کے ریاست فلوریڈا میں ایک اسلامی مرکز کے سرپرست ہیں۔

ان تمام حضرات کے برخورداران میں سے اکثریت حفاظ قرآن، دینی مدارس اور دعوت و تبلیغ کے شعبوں سے وابستہ ہیں اور یہ گھرانہ الحمدللہ دنیاوی حیثیت اور عصری علوم کے ساتھ اپنی دینی تشخص اور خاندانی پہچان کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ دُعا ہے کہ حضرت مولانا صاحبؒ کا یہ سسرالی خاندان روز محشر تک علوم شریعت اور خلق خدا کی خدمت کے جذبے سے سرفراز رہے۔ آمین

پیرانی صاحبہ کے تأثرات

اہلیہ محترمہ پیرانی صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ ایک باکمال اور اونچے اخلاق و صفات والے شخص تھے۔ یہ میری خوش بختی اور سعادت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میری قسمت اُن کے ساتھ جوڑ دی تھی۔ آپ کی محیر العقول زندگی کے بعض گوشے ایسے ہیں۔ جن کی واحد راز دار میں ہوں۔ میں نے رفیقہ حیات کی حیثیت سے اُن کے بعض کمالات دیکھے کہ وہ آپ کے دوسرے متعلقین کی نظروں میں نہیں آئے ہونگے۔

وہ میرے لئے بہترین جیون ساتھی اور بہترین شوہر تھے۔ آپ نے اپنے علم و تقویٰ اور بلند مقام کے باوجود مجھ جیسی ایک عام خاتون کے ساتھ عمر بھر ایک مثالی شوہر اور دوستی کی زندگی گذاری۔ ہر طرح سے میری راحت و آرام کا خیال رکھا۔ آپ کی ابتدائی زندگی مجاہدہ کی تھی۔ میں پیار سے اُن کو مولانا جی کہتی تھی۔ آپ اپنی علمی اور

سماجی مصروفیات کے باوجود کوشش کرتے اور گھر کے لئے وقت نکالتے۔ اپنی ماں کو امّاں کہتے تھے۔ ایک بیوہ بہن اور بھانجی کو بھی اپنے زیر سایہ رکھا۔ دوپہر کا کھانا اور صبح کا ناشتہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتے تھے۔ ہمیشہ اُن کے چہرے پر مُسکراہٹ رہتی۔ ہر ایک سے خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آتے تھے۔

اپنے بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھانجیوں اور خاندان کے ہر فرد سے مثالی شفقت کا رویہ رکھتے تھے۔ خاندان میں کوئی بیمار ہوتا تو مجھے بھی عیادت کی تاکید کرتے اور خود بھی پہنچتے، بلکہ حتی الوسع تعاون بھی کرتے اور اُن کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے۔ بڑے بھائیوں کا اپنے والد کی طرح احترام فرماتے تھے اور ہم سے بھی یہی تقاضا ہوتا تھا۔ جب رات کو میری آنکھ کھلتی اور وہ عبادت میں مصروف رہتے۔ کبھی تہجد کو چھوڑا نہیں۔ جب میری شادی ہوئی تو مولانا جی اپنے پاؤں پر خود چلتے تھے۔ ایک ہاتھ میں سوٹی پکڑ کر چلتے تھے۔ ہمیشہ صاف ستھرا لباس زیب تن کرتے تھے۔ اتنی بیماریوں کے باوجود بھی اللہ کی راہ میں لگے ہوتے تھے۔ صبح لیکچر دینے جاتے تھے اور شام کو اپنے گھر میں تبلیغ کرتے تھے۔ ایک کمرے میں لوگ دور دور سے اُن سے ملنے اور دُعائیں لینے کے لئے آتے تھے۔ مولانا صاحب اس دُنیا میں ولی اللہ تھے۔ لوگ جنات کے دموں کے لئے بھی آتے تھے اور شفایاب ہوتے تھے۔ رات کو مولانا جی جنّوں کی کلاس بھی لیتے تھے۔ کبھی کبھی میں ڈر جاتی تھی۔ جب وہ رات کو جنّوں کو پڑھاتے تھے۔ میری ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے اور بہت زیادہ خیال کرتے تھے۔ وہ ایک سُنت بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ شادی بھی سُنت رسول کی وجہ سے کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن سے کہا تھا کہ شادی کریں میری سُنت ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا آجاتا تو وہ جانے کے لئے تیار

ہو جاتے تھے۔ وہ ایک نیک سیرت اور نیک فطرت انسان تھے۔ بڑوں کے ساتھ بڑے اور چھوٹوں کے ساتھ چھوٹے بن جاتے تھے۔ بچّوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ نوکروں کے ساتھ بھی رحم دلی سے پیش آتے تھے۔ قربانی کے وقت خود اپنا ہاتھ دُمبوں پر پھیرتے تھے اور چھری بھی ہاتھ میں پکڑ کر دعا کرتے تھے۔ ہمیشہ اپنے باپ اور حضور ﷺ کی قربانی بھی کرتے تھے۔ مولانا جی اپنی معذوری کے باوجود بلند حوصلے والے تھے۔ ملازم اُن کو اُٹھاتے بٹھاتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ جن میں میر حاتم، شیر حسن، نعمان صاحب آپ کو بہت آرام اور احترام سے اپنے کندھوں پر اُٹھاتے بٹھاتے تھے۔ تنگ نظر نہیں تھے۔ کُھلے دِل اور کُھلے دِماغ کے تھے۔ کبھی کسی پر اپنا فیصلہ یا حکم مسلط نہیں کرتے تھے۔ حاجی ڈاکٹر فدا صاحب اُن کے معالج تھے۔

احمد خان چیئرمین (ر) ہائیر ایجوکیشن ریگولیٹری اتھارٹی، کے پی کے

احمد خان نے تحصیل پشاور کے ایک پسماندہ گاؤں سنگر گڑھی (نواح ملازئی، زرعی یونیورسٹی) میں جناب اول زادہ ابن عمرزادہ ابن امیر زادہ کے گھر آنکھ کھولی۔ تاریخ پیدائش (اسکول ریکارڈ/اندراج کے مطابق 2 اگست 1955ء۔ تاہم یہ تاریخ پیدائش تخمینی ہے۔ چونکہ راقم کے والدین ناخواندہ تھے۔ اس لئے اسکول میں تاریخ پیدائش کا صحیح اندراج نہیں ہو سکا۔ بندہ نے پرائمری تعلیم (چوتھی جماعت تک) گورنمنٹ پرائمری اسکول گڑھی بادشاہ گل، مڈل (آٹھویں) گورنمنٹ مڈل اسکول ریگی اور میٹرک گورنمنٹ ہائی اسکول متھرا، پشاور سے بالترتیب 1966ء، 1970ء اور 1972ء میں پاس کئے۔ بندہ ابھی دوسری جماعت کا طالب علم تھا کہ والد محترم کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور بندہ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری والدہ مرحومہ کے کندھوں پر

آ پڑی، جو انہوں نے باوجود غربت و تنگدستی کے بطریق احسن سر انجام دی۔

اسلامیہ کالج میں داخلہ اور حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحبؒ سے تعلق کی ابتداء

جولائی 1972ء میں میٹرک کے سالانہ نتائج کا اعلان ہوا اور بندہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوا۔ والدہ مرحومہ کی خواہش تھی کہ میں کوئی نوکری تلاش کروں اور گھر کا خرچہ چلانے میں اُن کی مدد کروں، لیکن چچا (جناب صفدر خان مرحوم) چاہتے تھے کہ میں فرسٹ ائیر میں داخلہ لوں۔ اسی کشمکش میں اور رقم داخلہ کا بندوبست کرنے میں داخلہ کا مقررہ تاریخ (Due Date) گذر گیا۔ بحرحال اپنے ایک کلاس فیلو کے کہنے پر ستمبر 1972ء کے اوائیل میں اسلامیہ کالج چلا گیا۔ فرسٹ ائیر کے داخلے مکمل ہو چکے تھے، لیکن کالج ابھی موسم گرما کی تعطیلات کے لئے بند تھا۔ چونکہ داخلے بند تھے، اس لئے مایوسی کے عالم میں کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے سامنے والے چمن میں پتھر کے بنے ہوئے بنچ پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے خیالات میں گم تھا کہ اتنے میں ایک نوجوان (سفید کپڑے اور سر پر جناح کیپ پہنے ہوئے) آیا۔ میں گھبرا گیا کہ یہ کوئی سینئر طالب علم (senior student) ہے اور مجھ سے فولنگ (fooling) کرنے آیا ہے۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شخصیت میرے عظیم محسن سید مسرت حسین صاحب کی ذات تھی۔ جنہوں نے ایک طرف داخلے بند ہونے کے باوجود مجھے داخلہ دلوایا اور دوران تعلیم ہر قسم مالی و اخلاقی تعاون کیا اور دوسری طرف حضرت مولانا صاحبؒ سے تعارف کا ذریعہ بنے۔

جہاں تک یاد پڑتا ہے، مولانا صاحبؒ کی پہلی زیارت 1972ء کے اواخر میں اسلامیہ کالج کے روس کیپل ہال میں ہوئی جہاں مولانا صاحبؒ ہفتہ وار بیان (sermon) کے لئے تشریف لائے تھے۔ سرخ و سفید رنگت، گھنی داڑھی، شیروانی پہنے ہوئے، سر پر قراقلی

ٹوپی، آنکھوں پر چشمہ اور کان میں آلہ سماعت، داہنے ہاتھ میں عصا اور بایاں ہاتھ ایک مددگار کے ہاتھ میں، یہ تھی حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب کی ذات، مولانا صاحبؒ کی عمر اس وقت 47 سال تھی۔ مولانا صاحبؒ کی صحت اس وقت زیادہ کمزور نہیں تھی۔ گاڑی یا سٹیج تک لنگڑا کر چل سکتے تھے۔ اگرچہ نماز بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔ لیکن رکوع اور سجدہ ادا فرماتے تھے۔ بعد میں جب ضعف بڑھا تو اشارہ سے نماز ادا فرمانے لگے۔

حضرت مولانا صاحبؒ سے رسمی تعلق کی ابتداء

مولانا صاحبؒ سے تعارف کا ذریعہ میرے دو محسنین اور مولانا صاحبؒ کے اجل خلفاء (حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مد ظلہٗ اور حضرت پیر مسرت حسین صاحبؒ) بنے۔ جس کی ظاہری صورت یہ بنی کہ بندہ ایف ایس سی کے سالانہ امتحان کی تیاری کے سلسلے میں ہاسٹل نمبر 8 میں جناب ڈاکٹر فدا محمد صاحب مد ظلہٗ کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ چونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب، حضرت مولانا صاحبؒ کے ذاتی معالج تھے اور روزانہ بعد از عشاء حضرت مولانا صاحبؒ کو انجکشن لگانے ان کے مکان A-17، اسلامیہ کالج تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں بھی کبھی کبھی ساتھ ہوتا تھا اور اسی طرح مولانا صاحبؒ کی زیارت ہو جاتی تھی۔ سالانہ امتحان کے بعد حضرت پیر مسرت حسین شاہ صاحبؒ اور جناب ڈاکٹر صاحب کے مشورے سے جناب مولانا صاحبؒ کی خدمت سپرد ہوئی۔ صحیح تاریخ تو یاد نہیں ہے، لیکن اتنا یاد ہے کہ مولانا صاحبؒ کی شادی کو 2، 3 ہفتے ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ مولانا صاحبؒ کی شادی مئی 1975ء میں ہوئی تھی۔ اُس کے بعد حضرت کی وفات (ستمبر 1995) تک کسی نہ کسی طرح خدمت کا موقع ملتا رہا۔ یوں تقریباً 21 سال مولانا صاحبؒ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس 21 سال کے عرصے میں مولانا صاحبؒ کے ساتھ اندرون ملک بے شمار سفر کئے، جبکہ بیرون ملک پانچ سفر (3 سفر حج بیت اللہ اور 2 سفر انڈیا) کے ہوئے۔ مولانا صاحبؒ کے ساتھ پہلا غیر ملکی سفر انڈیا کا (دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے سلسلے میں 17 مارچ 1980ء سے 16 اپریل 1980ء تک) جبکہ دوسرا سفر (عالمی نعت کانفرنس منعقدہ اورنگ آباد) 29 ستمبر 1988ء سے 20 نومبر 1988ء تک) ہوا۔ مولانا صاحبؒ کے ساتھ حج بیت اللہ کے تین سفر مندرجہ ذیل ترتیب سے ہوئے۔

1-پہلا سفر حج 30 ستمبر 1981ء سے 21 نومبر 1981ء تک

2-دوسرا سفر حج 28 اگست 1984ء سے 8 اکتوبر 1984ء تک

3-تیسرا سفر حج 23 اپریل 1987ء سے 11 اگست 1987ء تک

تقدیر کے فیصلے بھی نرالے ہوتے ہیں۔ اگرچہ 21 سال کا طویل عرصہ مولانا صاحبؒ کی خدمت میں سفر وحضر میں ساتھ رہا۔ لیکن باوجود اس کے حضرتؒ کے سفر آخرت (جنازہ) میں شرکت نصیب نہ ہو سکی۔ جس کا جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اور جس کا عمر بھر افسوس ہی رہے گا۔ تفصیل اس وقعہ کی یہ ہے کہ زندگی کے آخری آیام میں حضرت مولانا صاحبؒ پمز (PIMS)، اسلام آباد میں زیر علاج تھے۔ حضرت کی زندگی کے بالکل آخری دن مجھے کیڈٹ کالج رزمک شمالی وزیرستان کے بورڈ آف گورنرز کے اجلاس میں شرکت کے لئے رزمک جانا پڑ گیا۔ میں رزمک میں تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات ہو گئی۔ اِن دنوں موبائیل تو کیا، عام ٹیلیفون کی بھی سہولت میسر نہیں تھی۔ اس لئے مجھے بروقت اطلاع نہ مل سکی۔ تاہم میرے بیٹے عبد الحمید نے کسی نہ کسی طرح کیڈٹ کالج کے انگریز پرنسپل کو مطلع کیا۔ جس نے عشاء کے وقت مجھے

حضرت کی وفات کی خبر سُنائی، جبکہ جنازہ مغرب کے وقت پشاور میں ادا ہو چکا تھا۔ اگلے دِن واپسی پر بنوں میں جب مشرق اخبار دیکھا تو حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کی خبر جلی سرخی: موت العالم موت العالم: کے عنوان سے درج تھی۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ اندرون ملک پہلا سفر

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ راقم کا پہلا سفر 1976ء میں کراچی کا ہوا، جب حضرت مولانا صاحبؒ حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے والد بزرگوار حضرت محمد ذکریا بنوریؒ کی وفات پر تعزیت کے لئے نیوٹاؤن (موجودہ بنوری ٹاؤن) کراچی تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں جناب پیر مُسرت حسین شاہ صاحبؒ اور انجینئر شیر حسن صاحب (حال سعودی عرب) ساتھ تھے۔ اگست کا مہینہ تھا، تعلیمی ادارے موسم گرما کی تعطیلات کی وجہ سے بند تھے۔ اس لئے حضرت مولانا صاحبؒ تقریباً ایک مہینہ تک کراچی میں رہے۔ یہ سفر بذریعہ ٹرین ہوا تھا اور ٹرین ہی سے واپسی ہوئی تھی۔ دارالعلوم اسلامیہ کے مہمان خانہ میں ہمارا قیام تھا۔ دوران قیام حضرت مولانا صاحبؒ کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت حضرت بنوریؒ کی خدمت میں گذارا جائے۔ ناشتہ عموماً حضرت بنوریؒ کے مکان پر ہوتا تھا۔ جس میں عمائدین شہر اور علماء حضرات بھی شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ حضرت بنوریؒ کے درس حدیث میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے تھے۔ دوران قیام کراچی حضرت مولانا صاحبؒ حضرت مفتی محمد شفیعؒ (مفتی اعظم پاکستان) کی خدمت میں بھی ضرور حاضر ہوتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ بھی حضرت مولانا صاحبؒ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا صاحبؒ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت

میں دارالعلوم کراچی کورنگی تشریف لے گئے، حضرت مفتی صاحب کو اطلاع ہوئی تو دارالعلوم کے مین گیٹ تک استقبال کے لئے تشریف لائے حالانکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی طبیعت خود بھی ناساز تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ ساتھ مٹھائی لے کر گئے تھے۔جب مٹھائی پیش کی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: مولانا مٹھائی لانے کی کیا ضرورت تھی، آپ تو خود مٹھائی ہیں۔

دوران قیام کراچی حضرت مولانا صاحبؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) سے ملاقات کا بھی خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ کبھی دواخانہ تشریف لے جاتے اور کبھی گھر پر حاضری دیتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا صاحبؒ کے شیخ اول) اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مزارات پر حاضری و فاتحہ خوانی کے لئے اُردو کالج بھی ضرور تشریف لے جاتے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کے مزار پر حضرت مولانا صاحبؒ کافی دیر تک مراقبہ فرماتے تھے۔ چہرے پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا تھا جو ہم نے اور کہیں نہیں دیکھا۔ کراچی میں حضرت مولانا صاحبؒ کے دوستوں اور متعلقین کی ایک خاصی تعداد موجود تھی، جن میں جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم (مسترشد حضرت سید سلیمان ندوی صاحبؒ) اور جناب مختار احمد خان صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ چونکہ دونوں حضرات کا اصلاحی تعلق حضرت سید سلیمان ندوی صاحبؒ سے تھا۔اس لئے حضرت مولانا صاحبؒ ان دونوں حضرات سے بہت محبت فرماتے تھے۔

کراچی میں مقیم دوستوں میں جناب امان اللہ خان صاحب مرحوم اور جناب میجر (ریٹائرڈ) عبدالوحید خان صاحب (تاجران قالین) کا حضرت مولانا صاحبؒ سے

خصوصی تعلق تھا۔ جناب امان اللہ صاحب شملہ (انڈیا) میں ہمسایہ رہ چکے تھے۔ چونکہ خاندانی تعلق تھا اس لئے جناب امان اللہ صاحب ہمیشہ قیام اُن کے ہاں کرنے پر اصرار فرماتے، لیکن حضرت مولانا صاحبؒ نے حضرت بنوریؒ کی زندگی میں ان کے ہاں مستقل قیام نہیں فرمایا۔ البتہ حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد انہیں کے ہاں قیام ہوتا تھا۔ جن دنوں حضرت مولانا صاحبؒ جناب امان اللہ صاحب مرحوم کے ہاں قیام پذیر ہوتے تو وہ اپنی تمام کاروباری مصروفیات ترک کر دیتے اور اپنا تمام وقت حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت کے لئے وقف فرماتے تھے۔

شاہ ناصر جیولاجیکل سروے آف پاکستان

شاہ ناصر صاحب گلگت والے نے کہا کہ مارچ 1976ء کا زمانہ تھا۔ تبلیغی جماعت سے تعلق قائم ہونے کے بعد جماعت کے سارے تقاضے پورے کر لئے۔ "یعنی سہ روزہ کے بعد جلد ہی دس روزہ پروگرام بنا پھر چلّہ کا پروگرام پورا ہوا اور ساتھ ہی 3 چلّے بھی پورے ہوگئے"۔ میرے دوست عزیز الرحمٰن جہلم میں ڈاکٹر تعینات ہیں، کے مشورے سے حضرت مولانا صاحبؒ تک رسائی ہوئی اور جلد ہی بیعت سے مشرف ہوا۔ چنانچہ روزانہ عصر کے بعد حضرت کی مجلس میں باقاعدگی سے حاضری دیتا رہا۔ وقت کے ساتھ حضرتؒ کے شفقت کے برتاؤ سے متأثر ہو کر حضرتؒ کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ چونکہ حضرتؒ کو ایک خادم کی ضرورت تھی، لیکن حضرتؒ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ اس اقدام سے مجھے اندرونی طور پر بے حد بے قراری ہوئی اور حالت نا اُمیدی تک پہنچنے والی تھی کہ حضرتؒ کو میرے حالات کا بخوبی علم ہوا ہوگا۔ حالانکہ اُن دنوں میں تحصیل علم سے فارغ ہوا تھا۔ واپسی اپنا علاقہ یعنی شمالی علاقہ جانے کا

پروگرام بنا دیا تھا، جو کہ میرے لئے مسئلہ تھا۔ اِن ہی حالات میں مجھے حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت مرحمت عطا فرمائی۔ جس سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ یوں سمجھئے کہ زندگی کا ناقابل فراموش لمحہ تھا۔ بہرحال اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی مجلس میں رہنے کا بندوبست فرمایا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کا شب وروز کے معمولات انتہائی مجاہدانہ تھے۔ رات کے پچھلے حصّے نفلوں کے لئے اُٹھنے سے لیکر اگلی رات عشاء تک مسلسل جدوجہد میں رہتے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے بیت الخلاء کا جانا مکمل پراجیکٹ تھا۔ اِن کا سرسری جائزہ کچھ یوں ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کو سب سے پہلے جگانا یا خود جاگ کر ہمیں جگاتا۔ بستر سے حضرت مولانا صاحبؒ کو مخصوص انداز میں اُٹھا کر بٹھانا، پھر کمر پر بٹھا کر بیت الخلاء لے جانا۔ وہاں پر پہلے سے تیار شدہ چوکی پر بٹھانا اور فراغت کے پورے لوازمات یقینی بنا کر خود باہر نکلنا اور انتظار میں باہر کمرے میں بیٹھا رہنا۔ جوں ہی آواز یا گھنٹی حضرت مولانا صاحبؒ کی طرف سے بجتی تو اندر بیت الخلاء جا کے حضرت مولانا صاحبؒ کو درست انداز میں بٹھانا۔ پھر احتیاط سے وضو کرانا اور مکمل سکھا کر کمر پر اٹھا کر بیت الخلاء سے باہر لے آنا اور چارپائی میں بٹھا کر کپڑے پہنانا اور پھر نماز کے لئے قبلہ رُخ کر کے سیدھا بٹھانا، پھر سردیوں میں سردی سے بچنے کے لئے کمبل یا موٹی چادر سے حضرت مولانا صاحبؒ کو اچھے طریقے سے اوڑھانا۔ یہ طریقہ ہر نماز یا وضو کے بعد کرنا پڑتا تھا۔

بہرحال رات کے نفلوں سے فراغت کے بعد ذکر میں مشغول ہوتے۔ تاوقت کہ فجر کا وقت ہوتا اور اِن کے مصاحب خواص جناب شیر حسن صاحب مد ظلہٗ اور جناب میر حاتم صاحب مد ظلہٗ تشریف لاتے۔ نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد خطوط

کے جوابات جناب میر حاتم صاحب مد ظلہٗ کے ذمہ تھے۔ اشراق تک خطوط کے جوابات لکھوانے میں مصروف ہوتے۔ نماز اشراق سے فارغ ہوتے ہی ناشتہ آجاتا۔ ایک آدھ مہمان تو ضرور ہوتا ورنہ حضرت مولانا صاحبؒ گھر والوں کے ساتھ اکٹھے ناشتہ نوش فرمایا کرتے، اور پھر کچھ دیر کے لئے ستانے کی غرض سے لیٹ جاتے اور چاشت کے وقت جاگ کر وضو اور بیت الخلاء سے فارغ ہو کر یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہوتے۔ ڈیپارٹمنٹ کو عموماً احقر ہی لے جاتا مگر کبھی کبھار چپڑاسی یا کوئی طالب علم کو یہ سعادت نصیب ہوتی۔ الغرض ظہر تک حضرت مولانا صاحبؒ یونیورسٹی ہی میں گذارتا۔ ظہر کی نماز گھر پر پڑھتے اور ڈاک وغیرہ چیک کر کے مہمانوں سے گفتگو فرمانے کے بعد آرام فرماتے۔ عصر کے وقت اٹھتے اور بیت الخلاء اور وضو کے بعد مجلس شروع ہو جاتی۔ یہ بہت ضروری عمومی مجلس ہوتی۔ جس میں سوال جواب بھی ہوتا۔ یہ بیان عموماً حضرت شیر حسن صاحب مد ظلہٗ قلمبند فرماتے۔

جمعہ کے روز عصر کے بعد ختمِ قرآن ہوتا۔ جس کی وجہ سے مجمع کافی زیادہ ہوتا۔ روح پرور دُعا کے بعد شیرینی بھی تقسیم ہوتی اور پھر نماز سے فارغ ہو کر اکثر مجمع برخاست ہو جاتا۔ پھر بھی قدرے کم مجمع تا وقت عشاء انفرادی و اجتماعی مشورے کرنے تک رہتا۔ نماز کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور ضروری گفتگو کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کا بیت الخلاء کا سلسلہ شروع ہوتا اور پھر آرام فرماتے۔ حضرت مولانا صاحبؒ پر بیک وقت کئی بیماریاں حملہ آور تھیں۔ اُن کے لئے ترتیب وار دوائیاں دی جاتی تھیں۔ اُن سب کا ترتیب سے ذہن نشین رکھنا ضروری ہوتا تھا۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ خود ہی لیٹنا پڑتا تھا۔ حضرت کے سینہ

مبارک سے ذکر جہر جاری رہتا اور کمرے کو روحانی فضاء سے مُعطر فرماتے۔ آخری دِنوں میں کمزوری کے ساتھ ذکری گونج میں بھی یک گونہ کمزوری آئی ہوئی تھی۔ اس کمزوری کے پیش نظر خدماء کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی۔ شروع شروع میں حضرت کو ایک آدمی آسانی سے وضو کرواتا تھا۔ پھر دو بندوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آخیر میں تین بندے وضوء کراتے تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ سفر میں بھی ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ اِس لئے دوران سفر اچانک حاجت ہوتی تو دو تین خادم آناً فاناً عارضی بیت الخلاء تشکیل دیتے اور پھر فراغت کے بعد وضوء بھی فرماتے اور رخت سفر باندھتے۔ ایک دفعہ جلال کی کیفیت میں فرمایا۔ جب پانی سر سے اُوپر جاتا ہے تو کچھ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر اُن لوگوں کی طرف اشارتاً فرمایا۔ جن سے کچھ گستاخی سرزد ہوئی تھی۔ حالانکہ حضرت مولانا صاحبؒ بزرگوں میں مشفق زیادہ مشہور تھے۔ اس سلسلے میں خود ہی ایک دفعہ خواب کا ذکر کیا کہ رات کو حضرت عائشہؓ گھر آئی تھی۔ پھر خود ہی تعبیر فرمانے لگے کہ حضرت ماں جیؓ کا بھی اِس جیسے حالات سے گذر ہوا تھا۔ اس طرح ایک دفعہ حلقے میں کسی ساتھی کو بھی حضور ﷺ کا دیدار نصیب ہوا تھا۔ موقع ایسا تھا کہ دستر خوان چُنا گیا تھا اور حضور ﷺ کے سامنے مولی کی پلیٹ پڑی تھی۔ چونکہ حضور ﷺ کو مولی پسند نہیں تھی۔ اِس کی تعبیر میں حضرت مولانا صاحبؒ نے بتایا کہ یہ وہ عمل ہے۔ جس سے حضور ﷺ کو نفرت تھی یعنی بہتان تراشی کی طرف اشارہ تھا۔

میں نے دِل میں اِرادہ کیا تھا کہ بقایا زندگی حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں ہی گذار دوں گا۔ کوئی اور کام نہیں کروں گا۔ میرے ارادے کو حضرت مولانا

صاحبؒ تاڑ گئے اور مجھے ملازمت کرنے کی ترغیب دیتے رہتے تاوقتیکہ میں کام کرنے کے لئے تیار ہوا۔ لیکن پشاور سے باہر جانے کو تیار پھر بھی نہیں تھا۔ الغرض اس پر بھی حضرت مولانا صاحبؒ زور شور سے ترغیب دیتے رہے۔ بالآخر پشاور سے باہر سروس کرنے کے لئے بھی تیار ہوا۔ اس سلسلے میں دو چار مہینوں کے لئے پشاور سے باہر جانا پڑا۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں ایک سال رہنے کا موقع ملا۔

حضرت مولانا صاحبؒ اپنے رشتہ داروں کا بے حد اکرام فرماتے تھے۔ علماء کرام کی دِل سے عزت کرتے تھے۔ اپنے بزرگوں کی خدمت میں جانے پر ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ وحضرت مولانا محمد ایوب بنوریؒ کے ہاں عموماً حاضری دیتے تھے۔ اور اُن کو بھی اپنے ہاں مدعو فرماتے تھے۔

بدعتوں، گمراہیوں اور دینی مختلف آراء والوں کا ذکر کرتے ہوئے سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ سے سیدھے راہ چلنے پر شکریہ ادا فرماتے اور چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا کر آنکھیں بند کر کے اللہ تیرا شکر کہتے اور پھر ''الحمدللہ'' کہتے۔ کسی کام کو ارادہ کرتے تو نبھاء کر ہی چھوڑ دیتے۔ چنانچہ قادیانیوں اور مسئلہ رجم کے سلسلہ اور درویش مسجد صدر کا معاملہ مثال ہے۔ اور اِن ہی مقدمات کے سلسلے میں لاہور اور اسلام آباد کے عدالتوں میں کئی بار جانا پڑا۔

بہرحال زندگی کے سفر میں انتہائی معذوری کے عالم میں بھی جوان مردی دکھاتے رہے۔ جسمانی نقاہت اس حد تک ہو چکی تھی کہ بے ساختہ جہری ذکر ''اللہ'' کی گونج مشکل سے ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی سنائی دیتی تھی۔ یوں حضرت مولانا صاحبؒ کی

مجاہدانہ، مستعدانہ زندگی آخرکار 19 اکتوبر 1995ء بروز منگل علی الصبح ساڑھے پانچ بجے میڈیکل کمپلیکس پمز ہسپتال، اسلام آباد میں اِلااللہ کی گونج سے آخری بار اختتام کو پہنچ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

مصنوعی تنفسی آلات سے حرکت قلب بحال کردی گئی۔ بالآخر 10½ بجے ڈاکٹروں کے مشورے سے مصنوعی تنافسی سسٹم کو ہٹانے کے ساتھ ہی حرکت قلب بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی۔ ساتھیوں نے ایمبولینس تیار کی تھی۔ جلدی ہی پشاور کے لئے روانہ ہوئے۔ 2 بجے مقام پر پہنچ گئے۔ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ جنازے کو تیار کر کے اسلامیہ کالج کے گراؤنڈ میں حضرت مولانا محمد ایوب بنوریؒ نے نماز پڑھائی۔ یونیورسٹی کے قبرستان میں تجہیز و تدفین مکمل کرلی گئی۔

قاضی فضل واحد رورل اکیڈمی آف پاکستان

قاضی فضل واحد صاحب رورل اکیڈیمی والے نے حضرت مولانا صاحبؒ کے بارے میں اپنے تأثرات اس طرح قلمبند کئے۔

فون: از طرف جناب محترم حاجی پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم صاحب، خلیفہ راشد حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ مقولہ ''حکم حاکم مرگ مفاجات'' تو سُنا تھا۔ مگر یہ اَمر احقر کے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری سے کسی قدر بھی کم نہ تھی کہ ذکر میر امجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہو۔ جو کتاب حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے بارے میں لکھی جارہی ہے اور مواد اکٹھا کیا جارہا ہے۔ اس میں چند سطور بے برکت (معافی چاہتا ہوں) اس بندے کی بھی شامل کئے جانے کے قابل سمجھے جائیں گے۔ (زہے نصیب)

اربعین ولی اللہی اور حضرت مولانا صاحبؒ کے چہل احادیث الحمدللہ بندہ حفظ

کر چکا ہے۔ اور بھول جانے کے خوف سے روزانہ تکرار بھی کرنا پڑتا ہے، کے مقدمّہ میں حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی کا یہ فقرہ بے حد پسند آیا ہے۔ ''اُنگلی کٹا کے نہیں بلکہ دوسروں کے خون میں اُنگلی آلودہ کر کے شہیدوں میں نام لکھنا''[88]۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بارے میں تحریر شدہ قصیدہ میں تصرّف کی جسارت کرنے پر معافی کا خواستگار ہوں۔

یہ رندی (قاضی) بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو ترا وہ ترے اوصاف پہچانے

صاحب ہدایہ سے منقول ہے کہ وہ کتاب کے شروع کرنے کا بدھ کے دِن اہتمام کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو چیز بدھ کے دِن سے شروع کی جاتی ہے۔ وہ اختتام کو پہنچتی ہے۔ (شرح تعلیم المتعلم، بہشتی زیور)

بحوالہ اسوۂ حسنہ رسول اکرم ﷺ۔ ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب، عارف باللہ

(حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ پہلی ملاقات 1967ء کو)۔

راقم اسلامیہ کالج پشاور سال دوم کا طالب علم تھا۔ چمسفورڈ ہاسٹل کمرہ نمبر 13 میں ایک کلاس فیلو مسند خان خٹک کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ اُس کا بھائی ڈاکٹر تھا۔ شاید حمزہ خان خٹک نام تھا۔

ایک دفعہ اپنے بھائی سے ملنے کے لئے آیا۔ تو باتوں باتوں میں اُسے کہا کہ اپنے روم میٹ کو حضرت مولانا صاحبؒ سے مِلاؤ۔ پھر وہ مجھے لے گیا۔ حسب عادت مٹھائی / لڈو سے خاطر تواضع کی گئی۔ باتیں یاد نہیں رہتیں لیکن کھلایا پلایا تو یقیناً یاد رہتا

88 ص: 48، حکیم الامت کیا ہے؟ تقی عثمانی۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ، 1435ھ۔

ہے۔ واپسی پر ساتھی سے کہا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کیسے اچھے آدمی ہیں۔ میٹھی باتیں اور مٹھائیاں۔ اللہ جل شانہ کا بندہ پر کرم ہوا۔ ایف ایس سی امتحان ختم ہوتے ہی چلّہ کے لئے رائے ونڈ چلا گیا اور چھٹیوں سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے دو ماہ گذار کر واپس ہوا۔ تھرڈ ائیر میں داخل ہوا۔ اب تو اللہ کا ایسا کرم ہوا کہ ہفتہ میں ایک دو بار ضرور حضرت مولانا صاحبؒ کے بیانات سُنتا رہا۔ جمعہ مبارک کے دِن یونیورسٹی کے تمام تبلیغی احباب حضرت مولانا صاحبؒ کے زیر اَمارت مشورہ میں شریک ہوتے تھے اور پورے ہفتہ کے دوران گشتوں اور بیانات کے انتظامات وانصرام تشکیل پاتے تھے۔

شبِ جمعہ تبلیغی مرکز خواجہ معروف مسجد میں اکثر بیانات حضرت مولانا صاحبؒ ہی فرمایا کرتے تھے۔ اور احقر بفضلہ سبحانہ و تعالیٰ پورے جوش و خروش سے شریک ہوتا تھا اور بقدرِ ظرف اور بتوفیق ایزدی مستفید ہوتا رہا۔ البتہ کم علمی، کم فہمی اور شاید کم عمری کی وجہ سے بیعت وارادت کی طرف متوجہ نہ ہوسکا۔ پھر ایک دفعہ مفتی زین العابدین صاحبؒ کا ایک مُرید کو (چادر میں سر مُنہ چھپا کر ذکر ذوق وشوق سے کر رہا تھا) دیکھا۔ تو پوچھنے پر بتایا کہ یہ پیر کا بتایا ہوا وظیفہ تھا۔ اب اُسی جذبہ شوق اور طلب کے ساتھ حضرت مولانا صاحبؒ سے مِلتا تھا۔ مگر اظہارِ جرأت نہیں کر سکا۔ آخر وہ مبارک ساعت اور گھڑی پہنچ گئی (یعنی 4 جنوری 1972ء)۔ جبکہ اور دو ساتھی (بشیر احمد صاحب، پبّی امان کوٹ والے، ایم ایس سی کیمسٹری کے طالب علم اور مطیع اللہ انجینئرنگ کالج کے طالب علم) اسی غرض کو لے کر حضرت مولانا صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت ہوگئے۔ چپ چاپ، خاموشی کے مہر لب پر لیتے ہوئے مگر دل کے اندر روحانی سکون، بجلی کی سی چمک، کس کو دکھائیں کس کو بتائیں۔

اُن دنوں بندہ اے۔جی آفس میں ملازم تھا۔ سول کوارٹرز میں رہائش پذیر تھا۔ مگر وہاں کے اکثر ساتھی (خصوصی طور پر امان اللہ صاحب (مرحوم) صوابی، کریم النفس، کم گو، ہنس مکھ، معمّر، آنکھوں سے معذور۔ ریٹائرڈ مگر باہمت جماعت کے پابند عبداللطیف صاحب (مرحوم)، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نیز حضرت مولانا صاحبؒ سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ مسجد کے پیش امام وخطیب جو دیوبند کے دارالعلوم سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ حضرت عبدالغفور مدنیؒ کے خلیفہ مجاز، انتہائی سنجیدہ، بارعب، یکسوئی پسند، متواضع، دارالعلوم سرحد میں 35 سال دورۂ حدیث کے طلباء کو پڑھانے والے دارالعلوم دیوبند میں علامہ سید شمس الحق افغانیؒ اور مفتی اعظم کفایت اللہ صاحب کے شاگرد حضرت مولانا صاحبؒ کے انتہائی مدّاح تھے۔ طالب علمی کے زمانہ سے آپؒ کے اخلاق حمیدہ، چال ڈھال سے متأثر تھے۔

ایک عجیب بات، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے ہاں ہندوستان کے اکابرین اور رائے ونڈ کے اکثر حضرات سول کوارٹرز کی جامعہ مسجد میں تبلیغی جماعت کے ہمراہ آتے تھے۔

علاوہ ازیں گرد و پیش کے علماء، دیوبند کے فضلاء بھی اسی چشمہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ عجب بات یہ کہ ایک دفعہ سُنا کہ معمّر ترین شخصیت (جو اُناسی واں حج پر تشریف لے جارہے تھے اور یہ 1974ء کی بات ہے)۔

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے ہاں سیّد عبدالمعبود صاحب تشریف لائے۔ اُن سے ملنے کے لئے محمد حسین خان (مرحوم)، زرعی کالج کے پرنسپل بھی آئے۔ بندہ خوش قسمتی سے موجود تھا۔ باتوں باتوں میں حضرت مولانا محمد اشرف

صاحبؒ کا نام نامی آیا۔ تو سیّد صاحب نے فرمایا کہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔ میں نے یہی جُملہ بعد میں مولانا صاحبؒ سے کہا تو ہنس پڑے اور فرمایا100-120 سال کے مقابلہ میں تو ہم لڑکے ہیں۔

سیّدی و مخدومی حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ کی مجلس عام عموماً نماز عصر کے بعد لگتی تھی۔ مٹھائی، گلاب جامن، برفی سے ہر ایک کی فوراً خاطر تواضع ہوتی تھی۔ پھر کوئی خود سوال کر بیٹھتا یا پھر حضرتؒ استفسار فرماتے۔ راقم نے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت عشق کیا ہے؟ ہنس کر فرمانے لگے۔ تیری دیوانگی۔ پھر فرمایا: یہ تین حروف کا مجموعہ ہے۔ ع ش ق۔

ع: عفّت سے نکلا۔ حیاء، پاکیزگی، طہارت، دل و نگاہ کی پاکیزگی اور جملہ اعضاءِ جسم کی پاکیزگی۔ فرمایا کہ پہلے نگاہ پڑتی ہے۔ پھر پاؤں غلط قدم اُٹھاتے ہیں۔ پھر ہاتھ لذّتِ نفس کی خاطر مصافحہ کرتا ہے۔ جو کہ حرام ہے۔ پھر دل میں گدگدی سی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے بعد جسم سے نکلنے والے سارے اعمال بگڑ جاتے ہیں (یہ عشق نہیں فسق ہے)۔

ش: شوق لقاء اللہ سے نکلا ہے۔ اللہ جل شانہ سے ملنے کا شوق ہے۔ اُن سے اکثر یہی سنتے تھے کہ اللہ جل شانہ حضرت عزرائیل علیہ السلام پر رحم فرماویں۔ وہ تو ہمیں محبوب سے ملاتا ہے۔

ق: قائم بامر اللہ سے نکلا ہے۔ اللہ جل شانہ کے حکموں پر قائم ہو۔ فرماتے تھے کہ جنت دو قدم کے فاصلے پر ہے ایک قدم نفس پر رکھو، تو دوسرا جنت میں ہو گا۔
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى○فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى○

(سورہ النازعات)

حضرت مولانا صاحبؒ اکثر نوجوانوں کے نام پوچھ کر، مضامین، جن کو پڑھتے تھے۔ پیشہ وغیرہ، بامقصد گفتگو، علمی شگوفے ایک انوکھے انداز میں فرماتے تھے۔ بندہ کی موجودگی میں ایک ساتھی سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا ڈرائیور ہوں۔ فرمایا: گاڑی میں بیٹھ کر منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے چار چیزوں کی دیکھ بھال بہت زیادہ ضروری ہے۔

1۔ سٹیرینگ 2۔ بریک 3۔ ایکسیلٹر 4۔ روڈ اور راستے کا ٹھیک اور درست ہونا۔

انسانی گاڑی (نفس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) میں سٹیرینگ ارادہ، نیّت اور قصد وعزم ہے۔ یہ اختیاری ہوتا ہے، جس طرح سٹیرینگ کو گمانا۔ ایکسلیٹر یعنی نفس کو دبانے سے (خواہشات اور وہ بھی جو حرام ہیں) انسان کی روحانی رفتار بڑھا جاتی ہے۔ البتہ تقویٰ (کا بریک) مضبوط ہو تاکہ گناہ کے حادثہ سے آدمی بچ سکے۔ ورنہ بڑے حادثہ کی صورت میں جس طرح جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے مہلکات میں پڑ جانے سے ایمان کے چلے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ روڈ، راستہ، طریقہ۔ وہ صرف اور صرف حضور اقدس ﷺ والا راستہ ہے۔ ان ربی علی صراط مستقیم۔ رب سیدھے راستہ پر چل کر ملتا ہے اور وہ ہی راستہ ہے جو حضور اقدس ﷺ والا راستہ ہے۔ انك لمن المرسلين على صراط مستقيم۔

محمد طارق اعوان ٹھیکیدار

میرا نام محمد طارق اعوان ہے اور حضرت مولانا صاحبؒ کے متعلقین میں طارق ٹھیکیدار کے نام سے مشہور ہوں۔ 14 اگست 1947ء میری پیدائش کا مبارک دِن ہے۔ طالب العلمی میں والد صاحب کے بعد بڑے بھائی کفالت کرتے تھے۔ اُن کی جوان مرگی

کی وجہ سے وہ سہارا بھی چھوٹ گیا۔ اور 1968ء میں گورنمنٹ کالج، پشاور سے بی اے کرنے کے بعد واپڈا میں جونیئر کلرک بھرتی ہوا۔ خوش قسمتی سے میرے دفتر کے انچارج امان اللہ صاحب تھے۔ جن کا حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ شناسائی اور آنا جانا ہوتا تھا۔ اُن کی وساطت سے حضرت مولانا صاحبؒ کے سرکاری مکان اسلامیہ کالج میں حاضری ہوئی۔ عزیز خان کشمیری اور دوسرے ساتھی شیر حسن، میر حاتم وغیرہ سے تعارف ہوا۔ غالباً 1969ء تھا کہ حضرت مولانا صاحبؒ جوڑ میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے تھے۔ فرمایا: میرے اُٹھاؤ بٹھاؤ تو ہیں لیکن سامان اُٹھانے والا کوئی ساتھ نہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا: بیٹا! آپ نے جانا ہے ہمارے ساتھ؟ اِس طرح پہلی بار بندہ کو حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ سفر پر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نہ تو میں نے کبھی وقت لگایا تھا اور نہ تبلیغ سے کوئی واقفیت تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ رائے ونڈ میں دَس دِن لگائے اور حضرت مولانا صاحبؒ سے محبت، عقیدت کا وہ رشتہ استوار ہوا، جو میری زندگی کا حاصل اور عمر بھر کا اثاثہ رہا۔ حضرت مولانا صاحبؒ بہت شفقت سے پیش آتے اور عزیز رکھتے۔

میرے والد صاحب تعمیر کا کام کرتے تھے اور اکثر مساجد بنانے میں زندگی گذاری۔ بندہ نوکری کے ساتھ تعمیر و ٹھیکیداری کی بھی تربیت حاصل کرتا رہا اور جب بندہ نے 1973ء میں اپنا لیٹر پیڈ بنوا کر حضرت مولانا صاحبؒ کو بھیجا، تو مولانا صاحبؒ نے اپنے چلّے میں کوئٹہ سے کارڈ لکھ کر دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دینی و دنیاوی ٹھیکیداری میں کامیاب کرے۔ اُسی دعا کا اثر ہے کہ بندہ آج تک کامیاب و کامران چلا آرہا ہے۔

مولانا صاحبؒ سے بندہ نے عرض کیا کہ میرے پاس صرف ایک سکوٹر ہے۔ چاہتا ہوں کہ گاڑی کے ساتھ آپ کی خدمت کروں۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ فری میسن

لاج مولانا صاحبؒ کے نام مسجد بنانے کے لئے وقف ہو چکا تھا۔ مولانا صاحبؒ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے میر حاتم کی گاڑی میں تشریف لائے تھے۔ جو وہ فروخت کرنا چاہتے تھے۔ بندہ نے مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارا سودا کرادیں، اور بندہ نے اُن کی گاڑی خرید لی۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا: بیٹا! آپ نے ہماری گاڑی خرید لی۔ اب ہمارا کیا بنے گا؟ بندہ نے نماز جمعہ کے لئے لے جانے کی ذمہ داری قبول کرلی۔ جو بحمد اللہ مولانا صاحبؒ کے وفات تک باقاعدگی سے نبھاتا رہا۔ اِس کے علاوہ بھی مولانا صاحبؒ کے لے جانے یا اُن کے گھر والوں کی گاڑی کی ضروریات کو پورا کرتا رہا۔ بندہ کو اِس پر فخر ہے کہ مولانا صاحبؒ کا ڈرائیور رہا۔

1979ء میں میری شادی کے موقع پر بارات نے راولپنڈی جانا تھا۔ مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ سفر لمبا ہے۔ آپ تکلیف نہ کریں، لیکن حیرانگی ہوئی کہ مولانا صاحبؒ معہ نعمان صاحب اور شیر حسن کے بارات روانگی سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ 1980ء میں اپنا مکان شروع کرتے وقت مولانا صاحبؒ سے اینٹ دَم کرا کر بنیاد میں رکھ دی۔ جس کی برکت ہمیں آج تک محسوس ہو رہی ہے کہ گھر و کاروبار میں برکت ہو رہی ہے۔

ایک دفعہ اکیلے میں میں نے مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اپنے پچیس مُریدوں کو خلافت عطا فرمائی۔ میں بھی اُن کا ساتھی تھا، ہمیں بھی تو کچھ عطا فرماویں، تو اُنہوں نے تین بار یہ اِرشاد فرمایا: ”ہر چہ خدمت کرد او مخدوم شد“۔

مولانا صاحبؒ کی رحلت کے بعد ہر دَم اُن کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ میر حاتم صاحب کا شکر گذار ہوں کہ اُنہوں نے مجھے اِس قابل سمجھا کہ مولانا صاحبؒ کے ساتھ

اپنے گذارے ہوئے اوقات اور اپنے تاثرات کو قلمبند کر دوں۔ مولانا صاحبؒ کی دعاؤں اور اُن کی برکات کے طفیل ابھی تک بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ یادیں بہت ہیں، جو بیان کر دیں اور جو بیان میں نہیں آسکتیں۔

پروفیسر محمد عالمگیر انجینئرنگ یونیورسٹی، پشاور

ایگریکلچرل انجینئرنگ کے پروفیسر محمد عالمگیر صاحب مولانا صاحبؒ کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار اِس طرح فرماتے ہیں کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شُکر ہے جس نے اپنے محبوب اور مقبول بندے مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے متعلق کچھ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ حقیقت ہے کہ مُجھ جیسا کمزور بے قیمت اور گناہ گار اتنی بڑی شخصیت کے متعلق کیا لکھ سکتا ہے۔ مگر اپنے محترم و مکرّم اُستاد اور جناب مولانا صاحبؒ کے خلیفہ اجل جناب پروفیسر ڈاکٹر میر حاتم صاحب کے حسب حکم کچھ سُپرد قلم کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ جناب مولانا صاحبؒ اللہ کے بہت بڑے ولی تو تھے ہی۔ بطور انسان اللہ تعالیٰ نے جن اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا وہ بھی مجھ جیسا تہی دامن کیا بیان کر سکتا ہے۔ جناب مولانا صاحبؒ کے بندہ پر احسانات بے شمار رہے۔ جناب مولانا صاحبؒ بندہ پر والد سے زیادہ شفیق و مہربان تھے۔ 1979ء میں بندہ نے تین ماہ تک زرعی انجینئرنگ کے محکمہ میں نوکری کی مگر رشوت اور لوٹ مار کی وجہ سے استعفیٰ دینا پڑا اور مانسہرہ سے واپس پشاور آنا پڑا۔ چند دِن بعد رمضان شریف شروع ہو گیا۔ بندہ عشاء اور تراویح پڑھنے جناب ڈاکٹر فدا محمد دامت و برکاتہم کے ساتھ جناب مولانا صاحبؒ کے ہاں حاضر ہوتا۔ مولانا صاحبؒ روز پوچھتے کہ بیٹا کچھ ہوا، میں جواب عرض کرتا کہ کچھ نہیں ہوا۔ یہ ستائیس رمضان کا ذکر ہے۔ جناب مولانا صاحبؒ نے حسب معمول پوچھا کہ کچھ ہوا۔ میں نے

عرض کیا کچھ نہیں ہوا۔ جناب مولانا صاحبؒ نے تمام حاضرین جن میں جناب مولانا صاحبؒ کے اجل خلفاء موجود تھے، سے فرمایا کہ ہاتھ اُٹھاؤ سب نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جناب مولانا صاحبؒ خود بھی روئے اور تمام حاضرین مجلس بھی روئے جناب مولانا صاحبؒ بار بار یہ فرماتے رہے۔ یااللہ اس کا کام کردے۔ دُعا کے بعد جناب پروفیسر میر حاتم صاحب نے فرمایا کہ نوکری کے لئے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں درخواست دے دو، میں سمجھا نہیں تو جناب میر حاتم صاحب نے فرمایا: گورنر فضل حق صاحب نے تمام محکموں میں خالی آسامیاں پُر کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ حسب حکم میر حاتم صاحب میں صبح سادہ کاغذ پر درخواست لکھ کر ایگریکلچرل انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ، انجینئرنگ کالج، پشاور یونیورسٹی پہلے اپنے چیئرمین جناب پروفیسر ارشد عزیز صاحب کے پاس گیا۔ اُنہوں نے زور دار طریقے سے درخواست پر تعریفی کلمات اور سفارشات ثبت فرمائے۔ درخواست لیکر ڈین صاحب جناب اقبال حُسین شاہ کے پاس گیا۔ اُنہوں نے چند سوالات پوچھے اور زوردار سفارش ثبت فرمادی اور وہی کاغذ لیکر حسب ہدایت ڈین صاحب، پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب اسماعیل سیٹھی صاحب کے دفتر حاضر ہوا۔ جناب پروفیسر مسرت حسین شاہ وی۔ سی کے پاس تشریف فرما تھے۔ مسرت صاحبؒ نے اِشارے سے پوچھا کیسے آئے؟ میں نے درخواست آگے کردی۔ اُنہوں نے درخواست لے لی اور مجھے خاموش بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں حضرات تقریباً 20 منٹ تک گفتگو فرماتے رہے۔ اِس دوران جناب وی۔ سی صاحب نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ میں نے بات کرنی چاہی کہ سیّد مسرت حسین شاہ صاحبؒ نے وی۔ سی صاحب سے کہا۔ یہ میرے بڑے ذہین اور قابل شاگرد ہیں۔ بڑی تعریفیں کیں تو

وی۔ سی صاحب نے میری درخواست پر صرف دو لفظ یعنی Adhoc Agreed لکھ دیا۔ مسرت صاحب نے فرمایا۔ نیچے جاکر اکاؤنٹنٹ سے اپنی تنخواہ بنوالو۔ میں سیڑھیوں تک پُہنچا تو مسرت شاہ صاحبؒ نے کمر میں ایک دھپ رسید کی اور فرمایا، مُبارک ہو، لیکچرر ہوگئے۔ جناب مولانا صاحبؒ کی دُعا کی برکت سے ایک ہی دِن میں گزیٹڈ سترہ (17) گریڈ کی نوکری مل گئی۔ 1995ء کے حج کے دوران جناب مولانا صاحبؒ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مانسہرے کے حبیب الرحمان صاحب کی بلڈنگ میں رہائش پذیر تھے۔ جناب مولانا صاحبؒ سے ایک دِن عرض کیا کہ آپ کا نام ہر جگہ پہنچ گیا ہے۔ جناب مولانا صاحبؒ یہ سُن کر ہنسے اور فرمایا: بیٹے! وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ جب کینیڈا میں تھا تو حضرت شیخ مولانا ذکریا صاحبؒ کے دو خلفاء جناب مولانا مظہر عالم صاحب دامت برکاتہم اور جناب ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جب تعارف ہوا تو میں نے بتایا کہ میں مولانا محمد اشرف صاحب سے بیعت ہوں۔ اِس کے بعد جب بھی اُن کی مجلس میں حاضری ہوئی وہ استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ میں عرض کرتا کہ آپ مجھے گناہ گار کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے تمہیں پتہ ہے تم کِس کے مُرید ہو۔ اِسی طرح اِنگلینڈ میں مفتی مقبول صاحب جو 80 سال کی عمر کے بُزرگ عالم تھے۔ اُن سے جب ملاقات ہوئی اور میں نے جناب مولانا صاحبؒ سے اپنی بیعت کا حال سُنایا تو اُنہوں نے فرمایا یہ تمہارے لئے حکم ہے کہ تم ڈبل بیڈ پر سوو گے اور میں (یعنی مُفتی مقبول صاحب) فرش پر میں نے بُہت اصرار کیا کہ حضرت آپ بوڑھے ہیں۔ مگر اُنہوں نے پھر فرمایا۔ یہ میرا حکم ہے اور فرمایا: تمہیں پتہ ہے تُم کِس کے مُرید ہو۔ جناب مولانا صاحبؒ کو اللہ پاک نے جو مقبولیت و محبوبیّت بین الاولیاء عطا فرمائی تھی۔ اُس کی ایک

جھلک جو مُجھ جیسے کم مایہ نے دیکھی دکھا کر اِس بیان کو ختم کرتا ہوں۔

1981ء کے حج میں ایک دِن مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحبؒ سے ملاقات کے لئے عصر کی نماز کے بعد اُن کے مدرسے جائیں گے۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ وہاں پہنچے تو جناب شیخ الحدیث صاحبؒ صاحب فراش تھے۔ چارپائی پر آرام فرمارہے تھے۔ ایک ہاتھ تکیے پر رکھا تھا۔ ملنے والا حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا اور مجلس میں بیٹھ جاتا۔ جب مولانا صاحبؒ اور ہم سب مجلس میں پہنچے تو شیخ الحدیثؒ کے خادم نے اُن کے کان میں کہا کہ مولانا اشرف تشریف لائے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے پوچھا۔ کونسے مولانا اشرف۔ تو خادم نے کہا پشاور والے یہ سُنتے ہی حضرت شیخ الحدیثؒ کے بدن مبارک میں گویا بجلی سی دوڑ گئی فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور جناب مولانا صاحبؒ سے خوب زوردار معانقہ کیا۔ ہم سب نے بھی مصافحہ کیا۔ دونوں حضرات مغرب تک محو گفتگو رہے۔ آہستہ آہستہ اللہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں؟ بہر حال مولانا صاحبؒ جیسے حضرات صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ اُن کی قبر مبارک کو نور سے بھر دے اور درجات کو بُلند فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر جمیل احمد خلافتی

ڈاکٹر جمیل احمد خلافتی فرماتے ہیں کہ میں نہ تو مولانا اشرف صاحب کا خلیفہ ہوں اور نہ اُن کا مُرید رہ چکا ہوں۔ بس 1985 سے اُن سے ویسے تعلق رہا۔ مجھے اُن کی مجلس پسند تھی اور اُن کو میری اُردو اور انگریزی تحاریر جو وہ بڑے غور سے پڑھتے اور لطف اندوز ہوتے۔ اس وجہ سے وہ میری بہت قدر کرتے تھے۔ کبھی کہتے ''آپ میڈیکل سے زیادہ پی ایچ۔ڈی ڈاکٹر معلوم ہوتے ہیں۔

صوفیائے کرام اور بزرگان دین جن امور پر خود کاربند ہوتے ہیں یا اوروں کے لئے تجویز فرماتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح انسان کو ذہنی روحانی اور دیگر بیش بہا فوائد سے نوازتے ہیں۔ اس بنیاد پر مولانا صاحبؒ نے ہر جمعہ کو عصر کی نماز کے بعد اپنی خانقاہ میں محفل ختم قرآن کی روایت قائم کی تھی۔ یہ محفل اگر ایک طرف طبی نقطہ نگاہ سے اعلیٰ نوعیت کی نفسیاتی اور روحانی گروپ تھراپی تھی تو دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں خیر وبرکات و انوارات سے سرشار مجلس تھی۔ پھر اس محفل میں جب نہایت خلوص اور خشوع و خضوع کے ساتھ دِل کی گہرائیوں سے دُعا کے لئے اجتماعی طور پر لوگوں کے لرزتے ہوئے ہاتھ اُٹھتے تھے، تو اللہ تعالیٰ کی غیور ذات بندوں پر رحم فرما کر اُن کی دعائیں قبول فرماتے۔ سُنا ہے اب پھر سے ختم قرآن کا سلسلہ جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد شروع کیا گیا ہے۔ لیکن اب وہ منظر وہ سماں اور وہ وارفتگی کہاں

رفت ساقی سوئے ساقی اُف تہی مے خانہ شد
ماند تشنہ ہر بشر گم گشتہ چوں پیمانہ شد

ترجمہ: ساقی اپنے ساقی کی طرف چلا گیا۔ ہائے افسوس! کہ مے خانہ خالی ہو گیا۔ پیمانہ گم ہو گیا اور ہر بندہ پیاسارہ گیا۔

جہانزیب لیبارٹری ٹیکنیشن

جہانزیب لیبارٹری ٹیک نیشن آف آگرہ میانہ چارسدہ فرماتے ہیں۔

بندہ کا نام جہانزیب ولد فضل ودود مشہور دریا سردریاب کے قریب موضع آگرہ میانہ سے تعلق ہے۔ 2013ء میں BPS-17 ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ سے ریٹائر ہوا۔

بندہ KMC میں ایک کورس کے سلسلے میں ہاسٹل میں مقیم تھا۔ اُن دِنوں ہاسٹل نمبر 8 کے وارڈن پروفیسر جان محمد صاحب تھے، جو اپنے علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ہاسٹل کے مقامی گشت میں جُڑ تا تھا۔ امام دین جو بعد میں انجینئر بنے امیر تھے۔ بندہ کے پاس سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ سید سلیمان ندویؒ دیکھ کر مولانا صاحبؒ کے پاس لے گئے اور بیعت کروایا کہ ضائع نہ ہو جاوے۔ امام دین اچھی سوچ کے مالک تھے۔ بندہ نے حضرت کو 1975ء سے 1995ء تک کے عرصہ میں 288 خطوط لکھے۔ مولانا صاحبؒ کے بعد تعلق حضرت میر حاتم صاحب سے قائم کیا۔ اُن کو لکھے گئے خطوط کی مقدار 112 ہے۔ جو 1995ء سے 2012ء تک کے عرصے میں لکھے گئے۔ بندہ کا تعلق دیہات سے ہے۔ یہاں اِکا دُکا تصوّف کو جانتے ہیں ورنہ 90% لوگ نہیں جانتے یا سمجھتے۔ اِس لئے اکتوبر 2007ء میں خلافت ملنے کے بعد کسی سے تعلق ارادت قائم نہیں کیا۔ دیہات میں تبلیغی جماعت کا کچھ اثر ہے۔ اُن کے ساتھ جُڑ تا ہوں۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے بارے میں میرے تاثرات مندرجہ ذیل ہیں:

- حضرت ایک اعلیٰ درجہ کے انسان تھے، جن میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
- حضرت مُریدین پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ اس کے بارے میں ایک واقعہ ہے۔ بندہ اکثر منگل کے دِن حاضری دیتا تھا۔ ایک منگل حاضر ہوا۔ فرمایا: بندہ کو مخاطب کر کے کہ اگلے منگل کو جب آپ (بندہ) آؤ گے تو ہم نہیں ہوں گے یعنی حج پر چلے گئے ہوں گے۔ بندہ حیران ہوا کہ حضرتؒ کتنی

یادداشت اور شفقت مُریدین پر رکھتے ہیں۔

- بعد از وفات یہ عُقدہ کھلا کہ ایسی ہستیاں دُنیا میں کم ہیں۔
- حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ پر اتنی مختلف ترغیبیں دیں کہ اس پر چھوٹی سی کتاب بن سکتی ہے۔
- اُنہوں نے خطوط کے جوابات میں جو موتی بکھیرے ہیں۔ یہ معرفت کے موتی کہ ہر کتاب لکھنے والے کے عقیدے، عمل اور نیّت کا اثر اُس کی کتاب میں ہوتا ہے۔ فرمایا: ذکر جو ہو جاتا ہے، اللہ کا احسان ہے کہ اپنی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔
- سلوک طے کرنے کے لئے ہمت بڑھاتے تھے اور اشعار جواب میں لکھتے تھے۔
- انتہائی مہمان نواز تھے۔ بندہ سویرے نہار منہ شوگر ٹسٹ کے لئے حاضر ہوتا تو اہتمام سے پوچھتے کہ ناشتہ کیا ہے۔ اگر نہ کیا ہوتا تو ناشتہ کرواتے۔ الغرض ہر طرح خیال رکھتے۔
- بقول حافظ حسین احمد مولانا اشرفؒ ایک نابغہ روزگار شخصیت، صاحب نسبت وارشاد بزرگ، بلند بانگ داعی، صاحب بصیرت، ماہر تعلیم، اردو کے زبردست ادیب، شیرین بیان مقرر، گوناگوں اور ہمہ گیر صفات کے مالک تھے۔
- پشاور میں جامع مسجد درویش اور امداد العلوم مولانا کے مساعی حمیت دینی اور جرأت رندانہ کی زندہ اور عظیم یادگار ہیں۔
- مولانا صاحبؒ نے کئی تصنیفات چھوڑی ہیں جو بہت غنیمت ہیں۔
- بندہ نے اپنی شادی پر آنے کی دعوت دی۔ باقاعدہ حاضر ہو کر عزت افزائی فرمائی۔

- بلند روحانی مقام و مرتبہ رفتہ رفتہ بعد از وفات کُھلا جس کا افسوس ہوا کہ بروقت فائدہ نہ اُٹھاسکا۔

محمد جلیل جیولاجیکل سروے آف پاکستان

جناب محمد جلیل صاحب سابقہ سپرنٹینڈنٹ جیولاجیکل سروے آف پاکستان پشاور فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کی ذات بابرکت وذات اقدس پر یہ سیاہ کار اس قابل کہاں کہ ایسی گوہر نایاب ہستی پر تحریر کے لئے قلم اُٹھائے۔ بہر حال کچھ اپنی یادیں مولانا صاحبؒ کی نذر کرتا ہوں۔

تو ہے مجموعہ خوبی وسراپائے جمال

کون سی تیری ادادِل کی طلب گار نہیں

مولانا صاحبؒ کی ذات اقدس کے کسی پہلو پر بندہ قلم اُٹھائے پھر بھی تشنگی رہے گی۔ حضرتؒ بادۂ معرفت کے سرشار راہِ طریقت کے سالک امیز حقیقت کے شناسائی شمع محبت کے پرستار و بحر عرفان کے شناور سلطان العارفین اور سلطان الاولیاء تھے۔ کوئی بھی خواہ کسی طبقے، عقیدے، نظریے یا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک دفعہ بھی اگر اس کو حضرت مولانا صاحبؒ کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا، تو اپنے قلب کے اندر خود حضرت مولانا صاحبؒ کے بارے میں محبت کی چنگاری بھڑک اٹھتی تھی۔

قریب جلتے ہوئے دِل کے اپنا دِل کردے

یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

میرے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے ایک پروفیسر جو شیعہ تھے۔ انہوں نے بندہ سے کہا کہ آپ کو شبہ ہے کہ میں اور فرقے کا ہوں اور آپ کے مسلک والے مجھے کوئی

بھی پسند نہیں ہے۔ لیکن ایک ہستی مجھے بہت ہی پیاری ہے اور اُن سے مجھے دِلی محبت ہے۔ بتادوں بندہ نے کہا۔ جناب ضرور بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ ہیں جو مجھے بہت ہی پیارے ہیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ میں اُن کا خادم ہوں۔ ایسی پیاری ہستی پر کوئی کیوں نہ مرمٹے۔ جس کا ہر کوئی مداح خواں ہے۔ بندہ یونیورسٹی میں ایم۔اے کرنے کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ کے مکان پر گیا اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دُعا فرمالیں کہ اللہ تعالیٰ ملازمت سے نوازے۔ پشاور میں دے اور پھر یونیورسٹی ٹاؤن میں دیدے۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے ٹاؤن کا لفظ سن کر ایک عجیب تبسم فرمایا۔ جو آج تک بندہ کے ذہن پر نقش ہے۔ حضرتؒ نے خوب دل جمعی کے ساتھ اللہ کے حضور دُعا فرمائی۔ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ملازمت بھی دی۔ پشاور میں اور پھر یونیورسٹی ٹاؤن میں بھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ اللہ کے فضل سے جو بھی کسی نے مانگا۔ وہ اُن کو نصیب ہوا۔

آپؒ کی ذات اقدس اخلاص و محبت کا پیکر صداقت کا مجسمہ، شریعت مطہرہ کا عملی نمونہ۔ اللہ تعالیٰ کا سچا شیدائی اور پاک دین متین کا سچا سودائی اور حضرت رسول پاک ﷺ کے سچّے اور پکّے عاشق تھے۔ حضرت مولانا صاحبؒ اپنے بیان کے دوران جو چیخ مارتے۔ اسی کی چنگاریاں مجمع کے اوپر بکھر جاتیں اور سیاہ کار کی حالت دِگرگوں ہو جاتی۔ اللہ قبول کرے۔ بندہ کے دل میں جب بھی کوئی بات آتی کہ حضرت مولانا صاحبؒ سے پوچھ لوں ادب کی وجہ سے بندہ پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ پھر حضرت مولانا صاحبؒ بیان کے دوران میں اس بارے میں مسئلے کا جواب دے جاتے۔ حضرتؒ دِلوں پر حکومت کرتے تھے۔ ایسی پاک ہستی بہت مشکل سے اور کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا صاحبؒ کے رحلت فرمانے کے بعد دوسرے دِن اُن کے بنگلے پر ایک مجمع غفیر تھا۔ ایک عجیب فضا تھی۔ بندہ نے اُس فضا کو دیکھا، جو نا قابل برداشت تھا۔ اسی موقع پر بندہ نے کچھ اشعار پڑھے۔

بسی ہے یاد دِل میں اب جائے گا کہاں
شب و روز تیری یادیں بتاؤں گا جہاں
دِل اندر جھلس رہا ہے آنکھ آنسو بہا رہی ہے
عجیب ایک فضا ہے رونے کا ہے سماں
حضرتؒ کی بڑی شان تھی ہر لمحہ نئی آن تھی
ہوں دِل گداز میں اب وہ محفلیں کہاں
جلیل بے چارہ روتا ہے یتیم و بے سہارا
رونا تو یہی بھی ہے اب وہ منزلیں کہاں

ہائے وہ چہکنے والا بُلبل گلستان دُنیائے فانی سے رخصت ہوا؟ گلستان اُجڑ گیا۔
بہر حال حضرت مولانا صاحبؒ کا فیض الحمدللہ اُن کے رحلت فرماجانے کے بعد انشاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ بندہ حضرت مولانا صاحبؒ کے پرانے مکان پر عصر کے بعد موجود تھا کہ یونیورسٹی کے دو طلباء جو جغرافیہ ڈیپارٹمنٹ میں پڑھتے تھے، کا امتحان ہوا۔ صرف اُن کا زبانی ٹسٹ رہتا تھا۔ مولانا صاحبؒ سے عرض کیا کہ اسرار الدین صاحب سے ہماری سفارش کر دیں کہ وہ زبانی ٹسٹ میں ہمیں پاس کر دیں۔ مولانا صاحبؒ نے ایک آہ بھری آواز سے فرمایا کہ بیٹا! کہ یہ اِسرار ہم پر کھلا نہیں ہے۔ حضرتؒ نے دوسرے رنگ میں بات کی۔ لڑکے پریشان سے ہوئے کہ اچھا ہم چلتے ہیں۔

مولانا صاحبؒ نے فرمایا، پریشان نہ ہوں، اپنے رول نمبر زدیدیں کہ جب وہ شام کو آئیں گے تو ان کو میں دیدوں گا۔ فکر نہ کریں۔ دونوں طالب العلموں کی خوشی دیدنی تھی۔ مولانا صاحبؒ اکثر لطیفوں میں بات کرتے تھے یعنی لطیفے سنایا کرتے تھے۔ جن سے طبیعت میں شگفتگی آتی تھی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور اُن کے فیض وعطا کو جاری وساری رکھے۔ اور سیاہ کار کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین

فیض الرحمان میدانی

فیض الرحمان شیخ فتح الرحمان شعبہ عربی کے صاحبزادے نے فرمایا کہ ہم کوئی سترہ سال حضرت مولانا صاحبؒ کے قرب وجوار میں یونیورسٹی میں رہے۔ میں اپنے شیخ کی اجازت سے اُن کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ مولانا صاحبؒ کو تین چار دفعہ خواب میں دیکھا۔ خواب بتانے پر مولانا صاحبؒ خوش ہوئے اور دُعائیں دیں۔ بیماری میں اسلام آباد ہسپتال جانے سے پہلے مجھ سے دَم کروایا۔ اور جب میں نے مزاحاً دَم کا شکرانہ مانگا اور عرض کیا کہ جو کچھ آپ نے اب تک مانگا ہے اور جو کچھ اپنے لئے مانگ رہے ہو۔ اُس سے کئی گنا زیادہ میرے لئے مانگ لو تو مسکرا کر فرمایا۔ برداشت کر سکو گے۔ مولانا صاحبؒ مسئولین کے لئے دُعا بھی فرمایا کرتے تھے اور ایک خاص نظر کرم بھی فرمایا کرتے

تھے۔ جیسے نظروں سے کچھ تقسیم کر رہے ہوں۔

ڈاکٹر جاوید آفریدی

ڈاکٹر جاوید آفریدی فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ ایسی ہستی تھی کہ مجھ جیسے ناکارہ خلائق کو زیب نہیں دیتا کہ اُن کے متعلق کچھ قلم بند کروں۔ کیونکہ اُن کی شان مجھ جیسا عاصی کیونکر بیان کر سکتا ہے۔ لیکن جرأت کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماویں کہ اُنگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہو جاؤں۔ سرور بارہ بنکوی کا ایک شعر ہے۔

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
شاید آپ نے نہ دیکھے ہوں، مگر ایسے بھی ہیں

مولانا صاحبؒ کی عادت مبارک تھی کہ ہر کسی پر اتنے شفیق اور مہربان تھے کہ ہر کوئی یہ سمجھتا کہ مجھ ہی پر آپ سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ مولانا صاحبؒ کی مجلس میں بڑے بڑے رؤسا اور اعلیٰ حکومتی عہدیدار آتے تھے۔ لیکن ہم نے کبھی بھی مولانا صاحبؒ کا اِمتیازی سلوک نہیں دیکھا۔ یہ حضرات بھی آپ کی مجلس میں ایسے ہی تشریف رکھتے جیسے عام ملنے والا مجلس میں بیٹھتا ہے۔

مولانا صاحبؒ کو اکابرین دین سے گہری نسبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ میوات (ہندوستان) سے کچھ حضرات تبلیغ کے سلسلے میں پشاور تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اس موقع پر آپؒ نے ان کی خوب خاطر داری کی اور فرمایا کہ یہ حضرات مولانا الیاسؒ کے علاقہ سے تشریف لائے ہیں۔ جب

راقم میڈیکل کالج میں داخل ہوا تو اس وقت طلباء کی مختلف تنظیمیں تھیں۔ چونکہ دینی گھرانے کا اثر تھا۔ لہٰذا اس سوچ میں تھا کہ جمیعت علماء اسلام کی ذیلی تنظیم سے ناطہ جوڑوں یا جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم سے۔ اس دوران مولانا صاحبؒ کے بیانات سننے کا موقع ملا، اور یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ باوجود یہ کہ مولانا صاحبؒ معذور ہیں اور دعوت و تبلیغ کی محنت کرتے ہیں۔ بعد ازاں یہ بھی معلوم ہوا کہ آپؒ نے اِس معذوری کی حالت میں بیرونی سفر بھی کئے ہیں گو کہ اُس وقت معذوری نسبتاً کم تھی۔ لہٰذا اس نتیجے پر پہنچا کہ دین کی اشاعت کے لئے اگر کوئی جماعت صحیح خطوط اور اخلاص سے کام کر رہی ہے تو وہ تبلیغی جماعت ہی ہے۔ بعد میں ہاسٹل نمبر 3 میں ڈاکٹر فدا صاحب جو کہ میرے اُستاد بھی تھے اور ہاسٹل کے وارڈن بھی، کے توسط سے مولانا صاحبؒ کے ہاں حاضری شروع ہوئی اور حضرت کی صحبت کا فائدہ اور اُن کی کشف و کرامات کا مظاہرہ دیکھا۔ مولانا صاحبؒ کی صحبت اور اُن کی توجہ سے اس عاصی کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے شدید مصائب میں بھی صبر کا پیمانہ قابو میں رہا اور اللہ ہی سے صبر و استقامت طلب کی۔

میرے ایک قریبی رشتہ دار ایک مرتبہ بہت پریشانی کی حالت میں میرے پاس آئے، اور کہا کہ ایک مہینہ پورا ہو گیا ہے، کہ میرا بیٹا گھر سے غائب ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں؟ میں اُس کو فوراً مولانا صاحبؒ کی خدمت میں لے گیا، اور دُعا طلب کی۔ مولانا صاحبؒ نے خلافِ معمول لمبی دُعا فرمائی۔ راقم سمجھ گیا کہ دُعا قبول ہو گئی۔ اگلے دِن میرا وہ رشتہ دار ہنستا ہوا آیا اور کہا کہ خدا کی قسم تم نے تو زبردست پیر پایا ہے۔ ہم پٹھان لوگ شیخ کو پیر ہی کہتے ہیں۔ 1994ء کا واقعہ ہے کہ ایک دُور کے رشتہ

دار کا چچازاد بھائی جو کہ موضع پشتخرہ ضلع پشاور میں رہائش پذیر تھا، اور خلیج کے کسی ملک میں ملازم تھا۔ چھٹی پر آیا تھا۔ اُن دِنوں کسی نے ایک پائلٹ کو تاوان کی غرض سے اغوا کیا تھا اور دعویٰ آفریدی قوم کی ملک دین خیل شاخ پر کیا تھا۔ لہٰذا باڑہ اور جمرود تحصیل میں کوئی بھی ملک دین خیل کا بندہ حکومتی اہلکاروں کو ملتا تو پکڑ کر جیل میں ڈال دیتے۔ یہ شخص بھی کسی کام کے سلسلے میں جمرود گیا تھا کہ خاصہ دار فورس کے ہاتھوں لگ گیا اور جیل پہنچ گیا۔ اُدھر اُس کے ویزا میں چند یوم باقی تھے۔ رشتہ داروں کو فکر لاحق ہوئی کہ کسی طرح بھی ہو اس کو جیل سے رہائی دلائی جائے۔ کسی طرح ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ہمارے پی۔اے (PA) صاحب مولانا صاحبؒ کے مُرید ہیں اور ڈاکٹر جاوید بھی۔ تو وہ میرے پاس چلے آئے، میں نے صاف معذرت کر دی کہ میری پی۔اے صاحب سے کوئی شناخت نہیں۔ اُنہوں نے مجھے مولانا صاحبؒ کے پاس سفارش کے لئے کہا۔ ہر چند کہ میں نے اُن سے کہا کہ حضرت سفارش نہیں کرتے صرف دُعا کرتے ہیں۔ وہ بضد رہے کہ ہمیں مولانا صاحبؒ کے پاس لے چلو۔ مجبوراً جانا پڑا تو خلاف معمول مولانا صاحبؒ نے پی۔اے جناب حبیب اللہ خان صاحب کے نام سفارشی خط دے دیا۔ اگلے روز جب وہ لوگ پی۔اے (PA) صاحب کے پاس خط لے کر پہنچے تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں دو حضرات ایک میرے والد اور دوسرے مولانا صاحبؒ کی سفارش پر کسی صورت عمل نہیں کرتا، کیونکہ پھر سفارشیوں کی قطار لگ کر اُنہیں تنگ کریگی۔ دو تین دن بعد جب میں مولانا صاحبؒ کے ہاں حسب معمول حاضر ہوا تو حضرتؒ نے ازراہ شفقت پوچھا کہ کام ہوا کہ نہیں۔ تو میں نے پی۔اے (PA) صاحب کا جواب دُہرایا۔ اس پر مولانا صاحبؒ نے کہا چلو دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جتنے بھی بندے بے گناہ جیل میں ڈالے گئے ہیں، کو رہائی

نصیب فرماویں۔ اُس وقت 450 کے لگ بھگ بندے جیل میں ڈالے گئے تھے۔ اللہ کی شان کہ اگلے ہی روز حکومت کی خفیہ ایجنسیوں کو معلوم ہوا کہ پائلٹ صاحب اور کزئی ایجنسی میں فلاں مکان میں قید ہے۔ لہٰذا چھاپہ مار کر حکومت نے بندہ ہی برآمد کر لیا اور ملزمان بھی گرفتار کر لئے اور اس کے اگلے دن 450 بے گناہ قیدی رہا ہو گئے۔ مولانا صاحبؒ کی دُعا قبول کیوں نہ ہوتی، کہ اُن کو کسی فردِ واحد کی بجائے پوری انسانیت کی فکر دامن گیر تھی جبکہ ہمیں اپنی یا اپنوں کی فکر ہوتی ہے۔

1995ء میں جب تبلیغی جماعت کے عالمی سربراہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب وفات پا گئے تو اُن دِنوں ایک مرتبہ جب میں مولانا صاحبؒ کے پاس جارہا تھا کہ اُن کے گھر پہنچنے سے پہلے اس سوچ میں پڑ گیا کہ حضرت جیؒ تو واقعی دُنیا میں اولیاء میں سب سے اُونچے مقام پر ہونگے، لیکن اب اُس مقام پر کون ہو گا؟ پھر دِل میں آیا کہ مولانا صاحبؒ دین کی خدمت پوری استقامت سے انجام دے رہے ہیں۔ اُنہیں سوچوں میں جب اُن کی بیٹھک میں داخل ہوا، تو سلام دُعا کے فوراً بعد مولانا صاحبؒ نے فرمایا: بیٹا! اپنے شیخ سے فیض حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ اُس کو سب سے اُونچے درجہ میں سمجھو۔ اُن دِنوں میں حضرت اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ بھی کرتا تھا کہ کتاب میں شیخ سے فیض حاصل کرنے کے متعلق یہی الفاظ اُن کی ملفوظات میں ملے۔

مولانا صاحبؒ کو کئی امراض لاحق تھیں، لیکن اُس کے باوجود وہ عصر سے شام تک بیان کرتے اور پروفیسر ڈاکٹر شیر حسن صاحب نوٹ لیتے جاتے۔ ماسوائے اضطراری حالت کے جس میں ڈاکٹر صاحبان سختی سے ملاقات سے منع فرماتے۔ مولانا صاحبؒ مستقل طور پر عصر سے عشاء کی نماز تک اپنے متعلقین کو وقت دیتے اور کبھی بھی بیماریوں

کا تاثر اُن کے چہرے پر ظاہر نہ ہوتا۔ ایسا لگتا جیسے اُن کو کوئی بیماری ہے ہی نہیں۔ مولانا صاحبؒ کو اللہ نے زبردست حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ ایک سٹوڈنٹ نے عیسائیت کے متعلق پوچھ لیا۔ مولانا صاحبؒ نے جواب دیا کہ اس بارے میں تو تیس سال پہلے مطالعہ کیا تھا، پھر عیسائیت کے بارے میں شروع ہوئے اور پہلے اُن کا بنیادی عقیدہ بیان کیا، پھر مختلف اناجیل کے بارے میں تفصیلات بیان کیں۔ پھر عیسائیت کے مختلف فرقوں پر بحث کی، اور مختلف اوقات میں اُن کی آپس میں جھڑپوں کا ذکر کیا۔ اس طرح قریباً بیس پچیس منٹ مولانا صاحبؒ عیسائیت پر بولتے رہے۔ واقعی ایسا تیز حافظہ اُنہی جیسے بزرگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

مولانا صاحبؒ نے پشاور یونیورسٹی میں دعوت تبلیغ کی جو بنیاد رکھی ہے۔ وہ انشاء اللہ تاقیامت قائم رہے گی۔ اس کے علاوہ مولانا صاحبؒ کے کئی خلفاء مجاز بھی تبلیغ اور تصوف کے کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا صاحبؒ کے درجات میں اضافہ فرمائیں اور اُن کے متعلقین کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

ڈاکٹر شاہ ولی خان انجینئر مقیم امریکہ

مولانا محمد اشرفؒ سے تعلق

مولانا صاحبؒ سے میرا تعلق 1962ء کے آخر میں شروع ہوا۔ اس وقت میں انجینئرنگ کالج، پشاور یونیورسٹی میں سیکنڈ ائیر کا طالب العلم تھا۔ عموماً جمعہ کے روز میں اسلامیہ کالج کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتا تھا۔ ایک جمعہ ایسا ہوا کہ میں مولانا صاحبؒ کے ساتھ صف میں بیٹھ گیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ

ٹھہر جاؤ، مشورے میں شرکت کرو۔

مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ مشورہ کس چیز کا اور کس لئے ہو رہا ہے اور یہ لوگ کیا کرینگے۔ بہر حال مولانا صاحبؒ کے کہنے پر میں بیٹھ گیا۔ مشورہ ختم ہونے کے بعد میں ہاسٹل چلا گیا۔ میں ہاسٹل نمبر 2 میں قیام پذیر تھا۔

اللہ کا کرنا کہ دوسرے جمعہ کو میں پھر مولانا صاحبؒ کے ساتھ صف میں بیٹھ گیا۔ نماز کے بعد پھر وہی بات کہ ٹھہر جاؤ، مشورہ ہو رہا ہے۔ میں پھر مشورہ کے لئے رُک گیا۔ مشورہ کے بعد مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ عصر کے بعد مولانا صاحبؒ کے گھر پر تبلیغ کی بات ہو گی، وہاں آنا۔ مولانا صاحبؒ کی رہائش گاہ اس وقت اسلامیہ کالج کے مکان نمبر 10 میں تھی۔

مولانا صاحبؒ کے اخلاق

میں عصر کے وقت چکر (walk) پر باہر جاتا تھا۔ اس جمعہ کے عصر کے وقت میں ذرا سویرے نکلا۔ کیونکہ مولانا صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ عصر کی نماز آپ کے مکان پر پڑھنا۔ میں جب وہاں پہنچا تو مولانا صاحبؒ اکیلے تھے۔ اور عصر کی نماز ابھی تک نہیں پڑھی تھی۔ میں سوٹ پہنے ہوا تھا اور ٹائی بھی لگائی تھی اور داڑھی بھی نہیں تھی۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ عصر کی نماز پڑھاؤ۔ میں تو حیران رہ گیا کہ میں کیسے نماز پڑھاؤں۔ میں نے زندگی میں کبھی امامت نہیں کی اور کبھی نماز امام بن کر نہیں پڑھائی۔ بہر حال مولانا صاحبؒ کے اصرار پر میں نے نماز پڑھائی۔ مولانا صاحبؒ اس وقت کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد میں مولانا صاحبؒ کے ساتھ مغرب کی نماز تک رہا۔ مولانا صاحبؒ کو اللہ پاک نے ایسے اخلاق دیئے تھے کہ اس زمانے کے لوگوں میں بہت کم

دیکھے ہیں۔ مولانا صاحبؒ اپنے اخلاق کی وجہ سے لوگوں کے دِل موہ لیتے تھے۔ لوگ مولانا صاحبؒ کی علمیت اور تقاریر سے متأثر ہوتے تھے۔ اولاً میں تو مولانا صاحبؒ کے اخلاق سے متأثر ہوا۔

تبلیغ کا کام

اس سال 1962ء میں مولانا صاحبؒ ایک پوری بس تقریباً 55 طلباء پشاور یونیورسٹی سے کوہاٹ سہ روزہ پر لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے بڑا اکرام کیا۔ اس سہ روزہ کے بعد بہت سارے طالب العلم تبلیغ کے کام سے مانوس ہو گئے۔ پہلے مولانا صاحبؒ کو یونیورسٹی میں آزادی کے ساتھ تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ طالب العلموں کے تبلیغ کے کام میں لگ جانے سے راہیں کھل گئیں۔

پہلے مولانا صاحبؒ اپنے گھر سے دعوت و ارشاد کا کام کرتے تھے۔ کیونکہ ہاسٹلوں میں مولانا صاحبؒ کو عام اجازت نہیں تھی۔ رمضان میں تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر سٹوڈنٹس مولانا صاحبؒ کو بیان کے لئے بُلاتے تھے۔ مولانا صاحبؒ کو ہم بائیسائیکل پر لے جاتے تھے۔ کیونکہ مولانا صاحبؒ کی ٹانگوں میں کمزوری بڑھتی جارہی تھی اور ہر آدمی مولانا صاحبؒ کو سنبھال نہیں سکتا تھا۔ اس وقت کے سنبھالنے والوں میں قربان علی، شیر حسن، محمد اسرار، محمد سراج اور راقم (شاہ ولی خان) تھے۔ اُس زمانے میں نورالحق ندوی صاحب ڈین تھے۔ اور یونیورسٹی کے دینی معاملات کے وہ ذمہ دار تھے۔ بعد میں اللہ پاک نے مولانا صاحبؒ کو مقبولیت دی اور یونیورسٹی والے ہر پروگرام میں مولانا صاحبؒ کو تقریر کے لئے بُلاتے تھے۔

اخلاق و معاملات

مولانا صاحبؒ اخلاق و معاملات کی درستگی پر بہت زور دیتے تھے۔ اپنے مریدین اور متعلقین کو اس پر چوکنا کرتے تھے۔ عام طور پر ظہر کی نماز میں مولانا صاحبؒ کے ساتھ پڑھتا تھا اور امام بھی میں ہوتا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد جب اور لوگ چلے جاتے تھے۔ تو میں تھوڑی دیر کے لئے مولانا صاحبؒ کے ساتھ ٹھہرتا تھا جو کام کرنے ہوتے تھے۔ مولانا صاحبؒ مجھے بتادیتے تھے۔

ایک دِن حسب معمول میں ظہر کی نماز کے بعد ٹھہر گیا۔ ایک آدمی مولانا صاحبؒ کو ملنے آیا۔ مولانا صاحبؒ کا ایک مکان تھا۔ اس کو خریدنا چاہتا تھا۔ مولانا صاحبؒ نے مجھے مزید ٹھہرنے کو فرمایا تو میں ٹھہر گیا۔ مکان فروخت کرنے کی بات ہوگئی اور قیمت بھی طے ہوگئی۔ اُس وقت مولانا صاحبؒ کی رہائش گاہ غالباً مکان نمبر 14 بن گئی تھی جو کہ پچھلے مکان کی نسبت سے وسعت رکھتی تھی۔ غالباً مکان نمبر 14 سے ابھی وہ آدمی گھر سے نکلا ہی تھا کہ ایک اور آدمی آگیا اور وہ بھی وہی مکان خریدنا چاہتا تھا۔ مولانا صاحبؒ کو پہلے آدمی کی بہ نسبت زیادہ قیمت دینا چاہتا تھا۔ مولانا صاحبؒ نے کہا کہ میں نے وعدہ کیا ہے۔ اس آدمی نے بہت اصرار کیا کہ اس میں افیشل لکھا کچھ بھی نہیں اور قیمت بھی بہت زیادہ دینے کو تیار تھا۔ مولانا صاحبؒ کو بہت منوانے کی کوشش کی۔ لیکن مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے وعدہ کیا ہے اور زبانی وعدہ کافی ہے۔ لکھائی تو اس لئے کرتے ہیں کہ وہ زبانی وعدہ بھول نہ جائے۔ جس آدمی سے وعدہ کیا ہے۔ اگر وہ نہ خریدے اور بتادے تو پھر آپ کے ہاتھ فروخت کرینگے۔ مولانا صاحبؒ معاملات کی سچائی اور وعدے کے بہت پابند تھے۔

تہجد اور نوافل کا اہتمام

مولانا صاحبؒ تہجد اور دیگر نوافل کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ نوافل فسٹ لائن آف ڈیفنس ہے اور فرماتے تھے کہ جو لوگ نوافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی سنتیں کبھی نہیں چھٹیں گی اور جو لوگ سنتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے فرائض کبھی نہیں چھٹیں گے۔

ایک دفعہ ہم ٹنڈو آدم شاہ عبدالعزیز دُعاجوؒ کو ملنے جارہے تھے۔ ریل گاڑی سے سفر کررہے تھے۔ بہت ہجوم تھا۔ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ مولانا صاحبؒ کو ہم نے اوپر برتھ (Berth) ہر لٹایا۔ تہجد کے وقت مولانا صاحبؒ اُٹھے اور تہجد پڑھنا چاہتے تھے۔ غضنفر علی نے اوپر Berth پر وضو (چاراندام) کرایا اور مولانا صاحبؒ نے بیٹھ کر برتھ کے اوپر اس ہجوم اور معذوری کی حالت میں تہجد کی نماز پڑھی۔ ہم لوگ جو صحت والے ہیں، کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہیئے۔

مقبولیت عند اللہ

مولانا صاحبؒ اللہ کے مقبول بندے اور ولی اللہ تھے۔ آپ صلحاء اور علماء کی ادب اور بہت عزت کرتے تھے۔ جب کوئی عالم یا بزرگ مولانا صاحبؒ کے پاس تشریف لاتے تو مولانا صاحبؒ ان کا بہت اکرام کرتے تھے اور بہت ادب سے اُن کی بات سنتے تھے اور سب بزرگ اور علماء بھی مولانا صاحبؒ کا ادب اور اکرام کرتے تھے۔

ایک دفعہ حسب معمول میں ظہر کے لئے آیا تو دیکھا کہ علامہ عصر شیخ الحدیث مولانا یوسف بنوری صاحبؒ مولانا صاحبؒ کے سامنے زانو ادب کے ساتھ بیٹھے ہیں اور

بات کر رہے ہیں۔ مولانا صاحبؒ ہمہ تن گوش تھے۔ بزرگوں کو مولانا صاحبؒ کے عند اللہ مقبولیت کا پورا احساس تھا۔

رائے ونڈ تبلیغی اجتماع یا چلّہ کے بعد ہم مولانا مفتی زین العابدین صاحبؒ کو ملنے لائیل پور گئے۔ وہ بھی مولانا صاحبؒ کا بہت ادب اور احترام کرتے تھے۔

ایک دفعہ مولانا صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں کسی کو بد دعا نہیں دیتا ہوں جو لوگ مجھے ایذا اور تکلیف دیتے ہیں۔ اللہ خود ان سے میرا بدلہ لیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے مولانا صاحبؒ کو تکلیف دی ان کو خود بہت نقصان پہنچا۔

مولانا صاحبؒ کے کرامات

مولانا صاحبؒ کے بہت سارے کرامات ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے حق میں ظاہر ہوئے۔ کرامت ولی کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ کا فعل ہوتا جو وہ اپنے مقبول بندوں سے کرواتے ہیں۔ مولانا صاحبؒ کی ایک خاص کرامت یہ ہے کہ جن لوگوں نے مولانا صاحبؒ سے بیعت کی۔ اللہ پاک نے اس کی دُنیاوی زندگی میں بھی برکت دی اور انشاء اللہ آخرت میں بھی سرخرو اور کامیاب ہونگے۔ میں سیکنڈ ائیر انجنیئرنگ میں تھا۔ ایف ایس سی میں سوات میں فسٹ تھا اور یونیورسٹی میں پوزیشن ہولڈر تھا۔ سوات کے طالب العلموں کو والی سوات کی سفارش کی وجہ سے پولٹیکل ایجنٹ ملاکنڈ سکالرشپ دیتے تھے۔ والی سوات کے کارندوں نے میری سفارش نہیں کی۔ اس لئے سکالرشپ نہیں ملا۔ میں نے مولانا صاحبؒ کو اپنا حال بتایا اور کافی پریشان تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں اکیلا مولانا صاحبؒ کے ساتھ تھا۔ مولانا صاحبؒ نے دعا کی اور مجھے کہا کہ تمہارا سکالرشپ ہو گیا انشاء اللہ میں چلا گیا۔ اپنے ہاسٹل اور دل میں سوچ رہا تھا کہ

سکالرشپ کیسے ہو گا۔ اب تو سال کا آخر بھی ہے۔ عصر کے بعد مولانا صاحبؒ کے گھر پر بیان ہوتا تھا۔ میں عصر اور مغرب کے درمیان وہاں جاتا تھا۔ جب میں عصر کے وقت وہاں گیا تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ سکالرشپ ہو گیا۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ظفر پولٹیکل ایجنٹ ملاکنڈ ملنے آیا تھا۔ میں نے بات کی اور اس نے سکالرشپ کی منظوری دیدی۔ وہ مولانا صاحبؒ کے رشتہ دار بھی تھے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ بھی ملنے نہیں آیا ہے۔ یہ اللہ پاک نے آپ کے سکالرشپ کے لئے بھیجا۔ ایک خاص کرامت مہربان خان کے حق میں ظاہر ہوئی۔ وہ مولانا صاحبؒ کے مرید تھے۔ غضنفر علی مہربان خان اور راقم (شاہ ولی خان) مولانا صاحبؒ کے ساتھ کراچی بنوری صاحب کو ملنے گئے۔ دَس دِن گذارنے کے بعد واپس ہو رہے تھے کہ مہربان کو قرآن حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ مولانا صاحبؒ اور علامہ بنوری صاحب دونوں نے دُعا کی۔ مہربان خان مولانا بنوری صاحب کے مدرسہ میں قرآن حفظ کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔ چالیس دِن میں مہربان خان نے قرآن حفظ کیا اور کراچی سے پشاور واپس حافظ بن کر آگیا۔ یہ مولانا صاحبؒ کی مہربان خان کے حق میں خاص کرامت تھی۔

مولانا صاحبؒ سے جُدائی

19 ستمبر 1969ء کو مجھے مزید پڑھنے کے لئے سنٹرل اور سیز ٹرینگ سکالر شپ (COTS) پر امریکہ آنا تھا۔ مولانا صاحبؒ تانگے میں ائیرپورٹ تشریف لائے۔ میرے ساتھ اور راستے میں ہدایات دیتے رہے اور نصیحت فرماتے رہے۔ حرام سے بچنے کی اور نمازوں کی پابندی کی خاص ہدایات دیئے اور اختلاط ناجنس سے بچنے کی خاص ہدایت اور نصیحت کی۔ مولانا صاحبؒ نے اسلام کے متعلق وہ کتابیں جو انگلش میں تھیں

دیدیں۔ ایک ڈاکٹر حمید اللہ کی لکھی ہوئی تھی اور دوسری ایک مصری گلوشی کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ مولانا صاحبؒ نے اپنی لاٹھی اپنا جانماز، اپنی تسبیح اور موزے دیئے اور یہ نصیحت کی کہ دُنیا کے لئے کبھی دین برباد نہ کرنا۔ دُنیا ہاتھ کا میل ہے۔ آتا ہے اور جاتا ہے مگر دین اصل ہے اس پر جمے رہنا۔

مولانا صاحبؒ اور رمضان کا مہینہ

مولانا صاحبؒ کے ہاں رمضان کا مہینہ قرآن کا مہینہ تھا۔ مولانا صاحبؒ کے رمضان کے مہینے میں کئی ختم ہوتے تھے۔ جب ہاسٹلوں میں ختم قرآن ہو جاتے تو آخری دس دن رمضان کے مولانا صاحبؒ کے ہاں ختم قرآن ہوا کرتے تھے۔ حفاظ کرام مولانا صاحبؒ کے گھر جمع ہوتے۔ تین دِن کا ختم قرآن اور ستائیسویں رمضان کو ایک رات کا ختم قرآن بہت معروف تھا۔ اور شہروں سے بھی حفاظ اور شائقین آتے تھے۔ ایک رات کی ختم میں حفاظ باری باری سے حصہ لیتے تھے۔ غالباً 1967ء کے رمضان کا مہینہ تھا۔ حفاظ جمع تھے اور ایک رات کا ختم قرآن شروع ہونے والا تھا۔ سات بجے شام تراویح شروع ہونے والی تھیں۔ ڈاکٹر حافظ حسین علی شاہ آف صوابی کو آگے کر دیا گیا۔ دس بارہ حفاظ اور بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو اس وقت غازی (ہزارہ) میں بحیثیت ڈاکٹر کے تعینات تھے۔ سات بجے نیت باندھ لی اور قرآن شروع کیا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ ایک یا دو سپارے پڑھ کر دو رکعت پوری کرینگے۔ مگر اس اللہ کے بندے نے ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا اور پھر سرے سے شروع کیا اور پہلا پارہ مزید پڑھا اور پھر رکوع میں گیا۔ سات بجے نیت باندھ لی تھی اور دو بجے صبح رکوع میں گیا۔ مولانا صاحبؒ تو باوجود معذوری کے بڑے شوق سے تلاوت سنتے رہے لیکن اور لوگوں کا بُرا حال تھا اور

بعض کو تو نماز چھوڑ کر وضو بنانے کی ضرورت ہوئی۔ مولانا صاحبؒ کو قرآن سننے میں بڑا مزہ آتا تھا۔

مولانا صاحبؒ کی یاد اور امریکہ سے پاکستان واپسی

1994ء میں ارادہ کیا کہ باقی زندگی مولانا صاحبؒ کی خدمت میں گذارنی ہے۔ جون 1996ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ (Early Retirement) کے لئے درخواست دیدی۔ اس وقت میری عمر 55 سال تھی۔ مولانا صاحبؒ بہت یاد آتے تھے۔ استخارہ کرکے اور اللہ پر توکل کرکے ریٹائرمنٹ لیکر پاکستان واپس آگیا۔ مولانا صاحبؒ کے قریب کینال کالونی میں کرایہ کا مکان لیا اور پروفیسر کالونی میں اپنا مکان بھی بنانا شروع کیا۔ مکان بن رہا تھا اور ارادہ تھا کہ باقی زندگی انشاء اللہ مولانا صاحبؒ کے قریب گذاریں گے۔

ستمبر 1995ء میں سوات جارہا تھا تو میں مولانا صاحبؒ کو ملنے اور اجازت لینے کے لئے آیا۔ مولانا صاحبؒ نے پوچھا کتنے دِنوں کے لئے جارہے ہو۔ میں نے کہا تین اور زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کے لئے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ ایسا نہ ہو کہ تم واپس آؤ اور میں نہ ہوں۔ مولانا صاحبؒ میرے ساتھ بہت بے تکلف تھے۔ میں سمجھا مولانا صاحبؒ مذاق کررہے ہیں۔

دوسرے دِن مجھے معلوم ہوا کہ مولانا صاحبؒ بیمار ہوگئے ہیں اور لوگ آپ کو اسلام آباد لے گئے ہیں۔ میں سوات سے جلدی واپس آگیا اور صبح مولانا صاحبؒ کو دیکھنے کے لئے اسلام آباد جانے والا تھا۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ مولانا صاحبؒ کو افاقہ ہوگیا ہے اور کل آنے والے ہیں۔ میں رُک گیا۔ اور مولانا صاحبؒ کا آنے کا انتظار کرتا رہا۔

اچانک اتنے میں خبر آئی کہ مولانا صاحبؒ فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد ایک دو سال پشاور یونیورسٹی میں رہا۔ مگر وہ مزہ اور روحانیت نہیں تھی۔ اس لئے میں واپس امریکہ آیا اور بچوں کے ساتھ اپنے گھر میں رہنے لگا۔ پھر پاکستان واپس آیا اور ایک ڈیڑھ سال رہا اور مولانا صاحبؒ کی یاد دِل میں بسی رہی۔ پھر امریکہ واپس آیا۔

2008ء اور مولانا صاحبؒ کی یاد

میں 2008ء میں اپنی بیگم اور بیٹے ڈاکٹر انعام الحق (مرحوم) کے ساتھ عمرہ کرنے آیا۔ مکہ میں کچھ وقت ٹھہرا۔ عبد المنان کلاچی دامت برکاتہم سے حرم میں ملاقات ہوتی رہی۔ ایک دِن آپ نے گھر بُلایا۔ ہم حاضر خدمت ہوئے۔ عبد المنان نے فرمایا کہ رات کو مولانا صاحبؒ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ شاہ ولی خان کو اجازت دیدو۔ میں نے عبد المنان سے کہا میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ عبد المنان نے فرمایا انگلش میں "Practice makes a man perfect"۔ مولانا صاحبؒ کے کہنے پر عبد المنان دامت برکاتہم نے اپنے اجازت یافتہ کی لسٹ میں شامل فرمایا۔ اللہ ہم سب کو دین پر استقامت دے۔ مولانا صاحبؒ ایک شعر بہت پڑھا کرتے تھے۔

کشتۂ کہ عشق دار دنگذاردت بدیسان ﴿ بہ جنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

مولانا صاحبؒ کی عقیدت اور محبت دِل میں زندہ ہے۔ مولانا صاحبؒ کی محنت اور دعاؤں کی وجہ سے اللہ پاک نے رُخ بدل دیا۔ اللہ پاک ہم سب کو اور مولانا صاحبؒ کو جنت الفردوس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت نصیب کرے۔ آمین

باب-15

آخری بیماری اور رحلت

بیماری کی ابتداء

اپنا آخری حج مولانا صاحب نے ہنگامی حالت میں ادا کیا۔ اکثر چوبیس پچیس بندوں کا قافلہ ساتھ لے کر حج کو جاتے تھے۔ اس دفعہ حضرت محمد نعمان صاحب اور جناب تاسیر صاحب کے ساتھ جارہے تھے۔ کسی کو حج پر جانے کی اطلاع یا خبر بھی نہیں تھی۔ بہر حال حج خیر خیریت کے ساتھ ادا کر کے 14 جون 1995ء کو واپسی ہوئی۔ بحمد اللہ صحت بھی اچھی تھی اور ہشاش بشاش تھے۔ اور افادات کی خوب بارش فرماتے۔ عصر سے عشاء تک خوب مجلس ہوتی۔ جولائی کے وسط میں حضرت مولانا صاحب کو بہت تیز بخار شروع ہوا۔ ڈاکٹر مسعود الرحمان صاحب جو حضرت مولانا صاحبؒ کے خصوصی معالج محب وعقیدت مند تھے۔ ان کو رات کو بُلایا۔ انہوں نے کہا کہ بخار بہت تیز ہے۔ پیشانی، ہتھیلی اور تلووں پر ٹھنڈے پانی کی مالش چاہیئے۔ ٹھنڈے پانی میں ڈاکٹر صاحب خود تولیے کو بھگوتے اور پیشانی مبارک اور ہتھیلیوں اور تلووں پر ملتے۔ جس سے بخار میں افاقہ ہوا۔ بخار اُترنے کے بعد حضرت پر بہت سخت غنودگی طاری[89] رہتی تھی۔ نماز کی نیت باندھ لیتے اور قرأت کے دوران ہی سو جاتے تھے۔ اسی طرح بات کرتے سو جایا کرتے تھے۔ نماز کے بعد کہتے کہ لٹادو۔ لٹا کر فوراً سو جاتے تھے۔ بس ایک طویل غنودگی کی کیفیت

---

89 جس کو ہم غنودگی کہتے۔ غالباً یہ دُنیا اور مخلوق سے کھلی انقطاع اور اللہ اور آخرت کی طرف مکمل اِستغراق کی کیفیت تھی۔

طاری رہتی۔ مختلف لیبارٹری ٹسٹ کروائے گئے۔ لیکن کچھ معلوم نہیں ہوا۔

ہسپتال میں داخلہ

ڈاکٹر مسعود الرحمان صاحب کے مشورے سے ان کے ہاں لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں جولائی کے آخیر میں داخل کروائے گئے۔ ہر قسم کے X-Ray اور مختلف لیبارٹری ٹسٹ خون، پیشاب وغیرہ کے کروائے گئے۔ مختلف ڈاکٹروں کی ٹیموں نے معائینہ بھی کیا۔ لیکن بیماری کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ ہسپتال کے دوران ہی یکم اگست 1995ء کو حضرت مولانا صاحبؒ کے سُسر صاحب جناب حضرت مولانا فقیر اللہ شاہ صاحب جو ایک سال سے گردوں کی بیماری کے مریض تھے کا انتقال ہوا۔ ہسپتال ہی سے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے ان کے گاؤں ماہزارہ شب قدر تشریف لے گئے۔ جنازہ کے بعد واپس ہسپتال تشریف لے آئے۔ غالباً 10 اگست تک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ لیکن غنودگی کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ کہ غنودگی کی یہ طویل کیفیت کس وجہ سے ہے۔ 10 اگست 1995ء کے لگ بھگ پھر مکان پر تشریف لائے۔ شیر حسن 22 اگست کو ایک سرکاری دورہ پر نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا جارہے تھے۔ حضرتؒ سے اجازت لینے کے لئے عرض کیا کہ حضرت نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا جانا ہے۔ کہا کہ اجازت ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ آپ دورے بہت کرتے ہیں۔ اس سے قبل کبھی اس قسم کی بات نہیں فرمائی تھی۔ غالباً حضرت کو اندازہ لگ گیا ہوگا کہ آخری وقت ہے۔ معلوم نہیں کہ زندگی میں ملاقات ہوگی یا نہیں۔

پمز ہسپتال اسلام آباد میں داخلہ

شیر حسن 18 ستمبر 1995ء کو آسٹریلیا کے دورہ سے واپس لاہور پہنچا تو لاہور میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے صاحبزادے حافظ محمد اسحاق صاحب سے معلوم

ہوا کہ حضرت مولانا صاحب کو اسلام آباد کے پمز (pimps) ہسپتال میں داخل کروایا گیا ہے۔ رات بھائی نعمان صاحب سے جو حضرتؒ کے ساتھ اسلام آباد میں تھے بات ہوئی۔ انہوں نے تسلی دی کہ پہلے سے اچھے ہیں۔ رات کو میر حاتم صاحب کے ساتھ مشورہ ہوا کہ کل 19 ستمبر 1995ء کو اسلام آباد حضرتؒ کے پاس جائینگے۔

وفات

صبح آٹھ بجے یہ افسوس ناک خبر سنائی گئی کہ حضرتؒ کا انتقال ہو گیا۔ میر حاتم صاحب اور شیر حسن واپس حضرتؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ بھائی نعمان صاحب کے ساتھ اسلام آباد رابطہ ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ خصوصی تنفس کی مشین کے ذریعہ سے سانس لے رہے ہیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ جب بھی یہ مشین ہٹالی جائیگی۔ سانس کا رابطہ منقطع ہو جائیگا۔ اس لئے آپ لوگ جنازہ کے وقت اور قبر وغیرہ کا انتظام کروالیں۔ جناب شاہ ناصر گلگتی صاحب بھی مولانا صاحب کے ساتھ بطور خادم پمز ہسپتال میں موجود تھے ان کے مطابق بروز منگل 19 ستمبر 1995ء کو ہی صبح ساڑے پانچ بجے مولانا صاحب کا سانس رُک گیا۔ جو مصنوعی تنفسی آلہ سے بحال کیا گیا اور پھر ساڑھے دَس بجے (10:30 am) ڈاکٹروں کے مشوروں کے بعد مشینی آلہ کو ہٹایا گیا۔ میت پشاور لے جانے کے لئے ایمبولینس پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ فوراً روانہ ہو کر دو پہر تین بجے (3:00 pm) مولانا صاحب کے گھر پشاور پہنچ گئے۔

جنازہ تجہیز و تدفین

حضرت کی وفات کی خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق حضرت کے مکان پر جمع ہونے لگے۔ حضرتؒ کے بڑے بھائی جناب محمد اکرم صاحب مرحوم و دیگر عزیز و

اقارب اور ہم خدام کے مشورے سے جنازہ شام سات بجے (7:00 pm) بعد از نماز مغرب طے ہوا اور قبر کی جگہ یونیورسٹی کے قبرستان میں حضرتؒ کی والدہ مرحومہ اور ہمشیرہ مرحومہ کی پائینی طرف جو ایک دو قبروں کی جگہ خالی تھی تجویز ہوئی۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا۔ کہ قبر کے لئے جو جگہ تجویز ہوئی۔ یہ قبرستان کے بالکل بیچ میں تھی اور اس کے سر کی طرف حضرتؒ کی والدہ مرحومہ اور ہمشیرہ مرحومہ کی قبریں تھیں۔ یہ جگہ کافی عرصہ قبل انجینئرنگ کالج، پشاور کے سابق پرنسپل عبیداللہ درانی صاحب نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی اور یہاں پر ایک قبہ اپنی زندگی میں بنوایا تھا۔ جس کو یونیورسٹی کے طلباء نے مسمار کر دیا تھا اور یہ تقریباً دو قبروں کی کافی کھلی جگہ درمیان میں خالی پڑی تھی۔ جو کہ حضرت مولانا صاحبؒ کی آخری آرام گاہ تجویز ہوئی۔ حضرت مولانا صاحبؒ[90] کی میت تین بجے اسلام آباد سے پشاور گھر پہنچی۔ میّت کی کیفیّت ایسی تھی کہ جیسے کوئی سو رہا ہو۔ چہرہ پر انوار برس رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ تھکا ہوا مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر آرام کر رہا ہے۔ محمد نعمان صاحب اور ڈاکٹر فدا محمد صاحب نے غسل دیا۔ آپ کی وفات کی خبر پوری یونیورسٹی اور شہر اور مضافات میں پھیل چکی تھی۔ ریڈیو پر بھی آپ کی وفات کی خبر نشر کی جا چکی تھی۔ شام تک گھر پر ایک اژدھام جمع ہو گیا۔ جنازہ کے لئے پشاور یونیورسٹی کے شعبہ السنہ شرقیہ کے مغرب کی طرف جو میدان ہے وہ تجویز ہوا۔ اور اس میدان کے شمال میں اور دھوبی گھاٹ کے جنوب میں جو میدان ہے وہ موٹروں کی پارکنگ کے لئے

---

90 آپ کی قبر کے متعلق بہت سے آراء آئے۔ اپنے مکان میں دفنانے کا بھی مشورہ ہوا۔ جامع امداد العلوم پشاور میں بھی۔ لیکن متفقہ فیصلہ یونیورسٹی کے عمومی قبرستان جہاں آپ کی والدہ اور ہمشیرہ مرحومہ کی قبریں ہیں کے بارے میں ہوا۔

تجویز ہوا۔ پارکنگ وغیرہ کے انتظام کو پولیس نے بہت خوش اسلوبی سے سنبھالا۔ بعد از نماز مغرب گھر سے جنازہ اٹھایا گیا۔ جنازے کی نماز حضرت مولانا ایوب جان بنوری صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم سرحد نے پڑھائی اور مغرب اور عشاء کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔ جناب مولانا صاحبؒ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے جنہوں نے بالخصوص یونیورسٹی جیسے آزاد ماحول میں بیٹھ کر اس کو دینی مدارس کے لئے قابل رشک بنایا۔ یونیورسٹی کے علاوہ پشاور اور دُور دُور تک ایک دینی انقلاب برپا کیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جُدا ہو گئے اور ہزاروں لاکھوں متوسلین، مریدین اور دوست واحباب کو سوگوار چھوڑ گئے۔

آخری آرام گاہ

مولانا صاحب کی قبر کے سرہانے کتبہ پر لکھی ہوئی عبارت ہو بہو وہی ہے جو عبارت مولانا صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنی والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ کے کتبے کے لئے لکھی تھی۔ کتبے پر مندرجہ ذیل تحریر درج ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔

حضرت مولانا محمد اشرف السلیمانی رَحِمَہُ الودود

پیدائش:6 مئی 1925ء بروز جمعرات وفات:19 ستمبر 1995ء بروز منگل

جی چاہتا ہے کہ کتبہ پر ایک شعر بھی لکھا جائے جو بعد از وفات ان کے شان کے موافق ہے۔

عجباً لاربع اذرع فی خمسة فی جو فها جَبَلٌ اسم کبیر

ترجمہ: تعجب ہے کہ اس چار پانچ ہاتھ کے طول و عرض میں اتنا اونچا پہاڑ کیسے سما گیا۔

ایک ایسا شخص جس نے تن تنہا مغرب زدہ تعلیم یافتہ طبقہ کی کایا پلٹ دی۔ یونیورسٹی میں جگہ جگہ مساجد قائم کر کے ان کو مساجد والے اعمال سے آباد کیا۔ اس حد تک کہ یونیورسٹی کا بے دین ماحول اِلا اللہ کی آوازوں سے گونج اُٹھا۔ اور خانقاہوں کی طرح اصلاح وتربیت کا مرکز بن گیا۔ جس کے اثرات طلباء کے ذریعے سارے ملک میں پھیلے۔ اللہ اُسے جزائے خیر دَے۔

قبرستان میں بھی مجلس کا سماں

ہم نے ایک شعر سنا تھا۔ جس کے مناظر ہم نے مولانا صاحب کے ساتھ کئی جگہوں اور کئی مواقع پر دیکھے۔

منعم بہ کوہ و دَشت بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

ترجمہ: کہ نوازا ہوا پہاڑ، صحرا اور بیاباں میں کہیں بھی عاجز و لاچار نہیں ہوتا۔ جہاں چلا جاتا ہے۔ خیمہ گاڑ کر دربار سجالیتا ہے۔

مولانا صاحب خواہ حضر میں ہوتے یا سفر میں، خوشی کے مواقع یا غمی کے، سرکاری اجتماعات یا غیر سرکاری، یہاں تک کہ حج کے سفر میں بھی جہاں جاتے، مجمع اور مجلس لگ جاتی۔ محمد اسرار کے والد صاحب نے سن ساٹھ کے دہائی میں اکیلے حج کیا تھا اور سفر اور حج کی مشکلات و تکلیفات سے واقف تھے۔ جب ایک دفعہ مولانا صاحب کے ہمراہ حج پر گئے۔ اور ہر جگہ پر استقبال خوش آمدید مہمان نوازی اور قیام و طعام کا شاہانہ بندوبست دیکھا۔ تو فرمانے لگے یہ کیسا حج ہے۔ یہ تو شادی ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ

اب قبرستان میں بھی مولانا صاحب اس شعر کے مصداق نظر آتے ہیں۔ مولانا صاحب کی قبر کے سرہانے تھوڑا مغرب کی طرف مولانا صاحب کی ہمشیرہ کی قبر ہے۔ اس کے ساتھ متصل اماں جی کا قبر ہے۔ عبدالعزیز کشمیری کا قبر بالکل مولانا صاحب کے قدموں میں ہے۔ اس کے قریب مشرق کی طرف سید مسرت حسین شاہ ولد سید پیر معصوم شاہ صاحب کا قبر ہے۔ سید مسرت حسین شاہ مولانا صاحب کے مجاز بیعت خلیفہ تھے۔ ان کی قبر کے قریب شمال مشرق کی طرف میاں بشیر احمد کاکاخیل کی قبر ہے۔ میاں صاحب بھی حضرت مولانا صاحب کے مجازِ بیعت خلفاء میں سے تھے۔ اپنے کو ''دسوی پیر فقیر'' کہا کرتے تھے یعنی جلے ہوئے پیر کا فقیر۔

سید مسرت حسین شاہ صاحب اور میاں صاحب کا یونیورسٹی کے خصوصی مقبرہ میں دَفن ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں کہ دونوں یونیورسٹی کے پروفیسر تھے۔ لیکن عبدالعزیز کشمیری کا یونیورسٹی کے خصوصی قبرستان میں مولانا صاحب کے قدموں میں دَفن ہونا کسی معجزہ سے کم نہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ عزیز کشمیری کی مولانا صاحب اور اس کے خاندان کے ساتھ والہانہ محبت، لگاؤ اور بے لوث خدمت کا نتیجہ تھا۔ کہ مولانا صاحب کی کرامت ان کو اپنے قدموں میں لے آئی۔ حالانکہ نہ تو وہ یونیورسٹی کے ملازم تھے اور نہ ان دنوں یونیورسٹی میں رہائش پذیر تھے۔ یونیورسٹی کی طرف سے یونیورسٹی کے ملازمین کے علاوہ کسی کو بھی کسی صورت میں اس مقبرہ میں دفنانے کی اجازت نہیں تھی۔ عبدالعزیز کشمیری دارالعلوم امداد العلوم اسلامیہ 38 دی مال صدر میں مقیم تھے۔ اور وہاں وفات پائی۔ آپ ضرور یہ جاننا چاہیں گے کہ پھر یہ سب کچھ ہوا کیسے۔ ہوا یوں کہ مولانا صاحب کی وفات کے کچھ عرصہ بعد عبدالعزیز مولانا صاحب کے گھر سے کوچ

کر کے مدرسہ امدادالعلوم مسجد درویش صدر میں گیٹ سے متصل ایک کمرہ میں مقیم ہوگئے۔ کھانے وغیرہ کا بندوبست مہتمم عبدالرحمان فرزندِ حضرت مولانا فقیر محمد قدس سرہ نے مطبخ سے کروادیا۔ مولانا صاحب کے مرید سلطان حنیف اور کزئی ڈی آئی جی سوات کسی کام سے پشاور آئے تھے عشاء کے بعد دارالعلوم سے آگے گذر کر واپس لوٹے کہ عزیز جان کا بھی پوچھ لوں۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر جواب نہیں ملا۔ لیکن دروازہ بند بھی نہیں تھا۔ دوبارہ کھٹکھٹا کر جب دروازہ کھولا۔ تو عزیز جان مردہ پڑا تھا۔ اور ساتھ بچا ہوا کھانا برتن میں پڑا تھا۔ انہوں نے مدرسے والوں کو بھی اطلاع کردی اور یونیورسٹی پولیس کو یونیورسٹی کے قبرستان میں قبر کھودنے کے لئے کہا اور جگہ بھی بتادی۔ صبح قبر بھی تیار تھی اور مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء میت کو ایک ڈاٹسن میں لاکر قبرستان ہی میں مولانا حسن جان صاحب نے جنازہ پڑھایا۔ اور دَفن ہوگئے۔ جس نے بھی بزرگوں کی خدمت کی۔ اُس کو دین و دنیا دونوں سے نوازا گیا۔ اگر تفصیل لکھوں تو معاملہ طویل ہوجائے گا۔ بہرحال یہ اعزاز وافتخار عزیز جان کی قسمت میں تھا۔

حالات بعد از وفات

حضرت مولانا صاحب کی وفات کے بعد ساتھی اُسی طرح اُن کے گھر پر عصر تا عشاء اکٹھے ہوتے۔ کاپی میں سے مولانا صاحب کے بیانات پڑھ کر سُناتے۔ اور جمعہ کے روز ختم قرآن کا بندوبست کرتے۔ ساتھ ساتھ لوگوں کی آمد میں کمی آتی رہی۔ یہاں تک کہ جمعہ کے روز قرآن کریم کا ختم مکمل کرنا مشکل ہوگیا۔ البتہ رمضان شریف میں تراویح میں قرآن کریم کے ختموں کا سلسلہ برقرار رہا۔ اور باہر سے بھی وہ لوگ برابر آتے رہے۔ جو مولانا صاحب کی زندگی میں آیا کرتے تھے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ مولانا

صاحب کے خلفاء و متعلقین کا رمضان کے آخری عشرہ میں اجتماع ہو جاتا تھا۔ اِس اجتماع کا سہرا اہتمام حاجی غضنفر صاحب کے سر ہے۔ جو لاہور سے تشریف لا کر اعتکاف میں بیٹھ جاتے۔ اسی طرح لکی مروت وغیرہ سے حاجی حسن خان صاحب، حاجی خلیل احمد صاحب، جناب عبد القدوس صاحب اور شاہ عبد الرحیم شاہ صاحب تشریف لاتے۔ حفاظ حضرات میں سے جناب ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب اور عبد الرحیم شاہ، عبد القدوس صاحب، حسن خان کے فرزندانِ ارجمند باقاعدگی سے تشریف لاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ دوسرے لوگوں کی آمد میں کمی ہوگئی۔ لیکن مندرجہ بالا حضرات اب بھی باقاعدگی کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ اور مولانا صاحب کی خانقاہ کا رونق دوبالا کر دیتے ہیں۔ پرانے ساتھی مثلاً شیر حسن، میر حاتم، محمد سراج وغیرہ تو عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر شرکت سے معذور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے نظام کو چلانے کے لئے نئے لوگوں کو پیدا کیا۔ نوجوانوں کی ایک خاص تعداد حاجی غضنفر صاحب سے بیعت ہے۔ جو اب یہاں کے نظم کو چلا رہے ہیں۔ ان میں جناب محمد جمیل خان اور اظہار احمد، ڈاکٹر محمد ابراہیم قابل ذکر ہیں۔ جب تک جناب محمد نعمان صاحب اور جناب شاہ ناصر گلگتی صاحب مولانا صاحب کے گھر کے ساتھ کوارٹرز میں رہائش پذیر تھے۔ اِس نظم کو چلاتے رہے۔ رمضان کے ختموں میں مولانا صاحب کے سُسرالی میاگان صاحبان بھی باقاعدگی سے شرکت فرماتے ہیں۔

مولانا صاحب کی وفات کے بعد ساتھی اس فکر میں تھے کہ اب اکھٹ کیسے ہو گا کہاں ہو گا۔ اس کے لئے کسی جگہ کی تلاش میں تھے کہ مولانا صاحب کی اہلیہ صاحبہ نے وہ مشکل آسان کر دی اور اپنے گھر کا ایک حصہ مسجد بنانے کے لئے وقف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بہت بہت جزائے خیر دے۔ تہہ خانہ ساتھ ملا کر کافی بڑی مسجد ہے۔ جس میں غسل خانوں، وضو خانوں کے علاوہ ائیر کنڈیشن کا بھی بندوبست ہے۔ اہلیہ صاحبہ

مسجد میں معتکفین کے طعام و قیام و خدمت بھی خود سر انجام دیتی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا صاحب کے خلفاء اپنے طرز بصیرت اور حالات کے مطابق مولانا صاحب کی تعلیمات کو بڑھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب نے یونیورسٹی ٹاؤن سے مشرق کی طرف نہر کے کنارے اپنی خانقاہ بنائی ہے۔ جس میں اصلاح و تربیت کے باقاعدہ روزانہ، ماہوار اور سالانہ پروگرام چلاتے ہیں۔ جناب اختیار الملک صاحب مرحوم کی دو خانقاہیں مانسہرہ اور پوڑہ میں اصلاح و تربیت کے لئے وقف ہیں۔ جناب عبد المنان صاحب مکہ مکرمہ میں مختلف ممالک سے مسلمانوں کے اصلاح و فلاح کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔ جناب غازی مرجان صاحب مقیم مدینہ منورہ، تبلیغ کے رُخ سے دُنیا کے مسلمانوں سے رابطہ میں ہیں۔ باقی تمام خلفاء بھی کسی نہ کسی شکل میں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ لیکن اب سب چراغ سحری اور ٹمٹماتے چراغ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی عمروں میں برکت دے۔ اور مولانا صاحب کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی توفیق دے۔ اِس تحریر کو حسرت و یاس سے بھرے چند اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

چراغ بُجھتے چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے

تاب و تواں و ہوش خرد داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو ہو گیا

باب۔16

نالۂ غم

حضرت مولانا صاحب کی وفات سے تمام متعلقین و متوسلین دِل گرفتہ اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ اور ہر ایک اپنا درد و غم رورو کر اور چیخ چیخ کر سنانا چاہتا تھا اور بہ زبان حال پکار رہا تھا۔

جان ز مہجوری نبالد دربدن نالۂ من وائے من اے وائے من

(ترجمہ: ہجر و فراق کے غم میں روح بدن کے اندر نہیں سماتی ہائے افسوس: میرے نالہ وفریاد پر افسوس)

درد بھرے منتخب اشعار

مندرجہ ذیل منتخب مجموعہ اشعار اُن کی حالت کی ترجمانی کرتی ہے۔ پڑھئے اور رورو کر اپنا غم ہلکا کیجئے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤگے روشنی کے لئے
ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف دستِ ساقی چھلک پڑا
رہیں دِل کی دِل میں ہی حسرتیں کہ نشان قضا نے مٹادیا

****

دل بھر کے دیکھ لو یہ جمال جہاں فروز
پھر یہ جمال نور دکھایا نہ جائے گا
گوش جہاں بغور سُنے اِس کلام کو
پھر یہ کلام شوق سنایا نہ جائے گا
اے میکشو یہ دُردِ تہہ جام بھی پیو
ترسوگے پھر یہ جام پلایا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

جن کے دم سے ہورہی تھی سیرابی تشنگان
چھوڑ کر ساقی ہی اپنا میکدہ رخصت ہوئے
اپنے سب خدام کو وہ غم میں ڈوبا چھوڑ کر
خود سوئے رب العلیٰ دار الجناں رخصت ہوئے
ان کی تربت پر کروڑوں رحمتیں ہوں اے حَزیں
دار دنیا سے سوئے دارالبقا رخصت ہوئے

****

رفت ساقی سوئے ساقی اُف تہی میخانہ شد
ماند تشنہ ہر بشر گم گشتہ چوں پیمانہ شد

(ترجمہ: ساقی اپنے ساقی کی طرف چلا گیا۔ہائے افسوس میخانہ خالی ہوگیا چونکہ۔۔۔پیمانہ (ساغر) گم ہوگیا اس لئے ہر انسان پیاسا رہ گیا)۔

شد بہ جنت دلبری آخر ازیں دُنیا ئے دُون
خالی از آفتاب کامِل آہ این کاشانہ شُد

(ترجمہ: وہ ایک محبوب اس کمینہ دنیا کو چھوڑ کر جنت چلا گیا افسوس یہ کاشانہ (گھونسلا) مکمل سورج (کی روشنی سے) سے خالی رہ گیا)۔

آنکہ بخشیدہ ہمیشہ مردہ دِل را زندگی
کوچ کرد از دار محنت خوش بہ نعمت خانہ شُد

(ترجمہ: وہ ہستی جو ہمیشہ مردہ دلوں میں جان ڈالا کرتی تھی غم اور مصیبت کے اس گھر کو چھوڑ کر (دائمی) نعمت کدہ کی طرف چلی گئی)۔

جس کا ڈر تھا بالآخر وہ گھڑی بھی آگئی
وہ خبر آئی کہ بزم زندگی تھرّا آگئی

جس سے روشن اپنے سینے تھے منور تھے دماغ
بجھ گیا وہ علم کا، حکمت کا، دانش کا چراغ

اے غلاموں کا لہو گرمانے والے الوداع
آگ سی الفاظ میں برسانے والے الوداع
خود تڑپ کر بزم کو تڑپانے والے الوداع
اے جگا کر ملک کو سوجانے والے الوداع

قصہ ہوش رہا، ہوش میں آلوں تو کہوں
دل پہ کیا بیت گئی دل کو سنبھالوں تو کہوں
اشک باری سے لگی، دل کی بجھالوں تو کہوں
زندہ دل ڈھونڈ رہا ہوں اسے پالوں تو کہوں

دل پرخون نہ سہی، دیدۂ پر آب تو ہو
درد ہے ماہی بے آب، کہوں یا نہ کہوں
آرزو دل میں مچلتی ہے، شہید مضطر
زندگی موجۂ بیتاب، کہوں یا نہ کہوں

دور ساحل ہوا، وہ منظر مرغوب گیا
موج سر پیٹتی ہے، سجدہ مطلوب گیا
چھوٹ ہاتھوں سے میرے دامن محبوب گیا
یوں کنارا کیا ساحل نے کہ دل ڈوب گیا

****

سینے میں جس کے تھا دِل بیدار چل بسا
چہرہ تھا جس کا مطلع انوار چل بسا
راہ خدا میں وقف رہی جس کی زندگی
اک شخص تھا، جو پیکرِ ایثار چل بسا

****

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم بہار آخر شد

(ترجمہ: افسوس! پل بھر میں محبوب کی صحبت اپنے اختتام کو پہنچی ابھی جی بھر کر پھول کو دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ بہار کا موسم ختم ہو گیا)۔

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب
بوئے گل را ازکہ جوئیم از گلاب

(ترجمہ: چونکہ (بہار کے ختم ہونے سے) باغ اجڑ گیا اور پھول بھی ختم ہو گئے پھول کی خوشبو کہاں تلاش کریں، عرق گلاب سے؟)

تھی کھٹک درد کی پہلے سے میرے دل میں مگر
تم میرے پاس سے اُٹھے کہ قیامت آئی

دِل زخم زخم لوگو! کوئی ہے جسے دکھائیں
کوئی ہم نفس نہیں ہے، غم جان کسے سنائیں
یکا یک جو چھاگئی ہیں، غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اس جہاں سے کہ بدل گئیں فضائیں
اٹھا سائبان شفقت، بڑی تیز دھوپ دیکھی
نہیں دور دور چھاؤں، کہاں اپنا سر چھپائیں

****

تیری فرقت کا زخم کاری ہے
تیرا غم سب غموں پہ بھاری ہے
ہر طرف چھائی موت کی زردی
خون دل چشم غم سے جاری ہے
کیا کریں ہم ضعیف انسان ہیں
دل گرفتہ ہیں غم بد امان ہیں
پڑتا سینے پہ دستِ ماتم ہے
سوزش دل سے اُٹھتے طوفان ہیں

****

یاد آتی ہیں ادائیں ان کی روز و شب ہمیں
ہوگئی تصویر میری غم کے ماروں کی طرح
موت حق ہے ایک دن دنیا یہ سب چل جائیں گی
تیری رحلت نے بنایا گل کو خاروں کی طرح
وائے ناکامی چمن اُجڑا ہے مالی چل دیا
دوست کب بیٹھیں گے یا اللہ یاروں کی طرح

****

تھی ترے دم سے جو اک سرگرمئ جہد و عمل
بزم دین میں اب وہ سرگرمی نہیں تیرے بغیر
تیرے فیضان نظر سے کتنے دل زندہ ہوئے
رو رہے ہیں تشنگان علم دین تیرے بغیر
ہوگئی ویران اب رشد و ہدایت کی یہ بزم
جان نثار دین ختم المرسلین تیرے بغیر

****

کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی ہنسی ہنسی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
ٹھہرے گا دل تھمیں گے اشک آہ مگر ابھی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہیں
جائیں بچشم نم کہاں روئیں اب اپنا غم کہاں
پہلا سا اب کرم کہاں ایسا تو اب کوئی نہیں

سب کا غلط ہے یہ گمان، زندہ ہی اب ہوں میں کہاں
وہ جو تھا اپنا جانِ جان پہلو میں جب وہی نہیں
ہجر کی شب عجب ہے شب حال یہ کیا ہے العجب
تارے ہیں روشنی نہیں چاند ہے روشنی نہیں
شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو رونقیں ہیں گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں

****

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اس قدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں
ہوا ہوں اس قدر افسردہ رنگِ باغ ہستی سے
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں
صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جانان کو
شریک حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
فقط اِک بے کسی ہے جس کو ہم اپنا سمجھتے ہیں
نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم
جوناپیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں
وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں یہ آرہے ہیں وہ جارہے ہیں

وہی قیامت ہے قد بالا وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

میں نے ساری عمر کی ہے خدمت پیر مغاں
مجھ سے پوچھو میکدہ کی زندگی ہوتی ہے کیا
ذکر اُن کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی
بیخودی کیا چیز ہے، وارفتگی ہوتی ہے کیا

مہمان ہے جس روز سے سینہ میں تیری یاد
آباد ہے اُجڑی ہوئی بستی میرے دل کی
جو کچھ بھی ہو انجام گدازِ غم پنہاں
فی الحال تو کچھ باعث تسکین یہی ہے

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش
حمید ایں قصّہ عشق است در دفتر نمی گنجد

(ترجمہ: قلم توڑ ڈالو، سیاہی انڈیل دو، کاغذ جلادو، سکوت اختیار کرلو حمید! یہ عشق و محبت کی کہانی ہے کاغذی کھاتے میں نہیں سماتی)۔

اشرف فقیر است و گدا افتادہ در شہر شما
شاید از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

(ترجمہ: اشرفؒ فقیر ہے جو گدایانہ انداز میں آپ کے شہر میں پڑا ہوا ہے شاید خدا کے لئے آپ (ہم) غریبوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں)۔

حافظ الپوری کے چند منتخب پُر درد و پُر سوز اشعار

سینه ځما چه سوخته نه شوه دَ هجران په لمبو
که ئے په بَلو لَمبو اونیسم جلیا به نه شی
آشنا مِ کوز که تور لحد ته زه خیرازه ګرځم
دَ مینے لافے مِ دروغ شولے رشتیا به نه شی
په هره شپه پسے صبا قرین پیوست رادرومی
په ما دَ هجر شپه دَ بَـرهٔ شوه صبا به نه شی
له دواړو سترړو نه م نم دَ بیلتانه بهیږی
که پینبوری کجل په پورے کړم بینا به نه شی
****
دماغ ځما به معطر نه شی بے له بویه دَ دوست
که زر شتر دَ چین ختن په مشك لَنبلی راشی
زه له ګریا نه لوند ګریوان ګرځم په ګرمو اوښکو
سَوزَم دَ عشق له ګرمئی تاؤمِ په زړه راشی
دَ جراحت نم چه بهیږی درد الم کمیږی
ځما په ډیرو اُوښکو درد کمیده ولے نه شی
ځه چه تللی یادَوم زړه مِ نړیږی
په ګوګل کښ م دَ غم چړے غړیږی
خراب دل به مِ له غمه ترقیده شی
چه تیرے سړیکے مدام تے ولاړیږی
چه په ځه نازیدم هغه خلق نشته
په نور چامِ نه زړه ډاډ دَے نه سړیږی

په اُور سره اوسپنه درنګ لره سړه شي
ځما زړه بيلتانه سوے نه سړيږي

پروفیسر محمد سراج کے والد مولانا شیر علی خان کا مرثیہ

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج سواتی کے والد محترم جناب مولانا شیر علی خان صاحب مرحوم نے مولانا صاحب کے وفات پر ایک منظوم مرثیہ لکھا تھا۔ جو اتفاقاً جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ اِس مرثیے کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ خود پروفیسر ڈاکٹر محمد سراج صاحب بھی اس سے بے خبر تھے۔ لیکن یہ حضرت مولانا صاحب کی کرامت سمجھئے کہ عین اس کے سوانح عمری لکھنے کے وقت کتابوں میں سے نکل آیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

مرثیہ

خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نيران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

دَ خير مجسَّمه وَه تکيه ګاه د غريبانو
مَلجا د غمزدَؤ او مَاوٰی د مسکينانو
درياب د سخاوت ؤ فيض رسان د بے کسانو

په ذکر عبادت او نصيحت به ؤ ګويان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نيران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

ضعیف ؤ په بدن خو لکه شیر په عبادت ؤ
ډیر زیات ئی له ځوانانو په نیکئے باندِ همت ؤ
مازدیگر نه به ئی ورستو له دوستانو خوګ صحبت ؤ
په خه بیان خوشحال به ئی کړؤ زړه دهر انسان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

په مړ وجود طاقت د خیر ورکړے رب قدیر ؤ
شپګ اُوه حجونه ئی کړی زکه دے بدر مُنیر ؤ
آخری کال کے هم دَ غه شرافت ئی په تقدیر ؤ
زلیدونکے لکه ستورے ؤ یا لال دبد خشان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

د دوئی په ډیر همت باندِ آباد دارالعلوم شو
زرګونه طالبان په علم دین باندِ مفهوم شُو
جُمات هم شُه آباد دَ حَّی عَلَی الصَّلوٰة په نوم شُه
انوار او برکات د دوئی مرقد باندِ باران
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

دا وخت دے د فساد نو رب قیدی کړو عبادت له
د رب ذکر او فکر محبت او تلاوت له
ټول عمر معتکف ؤ وزګارنه ؤ یوساعت له
دارنګے نیك بختی چرته مندلے شی اِنسان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

دوستان چه ورخکاره شی د بنګلے په آبادئے کښں
صاحب نه وی حاضر عاجزان پاتے شی خوارئے کښں
د سترګو نه ئی بهیګی اُوخکے جاړی په زارئے کښں
دا حکم د قادر دے کُلُّ مَن عَلَيها فَانٍ
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

لوئ غر دَغم راپریوت په حاجی محمد اکرم
دوستان او نسبیان ئی هم راګیر شو په لوئی غم
دَ صبر پتهئے کیده وَئے په زړه لکه ملهم
د صبر اجر او ګتهئے تقدیر دے د سبحان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

ژړا کښں فائده نشته عبرت واخلئے مومنانو
مشغول په عبادت شئے ګناه مه کوئے دوستانو
خوشحاله تر اَبده بیا معاش کوئے یارانو
جنت کښں مرض نشته او نه مرګ او نه خفګان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

څه وایم مبارکشه اے نُعمانه بختوره
خدمت دِ تر آخره پوره اُکړلو بهتره
هم دارنګے دوستانو د صاحب ته کړم خبره
خفه چه درنه نه شولو صاحب په یو زمان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

سرحد کښې داسې غوره هستی چرته به پیدا شی
تسلی چه وی د زړونو او ځمونږه رهنما شی
کوشش کوئ یارانو که دا لال په لاس کښې راشی
ناچاره بې طاقته یُو دشمن لرو شیطان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

دَه ډیره حیرانی په مړ وجود سومره طاقت ؤ
شپه ورځې د رب ذکر عبادت او تلاوت ؤ
بیا خاص په رمضان کښې ډیر ختمونه ریاضت ؤ
د عشق په دې باب کښې له بلال کوه پُر سان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

په جنت الفردوس کښې مقام ورکړې یا رحمانه
د خیر مجسمه وه هم سخی ؤ ډیر بیشانه
سابقین مُقرَّبین ئی هم ملګری کړې مَنَّانه
د دوئ په برکت نصیب څمونګه کړې غُفران
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

ظاهری اولادئی نشته روحانی اولادئی ډیر دې
مریدان او شاګردان په هر مقام ګل دَ نمیر دَې
دَ علم طالبان پرې لا دپاسه زیاتی خیر دې
سیالی به ئی څوك اوکړی په ده فضل د سبحان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان

دا کال دے عام[91] الحُزن مونږ ته هم راغلے غم
مـا لا غـم د غـم کاؤ چـه راغـے بـل غمِ اعظم
د دے غم اندازه نشته سرحد دے ټول په غم
تسلی څوك راکولے شی په غم دی ټول دوستان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان
دَ غم ورځ سـه شنـبه او نولسم دستمبر وه
دریـشـتمه د ربیع ثانی په حساب کښ معتبر وه
سنه چه عیسوی ده پنځه کم کنے دوه زروه
هجری وه شپاړس کاله څوارلس سوه پخه شان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان
ځما خه نصیـبـی وه شوم ناجوړه په مرض
عـلاج دپــاره راغــلـم پــکـے بـل اوشـو غرض
شرکت په جنازه کښ مِ نصیب شُو لوی غرض
ځما ټوله سختی د دے ساعـت نـه شـه قـربـان
خالقه د دوستانو زړونه اُسول په نیران
جناب محمد اشرف صاحب رخصت شُه له جهان
بسکه شیر علی خانه څه خبر ئی له صاحب
خبـر دے هغـه خلق چه قریـب دی د صاحب
الله حاضـر نـاظـر دے په ذره ذره حاسب
نـیـکانـو لـه بـه ورکـړی لـوئی اجـرونـه فِـراوان
فقط مورخه ماه نومبر 1996
وخت پاؤکم درے بجے خپل کور کښ
کلے کوټه تحصیل بریکوټ، ضلع سوات

91 یعنی ځما نوسئی عابده په 6 جولائی 1995 وفات شوے ده.

باب۔17

تصنیف و تالیف

حضرت مولانا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے زبردست حافظہ دیا تھا اور پڑھنے کا شوق تو ایسا تھا کہ اپنی علمی و مطالعاتی زندگی میں خود فرماتے ہیں کہ ”راتیں بیت جاتی تھیں۔ لیکن مطالعہ کا شوق ختم نہیں ہوتا تھا۔ آٹھ نو سال کی عمر تک توبۃ النصوح، مرآۃ العروس، بناۃ النعش، مسدس حالی جیسی کتابیں پڑھ چکا تھا۔ شوق مطالعہ اس قدر جوان تھا کہ تیسری جماعت میں صادق صدیقی سردھنوی اور مولانا عبدالحلیم شرر کے سب تاریخی ناول کرایہ پر لے کر پڑھیں۔ اس کے علاوہ پرانی طرز کے قصوں کی کتابیں گل بکاؤلی، قصہ چہار درویش، قصہ ممتاز، حاتم طائی، طلسم ہوشربا، فسانہ آزاد وغیرہ پڑھنے میں آئیں۔ مختلف تفاسیر و تاریخی کتب کے علاوہ کونسے اخبار ورسائل تھے جو مطالعہ میں نہ آئے۔ الغرض دس بارہ سال کی عمر تک رُطب ویابس کے ڈھیر پڑھ ڈالے“۔

حضرت مولانا صاحب کے پڑھائی کے ان دلچسپ و عجیب واقعات کو پڑھ کر انسان اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ بچپن میں حضرت مولانا صاحب کی لکھائی کا کیا حال تھا۔ اس کے لئے مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب کا بہت ہی دلچسپ و دِل نشین اقتباس پیش خدمت ہے۔ جو انہوں نے مولانا صاحب کے انٹرویو کی شکل میں ماہنامہ رشاد دسمبر 1973ء میں شائع کیا تھا۔ فرماتے ہیں ”آپ کو بچپن ہی سے لکھنے کا شوق رہا ہے۔

آپ کی چھٹی جماعت کے دوران کی ایک تقریر ”ہمارا نبی“ نامی ایک کتاب میں عبدالمجید قرشی (سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور) نے اخوّت و مساوات کے عنوان سے 13 اگست 1936ء کو شائع کی۔ اس وقت آپ کی عمر صرف گیارہ سال تھی“۔

فرماتے ہیں کہ ”ابتدائی مضامین کا سلسلہ میٹرک کا امتحان دینے کے بعد انگریزی اخبار

statesman کلکتہ کے تراجم سے شروع ہوا۔ مذکورہ اخبار کے علمی مضامین کا آپ ترجمہ کر کے ہفت روزہ ''تہذیب نسواں'' لاہور کو برائے اشاعت بھجواتے تھے۔ اس رسالہ کے مدیر شمس العلماء ممتاز علی تھے۔ اسی ہفت روزہ میں آپ کے ابتدائی دینی مضامین ''انحطاط ملی و مذہب'' ''روحانیت اور اسلام'' اور اسلامی پردہ کے عنوانات کے تحت 61-1960ء میں اور اس کے بعد شائع ہوتے رہے۔ روزنامہ احسان لاہور میں ''اسلام اور بین الاقوامی امن'' کے نام سے آپ کا پُر مغز علمی مقالہ 1945ء کے دوران شائع ہوا۔ اسی سال ''نوائے وقت'' میں ''اسلامی قومیت'' پر آپ کا ایک دوسرا مقالہ شائع ہوا۔

اس کے بعد مولانا صاحب کا وہ دور شروع ہو جاتا ہے جبکہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے روحانی تعلق قائم ہو چکا تھا اور دعوت و تبلیغ میں بھی کافی آگے بڑھ چکے تھے۔ علماء و صلحاء عصر کی نظروں میں مولانا صاحب کی وقعت اُس وقت بڑھی جب مولانا صاحب کے مضامین ''سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر'' کے عنوان سے ماہنامہ معارف دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے شماروں میں قسط وار شائع ہونے لگے۔ یہ مضامین ستمبر 1955ء سے لے کر جنوری 1956ء تک کے شماروں میں طویل قسطوں میں شائع ہوئے۔ ان ہی مضامین نے ہندوستان کے اَدیبوں اور خاص کر حضرت سید صاحب کے متعلقین کی توجہ مولانا صاحب کی طرف مبذول کرادی۔ مبارک باد و تحسین و داد کے پیغامات ملنے لگے۔ اور مولانا صاحب کی پہچان ہندوستان میں حضرت سید صاحب کے علمی وروحانی جانشین کے طور پر ہونے لگی۔ مولانا صاحب کا بیرونی ممالک میں تبلیغی سفر 1957ء کی روائیداد حضرت علامہ عبدالماجد دریاآبادی کے ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ کے شمارہ 17 جنوری 1958ء نو قسطوں میں شائع ہوتا رہا۔ اشاعت مضامین کا یہ سلسلہ دسمبر 1971ء تک قائم رہا۔ جب تک کہ مشرقی پاکستان میں جنگ کی وجہ سے ہندوستان

کے ساتھ تمام روابط کٹ نہ گئے۔

اس سے پہلے 67-1966ء میں مولانا صاحب کے مضامین کی اشاعت ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک اور بنیّات کراچی میں شروع ہوچکی تھی۔ اس کے علاوہ دوسرے رسالوں مثلاً الرشید، الخیر، ہمدرد وغیرہ میں بھی مضامین شائع ہوتے رہے۔

کتابیں

سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ نے جب سلیمانی نمبر کی خصوصی اشاعت کا اعلان کیا تو مولانا صاحب نے ”سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر“ کے عنوان سے حضرت علامہ سید سلیمانؒ کے تربیتی خطوط ملفوظات اور مختلف تحاریر کے اقتباسات پر مشتمل ایک پر مغزو سیر حاصل مقالہ تیار کیا۔ گوناگوں حالات کی بدولت یہ مقالہ بروقت نہ پہنچ سکا۔ جبکہ ستمبر 1954ء میں معارف کا خصوصی سلیمان نمبر بغیر اس مقالہ کے شائع ہوگیا۔ جس کا مولانا صاحب کو زندگی بھر افسوس رہا۔ اور بقول حضرت غلام محمد صاحب اگر یہ مقالہ بروقت پہنچ بھی جاتا تو اتنے مبسوط مقالہ کا شمول خصوصی نمبر میں مشکل ہی ہوتا۔ اس لئے اس کو قسط وار ماہنامہ معارف میں چھاپنے کا فیصلہ کیا گیا جو کہ ستمبر 1955ء سے لیکر جنوری 1956ء کے شماروں میں طویل قسطوں میں شائع ہوا۔ جیسے جیسے اس نادر و قیمتی مقالہ کی قسطیں معارف میں چھپتی رہیں۔ سید صاحب کے متعلقین، قدر دانوں اور جوہر شناسوں کی طرف سے مبارک بادی، قدر دانی اور حوصلہ افزائی کے خطوط ملنے لگے ایسے ہی قدر دانوں کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

حضرت جناب غلام محمد مصنّف ”تذکرہ سلیمان“ نے فرمایا کہ ”مقالہ کے شائع ہونے کے ساتھ ساتھ مقالہ نگار کی کاوش، دیانت، اخلاص، فن دانی اور شیخ مرحوم و

مغفور سے نسبت خصوصی کی داد ہر سمت سے ملتی رہی۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت شیخ کے افادات احسانی، جس خلوص و شیفتگی سے انہوں نے جمع فرمائے ہیں۔ وہ اہل ملّت میں ضرور مقبول و باقی رہیں گے"۔

حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ نے تحریر فرمایا کہ "سلوک سلیمانی کا سلسلہ معارف پڑھ کر خود ہی خیال آتا رہا کہ خاتمہ پر انشاء اللہ مبارک باد پیش کروں گا کہ آپ نے اپنے الشیخ السیدؒ کی شیخ شناسی کا حق خوب خوب ادا فرمایا۔ یہ ناکارہ جس طرح حضرت تھانویؒ کی تجدیدی جامعیت کا اُن کے وفات کے بعد اُن کے ملفوظی و تحریری باقیاّت صالحات کے مطالعہ سے معتقد ہوا۔ اسی طرح حضرت سید صاحب کے شیخ کامل ہونے کا اُن کی وفات کے بعد سلوک سلیمانی سے مُعتقد ہوا ماشاء اللہ سلوک سلیمانی نے شان تربیت کا مرقع پورا سامنے کر دیا"۔

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے ارقام فرمایا کہ "معارف میں سلسلہ مضامین (سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر) کو لفظ لفظ پڑھا۔ ماشاء اللہ سبحان اللہ بڑے سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے لکھا ہے۔ کوئی مسترشد اس سے بہتر طریقے پر اپنے مرشد کے کمالات و فضائل کو ظاہر نہیں کر سکتا"۔

"سید صاحب کی جتنی تحریریں اس مقالہ میں نظر سے گذریں، لفظ بہ لفظ حضرت تھانویؒ سے منقول ہیں۔ یعنی فنائیت فی الشیخ کا اعلیٰ مرتبہ، سلوک سلیمانی کو کتابی صورت میں ضرور لائیے۔ انشاء اللہ بہتوں کو اس سے نفع ہو گا"۔

مدیر معارف حضرت شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب نے لکھا کہ "آپ کا مضمون (سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر) مختلف حیثیتوں سے نہایت مُفید اور قابل قدر ہے۔ دوری و بُعد کے باوجود حضرت سیّد صاحب کی روحانی دولت آپ کے حصے میں آئی۔ اور پھر اُن کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی"۔

حضرت سیّد صاحب کے محبوب شاگرد مولانا محمد اویس ندوی نگرامی صاحب نے خلوصِ دل سے سلوک سلیمانی پر مبارک باد پیش کردی۔ اسی طرح مولانا عبدالروف اورنگ آبادی نے ارقام فرمایا کہ آپ کے مضامین "سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر" ایک طرف بصیرت افروز ہیں تو دوسری طرف بے حد وجد آفرین، بار بار پڑھنے سے بھی سیری نہیں ہوتی۔ جی چاہتا ہے کہ لوحِ دِل پر نقش کرلوں"۔

ان قدر دانیوں اور حوصلہ افزائیوں کے باوجود اس مقالے کو کتابی شکل میں لانے کے لئے تیرہ سال لگ گئے۔ مولانا صاحب کتاب کے مقدمہ (25 ستمبر 1966ء) میں خود رقم طراز ہیں کہ بندہ کا خیال تھا کہ سلوک سلیمانی کا ایک تفصیلی خاکہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ جس کے تقریباً فل سکیپ کے پانچ سو صفحات لکھے جاچکے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو فقیر کی اس پہلی کوشش ہی کو پہلے کتابی صورت میں منظر عام پر لانا منظور تھا۔ عزیزی نسیم اختر شیخ (انجینئر لاہور) کے دل میں اس کی اشاعت کا شدید داعیہ و تقاضا پیدا ہوا۔ اور عزیز سعید جناب سرمد الحسینی صاحب کے تعاون سے 1969ء میں مکتبہ سرمدی سے شائع کیا گیا۔

سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت

سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر حقیقت میں سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کا تعارف اور خاکہ تھا۔ اصل کتاب جو مولانا صاحب چھپوانا چاہتے تھے۔ وہ سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت تھی۔ لیکن اس کی تیاری اور چھپائی میں پورے بارہ سال لگ گئے۔ تب جاکر 1981ء میں یہ کتاب تین جلدوں میں منظر عام پر آگئی۔

جلد اول تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تصوف و سلوک کی حقیقت اُس کے مبادیات پر سیّد صاحب کے سلوک و ملفوظات کی روشنی میں چوالیس عنوانات کے تحت سیر حاصل بحث ہے۔ دوسرا باب ارادت و مَشیخیت، معیار و آداب مرشد و

شرائط و مسترشد پر مشتمل ہے۔ جو بائیس عنوانات ہیں۔ تیسرا باب توحید وصفات الٰہیہ کے اٹھارہ عنوانات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ کا لکھا ہوا پیش لفظ اور حضرات مولانا عبدالباری ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی کے تقریظات و تعارفی خطوط بھی ہیں۔ پہلی جلد 544 صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسری جلد چوتھے، پانچویں اور چھٹے باب پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب میں اخلاص، ولایت، قرب و کرامات ورویا کا بیان ہے۔ جبکہ پانچواں باب معمولاتِ سلوک، اذکار و وظائف پر مشتمل ہے۔ چھٹے باب میں خالص نماز اس کے متعلقات اور دعا کا ذکر ہے۔ اس میں 376 صفحات ہیں۔

سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کی تیسری جلد مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اس میں مع مولانا صاحب کے بیس حضرات و خواتین کے نام حضرت سید صاحب کے تربیتی خطوط ہیں۔ اس سے پہلے بھی سید صاحب کے خطوط کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جو علم وادب اور معرفت و آگہی کا گنجینہ ہیں۔

سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کے بارے میں اکابرین نے جو اظہار رائے فرمایا۔ وہ ملاحظہ ہو۔

حضرت علّامہ ابوالحسن علی ندویؒ کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ " ناچیز کے لئے محب گرامی مولانا محمد اشرف خان صاحب ایم اے صدر، شعبہ عربی، اسلامیہ کالج پشاور کی گرانمایہ تصنیف سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کے متعلق اظہار خیال کرنا کئی طرح سے سعادت و مسرت کی بات ہے۔ ایک موجودہ مریض نسل کی اصلاح کی وجہ سے اور دوسری حضرت سید سلیمان ندویؒ کی وجہ سے جن کا تعلق ندوۃ العلماء سے مربیانہ و سرپرستانہ رہا ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ سیّد صاحب جب پاکستان پہنچے تو نہایت

دل شکستہ اور افسردہ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کی تلافی اس طرح کی کہ اُن کو مولانا محمد اشرف خان صاحب کی صورت میں ایک ایسا مرید رشید اور عاشقِ صادق عطا فرمادیا۔ جو اسی طرح سے اُن کے علوم و افادات کا شارح اور اُن کے طریقہ تربیت کا حامل بن گیا۔ جیسے وہ اپنے شیخ اشرف کے علوم و افادات کے شارح اور ان کے طریقہ اصلاح و تربیت کے حامل تھے۔ اور اس کا نمونہ یہ کتاب ہے جو اپنے ابتداء و انتہا کے لحاظ سے صحیفہء اشرفی اور اپنے وسط اور واسطہ کے لحاظ سے ”صحیفہ سلیمانی“ کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کو مولانا محمد اشرف خان صاحب کا فطری جوہر کہئے یا سید صاحب کی ارادت و صحبت کا فیض کہ تحریر کی شگفتگی اور شرینی کہیں ساتھ نہیں چھوڑتی۔ امید ہے کہ یہ کتاب ایک بڑے طبقے کے لئے قابل مطالعہ و استفادہ ہوگی جو تصّوف کی عام کتابوں کے پڑھنے سے گھبراتا ہے اور ان کی زبان اور طرزِ بیان سے مانوس نہیں۔

حضرت علامہ عبد الباری ندویؒ نے اپنے نامہ مبارک میں ارقام فرمایا کہ ماشاء اللہ غیب سے آپ کے احکام کی پیشگی تعمیل تو خوب ہی خوب کرائی جاتی ہے۔ سید صاحب کی سوانح وسیرت کی تکمیل کے لئے کچھ معمولی اضافہ کے ساتھ سلوک سلیمانی کا معارفی سلسلہ بالکل کافی ہوگا۔ اس کی بجائے اگر قلم اشرف سے ”اشرفی سلوک“ کا ایک مرقع تیار ہوجائے تو انشاء اللہ اپنی جامعیّت و احاطت کی بدولت نہ صرف شیوخ وسالکین کے لئے بے بہا دولت بلکہ آپ کے جدید قلم کی روشنی میں باقاعدہ تربیت سے بدکنے والوں کے ہاتھ میں ایسی چیز پہنچ جائے گی کہ پڑھنے والے بطور خود بھی اپنی اخلاقی و باطنی اصلاح میں بشرط طلب فائدہ اٹھاسکیں گے۔

حضرت علامہ عبد الماجد دریاآبادیؒ نے اپنے تحسین ناشناس میں سلوک سلیمانی کے بارے میں ارقام فرمایا کہ ”یہ نام کے اشرف کام کے لحاظ سے بھی اشرف نکلے۔ اور جو دولت انہیں اپنے شیخ سے نصیب ہوئی تھی۔ وہ انہوں نے وقف عام کردی“۔

عارف باللہ ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفیؒ نے سلوک سلیمانی کے بارے میں فرمایا کہ ''آپ نے بڑا مبارک کام سرانجام دیا۔ انشاء اللہ اہل ذوق، اہل فہم حضرات کو اس کا مطالعہ بہت نافع رہے گا۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس کو بھی طریقت و تعلق مع اللہ کے حصول کا خیال ہو وہ لفظاً لفظاً اس کا مطالعہ کرے اور تجدّد و استحضار کے لئے برابر مطالعہ کرتا رہے''۔

فضائل اعمال کا فارسی ترجمہ

پاکستان میں تبلیغ کے مرکزی مجلس شوریٰ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کے کہنے پر مولانا صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ قدس سرہٗ کی تالیف کردہ مشہور تبلیغی کتاب فضائل اعمال کا فارسی ترجمہ کیا۔ یہ کتاب اصل میں تبلیغی نصاب کے طور پر مشہور ہے۔ جو فضائلِ نماز، روزہ، قرآن، ذکر، تبلیغ اور درود شریف پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ حکایات صحابہؓ اور مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج بھی اس کے اجزا ہیں۔ یہ ترجمہ بڑی کاوشوں اور مولوی محمد یوسف البرجویؒ (استاد شعبہ عربی، پشاور یونیورسٹی) کے تعاون سے لکھا گیا۔ ترجمے کی قبولیت کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت اشرف علی تھانویؒ نے بشارت منامی سے نوازا۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ قدس سرہٗ نے نہایت مسرور ہوتے ہوئے خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔ الحمد للہ کہ طبع شدہ تمام کاپیاں افغانستان، ایران اور بلوچستان میں تقسیم ہو گئیں اور عوام نے بہت پسند فرمایا۔

اکابرین علماء و اولیاء پر شاہکار مضامین

ویسے تو مولانا صاحب کے سب مضامین بہت وزنی، مدلّل، پُر مغز اور اہمیت کے حامل تھے مگر بعض ان میں شاہکار کے درجہ میں تھے۔ ان میں الفرقان لکھنؤ کے حضرت جی نمبر کے لئے لکھا گیا مضمون بعنوان ''صدیقِ وقت و یوسف اقلیم دین د

دعوت'' تھا۔ مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنو حضرت علامہ منظور احمد نعمانی کے بقول حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے نمبر نکالنے کے لئے تمام اسباب جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت جی کے خطوط کا بھی ایک گراں قدر ذخیرہ ہاتھ آ گیا۔ مگر خطوط کے علاوہ ایک خاص ضرورت کسی ایسے مضمون کی تھی جو اس کام سے گہرا عملی تعلق رکھنے والے کسی صاحب کے قلم سے ہو۔ اور وہ مضمون سیر حاصل بھی ہو مگر جو لوگ فکری اور عملی اعتبار سے اس تبلیغی کام میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں مضمون نگاری کا کوئی خانہ نہیں۔ ہمارے علم میں صرف ایک صاحب ہیں جو اس عموم سے مستثنیٰ ہیں یعنی محترم مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے صدر شعبہء عربی، پشاور یونیورسٹی۔ ہماری خواہش تھی کہ اُن کا مضمون اس نمبر کے لئے مل جاتا۔ چنانچہ اُن سے درخواست کی گئی مگر تبلیغی چلّہ میں ہونے کی وجہ سے اُن سے رابطہ نہ ہو سکا۔ اور آخر کار جب رابطہ ہو گیا تو ہمارا دیا ہوا وقت ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ میں ضرور لکھتا اور اس بزم یوسفی میں شریک نہ ہونے کا افسوس رہے گا چنانچہ اُن کو وقت بڑھانے کا تار دیا گیا اور ان کا مضمون بھی آ گیا۔ مضمون اگرچہ قلم برداشتہ ہے۔ مگر ہمارے توقعات کے مطابق ہے۔ اس پر مولانا منظور احمد نعمانی صاحب مدیر الفرقان نے اِن الفاظ میں تبصرہ کیا ''مضمون لکھا نہیں لکھوایا گیا ہے اور نمبر کا سب سے وزنی مضمون ہے''۔ مولانا شاہ عبد العزیز دعاجوؒ نے فرمایا کہ مضمون کلیۃً القائی ہے۔ یہ مضمون الفرقان لکھنو میں مولانا محمد یوسف حضرت جی کے نام سے 1965ء بمطابق 1385ھ بائیس صفحات پر شائع ہوا۔

اس سلسلے کا دوسرا مضمون حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریاؒ قدس سرہٗ کی وفات (23 مئی 1982ء) پر بعنوان علماء و اولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار'' جو ماہنامہ البیان کے شمارہ ستمبر، اکتوبر، نومبر 1985ء میں حضرت شیخ نمبر کے عنوان سے دوسو صفحات پر شائع ہوا۔ اس مضمون میں مولانا صاحب نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے بارے

میں وہ انکشافات کئے ہیں جو پہلے کبھی اُن سے نہیں سنے تھے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کا سایہ برکت ورحمت ایک چترِ رحمانی کی طرح پورے عالم پر محیط تھااور قطبیّت کا فیضان دنیا کے چپے چپے کو سیر اب کررہا تھا۔اُن کی علمی سیادت اور روحانی قیادت پر پورا عالم متفق تھا۔ اور جن سے قطبیّت ارشاد تکوین اور علوم نبویہ کی مسند یکساں وبیک وقت مزین تھی۔ حضرت شیخ کے قلب مبارک پر سینہ ءپاک نبوت ﷺ سے جو فیضان ہوا تھا۔اُس کی وجہ سے اِس دور میں اخص الخواص اور قطب الا قطاب اور قطب الارشاد اور خلافت باطنیہ نبوت کا حامل زمانہ فرد فرید غوث وقت کے مقام پر فائیز فرمایا گیا تھا۔ حضرت کی یہ بڑی کرامت تھی کہ مختلف بلکہ متضاد طبائع اور مسالک کے لوگ آپ پر متفق تھے۔ سچ ہے کہ ولی راولی مے شناسد۔جب مولانا صاحب حضرت شیخ الحدیث کے قطبیّت کا اتنے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں۔ توان کا اپنا مقام کیا ہوگا۔

مزید فرمایا کہ ”فقیر کو 1393ھ میں خواب میں کہا گیا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث قطب الارشاد ہیں“اور پھر میرے اندازے کے مطابق حضرت شیخ کا انتقال بھی پندرہویں صدی کے شروع میں ہوا۔ جیسے بعض مجدّد نئی صدی کے شروع میں فوت ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام غزالیؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ۔

اسی طرح ماہنامہ البلاغ کراچی کے لئے حضرت علامہ مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان کی علمی خدمات کے بارے میں ایک مفصّل ومربوط مضمون بعنوان ”حکیم الامت تھانویؒ کے علمی جانشین“ لکھا۔ جو اپنی جامعیّت اور معلومات کے لحاظ سے البلاغ کے گراں قدر مضامین میں شمار ہوتا ہے۔ یہ مضمون 89 صفحات پر مشتمل ہے۔ جو حضرت تھانویؒ کے زیر سرپرستی تصنیف و تالیف سے لیکر ان کے اپنے وقت کی تصنیفات پر مشتمل ہے۔ بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدّس سرہٗ پر جمع کیا ہوا مواد و مقالہ جو ایک بیش بہا خزانہ تھا۔ مولانا صاحب کی

وفات کے بعد کہیں گم ہو گیا۔

مولانا صاحب کے شاندار مضامین میں وہ دو مقالے بھی ہیں جو وفاقی شرعی عدالت میں پیش کئے گئے۔ پہلا مقالہ (رجم، تفاسیر، احادیث و عمل صحابہؓ کی روشنی میں) جو مضبوط دلائل و حوالہ جات کے ساتھ 211 صفحات پر مشتمل ہے اور جن کی بنا پر وفاقی شرعی عدالت نے رجم کو شرعی سزا کے طور پر مان لیا۔ یہ مسوّدہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ دوسرا مقالہ "شاتم رسول کی شرعی سزا" جو 124 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو پروفیسر محمد نعمان صاحب نے حال ہی میں اعجاز پرنٹرز پشاور سے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔

ماہنامہ البیان

حضرت مولانا صاحب کے تصنیفی کارناموں میں ایک شاندار کارنامہ ماہنامہ البیان کا اِجرا تھا۔ سلیمان اکیڈمی کا قیام اور اس کے ذریعے ماہنامہ البیان کے اِجرا کا خیال مولانا صاحب کو 1956ء میں آیا تھا۔ اور اس کا ذکر بطور استفسار سیّد صاحب کے رفیق قدیم مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بھی کیا تھا۔ اُن دونوں نے اِس خیال کی تصویب بھی کی تھی۔ اور بالآخر سلیمان اکیڈمی کے ترجمان کی حیثیت سے ایک دینی و علمی "ماہنامہ البیان" کے نام سے مولانا محمد اشرف خان کی سرپرستی اور مولوی فضل حق ترنگزئی کی ادارت میں شوال 1403ھ مطابق جولائی 1983ء سے نکلنا شروع ہوا۔ پہلا شمارہ 62 صفحات اور نفیس طباعت پر مشتمل تھا۔ مدیر صاحب محمد یوسف البرجویؒ اور مدیر اعزازی میر حاتم صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تیس روپے اور ملنے کا پتہ سلیمان اکیڈمی (اشرف منزل) نزدِ اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی، پشاور پاکستان۔

البیان کے پہلے شمارے پر مختلف اداروں اور مشاہیر کے تبصرے و تعریفی خطوط موصول ہوئے۔ مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ نے ارقام فرمایا کہ مخدوم من حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب سلیمانی اِس دور قحط الرجال میں اُس قدسی صفت جماعت

کے رکن رکین ہیں۔ جو تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس اور دعوت و اصلاح کے تینوں کارہائے نبوت کو مثالی توازن و جامعیّت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ماہنامہ البیان سے اپنے دین کی طویل عرصہ تک صحیح خدمت لے۔ قبولیّت سے سرفراز فرمائے اور حضرت کی حیات میں برکت دے۔

مدیر ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ نے البیان کو ایک قابل مطالعہ دینی و علمی ماہنامہ قرار دے کر نفیس طباعت کی تعریف کی اور مولانا صاحب کے مضمون آغاز بیان کو خوب سراہا۔ مدیر الحق اکوڑہ خٹک مولانا عبدالقیوم حقّانی نے فرمایا کہ البیان علمی، ادبی تحقیق اور طباعت و اشاعت ہر لحاظ سے مثالی ہے۔

مولانا محمد عبدالقدوس قاسمی صاحب جسٹس وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد نے ارقام فرمایا کہ البیان صورتاً و معنیً ہر لحاظ سے مستحق تقدیر و اعجاب ہے۔ مضامین کی بلند پایگی اور تنوع نے مجلہ کے معیار میں خوب اضافہ کیا ہے۔ مفتی الٰہیٰ بخش اکیڈمی کاندھلہ مظفرنگر یوپی بھارت کے مدیر نور الحسن راشد فرماتے ہیں کہ البیان کو دیکھ کر مسرت کی عجیب کیفیت ہوئی۔ انشاء اللہ اس کے ذریعے سے حضرت سید صاحب کی روحانی تعلیمات پوری طرح محفوظ ہو جائیگی۔ مفتی سیاح الدین کاکاخیل رکن اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد نے اس علمی و دینی خدمت پر مبارک باد پیش کی۔ مولانا صاحب کی کوششوں کو سراہا اور البیان کی کامیابی کے لئے دعا کی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مالی مشکلات اور ساتھیوں کے عدم تعاون کی وجہ سے یہ رسالہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔

باب۔ 18

تصانیف و مقالات

کتب

- سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر، مکتبہ سرمدی لاہور 1969ء / 1389ھ صفحات 184
- فضائل اعمال کا فارسی ترجمہ
- سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت جلد اول، تصوف و سلوک کی حقیقت ارادت و مشیخیت وصفات الہیہ پر مشتمل، ستمبر 1981ء سلیمان اکیڈمی، اشرف منزل
- سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت جلد دوم، اخلاص، معمولات سلوک، ذکر، نماز و دعا پر مشتمل
- سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت جلد سوم، اصلاحی مکتوبات سلیمانی
- اصلاحی خطبات جلد اول، ادارہ نشر واشاعت اسلامیہ محلہ جنگی پشاور صفحات 296
- اصلاحی خطبات جلد دوم، ادارہ نشر واشاعت اسلامیہ محلہ جنگی پشاور صفحات 363
- شاتم رسول کی شرعی سزا۔ صفحات 124، 1433ھ اعجاز پرنٹرز پشاور
- قرآن و سنت کی روشنی میں دعوت و تبلیغ کے تقاضے، سلیمان اکیڈمی اشرف منزل، اسلامیہ کالج پشاور
- آنحضرت ﷺ کے داعیانہ اخلاق سلیمان اکیڈمی اشرف منزل، اسلامیہ کالج پشاور نومبر 1999ء

کتابچے

- چہل حدیث، سلیمان اکیڈیمی اشرف منزل نزد اسلامیہ کالج پشاور
- یادِ محبوب
- حدیث ناگفتنی
- پیامِ رومی
- پیام رسان امت
- چھ نمبر قرآن وحدیث کی روشنی میں
- نبی الرحمۃ مارچ 1976ء، ربیع الاوّل 1396ھ
- رومی اور تصوف
- رومی کا پیام عصر حاضر کے نام، انگلش لٹریری کلب، پشاور یونیورسٹی، نومبر 1971ء

غیر مطبوعہ مواد

1 اسلام میں مسجد کی اہمیت، پشاور یونیورسٹی میں حکومت شارجہ کی طرف سے مسجد کی تعمیر کے موقع پر خطاب

2 رجم (تفاسیر واحادیث وعمل صحابہ کی روشنی میں) صفحات 211

شائع شدہ مقالات

1 سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر، معارف اعظم گڑھ، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر 1954ء، جنوری 1955ء

2 ایک تبلیغی سفر نامہ، صدق جدید لکھنو، 17 جنوری 1958ء

3 علم وذکر۔ الفرقان لکھنو، فروری، مارچ، اپریل، 1958ء

4 مکتوب پاکستانی، ''اپنا چہرہ اپنے آئینے میں'' پر تبصرہ صدق جدید لکھنؤ 22 مئی 1958ء

5 اخلاقی قدروں کی موت، صدق جدید لکھنؤ 6 جون 1958ء

6 اقبال کی ایک تلمیح۔ صدق جدید لکھنؤ 1958ء

7 جادہ حبیب۔ الفرقان لکھنو، فروری، مارچ، اپریل، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر 1958ء

8 اِخلاص ونیّت۔ الفرقان لکھنو، صفر، ربیع، رجب، شعبان 1373ھ

9 عہد خلافت راشدہ اور ثقافت اسلامیہ۔ صدق جدید نمبر 11، لکھنؤ 1959ء

10 اکرام مسلم۔ الخیر لائلپور 1959ء

11 انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اسلام از ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) پر تبصرہ، صدق جدید لکھنؤ 6 مئی 1960ء

12 الحذر از جعفرانِ ایں زماں۔ گورنران مغربی و مشرقی پاکستان کے بیانات پر تبصرہ۔ صدق جدید لکھنؤ 12 مئی 1960ء

13 سیّاروں میں ذی حیات مخلوق کا امکان پر تبصرہ۔ صدق جدید لکھنؤ، 13 مئی 1960ء

14 ایک قصد ناتمام۔ حضرت مجدد سرہندیؒ کے مکتوبات سے اقتباس پر تبصرہ۔ صدق جدید لکھنؤ 20 مئی 1960ء

15 چند تاثرات۔ نیا طوفان اور اُس کا مقابلہ ادارہ تحقیقات نشریات۔ اسلام لکھنؤ، صدق جدید لکھنؤ 20 مئی، 27 مئی، 3 جون، 10 جون، 17 جون 1960ء

16 مکتوبات سلیمانی تفسیر ماجدی وغیرہ۔ صدق جدید لکھنؤ، یکم جولائی، 8 جولائی 1960ء

17 سید الملت ندوی کے بعض مضامین۔ صدق جدید لکھنؤ 22 جولائی 1960ء

18 اباحیّت کی تجدید۔ صدق جدید نمبر 28، لکھنؤ 1960ء،

19 وقت کی آزمائش، صدق جدید لکھنؤ جلد 11 نمبر 32، 1961ء

20 تبلیغ غیر ملکوں میں۔ صدق جدید لکھنؤ جلد 11 نمبر 35، 1961ء

21 سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد 7 و مکتوبات سلیمانی۔ صدق جدید لکھنؤ جلد 11 نمبر 43، 1961ء

22 اقبالیات و سلیمانیات۔ صدق جدید لکھنؤ جلد 12 نمبر 49، 1962ء

23 مکتوب حرم۔ پہلے حج کے حالات ومشاہدات۔ صدق جدید لکھنؤ 12 اپریل 1963ء

24 مکتوب بر آغاز ماہنامہ الحق، مئی 1965ء

25 صدیق وقت یوسف اقلیم دین ودعوت۔ الفرقان لکھنؤ، مولانا یوسف نمبر 1965ء

26 اسوہ نبویہ اور عصری شہریت۔ الحق، اکوڑہ خٹک مئی 1966ء

27 سیاست و تعمیر ملت سید سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، فروری، اپریل تا جون 1966ء

28 سیدنا عبد القادر جیلانیؒ، الحق اکوڑہ خٹک مئی 1966ء

29 موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب، الحق، اکوڑہ خٹک ستمبر 1966ء

30 پیام رساں اُمت بینات، کراچی۔ اکتوبر، نومبر 1966ء

31 ارمغان سلیمان پر تبصرہ۔ الحق اکوڑہ خٹک، نومبر دسمبر 1966ء، جنوری 1967ء

32 مکتوبات سلیمانی مرتبہ عبد الماجد دریابادی۔ صدق جدید لکھنؤ جلد 18 نمبر 3, 4، 1968ء

33 اسلام کا نظریہ عدل و سزا، حلقہ فکر دانش، مظفر آباد، آزاد کشمیر، بینات۔ ستمبر 1968ء تا اپریل 1969ء

34 ماہرین تعلیم کی تجاویز، ماہنامہ بینات، دسمبر 1969ء

35 اقبال کا مردِ مسلم، ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، اپریل 1969ء

36 آنحضرت ﷺ بحیثیت دھندہ نظام معاشی و اقتصادی، الحق اکوڑہ خٹک، جولائی 1970ء

37 آنحضرت ﷺ بحیثیت دھندہ نظام معاشی و اقتصادی، بینات، کراچی اگست 1970ء

38 پیامِ رومی۔ بینات کراچی، دسمبر 1971ء، جنوری تا اپریل 1972ء

39 قومی تعمیر نو میں مذہب کی اہمیت، بینات، کراچی، جون 1972ء

40 پاکستان کی تعمیر میں اسلام کی اہمیت، الحق، اکوڑہ خٹک، اپریل - جون 1972ء

41 سیاست و تعمیر ملت، بینات کراچی، نومبر 1972ء تا فروری 1973ء

42 حدیث ناگفتنی (میری علمی و مطالعاتی زندگی۔ ماہنامہ الحق، جون، جولائی، اگست 1973ء

43 اسلامی اخوت اور اس کے حقوق، بینات کراچی، جولائی، اگست 1973ء

44 مشیخت وارادات، ماہنامہ بینات، اکتوبر، نومبر 1973ء

45 حضرت مولانا محمد اشرف خان ایم اے کا ایک انٹرویو (حالات زندگی) ماہنامہ

رَشاد، دسمبر 1973ء

46 سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندویؒ، ماہنامہ الرشید، لاہور، ستمبر 1973ء، فروری تا مئی 1974ء

47 قادیانی مسئلہ۔ الحق، اکوڑہ خٹک، نومبر 1974ء

48 دیوبندی مدرسہ فکر (دارالعلوم دیوبند نمبر)، ماہنامہ الرشید، لاہور 1976ء

49 نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم (عربی، اردو، انگریزی) انٹر نیشنل سیرت کانفرنس، 16 مارچ 1976ء

50 نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم، ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، جون، جولائی 1976ء

51 رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیانہ اخلاق۔ بینات کراچی، اکتوبر تا دسمبر 1976ء، جنوری تا فروری 1977ء

52 دینی تعلیم اور عصری تقاضے۔ الحق، اکوڑہ خٹک، مئی 1980ء

53 مجلس شوریٰ میں شمولیت پر مبارک باد۔ ماہنامہ الحق، مئی 1982ء

54 تہذیب حاضر اور مسلمان۔ البیان پشاور نومبر 1983ء، صفر 1436ھ، سہ ماہی المعاصر، رجب، شعبان، رمضان 1437ھ

55 علماء و اولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار۔ ماہنامہ البیان حضرت شیخ نمبر ستمبر، اکتوبر، نومبر 1985ء

56 علماء و اولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار۔ حضرت شیخ الحدیث ماہنامہ بینات جولائی تا دسمبر 1985ء مطابق ذی الحجہ 1405ھ، محرم 1406ھ

57 قلب ذاکر ساز الا اللہ ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں، ماہنامہ الحق،

اکوڑہ خٹک، نومبر 1990ء

58 حقیقت ذکر کے حصول کی معالجانہ تدبیر، سید سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں، ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، دسمبر 1990ء

59 تقریظ بر کتاب شمیم العطور المعجوعۃ مولف صوفی محمد اقبال، مدنی مارچ 1991ء، شعبان 1411ھ

60 مولانا سید سلیمان ندوی کا نظریہ دعوت و تبلیغ۔ نومبر، دسمبر 1994ء

61 تصحیح نسبت و لقب رضی المکتوب بَراستدراک مضمون از شاہ بلیغ الدین۔ ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، جون و اکتوبر، 1995ء

62 نعت نمبر مولفہ عبد الرشید ارشد پر ایک روح پرور و جان افزا مکتوب، ماہنامہ الرشید، لاہور، اکتوبر 1995ء

63 حکیم الامت تھانویؒ کے علمی جانشین 539 تا 628 منجانب مشتاق ٹکسٹائل ملز لکھا گیا۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی نے فرمایا۔ ''دل سے دل لیتا ہے۔ ایکسرے کی طرح اہل دل کا نور ظاہر کی فضاؤں کو چیر کر اندر جاتا ہے۔ یہ صفتِ تزکیہ ہے۔ جو صحبت اہل اللہ سے یسر آتی ہے کتاب سے نہیں۔ حضور ﷺ کا قلب مبارک سید القلوب ہے۔ اُس سے صحابہؓ نے لیا۔ اس طرح ایک سینہ سے دوسرا سینہ روشن ہوتا گیا''۔